

سینس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

# میت سوراگر

PDFBOOKSFREE.PK



14

حصہ



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
[www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)

سپس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والا دلچسپ ترین سلسلہ

مردہوشوں کی کہانی، ہوش مندوں کے لئے

ایک نوجوان کی خودکشت جواہروں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ ان نوجوانوں کی داستان عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ ان ذر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کن چمک نے پیائی سے محروم کر دیا تھا۔ موت کے ان سوداگروں کا ماجرا جو اپنے بھوں کو اپنے ہی ہاتھوں زہر پلا رہے ہیں۔

مقبول ترین کہانی کا راقلم عظیم کے قلم سے

# موت کے سوداگر

چودواں حصہ

ترتیب و پیشکش: سعید خان



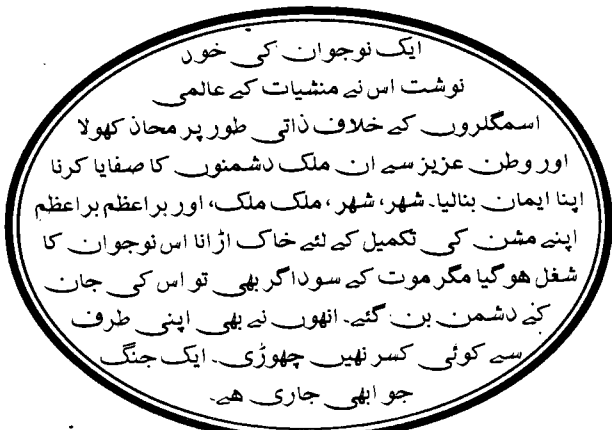
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
www.pdfbooksfree.pk

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر 23 رمضان چیمبر زلموریا اسٹریٹ آئی آئی چندر گہر روڈ کراچی 74200

# موٹا سوداگر

## اقلیمِ علیم



### سینس کا قیامی سلسلہ - آئندہ نسلوں کو ذہن فروخت کرنے والوں کی تصویریں

”تجربہ بتاتا ہے کہ اکثر عام سوچ ہی درست ہوتی ہے“ غزالہ ہولی ”ولیم اور راجر یہاں کیا کر رہے تھے؟ وہ یہاں بزنس اگانے نہیں، جم کارک کے ساتھ مل کر کثرت و خون کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔“

”ان کے بقیل ہتھیار مود کا زور ہوتے ہیں۔ مسلح رہنا ان کا معمول ہے“ اول خان دیکھ بھرے لہجے میں بولا ”ان سے باز پرس کرنے والوں کو مسموم ہے کہ وہ موت بول رہے ہیں۔ وہ کتنے ہی بچے کیوں نہ ہوں، تشدد کے سامنے بولنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ایسے ہر شخص کو دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو دوتا ہے۔ انہیں کچھ مسموم نہیں ہوتا کہ یہ چھ کوڑیوں کے عوض کتاب پڑھا سوا کر رہے ہیں اور اس کا نتیجہ کیا بھیاک نکلے گا۔“

چھ ٹائٹل کے لیے ڈراما نگار موم کی فضا پر جو مہل سکوت چھا گیا۔ بس دودھ دھوا سلائی رگڑنے کی کواڑیں سنائی دیں۔ دیرانے سرکٹ سلائے میں پہل کی تھی، میں نے اس کی تقلید کر ڈالی۔ اول خان کے آخری قہقروں نے میرا دل جو مہل کھڑا تھا اور اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے ہلکا سا سوراخ پر زور ہو گیا تھا۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ فی الحال موتی لال کی درمی دراز رہے گی“ آخر غزالہ نے سکوت توڑا۔

”مجھ پر ہی وہ بندہ میں خود اس موڑی کو کیڑا کر دیا تھا۔ پہچانے کا یہ موقع ضائع نہ کرنا“ اول خان نے کہا۔

”متم ہمت کو تو یہ موقع اشتعال کیا جاسکتا ہے“ دیرانے اول خان کے چہرے پر نظریں جھاکر کہا۔

”مشائخت کا مسئلہ تو تم نے حل کر دیا۔ ان کی نقل و حرکت کے بارے میں کیا مؤقف اختیار کیا گیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”وہی جو اخبارات میں شائع ہوا ہے“ وہ بولا ”وہ بے کاری سے آٹا کر سیر و تفریح کے لیے نکل گئے تھے۔ یہ ان کی سنگین غلطی تھی کہ انہوں نے انتظامیہ سے کسی حفاظتی بندوبست کا مطالبہ نہیں کیا۔ یہاں والوں کا سب سے مضبوط نکتہ یہی ہے کہ مرے والوں نے حفاظتی اقدام کو سرے سے نظر انداز کر دیا تھا۔ میری توقع کے عین مطابق قونصل خانے والے یہ بات اپنی زبان پر لای نہیں سکے کہ ولیم اور راجر، جم کارک کے قاتلوں کا کھوج لگانے کے کی مشن پر نکلے تھے۔“

”جیکسن سفید کر دلا سمیت پکڑے جانے والے چار مسلح مقامیوں نے بھی تو کچھ نہ کچھ بتایا ہوگا؟ دیرانے بولی۔

”ان پر بحث جاری ہے“ اول خان ایک بیک اداس ہو گیا ”وہ شر کے چٹے ہوئے جرائم پیشہ افراد ہیں اور چند ہفتوں سے غیر معمولی آسائشوں کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ ابھی تک وہ ایک ہی عیان پراڑے ہوئے ہیں کہ ان کا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ

اور یہی بازار کے دکانداروں کو بچا دی جاتی ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ ذرا سی محنت کی جائے تو میری مطلوبہ ہرجے مل سکتی ہے۔ میں خیل کا اعزاز انہیں مانگوں گی۔

”محترمت بناؤ۔ میں کو خوش کرتا ہوں۔ بکائی ہوئی تو فرستے فون پر بتاؤں گا“ اول خان بولا۔

”مشرے سے“ دیر اجرت سے ہوئی تو کیا اس وقت ہم جنگل میں بیٹھے ہوئے ہیں؟

”یہ کراچی کی ایک پرانی رت ہے۔ اسے تم نہیں سمجھ سکو گی“ اول خان اس کی حیرت سے محفوظ ہوتے ہوئے بولا ”مشرے کے مسافعات میں رہنے والے پرانے بازاروں کو ابھی تک شہری کہتے ہیں۔ انگریزی میں اسے ڈاکٹن ٹاؤن سمجھ لو۔“

دیر انگریزی انداز میں سرسلا کر خزانہ کے ساتھ فرست گئے کہنے میں مصروف ہو گئی۔

میں نے اس دوران میں اول خان سے اس زرا لیر کا ذکر بھیر دیا جو سلطان شاہ نے سوئی لال کے لیے کام کرنے والے ایس ٹی ٹیٹ کے دو دکانداروں سے چھینا تھا۔

”اس پر مت کم بیٹات سنے مجھے ہیں“ اول خان بولا ”سوئی لال کو بھی اندازہ ہے کہ وہ ایک اپریش سے عہدہ ہو چکا ہے اور اس کے ذریعے بیٹات کسی اور فریق تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اسی خدمت کی وجہ سے اپریش کامت محدود استعمال کیا جا رہا ہے۔“

”سنے جانے والے بیٹات کی کیا نوعیت ہے؟“ میں نے جنس کے ساتھ پوچھا۔

”انہیں سمجھنا آسان نہیں ہے“ اول خان ایک گہرا سانس لے کے بولا ”وہ ہدایات جاری کرتے ہوئے اسٹر کا لقب استعمال کرتا ہے۔ اپریش پر تین مرتبہ ٹھکرو سنی گئی اور تین بار ماسٹری نے پیغام رسائی کی ابتدا کی۔ اس کا مطلب ہے کہ دوسروں کو اپنے طور پر اپریش استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔“

”کیا وہ کوئی نئی کمپنی گرانٹی استعمال کر رہے ہیں؟“ میں نے سوال کیا۔

”وہ سرے سے کوئی باقاعدہ خفیہ زبان ہی نہیں ہے۔ پیغام رسائی کے لیے مدد تو بول چال کے عام لہجے سے رہا ہے۔ استعمال کیے جاتے ہیں اور ان ہی میں اصل ہدایت پوشیدہ ہوتی ہے۔ ایک پیغام میں ماسٹر نے پوچھا کہ انڈوں کے کیا دال چل رہے ہیں تو دوسری طرف سے جواب آیا کہ سوئی کی وجہ سے اس سال اولے پڑنے کا امکان ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ ان خفیہ فقرہوں سے کیا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔“

”ان فقرہوں میں اصل اہمیت انڈوں اور اولوں کی معلوم ہوتی ہے۔“

”مظاہرہ کی معلوم ہوتا ہے لیکن ان الفاظ کا خفیہ مطلب؟“ ہر حال کام جاری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جلد ہی کوئی نتیجہ سامنے

محنت کے معاملے میں تم مجھے بھی کمزور نہیں پاؤ گی“ اول خان نے بلا تردد جواب دیا ”تم تجویز بتاؤ۔“

مجھے کچھ سامان لاؤ۔ میں علیہ بدل کر تمہارے ساتھ چلوں گی“ دیر اپریش لہجے میں بولی ”اسے تو فصل خانے کی محفوظ مسافاتی خدمات سے باہر نکالنا اور گھیر گھار کر کسی دیراں میں لے جانا میرا کام ہے۔ اسے بس کہنے کے پھلنے کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔ میں نے آج اس سے رابطہ نہیں کیا تو وہ میری طرف سے ٹھکوک ہو جائے گا۔“

”ہم شہر لاک ہوئے کے زمانے میں نہیں رہ رہے جب اللہ دین کا جن میک اپ کے طوطا پر کی کا دوپ دھاریا تھا“ سلطان شاہ نے دیر کا لاف اڑاتے ہوئے کہا ”یہ بیسویں صدی کا آخر۔“

”خاموش رہو“ خزانہ نے اس کی بات کاٹ دی ”دیرا کی پوری تجویز سنئے۔“

”اسکین ٹینک لوشن سب سے زیادہ ضروری ہے“ دیرا نے کہا ”میں اپنی جلد کی رحمت تبدیل کیے بغیر لوگوں کی نگاہوں سے نہیں بچ سکتی۔ میکس ٹینکر کے لوشن کے ساتھ چند اور چیزیں آجائیں تو کوئی مجھے شناخت نہیں کر سکے گا۔“

میں دل ہی دل میں اس کی ذہانت کی داد دے بغیر نہ رہ سکا۔ سفید جلد کو گندمی رنگ دینے والے لوشن کے بارے میں میں مت کچھ سن چکا تھا۔ چمکیل دھوپ سے ترسی ہوئے یورپ اور انگلینڈ

کے ہاسیوں کے لیے دھوپ کی قہازت سے مجلس ہوئی جلد ہمیشہ دلکشی کا اشتہار رہی ہے۔ سرد مرطوب موسم میں زندگی گزارنے والے سفید قام مرد و عورت جب بھی گرم استوائی ٹکڑوں میں جاتے ہیں تو اپنی جلد کو جھلانے کے لیے ٹھنڈی چٹلائی دھوپ میں مارے مارے پھرتے ہیں تاکہ وطن لوٹ کر دوسروں کو اپنے سن ہاتھ یا دھوپ کے فصل کی نشاۃ آور کمانیاں سنا سکیں۔ جنہیں ایسے مواقع نہیں ملتے“ وہ اپنے جسم کے کھلے ہوئے حصوں پر لوشن ل کر کھسی ہی رحمت لانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کے پاس بھی کوئی جوابی قصہ موجود ہو۔ یورپ و نیو میں ایسے لوشن مت عام اور مقبول ہیں لیکن پاکستان کا معاملہ مختلف تھا۔

”تمہاری تجویز قابل عمل معلوم ہوتی ہے“ میں نے کہا ”لیکن پاکستان میں سال کے باہر مینے تیز دھوپ پڑتی ہے۔ یورپ کے چھ نیچے پاکستان میں کہاں مل سکیں گے؟ یہ خیل کا اعزاز لانے والی بات ہو جائے گی۔“

”ہاں ہی“ میرا خیال ہے کہ تم نے بھی اپنے بازاروں کے پکر نہیں لگائے۔ یہاں ایسی ایسی چیزیں ملیں گی جن کا استعمال تک نہیں سوچا جاسکتا۔ ملک سے باہر کام کرنے والے شوقین مڑاج لوگ جب چینیوں پر پاکستان آتے ہیں تو محض قمیص سے مرعوب ہو کر ایسی ایسی انٹ شیٹ چیزیں اٹھا لاتے ہیں جنہیں ان کے گھر والے بھی ہاتھ نہیں لگاتے اور پھر جیسے کوڑیوں کے مول صدر

سیکھ رہی تھی کہ اس کے مسلح محافظوں کی نگرانی میں تھا۔ وہ گاڑو لیسٹی ایف اور جاسٹیک کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے اس لیے ان سے کسی قسم کا خلصہ نہیں تھا۔ اسی طرح جاسٹیک کا شرف آباد والا ٹیلیٹ بھی ویران پڑا ہوا تھا۔ ہمارے خون خوار دشمن بکتر بند اسپرٹس کے ساتھ وہاں دھاوا بول کر نہ کی کھا چکے تھے اور اس عمارت کے مالک کو جاسٹیک کے گھر کے علاوہ گارمنٹ فیکٹری کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔

میں اسی اوجیز بن میں جلتا تھا کہ جاسٹیک نہادو کر اپنی خواب گاہ سے برآمد ہوا۔

جب میں نے اسے ناشتا کھنا ہونے کی نوید سنائی تو اس کی پیشانی پر شکن تک نہیں آئی۔ اس نے اسٹرکام کاٹن دبا کر رفیم خان کو اوپر طلب کیا اور غالی منہ چلاتے ہوئے میری طرف دیکھنے لگا۔

”تمہارے ساتھ وہ کراندانہ ہوا ہے کہ تم کہتے ہو حرام ہو گئے ہو“ میں نے جمل کر کہا۔

”سوتلوں کا قاعدہ اٹھانا بکتران فحوت ہے۔ تاہم یہ زندگی میں بھی ناشتا رفیم خان ہی تیار کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے عورتوں کو باورپی خانے میں جھوٹا تھا“ وہ نہایت اطمینان سے بولا۔

”جب تک تم ہماری رہنمائی نہیں کرو گے ہمیں کیسے علم ہو سکے گا کہ کاموں کی تقسیم کیا ہے۔“

”میں ضرب تقسیم کے چکر میں نہیں پڑا۔ میں نے رفیم خان کو بتایا تھا۔ تم کمال تیل بجاتے تو وہ خود بخود دوڑا چلا آتا۔ میں نے اوپر والے محافظوں کو دیکھ کر بحال بھی اسی کے سپروکھائی ہوئی ہے۔“

اس وقت مجھے دھیان آیا کہ ہم لوگ کھائی کر قاصد ہو گئے تھے لیکن ہم میں سے کسی کو ایس ٹی ایف والوں کا خیال نہیں آیا تھا۔ جاسٹیک نے اپنے بدعادت کا ذکر کر کے میرے ذہن سے وہ پوچھ مٹا دیا۔

رفیم خان ہم دونوں کو سلام کر کے کسی سعادت مند ملازم کی طرح مین میں گیا ہی تھا کہ سلطان شاہ بھی واپس لوٹ آیا۔ اس کے بڑے سے اطمینان جھلک رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ اوپر کی صورت حال نارمل تھی۔

”پہلی رات تھی اس لیے دونوں ہی جاگتے رہے۔“ میرے پوچھنے پر اس نے تالا ”ٹیکسٹی کا حاملہ اتنا وسیع ہے کہ اس پر فخر رکھنے کے لیے ایک کوئی ناکافی ہوتا ہے۔ کئی مقامات پر روشنی نہ ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے تاریک دیے بھی جیور پریشان کرتے رہے۔ ایک بار وہ گواہ کہے اسی تاریکی میں درہر تک مینڈلاتے رہے اور ایک کوئی انہیں شبہ افراد سمجھ کر رات کو نقل سے شت لے بیٹھا۔ بہت درہر بعد جب وہ کہے اس عدوان پھور تاریکی سے باہر آئے تو وہ اپنا سر پھٹ کر رہ گیا۔“

آجائے ناکامی کی صورت میں ہم موتی لال سے چھینر چھاؤ شروع کر دیں گے تاکہ وہ اپنے آدمیوں سے لاسٹلی تنگس کو ڈرڈیہ استعمال نہ کر سکے۔ تین مرتبہ سنی جائے والی تنگسوں میں موتی لال نے دو مختلف آدمیوں سے بات کی تھی۔ کسی طرح ان میں سے کسی کا سراغ مل جائے تو کام آگے بڑھ سکتا ہے۔“

اس سرے پر ویرانے اپنی مختصر گھر جامع فرست کھل کر کے اوٹل خان کے خوالے کر دی۔

”میں کو شش کرتا ہوں“ اوٹل خان فرست پر سرسری نظروں ڈال ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

”یہ سب عام استعمال کی قیمتی اشیاء ہیں۔ آرائشی سامان کی کسی بھی بڑی دکان پر مل جائیں گی“ خوالہ نے اسے امید دلائے ہوئے کہا ”ان کے آنے تک ویرانہ اور سرے کام مکمل کر لے گی۔“

اوٹل خان ٹھیکسی انداز میں سر ہلاتا ہوا وہاں کے رخصت ہو گیا۔

”جاسٹیک ابھی تک سو رہا ہے“ ویرانہ چھپتے ہوئے لیجے میں بولی اٹھ جائے تو اسے بتا دے گا کہ ناشتا تیار کر کھنا ہے۔ میں خوالہ کے ساتھ کمرے میں جا رہی ہوں تاکہ میرا اسٹاکل وینو تبدیل کر سکوں۔“

”جاؤ“ اللہ تم دونوں کی مغفرت کرے۔ میں جاسٹیک کو بھگت لوں گا۔“

”میرا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ تیرے گھونے جا رہا ہوں“ سلطان شاہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

دونوں عورتیں خواب گاہ کی طرف جانے لگیں تو سلطان شاہ نکاس کے راستے کی طرف چل پڑا۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ بھگت پر حسین دونوں محافظوں کی خبر گیری کے لیے گیا تھا۔

میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ سگریٹ سلگتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ جب ٹیلی راج کے سرکاری اہل کار ہمارے منسلے میں ایس ٹی ایف کی کمری دیکھی سے بے خبر تھے تو یہ امکان بھی تھا کہ ان میں سے کوئی ”ہنری کے تو فصل خانے کی فراہم کی ہوئی اطلاعات پر کام کرنا شروع کر دے۔ ان لوگوں نے باقاعدہ طور پر جاسٹیک کو میرا دوست نامزد کیا تھا اور اس تک رسائی حاصل کر کے میرا سراغ لگانے کا قصد دے چکے تھے۔“

یہ دیگر بات تھی کہ ویرانہ اور راجہ اس سمت میں پیش رفت کر کے اپنی جائیں گواہ چکے تھے لیکن ان کی کوششوں سے ہر مقامی اہل کار لاعلم تھا۔ ان حالات میں کوئی پرجوش مقامی اسپرٹ جاسٹیک کے گھر پہنچ کر اس کے تمام امکانی نمکٹوں کے بارے میں تحقیق شروع کر سکتا تھا۔

میں درہر تک اسی الجھن میں جلتا رہا لیکن پھر میں نے اس اعتقاد ویرانہ کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ اوٹل خان نے ہر کلیدی راستے کو مت ہوشیاری سے مسدود کیا ہوا تھا۔ جاسٹیک کا قدیم چوکیدار اس کے گھر سے ہٹا دیا گیا تھا اور وہ مکان ایک برائیت



ہاں میں سوچ سکیں۔ آج کے دور میں صنعتی مزدور سے کام لینا بھی ایک ہنر ہے۔

”اور تم اس ہنر میں ملحق ہو“ میں نے اس کی قطع کلامی کر کے کہا۔

”ملحق تو خیر نہیں ہوں“ جاگیر نے کمرٹھی سے کام لیا جس کا نام چلا لیتا ہوں۔

”میرا خیال ہے کہ مزدوروں میں اجتماعی سودے بازی کا تصور تم جیسے گھنیا ذہن کے تاجروں کی وجہ سے پیدا ہوا ہوگا“ میں نے کہا۔

”غضب خدا کا۔ کہاں چوکیداری اور کہاں بستی مرمت کا خطرہ کا کام۔“

”سے بستی مرمت کا کام دے کر مجھے بدنام مت کرو“ جاگیر ناگوار سے بولا۔

”جاہل اور اہل مزدوروں کے گھر کے بلب لٹوز ہوتے ہیں تو انہیں بدلنے کے لیے وہ الیکٹریشن کو نہیں بلائے۔“

”اور میں تک بلب بدل لیتی ہیں۔ رشیم خان بھی کام ٹیکسٹری میں کر لے تو تمہاری دانت میں قیامت آجاتی ہے۔“

”ہو“ قیامت تھی گئی۔ سلطان شاہ نے اندرونی راہداری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور سب کی نگاہیں بے ساختہ اسی طرف اٹھ گئیں۔

”اوجھر سے دیر“ خزانہ کے ساتھ جاری طرف ملی آری تھی۔

میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اپنی سفید رگت سے قطع نظر ہر اعتبار سے کوئی مقامی دوستو نظر آری تھی۔ اس کے ترشے ہوئے منہ پر بال لہجی اور کالی چوٹی میں غائب ہو چکے تھے۔ چوٹی خالص مشرقی انداز میں کندھی ہوئی تھی۔ سیاہ بالوں والی دھڑک اس خوبصورتی سے سر جھانکی تھی کہ قریب آنے پر بھی دیر کے سر کا کوئی اصلی بال نظر نہیں آتا تھا۔ چوٹی کے علاوہ حیرانے کانوں میں ہلکے سے توڑے بھول رہے تھے۔ دونوں ہاتھوں میں کالج کی رگھین چوڑیاں تھیں۔ ہتھکے ہلکے ہلکے ایک ساتھ وہ خزانہ کے ایک گلابی سوٹ میں چلیں گئی تھی۔ لمبی آستینوں والی پھولدار قمیض پر اسی رنگ کی سادی شلوار نے دیر کو بہت باوقار بنا دیا تھا۔ ہم رنگ بیل والا دھڑا اس کے گلے میں بھول رہا تھا۔ پیچوں میں نیچے اڑی والے سیاہ بیٹشل اور ہاتھ میں سیاہ پرس کے ساتھ وہ بالکل ہی بدل کر دکھائی تھی۔

”مجھے اعتراف کرنا پڑے گا کہ شلواک ہو مگر کا نانا دیا ہوا“

”واپس آسکتا ہے“ سلطان شاہ نے تقریبی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”میں اس وقت تم کا نانا یا سبزہ کے کسی بچے گھرانے کی لڑکا معلوم ہو رہی ہوں۔“

”دیر! کھٹکلا کر فٹس پڑی“ یہ لباس مجھے بڑے آرام دہ اور ہڈی کا محسوس ہوا ہے لیکن میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔“

خزانہ ابھی مجھے پہاڑی راستہ کی کوئی گمشدہ شہزادی قرار دے رہی تھی۔

”سب ایسا ہی نہیں ہے“ سلطان شاہ متذکرہ بولا۔

”آج میری ٹیکسٹری میں مزدوروں کی یونین بن جائے تو کیا رشیم خان اور دھرم کے بغیر چوکیداری کسے سے بھی انکار کر دے گا“ رشیم خان کے چلے جانے کے بعد جاگیر نے غصے سے لہجے میں کہا۔

”میں ٹیکسٹری کا سارا کام ٹیکسٹری داری پر کرتا ہوں۔“ خزانہ دار ملازمین کی تعداد اتنی ہونے ہی نہیں دیکھ کر وہ یونین بنانے کے

ہیں۔“ جاگیر نے وضاحت کی ”شاید کچھ بلب لٹوز ہو گئے ہوں گے۔ رشیم خان انہیں تبدیل کر دے گا۔“

”ہر کام رشیم خان کسے گا“ میں نے قدرے تیزی سے کہا۔

”چوکیداری، ناشتے کی تیاری، دوشنی کی دیکھ بھال۔ آخر تم اس بے چارے سے کتنے کام لینے ہو۔ اور وہ بھی کسی دقا شعار کردہ سے کی طرح ہر کام کر لیتا ہے۔“

”ہر کام کا تعلق چوکیداری سے ہوتا ہے۔ میں اس کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔“

”دوشنی اور چوکیداری کا تعلق تو سمجھ میں آتا ہے۔ ناشتے کا چوکیداری سے کیا تعلق نکال آتا؟“

”کھانے کا نہیں تو کیا بھوکا نہ کر چوکیداری کرے گا؟“ جاگیر نے التعمد سے سوال کر دیا۔

”میں اس کے نہیں“ تمہارے ناشتے کی بات کر رہا ہوں“ میں نے غصے سے کہا۔

”میں بھی اسی کے ناشتے کی بات کر رہا ہوں“ جاگیر نے تیزی سے تیزی جواب دیا۔

”جب وہ اپنا ناشتا خور دے گا تو میرا ناشتا کیوں نہیں بن سکتا؟ میں کسی پر اس کی بساط سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔“

”بھر کھانا بھی اسی سے پکوا لیا کرو“ سلطان شاہ نے جلاسن مشورہ دیا۔

”مکھوش کی تھی مگر وہ اس معاملے میں اناڑی ہے“ جاگیر نے بے حیائی سے جواب دیا۔

”پتا پکایا ہوا کھانا وہ خود کھا سکتا ہے“ ہم نہیں کھا سکتے۔“

”جس اس معاملے میں بھی اس کے ساتھ مساوات برتا ہوں۔ جب تک میں یہاں رہتا ہوں اسے بھی دیکھنا ہوں جو خود کھاتا ہوں۔ اس کی سوجھ بوجھ جاتی ہے۔“

”بچا ہوا کھانا اسے دے کر کون سا احسان کرتے ہو؟“ جاگیر کی بات پر سلطان شاہ کو آواز آ گیا۔

”سب میں اسے اپنے ساتھ شکار تو کھلانے سے رہا“ جاگیر بے پروائی سے بولا۔

”میں اسے ہالٹیوں میں بچا ہوا کھانا نہیں کھاتا۔“

”ڈشوں میں بیچے ہوئے کھانے کو اگر تم جھوٹا کہتے ہو تو یہ تمہاری کھوپڑی کی بیڑہ ہے۔“

”بھٹ کا وہ سلسلہ وہیں منتقل ہو گیا کیونکہ رشیم خان اپنے مالک کے لیے ناشتے کی ٹرے لیے آتا تھا۔ اس نے ٹرے میں رکھی تو چائے کی تین پالیاں دیکھ کر میں اس کے کھوپڑی کا قائل ہو گیا۔“

”سلطان شاہ کی آواز سن لینے کے بعد اس نے کسی اضافی ہدایت کے بغیر اپنے قریب کا مٹا ہوا کیا تھا۔“

”آج میری ٹیکسٹری میں مزدوروں کی یونین بن جائے تو کیا رشیم خان اور دھرم کے بغیر چوکیداری کسے سے بھی انکار کر دے گا“ رشیم خان کے چلے جانے کے بعد جاگیر نے غصے سے لہجے میں کہا۔

”میں ٹیکسٹری کا سارا کام ٹیکسٹری داری پر کرتا ہوں۔“ خزانہ دار ملازمین کی تعداد اتنی ہونے ہی نہیں دیکھ کر وہ یونین بنانے کے

”یہ بسوٹ بھرنے کے بجائے کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ حالات سازگار ہونے کا انتظار کیا جاتا“ خزانہ سے صورت حال کچھ لینے کے بعد جہانگیر نے بلند آواز میں بسوٹ کیا۔  
 ”ویرا نے اس بار اپنا وعدہ پورا نہیں کیا تو اگلی مرتبہ وہ اس پر اندھا احتوا نہیں کرے گا“ سلطان شاہ نے جہانگیر سے اسے سکھایا ”۳۳ ہمارے پوتے کا بہترین موقع ہمارے سامنے ہے۔“  
 تھوڑی دیر بعد اول خان بھی مطلوبہ اشیاء سمیت لوٹ آیا۔  
 ویرا نے اس کے ہاتھ سے تھیلی بھیجی اور خزانہ کے ساتھ ایک مرتبہ پھر خواب گاہ میں قابو ہو گئی۔ اول خان حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہ گیا۔

”یہ عورت نہیں، آفت کی تہی ہے“ وہ تھوڑے آواز میں بیڑیا ”میں تو اس کی پہلی ہچک دیکھ کر حیران رہ گیا تھا کہ یہ ایسی عورت کہاں سے آئی۔ یہ اس قدر تیزی سے سوچتی ہے کہ دوسرے جو چکاہ جاتے ہیں۔“

”مجھے معلوم میں اسے سوچنا پڑی ہے سکھایا ہے“ سلطان شاہ ویرا کی وہ تعریفیں بشم نہیں کر سکا اور کچھ کرپل پڑا ”اس سے پہلے یہ سوچ سوچ کر کامیابی رہتی تھی۔“

”ہو سکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو لیکن پھر بھی ویرا کا کمال حلیم کرنا ہی پڑے گا کہ اسے جو کچھ سکھایا گیا“ اس نے تن دہی سے بکھ لیا ”اول خان نے سنا کر اترے ہوئے تھا۔“

وقت دھبے دھبے گزرتا رہا۔ اس بار ویرا بہت دیر لگا رہی تھی لیکن میرے لیے وہ تاخیر قابلِ قسم تھی۔ جلد یا بدلتی کارنگ تبدیل کرنے والی پشتر اشیا کو اپنا کام دکھانے کے لیے خاصا وقت دیا پڑتا ہے۔ شاید ویرا بھی اپنی جلد کے کٹے ہوئے حصوں پر ٹینک لوشن لگانے مطلوبہ نتائج کا انتظار کر رہی تھی۔

میرا خیال تھا کہ وہ موتی لال کو دیا ہوا وقت بھول بیٹی تھی لیکن ایسا نہیں تھا۔ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے ہمارے اسٹیکر فون پر سبکی دوسرے حوازی انٹر وینٹ کے کوئی نمبر ملنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ میں نے فوری طور پر اسٹیکر فون آن کر دیا۔ لائن پر مداخلت محسوس کرتے ہی قبرستان کے سلسلہ موقوف ہو گیا اور ویرا کی غرائی ہوئی تواز ابھری ”کیوں ہے؟ ریسور رکھ دو۔ میں فون کر رہی ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ تم موتی لال کا نمبر لاری ہو“ میں نے اسٹیکر فون پر کہا ”تم بے فکر ہو کر اس سے بات کرو۔ ہم مداخلت کیے بغیر تم دونوں کی چرچا سننے کو تیار نہیں رہیں گے۔“

”نی لال فون بند کرو“ ایک کمرے سانس کے بعد ویرا کی آواز آئی ”میں اس وقت ایسی حالت میں ہوں کہ باہر اگر بات نہیں کر سکتی۔ مجھے سلسلہ منقطع کر کے دوبارہ نمبر ملنا ہو گا۔“

اس کی بات قابلِ قسم تھی۔ میں نے اسٹیکر فون بند کر دیا۔ چند ثانیوں بعد دوبارہ نمبر آئل کرنے کی تواز سنائی دی تو میں نے بھی اسٹیکر فون آئل کر دیا۔

ہر بات کو اس کی انتہا پر دیکھتی ہے۔ پھاڑی شہزادوں کا حسن و جلال عام توہمیں کی عداوت سے باہر ہوتا۔ بھولے بھگے کسی کی نظر نہ جانے تو وہ ہے چاند اگلے ہی دن کسی کھنڈیا کھائی میں مرا ہوا تھا ہے۔ ان شہزادوں کے شہزادے بھی بہت جلال و جہوت والے ہوتے ہیں۔“

جہانگیر اپنا ناشتا بھول کر کسی ہوتی کی طرح منہ پھاڑ کر دیر کو دیکھے جا رہا تھا۔ جب آپس کی محکوم سے وہ کچھ سمجھنے کے قابل ہوا تو تھوڑے لمبے میں بولا ”کیا وقت گزاری کے لیے سواگت رکھایا جا رہا ہے۔“

”سواگت نہیں“ یہ شکار کی تیاری ہے۔ ویرا شکار پر جاری ہے ”میں نے کہا۔“

”لیکن چھٹی کا شکار تو جینز اور بلاؤز میں بھی کیا جاسکتا ہے“ وہ بولا۔

”چھٹی کا شکار؟“ ویرا نے حیرت سے کہا ”تمہاری منہ سی کھوڑی پیش آسان ترین باتیں سوچتی ہے۔ یہ کسی شیر پہنچنے کیلئے با آوی کا شکار بھی تو ہو سکتا ہے۔“

”بد قسمی سے پاکستان میں ان میں سے کوئی جانور شکار کے لیے دستیاب نہیں ہے۔ آوی ملے ہیں تو ان کا شکار ہر وقت ہر جگہ اور ہر طبقے میں کیا جاسکتا ہے۔ بس ہاتھ میں بھرا ہوا ہتھوڑا یا ٹی نی موجود ہونا چاہیے“ جہانگیر نے اپنی بیانی سے چائے کا کھوٹ لے کر کہا ”تم شکار پر جانے کا ارادہ رکھتی ہو؟“

”تم نیستی کیلئے رہے تھے اور وہاں فیصلے ہو رہے تھے“ میں نے چہرے پر ناظرہ کرتے ہوئے کہا ”تمہارے لیے اب شہزادے سے ساری باتیں نہیں دہرائی جاسکتیں۔“

”میں بتاتی ہوں“ خزانہ اس پر ترس کھا کر رضا کارانہ طور پر اس کے قریب آ بیٹھی۔ میں جوابی کارروائی کے طور پر وہاں سے اٹھ کر دیر والے صوفے پر جا بیٹھا۔

”کیا تاتا“ میں کسی لگ رہی ہوں؟ ویرا نے میرے کان کے قریب سر کوٹھی کی۔

”موتی لال تمہیں دیکھ کر گردے کی طرح ہونٹ چڑھا کر رکھنا شروع کر دے گا۔“

”بعض اوقات تمہاری تعریف بھی بے ہودگی کی حدود کو چھوئے لگتی ہے“ وہ منہ نہ کر سکتا۔

”اگر لوشن نے تمہاری جلد کے کٹے ہوئے حصوں کا رنگ سنو لانا تو تمہیں کوئی بھی نہیں پہچان سکے گا۔“

”میں نے بغیر دیر والے کا ٹینٹ ٹیس بھی منگوائے ہیں۔ انہیں لگانے کے بعد میری آنکھوں کا رنگ بھی سیاہ ہو جائے گا۔ گھبراؤ کے موجودہ حالات میں محفوظ رہ کر باہر نکلنے کی ایک بھی صورت نہ گئی تھی۔“

”مجھے یقین ہے کہ اول خان ناکام لوٹتا ہی رہے خوف و خطر میں باہر نہ جانے پے آمادہ ہو جائے گا۔“

”میں تم سے ملنے آ رہی ہوں۔ یہ پر تپ ادھیکاری کلن ہے اور اس کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟“  
”مجھے کی ضرورت نہیں“ موتی لال کو اپنی لٹلی کا احساس ہو گیا ”پر تپ سے صرف ہمارا تعارف کرانا ہے کیونکہ وہی تم کو کام بتائے گا۔ میری موجودگی میں تعارف ہونے کے بعد تم انہیں میں ملو گے تو اجنبیت کا احساس نہیں ستائے گا۔ وہ چند منٹ کی ملاقات کے بعد چلا جائے گا۔ بقیہ وقت ہم دونوں اکٹھے گزاریں گے۔“

”تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے“ ویرا کی تواڑ ہلکے آہستہ ہو گئی ”پر تپ ادھیکاری سے ملنے کے لیے ہمیں کلن چلا جانے کا؟ میں کچھ رہی تھی کہ آج تم مجھ سے تفصیلی بات چیت کرلو گے کام کا آغاز ہو میں ہو گا۔“

”کام کا آغاز دو چار ہفتوں کے بعد بھی ہو سکتا ہے۔ پر تپ سے ملاقات کو اتنی اہمیت نہ دو۔ وہ میرا ہی تو ہے۔ جہاں میں ہوں اسے ملا سکتا ہوں لیکن بہتر ہو گا کہ یہ ملاقات میرے دفتر میں ہو۔“

”میں اپنی سہیلی کو لے کر مہاسی شہید اسپتال جاؤں گی۔ وہاں تین چار بھی بیچ سکتے ہیں۔ وہاں سے ہمارے دفتر تک آنے میں خاصا وقت لگ جائے گا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم پر تپ کو لے اسی طرف آ جاؤ؟“

”سب کچھ ہو سکتا ہے۔ تم وقت کا حقین کر لو۔ چار بجے مت دیر ہو جائے گی۔ میں تمہیں غمی بیچے تک صلیت دے سکتا ہوں۔ پر تپ میرے ساتھ ہو گا۔ میں اسپتال کے اندر جیسی وارڈ کے سامنے والی پارکنگ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ میرے پاس سیاہ رنگ کی کڑی ہو گی۔ اس پر عام نمبر پلٹ ہو گی۔ تم نمبر دیکھ کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر آ جاؤ۔ ہم فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔“

”گاڑی کا نمبر مجھے نوٹ کرادو“ ویرا نے مزید بحث کیے بغیر اختیار ڈال دیے۔

موتی لال نے نئی سیریز کا ایک تھمان نمبر لایا جس میں چاروں ہندسے یکساں تھے۔ اس کے خاموشی ہونے پر ویرا کی تواڑ ابھری ”میں تمہارے ساتھ چلی جاتی تو میری گاڑی کا کیا ہے گا؟“

”میرا مشورہ ہے کہ اپنی سہیلی کو جیسی سے اسپتال لے جاؤ۔ تمہاری گاڑی کی وجہ سے ہمیں واپسی پر دوبارہ اسپتال جانا پڑے گا۔ زیادہ دیر ہو گئی تو تمہاری گاڑی چوری بھی ہو سکتی ہے۔ واپسی کے لیے میں تمہیں جیسی منگوا دوں گا۔ ویسے تمہاری سہیلی کس علاقے میں رہتی ہے؟“

”ممبرزڈن ٹالی سوسائٹ گر صاف تھکی آ رہی ہے“ ویرا نے کراچی کی ایک نسبتاً نئی آبادی کا نام لے کر ہم سب کو حیران کر دیا۔ وہ بظاہر ہر چیز سے بے پروا اور اپنی دھن میں مست رہنے والی عورت نظر آتی تھی لیکن کام کی ہر بات کو اچھی طرح ذہن نشین

میرا اعانہ تھا کہ ویرا نے موتی لال کے گھر کا نمبر لایا ہو گا لیکن دوسری طرف سے کسی لیڈی آپریٹریک زرم وناژک تواڑ سن کر میں بچے ہندو ویرا نے موتی لال کے دفتری کا نمبر لایا تھا۔

”میں دوسری بول رہی ہوں۔ ذرا موتی لال سے بات کرادو“ ویرا نے اس سے مطالبہ کیا۔

”تھ بیٹنگ میں ہیں۔ آپ اپنا پیغام دے دیں“ شائستگی سے کہا گیا۔

”تم صرف اسے آگاہ کر دو کہ میرا فون آیا ہوا ہے۔ وہ بات کرنے سے منہ پوری ظاہر کرے گا تو میں پیغام چھوڑ دوں گی“ ویرا نے امرار کرتے ہوئے کہا ”مجھے اس سے مت اہم بات کہنی ہے۔“

”ہولڈ کر۔ میں اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتی ہوں“ لیڈی آپریٹریک تواڑ بدستور نرم اور موڈ بانہ تھی۔ تو فضل خانے کے ملازمین کی ہر اسرار غیر قانونی سرگرمیوں کی وجہ سے شاید وہ اس قسم کی مشکوک سننے کی عادی تھی اس لیے اس نے ویرا پر کوئی جرح نہیں کی تھی۔

اسپیکر فون پر ایک مشہور بھارتی گانے کی حزن دھن گونجتی رہی۔ آخر کار وہ حاصل ٹوٹ گیا اور موتی لال کی ٹری بیجان تواڑ سنائی دی ”میں دوسری ہا میں موتی لال بول رہا ہوں۔ تمہیں تو اس وقت میرے دفتر میں ہونا چاہیے تھا۔ کیا بات ہے؟ تم کہاں سے بول رہی ہو؟“

”موتی لال رکھو“ اپنے حریف کی تواڑ سننے ہی ویرا کی تواڑ میں بوجھل پن رہا تھا ”میں اپنی جس سہیلی کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہوں وہ بیڑیوں سے بھل کر ڈھکی ہو گئی ہے۔“

”اڑو“ ویرا کا قصہ مکمل ہونے سے پہلے ہی موتی لال کی ہاتھ سانہ آواز ابھری ”میں کسی اسپتال میں پیچیک کر چکی آؤں۔ مجھے یہ یقین تھا کہ اس حادثے کی وجہ سے تم نہیں آ سکو گی۔“

ویرا جذبات خود اس سے ملنے کی بھرپور تجاویز میں مصروف تھی لیکن ملاقات کے لیے موتی لال کی بے تابی محسوس کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تواڑ میں بولی ”میں اس بے چاری کے بارے میں اتنی بے رحمی سے نہیں سوچ سکتی۔ اگر آج کے لیے میری معذرت قبول کر سکو تو تمہاری سہیلی ہو گی۔“

”ہرگز نہیں۔ آج تمہیں ہر قیمت پر آنا ہو گا ورنہ آئندہ مجھے فون نہ کرنا۔ میں تمہارے لیے کام کا بندوبست نہیں کر سکیں گا“ اس کا لہجہ نرم ہی مگر الفاظ دھکی آہستہ تھے۔

”تم بلا وجہ ناراض ہو رہے ہو۔ حادثہ کسی بھی وقت اور کسی کے بھی ساتھ پیش آ سکتا ہے۔ میں بارہ بجے تک قاصر نہیں ہو سکتی اسی لیے میں نے اس وقت تمہیں فون کیا ہے۔“

”میں انتظار کر سکتا ہوں“ موتی لال کی تواڑ سے بے غلی حرج ہونے لگی ”تم کس وقت تک آ سکتی ہو؟ میں پر تپ ادھیکاری سے اسی کے مطابق پد کرانہ ملے کر لوں گا۔“



”جو بحرِ مہم بھی جھکری میں چڑے رہنے کے بجائے وہیں چلے  
ہیں“ میں نے کہا۔

”وہاں جہیں یہاں بھی سہولتیں اور آسائشیں نہیں مل  
سکیں گی۔ تم گالان میں قیام کا تجربہ دہرائنا چاہتے ہو تو ہر وقت آسکتے  
ہو“ اہل خانہ نے فراخ دلی سے پیش کش کی۔

”گالان کے تحیات اتنے خوش گوار نہیں تھے کہ کوئی صحیح  
الذائقہ آدمی انہیں دہرانے کی خواہش کر سکے۔ ویسے اصولی طور پر  
ہمارے مجرموں کو ہمارے ہی پاس لایا جانا چاہیے۔ یہاں ان کی بہتر  
دیکھ بھال ہو سکے گی۔“

”وہ صرف ہمارے ہی نہیں، پوری قوم کے مجرم ہیں۔ میں  
انہیں کہاں کہاں لے جاؤں گا؟“

”یہ تفصیلات بھی طے کر لی جائیں گی۔ میں نے تمہارے ساتھ  
چلنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“

”میرے ساتھ؟“ اہل خانہ کی آنکھیں حیرت سے پڑھائی پر  
جا چکی تھیں ”میں تاجپا کوں کہ باہر تمہارے لیے کتنے خطرات ختم  
لے چکے ہیں۔ تم باہر گئے تو تمہاری دواہی غیر یقینی ہو گی۔“

”میں اکیلا باہر نکلنے کی حماقت کر بیٹھا تو شاید ایسا ہی ہو گا۔  
تمہاری موجودگی میں کوئی سرکاری اہل کار مجھے پھرنے کی کوشش  
نہیں کرے گا۔ میں نے اپنے ذہن میں تمہارے پلان کا پورا نقشہ  
بجایا ہے۔ مجھے کوئی پریشانی ہو گی نہ تمہارے لیے کوئی دشواری پیدا  
ہو گی۔“

”دو راسی لغزش سے دیرانی ساری مداخلت پر پانی پھر جائے

“وہ“ وہ تفریق تو آواز میں بولا ”میں براہِ راست موتی لال کے چہرے  
میں ٹھہرانے کا ارادہ نہیں رکھتا“ دور دور سے اس کی ٹھہرائی کرتا  
رہوں گا مگر یہ تو سوچ کر اس نے تمہاری ہلک بھی دیکھ لی تو کیا  
ہو گا۔ تم بچے دن کا بیلا شاپ پر ہوتا ہے۔“

”تاریک ٹینک“ مصنوعی شخص موجود اور کانوں تک جبکہ  
آنے والی سوائی ٹوپی کی مدد سے میں بھی اپنے طبقے میں اتنی تہذیبی  
لا سکا ہوں کہ دور سے دیکھنے والا مجھے نہ پہچان سکے۔ میں یہاں رکا  
ہا تو گھر اور اندیشوں میں پاؤں ہو جاؤں گا۔ جہیں ویسے بھی کوئی  
نہ کوئی توبی ساتھ لے کر چلے گا۔“

”میرا خیال ہے کہ تم اس وقت پاگل ہو رہے ہو“ جاگیر  
میری طرف دیکھتے ہوئے ٹھہرا ”میرا تو آواز میں بولا“ تم خود فریبی کا  
مقا ہو کر کہہ رہے ہو۔ اہل خانہ کو ضرورت ہوئی تو فورس کے توبی  
بھی میدان میں آسکتے ہیں۔“

”تم چپ رہو“ میں نے اسے ڈانٹ دیا ”شراب پی کر  
اوجھے چڑے رہتے ہو۔ آگے نکلتی ہے تو اہل قول بکنا شروع  
کر دیتے ہو۔ اپنے نادر خیالات اپنی بے حد کھنڈی ہی میں محفوظ  
رکھو۔“

”تمہاری مرضی“ میں تو تمہاری بھلائی کی بات کر رہا تھا“ وہ  
اواس ہو گیا۔

”کر لینے کی عادی تھی ورنہ برسوں سے کراچی کی آسودہ حال بستیاں  
میں رہنے والے بہت سے متاعی لوگ بفرزندوں و فیرو کے نام اور  
جنرالی نے تکسے واقف تھے۔“

”میرزوں! موتی لال کا پکا سا سہرا تھیہ قلعہ گونجا  
تمہارے شہروں میں بفرزندوں کا کر شاہہ سہستل کی بھانگ خانہ  
چنگیوں کی منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ کراچی میں بفرزندوں کا وجود  
میرے لیے ایک خوش گوار انکشاف ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ بفر  
زندوں دو حریف ٹکوں کی سرحد کی درمیانی پٹی کی کو کما جاتا ہے۔ تم  
آؤ گی تو ہم اس آبادی کے بارے میں تفصیلی باتیں کریں گے۔ تم  
نے جیسی سے آنے کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا۔“

”میں جس بات کا جواب نہ دیا“ اسے قبول کر گئی ہوں۔ میں  
اپنے موجودہ حالات میں گاڑی کی چوری کی شمل نہیں ہو سکتی۔  
میں تمیں بچے تم تک پہنچنے کی کوشش کروں گی لیکن اسے انگریزوں  
والا وقت نہ سمجھ لیٹا۔ تموزی بہت دور سویر بھی ہو سکتی ہے۔“

دونوں طرف سے پُرجوش اور سرگرم الوداعی تحویلوں کا تبادلہ  
کیا گیا۔ موتی لال کے متنی خیر الفاظ اس کی سخی خواہشات اور  
منصوبہ بندی کی عکاسی کر رہے تھے۔ پھر سلسلہ متعلق ہو گیا۔

”میری آج تک موتی لال سے ملاقات نہیں ہوئی“ اس پر  
فون آف کیے جانے کے بعد اہل خانہ بولا ”یقین میرا اندازہ ہے کہ  
یہ شخص ذہنی مریض ہے یا مجھوڑے لائے اپنی مجھے دوا دہانت سے اس کا  
ذائقہ نافذ کر کے رکھ دیا ہے ورنہ وہ غیر ذہنی دوا کا مظاہرہ کر کے  
پر تاپ ادھکاری کو بے نقاب نہ کر کے اسے تو میں کی شناخت کو  
نہی الامکان پر شیدہ رکھنا ایک بیکرٹ ایجنٹ کا بنیادی فرض ہوتا  
ہے۔“

”اس سے بہرہ بردی جتانے کے بجائے میں اپنی خوش قسمتی پر  
رہنم کرنا چاہیے“ جیسا کہ میرے کما ”موتی لال کے ساتھ ایک اور  
دشمن کا نام تمہارے سامنے آگیا۔ موتی لال سے مننے کے بعد تم  
اس پر ہاتھ ڈال سکتے ہو۔“

”دیرانی یہ فون کل بہت سودمند ثابت ہوئی ہے“ اہل خانہ  
نے کہا ”موتی لال کا پلان سامنے آنے کے بعد مجھے بھی اپنے  
ہیڈ گرام میں تہذیبی کٹی پڑے گی۔ میں بعد کا فائل ہی نہیں ہوں۔  
پر تاپ ادھکاری کو بھی آج ہی اپنے ٹھکانے پر پہنچانے کی کوشش  
کروں گا۔“

”اپنے ٹھکانے پر؟“ میں نے چونک کر پوچھا ”ابھی تو تم خود  
بھی اپنے ٹھکانے پر پوری طرح نہیں جم سکتے ہو گے۔ ان دونوں  
کو گھیر کر مار کر میں لانا مناسب رہے گا۔“

”تم پیشہ در خانہ بدوش لوگ ہیں“ اہل خانہ بکاساقتہ لگا کر  
بولا ”مختصر نوکس پر کھینچ کر تے ہیں اور جہل پڑاؤ ڈالتے ہیں“ چند  
گھنٹوں میں ایک محل آشیانہ گھڑا کر لیتے ہیں۔ قازنک رینگ اور  
اس کے قریب واقع حروک کھڑکیں میں اسٹیشن فور پوری طرح قائم  
اور فعال ہو چکا ہے۔“

واقف ہے۔ اس نے لالو کھیت اور گولہ دار چھے حضرات کو نام دیا کہ  
مجھے شہر رکھنا تھا۔ دراصل وہ اپنے شکار کو اس کے دفتر سے  
باہر نکال کر گھیرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اگر یہ ضرور کسی اسپتال کا  
نام لیتی تو سوئی لال اسے اسپتال سے اپنے دفتر آنے پر مجبور کرے۔  
اب وہ دیر اگر اسپتال کے باہر لے گئے۔ وہاں سے سوئی لال کے گھر  
اور دفتر کا قاطع اتنا طویل ہے کہ دیر آسمانی کے ساتھ کوئی نہ کوئی  
کارروائی کرنے کا موقع نکال سکتی ہے۔

”مجھے یقین ہے کہ ضرور کے قحب میں داخل ہونے تک یہ باپ  
اویس کا کسی اس کے ساتھ رہے گا۔“ اٹلی خان نے اپنی رائے ظاہر کی  
”اس دوران میں دیر اگر کوئی کام رکھانے کا موقع نہیں مل سکے  
گا۔“

”یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔“ دیر نے پورے اصرار سے کہا ”موت  
چلائی کے ساتھ اپنے زرخش کے حجر آبنائے پر تل جائے تو موکی  
محل کو چھٹ کر کے رکھ دیتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ سوئی لال  
مضطرب ہو کر تنہی کے امید میں پر آب کو جلد ہی سبب اتنا دے گا۔  
اگر ہم نے ہوش مندی سے کام لیا تو آج دونوں ہی گھرے جاسکتے  
ہیں۔“

”تمہارا منصوبہ کیا ہے؟“ چند ٹائیلز کے محلے سکوت کو اٹل  
خان کی توانائی توڑا۔

”میں صرف ہم گمن اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ وہ بھلی اور بے  
آواز ہونے کے ساتھ ملک ترین بھی ہے۔ راجہ کی ہراساں موت  
ابھی سفارتی حلقوں میں قیاس آرائیوں کا موضوع بنی ہوئی ہوگی۔

پر آب کے رخصت ہونے کے بعد میں اچانک سوئی لال کو ہم گمن  
دکھا کر راجہ بھی سبب ایک موت کی دھمکی دلیں گی تو وہ ہاتھ پیر ڈال  
دے گا۔ اس نے کوئی بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں بے  
درجہ اسے ختم کھول کی۔“

”اگر حالات قابو سے باہر ہونے لگیں تب ہی یہ قدم اٹھایا  
جائے۔ میں ہر قیمت پر اسے زندہ بچنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان دو  
کو میں پر بھی ہاتھ ڈالنا ہے جو زرا تیسرے سوئی لال کے راجے میں  
ہیں۔“

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم سب پر اصابی تاج سوار  
ہوتا چلا جاتا تھا۔ سلطان شہ نے اصرار ظاہر کیا کہ کسی سوئی لال  
اپنے کسی توی کو پہلے سے ہماری شہید اسپتال بھیج کر اس بات کی  
تصدیق کرائے کی کوشش نہ کرے کہ اس سے ملنے والی لڑکی واقعی  
کسی زخمی عورت کے ساتھ وہاں آئی تھی یا وہ فراڈ تھا۔

وہ امکان ضرور تھا لیکن اٹل خان نے اس خطرے کو دور از  
کار قرار دے کر مسترد کر دیا۔ ”وہ اے مددائی مسم جوئی کے حوالے  
سے سوئی لال سے فون پر چیمین تاج کا سلسلہ شروع کیا تھا اور ساری  
بات اسی حوالے سے آگے بڑھی تھی۔ اس میں مہر میں سوئی لال  
کے ذہن میں شبہات پیدا ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔  
بہر حال یہ ضرور طے کر لیا گیا کہ ہمیں وقت سے پہلے اسپتال

سلطان شہ اپنی جگہ چھوڑ کر ڈرائنگ روم میں شل رہا تھا۔  
سنگھ میں وقت آتے ہی اس نے پورنا شروع کر دیا۔ ”اگر تم اپنی کو  
ساتھ لے جاتے ہو تو تم دو افراد ہوتے ہوئے بھی ایک ہی کام  
کر سکو گے۔ اپنی تم سے الگ ہو کر خطرات سے بچنا ہو سکتا ہے  
جب کہ سوئی لال کے ساتھ پر آب بھی ہو گا۔ جب وہ دیر پر اب دلی  
سے قوارف کے بعد رخصت ہو گا تو ایک توی کو اس کے پیچھے جانا  
پڑے گا۔ تم دونوں میں سے کوئی بھی سوئی لال کو چھوڑ کر اس کا پیچھا  
نہیں کر سکے گا۔ اس کام کے لیے میں تمہارے ساتھ جانا چاہتا  
ہوں۔“

”جی! اٹل خان اسے گھور رہے ہوئے غولیا سب آگے نہ  
بولتا۔ ابھی اس صوم میں خزانہ اور جنا گھیر کی افیت بھی نکل آئے  
گی۔ یہاں سے پورا جلوس روانہ ہو گا جو ہر دلی والے کی آنکھوں  
میں چرخیں ڈالے گا۔ سوئی لال کے گریبان تک پہنچ جائے گا۔ تم  
لوگ کچھ کام دھڑول پر بھی چھوڑ دیا کرو۔ ہر جگہ اپنا سر گھما رہا  
نہیں ہوتا۔“

سلطان شاہ لاچار اب ہو کر کھسپائے ہوئے انداز میں کھڑکی کی  
طرف چلا گیا۔

”تمہارے دماغ میں کوئی کیزا کھلا رہا ہو تو تم بھی منہ ماری  
شروع کرو۔“ میں نے جنا گھیر کے کان کے نیچے سر گھڑی کی اور وہ مجھے  
پھاڑ دکھانے والی تھکوں سے گھور کر رہ گیا۔

دیر ایک بچے کے قریب پوری جادو سے تیار ہو کر باہر آئی تو  
وہ ہر اعتبار سے ناقابل شناخت ہو چکی تھی۔ روشن اس کی جلد کو

مندی رنگ پر تو نہیں لاسا تھا لیکن اس کی گلابی شالی رحمت اس  
مد تک ضرور مجلس مٹی تھی کہ پہلی نگاہ میں اس کا نفی یقین نہیں  
کیا جاسکتا تھا۔ وہ اپنے شانست اور شہتیش انداز میں آدھ لٹی تھی  
کہ خود مثال کے امتیاز کے بل بوتہ پر اس پر سفید قام ہونے کا شبہ نہیں  
کیا جاسکتا تھا۔

”مذ میں منہ کالا کرنے کے بہت سے محاورے ہیں لیکن تم  
نے اپنا منہ کالا کر کے ان سب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔“ اسے دیکھتے ہی  
سلطان شاہ بول پر اٹھیں دیر کے کھٹے ہوئے توجہ دلیں کو دیکھ کر فوراً  
ی وضاحت پر اتر آیا۔ ”منہ کالا کرنے کا وہی ایک مضمون نہیں ہے  
جو تم سمجھ رہی ہو۔ دشمن کا منہ کالا ہار مل پالا اور کلا منہ گھرے  
کی سواری بھی ہمارے اپنے محاورے ہیں۔ میرا شاہ اسی طرف  
تھا۔“

”تم نے اسے فون کر کے محل مندی سے کام لیا لیکن جنہیں  
ضرور کے دوسرے سرے پر واقع ہماری شہید اسپتال کے بارے میں  
کیا معلوم ہے؟ تم نے اس اسپتال کا انتخاب کیوں کیا؟“ میں نے  
دیر اسے پوچھا۔

اس نے گردن جھکا کر خزانہ کی طرف دیکھا اور وہ فوراً ہی  
بولنے لگی ”مجھے دیر کی زبان سے ہماری شہید اسپتال اور بفرندن  
کے نام ہی کی حیرت ہوئی تھی لیکن یہ پورے ضرور کے پنے پنے ہے۔

موتی لال کی سیاہ کرد لایا کسی مشتہ کار کے موجود ہونے کا یقین کر کے اہل خانہ نے ست دی سے پرے اسٹے کا ایک بکر لگایا اور گاڑی اسپتال سے باہر لے آیا۔ اس وقت تک دیرالطوسی ڈرائیور کو کرائے کی ادائیگی کر کے اسپتال کی عمارت میں قائب ہو چکی تھی۔

اہل خانہ نے گاڑی اسپتال سے باہر کھڑی ہوئی دوسری گاڑیوں کے درمیان پارک کر دی۔ میں حتمی لشت سے اتر کر اسی کے برابر میں پہنچ گیا۔ اسی وقت ایک بچہ کولڈز تک کی توڑ لگاتا ہوا گزرا تو میں نے اسے قریب بلا کر کھانے پینے کی اشیاء کے بارے میں پوچھا پھر اہل خانہ کے انکار کے باوجود ذیل کباب کے ساتھ دھن کباب اور کولڈز دیکھ کر کھوا لیں۔

دو بچہ قریبی مکان کی طرف گیا تو اہل خانہ سمجھ پر چلنے لگا کہ میں نے غلطی سے بن کباب منگوا کے کھنا ذوق کا مظاہرہ کیا تھا مگر میری دلیل ہی مختلف تھی۔ اسپتال کے قریب اپنی موجودگی کا جواز پیدا کرنے کے لیے خوددوش میں مصروف ہو جانا بے آسان کام تھا۔

بچے کی دواہی تک اہل خانہ مجھ سے اگلتا رہا لیکن گرم کبابوں کی اشتہا انگیز خوشبو نے اس کی پستانی کی سطحوں پر دور کوس۔ پھر اگلے پلے ہی جب وہ میری خوش ذوقی کا قائل ہو گیا تو میں نے اسے بتایا کہ کھیلے کے سامنے سے گزرتے ہوئے تیر خوشبو دے رہی تھی بن کباب منگوانے کی تحریک دلائی تھی۔

ہم وہاں حکم پری کے ارادے سے نہیں آئے تھے بلکہ ہمیں تین بجے تک وقت گزارنا تھا اس لیے ہم بہت دیر سے دیر سے خوددوش میں مصروف رہے۔ جس وقت ہم بچے کو پیسے دے رہے تھے اسی وقت سامنے سے ایک سیاہ کار ریختی ہوئی اسپتال کے پچانک کی طرف بڑھی۔ اس میں اگلی نشستوں پر دو افراد موجود تھے۔

میں نے بچے کو ادائیگی کرنے کے بعد بغرضی طور پر اپنی دست و پاؤں پر نظر ڈالی تو پورے تین من بجے تھے۔ "تھوڑا کیا خیال ہے؟" ٹوکے کے چلے جانے کے بعد اہل خانہ نے کوئی کوئی آواز میں پوچھا۔ "کس بارے میں؟"

"مجھ ہی میں موتی لال کو کس سیٹ پر ہونا چاہیے تھا؟" اہل خانہ نے کہا۔ "ڈرائیور تک سیٹ پر اسی کو موجود ہونا چاہیے تھا۔ کیا تم اسے پہچانتے ہو؟"

"مشکل یہی ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی موتی لال کو شکل و صورت سے نہیں پہچانتا لیکن اس وقت جو شخص ڈرائیور تک سیٹ پر نظر آیا ہے میں اسے پہچانتا ہوں۔ اس کا نام رام چند ہے اور یہ اپنے توصل خانے کے دریا کی کشتی میں ڈیویری کھڑک ہے۔ دوسرا چہرہ میرے لیے اجنبی تھا۔"

پتہ چنا چاہیے کہ اصل ڈرائیور کا آغاز ہونے سے پہلے ہمیں وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کا کھلا موقع مل سکے۔ ان جزئیات سے قاصر ہونے کے بعد اہل خانہ فون پر مصروف ہو گیا۔ ہم چاہتے تھے ڈرائیور ہم میں چھوڑ کر گیس پر نکل آئے۔ اہل خانہ نے توازن دے کر مجھے تماشائی کی ہدایت کی تو میں چونک کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

سلطان شاہ کی طرح پیدائش اپنی بلند تھی کہ میں نے بھی سن لی۔ اسے قتل اس بات کا تھا کہ میں ایک بار پھر دیرالطوسی کے ساتھ باہر جا رہا تھا۔ اس واقعہ کی داستان میں میرے جانے کا واحد سبب بھی یہی تھا کہ اہل خانہ کے ساتھ دیرالطوسی کے ساتھ دیرالطوسی کے لیے میدان میں اتر رہی تھی۔

سواری ٹوپی اور کالی میک میرے سامان میں موجود تھی۔ مسئلہ مصنوعی موچھوں کا تھا جو دستیاب نہیں تھے۔ میں نے دو دونوں چیزیں پہننے کے بعد آئیے میں اپنا جائزہ لیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ میرے دشمنوں میں سے کوئی بھی ایک جھلک دیکھ کر مجھے نہیں پہچان سکے گا۔ جہاں تک پولیس والوں کا تعلق تھا وہ اہل خانہ کی موجودگی میں میرے ساتھ کوئی زیادتی کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔

میں باہر آیا تو سب لوگ میرے پھر تھے۔ میں نے احتیاط کے طور پر قاضی کی کرسی کے بغیر بھاڑا ہوا ہتھول جب میں رکھ لیا تھا۔ دیرالطوسی ہی ہم کن پر قابض ہو چکی تھی۔

ڈیزل بجے سے پہلے ہم تینوں اہل خانہ کی کار میں مہاشی شہید اسپتال کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔

اہل خانہ نے اپنی گاڑی کی پھر سیٹ دانستہ خالی رکھی تھی۔ اس کی ہدایت پر ہم دونوں حتمی لشت پر اس طرح اڑھلک کر بیٹھے تھے کہ ہمارے چہرے کمر کیوں سے چپے تھے۔

راستے میں لوگ جو تک اور ہنسی مذاق کا سلسلہ چلا رہا۔ ایک آپ کے درپے شخصیت میں تبدیلی کے بارے میں دیرالطوسی کے ہنر کی چوہا اس قدر گہری تھی کہ اہل خانہ ہمارا اس کا ذکر کرتا رہا۔

ہم سوسائٹی اور حسن اسکو اڑ کے راستوں سے گزرتے ہوئے غریب آباد کی سمت سے فیڈل بی ایریا میں داخل ہوئے تو اہل خانہ دیرالطوسی کے مطالبات کا امتحان لینے کے لیے اس سے راستوں کے بارے میں سوالات کرتا رہا اور دیرالطوسی ہر بار درست جواب دے کر امتحان میں کامیاب ہوتی رہی۔ آخر کار اہل خانہ نے اسے گرم آباد کے پڑھم اور باوقعی علاقے میں اتار دیا۔ دیرالطوسی سے اتر کر بے پروا لائن انداز میں جیسی کی طرف چل دی۔

دیرالطوسی کے موتی کالونی کے راستے سے مہاشی شہید اسپتال کی طرف روانہ ہوتے ہی اہل خانہ کی گاڑی بھی حرکت میں آئی۔ تاہم تاہم آباد کی کشادہ یک طرفہ سڑکوں سے ہوتے ہوئے جب ہم مہاشی شہید اسپتال پہنچے تو صرف سو ادب بچے تھے۔

دیرالطوسی جیسی اسپتال میں ابرجی کے شے کی طرف چل گئی۔ اہل خانہ گاڑی آٹھوں کے وادی کی طرف لپٹا چلا گیا۔ اس طرف

والی سیاہ کھولا اسپتال سے برآمد ہوئی۔ اس بار بھی ڈرائیو تک سیٹ پر وہی چہو نظر آیا جسے اول خان نے رام چند کے نام سے پہچانا تھا۔ اس کے برابر والی سیٹ پر دیر انجینی ہوئی چمک رہی تھی۔ دوسرا آدمی مقبی نشست پر چلا گیا تھا۔

سیاہ کھولا کے آگے نکل جانے پر اول خان نے انجن اشارت کیا اور گاڑی باہر نکال لی۔ اس دوران میں کھولا بائیں طرف مڑ چکی تھی۔ اول خان نے اپنی گاڑی اس کے تعاقب میں ڈبل دی۔

آگے جا کر سیاہ کھولا دودھ سے مڑک پر اپنی طرف گھومی اور راہ گیروں کے لیے بنے ہوئے آہنی پل کے قریب رک گئی۔ اس وقت ہم موڑ پر تھے۔ اول خان کے تومیل کی گاڑی ہمارے پیچھے موجود تھی۔

اس مقام پر سیاہ کھولا کی پچھلی نشست سے ایک شخص نچے اتر اتر اور کار تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ ہم سوڑ گھوم کر اس کے پیچھے ہو لیے۔ کھولا سے اترنے والے شخص کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ وہ مضبوط جسم کا ایک حوصلہ قامت شخص تھا جس کے چہرے سے سخت گیری کے آثار نمایاں تھے۔

اس وقت میری تمام تر دلچسپی کھولا سے زیادہ اس شخص کے انجام پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھی اس لیے میں سرگھما کر پیچھے کا جائزہ لے رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اول خان کا کوئی آدمی وہاں اتر کر اس کا ہتھیار کسے گا اور موقع پا کر کہیں اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا لیکن میرا وہ اندازہ دقیانوسی ثابت ہوا۔ اول خان کے آدمی اس وقت جارحانہ موڑ میں تھے۔ وہ شخص واپس چل کر ٹیکسلیں کی طرف جا رہا تھا کہ ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی اس کے قریب رکی پچھلی سے دو آدمی نچے اترے اور پر تاب ہائی مشین گن سے اس کے تومیل کو مارا۔ اس کا سر ٹکڑ ہو گیا اور اس کے ساتھ کار رقبہ رفتاری سے حرکت میں آگئی۔

اس بھیڑی پری مڑک پر وہ واقعہ شاید اس قدر تیزی سے رونما ہوا کہ جو لوگ پر تاب کی طرف حوجہ نہیں تھے انہیں اندازہ ہی نہیں ہو سکا ہو گا کہ وہاں اغوا کی ایک سو ادوات جنم لے رہی تھی۔ چند ہی لمحوں میں ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی ٹرک کے جھرم میں شامل ہو کر ہماری گاڑی کے عقب میں آگئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اول خان کے تومیل نے اپنے شکار کو اٹھائے ہی ہے ہوش کھولا ہو گا کہ وہ شور مچا کر ان کے لیے کسی قسم کی دشواری کھڑی نہ کر سکے۔

”پر تاب ادھیکاری کو نہایت متفانی سے اٹھالیا گیا ہے“ میں نے اول خان کو خوش خبری سنائی۔

”آدمی کھلی ہوئی بد معاشی پر اتر آئے تو بڑے کام اسی طرح کھیل بن جاتے ہیں۔“

”یہ تمہارے تومیل کی یک طرفہ بد معاشی ہے۔ ابھی تک پر تاب نے کچھ نہیں کیا تھا۔“

”ہو سکتا ہے کہ دوسرا آدمی موتی لال ہو“ میں روانی میں کہہ گیا۔

”پھر پر تاب ادھیکاری کہاں ہے؟“ مجھے اول خان کے سوال سے پہلے ہی اپنے قیاس کی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ اول خان کہہ رہا تھا ”مجھے وال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معاملہ اس قدر آسان ثابت نہ ہو جتنا ہم اب تک سمجھ رہے ہیں۔ اگر رام چند کے ساتھ پر تاب ادھیکاری یہاں آیا ہے تو موتی لال اپنے خلاف کسی خطرناک سازش کی بوسلگہ چکا ہے۔“

”کھلیا یہ ممکن نہیں کہ رام چند ہی کا دوسرا نام موتی لال ہو۔ کلرک اور اسٹینو کے رتبے میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔“

”نہیں“ اول خان نے پورے وثوق سے کہا ”مغرب خان نے پشاور میں سادوں اور پولی سے تقریباً سب کچھ اٹھوایا تھا۔ اس کی رپورٹ میں موتی لال کا ذکر تھا۔ اگر وہ دہری حیثیت میں کام کر رہا ہو تا تو سادوں یہ حقیقت بھی ضرور اگل دیتا۔ تم ہمارے تشدد کے ہتھکنڈوں سے واقف نہیں ہو۔ ہمارے سامنے بڑے بڑے سوراخا رخ زندہ پولیس کی طرح ہلکانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔“

اول خان جو کچھ کہہ رہا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ آخری لمحات پر موتی لال کی پیشہ ورانہ کھوپڑی نے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک طرف اس کے ذہن پر شش و پنجیل دوزی کی طلب سوار تھی تو دوسری طرف اسے خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔ اس الجھن کا حل نکالنے کے لیے اس نے خود سامنے آنے کا ارادہ ترک کر کے رام چند کو پر تاب ادھیکاری کے ساتھ عہد ہی شہید اسپتال بھیج دیا۔ اگر وہ دونوں دوزی کو لے کر اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتے تو موتی لال انہیں دودھ میں پڑی ہوئی کھچ کی طرح الگ نکال پھینکا اور دوزی پر قابض ہو جاتا۔ کوئی ادھیچ پیش آتی تو سارا دیال وی دونوں سے ”موتی لال محفوظ رہتا اور گھر بیٹھے پورے حالات سے باخبر ہو جاتا۔“

”اگر موتی لال غلطو محسوس کر چکا ہے تو صورت حال کوئی بھی رخ اختیار کر سکتی ہے“ میں نے کہا ”ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں ہی پھونکیشن کو نہ سنبھال سکیں۔ ان دونوں کی دیکھ بھال پر کچھ اور افراد بھی مامور ہو سکتے ہیں۔“

”میرے یہاں پہنچنے سے قبل فورس کے تین ہتھیار بند آدمی پہنچ چکے ہیں۔ میں نے مین روڈ سے ملحق ایک ذیلی مڑک کے کھڑے ان کی گاڑی دیکھ لی تھی۔ وہ دس آدمیوں کو بھی آسانی سے سنبھال لیں گے۔“

”ان کے اور تمہارے درمیان رابطے کی کیا صورت ہو گی؟“ میں نے پوچھا۔

”پہلی اپنے ہتھیاروں کے بغیر کسی حجاز کا رخ نہیں کرتا“ اس نے اطمینان سے ڈبل بورڈ کا پھلانا کھول دیا۔ اس میں رکھے ہوئے مختصر سیاہ ٹرانسپیر کا سرخ بلب روشن تھا۔

”ٹھیک تین بج کر دس منٹ پر یکساں ہندسوں پر مشتمل نمبر پلیٹ

ہو؟

”ہاں“ اسے دساکس کے ساتھ آزادانہ طور پر کام کرنے کا موقع ملے تو وہ بڑے بڑے کام انجام دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اپنے باپ کے قتل کے بعد وہ ماضی سے رشتہ توڑ بیگی ہے۔ لیجئے کہ اس ذیل کے سلسلے میں اس کی بے مثال خدمات ہم سب کے سامنے ہیں۔ ”اول خان بہت زیادہ سنجیدہ تھا۔“

”یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔ وہ بہت تھکن مزاج عورت ہے۔ کسی بھی وقت اس کا دماغ تنگ کیا تو وہ خاموشی سے پوری ٹانگ فورس کا سودا کر کے کیس کھل جائے گی۔“

”وہ اتنی ہی بھی نہیں ہے۔ عزت و احترام ہے اس کی کاپی پلٹ ہو سکتی ہے۔“

”کو شش کر کے دیکھ لو لیکن بعد میں مجھ سے شکایت نہ کرنا۔ جس دن میری اس سے ٹھن گئی وہ اپنے اصل روپ میں تمہارے سامنے آجائے گی۔ وہ کچھ اسی قسم کی عورت ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ تمہارے قریب رہ کر خوش رہتی ہے لیکن یہ بات حقیقت سے نہیں اترتی کہ وہ صرف تمہیں خوش کرنے کے لیے سارے اچھے کام کرتی ہے۔“

”میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔ میں نے فوراً ہی اس کی ہجج کرنی ضروری سمجھی۔ اس سے بگاڑ پیدا کیے بغیر اس کی نیت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے۔“

اس وقت تک سیاہ کھولنا ناظم آباد، لیبیلہ اور گوندہ سے ہوئی ہوئی ایم اے اس جناح روڈ کے ٹریفک کے بھاؤ میں شامل ہو چکی تھی۔ چند گاڑیوں کے قاطع سے ہم اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ ہمارے مقصد میں اچھی ٹانگ فورس والوں کی پرائیویٹ گاڑی چلی آ رہی تھی۔

گاڑوں روڈ کے ٹریفک سگنل سے سیاہ کھولنا صدر کی طرف مڑی تو صورت حال واضح نہیں تھی کہ رام چند اپنی مرضی کے راستہ پر سفر کرنا چاہتا ہے یا اس پر قابو پانے کے بعد اسے اپنے مقامے ہوئے راستے اختیار کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ موتی لال کے گھر اور دفتر کے علاوہ جگہ کی ٹیکسی تک جانے والا راستہ بھی اسی موڑ سے ہو کر گزرتا تھا۔

فکر، تشویش اور سستی کے وہ لمحات اس وقت تک برقرار رہے جب تک تینوں گاڑیاں شارع فیصل کے آخری ٹریفک سگنل پر نہ رک گئیں۔ ادھر سے ہمیں طرف جگہ کی ٹیکسی کا راستہ تھا۔ سیدھی سڑک پر موتی لال کا دفتر تھا اور اپنے موڑ والا راستہ موتی لال کے گھر کے علاوہ ڈینس سے ہوتا ہوا گورنگی روڈ سے جاتا تھا۔ سیاہ کھولنا ایسی جگہ نہ تھی کہ اس کے اگلے سڑکی سمت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

سگنل کی سبز چراغ روشن ہوتے ہی سیاہ کھولنا داہنا مڑی کیڑ چلے پیچھے لگا۔ رام چند گاڑی کو قطار سے نکال کر دیکھے دیکھے داہنی دوسرے لائے لگا اور پھر ہمارا کامواں کلشن کی راہ پر دواں ہو گیا۔

”ہر تاب سازشی مشین کا ایک پرزہ ہے۔ اپنی جگہ بے ضرر بلکہ شاید مخصوص لیکن جب یہی پرزہ مشین کے ساتھ چلتا ہے تو اس کی کارکردگی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی مسلسل ریشہ دوانیوں نے ہمارے تیرہ گارڈس ہیں ورنہ ہم ایک عام آدمی کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔“

”کاش مجھے بھی آج موتی لال کا احترام کرنے کا موقع مل سکتے۔“

”موتی لال کہاں؟ اب تو رام چند کی بات کرو۔ دیر اکو دی اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔“

”شاید دیر اسے اندازے کی غلطی ہوئی ہے۔ وہ رام چند ہی کو موتی لال سمجھ رہی ہے۔“

”تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا؟“ اول خان نے چرک کر پوچھا۔

”سب کچھ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہو رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دیر اسٹافٹ میں ہے۔“

”میں وہی جانتا چاہ رہا ہوں۔ پروگرام کے مطابق کیا ہو رہا ہے؟“

”دیر نے کہا تھا کہ وہ تاب کو فوراً ہی گاڑی سے اتار دے گی۔ اس نے رام چند کو موتی لال سمجھ کر اپنی حرکت فرمائی جا بجا چلا رہا ہے۔“

”گاہک رام چند کو کھڑی دیر کے لیے ایک خوبصورت نیو کیوالمانہ پروڈکٹ کا موقع نظر آتا تو اس نے دیر کے مطالبے پر عمل کڈا۔“

اب وہ دیر پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر رہا ہو گا۔

”میں ہی کو ششوں میں اس کی ڈورس کی صفحہ چلی جائے گی۔ وہ زبردست کے ساتھ بولا۔“ دیر اپنی خدا داد صلاحیتوں کے بارے میں اتنی پرائیویٹ ہے کہ جو بات دلی پر رکھ لیتی ہے وہ کر گزرتی ہے۔“

”خدا خیر کرے“ اس بار ہم اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر نظر آ رہے ہو۔“

”تم ٹھیک کر رہے ہو۔“ اس نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

”چند دنوں سے میں اس کے بارے میں کسی اور ہی زانیہ سے سوچ رہا تھا۔“

”تم بال بچے دار تو ہی ہو۔ اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر سراسر خسارے میں رہو گے۔“

”میں ان بے ہودگیوں سے مطلقاً دور رہتا ہوں۔ سچی سوچ کا محور صرف اور صرف میری فورس ہے۔“

”تمہاری فورس کا دیر خانہ سے کیا تعلق کھل آیا؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”جنگل ٹانگ فورس فی الحال ایک خالص حوالہ عظیم ہے جس میں باورچی سے کمانڈر تک سب موجود ہوتے ہیں۔ اگر میں اپنے اوپر والوں سے بات کر کے فورس میں ایک چھوٹا سا مگر مضبوط زبانا یونٹ قائم کر لینے میں کامیاب ہو جاؤں تو ہماری کارکردگی کا دائرہ بہت بڑھ سکتا ہے۔“

”اور اس یونٹ کی کمان کے لیے تم دیر کے نام پر خود کر رہے

آری تھی۔

اول خان نے اپریس پر دوبارہ اپنے آدمیوں سے رابطہ کر کے قیدی کا حال پوچھا تو وہ بدستور رہے ہوئی کی حالت میں عقبی بازیدان پر پڑا ہوا تھا۔ اول خان نے قیدی کو ڈکی میں بند کر کے ایک آدمی کو گاڑی کے ساتھ رکنے کی ہدایت کی اور بقیہ دو افراد کو محل تھاری کے ساتھ اپنی طرف بلایا۔

چند منٹ بعد وہ دونوں چل قیدی کے انداز میں بے پروائی سے راستہ طے کرتے ہوئے ہم تک آچکے۔ ان میں سے ایک کا نام طور خان اور دوسرے کا اجمل تھا۔ اول خان کے اشارے پر وہ پچھل سیٹ پر بیٹھ گئے۔

”کولا سامنے والے مکان میں مگلی ہے“ اول خان نے اٹھل کے اشارے سے انہیں بتایا ”یہاں پشت پر سارے مکانات ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اس لیے اس مکان سے ٹکاس کے دو ہی راستے ہیں۔ پچانگ والا سامنے کا حصہ یا خالی پلاٹ کے ساتھ بنی ہوئی پچلی دیوار۔ ان راستوں سے کوئی فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوتا چاہیے۔ سیاہ کولا سے آئے والی عورت ہماری ساتھی ہے۔ غالباً اس مکان میں اس کے سوا کوئی اور عورت نہیں ہے۔ اسے کوئی گمنام بچپانے بغیر ہمیں دوسرے تمام افراد کو پکڑتا ہے۔ ہم دونوں اندر جائیں گے تم دونوں باہر سے نگرانی کرو گے۔ سٹیل نمبر دو ستنے ہی تم کو ہر ضروری کارروائی کرنے کا اختیار ہو گا۔“

اول خان کی ہدایات بہت واضح تھیں۔ وہ دونوں میں سر کر کے رہ گئے۔

اول خان نے اپنی کاری ڈکی لکھلی تو اس میں ایک بھولا ہوا خستہ حال بیک موجود تھا۔ اس نے کیوس میں مگلی ہوئی زپ کھلی تو بیک میں بھرے ہوئے ملک ہتھیار جمائے گئے۔ اول خان نے خیلے میں سے دو کلا فٹکھیں نکال کر ان کے میگزین چمکانے اور ایک کلا فٹکھ مجھے تھمادی۔

”تم پچانگ کی طرف سے اندر پہنچو میں خالی پلاٹ کی طرف سے دیوار پچاندنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک دوسرے کی طرف بڑھتے ہوئے ہم گیراج والے کونے پر ملیں گے اور مکان کا چکر لگائے گے بعد اندر داخل ہونے کے راستے کا تعین کریں گے“ اول خان نے پیشہ ورانہ انداز میں مجھے ہدایت دی۔

”یہ سٹیل نمبر دو کیا بلا ہے“ اس کا استہلال کیسے ہو گا؟ میں نے پوچھا۔

”اسے ایس او ایس یا خطرے کا پیغام سمجھ لو۔ محل سے ایک خاص انداز میں آواز نکالنی ہوگی۔ یہ کام میں خود کروں گا۔ دعا کرو کہ اس سٹیل کے استہلال کی نوبت نہ آئے پائے۔“

میرے دل میں سو سو پڑا ہوا کہ کس اول خان مارا گیا اور میں گھیر لیا گیا تو میں باہر والوں کو اپنی مدد کے لیے کہنے بلاؤں گا لیکن میں اول خان سے وہ سوال کرنے کی بہت نہیں کر سکا۔

ہم دونوں نے پرمعزم نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف

”شاید دیراؤ بیس سے نکل کر کورنگی جائے گا ارادہ رکھتی ہے“ اول خان بیڑایا۔

”ہو سکتا ہے کہ رام چند ہی اسے کہیں لے جا رہا ہو۔ ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“

کلشن کے پل اور پہلے چوراہے کے بعد جب سیاہ کولا دوسرے چوراہے سے اوپنی طرف گھومی تو ہم دونوں کی ساری امیدیں دم توڑ گئیں۔ وہ راستہ کہیں بھی جا رہا ہو کورنگی ہرگز نہیں جاتا تھا۔

شاید دیراؤ رام چند پر قابو پانے میں ناکام رہی تھی۔ اسے موقع نہیں مل سکا تھا یا پھر رام چند نے اس سے ہم کن چھین لی تھی۔ جب سیاہ کولا غیر متعلقہ راستے پر جاری تھی۔

ان دونوں بھی بوٹ تین کا وہ علاقہ خاصا اچھا تھا لیکن ہر طرف غیر آئی سرگرمیاں بھی جاری تھیں۔ علاقہ مکمل طور پر آباد نہ ہونے کی وجہ سے وہاں بھڑکھار اور دوپٹے بھی بہت زیادہ تھے۔

”اب شاید ہم موتی لال کے گھر پر ہی رکیں گے“ اول خان شاید بلند آواز میں سوچ رہا تھا۔ میں نے کوئی جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ اس دربان میں اول خان نے گاڑی کی رفتار سے کھلی تھی۔

اس علاقے میں کافی اندر آنے کے بعد جب موقع ملا تو اول خان نے فوری طور پر اپریس نکال کر اپنے توپوں سے رابطہ کیا اور انہیں رگ جانے کی ہدایت دی۔ کم آبادی والے اس حصے میں رام چند اپنے پیچھے دو گاڑیوں کو کچھ کرچہ کتا ہو سکتا تھا۔

آخر کار سیاہ کولا ایک پچانگ کے سامنے گھوم کر رکی۔ اس کا ہارن بجا اور پچانگ کھلتی سی کار اندر چلی گئی۔

ہم اس مکان کے سامنے سے گزرے تو پچانگ بند ہو چکا تھا۔ پچانگ کے ساتھ والے ستون پر شاہ زمان خان کے نام کی تختی بہت نمایاں تھی۔

”یہ مکان موتی لال کا نہیں ہو سکتا۔ میری اطلاعات کے مطابق وہ ایک قلیٹ میں رہتا ہے“ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اول خان کی تشریحات میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا ”یہ یہاں کیوں آئے ہیں؟“

”ہو سکتا ہے کہ رام چند نے اپنے کسی پدگرم پر محل شروع کر دیا ہو۔“

”یا موتی لال نے اپنی عیاشیوں کے لیے یہ خیرہ ٹھکانا بنایا ہوا ہے۔“

اول خان نے اپنی گاڑی ایک دیران مگلی کے سرے پر پارک کر دی۔ گاڑی کی پوزیشن ایسی تھی کہ اندر بیٹھے بیٹھے شاہ زمان خان کے مکان میں آئے جانے والوں پر نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔ اس مگلی میں کئی زیر تعمیر مکانات بند اور دیران پرے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان میں کہیں کہیں خالی پلاٹ موجود تھے۔ ایک مکان میں زود و شور سے کام ہو رہا تھا اور وہاں مزدوروں کی چل پل نظر



دیکھا مگلا شکم میں اپنے لباسوں میں چھپائیں اور شاہ زمان خان کے مکان کی طرف چل دیے۔ میں نے جو کئے انداز میں قرب و جوار کا اندازہ لگایا تو آباد مکانوں کے چھانک بھی بند تھے۔ خوش حال لوگوں اور بڑے مکانات پر مشتمل آبادیوں میں یہی ایک خلیہ یا غامی ہوتی ہے کہ ہر شخص دروازے بند کیے اپنی چادر باری بلکے چادر باری میں بچے ہوئے اپنے اپنے کمرے میں گمن رہتا ہے۔ اسے محلے یا بڑوں کے لوگوں سے کوئی غرض ہوتی ہے نہ وہ ان کی فکر میں گھلا رہتا ہے۔

بظاہر میدان صاف ہونے کے باوجود میں شاہ زمان خان کے مکان کے اس ستون کے پاس جا کھڑا ہوا جس پر اطلاعی گھنٹی لکھن نصب تھا۔ میرا انداز ایسا ہی تھا جیسے گھنٹی بجانے کے بعد کسی جواب کا انتظار کیا جا رہا ہو۔ اس دوران میں میں اپنی چاکلی کی جھروں سے چمک کر اندر کا جائزہ بھی لیتا رہا۔

پوسج میں سیاہ کھلا کھڑی ہوئی تھی۔ عمارت اور احاطے کی دیواروں کا دور سامنی گھیرا دیکھا ہر دیر ان نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپک کر دیوار کے اوپر سے اندر نکلا ڈالی تو وہاں بھی کوئی مجلس موجود نہیں تھا۔ میں نے پلٹ کر آخری بار اپنے قریب دیوار کا جائزہ لیا اور دیوار کی گرہ ہاتھ لگا کر اوپر کے بغیر اندر بچھ زمین پر جا کھڑا۔ میرے کونے کی دھمک اتنی تیز تھی کہ میں فوراً ہی قریبی جمائڑوں کا اونٹ میں ہو گیا۔

میں دھڑکنے ہوئے دل کے ساتھ سانس روکے کسی مقفل گا  
انتظار کرتا تھا۔ دن دہانے کسی کے گھر میں ہوں کہ خود کو ہر  
خطرے سے محفوظ رکھنا کتنا مشکل کام ہوتا ہے، اس کا اندازہ مجھے  
آج ہوا۔

چند تائیں بعد پختہ فرش پر کسی کے قدموں کی قریب آئی ہوئی چاب ستائی دی۔ میں نے کلا محض ہاتھ میں سنبال لی۔ دیوانہ کھلنے کی آہستہ ہوئی پھر ایک اونچی مردانہ آواز گونجی "مکون ہے؟" وہ جو کوئی بھی تھا، یعنی طور پر میرے کوہنے کی آواز سن کر ادھر حوجہ ہوا تھا۔ اسے اپنے سوال کا کوئی جواب نہیں ملا تو دوبارہ اس کے قدموں کی آغوش ستائی دینے لگیں۔ شاید وہ آگے سے نیچے اتر کر احاطے کا جائزہ لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے اپنے وجود کو جھاڑیوں کی اوٹ میں سمیٹ لیا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ اسی طرح دیکھ بھال کرتا رہے تو میں اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکوں گا۔ میرے جسم کے سارے مسامات کے دہانے کھل گئے تھے۔ میں اپنی بظلمتوں سے نیچے بیچے کی دھاریں سی ریختی محسوس کر رہا تھا اور ریڑھ کی ٹہنی میں عجیب سی سنسانت ہورہی تھی۔

ایک مرتبہ پھر تدموں کی جانب بہ تدریج قریب آئی یہ جلی جلی  
 بھر مجھے جھانپوں کے اور ایک حکیم ناک چوٹھرا آیا جو کہنے لگا تو  
 ناہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔

”جھپا۔۔۔ تو مجھے دھوکا نہیں ہوا تھا۔ ایک خبیث یہاں  
جھپا۔۔۔“ اس نے زیر میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولنا شروع ہی کیا تھا

میری نظر میں پہلا طریقہ پُرخطر اور دوسرا بے ضرر تھا۔ باز  
میں نے اس کے دوران میں وہ اچانک چڑھتا چلانا شروع کر دیا تو تمہارا سارا  
کھیل خراب ہو سکتا تھا۔

اپنے لباس اور وضع طبع سے وہ اس گھر کے کینوں کا کوئی منہ  
چمکا ملا دم مطوم ہو رہا تھا۔ مجھے ہتھیار بند دیکھ کر اس کا سارا  
خصلہ ہوا ہو گیا تھا اور چہرے پر خوف کی پرچھائیاں ناچنے لگی  
تھیں۔ میں پوری طرح اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے بعد اس کی  
طرف بڑھا تو دہشت سے اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔ میں نے  
کلاکتوف کی چال اس کی طرف سے ہٹائے بغیر اپنی جب سے ہسٹول  
نکالا پھر اس سے چٹخ کر وہ میرے ہاتھوں میں وہ ہتھیاروں کی  
موجودگی کا سبب جان سکتا۔ میں نے ہسٹول کی چال اپنی گرفت میں  
لے کر اس کے ذہنی دستے سے اس کی بانہیں کشیں پر ایسی زندہ وار  
ضرب لگائی کہ وہ بس ایک تیز چٹکی کے ساتھ تھرا کر مار فرش پر ڈھیر  
ہو گیا۔

ہوا چلا گیا۔  
ہسپتال کا دست اس کی کھوپڑی سے ٹکرانے کی آواز اُٹتی بلکہ  
تھی کہ مجھے فوری طور پر کسی اور کی مددِ اعانت کا خوف ستانے لگا۔ میں  
اس کے وجود کو کالر کے سامنے مجاہدوں کی اوٹ میں سمجھنے لگا۔  
”کیا اسے مار دیا؟“ وہ قہر زدہ آواز سننے ہی مجھے یوں محسوس  
ہوا جیسے میرے بدن پر کھلی کاٹھنار مارا گیا ہو۔ میراث مجاہدوں کی  
طرف تھا اس لیے میں سوال کرنے والے کی صورت نہیں دیکھ سکا  
مگر اس آواز کی دہشت سے اپنے فکار کا کالر میرے ہاتھ سے  
چھوٹ گیا۔

میں بھلی کی سی سرفت سے چلتا تو اول خان میرے سامنے  
موجود تھا۔ بے اختیار میرے سینے سے اطمینان کا ایک لمبا سانس  
خارج ہو گیا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میرا دم ہی تمام ہو گیا تھا۔  
اس وقت بہت زیادہ کھنے کی مہمکش نہیں تھی۔ سیدھی  
سی بات تھی کہ اول خان نے ملے شدہ کونے پر بیچ کر میری تلاش  
میں اوجھڑا کر نظریں دوڑائی ہوں گی تو میں بوجھ ڈھوتا ہوا نظر آیا  
اور وہ دبے قدموں میرے پاس آہنچا۔ ہم دونوں نے پہلی سے بے  
ہوش آدمی کو کھیت کر بھاڑوں میں اتنی دور تک رکھ لیا کہ وہ

ہوئی سن دوف کے سامنے میں ایک شخص بیٹے کے مل لینا ہوا بیٹے سے اندر جھانک رہا تھا۔

میں نے اس معاملے کی اہمیت کے پیش نظر سیاہ کمرے کے سواہوں کے علیے اتنی تفصیل سے ذہن نشین کیے تھے کہ ان کی شکلوں کے علاوہ لباس تک مجھے یاد تھے مجھے ہمت پر لینے ہوئے شخص کا چہرہ نظر نہیں آیا لیکن میں نے اس کے لباس پر نظر ڈالتے ہی پہچان لیا کہ وہ رام چند تھا۔ دھوپ دشمن کا سراغ ملنے ہی میرے وجود میں غم اور حوصلے کی ایک نئی لہر سرایت کرتی پہلی گئی۔ وہ سن دوف ایک مستطیل کی صورت میں تعمیر کی گئی تھی۔ اس میں کونے کے چار ستونوں پر غم اور نکلت کی ہمت کو دو کمرے تھا۔ غم اور ہمت کے فرش کے درمیان تقریباً دو ڈھائی فٹ اونچائی تھی۔ چاروں طرف زینم میں بیٹھے جڑے ہوئے تھے تاکہ دن کی روشنی اور سورج کی دھوپ براہ راست کمرے میں پہنچ سکے۔ بیٹے کی دواہوں کی ٹائید اسی کا سدباب کرنے کے لیے اندر کے رخ پر مضبوط آہنی گرل نصب کی گئی تھی جس کی وجہ سے بیٹے توڑ کر کمرے میں اترنا آسان نہیں رہا تھا۔

اس وقت سورج مغرب میں تھا۔ کمرے کے دو دروازے پر اپنا سایہ پڑنے کے خوف سے رام چند اس وقت بیٹے کی مشقی دروازے کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر ہوا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا تھا، خفیہ طور پر اس کی کمرہ میں لیے بغیر کر رہا تھا۔ چند ٹائیل تک ذہن پر زور دینے کے بعد میں پوری پوزیشن سمجھنے میں کامیاب ہو گیا۔

میرے اندازے کے مطابق سن دوف اسی کمرے میں بنی ہوئی تھی جس میں دیر کسی کے ساتھ موجود تھی۔ دیر کے پہنچ جانے کے بعد موتی لال نے شاید رام چند کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا اور خود دیر کو لے کر اس کمرے میں جا بیٹھا۔ ممکن ہے کہ وہ اس وقت نشے میں بھی رہا ہو۔ رام چند نے اپنی تہن کا انتظام ہوں لینا چاہا کہ ان کی ظولت کا تماشائی بن کر سن دوف کے سارے لیٹ گیا۔ اس وقت وہ اپنے اسی انتہائی جذبے کی وجہ سے بدترین صورت حال کا سامنا کرنے والا تھا۔

کمرے میں جو کچھ ہو رہا تھا، وہ رام چند کے لیے اس قدر دلچسپ تھا کہ وہ اپنے گرد پیش سے یکسر غافل ہو کر اپنے مشاہدے میں متہم تھا۔ میں آہستگی سے رسائی سے نکل کر اس کے قدموں کے قریب جا کھڑا ہوا لیکن اسے پھر بھی اپنے اوپر غافل ہونے والے عذاب کا ادراک نہ ہوا۔ میں نے نہایت اطمینان سے پوزیشن کے گرد دونوں ٹخنوں کے قریب سے اس کی پڈلیاں بکڑیں اور دوشیانے بے رحمی سے اسے اسی حالت میں پیچھے کی طرف گھیرتا لے آیا۔ اس نے ملنے سے دہشت زدہ آوازیں نکالتے ہوئے کسی چیز کو پکڑنے کی سرزد کو بخش کی لیکن اس کے سامنے سپاٹ شیشوں اور مسلح فرش کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ آہنی گرل جو اس کا سارا بن سکتی تھی، شیشوں کے پیچھے کمرے کے رخ پر لگی ہوئی تھی۔

آسانی سے کسی کی نظروں میں نہ آ سکے۔

وہ رام چند ہرگز نہیں تھا۔ گو ہم دونوں میں سے کسی نے موتی لال کو نہیں دیکھا تھا لیکن اقل خان کا بھی اندازہ تھا کہ وہ موتی لال نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہمارے اصل حریف بدستور اندر موجود تھے۔

مکان میں داخلے کا راستہ تلاش کرنے کی مشکل خود بہ خود حل ہو چکی تھی۔ مکان کا برآمدے میں کھلا ہوا دروازہ ہم کو اندر داخلے کی دعوت دے رہا تھا۔

ہم کچھ دیر تک اپنے پنجہ بازی میں دیکھے کسی بد عمل کا انتظار کرتے رہے۔ جب کہیں سے نقل و حرکت کی کوئی آواز یا آہٹ نہیں سنائی دی تو ہم نے احتیاط سے اندر داخل ہو کر فیصلہ کر لیا۔ اقل خان میرے آگے تھا۔ میں اس کے پیچھے جھانپوں کی اوٹ سے کھلا اور بچوں کے مل دوڑتا ہوا برآمدے میں پہنچ گیا۔ دیر سے لگ کر اندر کی سن گن لینے کے بعد ہم دونوں کے بعد دیکھے اندر داخل ہو گئے۔

وہ ایک راہداری کا کشادہ ابتدائی حصہ تھا۔ اس میں داہنی طرف ایک بند دروازہ تھا جو شاید ذرا تنگ دھم میں کھتا تھا۔ اندر گھرا سکتا چھایا ہوا تھا۔ اقل خان نے دست کھاکر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو دروازہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر کھل گیا۔ اندر فرشی تالین پر مٹی فرنگہ کا ہوا تھا لیکن ان سب چیزوں کی اتر حالت کینوں کی بے ہودائی کا نوچ کر دیکھی گئی۔ ہم وہ دروازہ بند کر کے آگے ہو لیے۔

اس وسیع عریض گمریش کل سات کمرے تھے جن میں سے چھ بالکل دیر ان پڑے ہوئے تھے ساتویں کمرے میں سے آنے والی عروانہ اور زنانہ آوازیں سن کر ہم نے اس کا جائزہ لینے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ مجھے گھر پہ تھی کہ اس مکان میں دیر کے ساتھ کم از کم دو مرد موجود تھے۔ ایک کے ساتھ وہ بند کمرے میں خوش گویوں میں مصروف تھی لیکن دوسرے کا کہیں پتا نہیں تھا۔ مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں ہمارے ہاتھوں بے ہوش ہونے والا شخص ملازم کے بجائے خود موتی لال ہی نہ رہا ہو۔ اس کے سوا دوسرے آدمی کی بددھشتی کا کوئی جواز نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں بیس فٹ گمریش بند کمرے پر نگاہ رکھتا ہوں۔ تم ذرا ہمت کا بھی ایک چکر لگاؤ! اقل خان نے اوپر جانے والے زخموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرسری سبب میں کہا۔

میں خود بھی یہ چاہتا تھا کہ بند کمرے میں طبع آزمائی کرنے سے پہلے یہ اطمینان کر لیا جائے کہ ہم پر بے خبری میں پیچھے سے وار نہیں کیا جائے گا۔ اوپر جانے والے زینے طے کرتے ہوئے میں بالکل بے خوف تھا۔ میں نے پتوں پہلے ہی جیب میں رکھ لیا تھا۔ اس وقت کا خوف بھی شائے سے نکلی لیکن زخموں کا انتظام ہونے پر میں ہمت پر مبنی برساتی میں داخل ہوا تو میرا دل اچھل کر مٹنے میں آیا۔

مکان کی ہمت پر کسی کمرے کی تقریباً ڈھائی فٹ اونچائی

حسن آلود ہوا تھا، نہ بدن پر خون کی کوئی ٹپاک چھینٹ آئی تھی۔ مجھے عمل اطمینان تھا کہ وہ کافی دیر تک ہوش میں نہیں آسکے گا۔ میں اس کا جائزہ لیے بغیر زخموں کی طرف بڑھ گیا۔

اول خان زخموں کے اختتام پر سخت بے چینی کے عالم میں میرا انتظار کر رہا تھا۔ میری مہلک دیکھتے ہی وہ دلی دلی حوش آواز میں غرایا، کہاں رہ گئے تھے؟ یہ تجھیں کہاں سے بلند ہو رہی تھیں؟

”آخری راؤنڈ کے لیے میدان صاف کر رہا تھا“ میں نے جواب دیا تو مجھے خود اپنی آواز اجنبی لگ رہی تھی ”اور رام چند سن دوف سے تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اب وہ کئی گھنٹوں کے لیے بے ہوش ہو چکا ہے۔ تم سوئی لال کے کمرے کے دو دروازے پر پوزیشن لے لو۔ میں سن دوف سے اسے لٹکارتا ہوں۔“

”اس وقت تم پر دروغی سوار ہے“ اول خان غور سے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا ”تھوڑی دیر کے لیے تم یہاں رکو۔ میں اوپر کا جائزہ لے کر آتا ہوں تاکہ پوری صورت حال سمجھ سکوں۔ پتا نہیں تم اوپر کیا گل بھلا کر آئے ہو۔“

”اوپر کچل میں جھلجھل ہے۔ سو فیصد بے ہوش اور ذمعی“ میں کوشش کے باوجود اپنی آواز میں نری پیدا کرنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

”اس وقت تم بائیس ہو رہے ہو۔ میں تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کر سکتا“ مجھے ایک طرف دیکھ کر تیزی سے زینے چڑھا چلا گیا۔

میں بے پروائی سے زینے کی خوبصورت چوٹی رنگ کا سارا لے کر سرگٹھ سگٹھ میں مصروف ہو گیا۔

چند منٹ بعد اول خان نیچے آیا تو کھلایا ہوا تھا ”جسے تم بے ہوش سمجھ رہے ہو وہ مر چکا ہے۔ اس کے چہرے اور پیشانی کی ساری ہڈیاں پختہ پور ہو کر خون میں لتھڑی ہوئی ہیں۔ وہ بالکل ناقابل شناخت ہو کر رہ گیا ہے۔“

”مر گیا تو اچھا ہی ہوا۔ میرا اسے ختم کرنے کا ارادہ نہیں تھا“ میں نے کہا۔

”سن دوف کے نیچے دیر ایک نیمہ ہوش مرد کے ساتھ۔“ اول خان نے مجھے اپنے مشاہدے سے آگاہ کرنا چاہا لیکن میں نے انتہائی جتنی سے اس کی بات کاٹ دی۔

”شیخوں سے میں بھی اندر جھانک سکتا تھا مگر میں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم نے بند کمرے میں کیا دیکھا ہو گا۔ رام چند بھی پورے اشناک سے وہی سب دیکھ رہا تھا کہ میں نے خاموشی سے اسے دبوچ لیا۔ اس کا شرم دیکھ ہی چکے ہو۔“

اول خان نے میرے دونوں شانے تمام کر مجھے بری طرح

میں اسے اسی طرح گھسیٹا ہوا برساتی تک لایا۔ پلٹ فرش کی چتر مڑنے اس کے پیٹ اور سینے پر بقیہ خراشیں ڈال دی ہوں گی کہ تک چند منٹ کے بعد ہی فرش پر خون کی جھمکی ہوئی لیکرس نظر آ رہی تھیں۔ اسے پلٹ کر سیدھا ہونے کا موقع دے بغیر میں نے اس کی کمرے سوار ہو کر اس کی ہاتھیں پوری قوت کے ساتھ اوپر اٹھانی شروع کر دیں۔ اذیت سے اس کی ہاتھیں ٹھکیں تو میں نے ہڑیا کر اس کی ہاتھیں چھوڑ دیں۔ شور کی آواز سوئی لال کے کانوں تک پہنچ جاتی تو ہمارے لیے پریشانی پیدا ہو سکتی تھی۔ سن دوف کے پیشے گرد غبار اور برساتی پانی کی دھوک تمام کے لیے اتنی ہمارت کے ساتھ جمل کیے جاتے ہیں کہ اس راستے سے رام چند کی آواز کمرے تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ کمرے کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے دوسرے بھی آواز کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن پھر بھی ہر احتیاط ضروری تھی۔

اس کی ہاتھیں چھوڑ کر میں اس کی پشت سے اڑے بغیر اس کی کھوپڑی کی طرف گھوما تو میرا دوران خون میری کپٹھیں پر ٹھوکریں مار رہا تھا۔ میرے نیچے دبا ہوا شخص ایک سفارشی اہل کار نہیں، درمے صفت سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ دوسروں کی زندگیوں کے چراغ جل کر کے اپنے لیے کامیابیاں کمانے والے ان ایجنٹوں کو اپنے حوش انجام کا اچھی طرح علم ہوتا ہے جسے وہ مصوفیت یا پھر زندگی کی رعینوں میں گھر گھر کھولے رہتے ہیں۔ حریف کے مقابلے میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس ایک ہی راستہ

ہوتا ہے۔ دشمن کو ختم کر کے سرخونڈی حاصل کر لیا یا بے خوفی سے موت کو گلے لگا لیں۔ اس وقت رام چند نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ اچانک ہی اپنے کسی اجنبی دشمن کی بمیاب گرفت میں آچکا تھا۔ وہ میری دسترس سے بچنے کے لیے پورا زور لگا رہا تھا مگر میں اس درمے کو کسی بھی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے اس کے بال پوری قوت سے مٹھی میں جکڑے اور پھر اس کے چہرے کو فرش پر دے مارا۔

اس کے مٹل سے ایک گھمی گھمی جھجھکی اور فرش پر خون پھیلنا شروع ہو گیا۔ شاید فرش سے گرانے کے نتیجے میں اس کی پیشانی، ناک کی ہڈی یا دہانہ لولمان ہو چکا تھا۔ وہ دشت کے عالم میں ہاتھ پیر چلائے لگا۔ میں نے بال جکڑے جکڑے دوبارہ اس کا سر اوپر اٹھا کر چو فرش پر دے مارا اور جنوں کے عالم میں باہر اسی حرکت کا اعادہ کرنا چلا گیا۔

مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنی بار اس کا سر فرش سے کرایا۔ مجھے اس وقت ہوش آیا جب میں نے یک بیک محسوس کیا کہ اس کی ساری مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ فرش کا ایک پناہ صحنہ تانہ خون میں ڈبا ہوا تھا اور وہ کسی بے جان پتلے کی طرح میرے نیچے دبا ہوا تھا۔ میں اس کے بال چھوڑ کر نیچے اتر آیا۔ رام چند کی یادگار مرث کا وہ عمل اتنی آسانی سے غصہ پڑ رہا تھا کہ میرا لباس

وہاں سے واپسی کا ارادہ نہ رکھتی ہو۔ چند لمحوں کے لیے میں سوچ میں پڑ گیا۔ دیر اپنے شکار تک پہنچ چکی تھی اور اس پر حاوی نظر آ رہی تھی۔ وہ جب چاہتی اسے ہم گن کی زد پر لے کر وہاں سے روانہ ہو سکتی تھی۔ پھر اسے کس کا انتظار تھا؟

میں نے ہسپتال نکال کر اس کی ٹال کا رخ دروازہ قیامت محض کی قریبی دیوار کی طرف کیا اور سن دوف کے پیشے پر قاز کر دیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کھلی چمٹ پر ہونے والے قاز کا دھماکا سن کر کوئی بھی شخص ست یا حتام کا یقین کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

مگر شور بادی دھماکے کے ساتھ ہی پیشے ٹوٹنے کا چمٹا ہوا اور کوئی میرے لیے ہوئے نشانے کے مطابق دیوار میں پیوست ہو گئی۔ قاز کی آواز سننے ہی موتی لال کا نشانہ ہرن ہو گیا اور وہ ارے باپ رے کہہ کر اپنی کرسی سے اچھل پڑا۔

پیشے ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس بار میں نے اندر کی آوازیں واضح طور پر سنی تھیں۔

موتی لال کے حواس اتنے مختل تھے کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکا کہ قاز کہاں سے ہوا تھا مگر وہ اپنے پیشے ٹوٹنے کی آواز سننے ہی سن دوف کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکان خیز گئی۔

میں نے ہسپتال کی دھواں اگلی ہوئی ٹال کو جنبش دے کر اس کے لیے خیر گالی کا اظہار کیا پھر ہماری آواز میں کہا ”ہوشیاری باید معاشی دکھانے کی ضرورت نہیں۔ پورا مکان پولیس کے گھیرے میں کیا ہوا ہے۔ دونوں خاموشی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آؤ۔“

موتی لال نے حیرت سے سراٹھا کر سن دوف کی طرف دیکھا اور ہکلاتے ہوئے بولا ”ہم شریف آدمی ہیں۔ پولیس کو ہمارے گھر میں چڑھنے کی طرح گھسنے کی کیا ضرورت پیش آتی؟“

”تم باہر آؤ پھر سب کچھ بتا دیا جائے گا“ میں نے سرو لمبے میں کہہ ”میں کسی بادی دوفی پولیس افسر کو دیکھے بغیر یا ہر نہیں آؤں گا“

موتی لال کے کھوئے ہوئے اوسان تیزی سے بحال ہوتے جا رہے تھے ”تم تو صورت ہی سے اوکل درجے کے چور مطوم ہوتے ہو۔“

”موتی ڈارنگ! اس کی بات مان لو“ دیرا نے غیجیگی سے اسے مشورہ دیا ”یہ دو سرا قاز بھی کر سکتا ہے ہم اس کے مقابلے میں خراب پوزیشن میں ہیں۔ تمہارے آدمی بھی نہ جانے کہاں غائب ہیں۔“

”گھرے کا دو اوازہ اندر سے بولت ہے۔ اسے توڑنے میں انہیں دانتوں پیچیدہ آجائے گا۔ یہ حرام زادے میرا بال بھی بگا نہیں کر سکتے“ یہ کہتے ہی اس نے اچانک دوڑ لگا دی۔ وہ اسی دیوار کی طرف دوڑا تھا جس پر میں نے پوزیشن لی ہوئی تھی۔ یوں وہ چشم زندن میں میری نگاہوں سے اوچھل ہو گیا۔

میں چمٹ پر ابھری ہوئی سن دوف کا پکرکات کر مخالف سمت میں پھپھاتا تو اس وقت تک دیرا اس پر حملہ آور ہو چکی تھی اور بائیں

مجبوز ڈالا اور سرگوشیاں غراہٹ میں بولا ”ہوش میں آؤ۔ تم غلط سمجھ رہے ہو۔ کمرے میں دیرا مغلوب نہیں غالب ہے۔ وہ دونوں شراب پی رہے ہیں۔ مرنے میں بکا ہوا مطوم ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہی موتی لال ہے۔“

میں ایک بھر بھڑکی لے کر رہ گیا۔ اول خان نے پوری پوزیشن کی وضاحت کر کے میرے سر پر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا تھا۔ اس میں خلی بھی تھی کہ وہ اشد باکرات کی تہ تک پہنچ جاتا تھا۔ دیرا کوئی پارسا عورت نہیں تھی لیکن وہ جو کچھ کتنی بھی سوچ سمجھ کر اور اپنی مرضی سے کرتی تھی۔ میرے لیے یہ تصویریں سوانہ بدیع تھا کہ وہ موتی لال کے چگل میں پھنس کر اس کے جبر کا نشانہ بن گئی تھی۔ شاید میرے لاشعور کے کسی گوشے میں ابھرنے والے اسی خوف نے عارضی طور پر میرا ذہن ماؤف کر کے رکھ دیا تھا۔

”وہ موتی لال ہے اور اب اکیلا رہ گیا ہے۔ تم دو اوازے کے سامنے جم جاؤ میں اوپر جا رہا ہوں۔“

اول خان نے اپنا سر جھک کر میرے شانے چھو ڈپے اور میں نے یوں پردہ ڈال چکا تھا۔

ذہن پر چھائی ہوئی دھند صاف ہونے کے بعد سن دوف سے کمرے کا جائزہ لینے میں کوئی امراغ نہیں تھا۔ میں نے خامی بے احتیاطی بلکہ دھمائی سے سن دوف کے ایک پیشے سے اندر جھانکا تو مجھے ایک وسیع اور آرامہ خواب گاہ نظر آئی۔ پورے مکان کے مقابلے میں وہ کراہت صاف ستھرا اور پُر کشش نظر آ رہا تھا۔ ایسا مطوم ہو رہا تھا جیسے پورے گھر میں صرف اسی ایک کمرے کی باقاعدہ صفائی اور دیکھ بھال ہوئی ہو۔

مہسری کا بستر چمکن آلود تھا۔ ایک گوشے میں پیشے کی گول میز کے گرد چار منقش اور گدلی کرسیاں بڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک پر دیرا اپنے مکمل سوپ سمیت موجود تھی۔ دوسری پر گندی چلد والا ایک دروازہ قیامت محض نیم دراز تھا۔ اس کے ہاتھ میں جام تھا اور نظریں والمانہ انداز میں دیرا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

لہ بھر کے لیے دیرا کے لیوں میں جنبش نظر آئی پھر شاید وہ کھکھلا کر نفس بڑی لیکن کمرے کی کوئی بھی آواز میرے کانوں تک نہیں پہنچ سکی۔ اگر سن دوف کے پیشوں کی تعصیب میں ذرا بھی نقص ہوتا تو نہ صرف اندر کی سب آوازیں مجھے سنائی دیتیں بلکہ رام چندر کی جھپیں بھی اندر سنی جاسکتی تھیں۔

سن دوف کے پیشوں کو بے اثر بنانے کے لیے اندر کی چادروں ستروں میں کمرے طے رنگ کے دھیزر دوسے نظر آ رہے تھے جو اس وقت گوشوں میں سنے ہوئے تھے۔ ہر گوشے میں پردوں کو سرکالے کے لیے سترے رنگ کی موتی موتی اور مزین ڈوبڑیاں بھول رہی تھیں۔ ان ڈوبڑیوں کی مدد سے کمرے کے فرش پر کھڑے کھڑے سن دوف کے دھیزر پردوں کو آسانی سے کھولا اور بند کیا جاسکتا تھا۔

پیشے کی گول میز پر دیرا کے سامنے بھی وہی کلاس نظر آ رہا تھا۔ اس کے اطہیان کو دیکھتے ہوئے میں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ

ہاتھ سے اس کا کر بیان تمام کر پیچیدہ گالیوں کے ساتھ اس کے چہرے پر پٹے برساری تھی۔ موتی لال بس چند ٹانگوں تک حیرت اور سکتے کے عالم میں اس کے ہاتھوں پٹا رہا پھر اس نے اچانک ہی نیچے جھک کر دیر کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر دور اچھال دیا۔

موتی لال کی اس چابک دستی نے مجھے حیران کر دیا۔ دیر کو ابھی اپنے اس انجام کی توقع نہیں تھی۔ وہ ہندی سے مسہری کے قریب قالین پر گری تو اس کے ملحق سے ایک بے ساختہ سر کی جھج آزاد ہو گئی۔ اسی کے ساتھ شاید اول خان نے کمرے کے دروازے پر طبع آزمائی شروع کر دی۔

”مجھے شبہ تھا کہ تم کوئی آدمہ لکھتا ہو“ موتی لال نہرلی آواز میں پھنکارا ”میں نے اسی لیے خود آنے کے بجائے رام چند کو بھیجا تھا۔ اب تم لوگ یہاں سے زندہ نہیں لوٹ سکو گے“

دیر اتر پ کر قالین سے اٹھی تو اس کا ہاتھ اپنے بائیں پیلو پر تھا۔ شاید وہ بیم کن نکالنے کا ارادہ کر رہی تھی مگر اس سے پہلے ہی موتی لال اپنی کسی جب سے رہا اور نکال کر دیر کو اس کی زہر لے چکا تھا۔

”ہاتھ اوپر اٹھا لو ورنہ میں بے رحمی سے تمہارا بھیجا اڑا دوں گا“ وہ غرایا۔

اس کی حالت دیکھ کر مجھے شبہ ہوا کہ وہ کسی بھی لیے دیر پر قاز کر رہے گا۔ اس وقت اس کی پوری توجہ دیر پر مرکوز تھی۔ میں نے اس کے رہا اور والے ہاتھ کا نشانہ لے کر دوسرا قاز کر دیا۔ کوئی اس کی کلائی میں اتر گئی۔ وہ کھڑے کھڑے اپنی جگہ پر تاج کر رہ گیا۔ رہا اور اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

دیر اے سرعت سے بیم کن نکال لی اور حکمانہ لیے میں بولی۔ ”دروازے کے پوٹ کر دو ورنہ تمہارا بھی وہی حشر ہو گا جو راجہ کا ہوا تھا۔“

”راجہ!“ موتی لال کا منہ حیرت سے کھلا اور پھر بند ہو گیا ”تم کون ہو؟“

”مجھ کو جانتے ہو تو مجھ کو۔ میں کوئی پہیلی نہیں ہوں، جو بھی ہوں تمہارے سامنے ہوں۔“

”نہیں۔ نہیں۔ تم دیر انہیں ہو سکتیں“ وہ دیر کو گھورتے ہوئے بڑبائی لیے میں بولا ”سب کچھ بدلا جاسکتا ہے مگر آنکھوں کا رنگ نہیں بدلا جاسکتا۔ تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔“

”میں جو بھی ہوں، اس وقت تمہاری موت کے روپ میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ دروازہ کھولو ورنہ میں ابھی تمہاری ٹانگوں کو جلا کر رکھ کر دوں گی“ دیر اسفا کانہ لیے میں بولی۔

موتی لال کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں لرزے لگیں۔ وہ متعجب نظر آ رہا تھا۔ دوسری طرف اول خان نے شاید دروازہ اکھاڑ پھینکنے کے لیے اس پر شانے سے زوردار ضربیں لگائی شروع کر دی تھیں۔

”دروازہ کھولو!“ دیر نے فٹ کر کہا اور ایک دیر اور گیر دھاتی فانوس کا نشانہ لے کر ایک نعلے کے لیے بیم کن چلا دی۔ بیم کن

کے پتلے سے فوٹل سے موت کی نیلگوں شعاؤں کی ایک باریک وھار فانوس کی طرف لپکی اور وہ کھل کر پُور شور آواز سے زنبیں پر آ رہا۔

شعاؤں کی زنبیں آنے والا حصہ کھل کر پل بھر میں کٹ گیا تھا۔ فانوس کے باقی حصے بدستور پوری آب و تاب کے ساتھ جھللا رہے تھے۔

موتی لال کسی ردیوٹ کی طرح حرکت میں آیا اور اس نے یکے بعد دیگرے دروازے کے نچلے اور اوپری پوٹ کھول دیے۔ اول خان کو اندر ہونے والی کارروائیاں کا کوئی علم نہیں تھا۔ جس وقت موتی لال نے دوسرا پوٹ سرکایا، اسی لمحے اول خان نے باہر سے دروازے پر زوردار ضرب لگانے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں زنبی پٹ نے موتی لال کو دور اچھال پھینکا اور اول خان بھی کھلے ہوئے دروازے میں سے اڑتا ہوا کمرے کے وسط میں اگرا۔ ان دونوں کو ایسی ضربات آئیں کہ ان میں سے کوئی بھی فوراً نہیں اٹھ سکا۔

دیر اے اپنی پوزیشن تبدیل کر کے موتی لال کو بیم کن کی زد سے نہیں نکلنے دیا تھا۔

میری جھمت پر موجودگی کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ میں نے زنبوں کی طرف دوڑ لگا دی۔

میں اس کمرے میں پہنچا تو بساط سٹ پکی تھی۔ موتی لال قالین پر بے حس و حرکت پڑا کمرے کمرے سانس لے رہا تھا۔ شاید ان دونوں میں سے کسی نے اسے بے ہوش کر دیا تھا۔

”پھانک کھول کر میرے آؤ میں کو گاڑی سمیت اندر بلا دو“ اول خان نے مجھے ہدایت دی۔

”کیا اسے لا کر لے جانے کا ارادہ ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں۔ اس کی دھلائی ہوئی ضروری ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ خزانہ کس کے ذریعے کن افراد کو بدایات دیتا رہتا ہے۔ سانپ کے ساتھ سنہلیوں کا بھی منگایا ہو جائے تو بہتر ہے گا۔“

”اور جھاڑیوں والے کا کیا کیا جائے؟“ میں نے بحث کیے بغیر اٹھا سوال کیا۔

”اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اس واقعے کی تفسیر دی کرے گا۔“

”موتی لال کے علاوہ یہاں مزید دو آدمی ہیں“ دیر اے اپنی دانست میں انکشاف کیا ”مگر ایک جھاڑیوں میں پڑا ہوا ہے تو تیسرا کہیں نہ کہیں چھپا ہوا ہو گا۔“

”وہ چھت پر اطمینان سے سو رہا ہے۔ اسے کوئی نہیں جگا سکے گا“ میں نے کہا۔

”شور ہی سے میرا سارا روبرو گرام گڑبڑ ہوتا رہا“ دیر ادا فغانہ لیے میں بولی ”پہلے میں پر تاب کے ساتھ آنے والے رام چند کو موتی لال سمجھ بیٹھی۔ موتی لال نے اسے پیغام دے کر بھیجا تھا لیکن



ایس ٹی ایف کا دوسرا آدمی چانک بند کر کے ذیلی کھڑکی سے باہر آکر پیچھے ہی بیٹھ گیا۔ اس وقت تک ہمارے قرب و جوار میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آ رہا تھا جو خاص طور پر ہماری طرف متوجہ ہو۔

دو گھنٹوں سے ٹپکنے کے بعد ایس ٹی ایف والوں کی وہ گاڑی بھی نظر آئی جس میں تیسرا آدمی پر تاب ادھیکاری کے بے ہوش وجود کے ساتھ اپنے ساتھیوں کی واہی کا انتظار کر رہا تھا۔

اول خان نے خاموشی کے ساتھ دونوں آدمیوں کو وہاں اتارا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

”کیا پر تاب ادھیکاری کو کہیں اور لے جایا جا رہا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”پر تاب ادھیکاری، وہ کہاں ہے؟“ اول خان کے جواب دینے سے پہلے دیر استحیرانہ انداز میں بول پڑی۔

”اسے احتیاط سے دوسری کار کی ڈکی میں رکھا ہوا ہے“ میں نے خوشی سے کہا ”آج ہم عملی طور پر ہمارا پھیلا ہوا گندہ سمیٹنے پھر رہے ہیں۔ پہلے پر تاب کو اٹھانا پڑا پھر شکر کو بے ہوش کرنا پڑا۔ رام چند مذاق ہی مذاق میں مارا گیا اور اب موتی لال ہمارے ساتھ ہے۔“

”ہماروں سے سب ہی ہندو معلوم ہوتے ہیں“ ویرا برمانے بغیر بولی ”ضروری نہیں کہ پاکستان میں رہنے والے سارے ہی ہندو ان کے ہم خیال ہوں لیکن یہ بات حیرت ناک ہے کہ موتی لال کے سارے قریبی ساتھی اس کے ہم مذہب ہیں۔ اس نے مقامی خداؤں میں سے کسی کو اپنے اعتماد کے قابل نہیں سمجھا۔“

”یہ سوچنے والی بات ہے لیکن اس وقت ہم سوچ بچار میں زیادہ وقت برباد نہیں کر سکتے“ میں نے کہا ”تم پر تاب کے اتر جانے کے بعد کی کمانی سناری تھیں۔“

”ہاں“ پر تاب کے اترنے کے بعد جب میں نے بے تکلفانہ باتوں کا سلسلہ شروع کیا تو رام چند کی گفتگو میں موتی لال والی روانی اور بے ساختگی نہیں تھی ”وہ پچھلے بیان کا تسلسل جاری رکھتے ہوئے بولی ”وہ چیمبر جھاڑ تک سے گھبرا رہا تھا۔ آخر اس سے نہ ہوا گیا اور اس نے کلفتن کا بل عبور کرتے ہوئے اعتراف کر لیا کہ وہ موتی لال نہیں ہے۔ اسے حیرت تھی کہ میں دھوکا کیسے کھائی۔ موتی لال نے اسے بتایا تھا کہ وہ جس ٹوکی کو لائے گا وہ ایک کاک ٹیل پائٹی میں اس کی دوست بنی تھی۔ میں نے کہہ دیا کہ میں انجان بن کر اسے آزما رہی تھی۔ وہ ایک شریف آدمی ہے اور مجھے اس سے دوستی کر کے خوشی ہوگی۔ اس پر اس نے مجھے موتی لال اور شکر کے بارے میں بت سی ذاتی باتیں بتائیں اور مجھ سے وعدہ لیا کہ میں موتی لال سے اس کی شکایت نہیں کروں گی۔ اگر مجھے ابتداء میں ہی رام چند پر شبہ نہ ہو گیا ہوتا تو آج میں بری طرح مار کھاجاتی اور موتی لال کے دھوکے میں اسی کو راستے سے اغوا کر کے کوٹھی لے جاتی۔ مجھے ہر قیمت پر موتی لال پر ہاتھ ڈالنا تھا اس لیے میں موتی لال کے

میری بے تکلفی دیکھ کر وہ بھی چپ سا رہ گیا۔ پر تاب کے اترنے کے بعد ہی۔“

”یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی“ اول خان نے اس کی بات کاٹ دی ”یہاں دو فائر ہو چکے ہیں۔ ہم زیادہ دیر تک یہاں رکے رہے تو پولیس بھی آ سکتی ہے۔ یہ معاملہ بالائی بالائنٹ جانے کو بہتر ہے۔“

وہ میرے لیے بھی اشارہ تھا۔ میں فوراً ہی اس پر شکوہ خواب گاہ سے نکل گیا جہاں موتی لال نے دیر کے ساتھ کیف و سرور کی کوئی یادگار محفل سجائے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔

اول خان کے دونوں آدمیوں کی نگاہیں اسی مکان پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے ذیلی کھڑکی کھول کر باہر نکلے بغیر انہیں آنے کا اشارہ کیا اور چند سیٹوں میں گاڑی چانک پر آگئی۔ میں نے چانک کھول کر انہیں گاڑی اندر لانے کا راستہ دیا اور دوبارہ چانک بند کر دیا۔

میں بولٹ لگا کر پلٹا تو اول خان بے ہوش موتی لال کو اپنے کندھے پر لادے باہر آچکا تھا۔ دیر اس کے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

مجھے اس بات پر بہت خوشی تھی کہ ہم ایک طویل عرصے بعد بھارتی سیکرٹ سروس کے ایک انتہائی اہم آدمی کو زندہ گرفتار کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ میں نے ان لوگوں کا ہاتھ بٹاتے ہوئے موتی لال پر تشدد کے مختلف مراحل کی منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ زیادہ دیر تک اپنی زبان بند رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں بھارتیوں کے تحریبی جال کو اس حد تک تباہ کیا جاسکتا تھا کہ وہ اس خطے میں برسوں تک دوبارہ نہیں پنپ سکتے تھے۔

اول خان نے موتی لال کو اپنی کار کی ڈکی میں منتقل کر دیا تو دیر نے جھاڑیوں والے شخص کو دیکھنے کی فرمائش کر دی۔ اس مکان سے روانہ ہونے سے پہلے وہ یقین کر لینا چاہتی تھی کہ وہ کوئی نیا آدمی نہیں تھا۔

اول خان کے ایما پر میں اسے ان جھاڑیوں تک لے گیا تو دیر دوری سے اس کا چہرہ دیکھ کر مطمئن ہو گئی ”یہی حرام زادہ موتی لال کا خاص خدمت گار ہے۔ رام چند نے مجھے بتایا تھا کہ بھارتی قونصل خانے کے چکر کاٹنے والی خوب دو ٹوکیوں کو شکاری ورغلا کر موتی لال تک پہنچاتا ہے۔“

”رام چند سے تمہاری اتنی گہری دوستی کب سے ہو گئی؟“ میں نے تنگ لبہ میں پوچھا۔

”راستے میں بتاؤں گی۔ یہاں وقت ضائع نہ کرو“ دیر انہی کے بولی۔

اول خان گاڑی کا انجن اشارت کیے ہماری واپسی کا شکر تھا۔ اس کا ایک آدمی پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ دوسرا چانک کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ دیر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے عقبی نشست سنبھال لی۔ چانک کھولا گیا اور گاڑی ریجٹی ہوئی باہر نکل گئی۔



کے راستے جہانگیر کی فیکٹری تک کا سفر زیادہ طویل نہیں تھا اس لیے ہم تھوڑی ہی دیر میں فیکٹری پہنچ گئے تھے۔

اول خان کی گاڑی کا ہارن سن کر غزالہ، سلطان شاہ اور جہانگیر کے ساتھ بچے آجی تھی۔ دونوں گاڑیوں کے اندر بیٹھے کے بعد پھانک بند کر دیا گیا۔ غزری کی کوئی کمی نہیں تھی اس لیے ریشم خان کو مضبوط ڈھری کا پتھا اور دیگر ضروری سامان لینے کے لیے بھیج دیا گیا۔ اس کی جگہ اول خان کا ایک مسلح آدمی بند پھانک کے قریب جم کر کھڑا ہو گیا۔

رست ہاؤس میں رکے رہنے والے تینوں افراد سب کچھ جان لینے کے لیے بے چین تھے لیکن ہمارے قریب منڈلاتے ہوئے اول خان کے آدمیوں کی وجہ سے کھل کر سوالات نہیں کر پارہے تھے۔ پہلے اول خان کی کار کی ڈکی کھول کر موتی لال کو بے ہوش کی حالت میں باہر نکالا گیا تو ان تینوں کی آنکھوں میں حیرت اندہ آئی اور غزالہ اپنے تجسس پر قابو نہ رکھتے ہوئے پوچھ ہی بیٹھی ”یہ کون ہے؟“

”آج کا اہم ترین شکا۔۔۔ موتی لال“ ویرانے معنی خیر لیے میں کہا۔

”تو کیا اس کے علاوہ بھی کوئی اور کچھ اگیا ہے؟“ غزالہ نے ویرا کے جواب سے ایک اور سوال پیدا کر لیا۔

”دو دوسری گاڑی بند ہے“ ویرانے دوسری کار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اول خان کی ہدایت پر موتی لال کے دونوں ہاتھ پشت پر بٹھا کر کے باندھ دیئے گئے اور منہ میں اتنا کپڑا ٹھونس دیا گیا کہ وہ ہوش میں آنے پر غیر ضروری شور و غل برپا نہ کر سکے۔

”اب ان قیدیوں کا ٹھکانا بتاؤ“ میں نے جہانگیر سے کہا ”یہاں ان کی خاطر ہدایات کرنی ہوگی۔“

”فیکٹری میں محفوظ کروں گی کمی نہیں ہے۔ لیکن انہیں اپنے قریب رکھنا چاہو تو میرے دفتر کا ہاتھ روم بھی استعمال کر سکتے ہو۔ دو قیدیوں کے لیے وہ کافی کشادہ ہے“ جہانگیر نے پیش کش کی۔

اسی اثنا میں پر تاب ادھیکاری کو بھی نکال کر باندھ دیا گیا۔ جب اول خان نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھنے کی ہدایت کی تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکا ”موزی کو زندہ رکھنا ملک بھی ثابت ہو سکتا ہے“ میں نے اس کا ارادہ بھانپ کر جھوٹے لیے میں کہا۔

”تم ٹھیک سمجھے“ اول خان تقریبی مسکراہٹ کے ساتھ بولا ”شکر ہوش میں آئے گا تو مہمانے کے ساتھ دلچسپ کمانی سنائے گا۔ اگر ہم اسے بھی ختم کر دیتے تو شاید یہ قصہ کئی دن بدارتا۔ میرا خیال ہے کہ شاہ زمان خان کے نام کی سختی والا مکان موتی لال عیاشی کے اڑنے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اس کے دفتر کے سامنے اور افسران بھی اس اڑنے کے وجود سے بے خبر ہوں گے۔ شکر کی کمانی اور پھر موتی لال اور پر تاب ادھیکاری کے غائب ہونے کی خبر ان لوگوں کے چنگے پھڑا دے گی۔ میں ان لوگوں کو گمراہ کر کے

مکھڑے بننے تک رام چند کی مرضی کے مطابق عمل کرتی رہی اور نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔“

”یہ تمہاری کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے“ میں نے سرد مری سے کہا ”موتی لال تک پہنچ جانے کے بعد بھی اتنے اطمینان سے اس کی خواب گاہ میں بیٹھی ہوئی تھیں جیسے رات وہیں گزارنے کا ارادہ ہے۔“

”ہوش میں نہ کر بات کرو“ میری بات پر وہ ایک دم بھڑک گئی ”میں مصلحتوں کو میں خوب سمجھ رہی تھی۔ میں غلط وقت اور موقع پر کوئی قدم اٹھاتی تو وہیں مادی جاتی۔ اس گھر میں قدم رکھتے ہی مجھے علم ہو گیا تھا کہ وہاں میں تین مردوں کے مقابلے میں اکیلی ہوں۔ تم کہاں ہو اور میرے لیے کیا کر سکتے ہو“ اس بارے میں مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ میں موتی لال کو نشے میں دھت کرنے کے بعد اس کے دونوں آدمیوں کا صفایا کرنے اور پھر موتی لال کو لے کر نکلنے کا منصوبہ بناتی رہی تھی۔ رام چند کسی گوشے میں آسانی سے میرے دام میں آجاتا۔ اس سے منسنے کے بعد شکر سے دہل دہل بھی لڑتا پڑتا تو میں اسے مار لیتی۔“

”سے کیا مار لیتیں؟ تم سے تو موتی لال مدہوش کو بھی نہیں سنبھال سکتا“ میں نے اسے چڑانے کے لیے کہا ”اس نے تمہیں کسی کھلونے کی طرح دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر اچھال دیا تھا۔“

”وہ میرا نہیں، غزالہ کے ان ڈھیلے ڈھالے کپڑوں کا قصور تھا“ وہ چڑکھائی ”میرے بدن پر کوئی ڈھنگ کا لباس ہو تا تو وہ مجھے اٹھانے کے بجائے میری ٹانگوں کے درمیان سے گزر کر منہ کے بل دور جا کر ہوتا۔“

”یقیناً نہ ہو تو فیکٹری چل کر دریا کو چٹون پتھر کا موتی لال سے لڑا لیتا“ اول خان اس بحث سے محفوظ ہوتے ہوئے بولا تو مجھے دھیان آیا کہ گاڑی میں میرے اور ویرا کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے۔

”میرے سوال کا جواب ابھی تک نہیں ملا“ میں نے اول خان سے احتجاج کیا ”تمہارے آدمی پر تاب ادھیکاری کو کہاں لے گئے ہیں؟“

”میں بھی نہیں، چند لمحوں کے لیے ویرا کو بھول کر اپنا سر پیچے محمد آؤ تمہیں اپنے سوال کا جواب نظر آجائے گا“ اول خان بھی اپنی مسمیٰ بھرور کامیابی پر خوش گوار موزوں تھا۔

میں نے افسردہ طور پر گردن جھکا کر تو ایسی ٹی ایف والوں کی گاڑی ہمارے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

اول خان نے عقب نما آئینے میں میری طرف دیکھا اور زور زور سے ہنسنے لگا۔

اس صبح کے سارے مراحل اتنی تیزی سے عمل میں آتے چلے گئے تھے کہ ہم نے پانچ بجتے سے پہلے واپس کا سفر شروع کر دیا تھا۔ دونوں گاڑیوں کی رفتار کافی تیز تھی۔ اس وقت تک مسروں پر نزل تک کی بجائے ہمارا سفر شروع نہیں ہوئی تھی اور پھر کھنٹھ سے گزری

مزید الجھانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اگر کل پر تپ میاں سے رہا ہونے کے بعد تشدد اور خاص رخ پر کی جانے والی باز پرس کا انکشاف کرے اور اپنے بیڑوں کو یہ یقین دلا دے کہ موتی لال کچھ جرائم پیشہ لوگوں کے قبضے میں ہے جو اپنے مطالبات پورے ہونے پر اسے آزاد بھی کر سکتے ہیں تو وہ لوگ میدان میں کود پڑیں گے ہو سکتا ہے کہ ہمیں مزید کامیابیاں حاصل ہو جائیں۔“

”شاید اس کی آنکھوں پر اپنی اسی مقصد سے باندھی گئی ہے کہ یہ اس جگہ کی نشان دہی کر سکے نہ ہم میں سے کسی کا طبع بیان کر سکے“ جتاگیر نے کسی بوجھ بھگڑکی طرح کہا۔

”تم ماشاء اللہ بہت ذہین ہو“ میں نے مسک کر کہا ”فورا ہی ہر بات کی جڑوں میں بیٹھ جاتے ہو۔ تمہاری اس خداداد صلاحیت پر مجھے اکثر رشک آتا ہے۔“

جتاگیر کمر بھلا کر خزانہ کی طرف چل دیا جو ابھی ہوئی ڈوری کے محل نکال رہی تھی۔

میں نے پر تپ کے بارے میں اول خان سے حقیقت نہ ہونے کے باوجود کوئی تحریار نہیں کی کیونکہ میرے لیے اصل اہمیت موتی لال کی تھی۔ پر تپ کا فیصلہ اول خان کی صوابدہی پر چھوڑ کر میں موتی لال کے سلسلے میں اپنی مرضی کی بات منوا سکتا تھا۔

باہمی مشوروں کے بعد ان دونوں کو جیتھری کے ایک دور افتادہ گروام میں پہنچا دیا گیا جہاں ایک گوشے میں بھانت بھانت اور رنگ رنگ کتروں کا انبار لگا ہوا تھا۔ سب کی مشترکہ رائے تھی کہ ان دونوں پر تشدد بھی ہونا ہے اس لیے انہیں چھانک یا سوک کے قریب رکھنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

اس کمرے میں پہنچانے کے بعد ان دونوں کے پیر بھی رسیدوں سے جکڑ دیے گئے اور جامہ تلاشی لے کر ان کی جیبوں سے ماچس وغیرہ نکال لیے گئے کیونکہ دونوں میں سے کسی کی جیب میں کوئی اہم چیز موجود نہیں تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ وہ دونوں ہی دفتر سے باہر پکڑے گئے تھے۔

ان دونوں کو کمرے میں منتقل کر کے ہم سب واپس لوٹ آئے۔ اول خان نے قیدیوں کی گھرائی کے لیے ایس ٹی ایف کے مزید ایک آدمی کو روک کر قریب دو کو واپس بھیج دیا۔ ریشم خان نے اپنا چکیداری کا منصب سنبھال لیا اور ہم رشت ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔

فرصت اور باہر کے آدمیوں سے نجات ملنے ہی چھتے ہوئے سوالات کا سلسلہ چل دیا۔ دیر سارے واقعات کی چشم دید گواہ تھی اور اس کے لیے تفصیلات کے اعادے میں کوئی دیکھی نہیں تھی اس لیے اسے ہمہ جہت سے تیار کرنے کی ذمہ داری سوپ دی گئی اور اول خان نے انفرادی سوالات کا سلسلہ روک کر پورے واقعات دہرانے شروع کر دیے۔ جب وہ میرے ہاتھوں رام چند کے قتل کا واقعہ بیان کر رہا تھا تو میں نے کئی بار اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کے لیے تسلی میں جانے سے روکنا چاہا لیکن

وہ اللہ کا بندہ میری طرف کوئی دھیان دینے بغیر مزے لے لے کر رام چند کا چومخ ہونے کا واقعہ بیان کرتا رہا۔

اول خان کے خاموش ہونے ہی خزانہ نے مجھ پر سوال دراع دیا ”نانا کہ رام چند بہت بد معاش اور موتی لال کا ساتھی تھا اور اس کا مرنا ہی بہتر تھا لیکن اس پر اس قدر بیمانہ تشدد کیا ضرورت تھی؟“

”محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے“ میں نے ہنس کے کہا ”اس وقت عقل نہیں، چھٹی حس کام کرتی ہے اور جو دار کار گرفتار ہوئی اس لیے کا بہترین ہتھیار ہوتا ہے۔“

”توبہ توبہ!“ جتاگیر بھر بھری لے کر بولا ”وہ کس قدر اذیت سے مرا ہو گا۔ تم اس وقت مسلح تھے۔ اگر اسے ختم کرنا ہی مقصود تھا تو اس کے سر میں گولی مار سکتے تھے یا اس کا گلا گھونٹ سکتے تھے۔“

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس سے تمہاری رشتہ داری نکل آئے گی“ میں نے جلتے کے انداز میں کہا ”دروں میں اسے بہت آرام سے ہلاک کرتا۔۔۔ وہ موذی تھا اور اذیت کے ساتھ مارا گیا۔ قصہ ختم ہو گیا۔ اب تم لوگ اس کلبہ کر پیٹ کر کیا حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟“

”جانتا بہت!“ آخر کار سلطان شاہ بھی بول پڑا ”اول خان کی کمائی کے خلسل سے اندازہ ہو رہا ہے کہ اس وقت ہمیں شبہ ہو چکا تھا کہ دیر، موتی لال کی زیادتی کا فکار ہو چکی ہے اور اس مددے نے تمہارا دماغ الٹ دیا تھا۔ تم اپنے آپ میں نہیں رہے تھے اس لیے تم دروند کی پراثر آئے۔“

”فرض کر لو کہ ایسا ہی ہوا ہو گا تب بھی حقائق میں کیا فرق پڑتا ہے؟“ میں نے کہا۔

”صرف اتنا کہ اس سے تمہاری اور دیر کی ذہنی قوت ثابت ہوتی ہے“ جتاگیر بولا۔

”یہ بہت پرانی بات ہے میری اور اس کی گہری دوستی سے خزانہ بخوبی واقف ہے۔ تم نے شوئے چھوڑ کر اسے میرے خلاف اکسائے میں کامیاب نہیں ہو سکتے“ میں نے جواب دیا۔

”میں کسی کی باتوں میں نہیں آتی“ خزانہ اس بحث کا کوئی اثر لے نہیں ہوئی ”اگر تم نے دیر کا بدلہ لینے کے لیے رام چند کے ساتھ وہ سلوک کیا تھا تو بات قابل فہم ہو جاتی ہے۔ دوستی کا حق ادا کرنے کے لیے انسان فرشتے سے شیطان تک کچھ بھی بن سکتا ہے۔“

میں نے اس کی بات کاٹ دی ”اگر اس طرح بات فہم ہو سکتی ہے تو یہی سمجھ لو۔“

خزانہ جواب میں کچھ اور کہنے والی تھی کہ دیر لیکن سے چائے کی ٹالی سمیت نمودار ہوئی ہوئی تھرا آئی اور وہ سلسلہ وہیں ختم ہو گیا۔

ہم سب کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ دیر لیکن میں گئی تو خزانہ کے قبیلے شلوار سوٹ میں لمبوس تھی لیکن واپسی پر چٹون اور سوئی جیکٹ میں لمبوس تھی۔

پرن چکی ہو۔ وہ دونوں خاصی باریکی سے جسماری زندگیاں کا جائزہ لے چکے ہیں اور پھر جنہیں ان دونوں خاص طور پر موتی لال سے اپنی پٹائی کا بدلہ لینے کا موقع مل رہا ہے۔ تمہارے دل کی بھڑاس نکلتی ضروری ہے۔ ”اول خان کے بجائے میں نے جواب دیا۔

”پر آپ نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔“ ویرانے احتجاج کیا۔ ”موتی لال نے ایک مرتبہ اجمال کر پینکا تھا مگر لڑائی میں ایسی اور بچ بچ ہوئی ہی ہے۔“ آخر کار میں نے ہی اسے زیر کیا تھا۔ میرے دل میں کوئی بھڑاس نہیں ہے۔“

”یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ کسی ایک کے خلاف تمہارے دل میں بغض اور عداوت ہوتا تو تم دونوں کے ساتھ مساویانہ سلوک نہیں کر سکتی تھیں۔ اگر تم اپنی صحیح دلی کیفیت ظاہر کر رہی ہو تو ان میں سے کسی کو شکایت نہیں ہوگی کہ اسے کم جوتے پڑے ہیں۔“ میں نے کہا۔

تمہارے قیام کے دوران میں پہلی بار انٹرکام کی مٹنی جی اور جمائیکر نے بڑھ کے ریسور اٹھایا۔

”تمہارے کام نہ کرنا چاہو تو کوئی بھی جاسکتا ہے۔“ اول خان نے ویرانے کی آنکھوں میں دبا دھسا احتجاج موزن دیکھ کے کہا ”میں جنہیں ایک رعایت دے رہا تھا۔“

جمائیکر نے انٹرکام بند کر کے سب کو آگاہ کیا کہ دو میں سے ایک قیدی ہوش میں آچکا تھا۔ اسپیشل ٹانک فورس کے نگہ بان نے انٹرکام پر دسی اطلاع دی تھی۔

”بے مقصد مباحثہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔“ آخر ویرانہ اکل ہی مٹنی ”متم جن خطوط پر باز پرس کرنی چاہیے ہو۔ وہ مجھے سمجھاؤ۔“ مقصد سامنے رکھ کر میں انہیں خون میں نلکا سکتی ہوں۔ بلاوجہ انہیں مارنے ہوئے میں خود کو بالکل احمق محسوس کرتی رہوں گی۔“ ”پر آپ اور دیگر کی موجودگی میں جو بات ہوگی اس میں یہ تاثر دیا جائے گا کہ ہم جرائم پیشہ افراد ہیں اور ہماری نادان وصول کرنے کے لیے ان دونوں کو اغوا کلائے ہیں۔ موتی لال سے اصل پوچھ گچھ پر آپ کو رہا کرنے کے بعد ہوگی، جو کچھ ہوگا۔“ سانسے ڈنگے کی چوٹ پر ہوگا۔

”کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم لوگ تمہارے پورے پلان سے آگاہ ہو سکیں؟“ خزانہ نے پوچھا۔ ”میرے ذہن میں ابھی صرف منتشر کڑیوں کا خاکہ ہے۔ جب کوئی واضح شکل بن جائے گی تو میں اسے سامنے رکھ دوں گا۔ فی الحال وی ہو رہا ہے جو میں کہ چکا ہوں۔“ اول خان نے اپنا دلوک فیصلہ سنایا۔

ویرانے خاموشی سے اپنی پیالی خالی کی اور کرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔

”یہ فیصلے میں مٹی ہے۔ اماں کران کا مجھنا بڑے کی۔“ جمائیکر کی توجہ پڑ تو تعجب سے مٹی۔

”مسلوم ہوتا ہے کہ شیوا زریگی کی بوتل کی طرح تمہارے کپڑے بھی پڑا سرا طور پر بچن میں پہنچ گئے تھے۔“ جمائیکر اس پر چٹنی کے بغیر نہ سکا۔

”خزانہ کے کپڑے آرام دہ ضرور ہیں مگر ان میں میں خود کو ست اور ڈھیلا محسوس کر رہی تھی۔“ ویرانے وضاحت پیش کر ڈالی۔ ”ان کپڑوں میں عورت کچھ زیادہ ہی عورت ہو کر رہ جاتی ہے۔“

”مردار عورتوں کے لیے مختصر لباس ہی بہتر رہتا ہے۔“ سلطان شاہ نے کھڑا لگایا ”ہاتھ پائی کی نوبت آنے سے پہلے ہی حریف مودیم مرد ہو چکے ہوتے ہیں۔ یورپ میں شاید اسی لیے عورتوں کا لباس باریک اور مختصر کرنے پر ضرورت سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔“

”یہ لباس کسی بھی طرح مختصر نہیں ہے۔“ وہ چائے کی پیالیاں سب کے سامنے رکھتے ہوئے بولی ”مختصر ہونا تو اس وقت جبکہ جگہ سے میری جلد کی اصل رحمت جھلک رہی ہوئی۔“

”مسلوم ہوتا ہے کہ تم نے لباس تبدیل کرتے ہوئے اس بات کا خاص دھیان رکھا ہے۔“ اول خان نے فور سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ”تمہارا یہ سفلی لباس خزانہ کے مشرقی لباس سے کچھ زیادہ ہی ستر پوش ہے۔ کہیں بھی تمہاری جلد کی سفیدی نہیں جھلک رہی۔“

”دھیان رکھنا پڑا۔“ ویرانے اپنے سر کو قدرے غم دے کر بولی۔ ”کیا پتا کہ کس وقت موتی لال سے سامنا ہو جائے راجر کے حوالے پر اسے جو دہم ہوا تھا۔“ میں اسے یقین میں نہیں بدلنا چاہتی۔ وہ میرے بارے میں آخر تک تذبذب میں جھرا رہے تو بہتر ہے۔“

”لیکن تمہاری آنکھیں تو اپنے اصل رنگ پر آچکی ہیں۔“ میں نے چمک کر کہا ”کیا تم نے کالے کا ٹیکٹ لینسنز کال دے دیے ہیں؟“ ”ہاں۔ اگر اسے میری آنکھوں پر غور کرنے کی سہلت مل سکی تو مزید حیران ہو گا اور میں اسے بتاؤں گی کہ میری آنکھیں گرگٹ کی طرح خود بخود رنگ بدلتی رہتی ہیں۔“

”آنکھوں ہی کی کیا بات ہے۔“ تم خود بھی ہل بھر میں رنگ بدلنے میں ماہر ہو۔“ سلطان شاہ بیڑیا۔

”چائے پی کر تم جاؤ۔“ اول خان نے اونچی آواز میں ویرانے کو غائب کر کے سب کو خاموش کر دیا۔ ”اس وقت وہ دونوں بے دست و پا ہیں۔ انہیں ٹھوکروں سے اوجڑ کر ہوش میں لاؤ اور کوئی پوچھ گچھ کیے بغیر ان کی مرمت نہ کر رہو۔“ بس اتنی احتیاط رکھنا کہ پر آپ کی آنکھوں پر سے پٹی نہ ہٹے پائے۔“

سب کی سوالیہ نظریں اول خان کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ ”کیا یہ ضروری ہے؟“ جمائیکر نے رسائی سے پوچھا۔ ”ان کی قوت ارادی کو چٹا کرنے کے لیے تشدد ناگزیر ہے۔“

اول خان بولا۔

”مگر میں ہی کہیں؟ یہ کام تو ہم میں سے کوئی بھی کر سکتا ہے۔“

ویرانے کہا۔

”اس لیے کہ اب تم قبضہ خوار کے بجائے چلون اور جیکٹ

”چھاپے“ اول خان کے ہونٹوں پر کمری مسکراہٹ پھیل گئی۔  
 ”میں بھی یہی چاہتا ہوں۔“  
 اچانک ہی کہیں قریب سے فضا میں کسی راکفل کے فائز کی  
 آواز گونجی اور لمحہ بھر کے لیے ہم سب ستائے میں آگئے مگر اول  
 خان نے جگہ چھوڑ کر زینوں کی طرف کھلنے والے دوازے کی سمت  
 میں چلا نکلا۔ اس کو حرکت میں آنادیکھ کر ہم بھی چوگئے اور  
 پھر اسی کے پیچھے ہو گئے۔

راکفل کے فائز کی آواز پر اول خان سمیت ہم سب کا  
 رد عمل اضطرابی تھا۔ وہ لوگ بوکھلائے ہوئے انداز میں زینے  
 اترتے چلے گئے مگر میں ان سب سے آخر میں تھا۔ میں نیچے اترنے  
 کے بجائے اوپری منزل کی طرف چل دیا جہاں اول خان کے دو  
 آدمی دور بین اور راکفلوں سے لیس ہو کر فیکٹری کی حفاظت کر رہے  
 تھے۔

یوں تو جہانگیر کے چوکیدار ریشم خان کے پاس بھی راکفل  
 موجود تھی مگر میرا خیال تھا کہ چھاپک کے اندر وہ کپڑے داری  
 کرنے کی وجہ سے وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ فیکٹری کے قریب  
 جوار میں سر اٹھانے والے کسی بھولنے والے سے بروقت آگاہ  
 ہو سکے۔ اسے گڑبگڑ کا علم اسی وقت ہو سکتا تھا جب کچھ بن پائے  
 مسمان چھاپک پر آ موجود ہوتے۔ اوپر والوں کی بات مختلف تھی۔  
 بلندی پر مورچہ چاند ہونے کی وجہ سے وہ فیکٹری کے اندر اور باہر دور  
 تک دیکھ سکتے تھے۔

بیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچتے ہی مجھے اپنے اندازے کی  
 درستگی کا یقین ہو گیا۔ وہ کھلی ہوئی چھت کے گرد بنی ہوئی تین فٹ  
 اونچی دیوار کے پیچھے چائ وچہ بند بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک کی آنکھوں  
 سے دور بین کی ہوئی تھی اور دوسرا اپنی ٹیلی اسکوپ راکفل کے  
 عدسے سے شاید وہی منظر دیکھ رہا تھا۔ اس وقت ان دونوں کی پشت  
 میری جانب تھی اس لیے وہ میری آمد سے باخبر نہیں ہو سکے لیکن  
 جب میں نے انہیں پکارا تو وہ دونوں ہی بری طرح ہزموں کر میری  
 طرف پلٹے تھے۔

”راکفل کی ٹال نیچے کرو“ میں دشمن نہیں دوست ہوں۔“  
 میں نے بوکھلا کر کہا لیکن وہ دونوں میری ہدایت سے پہلے ہی مجھے  
 پہچان کر نارل ہو چکے تھے۔

”کافی دور ایک مشتبہ گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔“ ان میں سے  
 ایک محافظ پرجوش لہجے میں مجھے بتانے لگا ”وہ گاڑی ہماری دور بین  
 کی رینج سے باہر ہے لیکن وہاں دودھنڈلے ہوئے سے متحرک نظر  
 آرہے ہیں۔“  
 ”تو کیا تم نے ان پر فائز کیا تھا؟“ میں نے اس کی بات کاٹ کر  
 سوال کیا۔  
 ”وہ اتنی دور ہیں کہ فائز ان تک نہیں پہنچ سکے گا۔ ہم نے کتے  
 کو مارا ہے“ اس نے کہا۔

”کتے کو مارا ہے؟“ اس کے جواب پر میں حیران رہ گیا۔ ”ان  
 اطراف میں سیکڑوں آواہ کتے پھرتے رہتے ہیں۔ تم کس کس کو  
 مارو گے؟ اس میں کیا خاص بات تھی جو تم نے اسے مار ڈالا؟“  
 ”سراوہ آواہ کتا نہیں“ کالے رنگ کا اونٹنا اور بہت صحت  
 مند کتا تھا۔ وہ رک رک کر زمین اور ہوا کو سونگتا ہوا فیکٹری کی  
 طرف آ رہا تھا۔ اس کی حرکتیں دیکھتے ہوئے ہم نے اس پر فائز  
 کر لیا۔“

”مگر کیوں؟ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی بھٹکا ہوا پالتو کتا رہا ہو۔ تم کو  
 اس سے کیا خوف تھا؟“

”سراوہ اسی طرف سے آیا تھا جہاں مشتبہ گاڑی کھڑی ہوئی  
 ہے۔ اپنی حرکتوں سے وہ کوئی کھوئی کتا معلوم ہو رہا تھا۔ ہمیں شبہ  
 ہوا کہ کہیں اسے تم لوگوں میں سے کسی کی پور نہ لگا گیا ہو۔ وہ  
 فیکٹری کے چھاپک تک پہنچ جاتا تو دشواریاں کھڑی ہو سکتی تھیں۔“

میں نے دوسرے کے ہاتھ سے دور بین لے کر اپنی آنکھوں  
 سے لگائی اور اسی کی بتائی ہوئی سمت میں فوس درست کرنے لگا۔  
 چند ثانیوں میں مجھے بھی وہ گاڑی نظر آگئی۔ وہ دھندلائی ہوئی گاڑی  
 سڑک سے نیچے کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے پونٹ پر دو ناقابل شناخت  
 ہیولے لگے ہوئے تھے۔

”مگر کتے کو ان ہی دونوں نے بھیجا تھا تو یہ اب وہاں کیا  
 کر رہے ہیں؟“ میں نے دور بین کو اپنی آنکھوں سے ہٹائے بغیر کہا۔  
 ”میں تو فائز کا ردحما کا سنتے ہی فرار ہو جانا چاہیے تھا۔“

”انہوں نے فائز کی آواز ضرور سنی ہوئی مگر انہیں یہ معلوم  
 نہیں ہو سکا کہ اس فائز سے ان کا کھوئی کتا مارا جا چکا ہے۔ بشر کے  
 فائز نے شاید کتے کی کھوپڑی اڑادی تھی اور وہ آواز نکالے بغیر صبر  
 ہو گیا۔ جب تک وہ کتے کی داہنی کی طرف سے ناامید نہیں  
 ہو جاتے وہیں کھڑے رہیں گے۔“

اس کی بات میں وزن تھا۔ اس مشتبہ کار کے سواروں کے  
 بارے میں میرے ذہن میں تجسس پیدا ہو گیا۔ اگر احتیاط اور  
 مہارت سے کام لے کر ہم لوگ عقب سے ان کے سر پر پہنچنے میں  
 کامیاب ہو جاتے تو آسانی سے انہیں زیر کر کے اپنا قیدی بنا سکتے  
 تھے۔

محرمات آگے بڑھنے سے قبل ہی اول خان کی رہنمائی میں پورا  
 جلوس چھت پر پہنچا۔

”ہول۔“ اول خان کھلی فضا میں چند گھرے گھرے سانس  
 لے کے غرایا ”تو فائز یہاں سے ہوا تھا؟“

”ہیں سرا“ بشر نے اپنے بچوں کے بل قدرے ایک کر کہا۔  
 ”ایک مشتبہ کتا ہماری کہیں گاہ کی طرف آ رہا تھا۔ اب وہ مرچکا  
 ہے۔ اس کے مالکان اس کی داہنی کے انتظار میں دور کھڑے  
 ہیں۔“

اس سے پہلے کہ اول خان اس بارے میں کسی باز پرس کی  
 ابتدا کرتا ”میں نے چند فکروں میں اسے پوری پچویشن سے آگاہ کر دیا

کہ انہیں کسی قریبی عمارت یا فیکٹری میں لایا گیا ہے۔ احتیاطاً  
جناگیر کو بھی ساتھ لے لو۔“

بشیر وہ ہدایت سننے ہی زنجیوں کی طرف مڑ گیا۔ اس کے ہاتھ  
میں بھری ہوئی رائفل موجود تھی۔ شانے سے کارتوسوں کی چینی  
بحول دی تھی اور بیلٹ ہوسٹریس اس کا رویہ اور موجود تھا۔

”ہم دونوں نئے ہی جائیں گے؟“ جناگیر نے اعتقاداً انداز  
میں پوچھا۔ رشیم خان آگے جا چکا تھا۔

”نیچے ہتھیاروں سے بھری ہوئی چینی موجود ہے“ سلطان شاہ  
اسے بازو سے پکڑ کر تقریباً پیچھے ہٹے بولا ”اس میں سے ضرورت  
کی چیزیں لے لیتا۔ یہاں وقت برباد مت کرو۔“

وہ تینوں زنجیوں میں اترتے ہوئے غائب ہو گئے تو در استراچی  
نبی کے ساتھ بولی ”جناگیر بھی عجیب و غریب آدمی ہے۔ کبھی کبھی تو  
یقین نہیں آتا کہ یہ شی کا کوئی اہم کارکن رہا ہو گا۔ دن رات  
موت سے لڑنے والا شخص اس وقت ننتا ہونے سے ڈر رہا تھا۔“

”ڈر نہیں رہا تھا، بہتر کارکردگی دکھانے کے لیے کسی بارودی  
سارے کی تلاش میں تھا“ غزالہ نے جناگیر کی طرف سے صفائی  
پیش کی ”وہ ڈوبنے والا ہوتا تو آپ سے بہت پہلے دہشت زدہ ہو کر  
ڈنکی کی دوستی سے تائب ہو چکا ہوتا۔ وہ بدترین مصائب سہہ کر بھی  
ڈنکی کی دوستی کا دم بھرتا ہے۔ اس کی بعض سختی باتوں سے دور رس  
نتائج اخذ مت کیا کرو۔“

میں اول خان سے دور بین لے کر دوبارہ مشتبہ کار کے  
مشاہدے میں مصروف ہو گیا تھا مگر میرے کان ان دونوں عورتوں کی  
تکرار پر مرکوز تھے۔

درا کہہ رہی تھی ”وہ بہت پہلے ڈنکی کی دوستی سے دست بردار  
ہو گیا ہوتا۔ ڈنکی اس کی جان کو کھل بن کر چٹ گیا ہے۔ جناگیر  
کھل سے اپنی جان چھڑائی جاتا ہے لیکن کھل اسے چھوڑنے پر  
آمادہ نہیں ہے۔ یہ اس کی سب سے بڑی مصیبت ہے۔“

”تم غلط سمجھ رہی ہو“ غزالہ نے ترقی سے جواب دیا ”ڈنکی  
نے کبھی خود کو اس پر مسلط نہیں کیا۔“

”میں نے کب یہ الزام لگایا کہ ڈنکی اس کے سر پر سوار رہتا  
ہے؟“

”بھر کھل کی مثال سے تمہارا کیا مطلب تھا؟“ غزالہ کی آواز  
تخیر زدہ تھی۔

”جناگیر جانتا ہے کہ وہ ڈنکی سے دوستی رکھے یا نہ رکھے، خود کو  
اس کے دشمنوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رکھ سکے گا۔ کوئی بھی  
ان دونوں میں اختلافات کی گمانی کو تسلیم نہیں کرے گا۔ ڈنکی سے  
لپٹے رہنے میں جناگیر کا یہ فائدہ ہے کہ برے وقت میں ڈنکی بیش اس  
کی مدد کو پہنچ جاتا ہے۔“

”تمہاری یہ بات قطعی قسم ہے لیکن اس کے لیے کھل والی  
مثال قطعی غلط ہے۔“

”کھل والی مثال میں سوچے سمجھے بغیر استعمال کر بیٹھی تھی۔

اور دور بین میرے ہاتھ سے اس کی آنکھوں پر نقل ہو گئی۔  
”یہ موتی لال اور پر تاب ادھیکاری کے ہمدرد بھی ہو سکتے ہیں  
جو شہر بھر میں انہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں“ اول خان آنکھوں سے  
دور بین ہٹائے بغیر بڑبڑایا ”وہ کبھی بھی حالت میں پانچ دس منٹ سے  
زیادہ یہاں نہیں ٹھہرس گئے ان کے ادھر آنے کا مطلب ہے کہ  
ہم سے کہیں نفرت ہوئی ہے اور انہیں جناگیر کی فیکٹری کے بارے  
میں کوئی سراغ مل گیا ہے۔“

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ فیکٹری کی  
حدود میں ہم کل بارہ نفوس تھے جن میں سے موتی لال اور پر تاب  
ادھیکاری ایس ٹی ایف کے ایک محافظ کی نگرانی میں تھے۔ دو  
عورتوں کو چھوڑ کر بھی ہماری فعال نفی سات افراد پر مشتمل تھی۔  
اول خان اور اس کے دو آدمی، جناگیر اور اس کا چوکیدار رشیم  
خان، میں اور سلطان شاہ۔ ہم ساتوں ہی پر اسرار کار سواروں کو  
گھیرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کر سکتے تھے۔

”میں، سلطان شاہ اور رشیم خان کو لے کر عقب سے انہیں  
گھیرنے کی کوشش کرتا ہوں“ میں نے تجویز پیش کی ”تم لوگ  
دور بین سے ان پر نگاہ رکھو۔ اگر وہ کتنے کی تلاش میں فیکٹری کی  
طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں تو ادھر بھی ان کی راہ روکی جاسکتی  
ہے۔“

”نہیں، تم باہر نہیں جاؤ گے“ اول خان نے میری طرف مبہوم  
کر فیصلہ کن لہجے میں کہہ دیا ”میں نے دور بین اپنی آنکھوں سے ہٹا کر  
پائین ہاتھ میں تھامی ہوئی تھی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔  
”تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کتنے گھبر خفراں میں گھرے ہوئے  
ہو۔ ہو سکتا ہے کہ نامعلوم کارسوار تمہاری ہی تلاش میں ادھر آئے  
ہوں۔“

”یہ اور بھی بہتر ہو گا۔ میں انہیں پہچان کر ان کے بلیاں  
شان کارروائی کر سکوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں یہاں لانے کے  
بجائے باہر ہی گولی مار دینا مناسب ہو“ میں نے اصرار کیا۔

”نہیں، ان کے چہروں پر کچرا باندھ کر انہیں یہیں لایا جانا  
چاہیے۔“ اول خان اپنی بات پر اڑا رہا ”باہر ایک ہاتھو کتنے کے  
ساتھ دو آدمیوں کی لائیں بیک وقت دریافت ہوں گی تو یہ پورا  
علاقہ پولیس کی نظروں میں آجائے گا۔ تم نے یہاں روپوش رہنے کی  
جو حکمت عملی اپنائی ہے وہ بھی ناکام ہو سکتی ہے۔“

ہمارے پاس زیادہ بحث کا وقت نہیں تھا۔ اول خان جو کچھ  
کہہ رہا تھا، اس میں کافی وزن تھا۔ میں نے مزید کوئی اعتراض کیے  
بغیر خاموشی اختیار کر لی۔

”تم سلطان شاہ اور رشیم خان کے ساتھ جاؤ“ اول خان نے  
اپنے بشیر نامی ماتحت سے خطاب ہو کر کہا ”زیادہ دیر کی کمی ضرورت  
نہیں، ٹھیکو، پھو، بے بس کو اور بلا منہ فولڈ کر کے یہاں لے آؤ۔  
انہیں مخالفین ڈالنے کے لیے پانچ سات منٹ تک لمبی سڑک پر  
اور چند گلیوں میں گاڑی دوڑاتے رہنا کہ انہیں اندازہ نہ ہو سکے

”ہاں ہے۔ وہ گاڑی روکیں گے اور مارے جائیں گے۔“

اول خان نے تائیدی انداز میں ہاتھ ہلایا اور ہم تینوں تیزی سے زینے اترتے چلے گئے۔

جائزہ کے دفتر میں ایس ٹی ایف والوں کا لایا ہوا وہ چوٹی  
صندوق موجود تھا جس میں خود کار آتشیں ہتھیاروں کے ساتھ  
ہماری مقدار میں فاضل میگزین وغیرہ بھی موجود تھا۔

ہم اس چوبی صندوق میں سے اپنے مطلب کے میگزین اور  
جہازوں کا انتخاب کری رہے تھے کہ اچانک ریشم خان کی آواز  
نے ہم تینوں کو بری طرح جو ٹکا دیا۔ ”صاحب! اوپر سب خیریت ہے  
آج؟“ وہ بمراکی ہوئی آواز میں پوچھ رہا تھا۔ میں تیزی سے پلٹا تو وہ دفتر  
کے دروازے میں اپنی راکٹل سیٹ کھڑا ہوا تھا۔

”کیا بات ہے؟ تم جاگیر کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟“ میں نے قدیے ترشی سے پوچھا۔

وہ اضطرابی انداز میں اپنی جگہ سے دو قدم آگے بڑھ آیا اور بے چارگی سے بولا "ہم بہت بولا مگر صاب ناراض ہو گیا۔ وہ بولتا تھا کہ فیملی کا کینٹ خالی رہ جائے گا۔ ہم ایک کونے میں" اندھیرے میں چھپا بیٹھا تھا۔ ادھر کھٹ پٹ کا آواز سن کر آیا ہے۔"

جائزہ کے لئے اسے چھوڑ کر واقعی عمل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ اگر کریم خان بھی ان لوگوں کے ساتھ چلا جاتا تو اندر سے کیٹ کون بند کرنا اور اگر کیٹ کو بغیر لوٹ کیے چھوڑ دیا جاتا تو ہمارا کوئی بھی حریف نہایت خاموشی سے اندر داخل ہو کر اس وسیع و عریض اماں میں کیس بھی چھپ سکتا تھا۔

میں نے رشیم خان کو فوراً ہی چانگ برادریس بھیج دیا۔ میرے پاس بیٹم گن پکے سے موجود تھی۔ ہم تینوں نے صندوق سے تین روپے اور نکال کر تیزی سے لوٹکے اور انہیں اپنے لباسوں میں چھپا کر دفتری عمارت سے باہر نکل آئے۔ اس وقت رشیم خان دشمن پر جھپٹ پڑنے والے انداز میں اپنی راکٹل تھامے، 'بند آہنی چانگ کے سامنے ٹھل رہا تھا۔ اس کا دایہا ہاتھ راکٹل کے چوٹی کندے پر تھا، شہادت کی انگلی ٹیکر پر تھی اور بائیں ہاتھ ہولناک آہنی نال کو سارے ہوئے تھا۔

”صاحب! تم سب کو حرجاتا ہے؟“ ہم تینوں کو گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر رشیم خان بے چمن ہو گیا ”جب تک دشمن قابو میں نہیں آجاتا، ہر جانا خطرناک ہو گا۔“

”فحرم کونو“ میں نے نرمی سے کہا ”ہم یہاں سے دور نہیں جا رہے۔ وہ لوگ ادھر آئے تو ہم انہیں روکنے کی کوشش کریں گے۔ تم دو اواز بولنے کے بغیر یہیں جا رہے۔ ہم نے ذرا سانس بھی خفہ محسوس کیا تو تیزی سے اندر لوٹ آئیں گے۔“

جہاں تک فیکٹری کے سامنے کول تار کی پختہ سڑک موجود تھی۔ اس پر بجلی کے دو دیہ کبھے لگے ہوئے تھے جن پر اسٹریٹ لائٹس بھی موجود تھیں لیکن معمول کے مطابق چند کے سوا تمام دی

اس کا پس منظر کیا ہے؟

”ایک دہائی دریا میں کالے رنگ کا دھبہ دار کبیل بستا ہوا دیکھ کر دریا میں کود پڑا اور اپنی داہست میں کبیل تک پہنچ گیا مگر پھر وہ کبیل سیت کنارے کی طرف آنے کے بجائے منہ حاد کی طرف پڑنے لگا تو ساتھیوں نے شور مچایا کہ اگر بانی تیرے تو کبیل کو چھوڑ دو اور کنارے کی طرف آؤ۔ اس وقت رچھہ کی دھشیا نہ گرفت میں پہنچے ہوئے دہائی نے یہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ میں نے تو کبیل کو چھوڑ دیا ہے مگر کبیل مجھے نہیں چھوڑ رہا۔ بعد میں یہ جملہ ادب میں شامل ہو کر ضرب الفل میں گیا۔“

”لیکن کنبل میں رچھ کہاں سے آگیا؟“ دیرانے حیرت سے پوچھا۔

”میں اس معاملے میں ابھی تک کوڑھ مغرور ہوں۔ ارے وہ کہیں نہیں تھا۔ خطرناک رچھہ سلخ آب سے نیچے حیرا تھا۔ دہائی اسی کی کھال اور بالوں کو کیل سمجھ کر فدا ہو بیٹھا تھا۔ وہ قریب پہاچا تو رچھہ نے اسے پکڑ لیا اور یہیں اردو زبان کو ایک شاندار محاورہ مل گیا۔“

”وہ ساتی بے چارہ تو مارا گیا ہوگا“ ویرا نے ہمدردانہ لہجے میں اپنی تشویش ظاہر کی۔

محقق اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد غیر ضروری جگہوں میں نہیں الجھتے۔ ان دونوں میں سے ایک نہ ایک کا انجام ضرور مہربتا کا ہوا ہوگا۔“

”وہ دونوں بیولے اب باہر نظر نہیں آ رہے“ میں نے دوستوں سے لگی ہوئی اپنی آنکھوں پر زور دیتے ہوئے کہا ”وہ شاید گاڑی میں

جنوب کی طرف سے پکر کاٹ کر اوپر پہنچیں گے دعا کر دو کہ ان کے بچنے کیلئے وہاں رکے رہیں۔ ”اول خان اضطراری لے میں بولا۔

”کچھ نہیں کہا جاسکتا“ میں نے دو رشتہ اول خان کو لوٹاتے ہوئے کہا ”میں دونوں عورتوں کے ساتھ کپڑا جا رہا ہوں۔“ وہ ادا کرتے تو مجھ پر انہیں یہی گھرناڑے گا۔“

”ہم جہت پر سے بھی ان پر قازم کر سکتے ہیں“ اول خان نے کہا۔

”ہمیں قازمک کا غلطہ مول نہیں لیتا چاہتا کہ بچے والے قازم  
برہد سری فیکٹریوں کے کارکن چمک کر رہ گئے ہوں گے۔ انہیں قازم  
کی سست کا اندازہ نہیں ہوگا۔ مزید گولیاں چلیں تو یہ فیکٹری ہر شخص  
کا غلطہ بن آجائے گا اور ہمسایوں سے بھاگنا پڑے گا۔“

ہو کیا تم انہیں غلیل مار کر رکھتے پر مجبور کو گئے؟" اول خان نے بے اعتباری سے پوچھا۔

”اس صنعتی علاقے میں اگر ایک معقول مردود خوبصورت خواتین کے ساتھ کسی سے لفت کا طلب گار ہو تو اسے لفت مل جانی



اس وقت میدان میں وہی دونوں پارٹیاں ہماری خالص حریف تھیں۔ مکاؤ کے ڈون کو ایک فوکے تختے کی سرکلی کی جاکلی تھی مگر باقی کی مقامی شاخ کو نہایت بے رحمی سے نیست و نابود کیا جا چکا تھا۔ شی کا شیرازہ عملاً بھرچکا تھا اور وہ اعلیٰ ترین سطح پر ایچ ڈی نارمن کے قوتل خانے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ میرے قیاس کے مطابق ہمارے خلاف بس ایک ہی عداوت باقی رہ گیا تھا جس پر ہم بھرپور توجہ نہیں دے سکے تھے اور وہ حماز پاکستان کے انڈی ڈیٹمن، نسل پرست یہودیوں کا کھولا ہوا تھا۔ اس حمازی کمان نیویارک میں بیٹھے ہوئے متعصب ارب پی پی یہودی راس الیڈا کے پاس تھی۔ پاکستان کی بنیاد پر کاری دار کرنے کے لیے اس نے اپنی تجویزوں کے دہانے کھولے ہوئے تھے۔ اس جنگ میں وہ اپنے نمن اہم ممبرے پڑا چکا تھا۔ پہلے فخر کے بسوٹ میں چھا ہوا البرٹو ویلیسا مارا گیا پھر پیمال ایچرن اور کرنل جیسی جونز کے بیٹے علی ہونزی باری آئی ٹمر راس الیڈا اور اس کی ڈیڈ اسٹارز نامی تنظیم نے ہارنیں مانی تھیں۔ چیچتا سرائے سے پشتور کے سفر کے دوران میں ہمیں اتفاقاً علم ہو چکا تھا کہ ایلین اور پیڑ نامی دو فری لانس تجربہ میں ہزار ڈالر کے معاوضے پر پاکستان میں ہماری تلاش پر مامور کیے جا چکے تھے۔

میں نے لمحہ بھر میں اس سب جزئیات پر غور کیا پھر کاہن اس سمت میں حمادیں جدھر مشتبہ کار دیکھی گئی تھی لیکن تاریخی اور قافلہ زیادہ ہونے کے باعث میں کچھ بھی دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

ہمارے قریب پڑے ہوئے کتے کی حالت بہت خراب تھی۔ رائفل کی گولی اس کے پیٹ میں گھس کر پکرائی ہوئی دوسری طرف سے نکل گئی تھی جس کے نتیجے میں کتے کے پیٹ کی ساری آلائشیں تقریباً باہر نکل آئی تھیں لیکن اتنا کاری ڈم کھانے کے باوجود وہ سخت جان کتا نہ صرف زخمہ تھا بلکہ اپنے ہدف کی ٹہپا کر دھمے دھمے غرائے جا رہا تھا۔

”اسے گولی مار کر ٹھنڈا ہی کیوں نہ کریں؟“ غزالہ نے دھمے سے کہا۔

”غیر ضروری طور پر قاتل کرنے کی ضرورت نہیں“ میں نے سختی سے اسے منع کر دیا ”قاتل کے دھماکے سے قرب و جوار کے لوگ جھٹک پڑیں گے“

”ابھی چند منٹ پہلے بھی تو کتے پر رائفل سے گولی چلائی گئی تھی“ غزالہ نے احتجاج کیا۔

”وہ قاتل جھٹ پر سے کیا گیا تھا۔ بلندی سے کھلی ہوئی فضا میں چلائی جانے والی گولی کی سمت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا“ میں نے کہا۔ ”میاں قاتل کی آواز عمارتوں کے درمیان گونجنے کی اور ہم نکلوں میں آجائیں گے یہ کتا ویسے بھی مر رہا ہے۔ گولی ضائع کیے بغیر توڑی دیر میں دم توڑ دے گا۔“

”مجھے اس کار کی جھلک تک نظر نہیں آ رہی“ دیرانی آکھوں پر شاید زور دیتے ہوئے بڑبڑائی ”معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ

دھنیاں بندھیں اور مجموعی طور پر وہ سڑک خامے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ چلنے والے اٹاؤ گاڑیوں کی ریکارڈ زہد مدہنی مگر دوپیش کے گھور اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

فیکٹری کے احاطے سے باہر نکلنے کے بعد ہم تینوں چند ٹانگوں تک باہر رک کر گرد و پیش کا جائزہ لینے رہے پھر اچانک غزالہ ایک سمت میں ہاتھ اٹھا کر بے ساختہ بول پڑی ”وہ بابا۔“ آؤ پہلے اسے ہی دیکھتے ہیں۔“

میری نظریں اس کی بتائی ہوئی سمت میں گھوم گئیں۔ وہاں ہم تاریکی میں کسی نیم چپائے کا بے حس و حرکت وجود ایک تاریک تدرجے کی صورت میں پڑا ہوا تھا۔

ہم تینوں تیز تیز قدموں سے اسی طرف ہو لیے اور قد توڑ کتے کا ساکت جسم لمحہ بہ لمحہ واضح تر ہوتا چلا گیا۔ بظاہر یہ نظر آ رہا تھا جیسے وہ رائفل کی گولی کھاکر جسم واصل ہو چکا ہو لیکن جوں ہی ہم اس کے قریب پہنچے تو اس نے ایک مجموعی غراہٹ کے ساتھ اپنا سر زمین سے اٹھایا مگر قہمت کے باعث دوبارہ سر زمین پر ہی ڈال دیا البتہ اس کی فیصلی اور دبلی دبی غراہٹوں کا سلسلہ جاری رہا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ ہم تینوں میں سے کسی کے وجود کی بوئے اس قہمت یافتہ جانور کو بھگان اور اشتعال میں جھٹا کیا ہوا تھا۔

”اسے میری یا تمہاری بو پر سدھا کر ادھر بھیجا گیا ہے“ دیرانی پڑتوش لے لے میں بولی ”اس کا مطلب ہے کہ اس کتے کا مالک جمائیکر کی فیکٹری کے وجود سے ناخبر ہے۔“

”لیکن اسے فیکٹری کا صحیح پتہ معلوم نہیں ہے“ غزالہ نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے قہر دیا ”اسے عمل معلومات حاصل ہونیں تو وہ کتے کا سارا لینے کے بجائے مسلح آدمیوں کی ہماری نظری کے ساتھ ہمیں گھیرنے کی کوشش کرتا۔“

میں خود بھی وہی کچھ سوچ رہا تھا جو ان دونوں کے ذہنوں میں تھا۔ امریکن قوتل خانے والے ہمارے ہاتھوں اتنی بری طرح مار کھا چکے تھے کہ ان کی طرف سے ایسی کسی پیش رفت کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ اپنی طاقت اور بے پناہ روسخ کے محمد میں انہوں نے شی کے نئے سرہاء جھکلا رک کر کھنڈا تھا پھر ہی آئی اسے کے دو بلیڈ فام افر بھی جمائیکر کے گھر کے اطراف میں مارے جا چکے تھے۔ انہوں نے بکتر بند گاڑی کی مدد سے زہریلی دواؤں کا اسپرے کر کے ہمیں قلیٹ میں زندہ درگور کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا وہ بھی بری طرح خاک میں مل چکا تھا۔ پھر وہ بے اتنی ناکامیوں کے بعد ان کی طرف سے کسی جوابی وار کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

ہمارے دوسرے حریف وہ تھے جو بار بار کی کوششوں کے باوجود ہمیں کوئی قابل ذکر نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ ان میں سے موٹی لال اور پر آب اوچکاری ہماری تحویل میں تھے۔ ان لوگوں کی طرف سے یہ اطمینان بھی تھا کہ انہیں جمائیکر کی فیکٹری کے بارے میں علم نہیں تھا۔

میں واپسی کے لیے پلٹ پڑا۔ آگے راستہ مسدود ہونے کی صورت میں وہ لوگ کسی بھی سمت میں نکل سکتے تھے۔ اگر وہ اسی طرف آجاتے تو ہم ان کی اندھا دھند فائرنگ کی زد میں آسکتے تھے اس لیے ہم بترسی تھا کہ ہم جلد از جلد فیکٹری میں داخل ہو جائیں۔ ہمارا فیکٹری کے احاطے سے باہر آنا بالکل بے مقصد رہا تھا۔ اتنا ضرور ہوا تھا کہ ہم نے تربیت یافتہ کتے کو پہلے لب مرگ اور واپسی پر بے جان دیکھ لیا تھا۔

فیکٹری کے آہنی چھانک کے پیچھے ریشم خان سخت اضطراب کے عالم میں ہمارا انتظار تھا۔ اس نے قدموں کی چاپ سننے ہی ذہنی کمزوری کھول کر ہمیں راستہ دیا اور ہمارے اندر پہنچنے ہی اس کمزوری کو اندر سے بولٹ کر دیا۔ میں نے چھت پر جانے کے بجائے وہیں...

چارپائی نبھال لی۔ ویرانے میں گھومتے گھومتے کے بعد میرے ساتھ بحث شروع کر دی۔ وہ ہماری پائٹی کے واپس آنے سے پہلے کوئی نتیجہ اخذ کرنے کے لیے بے چین تھی۔ میرے پاس بھی اس وقت انتظار کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہیں تھا اس لیے میں سرگرمی سے اس کے سوالات کے جوابات دینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد فائرنگ کا شور بالکل موقوف ہو گیا۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ دشمن کو مار لیا گیا تھا یا وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ اور جٹاگیر بھی واپس آچینچ۔ ان کی گاڑی بھیر چلا رہا تھا۔ ان تینوں ہی کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ بد قسمتی کی وجہ سے ہمیں بے نیل و مرام واپس لوٹنا پڑا۔ وہ دونوں بچ کر نہیں نکل سکتے تھے۔ جٹاگیر نے گاڑی سے اترتے ہی گھٹتے خورہ لہجے میں کہا۔

”اپنی اہلیوں کا سارا بوجھ ہم قسمت پر ڈال کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں“ دیر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے خود گلای کے انداز میں بولی۔

”میری طرف دیکھ کر بات کرو“ جٹاگیر جھٹلا کر لولا ”آسمان کی طرف منہ کر کے کیا بڑبڑا رہی ہو؟“

”اگلی مرتبہ دشمن سے مقابلہ کرنے سے پہلے ہم کسی مال یا نجوی سے رجوع کریں گے تاکہ عین وقت پر ہمارے قسمت کسی رقیب کی طرح دغا نہ دے سکے“ دیر انجیدگی سے بولی۔

”تم زیادتی کر رہی ہو“ اس بار جٹاگیر کے بجائے سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں احتجاج کیا ”وہ بری طرح بوکھلا گئے تھے اور اندھا دھند گولیاں برسا رہے تھے۔ اگر ہماری گاڑی کا پچھلا ٹائر برست نہ ہوا ہوتا تو ہم ان کے سروں پر پہنچ گئے ہوتے۔“

ان کی گاڑی تیز چھوٹے لہجے ہوئی اندر داخل ہوئی تھی لیکن ہم میں سے کسی نے اس کے ٹائرنوں کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ سلطان شاہ کی نشان دہی پر میں نے گاڑی پر نگاہ ڈالی تو اس کا پچھلا بالیاں ٹائر سرے سے غائب تھا اور گاڑی آہنی ریم پر چلتی ہوئی دہاں

خٹوہ بھانپ کر بھاگ نکلے ہیں۔“ اس کی بات پوری ہوتے ہی فضا میں یکے بعد دیگرے دو فائرنگ کی گونج سنائی دی۔ آوازیں واضح طور پر اسی سمت سے آئی تھیں جدھر مشتبہ کار دیکھی گئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شاہ وغیرہ کا ان سے ٹکراؤ ہو گیا ہے۔ غزالہ بولی۔

دو فائرنگ کے بعد اچانک کوئی خود کار را نقل چل پڑی۔ تڑتڑ کی آوازوں کے ساتھ فائرنگ ہوئی رہی۔ اس دور میں ہسپتال یا ریوالور کے بھی متعدد فائر ہوئے پھر شاید میگزین خالی ہونے پر خود کار را نقل ایک بیک خاموش ہو گئی۔

وہ شاید اتفاق تھا کہ اسی وقت ہسپتال یا ریوالور کی آواز بھی ختم ہوئی اور چند لمحوں کے لیے نیم تاریک فضا پر بیابان آسمانی سکوت طاری ہو گیا مگر وہ سکوت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکا۔ ایک مرتبہ پھر گولیاں چلنے لگیں۔ اس بار بھی ابتدا ہسپتال وغیرہ کی فائرنگ سے ہوئی تھی جس کے جواب میں بیک وقت متعدد سب مشین گنیں گنگنائے لگیں۔

مجھے انٹیکل ٹانگ فورس والوں کی تیاریوں کا بخوبی اندازہ تھا اس لیے مجھے یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ خود کار را نقلوں یا سب مشین گنوں کا استعمال وہی لوگ کر رہے تھے جب کہ ان کے حرفوں کے پاس کم تر درجے کے آفیسر ہتھیار تھے۔

میرے وجود پر اضطراب طاری ہونے لگا۔ قریب ہی معرکہ چھڑا ہوا تھا مگر اس میں حصہ لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ نکل بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ غزالہ فائرنگ کی آوازوں سے اندازہ لگا کر بولی ”خدا کرے کہ یہ لوگ نکلے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ چاہے تو چلے کہ یہاں تک آئے والے کون لوگ ہیں اور ان کے کیا عزائم ہیں۔“

”تمہارے ان دونوں سوالوں کے جواب میرے پاس موجود ہیں“ دیر بولی۔

”کیا؟“ اس کے چڑا ہونے پر غزالہ کو بے ساختہ انتظار پر مجبور کر دیا۔

”وہ ہمارے دشمن ہیں اور ہمیں ٹھکانے لگانے کے ارادے سے آئے ہیں۔“

”کچھ چاہیں چٹا کہ تم کس وقت سمجھ رہی ہو“ غزالہ جھٹلا کر بولی۔

”دشمنوں میں سے کسی کی بھی گولی میرے سر میں بیوست ہو گئی تو فوراً سمجھ رہی ہوں۔ جب تک سانس کی لڑی چل رہی ہے ایسا ہونا ناممکن ہے۔“

غزالہ زب لب کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔ اس وقت ہم لوگ سب رفتار سے اسی طرف بڑھ رہے تھے جہاں مشتبہ کار دیکھی گئی تھی لیکن میں فائرنگ کی آوازوں پر کان نہ مار رہی تھی۔ محسوس کر رہا تھا کہ وہ آوازیں غیر محسوس انداز میں رفتہ رفتہ دور ہوئی جا رہی تھیں۔

سے لاعلم تھا۔

”یہ دونوں بین الاقوامی غنڈے ہیں جو معاوضے پر دوسروں کے لیے کام کرتے ہیں“ میں نے کہا ”جینا سرائے ہم لوگوں کو پشاور پہنچانے والی کوسٹران ہی دونوں نے کرائے پر حاصل کی تھی۔“

”وہ!“ اول خان کے لیوں سے تھیرزدہ سی آواز نکلی ”لیکن انہیں تم سے کیا پر خاش ہے؟ وہ تم لوگوں کے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہیں؟“

”وہ نیوارک اور ڈیوڈ اشارز والے راس المیڈا کے ساتھ ساتھ کرل جیسی جوز کے لیے بھی کام کر رہے ہیں۔ انہیں پاکستان میں بل جوز اور پال انٹرن کی تلاش کے لیے بیس ہزار ڈالر معاوضہ ادا کیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ باتیں ہمیں خود ہی بتائی تھیں“ میں نے بتایا۔

”اور اب وہ تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ انہیں بل جوز اور پال کے قتل میں تمہارے ملوث ہونے کا سراغ مل گیا ہو اور وہ تم سے بدلے لینے پر قتل گئے ہوں؟“

”نہیں صرف معلومات فراہم کرنے کا معاوضہ دیا گیا تھا“ مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی ”میں نے پہلے ہی انہیں بتا دیا تھا کہ بل اور پال اپنے منطقی انجام سے دوچار ہو چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب تک کرل جیسی جوز کو یہ بات بتا چکے ہوں۔ دوسری طرف سے پیشکش بھی کی گئی تو وہ دونوں ہم سے ٹکرانے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ وہ کسی اور سی پکریں معلوم ہوتے ہیں۔“

”وہ پکریا ہو سکتا ہے؟“ اول خان کی پیشانی پر تھکر آمیز لکیریں ابھر آئیں۔

”وہ ہمیں بھی اپنی برادری میں سمجھ رہے تھے“ میں نے کہا۔ ”اور باتوں باتوں میں یہ بھی کہہ بیٹھے تھے کہ وہ راس المیڈا سے کوئی معاہدہ کرنے کے بعد ہم سے ضرور مدد لیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں ڈیوڈ اشارز سے کسی بڑے کام کی آفر ملی ہو اور وہ ہماری تلاش میں ہوں۔“

”مکمل کربات کرو“ ویرا نے فوراً مجھے ٹوک دیا پھر اول خان سے بولی ”ایلن اور پیٹر شاید بہت بڑے مجرم نہیں ہیں لیکن باخبر ضرور رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے اور ڈینی کو پہچان لیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ڈینی کی تلاش میں انہیں جہانگیر کا سراغ مل گیا ہو۔ اس کے بعد جہانگیر کی فیکٹری تک پہنچا دھواڑ نہیں تھا۔“

”ایسی صورت میں انہیں براہ راست فیکٹری پر آنا چاہیے تھا۔ کتے سے مدد لینے کی کیا ضرورت تھی؟“ غزالہ نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔

”مجھے سوچنے دو!“ اول خان ہاتھ اٹھا کے بولا پھر قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا ”ہو سکتا ہے کہ وہ صرف اتنا معلوم کر سکے ہوں کہ جہانگیر کی فیکٹری کورنگی کے صنعتی علاقے میں ہے“ انہیں فیکٹری کا مکمل پتہ نہ مل سکا ہو۔“

نک پہنچی تھی۔

”تو کیا وہ تمہارا پہنا ہوا باز بھی چھین کر لے گئے؟“ ویرا نے آہنی رم پر ایک نگہ ڈال کر جھپٹی ہوئی آواز میں پوچھا ”حیرت ہے کہ وہ ہمیں چھوڑ گئے!“ اس کا مخاطب جہانگیر سے تھا۔

”مضمحل باتیں مت کرو“ سلطان شاہ نے اسے ہماڑ دیا ”ان کی ایک بجلی ہوئی گولی نے باز پھاڑ دیا تھا۔ اسی باز پر گاڑی چلائے رہنے کے نتیجے میں باز اور نیوب کے ٹکڑے اڑ گئے۔ وہ نکل ضرور گئے لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں اس گاڑی میں موجود تھا۔“

”مگر تم ایک باز سے محروم گاڑی میں سفر کے اتنے خوش ہو تو میں ابھی اس کے بقیہ تینوں باز بھی لٹا لے دیتی ہوں“ ویرا اس کی بات کاٹ کر استہزاء سے لہجے میں بولی۔

”کیا تم بھی اسے لگام نہیں دے سکتے؟“ سلطان شاہ نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔

”اوپر والے سے دعا کرو۔ ویرا کو وہی ہدایت دے سکتا ہے“ میں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر خشک لہجے میں کہا ”یہ اپنی رو میں بہہ کر کچھ نہیں سنتی۔“

”اس وقت اوپر والا بھی نہیں سنے گا“ ویرا کی زبان قہقہے کی طرح چل رہی تھی ”وہ اس وقت دور بین سے آنکھیں لگائے اندھیرے میں مشتبہ کار کو تلاش کر رہا ہو گا۔“

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی اور ویرا کے شانے پر ہاتھ رکھ کے بولی ”یہ اول خان سے بہت اوپر والے کی بات تھی۔ اب ان بھانڈوں کو صاف کر دو۔ ان کی پوری کمائی سنی بہت ضروری ہے۔“ ”سنو!“ ویرا نے فضا میں ہاتھ لہرا کر اس انداز میں کہا جیسے ”بھاڑ میں جاؤ“ کہہ رہی ہو۔

”میں نے ان دونوں ہی کو پہچان لیا“ سلطان شاہ نے میری مستحضرانہ نگاہوں کے جواب میں کہا ”وہ ایلن اور پیٹر تھے۔ حیرت ہے کہ وہ اس وقت یہاں کیا کر رہے تھے۔“

”اوہ!“ میرے منہ سے بے اختیار لمبا سا سانس آزاد ہو گیا۔ ”میرے سر پر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ اگر وہ موتی لال کے آدمی ثابت ہوتے تو ہمیں اسی وقت یہ ٹھکانا چھوڑنا پڑتا۔“

اسی وقت اول خان طویل انتظار سے مضطرب ہو کر نیچے اتر آیا۔ شاید اس نے گاڑی کو واپس آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ آتے ہی بولا ”میں اوپر انتظار میں سوکھ رہا ہوں اور تم لوگوں نے یہاں محفل جمائی ہوئی ہے۔ کیا ہوا؟ تم لوگ کیا کر کے آئے ہو؟“

اس نے وہ تھرے بشیر سے مخاطب ہو کر کہے تھے لیکن میں نے جواب دینے کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہوئے اسے پورے قہے سے آگاہ کر دیا۔

”یہ ایلن اور پیٹر کون ہیں؟“ اس نے ان دونوں کے نام پہلی بار سنے تھے اس لیے اس کا سوال فطری تھا۔ ہم لوگوں نے گالان سے کراچی واپسی کے واقعات سے اسے آگاہ کرتے ہوئے ان دونوں کے ذکر کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی اس لیے وہ ان کے کردار

اس وقت ہمیں اپنے قیدیوں کی خبر ملی جا رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم سب جا کر آرام کرو۔ میں موتی لال اور پرباب ادھیکاری سے پوچھ کر آتا ہوں۔

”میں تمہارے ساتھ رہتا جاؤں گا“ میں نے زری سے کہا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اول خان نے الین اور پیروا کے موضوع کو اچانک اور غیر فطری انداز میں ختم کیا تھا۔ میں اس کے ساتھ رک کر اس کے ناقابل فہم رویے کا سبب جاننا چاہتا تھا۔

دوسروں نے بھی موتی لال کا متنازعہ رویے کے لیے اصرار کیا لیکن اول خان میرے سوا کسی اور کو رعایت دینے پر آمادہ نہیں ہوا۔ اس کا موقف تھا کہ رات تیزی سے ڈھل رہی تھی۔ سب لوگوں کو آرام کر کے خود کو اگلے دن کے لیے تیار کر لینا چاہیے تھا۔ اس نے قیدیوں کو دیر کے اچانک پھانسیوں کے لالہ بالکل ترک کر دیا تھا۔

اول خان بشیر کو فیکٹری کی حفاظت کے بارے میں ہدایات دیتا رہا اور بقیہ لوگ زنیوں کی طرف ہو گئے۔ جاتے جاتے دیرانے برا سامنے بنا کر میری طرف دیکھا تھا اور شاید زہر لب کچھ بیڑائی بھی تھی۔

بشیر سے فارغ ہو کر اول خان میرے ساتھ اس طرف چل دیا جہاں دونوں قیدی بند تھے۔

قیدیوں کی نگرانی پر نامور محافظ نے ہم دونوں کو دوری سے دیکھ لیا تھا لیکن میں نے دفتری عمارت سے کچھ دور نکل آنے کے بعد پیش قدمی ترک کر کے اول خان کو کھلے میدان ہی میں روک لیا۔

”یہاں کیوں رک گئے؟“ اندھیرے میں اول خان کی چمکتی ہوئی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

”تم نے الین اور پیروا کا تذکرہ اچانک ہی موقوف کر دیا تھا۔ میں اس کا سبب جاننا چاہتا ہوں۔“

”مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ یہ کھیل اب کوئی بھیانک رخ اختیار کرنے والا ہے“ وہ گہمیر بنجیدگی کے ساتھ بولا ”یہ مواقع پر احتیاط ضروری ہو جاتی ہے۔ ناگزیر ضرورت کے بغیر دوسروں کو اہم رازوں میں شریک کرنا کبھی کبھی خطرناک بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس بارے میں ہم الگ بینہ ربات کریں گے۔“

”لیکن وہاں سب اپنے ہی تھے کوئی فیر نہیں تھا“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”تم عارف اور سرور کو بھول رہے ہو“ اس کا لہجہ تلخ ہو گیا

”وہ دونوں میری فورس کے آدمی تھے لیکن موتی لال کی ہدایت پر سلطان شاہ کو اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔ ان حالات میں تو اپنے سائے سے بھی خوف آنے لگتا ہے۔ اگر سلطان شاہ عارف کو مار کر بچ نکلے میں کا سبب نہ ہو گیا ہو تو آج ہم اس کی تلاش میں پورے شہر کی خاک چھاننے پھر رہے ہوتے۔“

”جہاگیر دیرا، خزانہ، سلطان شاہ اور بشیر میں سے تم کو کس

”یہ بات پھر بھی حیرت ناک ہے کہ انہوں نے تلاش کے لیے اسی علاقے کا انتخاب کیا جہاں یہ فیکٹری واقع ہے“ دیرا اس کی بات درمیان سے اڑا کر بولی ”تم نے بڑے صنعتی علاقے میں صرف ایک کتے کی مدد سے کسی بھی فیکٹری تک پہنچنا اتنا آسان نہیں ہے۔“

”بعض اوقات حیران کر دینے والے اتفاقات بھی رونما ہو جاتے ہیں“ میں نے کہا ”میرا ذہن کچھ اور سی خطوط پر کام کر رہا ہے البرٹ ویلیسا سے شروع ہونے والی اس کہانی میں تیسری بار حیوانوں کا کردار سامنے آیا ہے۔ یہ کتنے بہت اہم ہے۔“

اول خان چونک رہا ”تیسری بار؟ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟“ ”کود کے علاقے میں تربیت یافتہ بندوں کے ذریعے تصویر کشی کے بعد خاص نسل کی ابا پیپلوں کے ذریعے اس وادی کی تہائی کا منصوبہ ہمارے سامنے آچکا ہے اور اب ایک تربیت یافتہ کتا ہماری تلاش کے دوران مارا گیا۔ کیا یہ واقعات کسی خاص سمت کی نشان دہی نہیں کر رہے؟“

اول خان کی آنکھیں چمکنے لگیں ”یعنی الین اور پیروا کا کردار ابتدائی سے چل رہا ہے؟“ ”گفتہ میں یہی بات واضح کرنے کی کوشش کر رہا تھا“ میں نے کہا۔

”میں بڑی حد تک تمہارا معلوم سمجھ چکا ہوں لیکن پھر بھی تم اپنی تھیوری بیان کرتے چلے جاؤ تو سب کے لیے آسانی ہوگی۔“ اول خان پرجوش لہجے میں بولا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے دیرا کی طرف دیکھا تو وہ بہت غور سے مجھے گھور رہی تھی۔ میں نے کہا ”اب تک ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم نے الین اور پیروا کو بے وقوف بنا کر ان سے بہت کچھ اگوا لیا لیکن حقیقت اس کے برعکس معلوم ہوئی ہے۔ انہوں نے خود کو محسوس اور قدر سے بے ضرر ظاہر کر کے ہمیں بے وقوف بنایا تھا۔ میرا اماندہ ہے کہ وہ دونوں شروع ہی سے البرٹ ویلیسا کے ساتھ رہے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ بندوں کو سدھانے کا کام بھی وہی سرانجام دیتے رہے ہوں۔ البرٹ ویلیسا کا راز فاش ہوتے ہی وہ دونوں سرحد عبور کر کے افغانستان میں دوپوش ہو گئے اور وہاں سے راس المیڈا وغیرہ سے ہدایات لیتے رہے۔ وادی گلان یا شنگارا وادی میں ہماری موجودگی کی سن گن جاتی ہی انہوں نے پینٹا سرائے میں ڈیرے ڈال دیے۔ وہ سردار یا سندھ گل کے علاقے میں گھس کر ہمارے خلاف کارروائی نہیں کر سکتے تھے اس لیے وہ ہماری واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ واپسی پر جو کچھ ہوا، وہ اتفاق نہیں تھا، ان دونوں نے اس کی پوری منصوبہ بندی کی ہوگی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اب البرٹ ویلیسا اور ڈیوڈ اشارز کے مشترکہ مشن کو وہی چلا رہے ہوں۔“

”یہ صرف مفروضات ہیں“ میرے خاموش ہوتے ہی اول خان بے پروائی سے بولا ”میں پرباب اور دن بحث کی جا سکتی ہے۔“

مجھے یقین تھا کہ اول خان کے دو حلوں نے ہی پر تاب کے اوسان خطا کر کے رکھ دیے ہوں گے۔  
 ”یہ تقدیر نہیں“ صرف ہماری طاقت اور بلا دستی کا معمولی سا اظہار ہے۔“ اول خان نے درشت آواز میں کہا ”ہم چاہیں تو اسی طرح تم دونوں کے جھوٹے اڈاکر جیسے کسی گندے ٹالے میں غرق کر سکتے ہیں مگر ہم ایسا نہیں کریں گے کیونکہ تم دونوں ہمیں بہت عزیز ہو۔ ہم تمہارا سودا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اب میں تمہارے دہانوں سے کپڑا نکال رہا ہوں۔ اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو خسارے میں رو گے۔ یہاں کوئی بھی تمہاری مدد کے لیے نہیں آئے گا۔“

اول خان سے بیٹے کے بعد پر تاب جج نہیں سکا تھا کیونکہ اس کے منہ میں حلق تک کپڑا خنسا ہوا تھا لیکن خیرات کی دھجک اور پر تاب کی دہلی دہلی غراہوں کی وجہ سے موتی لال کو بدلی ہوئی صورت حال کا ادراک ہو چکا تھا اور اس نے فرش پر لوٹنے کی کوششیں ترک کر دی تھیں۔

اول خان نے مجھے اشارہ کر کے بے رحمی کے ساتھ پر تاب کے منہ سے کپڑا باہر کھینچنا شروع کر دیا۔ میں نے موتی لال کے ساتھ وہی عمل دہرائنا شروع کر دیا۔

”دفعہ“ بولنے کی گنجائش پیدا ہوتی ہی پر تاب کرب آلود آواز میں کراہا۔ اس کے منہ سے پرتا ہونے والا کپڑا خون آلود ہو رہا تھا۔ اول خان کے فولادی گننے نے اس کا اندر دہلی دہانہ لولہمان کر دیا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ کہیں اس کے چند دانت بھی نہ ٹوٹ گئے ہوں۔

”زیادہ آواز نہ لگے!“ اول خان سفاکانہ لہجے میں غرایا ”ورنہ گردن موزوں گا۔“

”میرا حلق خشک ہو رہا ہے“ موتی لال کی نکت آمیز اور خوف زدہ آواز سرسرائی ”مجھے ایک گلاس پانی دے دو“ میری زبان سوکھ کر میری طرح خشک رہی ہے۔“

”نی الحال مبرکو۔ کچھ دیر بعد تمہیں پانی ہی نہیں، پیند کا ہر مشروب فراہم کیا جائے گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تمہاری اچانک کم شدگی سے کون سب سے زیادہ پریشان ہو سکتا ہے؟“

”ہا۔ ہر شخص۔ میرے دفتر کا ہر شخص پریشان ہو جائے گا۔ مگر تم کون ہو اور یہ سب کیوں ہو چھ رہے ہو؟“ وہ بری طرح خائف معلوم ہو رہا تھا۔

”تم جو بھی ہو بہت سفاک ہو“ پر تاب کی لرزتی ہوئی آواز ابھری ”تم نے مکارا کر میرے کئی دانت توڑ دیے ہیں۔ تمہوں پر پڑنے والی ٹھوکر سے ابھی تک میرا دماغ بکرا رہا ہے۔“  
 ”تمہیں اپنی موجودہ حیثیت کا احساس دلانے کے لیے وقفے وقفے سے ایسا ہوتا رہے گا۔ ہمیں دس لاکھ روپے درکار ہیں۔ تم ہمارے پر غلامی ہو۔ تمہوں کی رقم دونوں میں نہ لی تو تمہارا سراغ

سے خلع محسوس ہو رہا تھا؟“  
 ”کسی سے نہیں لیکن وقت گزرنے پر ان میں سے کوئی بھی خدراک ثابت ہو سکتا ہے۔ جمائیکرا اصولی طور پر ان معاملات سے باہر کا آدمی ہے۔ بشرط میں ضرورت سے زیادہ مجھوسا نہیں کر سکتا۔ سلطان شاہ مضبوط آدمی ہے مگر اس کا کردار محدود ہوتا ہے۔ خزانہ کو میں ان الجھنوں سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔ لے دے کے ایک دیر اسی ایسی ہے جسے ہم اپنے مشوروں میں شامل کر سکتے ہیں مگر اس وقت ریٹم خان کے کان بھی ہماری طرف لگے ہوئے تھے۔ تمہارے قیاس کی کمزوری بھانپتے ہی میں نے موضوع بند کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔“ وہ

”تو کیا اب ہم واقعی موتی لال سے باز پرس کرنے جا رہے ہیں؟“ میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔  
 ”بالکل!“ اس نے وثوق سے کہا ”تم اصل پروگرام بھول رہے ہو۔“

”مجھے سب یاد ہے اسی لیے میں نے سوال کیا ہے۔ باز پرس شروع ہو گئی تو پر تاب ادھیکاری کی ہانکی کا مرحلہ کب آئے گا؟ تم ان کے حمایتیوں کو بھی میدان میں لانا چاہ رہے تھے۔“

”اس وقت ہم بلیک میلروں کے انداز میں پوچھ گچھ کریں گے پھر پر تاب کو ہار کر دیا جائے گا۔ وہ غیر اہم آدمی ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد موتی لال سے اصل پوچھ گچھ کا آغاز ہو گا۔“  
 میری الجھنیں رفع ہو گئیں اور میں اس کے ہمراہ کتروں کے گودام کی طرف چل پڑا۔

”سر! دونوں قیدی ہوش میں آچکے ہیں“ محافظ نے گودام سے کافی پہلے اول خان کو اطلاع دی۔  
 ”دو واہ کھول دو۔ ہم انہیں دیکھ لیں گے“ اول خان نے خشک لہجے میں کہا۔

محافظ نے دو زکروں کو روانہ کیا۔ کھول دیا۔ کمرے میں مگر اندر ہوا تھا۔ اول خان کے ایما پر محافظ نے سوچے ان کے ایک ٹیوب لائٹ جلا دی۔ ہم دونوں اندر داخل ہوئے تو وہ دونوں بے دست دیا فرش پر پڑے بری طرح چل رہے تھے۔ ان کے دہانوں میں کافی دیر سے کپڑا خنسا ہوا تھا جس کی وجہ سے ان کے گندے چوہوں پر خون کی سرخی چمک رہی تھی۔

اول خان نے کسی حثت بالر کی طرح پیوہ کر پر تاب ادھیکاری کے تھوہوں پر اپنے بھاری جوتے سے بھرپور ضرب لگائی اور وہ مایہ بے آپ کی طرح فرش پر تر پنے لگا۔

مجھے موتی لال کی طرف دھوٹا ہوا دیکھ کر اول خان نے اشارے سے روک دیا پھر خود ہی جبکہ کر پر تاب کا گربان پکڑا اور اس کے ہاتھیں جبرے پر اتنی قوت سے مکارا رسید کیا کہ اس کے رخسار کی جلد کئی جگہ سے پھٹ گئی اور زخموں سے خون کی گھیریں ابھرنے لگیں۔

تک نہیں مل سکے گا۔“

”ہم تمہارے قیدی ہیں اور بالکل بے حیثیت ہیں۔ ہم محرک بھی اتنی بڑی رقبہ کا بندوبست نہیں کر سکتے“ موتی لال دس لاکھ روپے کا مطالبہ سن کر ہلکا گیا تھا۔

”سرکاری آدمی کسی بے حیثیت نہیں ہوتا“ اول خان کا لہجہ سرد اور سپاٹ تھا ”تمہیں یوتھین کے جس مکان سے اٹھایا گیا ہے وہ بھی تمہاری بھلاہ اور اوقات سے بہت مٹکا ہے۔ جو لوگ اتنی سنگی عیاشیاں کرتے ہیں وہ کبھی تلاش نہیں ہوتے۔ ہم نے بہت دیکھ بھال کر تم پر ہاتھ ڈالا ہے۔“

اس دوران میں پر تپ کے دہانے میں خون جمع ہوتا رہا جسے وہ وقفے وقفے سے تھوکتا رہا۔ بائیں جڑے کے ساتھ اس کا دہانہ بری طرح ادھڑا ہوا معلوم ہو رہا تھا کیونکہ اس پر تیزی سے درم آنا جا رہا تھا۔

”تمہارا مطالبہ پورا ہونے یا نہ ہونے کا انحصار ہمارے افسروں کی مرضی پر ہے“ موتی لال کی آواز مزید کمزور ہو گئی ”مجھے نہیں معلوم کہ تم کون ہو لیکن تم اتنا ضرور جانتے ہو گے کہ ہم یہاں اپنی جان بھینچ رہے پھر تے ہیں۔ دونوں ملکوں میں کھلی دشمنی نہیں ہے لیکن دوستی بھی نہیں ہے۔ ایسے میں ہم جیسے مجبور سفارتی ملازم دونوں طرف دہشت گردی کا نشانہ بنتے رہتے ہیں۔ تم ہمیں مار دے گے تو فی دہلی میں بھی یہی کچھ ہو گا۔ تم کو کوئی ہو“ ہمارا خون سرکاری کھاتے میں ڈالا جائے گا اور پھر اس کا بدلہ لے لیا جائے گا۔ ہمارے اور تمہارے قائدے کی ایک ہی صورت ہے کہ تم ہمیں اپنے بیٹوں سے بات کرنے دو۔ ہم تمہارا مطالبہ ان تک پہنچا دیں گے۔“

”اپنے بڑے سٹور کا نام ہمیں بتا دو۔ ہم خود اس سے رابطہ کر لیں گے۔“

”تمہاری بات پر مجھوسا نہیں کیا جائے گا۔ آدمیوں کے ساتھ وہ بیماری رقبہ بھی گنوا نہیں چاہیں گے۔ تم سے بات بگڑ جائے گی۔ میں انہیں بہت کچھ سمجھا سکتا ہوں۔“

”اس کا مطلب ہے کہ تم ہی ہمارے کام کے آدمی ہو“ اول خان مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولا ”تم ہمارے مہمان رہو گے۔ اپنی خیمہ گردی اور نیک نیتی کے اعتبار کے لیے ہم تمہارے ساتھی کو رہا کر سکتے ہیں۔ یہ اپنے بیٹوں کو قائل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو ہم اسے دوبارہ اٹھوائیں گے۔ پرسوں رات سے پہلے ہمیں مطلوبہ رقم مل جانی چاہیے ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ تمہارے بیٹوں میں سے بھی کسی کی باری آ سکتی ہے۔“

”رقم تمہیں کہاں اور کس شکل میں پہنچانی ہوگی؟“ اپنی رہائی کی امید بندھتے ہی پر تپ نے رک رک کر سوال کیا ”میں تمہارے لیے پیغام رسانی کرنے کے لیے تیار ہوں۔“

”یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے رقم کی ادائیگی پر رضامندی کا

معاملہ ہے“ اول خان کے لیے کی درختی پر قمار تھی اور وہ کہہ رہا تھا ”رقم میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ مجھے یاں یا نا میں جواب چاہیے۔ بعد کا طریقہ کار خود بخود طے کر لیا جائے گا۔“

”پر تپ کے مقابلے میں میں یہ کام بہتر طریقے سے کر سکوں گا۔“ موتی لال پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔

”تم اہم آدمی ہو۔ تم خود اس بات کا اعتراف کر چکے ہو۔ تم ہمارے ہندے سے نکل گئے تو وہ تمہارے ساتھی کی پروا نہیں کریں گے۔ دس لاکھ بجائے کے لیے اس کی گردن کٹاؤ اس کے ہمیں کشتِ دھون سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہمیں صرف رقم درکار ہے اس لیے تم خاموش رہو اور مجھے پر تپ سے بات کرنے دو تاکہ یہ میاں سے ایک واضح خاکہ لے کر واپس جاسکے۔“

”تم بتاتے رہو“ میں پوری توجہ سے تمہاری بات سن رہا ہوں“ پر تپ مضطربانہ آواز میں بولا ”مگر تم میری آنکھوں پر سے ہٹی کھلاؤ تو تمہاری بہت مرہانی ہوگی۔ اس سے مجھے ابھجمن ہو رہی ہے۔“

”پنی اس وقت کھولی جائے گی جب تمہیں مارنے کا فیصلہ کر لیا جائے گا۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہے تو تمہیں سمجھ لیتا چاہیے کہ یہی بلائیں فائدہ تمہاری زندگی کی ضمانت ہے۔ تم یہاں سے زندہ سلامت واپس جاؤ گے۔ اگر تمہارے بڑے ہمارا مطالبہ تسلیم کر لیتے ہیں تو پرسوں صبح کے کسی بڑے اردو اخبار میں کالے رنگ کے ایک کلمہ شدہ ہڈا لگ کی تلاش کا انعامی اشتہار شائع ہونا چاہیے۔ اشتہار میں رابطہ کا فون نمبر ہونا ضروری ہے۔ یہ ایشاہ نے ہی میں خود رابطہ کر کے بعد کے معاملات طے کر لوں گا۔“

”اس انعامی اشتہار کے جواب میں دوسرے بھی فون کر سکتے ہیں۔ ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ ہم کس سے بات کر رہے ہیں؟“

پر تپ پوری خیمہ گردی سے اول خان کی ہدایات کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کر رہا تھا ”مگر وہ تمہارا مطالبہ مان کر اشتہار دے دینے ہیں تو فون پر شناخت کے لیے تمہارا بھی کوئی پاس ورڈ ہونا چاہیے تاکہ کل کر بات کی جاسکے۔“

”فون پر میری شناخت کو برا ہوگی“ اول خان نے اس کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔

”پھر مجھے کب رہائی مل رہی ہے؟“ پر تپ کی آواز میں تجسس سمٹ آیا۔

”تمہیں تھوڑی سی تکلیف سہی ہوگی پھر تم آزاد کر دیے جاؤ گے۔“

”نئی بے رحمانہ مار کے بعد اب کون سی تکلیف باقی رہ گئی ہے؟“ وہ پوچھ لگا گیا۔

”تمہیں ہار پنا کر رخصت نہیں کیا جائے گا“ موتی لال حتمی سے بولا ”بے ہوشی کی حالت میں کسی دیرانے میں ڈلو اور بے جاؤ گے تاکہ ان لوگوں یا اس مقام کی نشان دہی نہ کر سکو۔ ایسے معاملات میں عام طور پر یہی ہوا کرتا ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد تم سیدھے



آواز پر تشویش تھی۔

اول خان کی نگاہوں نے ایک آہنی سلاح ٹائفل۔ وہ بڑھ کر سلاح اٹھاتے ہوئے بولا ”تم ہمارے حریف کی طرف سے ریاستی اختیار رکھتے ہو تو ہم اپنی ریاست کے نمکدان ہیں۔ اب تم کو اپنی مصروفیات کی کمیائی ستانی ہے۔ تم نے ذرا بھی تردد کیا تو پھر تم موت کی آرزو کرنے لگو گے لیکن موت تم سے دور رہے گی۔“

”تم کتنی مصروفیات کا ذکر کر رہے ہو؟ میں اپنے تو فصل خانے میں ایک معمولی ایجنٹ ہوں۔ دفتری کاموں سے بہت گھر توڑی بہت عیاشی بھی کر لیتا ہوں۔ اس سے تمہیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔“

اول خان نے اپنی پوزیشن درست کر کے موتی لال کے بندھے ہوئے پیروں کے گھوڑوں پر آہنی سلاح سے ایک زوردار ضرب لگائی اور فضا اس کی کرناک کھج سے لرزا اٹھی۔ وہ تڑپ کر بائیں پہلو پر پلٹا ہی تھا کہ اول خان کا سلاح بردار ہاتھ ایک بار پھر ہوا میں بلند ہوا اور پھر سلاح پوری طاقت سے موتی لال کے گداز کو گھولوں پر آگری۔ اس وار پورہ بلبلاتا اٹھا۔

وہ فرش پر تڑپتے ہوئے جی ہچا تھا کہ میں نے اس کی گردن پر سوار ہو کر دونوں ہاتھوں سے اس کا دہانہ بھینچ لیا۔ وہ میری گرفت سے نکلنے کے لیے چلتا رہا لیکن اس کی چھینٹیں حلق ہی میں گھٹ رہی تھیں۔

”مجھے تمہاری عیاشیوں سے کوئی غرض نہیں ہے“ اول خان دھیشانہ آواز میں ہنکارا ”میں ان عیاشیوں کا ذکر سنا چاہتا ہوں جو تم دوسروں کو کراتے ہو۔“ ٹرانسپیر پر تم کن لوگوں کو ہدایات دیتے ہو؟ ان کے نام کیا ہیں؟ وہ تمہارے لیے کیا کام کرتے ہیں؟ یہ بتاتے چلے جاؤ تو تم جھمی رہو گے“ میں اسے چھوڑ کر الگ ہو چکا تھا۔

”جھمیں غلط تھی ہوئی ہے۔۔۔ میرے پاس کوئی ٹرانسپیر نہیں ہے۔ تم مجھ پر بلا وجہ الزام تراشی کر رہے ہو۔ تم اب بھی مجھے چھوڑ دو تو میں تمہاری کوئی شکایت نہیں کروں گا ورنہ تم مصائب میں گھر جاؤ گے۔ ہمارے اعلیٰ افسران اپنے ہاتھوں سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں رہتے۔“ وہ ہانپتے ہوئے بولتا رہا لیکن اول خان نے اسے زیادہ بکواس کرنے کا موقع نہیں دیا اور اس کی بات کاٹ کر غرایا ”تمہاری حالت دیکھ کر ان کی دوشیں تک لرزا اٹھیں گی۔ ہم بہت زیادہ جسمانی تشدد کے قائل نہیں ہیں۔ عارف اور سرور کی تحویل سے برآمد ہونے والا ٹرانسپیر تمہاری بد عیاشیوں کا کھلا ثبوت ہے۔ ہم اس پر القاب دہانی کے لیے تمہارے بیانات سننے رہے ہیں۔ تم ان کے ماسٹر تھے لیکن اب بازی الٹ چکی ہے۔“

”اوہ۔“ موتی لال کے منہ سے ایک خیر زندہ آواز برآمد ہوئی جس میں خوف کی گہری آمیزش تھی ”اس کا مطلب ہے کہ میں اس وقت ڈھنکی کے ہمدردوں کی تحویل میں ہوں۔“

”تم بہت ڈھن ہیں ہو“ اول خان ٹھٹھیں ڈھنکی ہوئی آواز میں بولا۔ ”تم ابھی طرح جاننے ہو گے کہ جو ڈھنکی کے ہمدرد ہیں وہی تمہارے

رہی کے پاس چلے جانا۔ اب وہی میری زندگی بچانے کے لیے ان لوگوں کے مصالحت پورے کرنے کا بندوبست کر سکتے ہیں۔“

”تم خاصے ہو سیکر اور پرانے کھلاڑی مظلوم ہوئے ہو“ اول خان نے تشریف لیجے میں کہا ”مظلوم ہوتا ہے کہ سفارت کاری کی آڑ میں تم بھی جرائم میں لوٹ رہے ہو۔“

”ریاستی اختیار کے ساتھ کئے جانے والے ہر جرم کو فرض کا رچہ حاصل ہوتا ہے“ موتی لال بولا ”فرائض کی انجام دہی کو تم زم قرار دو گے تو پولیس کے ملازمین کی ایک بڑی تعداد کو قتل کا رم قرار دینا پڑے گا۔“

اول خان نے خاموشی کے ساتھ اپنی جیب سے پستول نکالا اور وقدم آگے بڑھ کر اس کے آہنی دستے سے پرتاب کی کینٹی پر ضرب لگائی۔ وہ ایک ہلکی سی جھج کے ساتھ تڑپ کر ساکت ہو گیا۔

”تم نے شاید اس کے سر پر ضرب لگائی ہے“ موتی لال بے ہوشی سے بولا ”تم اسے تکلیف پہنچانے بغیر بھی بے ہوش کر سکتے تھے۔ مجھے تم سے خوف آنے لگا ہے۔“

”آہی چاہیے“ اول خان کی آواز میں سفاکی سمٹ آئی۔ اب تک جو کچھ ہوا تھا ”وہ معنوی کھیل تھا کہ پرتاب یہاں کی ایک رہی کمیائی لے کر باہر جائے۔ وہ خود باہر جانے پر آمادگی ظاہر نہ کرنا تو ہم زبردستی اسے آزاد کرتے کیونکہ ہماری اصل ضرورت تم۔“

”کرے میں نسیج کی ہلکی سی آواز ابھری۔ شاید موتی لال نے بے خشک دہانے سے قہقہہ نکل کر سوکھا ہوا حلق تر کرنے کی لوشش کی تھی۔ اول خان نے اپنے محافظ کو نام لے بغیر اندر آنے کی ہدایت کی۔

وہ ہل بھر میں اندر آیا۔ اول خان نے اس سے کہا ”اس بیٹ کو یہاں سے اٹھا کر لے جاؤ اور گاڑی میں ڈال کر شہر کے کسی مرکزی حصے میں پھینک دو۔ ہاتھ پیر کھولنے کی ضرورت نہیں۔ یہ اسے میں ہوش میں آگیا تو تمہارے لیے دشواریاں کھڑی کر دے گا۔“

وہ بظاہر قوی الجیہ نہیں تھا لیکن اپنے کام میں ماہر تھا۔ اس نے جھک کر پرتاب کا بایاں بازو اپنے دہانے شانے پر سے گزارا اور ایک ہی جھٹکے میں اسے اپنے شانے پر لادنا ہوا سیدھا ہو گیا۔

”گگ۔ کاش میں تمہاری صورت دیکھ سکتا“ موتی لال چند انچوں بعد حسرت زدہ لیجے میں بولا تو اس کی آواز کپکپاتی ہوئی سی لگی ”پتا نہیں تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو۔“

”تمہاری یہ حسرت بھی پوری کی جاسکتی ہے لیکن تم اس کا مطلب بھی سمجھتے ہو۔ ہمیں دیکھنے کے بعد تم اس جھت کے نیچے سے زندہ نہیں لوٹ سکو گے۔ جھمیں بیس فرش میں گاڑ دیا جائے گا۔“ اسے جواب دیتے ہوئے اول خان کی عقابانی نظریں اس

نوردام کی تفصیل جانزہ لے رہی تھیں۔

”شاید تم آناؤں کے علاوہ کچھ اور ہی چاہتے ہو“ موتی لال کی

”شاید میں اپنے خون میں مرجوں کی آمیزش سے سبیلوں میں  
 تمہیں اپنی نسلوں میں بوجھنے کا موقع نہیں دوں گا۔ تم نے مجھے  
 سسکا کر زندہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں تمہیں حد سے  
 تجاوز نہیں کرنے دوں گا۔“ وہ رک رک کر اور کھٹ خورہ لے  
 میں بولا۔

میں نے استہزائیہ انداز میں ایک ڈراؤنا قہقہہ لگایا اور پوچھا:  
 ”بھلا تم مجھے کیسے روک سکو گے؟“

”میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں“  
 اس نے تھکی ہوئی آواز میں ہتھیار ڈال دیے۔ اس وقت تک اس  
 کا چوہ پینوں میں ڈوب چکا تھا۔ چہرے کی خراشوں سے رستے والا  
 خون پیسے میں شامل ہو کر اس کی قیسیں کو داغ دار کر رہا تھا۔

”میرا کوئی سوال نہیں ہے۔ اذیت سے بچنا چاہتے ہو تو اپنی  
 کمائی شروع کر دو۔“

”میری کوئی کمائی نہیں ہے۔ میں یہاں جو کچھ بھی کرتا ہوں وہ  
 میرے فرائض منصبی کے دائرے میں آتا ہے۔ ہر بات معمولات  
 میں شامل ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تمہیں کن امور میں دلچسپی  
 ہے۔ تم سوالات کرتے جاؤ۔ میں ہر بات کا جواب دینے کی کوشش  
 کروں گا۔“

”سادا نے بتایا ہے کہ اب پاکستان میں راکے آپریشنل چیف  
 تم ہو۔ اس بات میں کتنی صداقت ہے؟“ اول خان نے فوراً ہی  
 پہلا سوال داغ دیا۔

”راکے ایجنٹوں کو فنڈز فراہم کرنا میری ذمہ داری ہے۔ نہ  
 مجھے چیف کہہ سکتے ہو“ اس نے اقرار کیا۔

”توفصل خانے اور سفارت خانے میں راکے کتنے ایجنٹ  
 موجود ہیں؟“

”کونکی نہیں،‘ مہوش حالات کی وجہ سے معمولی سفارت  
 کاروں کو بھی پیچیدگیوں سے دور رکھا جا رہا ہے۔ رہتی اور مان گئے  
 وغیرہ کے انجام کے بعد نئی دہلی والے بہت محتاط ہو چکے ہیں۔“

مجھے اس کے بیان پر یقین نہیں تھا لیکن میں نے اس سے  
 الجھنے کے بجائے اپنا پہلا سوال کر ڈالا ”یہاں تمہارے ساتھ

ایجنٹوں کی تعداد کتنی ہے؟“

”وہ کل چار ہیں لیکن میں ان سے واقف نہیں ہوں۔ اعتبار  
 کی وجہ سے وہ مجھ سے کبھی نہیں ملے۔“

”پھر کام کیسے ہوتا ہے؟“ اول خان اس باز پرس میں گھما  
 دلچسپی لے رہا تھا۔

”پہلے ہم ٹرانسپیرٹ پر ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے تھے۔ اس  
 پر رپورٹیں ملتی تھیں۔ القاب پائی سے لاسکی رابطہ ٹوٹنے کے بعد  
 ٹرانسپیرٹ کا استعمال چھوڑ دیا گیا۔ اب وہ ٹھکانے بدل کر مجھے فون  
 کرتے رہے ہیں۔ اشاروں میں رپورٹ ملتی ہے اور ہدایات دے  
 جاتی ہیں۔ اہم معاملات پر خفیہ خطوط آتے ہیں جو پڑھنے کے بعد

وجہ داد کو جنم حاصل کرنے کے ذمے دار بھی ہیں۔ بولی اور  
 سادوں بھی ان ہی کی تحویل میں ہیں۔ اب وہ دونوں تمہارے خلاف  
 وعدہ معاف گواہ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔“

”یہ سب نام میرے لیے اچھی ہیں“ وہ پچھلے لمبے میں بولا۔  
 ”میرے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کیا جاسکا۔ ڈینی بلا دج ہی  
 بھارتی سفارت کاروں کے لو کا پسا سنا ہوا ہے۔ ایک دن وہ خود  
 اپنے کھودے ہوئے گڑھوں میں پڑا“ اپنے زخم چاٹ رہا ہو گا۔ تم  
 میرا یہ پیغام اس تک ضرور پہنچانا۔“

میرے اور اول خان کے درمیان نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ اس  
 کے ایما پر میں نے پہل بار زبان کھولی ”کسی پیغام رسانی کی ضرورت  
 نہیں۔ میں خود یہاں موجود ہوں“ یہ کہہ کر میں نے اس کی پلیٹوں  
 میں ایک زوردار ٹھوکر رسید کی اور وہ چیخنے کے بجائے بری طرح  
 کراہ کر فرش پر لوٹ گیا۔ ذہنی طور پر تشدد سنانے کے لیے آمادہ ہونے  
 کے بعد اس میں حیرت ناک قوت برداشت نمودار آئی تھی۔

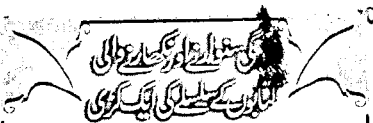
”تم ڈینی ہو تو پھر یہ ٹانگہ رچانے کی کیا ضرورت ہے؟“ کچھ  
 دیر تک سسکتے اور کراہنے کے بعد وہ شکست خورہ لمبے میں بولا۔  
 ”میری آنکھوں پر سے ہٹی کھولو اور میرے سینے میں گولی اتار دو۔ مجھے  
 معلوم ہے کہ تم بھوکے بھیڑیے ہو، مجھے یہاں سے زندہ نہیں جانے  
 دو گے۔“

”میری تمہاری سب سے بڑی بھول ہے“ میں نے اپنے جوتے  
 کی نوک سے اس کی کینٹی کریدتے ہوئے بے رحمی سے کہا ”اب  
 میں نے اپنا کمیل بدل دیا ہے۔ تم میں سے کسی کو آسان موت کے  
 ذریعے نجات نہیں مل سکے گی۔ میرے پاس باریک مرجوں کا تیز  
 مخلول ہے۔ اسے ایک سرنج میں بھر کر، ہوا خارج کیے بغیر تمہاری  
 کسی ٹس میں اتار دیا جائے گا اور تم کسی باؤلے کتے کی طرح چیخ  
 کر اپنا وجود اوجھڑا لے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ یہ عمل اس وقت تک  
 دہرایا جاتا رہے گا جب تک تم اپنے راز اگنا شروع نہیں  
 کر دو گے۔“

وہ میری دھمکی نہیں، راجح ارادہ تھا۔ وہ ڈر گیا اور لرزتی ہوئی  
 آواز میں بولا ”نہن۔ نہیں۔ تم میرے ساتھ ایسا غیر انسانی سلوک  
 نہیں کر سکو گے۔ ایک انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ ایسا  
 بھیاک سلوک نہیں کر سکتا۔ میرے پاس تمہیں بتانے کے لیے کچھ  
 بھی نہیں ہے۔“

”تم بھول رہے ہو کہ انسان روئے زمین کا سب سے وحشی  
 درندہ ہے۔ یہ اپنے خول سے باہر آتا ہے تو اصل درندے بھی اس  
 سے شرانے لگتے ہیں۔ میرے بارے میں تمہاری توقعات پوری  
 نہیں ہوں گی“ میں نے اپنا دہانا بھر اٹھا کر اچانک ہی اس کا چہرہ  
 اپنے جوتے کے تٹے سے مسل دیا۔

وہ ہلپٹا ہوا دور لڑھک گیا۔ اس کے چہرے پر خون آلود  
 خراشیں ابھر آئیں، ٹکوں کی کھال پہلے ہی پٹ پٹ چلی تھی۔ پتلون  
 کی پٹت پر بھی خون کے پھیلتے ہوئے دھبے نمایاں تھے۔



مشہور ماہرین نفسیات کی آرا پر مشتمل کتاب



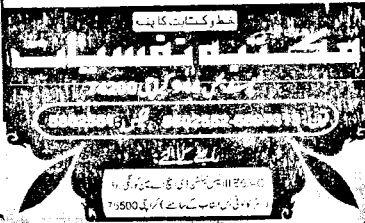
اسباب — تدارک — علاج

اس کتاب کا مطالعہ آپ کو بتائے گا کہ:

- ۱۔ احساس کمتری سے کس طرح نجات حاصل کی جاسکتی ہے؟
- ۲۔ کامیاب زندگی گزارنے کے اصول کیا ہیں؟
- ۳۔ کیا آپ واقعی احساس کمتری کے شکار ہیں یا صرف یہ آپ کا خیال ہے؟
- ۴۔ ہو سکتا ہے کہ صرف اس کتاب کے مطالعہ سے ہی آپ کا یہ احساس ختم ہو جائے؟

مشہور نقیانی لکچر اسلام حسین کے قلم سے

قیمت 30 روپے — ڈاک خرچ 23 روپے



تف کر دیے جاتے ہیں۔ اب ہمارے قونصل خانے میں مشتبہ کاغذ کا ایک پرزہ بھی نہیں مل سکے گا۔  
”زر خرید مقامیوں کی تعداد کتنی ہے؟“ وہ سوال کرتے ہوئے دل خان کی آواز سن ہو گئی۔  
”وہ سب زر خرید نہیں ہیں۔ بعض نادان لنگی میں ہمارے کام آجاتے ہیں۔ کچھ نوخیز بھارتی لڑکیوں کے جال میں اچھے ہوئے ہیں۔  
پیسے لے کر کام کرنے والے ایک دوی ہوں گے۔“  
”تمہیں ان کے نام وغیرہ ضرور یاد ہوں گے“ اول خان نے کہا۔

”عارف اور سرور لاپتا ہیں۔ اس وقت مجھے شکر کا نام یاد ہے و محکمہ داخلہ میں چہ اسی ہے اور شام کو ایک شراب خانے میں پلائی کا کام کرتا ہے۔ ان سب کے کوائف ایک کمپیوٹر ڈسک پر محفوظ ہیں۔“  
”وہ ڈسک کہاں ہے؟“ اول خان جواب میں سے سوال پیدا رہا تھا۔

”میرے دفتری تجویز میں مگر اسے کوئی دوسرا نہیں چلا سکتا۔ برے انگوٹھے کے نشان کے بغیر وہ پروگرام چل ہی نہیں سکتا، مک صاف ہو سکتی ہے یا اس میں وائرس آسکتا ہے۔“  
”نو خیز بھارتی لڑکیاں کتنی ہیں اور کہاں کہاں پھیلی ہوئی ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”وہ عارضی ملاقاتی دیرالے کروا ہگ کے راستے آتی ہیں اور سپورٹ ضائع کر کے بیس رہ جاتی ہیں۔ ان کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ ان سب کا تعلق نئی دہلی کے مرکز سے ہے۔ مجھے صرف نئی دہلی کے لائیو کے کوڈ بھیج دیے جاتے ہیں۔ مجھے ڈاک میں اس کوڈ سے جو رپورٹ موصول ہوتی ہے وہ میں ریسرچ اینڈ اینالیسیس ونگ کے ہیڈ کوارٹرز کو بھیج دیتا ہوں۔ ان رپورٹوں پر بقیہ کام نئی دہلی میں آتا ہے۔“

”یہاں تمہارا مرکزی ہدف کیا ہے؟“ قدرے توقف کے بعد میں نے اچانک سوال کیا۔

”وقایع معلومات کا حصول“ وہ قدرے تذبذب کے ساتھ بولا۔ اس کے علاوہ اندر کی جو بات بھی معلوم ہو سکے اس پر پورے بیان سے کام کیا جاتا ہے۔“  
”لیڈروں کی سیسا سے کس قسم کا تعاون کیا جا رہا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”فہم مجھے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ بس سنی سنائی ملتا ہے جو غیر اہم ہیں“ اس نے گزیرا کر جواب دیا۔ میں نے اذہ لگایا کہ اس وقت تک ہم جو کچھ پوچھتے رہے وہ زیادہ اہم نہ تھا۔ موتی لال کے کچھ کے بغیر بھی ان باتوں کے بارے میں اذہ لگایا جاسکتا تھا لیکن البرہوڈیلیسا کا اہم ترین موضوع سامنے آئے ہی موتی لال کچھ بھڑکا ہوا نظر آنے لگا تھا۔  
”میں نے ذہن پر دور دورہ نہ مجھے مرحلوں کا ہوا دار محلول آزمایا

ساتھی معلوم ہوتی ہے۔

دیرا بھتا کر اسے گندی گندی گالیوں سے نوازنے لگی مگر میں سوچ میں پڑ گیا۔

سخت اذیت کے عالم میں موتی لال جس انداز میں دیرا یا روزی کا ذکر کر رہا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جس مخالف کے معاملے میں اس کے ذہن میں کوئی گمراہ موجود تھی۔ عملی طور پر وہ مرزا غالب کے ان مقلدین میں سے معلوم ہوتا تھا جو صنفِ نازک سے گالیاں کھا کے بے مزہ ہوتے ہیں نہ ان کے دھول دھپے سے کوئی آواز محسوس کرتے ہیں۔ عورت سے جو بھی اور جب بھی تعلق ہو، بس ہونا چاہئے۔ یہی ان کی لذت پسندی کی انتہا ہوتی ہے۔

مجھے خیال آیا کہ اس وقت موتی لال کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی مگر پھر بھی اس نے صرف آواز سن کر دیرا کو پہچان لیا تھا۔ اس سے پہلے دیرا نے کم از کم دو بار روزی بن کر فون پر موتی لال سے بات کی تھی اور شام کو خاص دیر تک اس کے ساتھ رہ چکی تھی لیکن موتی لال کو اس پر کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ حد یہ تھی کہ دیرا اسے مار کھانے اور گالیاں سننے کے بعد بھی وہ روزی کو کوئی علیحدہ شخصیت سمجھ رہا تھا۔

”میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔ سر جو تے مار کر، ناک کے راسے تمہارا بھیجا بھا دوں گی۔ حراہی کے پلے! تم نے مجھے کیا سمجھا ہوا ہے؟“ دیرا پورے اشتعال میں اس پر کربے برسے جاری تھی۔

”یہاں وقفہ ہونا چاہئے“ میں نے ہاتھ اٹھا کر دیرا کو خاموش کر دیا اور موتی لال سے کسا ”تمہیں یہ بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ روزی کے روپ میں دیرا ہی تم سے ملنے لگی تھی اور۔۔۔“

”ٹھیک ہے“ اس نے مایوسانہ لہجے میں میری بات کاٹ کر کہ ”میری خود فریبی نے مجھے مار دیا ہے۔ دیرا نے شاید میک اپ کر ہوا تھا“ جلد کی رنگت تبدیل کی ہوئی تھی اور وہ آواز بدل کر بول رہی تھی مگر پھر بھی مجھے بار بار شناسائی کا احساس ہو رہا تھا۔ میری چمچی حس مجھے کسی اُن جانے خطرے کا احساس دلا رہی تھی مگر روزی کے دل فریب بیکر کو اپنی دسترس میں باکر میں ان تمام خدشات کو نظر انداز کرتا رہا تھا۔ میری شامت آئی ہوئی تھی جو میرے خود کو سمجھاتا رہا کہ شناسائی کا وہ احساس شاید کاک ٹیل پانی میں ہونے والی ملاقات کی پیداوار تھا مگر وہ آسودگی کی بھول تھی۔ اس وقت میں زندگی اور موت کے نازک موڑ پر تمہاری قید میں ہوں۔ میرے حواس پوری طرح کام کر رہے ہیں۔ اس بار میری بات پوری طرح بیدار تھی، اس نے مجھے دھوکا نہیں دیا اور میں۔۔۔ شری مان سنگھ کی محبوبہ دیرا کی آواز سننے ہی پہچان لی۔“

دیرا نے ایک بار پھر اس کے بدن کو مجھوتا نہ انداز میں ٹھوکوں سے اڑانا شروع کر دیا۔ اس کے منہ سے بیک وقت ارد انگریزی اور اطالوی مغلطات کا ایک طوفان برپا ہوا تھا۔

پڑے گا۔“

”مگر تم مجھ سے زیادہ سی اپنی من پسند باتیں اگھواتا چاہتے ہو تو مجھے لکھا ہوا بیان دے دو۔ میں وہ پڑھتا چلا جاؤں گا اور پھر اس پر اپنے دستخط بھی کر دوں گا۔“ وہ پہلی بار بڑا حادہ لہجے میں بولا ”ورنہ میری بات کا اعتبار کرو۔ وہ شری مان سنگھ کے زمانے کی باتیں ہیں۔ میں ان سے بے خبر ہوں۔“

”یہ جھوٹا ہے“ دیرا کی بات دار آواز نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔ میں تیزی سے پلٹا تو وہ کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہو چکی تھی اور ہماری طرف آ رہی تھی۔ لباس کی تبدیلی کی وجہ سے اس کی جلد کے رنگوں کا تضاد نمایاں ہو رہا تھا۔

”میں کافی دیر سے باہر کھڑی ساری باتیں سن رہی ہوں۔ یہ مکار اور جھوٹا ہے۔ پہلے ہی مان سنگھ کی ناک کا بال ہوا کرتا تھا۔ میں ذرا سی دیر میں اسے ساری بھولی ہوئی باتیں یاد دلادوں گی۔“ آخر یہ اطلاع بھی درست ہی نکلی کہ دیرا تم سے مل چکی ہے۔ موتی لال اس کی آواز پہچان کے بولا ”ایک وقت تھا کہ اس نے ڈیڑھ کی محبوبہ کو پکڑ کر ہماری قید میں رکھا تھا۔“

”مندانے سورا تم ہمیں لڑانے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے“ دیرا نے غراتے ہوئے اس کی پسلیوں میں ٹھوکریں برسانی شروع کر دیں ”مجھے معلوم ہے کہ تم اس ملک کو اندر اور باہر سے تباہ کرنے کے درپے ہو۔ تم یہاں ہتھیاروں کے ساتھ لاقانونیت پھیلا رہے ہو اور اب تو تمہاری طرف سے ہیروئن بھی یہاں آنے لگی ہے۔ یہاں کا مال باہر جا رہا ہے اور یہاں کی ڈکھائے تم پوری کر رہے ہو۔“

اس وقت تک موتی لال میں بہت زیادہ قوتِ مدافعت بیدار ہو چکی تھی۔ وہ دیرا کی ٹھوکریں کھا کر زہن کراہتا جا رہا تھا۔ اس کے حلق سے کوئی مقلوبانہ چیخ بلند نہیں ہوئی تھی۔

آخر دیرا ہی تھک کر ہانپنے لگی اور ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اس نے موتی لال کو اوجھڑ کر کہہ دیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک اپنے حواس یک جا کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر مجھے دھمکے بولا ”چتا نہیں میں روزی کے چکر میں کس دلدل میں آپسدا ہوں۔ اب سب کے نام مکمل ہی گئے ہیں تو میری آنکھوں کی پٹی بھی کھول دو۔ دیرا کا خوب صورت چہرہ دیکھ کر میرا حوصلہ بندھا رہے گا۔ خوب صورتی میری بہت بڑی کمزوری ہے۔“

دیرا نے برہم ہو کر اس کی کھوپڑی پر ٹھوکری ”حرام زادے۔۔۔ یہ دلدل تجھے نکل جائے گی۔ تجھے اندازہ نہیں ہے کہ آج تیرے ستارے کس طرح گردش میں آئے ہیں۔“

”ڈیڑھ کچھ بھی کتا رہے“ مجھے معلوم ہے کہ میں یہاں سے ذمہ نہیں لوٹ سکوں گا۔ میں تم سے رحم کی بجائے نہیں مانگ رہا۔ تم مارے رہو، میں فوتہا پھوٹا رہوں گا لیکن میری آنکھیں کھول دو۔ شاید تم میں سے کوئی بھی میری بات نہ سمجھ سکے مگر مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہو گی کہ مجھے اچھی طرح سے دلدل میں ایک خوب صورت لڑکی بھی ہے۔ ہو سکے تو روزی کو بھی یہیں بلا دو۔ یہ پاری لڑکی بھی تمہاری

لوگوں کو کرائے کے مکان میں واجبی سے ماہانہ مشاہرے پر رکھ لیا جاتا ہے۔ ایسی سرپرستی میرا آنے کے بعد ہر لڑکی کھل کر اپنا مکمل کھیلنے لگتی ہے۔ اس کا مالک ہفتے میں دو تین بار آتا ہے اور ہفتگی اطلاع کے ساتھ آتا ہے لیکن خالی دنوں میں بھی ایسی لڑکیوں کی شامیں خالی نہیں گزرتیں۔ ہر روز ان کے گھر ایک یا رشتے دار آتا ہے۔ عزت دار پڑوسی بس آنے والوں کی گفتی سنتے رہتے ہیں۔ یہ نت نئے رشتے دار سرسری پیکوں میں اپنے اندر کی آلائشیں اظہار کرنے کے ساتھ ہی جیسی الٹ کر لوٹ جاتے ہیں۔ ان ہی میں وہ شکار بھی ہوتے ہیں جن پر رادالوں کی گہری نظر ہوتی ہے۔ نفسانی عشق کے بخار میں پھٹتے ہوئے لوگ اپنی دانست میں بہا و محبت کا بیان بکتے ہیں مگر راک کی حریت یافتہ لڑکیاں اس بیان کو اتنا کے کوڑے سے اپنی راہ پر لے آتی ہیں۔ سینے والے ستم وہ سہہ لیتی ہیں مگر سنی ہوئی باتیں خفیہ لغافوں میں آگے بڑھا دیتی ہیں۔

مجھے موتی لال کی اس بات سے پورا اتفاق تھا کہ ایسی بھارتی نژاد لڑکیاں سلفی جنڈیوں کی جھینڈوں پر بس اپنی جیبوں کا کاندن ڈھالتی ہیں۔ ان سے کوئی خبر مل جائے تو مل جائے ورنہ ان پر انحصار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس توبہ شکن گروہ کے علاوہ باقی بے خبر کارندوں کی نشان دہی کے لئے موتی لال کے دفتر میں موجود اس کپیڈ ٹرڈسک کا حصول ضروری تھا جس کے مقناطیسی لبروں پر ہر فرد کے کوائف برقی اشاروں کی صورت میں محفوظ تھے۔ ان کے علاوہ اسے بس شکر کا نام یاد تھا جو دن میں مسلمان افسروں کی افسری کو خادمانہ سارے دینے کے بعد شام میں سناپی گری کیا کرتا تھا۔ اس وقت تک آگے کا میدان بالکل صاف تھا۔

لیکن میری دانست میں بات وہیں ختم نہیں ہو جاتی تھی۔ البرٹو و بلیسا اور اس جیسے دوسرے فن کاروں کی نشان دہی کے لئے موتی لال بہت زیادہ مدد کر سکتا تھا۔ اگر اس کی عقل اس کا ساتھ دے

رہی تھی تو اسے کچھ تازیانوں کی ضرورت تھی۔

”پھر وہیں البرٹو و بلیسا پر لوٹ آؤ۔“ طویل خاموشی کے بعد میں نے سکوت توڑا۔

”میں بتا چکا ہوں کہ اس کے بارے میں میری معلومات سنی سنائی باتوں تک محدود ہیں۔“

”سنی سنائی باتیں ہی دہراتے چلے جاؤ۔“ میں نے سختی سے کہا۔

”اس کے اور ہمارے آدمیوں کے رابطے تھے“ وہ تذبذب کے ساتھ بولا ”ان رابطوں میں معلومات کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔“

تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ معلومات کس قسم کی ہوتی تھیں۔“

”مطلبہ کراس ڈبل کے سلسلے میں اس نے تمہیں کیا بتایا تھا؟“

”میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔“ اس نے کسی توقف کے بغیر

میرے لئے اس کی بات قابل اعتبار نہیں تھی لیکن میں اس پر زیادہ تشدد کرنے کا ارادہ ترک کر چکا تھا۔ مجھے اور روبرو کو بچان لینے کے بعد وہ خود ہی کہہ چکا تھا کہ اسے میری کسی یقین دہانی پر اعتماد نہیں تھا اور یہ کہ وہ ہماری قید سے زندہ نہیں لوٹ سکے گا۔ اپنی

تجربہ کار پٹھا تھا۔۔۔ تیری ماں اس گھنے کی اولاد کی محبوبہ رہی ہوگی۔ نے بھی اسے پرکھا سے زیادہ اہمیت نہیں دی اور تو بھی اپنے سے پہلے کے باوجود مجھے چھوٹے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ تم ایک پھلی کے پٹنے کے اور گندے انڈے ہو۔ میں تمہارے پریشاں کرنا بھی پسند نہیں کروں گی۔“

”ف۔۔۔ ہائے۔۔۔ ماں بھی رہی ہو۔۔۔ اور پھر ایسی رومانی بھی کر رہی ہو“ وہ کراہوں کے درمیان سسکیاں لیتے ہوئے رگ کر بولا ”مروا کے۔۔۔ گونا گونا کے مقدس پریشاں سے ہمارا اٹی جے چلا جا رہا ہے۔۔۔ وہ گنگا جل جسے سارے پنڈت اور صمان بچے سروں پر بھا کر اٹھان لیتے ہیں کیا ہوتا ہے۔۔۔ وہ ہمارے کی ساری کنواریوں کا۔۔۔“

اول خان اس کے ہنسنے ہوئے ذہن کی ان ہرزہ سرائیوں کو شت نہیں کر سکا۔ اس نے بڑھ کر موتی لال کے دہانے پر اپنے نا پستول کی نال سے ایک شدید ضرب لگائی اور وہ اپنی بات مکمل بغیر ہی طرح تڑپ اٹھا۔ ضرب لگتے ہی اس کے سامنے کے کئی تباہ جھگڑے تھے۔

اس کی درگت دیکھ کر اکاغصہ قدرے فرو ہو گیا اور وہ ایک رگ کے سارے تک کر اپنے لئے مسکرتہ لگنے میں مصروف

ہو گیا۔ موتی لال خون تھوک تھوک کر اپنی ورد ناک نکالیف پر قابو لے کر کوشش کر رہا تھا۔ اول خان کھٹکی باندھ کر اسے گھورے ہاتھ۔ دیرا کسی پروگرام کے بغیر بلکہ اول خان کی واضح ہدایت پر عکس اس باز پرس میں شریک ہونے کے بعد مسکرتہ ٹوٹی میں ”ف۔۔۔“ میں نے بھی اس وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عٹ لگا لی۔ میرا ذہن بدستور موتی لال کے متوقع انکشافات الجھا ہوا تھا۔

موتی لال نے اپنے روابط کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، مجھے اپر یقین تھا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی کہ نئی دہلی میں نہ ہونے والے منصوبہ ساز روزگار کی تلاش میں سرگرداں خوب بات، تعلیم یافتہ اور آزاد خیال بھارتی نژاد ہندو لڑکیوں کو اپنے مائیں چھاس کر معمولی سی تربیت کے بعد اسلامی ناموں کے تھ پاکستان روانہ کر دیتے تھے۔ پاکستان کے بڑے شہروں میں بے معزز روسا کی کمی نہیں تھی جو اپنی عام زندگی میں پاک باز، نام نہاد بیروزگار بلکہ متقی تک بے رہتے ہیں لیکن اپنی خلوتوں میں ت کے بل بوتے پر شراب و شباب کے فتنہ پرور مزاج سے مایوسی ارمان انگیز محفلیں سجانے کے عادی ہوتے ہیں کہ لان بھی ان کی نفس پرستی سے پناہ مانگتا ہوا نظر آتا ہے۔ بھارت، آئی ہوئی پری پیکر دو شیرائیں اپنی بے جاابی اور منگی قترعہ دل میں آزادانہ آمد رفت کی وجہ سے جلد ہی کسی بارسوخ بلے کی نگاہوں میں مل جاتی ہیں۔ وہ ان کے وجوہ کی رعایتیوں میں پھر ان کے مدفون ماضی کی راکھ کو کپڑے کی ذرا بھی کوشش ماکرنا اپنی آواز مزاحیہ کی خفیہ تسکین کے لئے ایسی دل مپا

موت کے بارے میں اتنا یقین ہونے کی وجہ سے وہ کسی بھی مرحلے پر اچانک ضد پکڑ سکتا تھا۔ اس کے بعد میں اسے ذبح بھی کر ڈالتا تو وہ ایک لفظ بھی نہیں اٹھاتا۔ ان امکانات کی روشنی میں یہی ختمیت تھا کہ وہ بول رہا تھا اور ملک دشمنوں کے بارے میں ہماری معلومات میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی کر رہا تھا۔

”کوئٹہ کے بارے میں البرٹو ویلیسا کا کیا کردار تھا؟“ میں نے پوچھا۔  
”ہو سکتا ہے کہ وہ بہت کچھ کرتا رہا ہو۔ وہ کولمبیا سے واضح ہدایات لے کر یہاں آیا تھا۔ اس نے پاکستان کی ایک خفیہ فورس میں بھی اپنی جگہ بنائی تھی مگر میں اس بارے میں زیادہ باخبر نہیں ہوں۔ اس کے بارے میں سوالات کر کے تم بلاوجہ اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔“

”اس خفیہ فورس کے بارے میں تمہیں کیا کچھ بتایا گیا تھا؟“  
اس کے زخمی اور خون آلود ہونٹوں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولا ”البرٹو ویلیسا نے پاکستان کو یہی سب سے بڑا نقصان پہنچایا ہے کہ اسٹیجیل ٹاسک فورس کا بھیانک آہنی حرنوٹ چکا ہے۔ یہاں کام کرنے والے سب لوگ جان چکے ہیں کہ معروف اداروں اور ایجنسیوں سے بڑھ کر انہیں ایس بی ایف سے خطرات لاحق ہیں کیونکہ وہ ہر قانون سے بالا رہ کر خفیہ انداز میں دار کرتے ہیں۔۔۔۔۔ مگر میں بتاؤں کہ یہ ادارہ زیادہ دنوں تک نہیں چل سکے گا۔ اس کے دن گئے جا چکے ہیں۔ البرٹو ویلیسا نے کرل بھی جوز کے ذریعے اس قاتل فورس کے بارے میں اتنا مواد ایف بی آئی اور بیسٹاگون کے ذمے اداروں کو پہنچا دیا ہے کہ عالمی ادارے اور بڑے ممالک پاکستان سے کسی بھی وقت اس غیر آئینی اور غیر قانونی فورس کے خاتمے کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ یہ انسانی حقوق اور آزادیوں کا دور ہے۔ مذہب دنیا کی قیمت پر سرکاری غنڈوں کا وجود برداشت نہیں کرے گی۔۔۔۔۔“

”یہ پاکستان کے ریاستی مسائل ہیں۔ ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں۔“ اول خان اس کی بات کاٹ کر بول پڑا۔ ”ہم ریاست کے لئے نہیں اپنے مسائل کے لئے لڑ رہے ہیں۔“

”یہ سراسر جھوٹ ہے“ حواس باختہ کر دینے والی مار کھانے کے باوجود اس کا ذہن پوری طرح حاضر تھا ”ذہنی ایک مدت سے محب وطن اور پاکستان کا خیر خواہ بنا ہوا ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی پر خاش نہیں ہے مگر یہ ہم سے مسلسل لڑے جا رہا ہے۔ ہر موڑ پر ہمارا راستہ کاٹتا ہے۔ اگر اس کے اپنے کچھ مسائل

ہیں تو یہ مسائل ہمیں سوئپ دے۔ ہم پوری قوت سے اس کے مفادات کا تحفظ کریں گے۔ یہ دنیا کے جس ملک جس مقدار اور جس کرنسی میں چاہے گا، ہم اسے معاوضہ ادا کرنے کو تیار ہیں۔۔۔۔۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ذہنی بدترین خود فریبی میں جلا ہے۔ یہ اپنے ملک کے لئے نہ جانے کیا کچھ کرنا پھر رہا ہے۔ لو کہ پیاسے اس کے خون کی بو پر لگے ہوئے ہیں مگر میں شرط لگا سکتا

ہوں کہ اپنے بدنام ماضی کی بنا پر ذہنی آج بھی اس ملک کے قاتل مطلوب ہے۔۔۔۔۔ اس کی وفاداری اور جان سوزی ابھی تک ار پشیانی کے داغ دھونے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔۔۔۔۔ یہ مزہ اور خود غریبوں کا دور ہے۔ ذہنی اپنی دانست میں بڑے تر پھرتا ہے لیکن اس کی کامیابیوں کا سرا دو سرے اپنے سر پہا ہیں۔۔۔۔۔“

اس کی تقریر لمبی اور خشک ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اپنی وار میں مجھے چار ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کی بات دی ”تم میرے لو کے پاسوں کی بات کر رہے ہو۔ وہ کون ہیں؟“ ”مکون تمہارے خون کا پیاسا نہیں ہے؟“ اس نے پتہ سوال کیا ”تمہارا قیدی بننے سے پہلے میں خود بھی تمہاری بد دشمن تھا۔۔۔۔۔ برا ہو دیر کے حسن کا کہ اس نے روزی کے میں مجھے ڈس لیا ورنہ میں دیکھتا کہ تم کتنے دن آزاد اور زندہ ہو۔۔۔۔۔ وجہ دادا ہمارا بہت اہم آدمی تھا۔ البرٹو ویلیسا اسٹیجیل ٹاسک فورس میں اپنی جگہ بنائی تھی مگر وجہ دادا ہمار سرخون میں شامل تھا۔ اسے ختم کر کے تم انتقام سے نہیں گے میں مارا گیا تو میرے بعد والا تمہاری گردن تاپے گا۔“

”وجہ مارا گیا۔ بولی اور ساون پڑے گئے عارف اور بھی اپنے کیفر کرار کو پہنچ چکے ہیں۔ بے دست دیا ہونے کے بھی دھڑلے گئے ہو۔ تمہیں آزاد کر دیا گیا تب بھی تم میرا ہا بگاڑ سکو گے تم فیصلے ہی کر سکتے ہو۔ انہیں نافذ کرنا تمہارا سے باہر ہو چکا ہے۔“ میں نے کہا۔

”مجھے پھسلانے کی کوشش نہ کرو۔“ وہ بولا ”میں بار بار ہوں کہ مجھے اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم بالکل اسی طرح میری جا دشمن ہو جس طرح ہم لوگ تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔ لاکھ دلا سے دیتے رہو مگر میں تمہارے ایک لفظ پر بھی بخود کر سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے اچھی طرح نچوڑ گئے کھٹا مجھ سے ہزاروں سوالات کر گئے اور جب یہ تمہا پتہ لو گے مجھ سے کوئی کام کی بات نہیں معلوم کر سکو گے تو مجھے مار ڈالو۔ اب میں تمہارا اٹھیل سمجھ رہا ہوں۔ پر تباہی موجودگی میں تاوان کے لئے اغوا کی وارداتیں کرنے والے مجرم بنے رہا وہ ایک بے ضرر سی کمائی کے ساتھ مکتی وغیرہ سے ملے روانہ کرنے کے بعد تم نے اپنا اصل روپ دکھایا ہے۔“

”اگر تمہارے ذہن میں ایک خیال بیٹھ ہی گیا ہے تو نہیں کھینچ سکتے۔ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ ہم دونوں میں سے کون سچ بول رہا تھا۔“ میں نے باتوں کے مزید اٹھاؤ۔ ہوئے کما پھر اچانک ہی پوچھ بیٹھا ”ایلیں سے تمہارا کیا پردہ ہوا تھا؟“

ایلیں کا نام سننے ہی اسے جھرجھری سی آگئی۔ اس نے اعتباری سے پوچھا ”اس کے بارے میں تم کیا جانو؟ وہ

شر میں مجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے پاگل ہو جائیں گے۔  
 ”تمہاری یہ خوش خیالی اسی وقت دور ہوگی جب اچانک کوئی  
 دبو پیکر کتا اچھل کر تم پر حملہ آور ہوگا۔“ موتی لال سختی سے بولا۔  
 ”مجھے نہیں معلوم کہ میں اس وقت کہاں ہوں مگر میں تمہیں اتنا  
 ضرور بتا دیتا چاہتا ہوں کہ آج ایلن کے کتے تمہارے کسی دوست کی  
 اس گارمنٹ فیکٹری کی طواف کر رہے ہوں گے جہاں تم کسی وقت  
 پناہ لے سکتے ہو۔ تمہارا ہر متوقع ٹھکانا ایلن کی نگاہوں میں آچکا  
 ہے۔“

”ایلن خود بھی اس فیکٹری کے چھانک پر دستک دے سکتا  
 ہے۔“ میں نے خوش دلی سے کہا ”افغانستان سے واپسی پر وہ میرا ہم  
 سفر بلکہ دوست رہ چکا ہے۔“

”دوست! موتی لال نے قہقہہ لگایا اور کہا ”اسی سفر میں اس  
 نے تمہارا ایک ایڈووکیٹ چوری کیا تھا جس کی پورے وحشی کتے  
 سدھائے گئے ہیں۔ اسے تمہارے ہر ٹھکانے کا علم ہے مگر وہ کسی  
 سے مدد لینے کا قائل نہیں ہے۔ جو کچھ کرتا ہے، خود کرتا ہے۔ خود  
 دور رہ کر تم پر کتے چھوڑے گا۔ وہ ایک ڈیڑھ میل دور سے بھی فضا  
 میں تمہاری ٹوسو سمجھتے ہوئے تمہاری کمین گاہ پر پہنچ جائیں گے اور  
 تمہارا زرخہ چیر ڈالیں گے۔“

”ایلن اور پیٹر کے بارے میں اپنی زبان بند رکھنے کا عہد کر کے  
 بھی تم مسلسل ان کے منصوبوں کا راز فاش کئے جا رہے ہو۔“ میں  
 نے جھپٹتے ہوئے لمبے میں کہا ”ان کی وہ کون سی سرگرمیاں ہیں  
 جنہیں تم پوشیدہ رکھنے کے لئے کوشاں ہو؟ ان کی پردہ داری بے  
 شک نہ کرو مگر مکمل کربات تو کرو۔“

”مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے کوئی رعایت نہیں دو گے اس لئے  
 میں تم سے رحم یا زندگی کی بیک ہرگز نہیں مانگوں گا۔“ وہ قدرے  
 توقف کے بعد مضحکہ خیز لہجے میں بولا ”ایلن دشمن کی جڑوں کو کتاہ  
 کدینے والا فری لانسر ہے۔ وہ آزاد بھونڈے کی طرح فضا میں  
 منڈلاتا رہتا ہے اور پھر منتخب کلی پر حملہ آور ہو کر اس کا سارا رس  
 چوس لیتا ہے۔ اس کے اڑ جانے پر ہی معلوم ہوتا ہے کہ کلی پھول  
 بننے سے پہلے مر چکا تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ یہ سب کچھ اگل چکا ہے۔“ ویرا نے چند  
 لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا ”اور بار بار اپنے مرنے کا زکر بھی کر رہا  
 ہے۔ کیوں نہ مرنے سے پہلے اسے ایک مقابلے کا موقع دے دیا  
 جائے؟“

”کیسا مقابلہ؟“ اول خان نے حتمی نگاہوں سے ویرا کی طرف  
 دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں اسے بالکل آزاد کر کے اس کی مرمت کروں گی۔ دیکھتی  
 ہوں کہ اس میں خوب صورت عورتوں کے ہاتھ سے بننے کا کتنا  
 حوصلہ ہے۔“ ویرا نے زہر آلود لہجے میں کہا۔

”جب میں تمہیں یہاں آنے سے نہیں روک سکا تو اس  
 مقابلے سے کیسے روک سکوں گا؟“ اول خان نے بے بسی سے کہا۔

”تازہ ترین منصوبہ بنا رہا ہے جس سے تم نہیں بچ سکو گے۔“  
 ”ایلن سی نہیں پیڑ بھی ہمارے قبضے میں ہے“ اول خان مجھ  
 سے پہلے بول پڑا ”وہ دونوں ہمیں تمہارے عزائم کے بارے میں  
 کچھ بتا چکے ہیں۔“

”جانتے ہیں تو پھر اسی پر استغنا کرو۔“ وہ اول خان کی بات کا ٹ  
 بول پڑا ”تم میری بوٹیاں اڑا دو پھر بھی میں ان دونوں کے بارے  
 میں مزید کوئی بات نہیں بتاؤں گا۔“

میں نے اول خان کو اس کی درگت بنانے کا اشارہ دیا لیکن  
 اسے پہلے ہی دیرا حرکت میں آچکی تھی۔ اس نے بے دردی کے  
 تھ موتی لال کے پیٹ میں ایک ٹھوکر ماری۔ وہ کراہ کر دھرا  
 یا۔ ویرا نے کسی پیشہ ور قصاب کی طرح اس کے بندھے ہوئے  
 لہجے میں کھولنی شروع کر دی۔

ٹھوکر کی افیت سے موتی لال فرش پر پھل رہا تھا لیکن بیروں کی  
 بو بندش سے نجات ملنے کی امید میں اس نے بہت ضبط سے  
 اٹیا۔ چند ہی ثانیوں میں اس کے پیر آزاد ہو گئے اور وہ کوٹ  
 بل اپنے وجود کو سمیٹ کر فوراً ہی اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔  
 ویرا نے لحد بھر کے لئے ٹھوکر اس کی طرف دیکھا پھر فضا میں  
 لڑاس کے منہ پر زوردار فلائنگ کلک ماری۔ موتی لال کے لئے  
 اربابکل نامکافی تھا۔ وہ اضطرابی چیخوں کے ساتھ پشت کے بل  
 پڑ پڑ جا کر۔

”تم زندگی سے مایوس ہو چکے ہو اس لئے تمہیں یہ بتانے کی  
 نا ضرورت باقی نہیں رہی کہ تم ہمارے سوالات کے صحیح جوابات  
 گے تو زندہ رہ سکو گے۔“ ویرا نے فیصلی آواز میں کہا ”تمہارا  
 ام جو بھی ہو لیکن تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی یہ بات فراموش  
 نہ کرنی چاہئے کہ یہاں تم قیدی ہو۔ تمہاری تقدیر ہمارے  
 دلال میں محصور ہے۔ سختی اور بدکاری سے کام لے کر تم اپنے  
 عذاب کو دعویت دیتے رہو گے۔“

”اس کے حال پر چھوڑ دو۔“ میں نے ویرا کو آنکھ مار کر  
 کی تنبیہ کی سے کہا ”ہمیں اس سے جو کچھ پوچھنا تھا، وہ ہم پوچھ  
 رہے ہیں۔ اب صرف اتنی سی بات رہ گئی ہے کہ ہم اپنے فیصلے کے  
 اپنی توان و وصول کر کے اسے زندہ چھوڑ دیں یا اس کی توقعات  
 مطابق اسے موت کے گھاٹ اتار دیں۔ کوئی آخری فیصلہ  
 لے تک ہمیں اپنی توانائی ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں  
 ہے۔“

”تمہارے زرخوں کو وحشی کتے بھجنیوں گے۔“ موتی لال  
 ”ایلن جانوروں کا مانا ہوا نمبر ہے۔ وہ خوں خوار کتوں کو ڈبئی  
 پر لگا رہا ہے۔ بہت جلد ڈبئی مارا جائے گا اور اس کے ساتھیوں  
 ہم بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا۔“

وہ مختصر ہو کر آزاد اس موضوع پر اٹھیا تھا جو مجھے محبوب تھا  
 سامنے کئی دہائیوں کا کوئی اظہار کئے بغیر مضحکہ خیز لہجے میں پوچھا۔  
 ”ایک وسیع شہر ہے۔ ایلن کتنے کتوں کو سدھائے گا؟ وہ کتنے



ہے؟ پہلی بار موتی لال کی آواز میں موت کی سرودھشت آئی۔ ”مم۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ مم۔۔۔۔۔ مارا۔۔۔۔۔ جاؤں گا؟“  
اول خان کے کسی براہ راست اور بونگے جواب سے بے  
میں بول پڑا۔ ”یہ ہمارا فیصلہ نہیں تھا۔ ہم کسی جبری مصائب  
امید میں نہیں زندہ رکھنا چاہتے تھے لیکن تم نے خود ہی ہمیں  
فیصلے پر اکسایا ہے۔ ہمیں زندہ رکھنے میں ہمیں کوئی فائدہ نظر  
آ رہا۔“

”میری زندگی کلک۔۔۔۔۔ کے بدلے تمہیں کس فائدے کی  
ہو سکتی ہے؟“ آخری فیصلہ سن لینے کے بعد اس پر موت کی  
طاری ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھیں پھیل رہی تھیں، چہرہ سیاہ  
لگا تھا اور بدن پر ہلکی سی کچی طاری ہو چکی تھی۔  
”میری دانست میں تمہاری ذات اب بے فیض ہے۔  
نہ اسے مزید دہشت زدہ کرنے کے لئے کہا۔“ اپنے معاملات  
خود واقف ہو۔ تم ہی فیصلہ کر سکتے ہو کہ تمہارا کون سا قدم تم  
زندگی کا سارا بن سکا ہے۔ بظاہر ہم کو تمہارے کسی امکان  
ضرورت نہیں رہی ہے۔“

”تنت۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ اے۔۔۔۔۔ المین اور پیٹر کے بارے میں  
چاہ رہے تھے۔“ وہ بدقت تمام پُر امید لہجے میں بولا۔ اس وقت  
وہ رحم کی کوئی التجا نہیں کر رہا تھا بلکہ سو بے بازی کرنا چاہتا تھا۔  
”ان کے بارے میں ہم بہت کچھ جانتے ہیں“ میں نے  
پردایا نہ بلکہ مضحکہ انداز میں کہا ”تم کوئی نئی بات نہیں سناؤ  
تمہاری کوکھ میں کوئی بڑی بات چھپی ہوئی ہو تو بتاؤ۔ شاید تمہا  
زندہ رہنے کا کوئی امکان پیدا ہو سکے۔ نظریے آ رہا ہے کہ تم بھی  
رہنا چاہتے ہو۔“

”کون زندہ نہیں رہنا چاہتا؟“ وہ دوا انگیز لہجے میں بولا  
میں دو ٹوکے کی زندگی کے لئے اپنی اناکولولمان نہیں کر سکتا۔ تم  
مارتے رہو، میرے بدن کا ریشہ ریشہ الگ کر دو، میرے زخموں  
نمک ڈال دو، میری رگوں میں مروجوں کے مخلوق کے ساتھ ہوا  
داخل کر دو۔۔۔۔۔ اس سارے تشدد کا نتیجہ صرف ایک ہو گا کہ  
میرا جان گا۔ اس انجام کے لئے میں تیار ہوں۔۔۔۔۔“ وہ غصہ  
ہو گیا پھر چند ثانیوں کے وقف کے بعد بولا ”میں تم سے رحم نہیں  
نہیں مانگوں گا لیکن میری یہ خواہش بہت فطری ہے کہ میرا  
بھی ہو، ذرا زخموں ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ میں بازاری کا پانسا  
کا میاب ہو جاؤں۔ یہ نہ ہوا تب بھی مجھے آزادی، عینائی  
منسوب بندی کے لئے کچھ وقت تو مل ہی جائے گا۔“

”تم خوش فہمیوں میں مبتلا ہو“ میں نے کانٹا مار لیا  
”تمہاری اتنا پرست امیدیں اپنی جگہ پر ہیں مگر میں جانتا ہوں کہ  
اپنے موجودہ پرف سے زیادہ دور نہیں ہوں۔ صرف ایک  
جس پر تم کوئی روشنی ڈال سکتے ہو۔ المین اور پیٹر کی کہیں  
تم اسی پر کوئی سمجھنا کرنا چاہ رہے ہو۔“  
موتی لال کے دہانے سے ایک بے ساختہ گہرا سانس برتا

”یہ قیدی اب تمہارے حوالے ہے۔ جو سلوک چاہو، وہ کر سکتی  
ہو۔“

”ہائے۔۔۔۔۔!“ موتی لال، لذت آمیز آوازیں بے ساختہ بول  
اٹھا ”زندگی کے آخری لمحوں میں دیرا جیسی لڑکی سے دست بدست  
لڑائی سے بڑی عیاشی کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ کلک۔۔۔۔۔ کاش!  
یہ مارشل آرٹس کی ماہر نہ ہو اور مجھ سے لٹ کر کسی انداز میں  
مقابلہ کرے۔“

ویرا نے بڑھ کر اس کی پشت پر لات بجائی اور وہ احمقانہ  
آوازیں کے ساتھ فضا میں اڑتا ہوا دور جاگرا۔ ویرا نے فوراً ہی  
اس کی پشت پر سوار ہو کر اس کی کلائیوں کی بندھنیں کھول دیں۔  
ہاتھ آزاد ہوتے ہی موتی لال نے اپنی آنکھوں پر بندھی ہوئی  
پٹی کھولنے کی کوشش کی تھی لیکن ویرا نے اس سے پہلے ہی موتی  
لال کی آنکھیں کھول دیں اور اچھل کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔  
موتی لال چند ثانیوں تک کسی ایسے آواز کی طرح اپنے دیدے  
مجھکاتا رہا جسے کھور اندھیرے سے اچانک سورج کی تیز روشنی میں  
اچھال دیا گیا ہو۔ چند ثانیوں بعد اس کی بینائی قدرے بحال ہوئی تو  
وہ ویرا کو اپنے روبرو موجود پا کر حیران رہ گیا۔

”اب میں سمجھا“ وہ تھیر زوہ آواز میں بولا ”شاید تم نے لوشنوں  
کی مدد سے جیسی بننے کی کوشش کی تھی جیسی میں دھوکا کھا گیا۔ اپنی  
دورنگی کھال کی وجہ سے تم اس وقت کسی گرگٹ کی مادہ نظر آ رہی  
ہو۔“

”اے عشرت کدے میں بھی تم نے مجھ سے بہت سی اول فوٹ  
باتیں کی تھیں۔“ ویرا ڈھیلے لہجے میں بولی۔ ”اسی لئے میں تم سے  
دست بدست مقابلے کے لئے بے چین ہوں۔۔۔۔۔ میں مردوں کو اپنا  
کھلوتا پٹائے رکھنے کی عادی ہوں۔ ان کی زبان سے اپنی توہین  
برداشت کرتی ہوں، نہ بولتی ہوں۔ تم تنہائی میں مجھے دوزی سمجھ کر  
بہت کچھ کہہ چکے ہو اس لئے اب سزا کے لئے تیار ہو جاؤ۔“  
فقہہ کلل کرتے ہی ویرا کسی شرارے کی طرح لپٹی اور موتی  
لال کے خون آلود رخساروں پر پرجوش طمانچے جڑتی ہوئی آگے نکل  
گئی۔ موتی لال کسی پھرکی کی طرح اپنی جگہ پر چکرایا اور پھر دیرا کو  
پکڑنے کی ناکام کوشش میں اپنے ہاتھ فضا میں لہرا رہ گیا۔

اپنے اوسان یکجا کر کے وہ ویرا کی بدلی ہوئی پوزیشن کی طرف  
متوجہ ہوا تو وہ نئے دار کے لئے تیار تھی۔ اس باور پرانے موتی لال  
کو ہاتھ لگانے کی زحمت نہیں کی بلکہ اس کے سینے پر لائنیں رسید  
کر کے اسے ایک مرتبہ پھر زمین بوس ہونے پر مجبور کر دیا۔ وہ کسی  
سانڈ کی طرح ڈکراتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

”یہ کھلوتا اب تمہارے حوالے ہے۔“ اول خان نے ویرا  
سے کہا ”کل کھول کر اس سے کھیلتی رہو اور جب اس کھیل سے  
اکتا جاؤ تو اسے اس کی توقعات کے عین مطابق جسم واصل کر دینا۔  
اس دوران میں ہم جاچند ضروری کام نپٹا لیتے ہیں۔“  
”تنت۔۔۔۔۔ تو کلک۔۔۔۔۔ کیا تم نے مجھے مار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا

کس نے پر آمادہ ہونے کے باوجود زندگی کا خواہاں تھا۔

ہم دونوں اوپر پہنچے تو ڈرانگ دوم میں جمائیکر تھا بیٹھا ہوا تھا۔

”میں نے سنا ہے کہ تم نے ایک قیدی کو کہیں روانہ کر دیا ہے“ جمائیکر نے ہمیں دیکھتے ہی سوال کیا۔

”نہایت غیر اہم قیدی کو رہا کر دیا گیا ہے۔ اول خان کا آدمی اسے بے ہوشی کی حالت میں کہیں ڈال کر واپس لوٹ آئے گا۔ دوسرے کا بھی جلد ہی فیصلہ ہو جائے گا“ میں نے کہا۔

”تم نے ایلن کے بارے میں کیا سوچا ہے؟“ جمائیکر نے مجھ سے پوچھا ”سلطان شاہ نے مجھے جو کچھ بتایا ہے اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ تم سے مل کر کام کرنے کے لیے تمہاری تلاش میں ہیں۔“

”یہ بات اب مشتبہ ہو گئی ہے“ میں نے جواب دیا ”موتی لال نے جو کچھ کہا ہے وہ بہت خطرناک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایلن پہلے میری مدد حاصل کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہو لیکن بھارتی ایجنٹوں نے اس کا ذہن بدل دیا ہے۔ اگر موتی لال کے بیان کو درست مان لیا جائے تو ایلن مجھے راستے سے ہٹانے کے مؤذ میں آچکا ہے۔“

اول خان ڈرانگ دوم میں ٹھٹھٹے ٹھٹھٹے رک گیا اور بولا ”اگر موتی لال سچ بول رہا ہے تو ایلن اور بیڑ کو اس فیکٹری کا پوری طرح علم ہونا چاہیے۔ ہمیں خائف کرنے کے لیے وہ یہاں فون بھی کر سکتا ہے۔“

اس اثنا میں سلطان شاہ باتوں کی آواز سن کر وہیں آہنچا اور گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے بولا ”خوش قسمتی سے ان کی گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا گیا ہے۔ اس سے ان کی تلاش میں مدد مل سکتی ہے۔“

گاڑی کے نمبر کے ذریعے معلومات حاصل کرنے کی ذمہ داری اول خان ہی پوری کر سکتا تھا۔ اس نے فوراً ہی سلطان شاہ کا بتایا ہوا نمبر اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا۔

موتی لال سے پوچھ چمچ کے دوران میں ہم میں سے کسی نے ایلن کے بارے میں بات کرنے کا پروگرام نہیں بنایا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں ایلن کے بھارتیوں سے روابط کے بارے میں کچھ سوچ ہی نہیں سکا تھا۔ وہ ایک ذہنی رو تھی جس میں بہہ کر میں نے موتی لال سے ایلن کے بارے میں سوال کر ڈالا تھا اور اس سوال کے نتیجے میں غیر متوقع طور پر نئی باتیں سامنے آئی تھیں جو پریشان کن تھیں۔

سلطان شاہ ہمارے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غزالہ کچن میں کھانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ چند منٹ بعد کچن سے کچھ خوشبو میں بھی آنے لگیں۔ جمائیکر ہماری باتوں سے الجھن محسوس کر رہا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ افغانستان میں ایک معمولی کردار میں مکرانے والے دو غیر ملکیوں

جو شاید اس کے وجود کی گہرائیوں سے برآمد ہوا تھا پھر وہ بولا ”تم ہر بات بہت تیزی سے سمجھ لیتے ہو۔ میں موت سے بالکل نہیں ڈرتا۔ نرک اور سورگ ڈرانے والی باتیں ہیں۔ آواگون بھی بڑوں کو ڈرانے اور دھمکانے کا پھیر ہے۔ جو مر گیا سو مر گیا۔ ہو تا ہی ایتا ہے کہ مرنے والے زندگی کی ساری لذتوں سے محروم ہو کر ہوا اور مٹی میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ تحلیل کے بعد جب وہ نہیں ہوتا تو اسے یہ دکھ بھی نہیں ہوتا کہ وہ فلاں فلاں لذتوں اور خوشیوں سے محروم ہو چکا ہے۔ زندگی کی ساری خوشیاں اور چٹائیاں بس اسی وقت تک ہیں جب تک سانس ہے“ اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ کسی بڑے استقامت سے گزرے بغیر یہ گھڑیاں بڑھ جائیں۔ تم مجھے رہا کر دو“ میں تیس ایلن کی کہیں گاہ تک پہنچا دوں گا۔ اس وقت وہی تمہارا سب سے بڑا حریف ہے۔“

”تمہاری طرح میں بھی سودے بازی کا قائل نہیں ہوں۔“ میں نے مکاری سے کہا ”تم اس کا پتا بتا دو۔ ہم تیس تمہارے گھر پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔“

”یہ ناممکن ہے۔“ وہ اٹھ لیٹے میں بولا ”تم نے میرے ہاتھ پیر کھول کر دیر کو میرے خون کی کھلی چھوٹ دے دی ہے۔ میں تمہارے کسی پھندے میں نہیں پھنسوں گا۔ ایلن کا پتا حاصل کرنے کے لئے تمہیں پہلے مجھے آزاد کرنا ہوگا۔ اس کے بعد تم فون پر مجھ سے رابطہ کر سکتے ہو۔“

”یہ بھی ناممکن ہے۔“ میں نے کہا اور دو اڑے کی طرف مڑ گیا۔ اول خان میرے پیچھے تھا۔ گفتگو ختم ہوتی ہی دیرانے موتی لال پر حملہ کر دیا اور فضا میں اس کی مزاحمانہ آوازیں گونجنے لگی تھیں۔

”اب اس کا زندہ رہنا بے سود ہے۔“ باہر نکلنے کے بعد اول خان نے کہا ”میرا خیال ہے کہ دیرا میرا ایشاہ سمجھ چکی ہے اور اسے مار کر ہی دم لے گی۔“

”اس کے مرنے یا زندہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا“ میں نے فکر مندگی کے ساتھ کہا ”وہ زندہ رہا تب بھی ہمارا قیدی رہے گا۔ اس کے ساتھیوں کے لیے اس کی مسلسل گمشدگی بھی اسی قدر خوف کا باعث ہوگی جتنی موت ہو سکتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ پر تاب کا پیغام ملنے کے بعد کمزری کیا کرتا ہے۔“

”کمزری“ اول خان نے زیر لب کہا ”اب اس کی باری آئے گی۔“

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے دفتر کی عمارت کی طرف بڑھتے رہے۔ کسٹروں کے گودام کی طرف سے دھماچو کڑی کی آوازوں کے ساتھ موتی لال کی اکا کا دلی دلی چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ پٹ رہا تھا اور اپنی زندگی کی طرف سے واپس بھی تھا۔ اس کے باوجود وہ غیر ضروری طور پر چیخیں چلانے سے گریز کر رہا تھا۔ غالباً اسے اندازہ تھا کہ اس نے زیادہ شور مچایا تو اس کی زندگی کی رہی کسی ساتھیوں اور بھی مختصر ہو سکتی ہیں جب کہ وہ موت کا سامنا

پشاور میں مارے جانے والے دے کے دہرے کردارے را کے حوالے سے مانیا کو بھی سامنے کر دیا تھا۔

مجھے اول خان کے اس خیال سے اتفاق نہیں تھا کہ ایلین مجھے خوف زدہ کرنے کے لیے فیکٹری فون کر سکتا ہے۔ اول تو اسے علم ہی نہیں تھا کہ ہم نے موتی لال کو پکڑ لیا ہے اور وہ ہمیں اس کے عزام سے باخبر کر چکا ہے۔ دوسری بات یہ تھی کہ وہ کل کر میرے مقابلے پر آنے کا ارادہ رکھتا ہو تا خود دور رہ کر کسی تربیت یافتہ کو فیکٹری کی طرف روانہ نہیں کرتا۔ وہ اس وقت پس پردہ رہ کر مجھے ہراساں کرنے کی کوشش میں تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ ان دونوں کے پیچھے جانے والی گاڑی میں سلطان شاہ بھی موجود تھا جو انہیں شناخت کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ نہ ہوتا تو پتا بھی نہ چل پاتا کہ کتے کے مالکان کون تھے۔

مجھے صرف ایک بات کی پریشانی تھی کہ وہ فیکٹری ایلین کی نگاہوں میں آجی۔ شرم میں ہمارے کسی دوست یا دشمن کو اس ٹھکانے کا علم نہیں تھا لیکن وہ غیبت اس راز سے واقف ہو چکا تھا۔

کھانا تیار کرتے ہی غزالہ نے میز لگانی شروع کر دی۔ وہ دیر ایک غیر موجودگی پر بیزاری تھی لیکن ہم لوگوں کے میز پر بچنے تک دیر بھی لوٹ آئی۔ اس کے چہرے یا جسم کے کسی حصے پر کوئی خراش نہیں تھی لیکن لباس وغیرہ پر موتی لال کے خون کے تازہ دھبے نمایاں تھے اس کے چہرے سے ٹکان کا اظہار ہو رہا تھا۔

”خاصی دیر لگادی۔۔۔ تم کہاں رہ گئی تھیں؟“ اسے دیکھتے ہی غزالہ نے پوچھا۔

”یہ موتی لال کو ماری تھی“ سلطان شاہ اسے جواب دے کر دیر اسے مخاطب ہو گیا ”ہاتھ پیر دھو کر آؤ۔ خون کے دھبوں سے طبیعت میں کراہت پیدا ہو رہی ہے۔“

”تو کیا تم نے اسے بالکل ہی مار دیا؟“ جاگتیر نے غمور آنکھوں سے دیر کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”کو شش کی تھی مگر وہ بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے“ دیر ا کر سی چھوڑتے ہوئے بولی ”فی الحال صرف بے ہوش ہوا ہے۔ میں اس کے ہاتھ پیر باندھ آئی ہوں۔ دوسرے راؤنڈ میں اس کا خاتمہ ہو گا۔ اس وقت وہ اندھیرے میں پڑا ہوا ہے۔“

”وہ وہاں اکیلا پڑا رہے گا۔۔۔ اول خان کا آوی پر تاب کو لے کر گیا ہوا ہے“ میں نے کہا۔

”پڑا رہے۔۔۔ میں نے دو زائے کو باہر سے کنڈی لگادی“ وہ بے پروائی سے بولی ”ریشم خان نے اپنی چارپائی ایسی جگہ پر ڈال لی ہے جہاں سے وہ گودام پر بھی نظر رکھ سکتا ہے۔“

دیرا خواب گاہ کی طرف چل دی۔ ہم لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران میں غزالہ ”جاگتیر اور سلطان شاہ کے سوالات جاری رہے۔ وہ موتی لال سے باز پرس کے نتائج اور اس کے مقدر کے بارے میں جاننے کے خواہاں تھے میں کھانے کے

نے کراچی میں یک بیک اتنی اہمیت کیسے حاصل کر لی تھی۔ جب منتھکو آگے بڑھی تو وہ اٹھ کر اپنی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ کھانے کا دور شروع ہونے سے پہلے اپنی بھوک بڑھانے کے ارادے سے اٹھا تھا۔

ہم یک وقت دو سفارتی محاذوں پر لڑ رہے تھے۔ نارمن کے قونصل خانے سے ہماری کوئی کھلی ہوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ وہ لوگ پوری طرح کھاراک اور اس کے ساتھ آنے والے ولیم اور راجر کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ شی کے نئے سربراہ اور سی آئی اے کے فعال ایجنٹوں کو دورے پر آئے ہوئے سفارتی افسروں کا درجہ دے کر انہیں انتظامی مراعات کا حق دار ثابت کرنا چاہا رہے تھے۔ اہم بات یہ تھی کہ انہوں نے ان تینوں کی مدد کے لیے اپنے عملے کے کسی بھی فرد کو میدان میں آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ تینوں شرم میں جو کچھ کرنا چاہتے تھے اس کے لیے انہیں اپنی طاقت یا پھر کرائے پر حاصل کیے ہوئے مقامی مدد معاشوں کی قوت پر انحصار کرنا پڑا اور یوں وہ بہت تیزی کے ساتھ کیے بعد دیگرے ختم ہوتے چلے گئے۔

ان تینوں کی موت امریکن قونصل خانے کے ذمے داروں کے لیے صدمے سے زیادہ شرم کی بات تھی۔ وہ امریکا سے آئے ہوئے تین اہم افراد کو مناسب تحفظ فراہم نہیں کر سکتے تھے اس لیے ان تینوں کی موت کے بعد ان لوگوں کا داویلا قابل فہم تھا۔ ہمیں پورا یقین تھا کہ ان کی تسلی کے لیے بظاہر خوب بھاگ دوڑ ہوتی رہے گی لیکن ہم پر کوئی آنچ نہیں آسکے گی۔ اس حساس پس منظر میں ایلین کا یک بیک فعال ہو جانا خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھا۔

ہمیں اپنے دشمنوں کے درمیان قریبی تعاون کے بارے میں کبھی کوئی خوش فہمی نہیں رہی تھی۔ پہلے بھی ایسے شواہد ہمارے سامنے آچکے تھے کہ بھارتی اور امریکی ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ چل رہے تھے۔ پاکستان کی جوہری طاقت کی تباہی سے ملک کے قانونی ڈھانچے کی شکست و ریخت تک ان کے درمیان مکمل مفاہمت پائی جاتی تھی مگر پھر بھی ایک نکتہ بہت اہم تھا۔ وہ سب ضابطوں کے عادی تھے اور اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے حرث و رعت تھے لیکن ایلین پر ایسا کوئی بوجھ نہیں تھا۔ اسے ایک طرف راس الہیڈا کی مضبوط پشت پناہی حاصل تھی تو دوسری طرف کرنل جیسی جو زیمبی اس کی کارکردگی پر انحصار کر رہا تھا۔ اگر اس نے ڈیوڈ اشارز کی کسی نئی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے ارادے سے موتی لال سے رجوع کیا تھا تو یہ بھی یقینی بات تھی کہ ایچ ڈی نارمن کا قونصل خانہ بھی اپنے زخموں کی کک دور کرنے کے لیے اسے شہ دے رہا ہو۔

اس وقت ایلین ایک مضبوط اور بھیاں ک حریف کا روپ اختیار کر چکا تھا۔ ہمارے سارے قابل ذکر دشمنوں کی امیدیں اس سے وابستہ ہو چکی تھیں۔ بظاہر ان میں مانیا کا کوئی وجود نہیں تھا لیکن

ساتھ ان کے سوالات کے جواب دیتا رہا۔

اس وقت خاصی دیر ہو چکی تھی۔ اول خان اپنی رست واپس پر نگاہ ڈالنے کے بعد مضطرب نظر آ رہا تھا۔ اس نے کھانے کی رفتار بھی تیز کی ہوئی تھی۔

”کیا بات ہے؟ کیا بیوی بچے یاد آنے لگے ہیں؟“ میں نے ہنس کے پوچھا۔

”ہماری قسمت ایسی کہاں کہ بیوی بچے یاد آئیں اور ہم ان کے پاس پہنچ جائیں“ وہ ایک گمراہ سانس لے کے بولا ”ابھی دفتر جا کر ایک رپورٹ مکمل کرنی ہے جو صبح ہر قیمت پر جانی ہے۔“

اول خان کھانے سے سب سے پہلے فارغ ہو گیا۔ ہم لوگ مصروف تھے کہ دیر اٹھل کر کے صاف ستھرے لباس میں آجود ہوئی۔ اپنے دھلے ہوئے گندی مائل سنہرے رنگ میں اس کا چہرہ زیادہ پرکشش نظر آ رہا تھا۔

”موتی لال بہت گمراہ ہے“ کھانے کے آغاز کے ساتھ ہی دیر کی زبان بھی چل پڑی ”معلوم ہوتا ہے کہ آج ہم سب کی عقلوں پر پتھر بڑے ہوئے تھے ورنہ پر تپ کو تاوان والی کہانی سنانے پر وقت برباد نہ کیا جاتا۔“

”اس میں کیا خرابی ہو گئی؟“ اول خان نے چونک کر سوال کیا۔

”کلفٹن والے مکان میں جب میں نے موتی لال پر ہم گن تان کر راجر جیسے انجام کی دھمکی دی تو وہ مجھے پہچان گیا تھا۔ اس کے لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں تھا کہ وہ کن لوگوں میں ہے“ دیر نے کہا۔

”پہچاننے کے باوجود وہ تمہاری آنکھوں کی رنگت سے دھوکا کھا رہا تھا۔ اسی بے یقینی کے عالم میں وہ بے ہوش کر دیا گیا۔“ میں نے دیر کو یاد دلایا ”ہماری عقلوں کے پتھر تمہیں کیوں یاد آرہے ہیں؟“

”تیرے مکان سے نکل چکا ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا لیکن موتی لال یہی کہہ رہا ہے کہ اسے ابتدا ہی سے پوری صورت حال کا اندازہ ہو چکا تھا لیکن وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں اپنی زبان بند کیے تمہاری باتیں سنتا رہا۔ یہ اس کی بد قسمتی ہے کہ وہ مناسب موقع آخر تک نہیں مل سکا۔“

”اس کا مطلب ہے کہ وہ جھٹلنے میں تم سے کھل کر بات کر رہا تھا“ سلطان شاہ نے فقرو کہا۔

”ابن کی شناخت کی خوشی میں آج تمہیں معافی ہے۔ جو چاہو بک سکتے ہو۔“

”اے اتنی کھلی چھوٹ نہ دو“ میں نے دیر کو تادیب کی ”دو منٹ میں تم بدک جاؤ گی۔“

”یہ بتاؤ کہ تم نے اسے کس احید میں زندہ رکھا ہے؟“ اول خان ایک بار پھر اپنی رست واپس کی طرف متوجہ ہوا اور پھر اضطرابی انداز میں کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

”برداشت اور سخت جانی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود اس کے اندر نوٹ بھوت کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ بے خیالی میں اس نے صرف اتنا اگلا ہے کہ امین زمری کے علاقے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اگلی ملاقات میں وہ کام کی کوئی اور بات بتا دے۔ اسی امید میں، میں نے اسے مارنے میں نجات نہیں کی۔ میں نے اسے بہت بے رحمی سے مارا ہے لیکن وہ بے حیائی کے ساتھ پٹ کر بھی کئی بار مسکرایا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی خطرناک ذہنی مرض میں مبتلا ہے۔ میں تھک کر سست ہو جاتی تھی تو وہ کوئی نہ کوئی گھٹیا حرکت کر کے مجھے اتنا مشتعل کر رہا تھا کہ میں دوبارہ پوری قوت سے اس کی ٹھکانی شروع کر دیتی تھی۔“

”میں نے زمری کا علاقہ ذہن نشین کر لیا ہے“ اول خان الوداعی انداز میں بولا ”واپسی پر میرے تیسرے آدمی کو بھی یہیں روک لیتا۔ تم کھانا کھاؤ، میں جا رہا ہوں۔ اب کل بات ہو گی۔“

”اگر تم سے رابطہ ہونے سے پہلے موتی لال چل بے تکیا کرنا ہو گا؟“ میں نے پوچھا۔

”میرا کوئی بھی آدمی اسے ٹھکانے لگا دے گا۔“ یہ کہتا ہوا وہ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

ہمارے درمیان کوئی تکلف باقی نہیں رہا تھا۔ بس باہمی احترام اور وضع داری کے سارے گاڑی چل رہی تھی۔ ہم میز پر بیٹھے کھانے میں مصروف رہے اور اول خان برائے بغیر واپس چلا گیا۔ کھانے کے بعد دیر، ”غزالہ کو ساتھ لے کر چھت پر چلی گئی۔ وہ چل قدمی کے ساتھ دوڑیں سے اس علاقے کا تفریحی جائزہ بھی لیتا چاہتی تھی۔“

میں ڈرائنگ روم میں آکر کسل مندانہ انداز میں ایک صوفے پر دراز ہو گیا۔ سلطان شاہ نے ٹیلی ڈنٹن مائل لیا اور جہانگیر نہایت لذیذانہ انداز میں میرے قریب، قالین پر آ بیٹھا۔

”بچے کبھی بیٹھے ہو؟“ میں نے جہانگیر کو گھور کر پوچھا ”کیا پھر کھوپڑی میں چڑھ رہی ہے؟“

”مذاق مت کرو“ وہ دھیسے سے بولا ”اس وقت میں بہت سنجیدہ ہوں۔“

”سنجیدہ ہی نہیں، تم رنجیدہ بھی نظر آرہے ہو۔ خاصی پھٹکار ہے چہرے پر۔“

”یہ بتاؤ کہ اب میں کیا کروں؟“ اس نے سر جھٹک کر تشریف سے کہا۔

”کوئی سر جیر پتا چلے تو میں مشورہ دوں۔۔۔ کیا پریشانی ہے تم کو؟“

”کل فون پر میری سہیلی سے بات ہوئی تھی۔ وہ اپنے سیکے میں بیزار ہو گئی ہے۔“

”حاکمانہ مزاج کی عورتیں شوہروں کے سینے پر مومک دل کر ہی خوش رہتی ہیں۔ سیکے میں ان کی کوئی حیثیت ہوتی ہے نہ کوئی اشاروں پر ناپنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ گھر پر رہیں تو بات بے

”کیوں؟ وہاں کون سے کیڑے پڑ گئے؟ وہ پاکستان کا سب سے  
مذہب اور بہترین رہائشی علاقہ ہے۔“

”میرا اس علاقے میں کثرت سے آنا جانا رہا ہے۔ اس میں  
کوئی شبہ نہیں کہ کلفٹن میں وضع دار خاندانی شرفا کی ایک بڑی  
تعداد رہتی ہے لیکن نو دویلیوں کی پلٹاری کی وجہ سے وہاں مجموعی طور  
پر ڈسکو معاشرہ پروان چڑھ رہا ہے۔ ہر شخص دوسرے کو مرعوب  
کرنے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔ جس کی جیب میں گڈیاں بھری  
ہوں، وہ جاتا ہے اور پسند کا مکان یا قلیت خرید لیتا ہے۔ کوئی اس  
سے نہیں پوچھتا کہ یہ رقم کہاں سے آئی ہے۔ محنت سے کمائی گئی  
ہے یا چوری ڈاکے اور ہیروئن فروشی سے حاصل کی گئی ہے۔“

”بس بس۔ میں سمجھ گیا۔“ میں نے اسے بات مکمل نہیں  
کرنے دی ”میرے سامنے زیادہ پارا بننے کی کوشش نہ کرو۔  
تمہیں اپنا کاروبار بجائے چند ہی برس ہوئے ہوں گے تمہارے  
سارے اثاثے ٹی کی کمائی سے بنے ہیں۔ شروع میں تم بھی میری  
ہی طرح نیچے بھوکے تھے۔ ہیروئن کا بیسہ بنو کر آج تم معزز، نقد اور  
خاندانی بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ ہم میں سب سے بڑی خرابی یہی  
ہے کہ دوسروں پر ایک انگلی اٹھاتے ہوئے ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ  
ہماری تین انگلیاں خود ہم پر اٹھ رہی ہوتی ہیں۔“

”میں اپنی بات نہیں کر رہا۔ میں ہر جگہ گزراہ کر سکتا ہوں  
لیکن اب میں ایسا نہیں ہوں۔ مجھے سسلی کی پسند، میری پسند کا  
خیال رکھنا پڑتا ہے۔ وہ سرحال ایک معزز اور آموہ ہے۔“  
”کی ہے۔“

”علاقے کے انتخاب کا اختیار تم کو ہے۔ بس نیا گھر لو اور سسلی  
کو بلا لو۔“

”تم نے میرے سر سے بت بڑا بوجھ اتار دیا۔ میں صبح ہی سے  
کام شروع کرتا ہوں۔ کسی نہ کسی طرح پرانے گھر کا قیمتی  
ساز و سامان بھی نکال لیا جائے گا۔“

”اس کی طرف سے تم بے فکر رہو۔ سسلی کی تجوری میں میری  
امانت بھی پڑی ہوئی ہے۔ اول خان کے آدمی وہاں کی ایک ایک  
چیز تمہارے نئے گھر میں پہنچا دیں گے۔“

”اپنا مسئلہ تمہارے سامنے رکھتی ہی آدمی بے فکر۔“ اس کا  
فقر وادھورا رہ گیا۔  
زینوں پر تیز قدموں کی چاپ ستائی دے رہی تھی جیسے کوئی  
تیزی سے بیڑیاں اتر رہا ہو۔ ہم دونوں اپنی تنگبوں بھول کر زینوں  
کی سمت میں دیکھنے لگے۔ سلطان شاہ بھی لی دی کو بھول کر اسی  
طرف متوجہ ہو گیا۔  
چند ہی لمحوں میں دیرا بولکھائی ہوئی نمودار ہوئی اور تیز تیز  
سانسوں کے درمیان نیچی آواز میں بولی ”پولیس۔۔۔ ابھی ابھی  
پولیس کی تین گاڑیاں فیکٹری کے گیٹ پر کھڑی ہیں۔“

میں نے سرعت سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اگر پولیس خاموشی  
کے ساتھ وہاں پہنچی تھی تو آثار کچھ اچھے نہیں تھے۔ بارمن کے

بات پر شوہروں کو ڈانٹ نہ کر اپنا دل ٹھنڈا کرتی رہتی ہیں۔“  
”کبواس مت کرو۔“ وہ دہلی دلی آواز میں غرایا ”ہمارے درمیان  
جھڑپیں ضرور ہوتی رہتی ہیں مگر میں کبھی بھی اس سے نہیں دتا۔  
جس دن بیکری جمانے کی چوٹی پکڑ کر گھر سے نکال دوں گا۔“  
”اور پھر اس کی یاد میں کیوں سے پلٹ کر دو آ رہوں گا؟ میں  
نے منہ بنا کر اس کی نقل اتاری۔“

”میں ابھی بھی سسلی کو نہیں بلانا چاہتا۔“ وہ اکڑ گیا ”کل کی  
باتیں سن کر میرا دل بچھ گیا تھا۔ شادی شدہ عورت اپنے گھر آنا  
چاہے تو یہ اس کا حق ہے۔۔۔“  
”معلوم ہوتا ہے کہ نادیہ کی موت کے بعد تم بالکل لندورے  
رہ گئے ہو، جیسی بیوی کے حق میں خیر کی باتیں سوچ رہے ہو۔ یہ کوئی  
بری بات نہیں ہے۔ اس میں تمہاری بڑائی ہے۔“

”یار! دیکھو نا، دھورو گھر بھی دن بھر جھاڑ جھکاڑ سے لے کر  
پھول پتوں تک پر منہ مارتے رہتے ہیں لیکن سورج ڈھلتے ہی اپنے  
باڑوں کی طرف چل دیتے ہیں۔ اپنا بھی کچھ ایسا ہی حساب کتاب  
ہے۔ دوستیاں تو بس گزراؤ اور تبدیلی کے لیے ہوتی ہیں، آدمی کا  
اصل بندھن دہی ہوتا ہے جو اپنی عورت کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں  
آج ذرا سی کوشش کروں تو دس دنوں میں مل سکتی ہیں لیکن سسلی کا  
اپنا مقام ہے۔“

”سسلی تمہارے یہ نادر خیالات سن لے تو خوشی سے اس پر  
شادی مرگ طاری ہو سکتی ہے۔“ میں نے طنز سے کہا ”یہ ابھی بات  
ہے کہ اس بات تم سسلی کی کمی محسوس کر رہے ہو۔“  
”مجھے معلوم ہے کہ تم ہر طرف سے مسائل میں جکڑے۔“

”ہوئے ہو لیکن میں پھر بھی تمہیں تنگ کر رہا ہوں۔ میں کیا کروں؟  
مجھے دور دور تک اپنا کوئی دوسرا دوست یا ہمدرد نظر نہیں آتا۔“  
”میں کسی کا ہمدرد نہیں ہوں، مجھے ہمدرد کا خانہ بنانے کی  
کوشش مت کرو۔“

اس نے دانت نکال دیے ”پھر پتاؤ؟ میں کیا کروں؟ سسلی کو کیا  
جواب دوں؟“  
”مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو؟ بلا لواتے۔“ میں نے رواداری میں  
کہہ دیا۔

”تمہارا مطلب ہے کہ اب میرے گھر پر کوئی خطرہ نہیں  
ہوگا؟“ اس نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔  
اس وقت مجھے جاکتیکر کی پریشانی کا صحیح اندازہ ہوا اور میں نے  
سنجیدگی سے کہا ”اس بار تم میری وجہ سے لیے چکر میں آئے ہوئے  
ہو۔ میری مانو تو اس گھر میں واپسی کا ارادہ ترک کر کے اسے بیچنے کی  
فکر کرو۔ فی الحال کلفٹن کے علاقے میں کوئی کشادہ قلیت کرائے پر  
لے لو۔ بعد میں اپنی پسند کا نیا گھر خرید لیتا۔ نئی جگہ تمہارے لیے  
ہر اعتبار سے بہتر رہے گی۔“  
”تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن سسلی کلفٹن کے علاقے میں خوش  
نہیں رہ سکے گی۔“

پورے احاطے کی بنیاں چلا رہا تھا۔ میں نے عقیق دیوار کی طرف جا کر احتیاط سے نیچے جھانکا تو مجھے روشنی میں کئی مسلح پولیس والے نظر آئے۔ میں نے اضطراب کے عالم میں تیزی سے چاروں طرف کا جائزہ لے ڈالا لیکن کوئی مست خالی نظر نہیں آئی۔ پولیس والے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ آئے تھے اور آتے ہی انہوں نے دفتر کی دو منزلہ عمارت کو گھیرے میں لے لیا تھا۔

اس وقت مجھے فیکٹریوں کے تعمیری مناظر پر بہت شدت سے غصہ آیا کیونکہ ان کی رو سے فیکٹری کو بجلی فراہم کرنے والے سب اشیائیں کے سوا کوئی عمارت احاطے کی دیوار سے ملا کر تعمیر نہیں کی جاسکتی۔ دفتری عمارت گیٹ کے قریب بنی ہوئی تھی لیکن احاطے کی دو متعل دیواروں سے خاصی دور تھی جس کے نتیجے میں پولیس والوں کو چاروں طرف سے محاصرہ کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ عمارت کی کوئی ایک دیوار بھی احاطے کے ساتھ مشترک ہوئی تو اس کے سارے برابر راست فیکٹری سے باہر نکلنے کا سہرا موقع مل سکتا تھا۔ میں اس وقت بے بسی کی عجیب کیفیت سے دوچار تھا۔ ہم سب بہت ہی طرح چوہے دان میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ میں غیر ارادی طور پر دیوار کے قریب جا پڑا۔ وہ آخری تاریک زینے پر بیٹھی، نیچے ہونے والی گفتگو سننے کی کوشش کر رہی تھی۔

”انہوں نے دفتری میگزین اور ہتھیاروں کی چینی دیکھی ہے۔“ میرا لہجہ محسوس کرتے ہی اس نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔ میں اس کے برابر بیٹھ گیا۔

”پوری عمارت کی تلاشی ہوگی اور فیکٹری کا مالک تھانے جائے گا۔“ ایک کرخت آواز سخت لمبے میں گونج رہی تھی۔ وہ لوہے، فخر سے اوپری منزل تک پھیل چکے تھے۔ وہی شخص تھمکانہ لہجے میں کہہ رہا تھا ”تم لوگوں کے کارڈ ہم نے دیکھ لیے لیکن ہم اپنا کام نہیں روکیں گے۔ دفتری ہتھیاروں اور فالتو گولیوں کا ذخیرہ پکڑا گیا ہے۔ دوسرے خرب کاری ہوتی ہے۔ کوئی قانون یہ نہیں کہتا کہ جہاں کسی فیڈرل ایجنسی کے آدمی موجود ہوں وہاں سے آنکھیں بند کرنی چاہئیں۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ کریں گے کہ تمہیں پھنکائی نہیں لگائیں گے۔ تم ہتھیاروں کی ملکیت کے دعوے دار ہو اس لیے تم دونوں کو بھی تھانے جانا ہو گا۔“

”ہم یہاں ڈیوٹی پر ہیں“ وہ بشیر کے ساتھی کی آواز تھی ”ہم یہاں سے نہیں پھیں گے۔ ہمارے ساتھ زیادتی یا زبردستی کی گئی تو نتائج کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔ میری کسی بڑے سے بات کراؤ۔ ابھی فیصلہ ہو جائے گا۔“

”یہاں سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہی شخص غزیا“ یہاں کے فون کے تار کاٹنے چاہتے ہیں۔ چھوٹے بڑے سے بات تھانے ہی میں ہوگی۔ یہاں فیکٹری مالک کے ساتھ جو بھی مشتبہ آدمی یا طرم نظر آیا اسے بھی گرفتار کیا جائے گا۔ اتنی بڑی مقدار میں توپ خانے جیسے ہتھیاروں کا برآمد ہونا تو خال نہیں ہے۔“

”تم لوگ کس کے حکم پر یہاں آئے ہو؟“ اس بار سلطان شاہ

ہوں نے میری گرفتاری پر خیر انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ اس کے لالچ میں کوئی بھی جو اس سال طالع آزمایہ میرے ہاتھوں میں آہنی زیور پہنا سکتا تھا۔

”میں دیرا کے ساتھ غائب ہو رہا ہوں“ میں نے سرگوشیاں لمبے میں کہا ”ان لوگوں سے ایس ٹی ایف والے منٹ لیں گے۔ انہیں اوپر سے بلاؤ“ میں نے اپنا فقرہ مکمل ہی کیا تھا کہ اوپر سے بشیر اپنے دوسرے ساتھی کے ہمراہ نیچے آیا۔ اس وقت تک پولیس والوں کی ایجنسی اور اوپری آوازیں عمارت کی ٹکلی منزل میں سنائی دینے لگی تھیں۔ ریشم خان انہیں بھانے اور نیچے ہی روکنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ان کا کوئی افسر پوری عمارت کی تلاشی لینے پر مصروف تھا۔

وہ مصیبت بالکل ناممکن نازل ہوئی تھی۔ پولیس والے اتنی خاموشی اور تیزی کے ساتھ وہاں آئے تھے کہ کچھ سوچنے سمجھنے کی سہولت ہی نہیں مل سکی تھی۔ مجھے اوپر سے نیچے جانے والے کسی دوسرے راستے کا علم نہیں تھا۔ واحد زینے کے نیچے پولیس کی نفری موجود تھی۔ وہ کسی بھی لمبے زینے طے کر کے اوپر کی اقامتی منزل پر آسکتے تھے۔ میرے لیے ان سے بچنے کی بس ایک ہی راہ تھی کہ زینے چڑھ کر کھلی چھت پر پہنچ جاؤں اور وہاں سے نکل بھاگنے کی کوئی راہ تلاش کروں۔ پولیس کا نام سننے ہی میری چھٹی حس نے خطرے کا نغمہ بلند کر دیا تھا اور میں ہر قیمت پر ان وردی پوشوں کی نظروں سے دور رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اگر وہ لوگ ذرا سی دیر پہلے آگئے ہوتے تو اول خان بنس نہیں فیکٹری میں موجود ہوتا۔ اس کی موجودگی میں میں تحفظ اور عافیت کے ایک عجیب سے احساس سے سرشار رہتا تھا۔ بد قسمتی سے وہ جا چکا تھا۔ اس کے آدمی ضرور موجود تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ پولیس والوں کو واپس بھیجنے کے لیے ان کی شناخت بھی کافی ہونی چاہیے تھی لیکن میں ان کے بل بوتے پر قانون کے محافظوں کا سامنا کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔

میں دیرا کا ہاتھ تمام کر تیزی کے ساتھ زینے طے کرتا چلا گیا۔ میرے پاؤں نکلے تھے۔

”یہ پولیس کہاں سے بچ میں ٹھک پڑی؟“ دیرا بھٹاتے ہوئے لمبے میں منٹائی۔

”یہ سب بعد میں سوچنے کی باتیں ہیں۔ فی الحال یہاں سے نکل بھاگنے کے بارے میں سوچو۔ میدان صاف ہونے تک یہاں سے دور رہنے میں ہی ہماری عافیت ہے۔“

”اگر وہ موتی لال والے مودام کی طرف جائے تو جواب وہی مشکل ہو جائے گی۔“

”مجھے بھی معلوم ہے مگر یہ محسوس کھات منہ سے مت نکالو۔“ میں نے اسے بری طرح تنبیہ کر رکھا تھا۔

دیرا کو زینوں کے اختتام پر روک کر میں کھلی چھت پر چلا گیا۔ ریشم خان حفاظت اور بہتر چوکیداری کی وجہ سے ان دونوں

آرائی کے بعد ہونے والی شکست پیشہ ذلت آمیز ہوتی ہے۔ ہم پر کوئی اور جرم ثابت ہو یا نہ ہو، سرکاری اہلکاروں سے مقابلے کے سنگین جرم میں ہم سب ہی لمبی مدت کے لیے سلاخوں کے بیچے پہنائے جاسکتے تھے۔

غیبت تھا کہ دیر ابھی میری طرح غیر مسلح تھی۔ نچلے ذہن پر قدموں کی پہلی وزنی آہٹ ہوتے ہی دیر اپنی جگہ چھوڑ کر پٹوں کے بل چھت پر دوڑ گئی۔ میرے اعصاب پر سخت دباؤ تھا۔ پولیس والوں نے ہمارے فرار کا ہر راستہ مسدود کیا ہوا تھا۔ ہم کھلے آسمان تلے بالکل بے آسرا تھے۔ جیوں پر قدموں کی آوازیں آہستہ آہستہ اور آتی جا رہی تھیں۔ میں نے ایک دیوار کے قریب جھانکا نیچے دو مسلح سپاہی خوش گہماں میں مصروف تھے۔

”کیا کریں؟ کہاں جائیں؟“ دیرا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی متوحش آواز ابھری۔

میرے ذہن میں روشنی کا کوئی گولا سا پھٹا۔ میں نے ایک بار پھر اسی دیوار پر سے جھانکا اور پیچھے ہو کر دیوار کا ہاتھ تھام لیا ”جلدی آؤ۔۔۔ میرے ساتھ آؤ۔۔۔ وہ اوپر پہنچنے ہی والے ہیں۔“

”تم پاگل ہو۔۔۔ نیچے کود کر مر جاؤ گے“ وہ اپنا ہاتھ چمڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی۔

”آؤ!“ میں وحشانہ سرکشی میں غرایا۔ میری سخت ہوتی ہوئی انگلیاں دیرا کی کلائی کے نرم گوشت میں بیٹھتی جا رہی تھیں۔ اس نے خوف اور بے بسی سے میری طرف دیکھا اور دیوار کے قریب آگئی۔

چھت کے گردینی ہوئی دیوار کی بلندی تین فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ میں دیرا کو ساتھ لے کر دیوار سے نیچے پر اتر گیا۔ ٹہلی منزل کی کھڑکیوں اور دروازوں کو بوجھاڑے محفوظ رکھنے کے لیے وہ چھپا عمارت کے چاروں اطراف میں پھیلنا ہوا تھا۔

ہمارے اترتے ہی پولیس والے چھت پر آگئے ”لو بھئی! ایس ایچ او صاحب کے حکم کی تعمیل ہو گئی“ ایک آواز گونجی ”یہاں تو چڑیا کا بچہ بھی نہیں ہے۔۔۔ کھلی چھت پر کون پاگل کا پتہ چھپے گا۔“

میں فوراً پیچھے پر دروازہ ہو گیا اور سرگ کر دیوار اور پیچھے کے جوڑ سے بالکل چپک گیا۔ دیرا نے کوئی چون و چرا بغیر میری تھلید کی۔ اس نے میرے پیروں سے اپنا سر جوڑ کر جگہ سنبھال لی۔

ہم دونوں ایسی پوزیشن میں تھے کہ چھت پر سے باہر کا سرسری جائزہ لینے پر ہمارا دلچہ لیا جانا ممکن نہیں رہا تھا۔ جب تک کوئی سپاہی اوپر کی دیوار پر سے جھک کر دیکھ بھال نہ کرتا، ہمیں نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔

چھت پر دو افراد کے قدموں کی چاپ گونج رہی تھی۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے چھت پر ٹہل رہے تھے۔ ان کے دہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ ان سے چند قدم کے فاصلے پر ایس ایچ او کے مطلوبہ شکار سانس روکے بڑے ہوئے ہیں۔

”جبری پکی ہوئی ہے۔ خالی ہتھیار پکڑنے پر بھی صاحب کی بڑی

نے بہت رسائی سے سوال کیا تھا۔“

”جبری پکی ہو تو پھر کسی کے حکم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تم لوگ بچ بچ بتا دو کہ مفروضہ کماں چھپا ہوا ہے تو تمہارے ساتھ جری ہو سکتی ہے ورنہ تھانہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہوتی۔“

معاملہ کنکیر ہوتا جا رہا تھا۔ شاید میرے بارے میں جبری کی مٹی تھی۔ یہ جبری صرف ایس ایچ او کر سکتا تھا کیونکہ میرے ٹھکانے کے بارے میں وہی سب سے بہتر اندازہ لگا سکتا تھا۔ اپنے کتے کی موت اور پھر سلطان شاہ وغیرہ کی فائزنگ کے بعد اس نے مجھ پر بہت گھٹیا وار کیا تھا۔ اپنی ساکھ رکھنے والے بڑے جرم شکست کی ذلت اٹھالتے ہیں لیکن اپنے حرف پر دباؤ ڈالنے کے لیے کبھی پولیس یا قانون کا سارا نہیں لیتے۔ مانیا کا حلف یہی تھا۔ عملی طور پر میں مانیا سے باہر بھی اس اصول کی عمل داری دیکھ چکا تھا۔ ایس ایچ او بھی اعتبار سے بڑا نہیں تھا۔

ٹہلی فون لائنوں کے تار منقطع ہو جانے سے وقتی طور پر صورت حال مزید سنگین ہو گئی تھی۔ ایس ایچ او کے اہل کاروں کی اتھارٹی تسلیم نہیں کی جا رہی تھی، رابطے منقطع تھے، موتی لال زخمی حالت میں ایک گودام میں پڑا ہوا تھا اور میں دیرا کے ساتھ چھت پر محصور تھا۔

”کام کرو!“ پولیس افسر کی آواز گونجی ”اوپر، اندر، باہر، اچھی طرح دیکھو۔ جو نیا آدمی نظر آئے، پکڑ کر میرے سامنے پیش کر دو۔ ہتھیاروں کی چینی طرہوں کے ساتھ میری گاڑی میں جائے گی۔“

نیچے متعدد قدموں کی دھمک گونجنے لگی۔ وہ ہر طرف پھیل رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ ہتھیاروں کی موجودگی کی وجہ سے ہر چیز سے چھپ چھاڑ کی جائے گی۔ شاید دفتر کی عمارت سے نکلنے کے بعد وہ فیکٹری کے دوسرے حصوں کا رخ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

”دو بندے ہو شیاری سے اوپر چھت پر جاؤ۔“ پولیس افسر کی اس ہدایت نے میرے اعصاب میں سنسنی کی لہر دوڑا دی۔ اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔

ہم لوگ کھانا کھانے کے بعد سستانے کے موڑ میں تھے اس لیے سب ہی غیر مسلح تھے۔ یہ شاید ہمارے حق میں بہتری تھا کیونکہ میں دیرا یا کسی اور کی کھوپڑی میں اپنی سوچ نہیں ڈال سکتا تھا۔ میں نے جب سے شی کو خیر باد کہا تھا، قانون کے محافظوں کے سامنے ہتھیار اٹھانا چھوڑ دیا تھا۔ تصادم کے ہر موقع پر میری پوری کوشش یہی ہوتی تھی کہ کسی بھی طرح ٹکراؤ سے بچ بچا کر نکل جاؤں اور میری یہ حکمت عملی پیشہ کامیاب رہی تھی لیکن دیرا ان باریکیوں پر ذرا بھی یقین نہیں رکھتی تھی۔ وہ خطرے کے وقت ہر حالت میں اور ہر قیمت پر اپنا بچاؤ کرنے پر یقین رکھتی تھی۔ اس وقت وہ مسلح ہوئی تو میری کسی بات پر کان دھرے بغیر آخری میزمرے پر مورچا جھاکر بیٹھ جاتی اور اوپر کا رخ کرنے والے سپاہیوں کو گراٹا شروع کر دیتی۔ جتنی بات تھی کہ اتنی ہماری نفی کے مقابلے میں دیرا کا کامیاب ہونا محال تھا آخر کار اسے سپر ڈالنی ہی پڑتی لیکن محاذ



کی قائل ہوں۔ یہ وقت گزر جائے تو پھر میں اسے دیکھوں گی۔  
 ”زمری کا علاقہ خاصا گنجان آباد ہے لیکن وہ زیادہ دیر تک  
 ہماری نظروں سے روپوش نہیں رہ سکے گا“ میں نے یہ کہتے ہوئے  
 اپنی پوزیشن تبدیل کی، تیزی سے سیدھا ہوا اور پلک جھپکتے میں  
 دیوار پھانڈ کر چھت پر اتر گیا۔ چھت پر میں چند ٹائیلوں تک اگڑوں  
 بیٹھا اپنے سنسناتے ہوئے ذہن کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتا  
 رہا۔ نیچے سے کچھ تیز تیز لیکن ناقابل فہم آوازیں آ رہی تھیں۔  
 شاید ناکامی کی سختی سے دل برواشت ہو کر ایس ایچ او نے درشت  
 رویہ اختیار کر لیا تھا۔

”حالات سازگار نہیں ہیں۔ تم وہیں پڑی رہو“ میں نے بہت  
 احتیاط سے دیوار سے سریا ہر نکال کر دروازہ کھولا اور خود کسی  
 چوپائے کی طرح چلتا ہوا زینوں کے اختتامی سرے پر پہنچ گیا۔  
 زینوں کی سرگ سے ہو کر آنے والی آوازیں قابل فہم ہی  
 نہیں، تشویش ناک تھیں۔ ایس ایچ او کی غصیلی آواز گونج رہی تھی  
 ”ڈیٹی کا ٹھکانا نہیں بتاؤ گے تو میں تم سب کو حوالہ میں ڈال دوں  
 گا۔ فیڈرل ایجنسی بھی تم لوگوں کو وہاں سے نہیں نکال سکے گی۔“

”تم بلاوجہ نیم پر برم ہو رہے ہو“ اس وقت سلطان شاہ بھی  
 تآؤ کھا کھا کھا ”جنا ٹیکر بار بار تمہیں بتا رہا ہے کہ ڈیٹی اس کا دوست  
 ضرور ہے لیکن ایک مدت سے غائب ہے۔ بشیر اور ارشد کے  
 کاندھات دیکھ لینے کے باوجود تم جو سن مانی کر رہے ہو“ اس کے لیے  
 تمہیں معذرت خواہ ہونا پڑے گا۔“

”قانون کی پکڑ میں آتے وقت ہر مجرم اسی طرح ہنگامہ  
 پارسانی کے دعوے کرتا ہے“ ایس ایچ او استہزائیہ لہجے میں کہہ رہا  
 تھا ”حوالات میں ایک رات گزرتی ہے تو سارا نشہ ہرن ہو جاتا  
 ہے۔ میں دیکھوں گا کہ سورج نکلنے کے بعد تم کتنی لمبی پوزیٹیو باتیں  
 کرتے ہو۔“

”ہم تم سے الگتا نہیں چاہتے۔ اس...“ وہ غزالہ کی آواز  
 تھی جسے خاموش کرا دیا گیا۔

”تم چپ رہو“ ایس ایچ او اس پر گر جاتا تھا ”میں زنانوں کے  
 منہ نہیں لگتا۔ ابھی تمہارے مود زندہ ہیں۔ مجھے ان سے بات  
 کرنے دو۔ تمہیں جو کہنا ہے وہ تمہارے کے منہ سے نکلا دیتا۔“  
 ”تم فیکٹری کا چاچا دیکھ لو“ میاں تمہیں کسی جرم کا نشانہ تک  
 نہیں ملے گا“ اس بار جیمز گنپائل کرا کر کے بول رہا تھا۔ ”ہتھیار  
 فیڈرل ایجنسی والوں کے ہیں۔ میرا قصور صرف شراب رکھنے کا  
 ہے۔ یہ میں خود پیتا ہوں۔ میری ساری بوتلیں لے جا کے تم ظلم  
 کر رہے ہو۔“

”شرابی کے پتر! تمہارے منہ سے پوری بوتلی کی بو آ رہی ہے  
 مگر باتیں عقل کی کر رہے ہو۔ فکر مت کرو۔ شراب پینے اور رکھنے  
 کے جرم میں تمہارے خلاف پراچہ نہیں کئے گا۔ بڑے آدمیوں پر  
 ایسے چھوٹے موٹے الزام اچھے نہیں لگتے۔ اب تم سب تمہارے  
 چلنے کی تیاری کرو ورنہ میں بلاتا ہوں اپنے آدمیوں کو۔“

واہ وا ہوگی“ پھر آواز آئی ”لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ مغرور  
 اشتیاری ظلم کہاں غائب ہو گیا۔ منشی کہہ رہا تھا کہ فون کرنے  
 والے گورے نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں بس اتنا بتایا تھا کہ چندہ لاکھ  
 انعام والا ظلم الہیں ہے گارنٹ فیکٹری میں چھپا ہوا ہے۔ صاحب  
 نے یہ سنتے ہی نفی جع کرنی شروع کر دی۔ سالا ہاتھ لگ جائے تو  
 دس پانچ ہزار تو ہر سپاہی کے حصے میں بھی آئے گا۔ اتنی بڑی رقم  
 صاحب اکیلا ہنم نہیں کرے گا۔“

”آؤ چلتے ہیں۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے“ دوسرے نے کہا۔  
 اور قدموں کی کھٹ کھٹ کی آوازیں رفتہ رفتہ دور ہونے کے بعد  
 زینوں پر منتقل ہو گئیں۔

دیر کا کچھ اور نہ سوچا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے ہیر  
 تمام کر ان کا بوسہ لے ڈالا۔

میں دم سادھے اپنی جگہ پڑا، زینوں میں معدوم ہوتی ہوئی  
 آہوں کو سنتا رہا اور کتنی کرتا رہا۔ شروع سے آخر تک وہ دونوں  
 ایک ساتھ رہے تھے۔ انہوں نے غلی منزل پر پہنچنے کے لیے کم از کم  
 اٹھارہ ذینے طے کیے تھے۔

وہ چھبابت چڑھا نہیں تھا۔ اندھیرے میں سرزد ہونے، ان  
 ذرا سی بے احتیاطی مجھے کم از کم بیس فٹ کی بلندی سے زمین پر  
 پہنچا سکتی تھی۔ میں نے بہت احتیاط سے اپنے بدن کو سمیٹ کر،  
 سرکٹے سرکٹے اپنا رخ تبدیل کیا اور دیرا کے اتنے قریب ہو گیا کہ  
 اسے سرگوشی میں اپنی بات سمجھا سکوں۔

وہ گردن گھماتے ہیرا جائزہ لے رہی تھی۔ مجھے اپنی دسترس  
 میں پاتے ہی اس نے پوری کر جو جوشی سے میرا بوسہ لے لیا۔ اس کی  
 وہ حرکت اتنی بے ساختہ اور اولمانہ تھی کہ میں اسے کچھ بھی نہیں  
 کہہ سکا۔ وہ حیوانی لذت سے بوجھل نہیں بلکہ سائنس اور ممنونیت  
 کے لطیف جذبوں سے ممتکا ہوا بوسہ تھا۔

”چند منٹ بیس مری رہو“ میں نے اس کے کان میں سرگوشی  
 کی ”میں اوپر جانے کے بعد اٹھارہ دوں تو تم بھی احتیاط سے اوپر  
 آ جانا۔“

”جب تک میدان صاف نہیں ہو جاتا، بیس پڑے رہو“ اس  
 نے میرا بازو نوچ کر کہا ”ان میں سے کوئی دوبارہ اوپر اٹکلا تو ہمیں  
 پھرنے پڑے گا۔“

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ نیچے غزالہ اور دوسروں کا کیا حال  
 ہو رہا ہوگا“ میں نے فوری طور پر اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر  
 کہا ”سپاہی اوپر آئے تو وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ اب ہمیں ہتھکڑی  
 لگ جائے گی۔ سپاہی مایوس و نامراد لوگ ہیں تو اب انہیں یہ فکر  
 ہو رہی ہوگی کہ ہم آسمان پر پرواز کر گئے ہیں یا فرش کا بیوند بن گئے  
 ہیں۔“

”فرش کا بیوند ایلن بنے گا“ وہ دانت چپتے ہوئے بولی ”اس  
 نے ہمارے ساتھ ناقابل معافی کینکری کی ہے۔ میں چھچھورے  
 دوستوں کو برداشت کر سکتی ہوں نہ چھچھورے دشمن کو معاف کرنے

سوچ رہا تھا کہ اچانک خوف کی ایک سرولر میرے وجود میں سرایت کر گئی۔

وہ ہلکی سی دھمک تھی۔ کوئی بہت تیزی کے ساتھ اوپر آ رہا تھا۔ میں نے چونک کر پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ رکھت پر سر نہا چا لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔ اسی اثنا میں آنے والا وجود سامنے آ گیا اور میرے منہ سے بے ساختہ اطمینان کا ایک گہرا سانس خارج ہو گیا۔ آنے والی غزالہ تھی۔ وہ ننگے پاؤں بدحواسی کے عالم میں زینوں پر دوڑتی آ رہی تھی۔ زینوں کے اختتام پر مجھے دیکھ کر وہ جہاں تھی وہیں ٹھم گئی۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں حیرت اور بے یقینی کے عالم میں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، انھوں ہی لمحوں میں اس کے نرم و نازک لبوں کے گلابی گوشے پھڑپھڑائے اور پھر اس کی آنکھوں میں کمی کی تیرنے لگی۔

اس کی معصومانہ فکر مندی سے تیرا دل بھی تڑپ اٹھا۔ میرا دل چاہا کہ لپک کر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لوں لیکن میں ایسا نہیں کر سکا۔ اس وقت تک مطلع صاف نہیں ہوا تھا۔ جاتے جاتے بھی پولیس والوں میں سے کوئی اوپر آ سکتا تھا۔

”واپس جاؤ اور تھوڑی دیر تک انتظار کرو۔“ میں نے تیز لہجے میں سرگوشی کی۔ وہ ڈنڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ مڑ کر بیڑھیاں اترتی چلی گئی اور میں آسودگی کے ایک انوکھے احساس کے ساتھ مسکرانے لگا۔

آخر نیچے کا شور کم ہونے لگا۔ گاڑیوں کے انجنوں کی غراٹھیں دور ہونے لگیں۔ میں تیزی کے ساتھ پھت پر گیا اور دیر کو اوپر آنے کی اجازت دے دی۔ وہ پہلے سے میرے اشارے کی خشک تھی۔ فوراً ہی دیوار پھاند رکھت پر آئی اور بے ساختہ بولی ”آج تم نے کمال کر دیا۔ میں خود کو بندگی میں دیوار سے گٹا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اگر تم کو مجھے پرہناہ لینے کا خیال نہ آتا تو ہمیں بڑی بے سرد سامانی کی موت کو گلے لگانا پڑتا۔“

”یہ بھی ایک کڑا امتحان تھا۔ وہ جانتی تھی کہ سلطان شاہ اور ریٹم خان کو لے گئے ہیں۔ ان کو چھڑانے کے لئے اول خان کو خود آنا پڑے گا ورنہ ایس ایچ او اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لے گا۔“

”پھر نیچے کیوں نہیں چلے؟“ اس نے میری پسلیوں میں ٹوکا دے کر کہا ”غزالہ تمہاری طرف سے پریشان ہو رہی ہوگی۔ جا کر اسے اپنی صورت دکھا دو۔“

”وہ بیڑھیوں پر میری صورت دیکھ کر واپس جا چکا ہے۔ ان لوگوں کے نیچے اترتے ہی وہ اوپر چڑھ آئی تھی۔ میں نے اعتقاد کے طور پر اسے واپس بھیج دیا۔ ہمیں کچھ دیر یہیں رکے رہنا چاہئے۔“

”تو یہ کون کون مجھے پیچھے پر روک کر بیوی سے راز و نیاز کر رہے تھے۔“ وہ سر نہا کر بولی۔

”کر بھی لیتا تو کوئی حرج نہیں تھا لیکن بد قسمتی سے ہمارے درمیان کئی بیڑھیوں کا فاصلہ تھا۔“

”تو آؤ، آج کی گھوغلا صلی کی خوشی میں ہم دونوں کچھ راز و نیاز

”میں آخری بار کہہ رہا ہوں“ سلطان شاہ بولا ”سب کو اپنے ساتھ لے جاؤ لیکن اس عورت کو تنگ مت کرو۔ میں ہاتھ جوڑ کر کہہ رہا ہوں کہ ہمیں امتحان میں مت ڈالو۔ ہم ہر زیادتی خاموشی سے سہہ سکتے ہیں لیکن اپنی عورتوں کو چار اور چار دیواری سے باہر نہیں دیکھ سکتے۔“

سلطان شاہ کی آواز کے کرب کو میں خوب سمجھ رہا تھا۔ اس کے دل سے نکلی ہوئی آواز ایس ایچ او کے دل کو موم کر گئی اور وہ بولا ”مجھے کون سا عورت کا اچار ڈالنا ہے۔ اسے رکھو اپنی چار دیواری میں۔ بشیر اور ارشد کے سوا تم تینوں میرے ساتھ چلو گے۔“

وہ بات سننے ہی میں نے سمجھ لیا کہ وہ جانتی تھی کہ سلطان شاہ کے ساتھ ریٹم خان کو بھی لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ شاید ان لوگوں نے فیکٹری کے دوسرے حصوں کا رخ نہیں کیا تھا۔

میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ بہت سی باتیں یوں خود بہ خود ہوتی چلی جاتی ہیں کہ وقتی طور پر ناگوار گزرتی ہیں لیکن بعد میں وہی بڑے واقعات کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ وہ دیر کی عجیب سی ضد تھی کہ موتی لال کو وہ اپنے ہاتھوں سے مارے گی۔ دل کھول کر اس کی درگت بنانے کے بعد وہ اسے بے ہوش کر کے تارکی میں بند کر آئی۔ موتی لال کی نگرانی کرنے والا شخص پہلے ہی پر تپ کو لے کر شہر گیا ہوا تھا اور وہ دو واقعات رونما نہ ہوئے ہوتے تو اس وقت کا نقشہ ہی مختلف ہو سکتا تھا۔ کترنوں والے گودام میں روشنی ہو رہی ہوتی اور وہاں ایک مسلح آدمی بھی کھڑا ہوا نظر آتا تو پولیس والے فیکٹری کی حدود میں داخل ہوتے ہی اس طرف لپکتے اور موتی لال ہمارے قبضے سے نکل کر ان کی تحویل میں چلا جاتا۔ اگر دیر اسے مار بھی والی مگر گودام کی روشنی گل نہ کرتی تب بھی تارکی اور دیر ان پڑی ہوئی فیکٹری میں کترنوں کا روشن گودام فوراً پولیس والوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتا۔ ایسی صورت میں ہمیں موتی لال کے خاصانہ بیان سے تو نجات مل جاتی لیکن ایک جگہ کی ہوئی لاش کے بارے میں جواب دہی مشکل ہو جاتی۔

نیچے خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ بس آٹھیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید جانتی تھی کہ سلطان شاہ موٹگی کی تیاری کر رہے تھے۔

”جلدی کرو۔۔۔ ابھی مجھے روزنامہ بھی پورا کرنا ہے۔“ ایس ایچ او نے ہانک لگائی۔

چند ثانیوں بعد ہی زینوں پر متعدد قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔

میری دانست میں اس ڈرامے کا وہ انجام خاصا افسوسناک تھا۔ میں دیر اور غزالہ سمیت آزاد و محفوظ تھا۔ میری وجہ سے آنے والا سرکاری حجاب ایک پھر جانتی کو ہستا پڑا تھا۔

رفتہ رفتہ وہ ساری آٹھیں معدوم ہو گئیں۔ نیچے ڈیڑھ گاڑیوں کے انجن بیدار ہوئے گئے۔ دیر اب دستور مجھے پر چھپی ہوئی تھی۔ میں اواس کے عالم میں آخری بیڑھی پر بیٹھا اگلے اقدام کے بارے میں

انہیں کچھ نظر نہیں آیا۔

”وہ ڈھیلی کا منتر تھا۔ آخری لمحات میں یہ مجھے چمچے پر اتار لے گیا تھا۔“ ویرا اقبالہ مار کے بولی۔  
 ”بے ہوش قیدی کو لے جانے والا آدمی بھی ابھی تک نہیں لوٹا۔“ انہیں اپنی باتوں میں الجھا ہوا چھوڑ کر میں بشرے سے مخاطب ہو گیا۔

”اسے اب تک لوٹ آنا چاہئے تھا۔“

”اس وقت ہماری نظری بہت کم رہ گئی ہے۔ ہم میں سے کوئی باہر نہیں جاسکتا۔ تم مجھے پر جا کر تار جوڑنے کی کوشش کرو۔ انہیں رات ختم ہونے سے پہلے تھانے سے واپس لانا ہے۔“  
 ”میں کوشش کرتا ہوں۔ ویسے تو سارے پولیس والے واپس چلے گئے ہیں لیکن میرا اندازہ ہے کہ انچارج نے یہاں کی عمرانی کے لئے ایک دو آدمی ضرور چھوڑے ہوں گے۔ تم بالکل باہر نہ نکلتا۔“

میں اس کی ہمدردانہ ہدایت پر مسکرا کر رہ گیا۔ وہ بے چارہ اپنی شناخت کے غیر موثر ثابت ہونے پر سخت شرمندگی میں مبتلا نظر آ رہا تھا جب کہ اس معاملے میں وہ سراسر بے قصور تھا۔  
 وہ خاموشی سے چلا گیا اور میں نے ٹیل گرینٹ ہاؤس کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

پولیس والوں نے تلاشی کے دوران میں گھر میں کوئی توڑ پھوڑ نہیں چٹائی تھی لیکن انہوں نے اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو تکبیر کے رکھ دیا تھا۔ الماریوں سے کپڑوں کے ڈھیر باہر گرادیے گئے تھے۔ مسروپوں سے گدے اور تکیے نیچے کھینچ لئے گئے تھے۔ جاکتیر کی بڑی واٹن کینٹ سے ساری بوتلیں نکال لی گئی تھیں۔ نیتیت یہ تھا کہ ویرا اور غزالہ کی مشترکہ خواب گاہ کی سنگار میز کے نچلے خانے میں متفرق چیزوں کے درمیان چھپی ہوئی نیم گن ان لوگوں کی نظروں سے بچ گئی تھی ورنہ تقریباً ہر چیز کے ساتھ اکھاڑ پھانسی گئی تھی۔

میں نے کئی بار دونوں فون دیکھے لیکن وہ بدستور بے جان پڑے ہوئے تھے۔

کچھ دیر بعد فیکٹری کا آہنی چھانک کھلنے کی پرشور آواز سن کر ہم تینوں بری طرح چونک پڑے۔ میں نے بے ساختہ برآمدے کی تمام روشنیاں گل گئیں اور اندھیرے میں چھپ کر چھانک کا جائزہ لینے کے لئے ادھر دوڑ لگا دی۔ اس آواز پر غزالہ کے ساتھ ویرا بھی بولھا گئی تھی کیونکہ اس فیکٹری کا چھانک عام طور پر بہت زیادہ شور کے ساتھ نہیں کھلتا تھا۔

میں برآمدے میں پہنچا تو وہ دونوں فون بھی سائے کی طرح میرے پیچھے لگی ہوئی تھیں۔

یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ کھلے ہوئے چھانک میں سے اول خان کے تیسرے آدمی کی گاڑی اندر داخل ہو رہی تھی۔ آخر کار وہ پر آب ادھیکاری سے چھٹکارا حاصل کر کے آئی گیا تھا۔ اس کی

مونٹ کے سوداگر [14]

کے لیتے ہیں۔“

”خدا کا خوف کرو ویرا!“ میں نے اسے پرے دھکیل دیا ”یہ بڑی سنگین رات ہے۔ ہمارے تین آدمی تھانے پہنچ چکے ہیں اور ہر طرف ہماری تلاش جاری ہے۔ ان خطرناک حالات میں تمہیں اگھیلیاں سمجھ رہی ہیں۔ بعض اوقات تم بے حسی کی حد تک خود غرض ہو جاتی ہو۔“

”خود غرض نہیں“ یہ میرا رانا مرض ہے۔“ وہ دہلی دہلی ہنسی کے ساتھ بولی ”سنگین خطرات میں گھرنے کے بعد میری جمالیاتی حس پوری طرح بیدار ہو جاتی ہے اور میں ہنسنے لگتی ہوں۔ ان تینوں کے بارے میں تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان احمقوں نے اپنے پیچھے سے فون بند کروانے کے بجائے تار کاٹنے پر اکتفا کیا ہے۔ تم تار جوڑ کر اول خان سے بات کر سکو گے۔ وہ اگر سارے معاملات

سنبھال لے گا۔“  
 میں نے اندرون دیوار کی آڑ میں نیچے بیٹھ کر مگر مٹ سلگائی اور اپنی سوچوں میں گم ہو گیا۔ ویرا کے دماغ پر اس وقت واقعی شوخی سوار تھی۔ وہ بھی میرے برابر میں آہٹھی۔ اس بار میں نے اسے روکنے کا نوکسنے کے بجائے نظر انداز کرنے کا فیصلہ کر لیا۔  
 میں سرگرم ختم بھی نہیں کر پایا تھا کہ بشر اور اپنا پچا ”آجاؤ“ سراوہ لوگ جا چکے ہیں۔“

”نیچے کون کون ہے؟“ میں نے انجان بن کر سوال کیا۔

”آج پہلی بار ہماری شناخت نہیں مانی گئی۔“ وہ دکھ بھری آواز میں بولا ”اس شناخت پر ہمارے لئے چھاؤنیوں کے دواڑے کھل جاتے ہیں۔ وہ تمہاری تلاش میں تھے۔ ناکام ہونے کے بعد دوسروں کو اٹھالے گئے۔ اب میرے ساتھ بی بی صاحبہ ہیں اور ارشد نے بھانک پر ڈھونڈنی سنبھال لی ہے۔“

”جلدی سے ٹیلی فون کے کئے ہوئے تار جوڑو، مجھے اول خان سے بات کرنی ہے۔“ میں نے زبے اترتے ہوئے کہا۔

”میں نے تار جوڑ دیے ہیں لیکن فون کام نہیں کر رہا۔“ اس نے بری خبر سنائی ”شاید انہوں نے جھینگے مار کر ٹیلی گراف کے کھمبے پر سے تار توڑ دیے ہیں۔ مجھے میز می لے کر کھمبے پر جانا

ہو گا۔ ہم زبے طے کر کے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے جہاں ایسی اتھری بیچلی ہوئی تھی جیسے وہاں بدست شریوں نے افرا تقری چٹائی ہو۔ قالین جگہ جگہ سے سنا ہوا تھا۔ جلی ہوئی سگریٹوں کے ٹوٹے قالین پر مٹلے ہوئے تھے۔ صوفے وغیرہ اپنی جگہیں چھوڑ چکے تھے اور کرا تبا کو کے طے جملے دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ غزالہ ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں خاموشی اور وقار کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

”وہ اوپر گئے تو میرا دم نکل گیا تھا کہ تم دونوں پکڑ لئے جاؤ گے۔“ وہ ویرا سے گلے مل کر کہتی ہوئی آواز میں بولی ”وہ ناکام واپس لوٹے تو میں اور زیادہ پریشان ہو گئی کہ کھلی چھت سے تم دونوں کہاں غائب ہو گئے۔ تم نے ان لوگوں پر کیا منتر پھونکا تھا کہ

اس نے اپنا ہاتھ پیشانی تک لے جا کے سلام کیا اور فوراً ہی واپس لوٹ گیا۔

”موتی لال کے معاملے میں ابھی تک ساری خوش نصیبیاں ہمارا ساتھ دے رہی ہیں۔“ میں نے ویرا سے کہا ”پہلے وہ پولیس والوں کی نگہوں سے بچا رہا اب چوہوں میں عیش کر رہا ہوگا۔“

”اس پر لعنت سمجھو اور اپنے ساتھیوں کی فکر کرو۔ ان کے بارے میں تمہارے دار کے تو راجھے نہیں تھے۔“ غزالہ نے میرے تمبرے پر کسی خوشی کا اظہار کئے بغیر کہا۔

”ان کے لئے اول خان ہی کچھ کر سکتا ہے۔“ میں نے اواسی سے کہا ”ہم اس کا انتظار کریں گے۔“

وقت کا سفر جاری رہا۔ انتظار کرتے کرتے ہماری آنکھیں پتھر اُٹنے لگیں لیکن اول خان نہیں آیا۔ اس دوران میں بشیر بھی ناکام رہا تھا۔ کبھی پر اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ گھجوں میں فیکٹری کے تاریک کونوں میں گھس گیا تھا۔ اسے تاروں کے سرے مل جاتے تو وہ انہیں کسی دوسری لائن سے بھی جوڑ چکا تھا لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آ سکی تھی۔ اول خان کو فیکٹری میں پولیس کی موجودگی کی خبر مل چکی تھی اس لئے ٹیلی فون کا معاملہ اتنا اہم نہیں رہا تھا لیکن اول خان کی آمد میں ہونے والی غیر معمولی تاخیر نے ہم تینوں کو ایک نئی تشویش میں مبتلا کر دیا تھا جو ہر لمحے بدھتی ہی جاری تھی۔

جیم کلارک کے قتل اور پھر اس کے ملک کے سفارت کاروں کے متوجع دہانے کے نتیجے میں اسٹیش ٹانک فورس والوں نے ہنگامی پلانے پر اسٹیشن فور کو اس کے برائے ٹھکانے سے سپر ہائی دے کی ایک دور افتادہ فائبرک ریج میں منتقل کر دیا تھا۔ مجھے خوف لاحق ہو چلا تھا کہ اول خان وہاں سے بدھوای کے عالم میں روانہ ہونے کے بعد ٹریفک کے کسی حادثے کا شکار نہ ہو گیا ہو۔

مجھے بہت شدت سے ایس ٹی ایف کے حساس لاسٹکی مواصلاتی آلات یاد آ رہے تھے لیکن بدھتھی سے اس رات کسی کے پاس کوئی اپریش نہیں تھا۔

ہم تینوں مصروف رہنے کے لئے ڈھونڈ ڈھونڈ کر موضوعات تلاش کرتے رہے مگر ہر بحث چند فقروں کے بعد دم توڑ جاتی تھی۔ ویرا کو شکوہ تھا کہ پولیس والے جاگیر کی خواب گاہ سے شراب کی ساری بوتلیں سمیٹ کر لے گئے ورنہ وہ بدھ نوٹی میں مصروف رہ کر صبح تک چاق و چوبند رہ سکتی تھی۔ اس نے بجا طور پر یہ نشان دہی کی کہ میں پچھلے چند دنوں سے بے نوٹی سے گریز کر رہا تھا۔ اسے میں نے مذاق میں ٹال دیا مگر حقیقت یہ تھی کہ اس بارے میں مجھ پر خود ملاحتی کی رو عاری تھی۔

میں ہیروئن کا شکار ہونے والوں کے وردناتک انجام سے لرز کر شی کے خلاف ہوا تھا۔ بنیادی طور پر میرے وہ احساسات منشیات کی اس سازشی دبا کے خلاف تھے جو ہمارے نوجوانوں کو تیزی کے ساتھ مفلوج اور ناکام بنا رہی تھی جب کہ میں خود شراب کے نشے میں مبتلا تھا۔ یہ لعنت ایک شوق سے بڑھ کر رنڈ رنڈ میری

گھاڑی اندر پہنچنے ہی ارشد نے دوبارہ چٹانک بند کر دیا۔ اس بار بھی اس نے آہنی کڑوں کو دانستہ کھڑکایا تھا تاکہ اندر والے چٹانک کھلے اور بند ہونے سے باخبر نہ رہیں۔

”اوپر چلے آؤ!“ میں نے تیسرے آدمی کو گاڑی سے اترتے دیکھ کر برآمدے سے ہدایت دی اور وہ گاڑی کے دروازوں کو دیکھے بجائے بغیر دفتری عمارت میں داخل ہو گیا۔

میں اس کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ میں واپسی میں تاخیر ہونے پر اس سے کڑی باز پرس کا ارادہ کئے بیٹھا تھا لیکن اس نے میرا سامنا کرتے ہی مشینی انداز میں بولنا شروع کر دیا ”میں واپس آیا تو یہاں پولیس کی کئی گاڑیاں جمع تھیں۔ میں اندر آنے

کے بجائے آگے نکلا چلا گیا۔ میں ٹیلی فون کر کے یہاں کے حالات بتانا چاہتا تھا لیکن مجھے کہیں کوئی پبلک ٹیلی فون نہیں مل سکا۔ میں نے بڑی مشکل سے ایک میڈیکل اسٹور سے فون کیا تو کانی دیر تک ماں کے دونوں فون مصروف ملتے رہے۔ اس پر میرا ہاتھ ٹھکا کہ ماں کوئی گریز نہ ہو گئی ہے۔ میں صاحب کو یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔ میں نے مجبور ہو کر اسٹیشن فور کے ڈیوٹی آفسروں کو یہاں کے بدلے ہوئے حالات سے آگاہ کرنے کے لئے فون کیا تو وہاں صاحب خود موجود تھے۔ فیکٹری پر پولیس کی کئی گاڑیوں کی موجودگی کی خبر سن کر وہ ہیشان ہو گئے۔ وہ کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ انہیں خبر دینے کے بعد میں نے ایک پٹرول پمپ سے گاڑی کی اسٹیشن پر پرائیماٹاز ڈھویا تاکہ کسی ایمرجنسی میں ہم صرف ایک ٹائر کی وجہ سے نہ ہنس جائیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں سیدھا آیا ہوں۔“

اس کی تفصیلی رپورٹ سن کر میرا غصہ فرو ہو گیا اور میں نے نرمی لہجے میں کہا ”تم نے میرا بہت بڑا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔ میں اول مان سے بات کرنے کے لئے بے چین تھا۔“

”پولیس ہمارے تین آدمیوں کو لے گئی ہے۔ فون کی لائنیں می توڑ چھوڑ دی گئی ہیں۔“ ویرا نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا ”بشیر کبھی پریمیری لگا کر تار جوڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”میں اسے دیکھتا ہوا آیا ہوں لیکن اس کے پاس نہیں رکا

نا۔“ ”تم واقعی بہت ہوشیار ہو۔“ مجھے اعتراف کرنا پڑا ”تم نیچے ی موجود رہو۔ ہمیں اول خان کی آمد کا انتظار کرنا ہے۔ تمہارا نیدی اسی گودام میں بندھا ہوا ہے۔ وہاں اندھیرا ہی رہنے دنا۔“

”اندھیرے میں تو وہ نیچے چڑھ کر قیامت کھڑی کر دے گا۔“ وہ دکھلائے ہوئے لہجے میں بولا ”اس گودام میں پلیوں کے برابر چوہے مرے ہوئے ہیں۔ اسے اوجڑ کر رکھ دیں گے۔“

”فکر مت کرو۔۔۔ اس کے منہ میں کچڑا بھی خٹسا ہوا ہے۔“ برا بے پروائی سے بولی ”چوہے اس کے کھلے ہوئے زخموں پر چڑھ گاتے رہیں گے تو جی تک اس کا دماغ ٹھکانے آجائے گا۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ اس گودام میں پہلے سے قدرتی تشدد کا انتظام ہے۔“

”بہت معمولی سا حاضرواغی تھی۔ بات ذہن میں آئی اور میں ویرا کو لے کر تاریک پیچھے پر اتر گیا۔ انہوں نے میری توقع نہ عین مطابق ادھر جھانکنے کی زحمت نہیں کی اور ہم صاف چم گئے۔“

”ایس ایچ او کی ٹوٹی اور پٹی کے ساتھ ریو اور بھی ہمارے سامنے ڈال دیا تھا۔“ جانتی تھی کہ میری آواز میں بتایا ”اس کو بہت سے ماتحتوں سمیت معطل کر دیا گیا ہے۔ ان کی بحالی ہماری مرضی کے بغیر نہیں ہوگی۔“ اول خان نے پورے لمحے کو بلا کر رکھ دیا تھا۔ اس وقت بھی ایس ایس کی کے عہدے تک کے سارے افسر تھانے میں سر جوڑے بیٹھے ہیں تاکہ آئندہ ایسے کسی تصادم کا اعادہ نہ ہو۔“

”مگر یہ ہوا کیسے؟“ مجھے گزرے ہوئے واقعات پر سخت غلط تھی ”بشیر اور ارشد کی شناخت کو تسلیم کیوں نہیں کیا گیا؟ میں تو پیش اس بات پر رکتا رہا ہوں کہ تمہارے آدمیوں کو بدترین حالات میں بھی شہر بھر میں کہیں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔“

”اتفاق!“ اول خان مسکرا کر بولا ”لیم اور راجہ کے قتل کے بعد رونما ہونے والے واقعات کے حوالے سے میں پہلے ہی تھیں بتا چکا ہوں کہ ملک کے ہر پولیس افسر کو اس بات سے آگاہ کرنا عملاً ممکن نہیں ہے کہ ایس ایف ایف کیا ہے اور یہ کن لوگوں کی پشت پناہی کرتی ہے۔ قانون سے ماوراء غیبی اداروں کے اہل کاروں کو سب سے بڑی مشکل یہی پیش آتی ہے کہ کسی بھی وقت کوئی ان کا جواز تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور کوئی المناک سانحہ رونما ہو جاتا ہے۔ ایس ایچ او کے دماغ پر پندرہ لاکھ کی انعامی رقم سوار تھی۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ بشیر اور ارشد کے اختیار کو مسترد کر کے وہ کیا کر رہا ہے۔ تھیں یہ سن کر شاید دکھ ہو گا کہ یہاں سے لے جانی جانے والی ہر چیز اس نے اپنے ہاتھوں سے گاڑی میں لادی ہے۔“

”تو کیا ہتھیاروں کی چٹی بھی واپس لوٹادی گئی؟“ غزالہ نے تعجب سے پوچھا۔

”میں نے کہا کہ ہر چیز آگئی ہے۔ اس وقت ہم فرضی شکایت بھی کر دیں تو ہماری بتائی ہوئی مزید اشیاء بازار سے خرید کر لوٹائی جائیں گی۔“ اول خان نے زور دے کر کہا ”اب پولیس والے جانتی تھی کہ پیش در رہیں گے میری طرح وہ بھی اس سبق کو نہیں بھلا سکیں گے۔“

”تمہارے آدمی بہت ہوشیار اور فرض شناس ہیں۔“ میں نے بجا طور پر تعریف کرتے ہوئے کہا ”پر تاہم کو لے جانے والے نے باہر سے حالات بھانپ کر تھیں بروقت مطلع نہ کیا ہو تا تو تمہیں بہت تاخیر سے اس واقعے کا علم ہوتا۔ انہوں نے فون کے تار نوچ کر ہمارے دست و پا زود کاٹ دیے تھے۔“

”فکر مت کرو۔ اب وہ خود ہی تمہارے فون درست کر دے گا۔“ میں نے کہا ”اب وہ پھر رہے ہوں گے۔ آج میرے آدمیوں کے ساتھ عین زیادتی کی گئی ہے۔ اگر میں اس واقعے کی باقاعدہ رپورٹ

بازر ضرورت بنتی جاری تھی۔ میرے اعصاب اس کی طلب میں جلا رہے تھے۔ یہ احساس ہوتے ہی میرے ذہن پر خود ملاستی کی ایک لہر طاری ہو چلی تھی۔ شراب کی طلب ابھرتے ہی میرے ذہن کے کسی گوشے سے ملاحت بھری تنبیہ ابھرتی تھی اور میرا بڑھتا ہوا ہاتھ رک جاتا تھا۔ میں نے نہایت خاموشی کے ساتھ اپنی اس بری عادت سے چمکرا پائے کی کوشش شروع کی تھیں مگر مجھے حیرت تھی کہ دیرانے اس خاموش تبدیلی کو بھی محسوس کر لیا تھا۔

ہم تینوں نے مقصد باتوں پر سر ہکا کر طویل ہوتے ہوئے انتظار کی اعصاب شکن گھڑیاں گزارتے رہے۔ صبح زحمتی بجے کے قریب منتفی علاقے کی فضا میں رہے ہوئے دھندلے مشین شور کے تسلسل میں کسی ہارن کی تیز آواز گونجی تو ہم چونک پڑے۔ وہ آواز فیکٹری کے چھانک کے قریب ہی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

میں اپنی جگہ چھوڑ کر دوبارہ تاریک پر آمدے میں پہنچ گیا۔

ارشد نے دانستہ پر شور آوازیں پیدا کر کے آہنی چھانک کھولا۔ کار پر پہلی نظر پڑنے ہی میرا دل خوش ہو گیا۔ آنے والی کار کی ڈرائیو تک سیٹ پر اول خان نظر آ رہا تھا۔ اس کے برابر والی سیٹ پر جانتی بیٹھا ہوا تھا۔ پچھلی نشست بھی خالی نہیں تھی۔ فون بند ہو جانے کے بعد ہم لوگ باہر والوں سے کئے ہوئے تھے لیکن اول خان نے شاید فیکٹری میں پولیس کی موجودگی کی خبر پاتے ہی اپنی کار روائی کا آغاز کر دیا تھا۔

اس نے اسٹیشن فور کی نئی عمارت میں بیٹھے بیٹھے پورے واقعات کا سراغ لگایا اور فیکٹری سے تین افراد کی گرفتاری کی خبر سننے ہی فیکٹری آنے کے بجائے متعلقہ تھانے کی طرف دوڑا۔ اس نے وہاں کیا طوفان کھڑا کیا ہو گا؟ وہ ایک انگ کمانی ہو سکتی تھی۔ اہم ترین بات یہ تھی کہ وہ وقت ضائع کئے بغیر تینوں افراد کو تھانے سے نکال لایا تھا۔

گاڑی کا انجن بند کر کے وہ چاروں چند ٹائیوں کے لئے نیچے رک کر بشیر سے باتیں کرتے رہے پھر عمارت میں داخل ہو گئے۔ ہم تینوں ان کے استقبال کے لئے لپک کر زینوں پر پہنچ گئے۔

”خدا کا شکر ہے کہ اول خان نے ہمیں بے آبروئی سے بچالیا۔“ سلطان شاہ نے سامنا ہوتے ہی بے ساختہ کہا ”ورنہ آج ہماری مٹی پلید ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہتی تھی۔“

سلطان شاہ اور جانتی، اول خان کے ساتھ تھے۔ وہ تینوں اوپر بیٹھے بھی نہیں پائے تھے کہ ایس ایف کے تینوں آدمی جانتی کی بوتلوں کے وزنی تھیلے اٹھائے اور آگے۔ بشیر خان غالباً گاڑی سے اترتے ہی اپنی جگہ سنبھال چکا تھا۔ سلطان شاہ حیرت سے میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔

”آج کی یہ چوٹ مجھے عمر بھر یاد رہے گی۔“ اول خان متاسفانہ آواز میں بولا ”سب کچھ اتنے منظم طریقے پر ہوا کہ کوئی بھی دوسروں کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔ مجھے حیرت یہ ہے کہ تم کھلی ہوئی ہچمت پر ہونے کے باوجود پولیس والوں سے کیسے بچ گئے۔“

نے جم کلا رک کی موت کے بعد ہی سے رٹ لگائی ہوئی ہے کہ یہاں مجرموں اور ان کے دشمنوں سے جانب داری برتی جا رہی ہے۔  
 ”ان کے بارے میں بہت زیادہ سوچنا چھوڑ دو!“ اول خان نے سنجیدگی سے کہا ”اس وقت ان کی سوچ بہت زہریلی ہو چکی ہے۔ انہوں نے افغانستان کی آزاد سرحدی پٹی میں مقناہیں کو وسائل پیدا کرنے کے لیے اہم سے بہروں بنانے کی تربیت دی۔ افغانستان کو روسوں کا قبرستان بنانے کی آرزو میں انہوں نے مستقبل کے بھیاک خطرات پر غور کرنے کے بجائے وقتی فائدوں پر نگاہ رکھی۔ بہروں کی بڑے پیمانے پر تیار کی گئی خفیہ سرپرستی کے ساتھ اس کی مارکیٹ بھی پیدا کرتے رہے اور اب بہروں کی اندھی آمدنی رفتہ رفتہ پاکستان کی تحویل میں آنے لگی ہے تو ان حرام زادوں کو درجہ جگر شروع ہو گیا ہے۔“

”بہروں کی آمدنی پاکستان کی تحویل میں؟“ ویرا نے حیرت سے دہرایا ”یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم نے پاکستان کے بجائے پاکستانیوں کا ذکر کیا ہو تا تو متاثر رہتا۔ میں خود درختوں ایسے پاکستانیوں سے واقف ہوں جو افغانستان سے لائی جانے والی بہروں اور ہتھیاروں کے بہرہ جہیز میں ارب پتی بن چکے ہیں۔“

”میں اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہہ رہا“ اول خان سنجی سے بولا ”یہ ان کی متعصبانہ بلکہ زہریلی سوچ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان بہروں کی غیر قانونی تجارت سے ہماری سرمایہ حاصل کر کے دنیا بھر کی کھلی منڈیوں سے نقد ادائیگی پر ایسے آلات اور خام مواد خرید رہا ہے جو اس کی جوہری استعداد میں دوزخ بوز اضافہ کر کے اسے ان کے ہم پلہ بناتے جا رہے ہیں۔ یہ باتیں میں مدتوں سے سنتا آ رہا ہوں مگر آج میں نے پہلی بار اپنی زبان کھولی ہے۔ پوری امریکن قوم میں یہی زہر پھیلا یا جا رہا ہے۔ کوئین کی تیاری کے لیے امریکا سے ہزاروں ٹن ایتھین اور ایتھائل ایٹر کو لیبیا بھیجنے والے تجارتی اداروں کی پردہ پوشی کی جاتی ہے لیکن منشیات کے چھوٹے سے چھوٹے پاکستانی کیریئر کو بھی بہروں کے عالمی اسمگلر کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے حق میں یہ بھیڑیے بنے ہوئے ہیں اور اس کی جائز بات کو بھی غلط رنگ میں اچھالتے ہیں۔ انہوں نے اپنا ایک تصور بنایا ہے کہ پاکستان میں قانون کی کوئی عمل داری نہیں ہے۔ یہاں ہر کام طاقت اور غنڈا گردی یا پھر پیسے کے تل پر کیا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں سوچ کر اپنے ذہنوں کو مت تھکاو۔“

”مجھے خوشی ہے کہ آج تم میرے سامنے کھل کر بولے ہو۔“ ویرا نے اول خان کی تلخ و ترش تقریر پر مسرت سے کہا ”میرا باپ امریکن تھا۔ میں خود بھی اسی سرزمین کی پیداوار ہوں مگر میں تمہارے روشن خیالات سے سو فیصد متفق ہوں۔ یہ کھلا اندھیرے کہ واقفین میں منشیات کے بے تاج بادشاہ دھانٹ داس کی مسمان داری سے فیض اٹھاتے رہیں اور واقفین والے اسلام آباد سے ہر چھوٹے بڑے اسمگلر کو اپنی تحویل میں دینے کا مطالبہ کرتے

”کون سی افروں کی نوکریاں جاتی رہیں گی لیکن میں نے اس بات کو یقیناً سمجھنے کا ارادہ کر لیا ہے۔“  
 ”لیکن یہ سب کیسے ہوا؟“ سلطان شاہ بولا ”پولیس اچانک ہی یہاں کیوں چڑھ دوڑی؟“

”میں اس بارے میں پھت پر پولیس والوں کی باتیں سن چکا تھا مگر حیرت ہی رہا۔ اول خان کی اطلاع زیادہ مستند ہوئی چاہیے تھی۔“

”کسی غیر ملکی نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں تمہارے کے عمر کو فون پر اطلاع دینی تھی“ اول خان نے ہم لوگوں کو آگاہ کیا ”سب کے ذہنوں میں ایک ہی بات آئی کہ جبری کرنے والا تو فصل خانے کا کوئی ملازم تھا۔ ایس اچ او کا خیال تھا کہ تو فصل خانے نے ڈینی کی گرفتاری پر خطیر انعام مقرر کیا ہے۔ وہ لوگ اسے ہر قیمت پر پکڑوانا چاہتے ہیں لیکن کھل کر خود میدان میں بھی نہیں آتا چاہئے۔ ایس اچ او کو کئی بگائی روٹی کی صورت میں پندرہ لاکھ ملنے کی امید بندھی تو اس نے تیاری شروع کر دی۔ اتنا بڑا انعام نہ ہوتا یا فون کرنے والا کوئی ستای ہوتا تو ایک فون پر اتنی بڑی کارروائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔“

”تمہاری دانست میں تمہارے کو کون فون کر سکتا تھا؟“ ویرا نے پوچھا۔

”دیوے تو کوئی بھی ہو سکتا تھا لیکن دوسروں کو ڈینی کی کہیں گاہ کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ اس راز سے صرف ایلن سیٹریال اور ہیلرنگ واقف ہیں“ اول خان نے میرے بتائے ہوئے پورے نام دہرا کر سب کو حیران کر دیا ”وہ فون کال ان ہی کی طرف سے کی گئی ہوگی۔ فیکٹری کے نواح میں فائرنگ کی زد سے وہ بچ کر کھل گئے لیکن انہوں نے پولیس کو تمہارے پیچھے لگا کر بدل لے لی۔“

”بدل؟“ ویرا نے تعجب سے پوچھا ”میرا تو خیال ہے کہ وہ کیسکی کے مرکب ہوئے ہیں۔“  
 ”تم جو چاہو سمجھ لو۔ میں نے اپنی رائے ظاہر کر دی ہے۔ ان دونوں کے سوا کراچی میں کوئی تیسرا فرد نہیں ہے جو تمہاری اس پناہ گاہ سے واقف ہو۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تم لوگ ان کے دار سے بال بال بچ گئے ہو۔ کسی وجہ سے مجھے پتہ نہیں چلے کہ وہ جاتی اور تمہارے ریکارڈ میں تم لوگوں کی گرفتاری کا اندراج ہو جاتا تو ایس اچ او کی مرضی کے بغیر ہمیں باہر نہیں نکالا جاسکتا تھا۔“

”وہ دونوں اب بھی چین سے نہیں بیٹھے ہوں گے جلدی انہیں پتہ چل جائے گا کہ ان کا دار خالی کیا ہے۔ میں صاف بچارا۔ میرے جو سامع پکڑے گئے، وہ بھی تھوڑی دیر میں رہا کر دیے گئے۔“

”پتا چلے دو“ اول خان نے بے پروائی سے مجھے تسلی دی ”ان خبروں سے ان کے حوصلے مزید پست ہوں گے۔ انہیں اچھی طرح اندازہ ہو جائے گا کہ تم یہاں کمرے اٹھو سوخ کے مالک ہو۔“  
 ”امریکن بہت بتائیں گے“ ویرا قہقہہ لگا کے بولی ”انہوں

دنیا بھر کی تاریخ اور جغرافیہ کا پوسٹ مارٹم کر رہے ہو جیسے ڈاکٹر نے تمہیں طلوع آفتاب کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی ہدایت کی ہو۔ میری ہڈیوں میں اتنا دم نہیں ہے کہ میں ساری رات یہاں بیٹھا رہوں۔ میں سونے کے لیے جا رہا ہوں۔

”ضرور جاؤ۔ تمہاری خواب گاہ کبائز خانہ بنی ہوئی ہے“ ویرا نے اسے چڑایا۔

”میں قاتلین یا بھرفش پری سولوں گا“ وہ تھکے ہوئے قدموں سے اندر کی طرف چل دیا۔

”تمہارے سے تمہارا ذخیرہ واپس آگیا ہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ تم زیادہ دیر تک چار معقول آدمیوں کی محفل میں نہیں بیٹھ سکو گے۔ تمہاری بوتلوں میں بڑی مقناطیسی کشش ہے“ ویرا بولی۔

جناگیر نے اس کے تھمرے کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور مڑ کر دیکھے بغیر اپنی خواب گاہ کی طرف غائب ہو گیا۔

”جناگیر ٹھیک سی کہ رہا تھا“ اول خان نے اپنی رست واپس پر نگاہ ڈال کے کہا ”چار بیٹے والے ہیں۔ مجھے بھی واپس چلنا چاہیے۔ بلا وجہ آج کی رات بھی کالی ہو گئی۔ اب میں گھر جا کر آرام کروں گا۔“

اسی کے ساتھ سب اپنی جگہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ جانے سے پہلے اول خان نے اپنے تینوں آدمیوں کو نگرانی اور باری باری آرام کرنے کے بارے میں بریفنگ دی۔ میں نے اسے الہین کی تلاش پر کسی کو مامور کرنے کے بارے میں یاد دہانی کرائی وہ سب سے ہاتھ ملا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

”قاتلوں میں ایک اہم ترین نکتہ رہ گیا۔ اس کی وضاحت نہیں ہوئی تو مجھے سکون سے نیند نہیں آسکے گی۔“ ویرا نے کسی فوری خیال کے تحت بڑھ کر اول خان سے کہا۔

”جلدی سے کہہ جاؤ۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟“ وہ انگلیش سے چابی بنا کے بولا۔

”وہ بیٹی کی گرفتاری کے لیے پورا تمنا ہی یہاں چھو آیا تھا۔ نیچے سے اوپر تک سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ ہم سب یہاں مقیم ہیں۔ ان کے ذریعے یہ بات ضرور پھیلے گی۔“

”میں سمجھ گیا“ وہ ویرا کی بات کاٹ کے بولا ”میں خود بھی نہیں چاہوں گا کہ تشویر کے بعد تم لوگ یہاں رکے رہو۔ آج کی رات بسر کرو۔ کل کسی نئے بندوبست کے بارے میں سوچیں گے۔“

اس نے انجن اشارت کیا اور گاڑی کو کھلے ہوئے پھاٹک سے باہر لیتا چلا گیا۔ اسے الوداع کہنے کے چکر میں، میں آگے بڑھا تو ٹیلی فون کے قریبی کھمبے پر دو آدمی چڑھے ہوئے نظر آئے۔ وہ رات کی روشنی میں فون کی لائنیں مرمت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

رہیں۔ حیرت اس وقت ہوتی ہے جب لوگ کان دبا کر مطلوبہ مضمون کو ان کے حوالے کر دینے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔“

”مجرم بلکہ ظلم ان کے حوالے نہ کیا جائے تو وہی ہوتا ہے جو لیبیا کے قذافی کے خلاف ہوتا آ رہا ہے۔ آبادی اور صدیقی محل پر بمباری کی جاتی ہے۔ نفوذ و شاعت کے ہر ذریعے سے ایسی کردار کشی کی جاتی ہے“ سلطان شاہ کندھے اچکا کے بولا ”قذافی کو تو اعلیٰ ترین سرکاری سطح پر پائل، جنونی، وحشی بلکہ لوطی تک کہا جا چکا ہے لیکن اس کے لوگ پھر اس سے پیار کرتے ہیں۔“

”میں حساس موضوعات پر بہت کم بولتا ہوں“ اول خان قدرے ہر سکون ہو کر بولا ”تمہارے سامنے میں تمہارے ہم وطنوں کی سفائیوں کا ذکر کرنے سے گریز کرتا رہا ہوں کیونکہ ہم رواداری اور بقائے باہمی میں یقین رکھتے ہیں۔ آج میں اس لیے بولا کہ اپنے باپ کے قتل کے بعد تم اپنی پرانی شہریت سے دستبردار ہو چکی ہو۔ امریکن دنیا بھر میں اپنی تہذیب ترقی اور معنی آزادیوں کا دھندلورہ بیٹے پھرتے ہیں۔ انہوں نے کہہ ارض پر ایسا سحر طاری کیا ہے کہ ہر شخص ان کی آواز میں آواز ملانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ نیکل میری نظروں میں امریکن تہذیب اس دنیا کا سب سے بڑا ماسور ہے۔ پورے یورپ کے ڈاکوؤں، قاتلوں اور بھگڑوں کی سلیبس وہاں آباد ہیں۔ اپنے اپنے سناشرے کے ان باغیوں نے امریکا میں پھیل کر وہاں کے اصل باسیوں کو مزید گھنے جنگلوں میں دھکیل کر اچھوت بنادیا ہے۔ وہ ریڈ انڈین قبائل کو انسانی ہمدردی کے نام پر مفت تمباکو اور سستی شراہیں فراہم کرتے ہیں تاکہ وہ دن رات نشے میں ڈوب کر دنیا سے کٹے رہیں۔ مساوات اور ترقی کے نعرے اس وقت بھلے معلوم ہوتے جب ان نعمتوں کے اثرات پرانے مقاموں پر بھی نظر آتے۔ اب نے چاروں کو بے رحمی سے بھلا دیا گیا ہے۔ قلموں اور کمانیوں میں ان کی بربریت کی تشویر کر کے انہیں قابلِ نفرت بنادیا گیا ہے۔ وہ ایمیزن کے گھنے جنگلات میں رہتے ہیں جہاں تشویری کیمرے جاتے ہیں، نہ باہر سے آنے والوں کا گزر ہوتا ہے۔ ہر آنے والا شہروں کی روشنی اور چمک دمک سے مرعوب ہو کر رہ جاتا ہے۔ آزادی کے بیٹار پر چڑھنے والوں کو جنگلات کی تاریکیوں میں حیوانی زندگی گزارنے والے وہ قابلِ نظر نہیں آتے جنہیں ان کی آبائی رسوم کا قیدی بنا کر آہستہ آہستہ معدودی کے سمندر میں دھکیلا جا رہا ہے۔“

”یہ امریکا کا ایک نیا ہی رخ ہے۔“ ویرا نے اعتراف کیا ”میں نے وہیں پیدا ہونے اور اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ گزارنے کے باوجود کبھی اس نئی دنیا کے اصل داروں کے بارے میں نہیں سوچا۔ ہر طرف پھیل ہوئی چکاچوند میں کوئی ان کی پس ماندگی کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتا۔ اگر ان نے چاروں کو ایک تہذیبی سازش کے تحت جان بوجھ کر نظر انداز کیا جا رہا ہے تو یہ عمل قابلِ نفرت ہے۔“

”سنو! جناگیر اپنی جگہ چھوڑ کر بولا ”تم لوگ اتنی محنت سے





”تم اطمینان سے اسے جگالو۔ میں پانچ سات منٹ بعد دوبارہ فون کروں گا۔ ریسورسج طرح رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے لائن مصروف ملتی رہے اور ڈیٹی میری کال کے انتظار میں بیچ و تاب کھاتا رہے۔“

دوسری طرف سے سلسلہ موقوف ہونے پر میں نے بھی اسٹیکر فون آف کر دیا۔

”تم ڈرائنگ روم میں کیا کر رہے تھے؟“ ویرا نے صوفے پر بیٹھے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

”نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے یہاں جھک مار رہا تھا۔ کیا تکلیف ہے تمہیں؟“

وہ فیس پڑی ”میرا خیال تھا کہ صرف میں ہی جاگ رہی ہوں اسی لیے بستر پر بیڑی رہی۔ فون کی کھنٹی سننے کے بعد مجھے یقین تھا کہ آنے والی کال مجھے ہی سننی ہوگی۔ اچھا ہوا کہ تم یہاں موجود تھے۔ وہ میری آواز پہچان کر اوٹ پانگ بائیں شروٹ کر سکتا تھا۔“

”بظاہر تو وہ دوستانہ موزمیں معلوم ہوتا ہے لیکن پہلے سے کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ وہ مجھ سے کیا بات کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس فون کال کے ذریعہ وہ صرف یہ جاننا چاہ رہا ہو کہ رات کو فائرنگ کے تبادلے کے دوران میں اسے پہچانا تو نہیں گیا تھا۔“

”تمہیں کسی مشورے کی ضرورت نہیں۔ تم باتوں کے شیشہ ہو کسلے ذہن کے ساتھ اس سے بات کرو۔ کیس نہ کہیں وہ مار کھائی جائے گا۔“ زبان کی ذرا سی درزش کے نتیجے میں ویرا کے چہرے پر رونق آگئی تھی۔ معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ وہ رات بھر کی جاگی ہوئی ہے۔

”تم نے وقت ضائع کر دیا“ میں نے اسے ملامت بھری نظروں سے گھورا ”اس کا فون بند ہوتے ہی یکن میں دوڑ جاتیں تو دوبارہ فون آنے سے پہلے چائے کی دو گرما گرم پیالیاں تیار ہو چکی ہوتیں۔“ وہ جیس پڑی ”اب تو وقت ضائع ہوئی چکا ہے۔ بعد میں دیکھی جائے گی۔“

ایلین کے عزائم کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا اس لیے اس سے گفتگو کے بارے میں پہلے سے کچھ سوچنا بے سود تھا۔ میں ویرا کے ساتھ خوش گہلوں میں وہ چند منٹ گزارتا رہا۔ آخر فون کی کھنٹی بجی اٹھی۔

میں نے اسٹیکر فون آن کر کے پہلے والی آواز میں بولو کہا۔ ”ایلین بول رہا ہوں۔ کیا ڈیٹی بستر سے باہر آچکا ہے؟“ اس کی آواز تجسنا نہ تھی۔

”ہاں۔۔۔ ڈیٹی سے بات کرلو“ میں نے مختصر جواب دیا۔

چند ثانیوں کے بعد میں نے اپنی اصل آواز میں اسے مخاطب کیا تو شب بیداری کی وجہ سے میری آواز پر ہلکا سا بوجھل پن طاری تھا جو عموماً تھار کا نتیجہ ہوتا ہے۔

”تم کہاں ہو؟ میں کئی دن سے تمہاری تلاش میں پورے شہر کی

گھٹا تھا۔ میں اطمینان سے صوفے پر دراز ہو گیا۔ ابھی میں نے پوری طرح آنکھیں بند بھی نہیں کی تھیں کہ اچانک ایک فون کا بزر بج اٹھا۔ میں نے پوری آنکھیں کھول کے اسٹریٹ منٹ کو دیکھا اور دوسری کھنٹی بجتے ہی بن دبا کر اسٹیکر فون آن کر دیا اور پھر جی سے ایک سکرٹنگ لگا لی۔

”ہیلو! میں ایلین بول رہا ہوں۔ مجھے ڈیٹی سے بات کرنی ہے“ صاف اور شستہ انگریزی میں آنے والا وہ پیغام سن کر میں سنسنی محسوس کیے بغیر نہ سکا۔ آخر ایلین کے صبر کا پیمانہ کبیز ہو ہی گیا تھا۔

”ڈیٹی نہیں ہے“ میں نے آواز بدل کر سات لمبے میں کہا اور اسی وقت ویرا مجھے اپنی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔

”تم چاہو تو اس کے لیے اپنا پیغام چھوڑ سکتے ہو“ میں نے کوئی وفد دیے بغیر اپنی بات مکمل کی۔

دوسری طرف لکھ بھر کے لیے سکوت چھا گیا۔ شاید وہ میرا جواب سن کر سوچ میں پڑ گیا تھا پھر اس کی تھکر آمیز آواز ابھری ”وہ اتنے سویرے کہاں چلا گیا؟ مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ اس سے کہاں رابطہ ہو سکتا ہے؟“ ویرا دبے قدموں میرے قریب آکر کھڑی ہو گئی تھی۔

”تم اپنا فون نمبر دے دو۔ میں اس سے تمہاری بات کرادوں گا۔“ میں یہ ٹھکانا چھوڑ رہا ہوں۔ فون نمبر نہیں دے سکتا۔ اس نے چالاکی سے میرا مطالبہ ٹال دیا ”میں دس منٹ بعد دوسری جگہ سے فون کروں تو کیا اس سے بات ہو سکے گی؟“

وہ اپنا نمبر نہیں دے رہا تھا۔ فیکٹری کے نمبر سے واقف تھا۔ میں خود بھی یہ جاننے کی خواہش رکھتا تھا کہ وہ مجھ سے کیا کہنا چاہتا ہے۔ وہ موقع گنوا دینے کے بعد میں جنس میں گمراہ جاتا۔ میں نے اس سے بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔ دوسری طرف ویرا ابھی اس کی آواز پہچان چکی تھی اور پُر زور اشاروں سے مجھے بات کرنے پر آمادہ ہونے کی ہدایات دے رہی تھی۔

”اتنے سویرے تمہیں کیا تکلیف ہے جو اس کی نیند خراب کرنا چاہ رہے ہو؟“ میں نے بدلی ہوئی آواز میں ترشی سے سوال کیا ”اگر یہ زندگی یا موت کا کوئی مسئلہ ہے تو میں اسے بیدار بھی کر سکتا ہوں۔“

”اوہ۔۔۔ تو یہ کہو کہ وہ سویا ہوا ہے“ اس کی آواز مسرت آمیز غراہٹ سے مشابہ ہو گئی ”تم تو اس طرح بات کر رہے تھے جیسے وہ کیس گیا ہوا ہے۔ اسے فوراً بیدار کر دو۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میری آواز سن کر اسے دلی مسرت حاصل ہوگی۔ ہم بیرون ملک ایک دوسرے کے دوست بنے تھے۔“

”مجھے امید تو نہیں کہ وہ آسانی سے بستر چھوڑے گا مگر میں کوشش کرتا ہوں“ میں نے بے دلی سے کہا ”تم لائن ہولڈ کر رہے ہو یا دوبارہ فون کرو گے؟“

ایک روز میرا غائب تھا جو تم ہی نے جلال آباد وغیرہ میں اڑایا ہو گا۔  
 ”تم بہت ذہین اور ہوشیار ہو جاؤ گے۔“  
 ”لیکن میں تمہارے جواب سے ابھی تک مطمئن نہیں ہوں۔  
 کراچی جیسے وسیع شہر میں کسی ماہر ترین کئے کا باپ بھی اس طرح  
 ایک آدمی کا کھنچ نہیں لگا سکتا۔ تم کوئی اہم بات مجھ سے چھپا رہے  
 ہو۔“

”وہ اہم بات بہت مختصر ہے۔ کراچی پہنچنے کے بعد مجھے علم  
 ہوا کہ تمہیں بددعا نامی کسی پرانے بدعاش کے آدمیوں نے اغوا  
 کر کے شکارا دیلی پہنچایا تھا۔ بددعا اب ٹرانسپورٹرز چکا ہے اس  
 سے رابطہ ہوتے ہی بہت سی باتیں سامنے آئی چلی گئیں۔“  
 ”ان باتوں پر روشنی ڈالتے چلو تو زیادہ بہتر ہے گا۔“ میری آواز  
 تلخ تھی کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ اسے  
 ہمارے بارے میں معلومات موتی لال سے حاصل ہوئی تھیں لیکن  
 مجھ سے جھوٹ بولنے کے لیے اس نے بہت کئی تیاری کی ہوئی تھی۔  
 کرید کرید کر وہ کچھ کچھ بکے تھے کہ میں آسانی سے اسے نہیں  
 جھٹکا سکتا تھا اور اس کی کمائی تسلیم کرنے پر مجبور تھا۔

”تمہاری جانتی نامی کسی آدمی سے بہت پرانی دوستی ہے۔  
 پہلے وہ بھی ہماری لائن کا آدمی ہوا کرتا تھا لیکن اب تائب ہو کر  
 بزنس میں آگیا ہے۔ بددعا کو پتا وغیرہ نہیں معلوم تھا لیکن اس نے  
 اتنی رہنمائی کر دی تھی کہ جانتی کی گارمنٹ فیکٹری کو رنگی کے  
 صنعتی علاقے میں ہے۔ وہاں بڑی گارمنٹ فیکٹریوں کی تعداد اٹھیلو  
 پر مئی جا سکتی ہے۔ میں اپنے کتے کے ساتھ باری باری پانچ فیکٹریوں  
 پر طبع آزمائی کرنے کے بعد جھٹی کوشش پر تمہارا سراغ لگانے میں  
 کامیاب ہو گیا۔“

”یہ نہ سمجھ لیتا کہ میں نے تمہاری اس کمائی پر اعتبار کر لیا  
 ہے۔ تم نے اس کمائی پر خاصا ہوم ورک کیا ہے جو داوڑے جانے  
 کے قابل ہے لیکن یہ حقائق کے منافی ہے۔“  
 ”میں نے بیچ بیان کر دیا ہے۔ میں تمہیں اسے تسلیم کرنے  
 پر مجبور نہیں کر سکتا۔“

مجھے خیال آیا کہ بددعا داوڑے وغیرہ پر اس نے بہت پہلے کام کیا  
 تھا۔ شاید وجہ اور اس کے ساتھیوں کی طرح ایلیٹ بھی کافی دنوں  
 سے ہمارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس نے ہمارے اغوا کے بعد ہی کراچی  
 میں معلومات یک جا کی ہوں گی اور پھر بددعا سے جالما ہو گا۔  
 اس سے سارے کوائف حاصل کرنے کے بعد ایلیٹ نے پشاور میں  
 رہ کر ہماری واپسی کا انتظار کرنے کے بجائے آگے بڑھ کر چیغا  
 سرائے میں ڈیرے ڈال دیے اور جس دن گلان سے چیغا سرائے  
 کے راستے ہماری واپسی متوقع تھی وہ دونوں کو سڑک کے ٹھیکے والوں  
 کے دھپ میں قندوز خان کے استقبال کے لیے تیار تھے۔

”ٹھیک ہے، تمہیں جو کہنا تھا، تم نے کہہ دیا ہے۔ اب اسے  
 بیس چھوڑ دو اور آگے بات کر دو کہ تم کیا چاہتے ہو۔ اس وقت میں  
 زیادہ بحث میں پڑ کر اپنا سر نہیں کماتا چاہتا۔“

ماک چھانٹا پھر رہا ہوں۔ میری آواز پہچانتے ہی ایلیٹ کے لیے میں  
 لرم جوشی عود کر آئی۔ وہ رات کے واقعات کا کوئی حوالہ دیے بغیر  
 اس بے تکلفی سے مخاطب ہوا تھا اس سے ظاہر ہوا تھا کہ وہ کسی  
 برے کھیل کے چکر میں تھا۔  
 ”میں اسی شہر میں ہوں لیکن مجھے حیرت ہے کہ تمہیں میرا یہ  
 فون نمبر کہاں سے مل گیا؟“

اس کی غمی کی آواز گونجی ”جیسے جو زوار اور اس الیڈا کے  
 لیے کام کرنے والا دنیا کے کسی بھی خطے میں اتنا بے وسیلہ نہیں  
 ہو سکتا کہ اپنے ایک مطلوبہ آدمی تک نہ پہنچ سکے۔“

”لیکن میرے لیے یہ جانتا بہت ضروری ہے“ ایلیٹ ذات میں  
 اس کی غیر معمولی دلچسپی بھانپ کر میں نے دو کھادوئے اختیار کر لیا۔  
 ”پہلے سوال کا جواب ملے بغیر میں تم سے کل کربات نہیں کر سکوں  
 گا۔“

”میں نے یہ نمبر ٹیلی فون ڈائریکٹری سے حاصل کیا ہے۔“ اس  
 نے جواب دیا۔

”شاید تمہیں علم نہیں کہ یہ فون نمبر میرے نام پر نہیں ہے۔“  
 میں نے جیسے ہوئے لیے میں کہا۔

”نہ ہو۔۔۔ لیکن میں یہ سراغ لگا چکا ہوں کہ تم کراچی کے ایک  
 صنعتی علاقے میں ایس جے گارمنٹس نامی ایک فیکٹری میں مقیم ہو۔  
 یہ فون اسی فیکٹری کا ہے۔“

”تم بات الجھاتے جا رہے ہو۔ اب مجھے پوچھنا پڑے گا کہ  
 تمہیں اس فیکٹری کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔“

”تمہاری باتوں سے مجھے ایسا محسوس ہوا ہے جیسے تم نے اپنا  
 ٹھکانا پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی ہو اور میرے سراغ لگانے پر  
 نہیں توثیق ہو رہی ہو۔ کیا میرا یہ اندازہ درست ہے؟“

”پہلے میرے سوال کا جواب دو پھر میں تمہاری ہر بات کا  
 جواب دیتا چلا جاؤں گا۔“

”تم اس وقت بہت زیادہ سنجیدہ معلوم ہو رہے ہو اور شاید کسی  
 سے خوف زدہ بھی ہو۔ میں تمہاری تسلی کے لیے بتا دوں کہ میرے  
 ایک تربیت یافتہ کتے نے مجھے تمہارے ٹھکانے تک پہنچایا تھا۔ کتے  
 بڑا دل کی بھڑ میں کسی مخصوص بو کو پہچان لینے میں خاص ملکہ رکھتے  
 ہیں۔“

”تو کیا تم مجھے یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ تمہارے سدھائے ہوئے  
 کسی کتے نے کراچی انٹرنیٹ پر میرا ایڈریس سوکھ کر دوڑ لگائی  
 اور گارمنٹ فیکٹری کے گیٹ پر پرک کر دم مار دیا۔“

”تم بلاوجہ بگڑ رہے ہو۔“ وہ صاف صاف کہنے میں بولا ”یہ کئی دن کی  
 محنت کا نتیجہ تھا لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ تمہیں ایلیٹ اندر دیر کے بارے  
 میں کس نے بتایا؟“

”ہم کو تن کے تین کپڑوں کے ساتھ اغوا کر کے شکارا دیلی  
 لے جایا گیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر ہمارے لیے کپڑوں کا تھیلا  
 ہمارے ساتھ تھا۔ کراچی پہنچ کر تھیلا کھولا گیا تو اس میں سے ایک

کی بات یہ ہے کہ میں اپنے مسائل میں الجھا ہوا ہوں۔ تمہاری کچھ باتوں نے بھی مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ ان الجھنوں کے رفع ہونے بغیر ہمارا ایک دوسرے سے ملنا سو مند ثابت نہیں ہو گا۔  
”تم کھل کر بات کر سکتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری الجھنیں رفع کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ میرے پاس وقت کی کمی ہے۔ اپنے شبہات دور کرنے کے لیے میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔“

”تم نے تربیت یافتہ کتے کے ذریعے میری تلاش کا ذکر کر کے خود کو مشتبہ بنایا ہے“ میں نے فیصلہ کن لہجے میں بات چیمیزی دی۔  
”پچھلی رات فیکٹری کے چوکیدار نے احاطے کے قریب ہی ایک خون خوار پالتو کتے کو کوئی ماری ہے جو منہ اٹھائے سدا سدا فیکٹری کی طرف چلا آ رہا تھا۔“

فون پر اس کی ہلکی سی آسودہ نسی کی آواز سنائی دی پھر وہ بولا۔  
”اب میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔ تم خودی غور کرو کہ وہ میرا بھیجا ہوا کتا ہوتا تو میں اس وقت کتے کے ذریعے تمہاری تلاش کا ذکر کیوں کرتا؟ میں نے پوری بے خونی اور صاف دلی سے تمہیں بتایا ہے کہ میں ایک کتے کی مدد سے ایس جے گارمنٹس تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو میری تلاش کا علم ہو گیا ہے اور میرے تم سے مل بیٹنے سے پہلے ہی انہوں نے تم کو میری طرف سے بدظن کرنا شروع کر دیا ہے۔ وہ یقیناً کوئی بد نصیب کتا رہا ہو گا جسے بدگمانی پیدا کرنے کے لیے ادھر لٹا دیا ہو گا۔ میرا کتا میرے پاس محفوظ ہے۔ تم جب چاہو اسے دیکھ سکتے ہو۔ وہ تمہاری پو پاتے ہی زنجیر تڑانے کے لیے مشتعل ہو جائے گا۔“

”کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ہمارے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کے لیے کسی نے ایسا پیچیدہ طریقہ کار طے کیا ہو؟“ اس کی صاف گوئی اور بے حجاب لب و لہجے نے مجھے متذبذب میں ڈال دیا تھا۔

”عجیب ہی نہیں، میں تو اسے ناقابل یقین اتفاق قرار دوں گا۔ وہ بہت اندر کا کوئی آدمی ہی ہو سکتا ہے جو میرے ہر ارادے سے واقف ہو۔ مجھے یاد نہیں پڑا کہ میں نے پٹرنگ کے سوا کسی اور کو اعتماد میں لیا ہو۔ وہ کیسے بے احتیاطی کر رہا ہو تو دوسری بات ہے۔ میں اس سے پوچھوں گا۔“

”دوسرا اتفاق اس سے کہیں زیادہ ناقابل یقین ہے“ میں نے کہا۔ ”کتے پر فائر ہونے کے چند منٹ بعد ہی فیکٹری کے قریب دھواں میں خوب دھواں دھار فائرنگ ہوتی رہی جو رفتہ رفتہ معدوم ہو گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو حریف گروہ ایک دوسرے سے اچھڑے ہوئے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ تصادم کتے ہی کی موت کا شہانہ ہو۔ واقعات کی کڑیاں یہ ثابت کرتی ہیں کہ فائرنگ کے اس تبادلے میں تم بھی ملوث تھے۔ تم اس اتفاق کا کیا جواز پیش کرو گے؟“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو“ اس نے میری تائید کی ”تمہارے نکدے

میں نے کرل جیسی جوت کو بل جوت اور بال اتھرن کی موت خبر سے دی ہے یہاں آنے کے بعد میں نے چھان بین کی تو ان کی تصدیق ہو گئی جو تم لوگوں نے بتائی تھیں۔ اب اس سے ہونے ہیں ہزار ڈالر میرے ہو چکے ہیں لیکن مجھے اگلے کام بھی دینے ہیں۔“

”وہ کیا ہیں؟“ میں نے پوچھا۔  
”بل جوت کے قاتل یا قاتلوں سے انتقام لینا ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے کام مل گیا تو میں تم سے ضرور مددوں گا۔ اب مل گیا۔ وہاں کے دالوں کو تلاش کرنے کے ساتھ ہی مجھے ڈیوڈا سٹارز لے اس ایڈرا سے بھی بات بننے کی امید ہے۔ اس بارے میں سے تفصیل بات کرنی چاہتا ہوں تاکہ اس سے اسی کی روشنی معلومات ملے۔“

میں حیران رہ گیا۔ وہ اس قدر دیدہ دلیری اور ڈھٹائی سے میری باتوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا منہ توڑ کچھ اچھا لگا۔ طبیعت چاہ رہی تھی۔ اس نے مجھے بالکل ہی احمق اور بے سمجھا لیا تھا۔ میرا دل چاہا کہ اسے گزری ہوئی رات کے واقعات بتا دوں لیکن میں نے فوراً ہی وہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ مجھے بے پائے کی کوشش کر رہا تھا تو مجھے انجان رہ کر اسے پھانسنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔ اس وقت میں ذرا بھی سنجی کا پرو کرنا تو وہ بد کر مجھ سے دور بھاگ سکتا تھا۔ میں نے فوری پر فیصلہ کر لیا کہ میں بدستور اپنی بے خبری کا مظاہرہ کر کے اسے متاثر نہ بن بیٹھوں۔ پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا رہوں اور جب وہ بے دام میں آجائے تو اچانک اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال

میرا وہ فیصلہ ایمن کی مکاری کا مناسب ترین جواب تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اس وقت اپنی دلی خواہشات کے برعکس مجھ سے مفادمانہ گفتگو کر رہا تھا۔ میرے دشمنوں کی سرپرستی کی وجہ سے اس کے دل میں میری طرف سے بغض و عناد بھرا ہوا تھا۔ اس نے ات کو نامعلوم عرائم کے تحت ایک خون خوار کتے کو فیکٹری کی طرف روانہ کیا پھر تھانے میں جبری کر کے میرے لیے ناقابل تصور دایاں پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔ اپنی ان کوششوں میں لاش کے بعد وہ مجھے دوسرے ذرائع سے گھیرنا چاہ رہا تھا۔

اس وقت تک میں نے اسے پچھلی رات کے واقعات کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ دو باتیں ایسی تھیں جو میرے ساتھ اس کے بھی نہیں تھیں۔ اگر میں اس سے مذاکرات میں ان دو امور کا سرے نہ لگاؤں گا تو وہ میری طرف سے ٹھک سکتا تھا کہ شاید میں بھی اپنے پہلے ہی پردہ عرائم کو چھپاتے ہوئے اسے گھیرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اسے اپنی طرف سے مطمئن کرنے کے لیے فیکٹری کے کتے کے قتل اور پھر دو نامعلوم گروہوں کے درمیان فائرنگ کے تبادلے کا منصوبہ ذکر ضروری تھا۔

”تم سے ملاقات کی بھی وقت ہو سکتی ہے لیکن ایمان داری

تجئے میں کیسے کامیاب ہوئے؟ انہیں کس سلسلے میں تمہارا  
”مکی؟“

”سلسلے چلتے ہی رہتے ہیں لیکن میں بیشہ ان سے پتہ  
رات کو بھی وہ میرے آدمیوں کو ستانے کے سوا کوئی کامیاب  
نہیں کر سکتے۔“

”تمہارا کوئی خطرناک دشمن تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے  
بمطابق رہتا ہو گا۔“

”میں تو تمہیں بھی اپنے خطرناک دشمنوں میں شمار  
میں نے چوٹ کی۔“

”کوئی وقت آئے گا تو تم دیکھ لو گے کہ میں ہی تمہارا  
بڑا خیر خواہ ہوں۔“

”وہ بھی دیکھ لیا جائے گا۔ اب تم کام کی بات کرو۔  
سے اٹھ کر منہ دھوئے بغیر فون پر آیا ہوں۔“ میں نے کڑا  
دینے میں کسی دلچسپی کا اظہار نہ کرتے ہوئے کہا۔

”کام کی صرف ایک ہی بات ہے کہ میں کسی وقت  
چاہتا ہوں۔“

”فیکٹری میں تو دیکھ ہی چکے ہو۔ فون کر کے کسی بھی وقت  
”میری خواہش ہے کہ ہم کہیں اور ملیں۔ ابھی تم نے  
واقعات سے آگاہ کیا ہے، ان کے بعد ہمارا فیکٹری میں یا  
خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ ایک ہی وار میں ہم سب مہیر  
کوئی ہماری دیکھ بھال بھی نہیں کر سکتے گا۔“

”پھر تم اپنا پتا دے دو۔ میں وہاں آ جاؤں گا۔“ میں۔  
تجویر پیش کر دی۔

”میں اپنے ٹھکانے پر بھی یہ غیر ضروری آمدورفت  
کروں گا۔ نئے چہروں کو دیکھ کر بڑی شبہات میں مبتلا  
ہوں۔ اکیلا رہنے والے مردوں کو ویسے بھی یہاں تک کہ  
دیکھا جاتا ہے۔“

”تو کیا تم ہوٹل میں نہیں ہو؟“ میں نے قدرے  
پوچھا۔

”نہیں۔ ہوٹلوں میں آنے جانے والے غیر  
ایجنسیوں کی نگاہ میں رہتے ہیں۔ میں نے ایک رہائشی  
مکان کا کھدہ کرائے پر لیا ہوا ہے۔ تم چلو تو میں نہیں  
سکتا ہوں۔ بعد کا پروگرام وہیں طے کر لیا جائے گا۔ ہوتے  
بھی اپنے ساتھ لیتے آتا۔“

”دیر لا رہا ہے۔ میں اسے تلاش نہیں کر سکتا  
کہا ”تم دونوں سے میرے معاملات طے ہو گئے تو وہ میر  
کی پابندی نہ کی۔ تم اس کی طرف سے بے فکر رہو۔“

”میں بھی اکیلا آؤں گا۔“ اس نے میری ہنسی کی  
میں مصروف ہو گا۔ ٹھیک تین بجے ہم پریل کی لابی میں  
مجھے تھوڑی سی دیر سویر ہو جانے کا انتظار کر لیتا۔“

”ٹھیک ہے“ میں نے کسی بحث میں پڑنے بغیر کہا

نظر سے بات یوں بنتی ہے کہ اپنے کتے کی موت کے بعد میں کچھ  
مشترکہ لوگوں سے لڑ پڑا۔ پہلی بات یہ ہے کہ میرا اس کتے سے سرے  
سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ میں کل رات اپنے گھر میں مقیم تھا۔  
ہو سکتا ہے کہ کتے کو چھوڑنے والوں کا پولیس کی کسی حشمتی پارٹی سے  
تصادف ہوا ہو۔ میں ان واقعات میں کسی بھی طرح ملوث ہوتا تو  
تمہیں فون کرنے کے بجائے تم سے دور رہی رہنے کی کوشش کرتا۔  
میری یہ فون کال ہی میری نیک نیتی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔“

”اگر تم اس صنعتی علاقے میں اپنی موجودگی سے انکار کر رہے  
ہو تو پھر مزید معاملات پر تم سے بات کرنی بے سود ہے۔ تیسرے  
واقعے کے بارے میں جان کر تم شاید اپنا سر پینے پر مجبور  
ہو جاؤ گے۔“

”وہ تیسرا واقعہ کیا تھا؟“ اس نے بے ساختہ مجھے میں سوال  
کیا۔

”جب ان واقعات سے تمہارا کوئی تعلق ہی نہیں تھا تو پھر ان  
کا مزید تذکرہ بے کار ہے۔ میں غیر ضروری طور پر اپنی کزوریوں کی  
تشریح کا قائل نہیں ہوں۔“ میں نے دیر کو آنکھ مار کے کہا۔

”ہم تو کم مجھے علم تو ہونا چاہیے کہ تم کیسے مسائل سے دوچار  
رہے ہو۔“

”تم میرے مرنے یا سرپرست نہیں ہو کہ تمہیں ہر بات سے  
آگاہ کیا جائے۔ میں اپنے مسائل سے خود نمٹنے کی طاقت اور  
صلاحیت رکھتا ہوں۔ جس بات سے تمہارا سرے سے تعلق ہی  
نہیں ہے اس میں تمہیں تھمتنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ صرف  
النجینس بڑھیں گی۔“

”میں تم پر چھانے کی کوئی کوشش نہیں کر رہا۔“ اس کی آواز  
نرم اور میٹھی ہو گئی۔ ”مگر ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام  
کرنا ہے تو ہمیں ایک دوسرے کے مسائل اور کزوریوں کا علم بھی  
ہونا چاہیے تاکہ ہم کسی بھی بے وقت سے بچ سکیں۔“

”تم مسلسل مجھے کریدے جا رہے ہو۔ اپنی سرگرمیوں کے  
بارے میں تم نے کچھ نہیں بتایا۔“

”میری کوئی سرگرمیاں نہیں رہی ہیں۔ میں کراچی آنے کے  
بعد سے تمہاری تلاش میں لگا ہوا تھا۔ تم سے معاملات طے کرنے  
کے بعد کام شروع کیا جائے گا۔ تم نے ابھی تک تیسرے مسئلے کے  
بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں تو نقصان  
بھی نہیں پہنچے گا۔“

”تم نرم خو نظر آنے کے باوجود بہت ضدی ہو“ میں نے  
اکتاہٹ ظاہر کرتے ہوئے کہا ”تیسرا اور بدترین اتفاق یہ ہوا کہ  
کل رات پولیس نے میری تلاش میں فیکٹری پر دھاوا بول دیا۔  
میری عقل پریشان ہے۔ ایک ہی وقت میں اتنے اتفاقات کیسے  
رونا ہو سکتے ہیں؟“

”یہ تو بہت برا ہوا۔“ اس کی آواز تیز زدہ تھی ”پھر تم ان سے

تھے کہ اس خبیہ فوس کے بیشتر اہل کار مجھے پہچاننے لگے تھے۔ اسٹیشن فور کے آپریٹر نے بھی میری آواز پہچانی اور اوٹل خان کی غیر حاضری پر میری مایوسی کو بھانپ کر فوراً ہی بتانے لگا کہ اوٹل خان گھر سے دفتر پہنچنے کے بعد ایک لاسکی پیغام ملتے ہی کس روانہ ہو گیا تھا۔ اس کے ماتحتوں میں سے کسی کو علم نہیں تھا کہ اس وقت وہ کہاں مل سکے گا۔

میں نے آپریٹر کا شکریہ ادا کر کے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ ”یہ اچانک تمہارا چوہ لٹک کر سینے تک کیوں آگیا ہے؟“ ویرا نے چٹ کی۔

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا لیکن اس کے تہرے کا فوری طور پر جواب نہیں دیا۔ وہ اپنا چوہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان بجا کر مجھے یوں دیکھنے لگی جیسے میرے سر پر اچانک سینگ نکل آئے ہوں۔

میں نے اس کی تاذولانے والی حرکتوں کو نظر انداز کرنے کا فیصلہ کر کے اپنے لیے سگریٹ سلگانی شروع کر دی مگر وہ شرارت پر آمادہ ہونے کے بعد عام طور پر آسانی سے قابو میں نہیں آتی تھی۔ ابھی میں سگریٹ کے پہلے کش کا دھواں اسے دہانے سے خارج بھی نہیں کرنے پایا تھا کہ ویرا اپنی جگہ جھوڑ کر کسی چیل کی طرح میری طرف جھپٹی اور میرے ہونٹوں سے سلگتی ہوئی سگریٹ نکال لے گئی۔

”بعض اوقات تم ناقابلِ برداشت ہونے لگتی ہو“ میں نے تھپی سے کہا۔

وہ اطمینان سے پیر اور کیے، صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی اور کسی عادی نشے باز کی طرح اپنی آنکھیں نیم اوکھے، سگریٹ کے گھرے گھرے کش لے رہی تھی۔ میری شکایت پر اس نے بے پروائی سے اپنے تھنوں اور دہانے سے دھواں خارج کرتے ہوئے کہا ”جی بات تمہارے بارے میں بھی کسی جانتی ہے۔ اس وقت تمہاری بے نیازی کسی بھی معقول انسان کا خون سلگانے کے لیے کافی تھی۔“

”یہ نئی اطلاع ہے کہ اب تم خود کو ایک معقول انسان سمجھنے لگی ہو۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ اوٹل خان سے بات نہ ہونے کی وجہ سے تمہیں شدید ذہنی صدمہ پہنچا ہے۔“ وہ میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی ”آخر تم اس سے کیا چاہ رہے تھے؟“

”میں جو کچھ چاہ رہا تھا وہ تمہارے علم میں بھی ہے۔ ایلین سے ملاقات کا وقت سر پر آنے سے پہلے اوٹل خان کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہیے کہ وہ اپنے آدمیوں کو حرکت میں لاسکے۔“

”میں تم سے سو فیصد متفق ہوں“ وہ سر ہلا کر بولی ”لیکن ابھی صبح کے صرف آٹھ بجے ہیں۔ ایلین سے ملاقات میں ابھی سات گھنٹے باقی ہیں۔ اس دوران میں اوٹل خان سے رابطہ ہو ہی جائے گا۔ اس وقت اس کے نہ ملنے سے کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔“

”کی دیر ہو جائے تو تم انتظار کر لیتا۔ ویسے میں وقت پر پہنچنے کا کوشش کروں گا۔ یہ یاد رکھنا کہ ہم پوری نیک نیتی کے ساتھ ملاقات پر بات کر رہے ہیں۔ کوئی چوتھا اتفاق رونما ہوا تو اس کا تھنا ہوا نام منتقل ہو جائیگا اور محاذ آرائی کا خون چل نکلے گا۔“

”خدا کا اتفاق!“ اس نے میرے الفاظ دہرا کر ایک ہلکا سا ہنسنے لگا ”بعض اوقات تم بہت جھپٹی ہوئی باتیں کہہ دیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری طرف سے تمہارا ذہن صاف ہے۔“

”ذہن کی بات تھی۔ میرا ذہن آئینے کی طرح صاف ہے۔ یہی نظر آتا ہے۔“

دونوں کے درمیان اختتامی کلمات کا تبادلہ ہوا اور میں نے ”دیا۔“

”غریب!“ ویرا اکل کر بولی ”وہ تمہارا پیرا کر تمہیں اپنی بے یقین دلاریا تھا اور تم اسے اپنی معصومیت کے فریب میں تھے۔ میں شرط لگاتی ہوں کہ وہ تمہیں باہر گھر کے پکڑنے کے بجائے بیٹھا ہے۔ اس کے عزام خطرناک نظر آتے ہیں۔“

میرے عزام بھی نیک نہیں ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ میں نے بھی مجھے مقررہ مقام پر پہنچا تو ایلین وہاں موجود نہیں ہوگا۔ چھپ کر میری گھرائی کر رہا ہوگا۔ میں اسے تماشا دکھاؤں

مارے لب دلیسے سے خون کی پیاس جھلک رہی ہے“ ویرا بے کولی ”معلوم ہوتا ہے کہ آج پھر کچھ نہ کچھ ہو کر

الاحال موتی لال کو زندہ رکھنا ہے“ میں نے اسے اپنے نئے گلوں کا ”ایلین اس کی زبان سے اپنے کروتوتوں کا ذکر سن کر جائے گا۔ میری کوشش ہوگی کہ اسے زندہ ہی پکڑا

چھو ہوں اسے زندہ رہنے دیا ہوگا تو اسے زندہ رکھا مجھ بوری ہے“ ویرا نے شانے اچکا کے بے پروائی سے

فون پر اوٹل خان کا نمبر ملانے لگا۔ ایلین کے ساتھ ملے ملاقات کے لیے ایس ٹی ایف کی طرف سے کوئی شاہیانہ دستبرد ضروری تھا۔

”میشن فور کا نیا فون نمبر ڈائل کرتے ہوئے مجھے پورا اس وقت تک اوٹل خان اپنے دفتر پہنچ چکا ہوگا اور مجھے ہولڈر خیال کرنے کا موقع مل جائے گا لیکن سلسلہ ملنے پر فوس سے اطلاع ملی کہ وہ اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ لیکن ٹانک فوس کے ساتھ میرے روابط اتنے بڑھ گئے

تارے تھے کہ اسے میرے دونوں سفارتی حریفوں کی طرح حاصل تھی۔  
اس نے براہِ راست میرے مقابلے پر اترنے کے مقامی پولیس کو جوائنٹنگری پر چڑھ دوڑنے پر اکسایا۔  
کے مقدور کی خرابی تھی کہ انتہائی نامساعد حالات میں ہمارے گھیرے میں آجانے کے باوجود میں دیراسیت پہنچے نہیں ہو سکیا۔

الین نے اس علاقے کی پولیس کو اکساکر جس کا داغ تیل ڈالی تھی وہ اس سے بے خبر ہو کر نہیں بیٹھ سکا۔  
پورا بین تھا کہ وہ اس آپریشن کے ہر مرحلے سے پوری ہو گا۔ اسے یہ جان کر شدید حیرت ہوئی ہوگی کہ فیکٹری کے حراست میں لیے جانے والے تین افراد میں میرا نام شامل نہیں تھا۔

پھر اسے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ پراسرار حالات میں کو بھی رہا کر دیا گیا۔ وہ کارروائی بڑے پیمانے پر اس میں نکلے درجے کے بھی متعدد اہل کار شامل تھے۔  
ذریعے بہت کچھ خبریں باہر نکل سکتی تھیں۔ الین کو اپنی انجام کسی بھی طرح پسند نہیں آسکتا تھا۔

اس نے پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد مجھے فون کیا تو خود کو ان تمام واقعات سے لا تعلق مفاہمت اور تعاون پر زور دیتا رہا۔ نہ اس نے فیکٹری کا کام دھارے کا ذکر کیا نہ میں نے اس بارے میں بات ضرورت محسوس کی۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے اسے یہ ہوئی ہوگی کہ میں پولیس پائل کی گرفت سے بچ نکلنے کے کمین گاہ میں ڈھا ہوا تھا۔ میرے اس اطمینان اور پھر کے معاملے میں کچھ وفاقی قوتوں کی بھرپور مداخلت کی کہانیاں اسے اور اس کے پشت پناہوں کو کسی اور مقام پر آمادہ کر سکتی تھیں۔

ویرا کے کہنے کے مطابق الین سے ملاقات میں اسے تھے۔ الین فیکٹری میں میری موجودگی کا یقین کر لینے کے ڈیڑھ دو گھنٹوں میں ہی کوئی قدم اٹھا سکتا تھا۔ اس کے متوقع دارے سے بچنے کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ ہم لوہا پر جوائنٹنگری فیکٹری کو خیرباد کہہ دیں۔ وہاں ٹھہرے رہنا صورت ہو سکتی تھی کہ اڈل خان فیکٹری کے لیے مزہ کر کے باہر بھی اپنے محافظوں کا جال پھیلاتا کہ والے فیکٹری سے دور ہی دھر لے جاتے۔ لیکن اڈل تھا۔ وقت گزر رہا تھا۔ ہم اس کے انتظار میں زیادہ نہیں رک سکتے تھے۔ بدلے ہوئے حالات میں ہم لوہا عمارت کے بجائے کچلے شرمیں زیادہ آسانی سے الین تھے۔ مظلوم ہوتا ہے کہ جاگ کر سرگرم نہیں ہو سکتے۔ سب سوچ رہے تھے۔ میری بات مکمل ہونے کے

میں چند ثانیوں تک پُر خیال نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستگی سے بولا "ہم سات گھنٹے تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو بازی ہمارے ہاتھ سے نکل بھی سکتی ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ہم اس وقت کس قدر خدوش صورت حال میں گھرے ہوئے ہیں۔"  
"مجھے اندازہ نہیں ہے تو تم ہی میرے ذہن کی دھند کو صاف کر دو۔ سیدھی اور سچی بات یہ ہے کہ بیڈنی لیے بغیر میرا ذہن کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔"

"گالان میں تو تمہیں ایسی کوئی مجبوری لاحق نہیں تھی" میں نے اسے یاد دلایا۔

"یہ وقت دقت کی بات ہوتی ہے۔ گالان میں ہم بدترین خطرات میں گھرے ہوئے تھے۔ غیر معمولی حالات کے چنگل میں پھنس کر انسان اپنے معمولات کو خود بخود فراموش کر بیٹھتا ہے لیکن عام زندگی میں وہ ہر لمحے اپنی عادتوں کا غلام رہتا ہے۔ گالان میں تو ہم سب ہی بدل کر رہ گئے تھے۔"

"میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا ہوں کہ اس وقت ہم گالان سے زیادہ دھماکا خیز صورت حال سے دوچار ہیں۔ بانسلا پلٹ گیا تو ہمیں اپنی بے عملی پر بچھڑانے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔"

"تمہاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ حالات کے حوالے سے تمہارے ذہن میں کوئی پُر ہول نقشہ سرا بھار رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اشدائوں کنایوں میں بات کرنے کے بجائے تم ایک بار مکمل کر اپنے خدشات بیان کرتے چلے جاؤ تاکہ ہم مفاہمت ماحول میں تباہ خیال کر سکیں۔"

ویرا کو پوری سنجیدگی سے مفاہمت پر آمادہ پا کر میں نے بات چیمیز دی۔

ہمارا کھیل ایک بیک ہی بری طرح الجھ گیا تھا۔ میرے خلاف بیک وقت دو سفارتی محاذ کھلے ہوئے تھے۔ ایک طرف جم کلا راک کے امریکن بی خواہ میرے خون کے پیاسے ہو رہے تھے تو دوسری طرف بھارتی قونصل خانے کے ذریعہ سایہ کام کرنے والے راکے سناک ایجنٹ میرا پیچھا کر رہے تھے۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ وہ دونوں حریف اپنے بھرپور وسائل کو حرکت میں لانے کے باوجود میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے تھے بلکہ اپنے سرگرم کارکنوں کی لاشیں ڈھوتے پھر رہے تھے۔

پہلے مل جوز کے ساتھ پال ایجنٹ ہمارا نشانہ بنا پھر یکے بعد دیگرے جم کلا راک، ولیم اور راجر مارے گئے۔ ان کے مقامی ہمدردوں کی سزا پائی بلکہ خول ریوی اس کے علاوہ تھی۔ یہی حشر موتی لال کے ساتھیوں کا ہوا تھا۔ انتہا یہ تھی کہ اس وقت موتی لال ہماری قید میں اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا تھا اور اس کے آدمیوں کے پاس میرا کوئی سراغ نہیں تھا لیکن الین نے درمیان میں کود کر یہ توازن بگاڑ دیا تھا۔ اس غیبت فطرت شخص نے قلیل سی مدت میں میرے ٹھکانے کا سراغ لگالیا تھا۔ حالات



فوری طور پر نیا مکان خریدنے یا کرائے پر لینے کے بعد ہی سہی کو بلائے گا۔

”تم نے میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ ہٹا دیا“ وہ ایک گمراہ سانس لے کے پہلی ”شی“ سے کٹناہٹش ہونے کے بعد جاگتے گئے اپنی پرانی زندگی کو اتنی تیزی سے خیر یاد کیا ہے کہ اس کے ذہن اور صلاحیتوں کو ذمہ لگ چکا ہے۔ تحفظ اور سلامتی کے معاملات میں اس کے سوچنے اور عمل کرنے کی رفتار اتنی ست ہو گئی ہے کہ بعض اوقات اس پر غصہ آنے لگتا ہے۔

”اس کے باوجود وہ انھیں بند کر کے ہمارا ساتھ دیتا چلا آیا ہے۔ اس کا بھرپور تعاون میسر نہ ہوا تو ہم بہت پہلے ناقابلِ تصور دشواریوں میں گھر چکے ہوتے۔“ میں نے کہا۔

وہ انہیں بڑی ”مجھے معلوم ہے کہ وہ تمہارا چہیتا ہے۔ اب میں ان سب کو اٹھانے جا رہی ہوں۔ پتا نہیں یہ لوگ کب کی خبر لائیں گے۔“ وہ بھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ کر اندر چلی گئی اور میں اپنے خیالوں میں گم ہو گیا۔

وہ انے صرف جاگتے کو میرا چہیتا قرار دیا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ مجھے وہ سب ہی یکساں عزیز تھے۔ غزال نے اپنے دل گداز خانہ دانی پس منظر کے باوجود میرے لیے جو مصائب برداشت کیے تھے، انہیں آسانی سے فراموش نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چادر اور چادر پوری کے روایتی تصور میں محصور نہ زندگی گزارنے والی اس لڑکی نے بروقت آنے پر دو مرتبہ جبری جلا وطنی کے ہولناک دکھ اٹھائے تھے اور اپنے خوابوں میں بس میری تصویر بٹائے، اچھے دنوں کے لیے جاں سوز جدوجہد کرتی رہی تھی۔ آزمائش اور تجربات کی اس بجلی سے گزر کر وہ میری بیوی بنی تو اس نے باہمی اعتماد اور دوا داری کے ایسے شاندار نمونے کا مظاہرہ کیا کہ مجھے دیرا جیسی منہ بھٹ اور بے لگام لڑکی کو اپنے ساتھ رکھ کر کبھی کبھی ندامت یا شرمندگی سے دوچار نہیں ہونا پڑا۔ نازک لمحات میں غزال ہمیشہ خاموشی اور چمپ پوشی سے کام لیتی رہی تھی۔ میرا اور اس کا رشتہ عجیب ہی نہیں، بہت نرم و نازک بھی تھا۔ مجھے سے شادی کرنے سے پہلے شاید اسے بھگت ل چکی تھی کہ میرے اور دیرا کے مراسم بہت زیادہ سیدھے سادے نہیں تھے۔ وہ میرے حریفِ اول، جی لائیڈ کی غیر قانونی اولاد تھی اور ایک زمانے میں میری جان کی دشمن نہ بھگت تھی لیکن جب اس کی بتالیاتی حس نے زور مارا تو وہ مجھے بھی دوسرے پسندیدہ مردوں کی طرح اپنا کھلونا بنانے پر قنطاری۔ دشمن زادی پر مکمل ترین تصرف کا غماز اس قدر گمراہ تھا کہ میں نے دیرا کے منتخب کیے ہوئے راستے سے انحراف کی کوئی شعوری کوشش نہیں کی۔ غزال خود بہت ہوشیار تھی اور اس داؤ پیچ کو سمجھتی تھی۔ دوسری طرف سلطان شاہ تھا جو میرے اور دیرا کے میل جول سے کبھی بھی خوش نہیں رہا تھا۔ دوسری طرف وہ غزال کو اپنی منہ بولی بہن بنا چکا تھا اور اس رشتے کے حوالے سے غزال کو سمجھاتا رہتا

”خیر مجھے بھی نہیں آری تھی لیکن میرا ذہن فضول باتوں میں الجھا ہوا تھا۔ تم آنے والے لمحات میں جھانکنے کی کوشش کر رہے تھے اور میرے ذہن میں ماضی کی قلمیں چل رہی تھیں۔ ماضی اس قدر راج اور دریا ہوتا ہے کہ زبان سے محض چند فقرے ادا کر کے اس سے جان نہیں چھڑائی جاسکتی۔ میں اپنے ماضی سے رشتہ توڑنے کا معصوم ارادہ کر چکی ہوں لیکن پھر بھی ہزار جھیلے اور بچتاوے ہیں جو رشتہ زندگی و عدلا کیس گئے مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں اب تک بے مقصد قربانیاں دے کر خود کو برباد کرتی رہی ہوں۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ اس کا مداوا کیا ہو گا۔“

شاید اس کی تقریر مزید جاری رہتی لیکن میں نے ہاتھ اٹھا کر زہی سے اسے خاموش کر دیا ”میں تمہاری ان تمام الجھنوں کو سمجھ سکتا ہوں۔ ایسے فیصلے آسان نہیں ہوتے۔ ان پر ہم بعد میں بھی بات کر سکتے ہیں۔ اس وقت ہماری ہمت کا انحصار دوسری باتوں پر ہے۔ ہم بچ نکلے تو ساری عمر اپنے مسائل اور الجھنوں کے حل تلاش کرتے رہیں گے۔ مارے گئے تو سب کچھ اسی لمحے ختم ہو جائے گا۔“

”میں موت سے نہیں ڈرتی لیکن تمہاری بات درست ہے۔“ اس نے اعتراف کیا ”زندگی بس ایک پارلٹی ہے۔ ہر انسان کو زندہ رہنے کی سر توڑ کوشش کرنی چاہیے۔ امین بہت چالاک بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ پولیس والوں کی ناکامی سے اسے شدید ذہنی جھٹکا لگا ہو گا۔ تم اسے ایک بار پھر تیریں جتلا کر سکتے ہو۔“

”میں اسی وقت یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں“ میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔

”میں بھی یہی کہنے والی تھی“ وہ بڑبڑو رہے میں بولی ”تمہارے اندیشوں میں بہت جاں ہے۔ امین نے اپنی دانست میں تمہیں تین بچے تک الجھالیا ہے۔ اس کا تو ڈیڑی ہے کہ ہم پانچوں یہاں سے نکل جائیں۔ اول خان سے شرمیں کیس سے بھی رابطہ کیا جاسکتا ہے۔“

میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی ”میں اسی لیے تم سے بات کرتا ہوں کہ تمہاری کمپوزی فوراً ہی میرے خیالات ایک جگہ سے فیکٹری کو ریٹھ خان، آڈل خان کے آدمیوں کے ماتھے سمیٹ لے گا۔ سوئی لال اگر زندہ ہو تو فی الفور اس کا جھٹکا لڑنا چاہیے۔ اول خان ہی کا کوئی آدمی اس کی لاش کو ٹھکانے لے گا۔ ہم جاگتے کو لے کر یہاں سے نکل جائیں گے۔“

”یہاں سے نکل کر تم شرمیں کہاں پناہ لیتا چاہتے ہو؟“ دیرا نے دھچکی سے پوچھا۔

”فوری مسئلہ یہ فیکٹری چھوڑنے کا ہے۔“ میں نے کہا ”اس کے بعد کبھی بھی قدم جمائے جاسکتے ہیں۔ شرمیں ہم ایک دوسرے سے لگ ہو کر ہوٹلوں کا رخ بھی کر سکتے ہیں۔ اس معاملے میں جاگتے بھی پورا تعاون کرے گا۔ وہ لاہور سے اپنی بیوی کو واپس بلانے کے لیے مضطرب ہے۔ وہ اپنا مکان فروخت کرنے پر آمادہ ہو چکا ہے اور

دیرا کے درمیان ایک ایسی ناہیدہ لکیر کھینچ دی تھی جسے عبور کرنا آسان نہیں تھا۔ اس نے اپنے حوصلے اور وقار سے مجھے پیش کے لیے اپنا اسیر کر لیا تھا۔

غزالہ تو خیر میری محبوبہ رہی تھی اور ان دنوں میری بیوی بن چکی تھی لیکن سلطان شاہ سے میرا کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود وہ مجھے اپنے سگے بھائی کی طرح عزیز تھا۔ میں نے اپنی زندگی کے عملی آغاز پر رشتوں کے بت گمے گھماؤ گھمائے تھے وقت کی گردش میں پڑ کر میں ان زخموں کے دکھ بھول جانے کے لیے کوشاں رہتا تھا لیکن یہ بات میرے دل پر نقش تھی کہ میرے سوتیلے بھائی تصویر علی نے مجھے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس کی رگوں میں بھی وہی خون گردش کر رہا تھا جو میرے وجود میں رواں تھا لیکن وہ حرص و ہوس کے پچگل میں پھنس کر میرے بدترین دشمن کے ساتھ جاملتا تھا۔ ان تجربات کی وجہ سے میں سلطان شاہ کی محبت اور وفاداری پر انکڑل کیر ہو جایا کرتا تھا۔ اپنی مجبوریوں کے دائرے میں رہنے کے باوجود وہ میرا سب سے بڑا دوست، خیر خواہ اور ہمدرد تھا اور ہر وقت میرے سینے پر اپنا لبو بچھاؤ کر دینے کے لیے کمر بستہ رہتا تھا۔ اس نے متعدد سنگین مواقع پر اپنی لازوال بے خوفی، میرے دل میں اتنے گہرے نقوش ثبت کیے تھے کہ میں کسی دگرگنجش یا برہمی کی رو میں بسہ کر بھی اسے فراموش نہیں کر سکتا تھا عملی طور پر وہ میرے وجود کا ایک حصہ بن کر رہ گیا تھا۔

جسٹیکر جیسا اور جو کچھ بھی تھا سانسے ہی تھا۔ اس کے ساتھ تعلق میں کوئی جذباتی پیچیدگی نہیں تھی۔ سیدھی سی بات تھی کہ برسے وقتوں کا سانسھی تھا اور ہر وقت ان دیرینہ مراسم کو نبھانے فکر میں رہتا تھا۔ ان تینوں کے علاوہ دیرا کا اپنا ایک منفرد کردار تھا۔ وہ ہم میں سے نہ ہوتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ اس طرح مل جاتی تھی کہ خاندان کے کسی قریبی فرد کی طرح معلوم ہوتی۔ اس کے کردار کی کمزوری، حد سے بڑھی ہوئی آزاد روی اور مزاحیہ اپنی جگہ تھی لیکن اس نے جی لائینڈ کی ہولناک سازشوں سانسے ڈٹ کر پاکستان کے مفادات کے لیے جو کام کیا تھا وہ اس ہر کردار پر پڑھ ڈالنے کے لیے کافی تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ دیرا نے اپنے پڑا لہرام کے قتل کی خبر سننے کے بعد نہ اپنے ماضی سے ہر رشتہ توڑنے کے عزم کا اظہار کیا تھا بلکہ اس امر میں شریعت کو بھی ترک کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ باتیں اس امر کی نشان دہی کر رہی تھیں کہ اس بری عورت خوب صورت وجود میں ایک اچھی عورت بھی خوابیدہ۔ حالات کے جھکوں سے بیدار ہو کر میدانِ عمل میں اترنے۔ مضطرب تھی۔

زندگی کے طویل سفر میں مینوں بلکہ سالوں کی بھی بہت وقت نہیں ہوئی لیکن ہم سب نے عقلی سی مدت میں یار خاندان کا سا دوپ دھار لیا تھا جیسے ہم سب ہمیشہ سے ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے رہے ہوں۔

تھا کہ وہ مجھے اور دیرا کو ایک دوسرے کے زیادہ قریب نہ رہنے دے لیکن غزالہ کو قدرت نے عجیب سے ٹھنڈے اور دھمکے مزاج سے نوازا تھا۔ اس نے مجھے صرف میری خوبیوں کے ساتھ نہیں بلکہ خامیوں سمیت قبول کیا تھا۔ وہ سب کچھ سمجھتے اور جانتے ہوئے بھی اس بات پر قانع رہی کہ میں ڈنگے کی چوٹ پر صرف اور صرف اسی کے نام کی مالا جپتا رہتا تھا۔ میری ذات کے ساتھ دوسرے ناموں کی وابستگی عارضی اور بے بنیاد تھی۔ مکاؤ کے ڈون کو ایک فوکی قہر آلود مہربانیوں کے طفیل ایک چینی مولوی نے مجھے اور غزالہ کو نکاح کے رشتے میں منسلک کیا تھا اور ہم نے ڈون کے عالی شان شیش محل کے طلسمانی اندھیروں اور فسوں خیز دھندلکوں میں ایک دوسرے کی جسمانی تقسیم کا عرصی جشن منایا تھا۔ گنتی کے وہ چند روز اس قدر سحر انگیز تھے کہ ان کے بارے میں سوچ سوچ کر جسم و جان کو ایک روح پرور بالیدگی کا احساس ہوتا تھا۔

مکاؤ سے کراچی کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ ہم سب اپنی سلامتی کے بحران میں جھلا ہو کر حالات یا پھر سردار پابندہ محل کے قیدی بن گئے۔ وہ جنت محل کے ہاتھوں زخم کھا کر وحشی و درندہ بنا ہوا تھا۔ اسے دوسروں کے رشتوں کا کوئی پاس نہیں تھا۔ ہم سب موسیقیوں کی طرح ایک ہی چار دیواری میں رہتے رہے پھر گالان میں سردار صفت اللہ کا خومین انقلاب کامیاب ہوا تو ہماری غلو میں زنانہ اور مردانہ حصوں میں بانٹ دی گئیں اور غزالہ نے بھی کوئی شکوہ نہیں کیا۔ شرف آباد والے فلیٹ میں لوٹنے کے بعد میری طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں دیرا اور سلطان شاہ کو ایک دوسرے کے رحم و کرم پر چھوڑ کر غزالہ کے ساتھ غلو میں نشین ہو جاؤں۔ غزالہ نے اس فراخ دلانہ بندوبست پر کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔ ہمیں غلو میں میرا آتی رہیں لیکن وقت کے تقاضوں کے تحت غزالہ نے مجھے ہر فیصلے کا اختیار دے رکھا تھا۔ اس نے کبھی بھی اپنی مرضی میرے اوپر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی۔

غزالہ کے اس باوقار رویے نے میری نظروں میں اس کا مقام بہت بلند کر دیا تھا۔ وہ کوئی عام لڑکی نہیں تھی۔ اس نے اپنے باپ، کرغل زوار زیدی اور اپنی ماں، شمع کی زندگی کے خائبہ و فزاسے بہت کچھ سیکھا تھا۔ کرغل زوار زیدی نے شمع کا انتخاب اس بازار سے کیا تھا جہاں بنتِ خوا کو زنی محکمہ دس کی بیویوں میں قید کر کے ہوس کے سرنال پر پٹھایا جاتا ہے۔ زوار زیدی نے اس شمع محفل کو اپنی آن بٹایا لیکن اس کا خاندان کبھی بھی شمع کے اس روپ کو تسلیم نہیں کر سکا۔ غزالہ کو عورت کی توقیر اور بے توقیری کے اس فاصلے کا بخوبی علم تھا۔ وہ جانتی تھی کہ جسے شوہر چاہے، وہ تاپنے والی ہو کر بھی آسودہ محبت سے سرشار ہو سکتی ہے اور نئے مرد نہ چاہے وہ کوہِ قاف کی پری ہونے کے باوجود دوسروں کی جھنجھکی نظروں کا سامنا نہیں کر سکتی۔ زن و شوہر میں اصل رشتہ اعتماد کا ہوتا ہے، شکوک و شبہات کا نہیں۔ غزالہ نے مجھ پر اندھا اعتماد کر کے میرے اور

سے کہیں زیادہ سرعت سے تیار ہو کر کمرہوں سے باہر آگئے۔ دیر اور غزالہ کچن میں کھس کر کاشے کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔ جہانگیر اور سلطان شاہ ذرا تک دھم میں میرے پاس آگئے۔ ”رات کو ہم سب اچھے خاصے سوئے تھے صبح صبح جیسے کیا سوچ رہے کہ اچانک ہی یہاں سے نکل جائیں گے پر قتل گئے ہو؟“ جہانگیر نے برا سامنا بنا کر مجھ سے سوال کیا۔

”یہاں کے خشک اور مٹیائی ماحول سے دل اٹکایا ہے“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا ”یہاں روپوش ہونے کے بعد یہ عزت افزائی ہوئی ہے کہ اب کتنے تک ہمارے منہ آنے لگے ہیں۔“ ”اس کئے کو میں نے دعوت نامہ بھیج کر تو نہیں بلایا تھا؟ وہ جل کر بولا۔

”نہ بلایا ہو مگر وہ کتا تمہاری فیکٹری ہی کی برکات میں شمار ہوگا۔“

”تم ٹال رہے ہو“ سلطان شاہ گفتگو میں دخل دیتے ہوئے بولا۔ ”دیرانے بھی خطرے کی رٹ لگا گئی ہوئی ہے لیکن کھل کر کچھ نہیں بتا رہی کہ یہاں سے بھاگنے کی نوبت کیوں آئی ہے۔“ ”مجھے اس فیصلے پر اعتراض نہیں ہے“ جہانگیر بولا ”صبح پوچھو تو مجھے تمہارے اس فیصلے سے خوشی ہوئی ہے۔ فیکٹری میں میں خود کو تم سب کی سلامتی کا ذمے دار محسوس کر رہا ہوں۔ یہاں سے نکل جانے کے بعد میرے سر پر بہت بڑا بوجھ اتر جائے گا لیکن ہر اچھے فیصلے کا کوئی سبب بھی ہوتا ہے۔ ایسی کیا تبدیلی آئی ہے کہ تم نے چند گھنٹوں میں یہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا ہے؟“

”الین ہم لوگوں میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہا ہے اور ضرورت سے کچھ زیادہ ہی فعال ہو گیا ہے“ میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا ”کھل رات ہی اس نے کیے بعد دیکرے ہم پر دو وار کیے اور ہماری خوش قسمتی سے وہ دونوں ہی بار بے ناکام رہا۔ اس کا کتا ہم تک پہنچے گا نہ اس کی بھیجی ہوئی پولیس پائی مجھے یا دیر کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ زیادہ انتظار کیے بغیر کوئی تیسرا وار کر بیٹھے توڑی دیر پہلے اس کا فون آیا تھا۔ میں اسے مزید کوئی موقع دینے سے پہلے اس چوہے دان سے نکل جانا چاہتا ہوں۔“

”تو یوں کہو کہ الین کے فون نے جس میں اس ہنگامی فیصلے پر مجبور کیا ہے“ سلطان شاہ اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر بولا ”وہ کیا کہہ رہا تھا؟“

”میں نے ان دونوں کو اختصار سے اپنی اور الین کی گفتگو سے آگاہ کر دیا۔“

”یہ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ جب بھی صورت حال میں کوئی قابل ذکر تبدیلی رونما ہوتی ہے تو دیر ضرور تمہارے آس پاس موجود ہوتی ہے“ جہانگیر نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

”تمہاری بات کا جواب تمہارے اپنے سوال میں مضمر ہے۔ وہ سوچتی رہتی ہے، حالات کا تجزیہ کرتی رہتی ہے، تمہاری

میرا ذہن ان ہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ رست ہاؤس کے اندر مدنی سے سے افزائش کی آوازیں آنے لگیں۔ شاید دیرانے ان لوگوں کو بیدار کرتے ہوئے افزائش پھیلا دی تھی۔

فیکٹری سے روانگی کا اصولی فیصلہ کر لینے کے بعد میری دانست میں وہاں سے فوری طور پر نکل پڑنا بہتر تھا۔ میں اپنے ساتھیوں میں سے کسی کی جرح کا سامنا کرنے سے پہلے ہی بچے چل دیا۔

ریشم خان اور اول خان کے تینوں آدمیوں کو میرے نئے فیصلے کا علم نہیں تھا۔ ریشم خان اپنی چارپائی پر بیٹھنا شکر رہا تھا۔ ارشد نے سامنے سمیت کرسیوں پر براجمان تھا۔ بشر شاہ اس وقت دفتر کی غارت کی جھٹ پر اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھا۔ مجھے نمودار ہوا دیکھ کر وہ تینوں ہی اپنی جگہیں چھوڑ کر اٹھ

نڑے ہوئے۔

”فیکٹری کا کیا حال ہے؟“ میں نے ارشد کے شانے پر ہاتھ رکھ دوستانہ لہجے میں پوچھا۔

”برا حال ہے۔ وہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکے گا“ ارشد نے کسی آئینے کے بغیر پاٹ لہجے میں جواب دیا ”گوداموں میں سے ہونے چوہے شاید ساری رات اس کے خون آلود زخموں کو بھونڈتے رہے ہیں۔ اس کے چرے اور بدن پر بہت زیادہ ورم ہوا ہے اور جلد نیل پڑی جا رہی ہے۔ شاید چوہوں کے کاٹنے اس کے خون میں زہر سمرا کر گیا ہے۔ میں توڑی دیر پہلے سے دیکھنے گیا تو اس کی کرب آلود نگاہوں میں فریاد رہتی ہوئی تھی۔“

”میری رائے ہے کہ اسے اس عذاب سے نجات ملنی ہے۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔

”مجموعہ تو میں اسے ابھی کھولے دیتا ہوں“ ارشد میری بات کی ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔

”کھولو نہیں“ اسے ختم کر دے“ میں نے سر دلیجے میں کہا ”اور اس کی لاش فوری طور پر شہر کے کسی متعین کوڑے دان پر ڈالو۔“

”میں سر“ اسے اندازے کے برعکس میرا بے رحمانہ فیصلہ کر ارشد بول کھلا گیا ”یہ بہت آسان کام ہے۔ میں دس منٹ میں اس کی لاش یہاں سے روانہ کیے دیتا ہوں۔“

”اور پھر یہ فیکٹری تم چاؤں ہی کو سنبھالنی ہے۔ ہم یہاں سے نکل کر رہے ہیں۔“

وہ تینوں مجھ سے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکے لیکن کے بٹروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے کیے ہوئے انکشاف نے ان کی تحیر کھڑا کیا تھا۔

میں غارت کے زخموں کی طرف واپس لوٹا تو ارشد کتروں کے لے کر گودام کی طرف چل پڑا تھا جہاں موتی لال اپنی موت کے ارشد وقت گزار رہا تھا۔

اپنے دیرانے نے کیا صورت چھوٹا تھا کہ سب ہی میری توقع

تو میں بھی اسے غزالہ کے بعد روئے زمین پر اپنی دوسری ہنسی  
عورت تصور کرتا تھا۔ ویرا کی اس خوش فہمی میں کتنی حقیقت تھی  
وہ میں ہی جانتا تھا۔ اس وقت مجھے لگا سا تھیں اس بات کا تھا کہ  
جناگیر جو میری 'غزالہ' اور ویرا کی مثلث کے بارے میں اس قدر  
ہوشیاری اور پیش بینی کا مظاہرہ کر رہا تھا، خود اپنے مگر کی کمزوریوں  
سے بالکل بے خبر تھا۔

اس کے اور سہیلی کے درمیان موزوں اولیٰ سے ایک غلط  
مائل چلی آ رہی تھی جسے جاناگیر نے کبھی بھی پائنے کی کوشش نہیں  
کی تھی۔ سہیلی نے اپنی ان محدودیتوں کا ازالہ کرنے کے لیے بار بار  
پر مہیاں ہونے کی کوششیں کی تھیں لیکن یہ میری طرف تھا کہ  
میں نے کبھی بھی سہیلی کی ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش  
نہیں کی تھی۔ چلتے ہوئے کمزور لحاظ میں بھی میں رسی تڑا کر سہیلی  
کی دسترس سے نکل بھاگا تھا۔

میں نے اس بارے میں کبھی بار جاناگیر کو سمجھانے کی کوشش کی  
تھی لیکن کبھی بھی اس کی طرح جموئیڈی الزام تراشیوں کا سہارا  
نہیں لیا تھا۔ میں نے پیشہ کی تسلطی انداز میں اور اشاروں کنایوں  
میں اسے اپنی کمزور ازدواجی زندگی کو محکم کرنے کے مشورے  
دیے تھے مگر وہ ان رنگین مزاج مردوں کی صف میں شامل تھا۔  
یہ یوں پر بدترین مردانہ حکم جتنا کہ دوسری عورتوں کے ناز و غر  
اٹھانے اور ان کے سامنے ٹھکانے میں ہی اپنی جموئیڈی ان کی تکیہ  
محسوس کرتے ہیں۔

جناگیر 'غزالہ' کے روئے کی پیش گوئی کر کے بددلتا ہوا بچہ  
طرف چلا گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ نہار منہ اپنے معدے میں جا  
کا ایک بڑا ک اتارے بغیر اس انہی بادہ نوش کا دماغ چڑی پر  
آتا تھا۔

اس کی واپس سے پہلے ہی ٹیلی فون کی کھنٹی نے مجھے چونکا  
سلطان شاہ نے اضطراری طور پر فون کا ریسیور اٹھالیا۔  
دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز پہچان کر اس  
چڑچڑاہٹ انداز میں مزاج پر ہی شروع کی تھی لیکن پھر فوراً  
سامنے بنا کر ریسیور میری طرف بڑھاوا۔ شاید فون کرنے والے  
اس کی گرم جوشی کو ذرا بھی نہیں سہیا تھا۔

اپنی ہیلو کے جواب میں ریسیور پر ابھرنے والی چٹرائی  
آواز سن کر میں بے چین ہو گیا۔ وہ اوّل خان تھا۔ اس کی  
بالکل سیاہ اور شیشی تھی، محبت یا نفرت کے ہر جذبے سے  
ریسیور پر اس کے الفاظ یوں سنائی دیے تھے جیسے کسی سنگسار  
سے چند پتھر پھینچ کر لڑھکا دیے گئے ہوں۔  
"مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے میرے لیے فون کیا تھا کہ  
تھی؟"

"میں نے فون کیا تھا لیکن تمہاری آواز اس قدر سرد  
جان کیوں ہے؟ کیا تم کچھ پریشان ہو؟" میں نے پُر ہول انداز  
سخت، مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

طرح مگر مجھے کھوٹے سچ کر نہیں سوتی۔  
"میرا سوال دوسرا ہے" جاناگیر نے مجھے اپنی بات پوری نہیں  
کرتے دی "ہم سب کے سوجانے کے بعد تم دونوں تھکی میں کیا  
کر رہے تھے؟ مجھے حیرت ہے کہ غزالہ تمہاری ان حرکتوں کو کیسے  
نظر انداز کر دیتی ہے۔ اصولاً تو ویرا کے بجائے غزالہ کو تمہارے  
ساتھ ہونا چاہیے تھا۔"

"یہ اعتراض تمہارے بیمار ذہن کی پیداوار ہے۔ غزالہ  
متعجب اور تنگ نظر لڑکی نہیں ہے۔ وہ جانتی ہے کہ ہم ان دونوں  
جن خطرناک حالات سے گزر رہے ہیں ان میں ویرا کیا کر دار ادا  
کر رہی ہے۔ تم تو اس قابل بھی نہیں رہے کہ میں کسی نازک  
معاملے پر تم سے مشورہ کر سکوں اور دوسری اہم ترین بات یہ ہے کہ  
ایلن کا فون آنے سے قبل ہم دونوں یک جا نہیں تھے۔ میں  
ڈرائنگ روم میں اونگھ رہا تھا۔ ویرا فون کی کھنٹی سن کر اس وقت  
آئی تھی جب میں بات شروع کر چکا تھا۔"

"اب تم جو چاہو کہہ سکتے ہو" وہ بے اعتباری سے اپنے شانے  
اچکا کے یوں "ہم لوگ بیٹھ کر تمہاری چوکیداری تو نہیں کر سکتے۔ یہ  
ڈسے داری غزالہ کی ہے کہ وہ تم دونوں کے میل جول پر  
نظر رکھے۔"

"کیا اس مت کھدے میں تمہارا سرو تڑوڑوں گا۔" اس کی الزام  
تراشی پر مجھے غصہ آ گیا۔  
"سچ ہر وقت اور ہر ایک کو برا لگتا ہے۔ تم کوئی نئی بات نہیں  
کہہ رہے۔"

"تم بلاوجہ بات بڑھا رہے ہو" سلطان شاہ نے تنک لہجے میں  
کہا۔ "ادھر!" جاناگیر نے حیرت سے کہا "تو تم بھی اس معاملے میں  
غزالہ کے بجائے ڈیٹی کے حامی ہو؟"

"میں کسی کا حامی یا مخالف نہیں ہوں" سلطان شاہ کا لہجہ  
قدرے ناخوش گوار ہو گیا "غزالہ نے باہرہ کر بت کچھ دکھا اور  
سیکا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ ویرا جیسی آزاد منش، منفی عورت کو ہم  
اپنے طور طریقوں میں نہیں جکڑ سکتے۔ اسے ڈیٹی پر اعتماد ہے تو تم  
اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہو؟ اس بھڑے میں نہ کر کوئی بھی  
ہوش مند شخص بہت زیادہ آزاد روی کا فہلو مول نہیں لے  
سکتا۔"

جاناگیر نے اس کی بات کاٹ دی اور یوں "میں ڈیٹی یا غزالہ کا  
بدخواہ نہیں ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ غزالہ نے اپنی  
آنکھیں کھلی نہ رکھیں تو وہ ایک دن سر پکڑ کر روئے گی۔"  
میں غصے اور بے بسی سے اس احمق مطلق کو گھورتا رہ گیا۔ وہ  
جو کچھ کہتا چاہ رہا تھا وہ اتنا زیادہ غلط بھی نہیں تھا۔ میں غزالہ سے  
شادی ہونے کے بعد بہت زیادہ غلط ہو گیا تھا لیکن ویرا نے میرے  
بارے میں کبھی بھی اپنے جذبات چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔  
وہ بار بار چیلے بھانے سے مجھے کیریڈن رہتی تھی اور اس کے لیے بس  
میں ایک خوش فہمی کافی تھی کہ اگر وہ دل و جان سے مجھے چاہتی تھی

ٹامک فورس کا کیا انجام ہوگا۔ اس کا وجود جب تک ایک راز تھا وہ برقرار اور پوری طرح فعال تھی۔ اب اس کا راز فاش ہو چکا ہے۔ موتی لال کو ایس ٹی ایف کے بارے میں جو کچھ معلوم تھا وہ ایٹن اور اس کے آقاؤں کے علم میں آچکا ہے۔ وہ بلی جونز، پال انٹرن، جم کلاک، ولیم اور راجر کے قتل کا انتقام لینے پر تل گئے ہیں۔ فورس کے وجود کو بچانے کے لیے شاید انیشی فورس کا پورا عملہ برطرف کیا جا چکا ہے۔ میں ابھی اپنے ڈائریکٹر جنرل سے معزلی کے زبانی احکام لے کر آ رہا ہوں۔ مجھے ذاتی اشیائے کے لیے بھی اپنے دفتر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ میرا جرم صرف اتنا ہے کہ میں نے پچھلی رات ایسے لوگوں کو پولیس کی تحویل سے نکالا جو کچھ عالمی دہشت گردوں کی گرفتاری اور ایک انگوٹھی کی امریکن لڑکی کی بازیابی میں مدد دے سکتے تھے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ کیا کھیل چل نکلا ہے۔ یہ بہت اونچے پیمانے کی بازی ہے۔ وہ کل کر میدان میں آ گئے ہیں۔“

”تمہاری فورس کے افسران بالاکو معلوم ہے کہ ہم لوگوں کی کیا خدمات ہیں؟“

”کسی کو کچھ یاد نہیں رہا۔ مجھے معزلی کا حکم سننے والے کو یہ تک یاد نہیں رہا کہ میں نے تمہارے لوگوں کو اسی کی رضامندی سے رہائی دلائی تھی۔ ایس ٹی ایف میں خط و کتابت نہیں ہوتی۔ ہر ہدایت اور حکم زبانی ہوتا ہے۔ ایس ٹی ایف کو بحول جاؤ۔ وہ ایک خواب تھا۔ تم نے کسی سے اس کا ذکر بھی کیا تو وہ تمہاری ذہنی حالت پر شبہ کرے گا۔ اب اپنے بل پر اپنی جان بچانے کی کوشش کرو۔“

”تم فورس سے نکال دیے گئے ہو تو ہمارے ساتھ آ جاؤ۔ ہمیں ہماری نیت اور عزائم کا پوری طرح علم ہے“ میں نے فوری خیال کے تحت اول خان کو پیش کش کی۔

”نہیں!“ اس کا جواب دو ٹوک تھا ”کسی فورس کا بننا اور ٹوٹنا ریاست کے معاملات ہیں۔ جو ہوتا ہے وہ ہر حال میں ہو کر رہے گا۔ مگر میں اپنے حلف کا پابند ہوں۔ میں معزول ہو گیا تو کیا ہوا۔ میں نے فورس میں شامل ہوتے ہوئے وفاداری کا جو حلف اٹھایا تھا وہ نوکری کی مدت کے لیے نہیں، پوری عمر کے لیے تھا۔ میں آج بھی اس کا پابند ہوں اور مرتے دم تک اس کی پابندی کروں گا“ قرط جذبات سے اول خان کی آواز رنہ رنہ لگی ”میں بھوکا رہ لوں گا لیکن فورس کے بعد کسی اور کے لیے کام نہیں کروں گا۔ لوگ آتے جاتے رہتے ہیں لیکن ادارے اور تنظیمیں قائم رہتی ہیں۔ میری ہر لمحے یہ دعا ہو گی کہ اس کڑے امتحان میں ایس ٹی ایف قائم رہے۔ یہ قائم رہی تو اسے پھر بھی اول خان کی حقیری خدمات کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ میں کسی کا ساتھ نہیں دوں گا“ بس اسی آس پر زندہ رہوں گا۔ ایس ٹی ایف میرا خواب تھی۔ اس پر مجھے ہی نہیں شاید تم کو بھی ناز ہوگا۔ میں اپنے وقتی مفاد کے لیے اپنی زندگی کے اس قیمتی سرمائے سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔“

”ایک لاش سرد اور بے جان ہی ہوتی ہے۔ قیمت ہے کہ تم میری آواز سن رہے ہو۔“

”ہاں! تم کیا کہہ رہے ہو؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا“ اس کے الفاظ میرے اعصاب پر نشوں و ذنی ہتھوڑوں کی طرح لگے تھے۔

”تمہاری گرفتاری میں مزاحمت کرنے کے الزام میں میں معزول کیا جا چکا ہوں۔ فضا کی بے کراں وسعتوں میں پرواز کرنے کے پرندے کے سارے پر کاٹ دیے جائیں تو وہ ایک لاش سے زیادہ بے گناہ نہ جاتا ہے؟ میں بھی وہی ہوں۔ جلدی بات کرو، ہو سکتا ہے کہ یہ موقع دوبارہ نہ مل سکے۔ دفتر چھن گیا ہے، گھر کا فون جب کاٹ نہیں دیا جاتا، نیپ کیا جاتا رہے گا۔ میں ایک پبلک بوتھ میں بول رہا ہوں۔“

”تم عجیب اور ناقابل یقین باتیں کر رہے ہو۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت ہم کہاں مل سکتے ہیں؟“

”کیس نہیں۔ میرے قریب بھی نہ آتا رہنے چیں کر رکھ دیے ڈنگے زندگی چاہتے ہو تو اپنا ٹھکانا چھوڑ کر کیس بھی غائب جاؤ۔ دنیا بہت وسیع ہے۔ تمہیں کیس نہ کیس پناہ مل جائے گی۔ میں خود اپنے تمہارے خون کی بو پر لگ گئے ہیں۔ یہ وہ بلڈ ڈاؤنڈ ہیں کسی سربراہ حکومت کے پیچھے لگ جاتے ہیں تو اس کا اپنے گھر میں تاجرن کر دیتے ہیں یا اسے تختہ دار پر لٹکا دیتے ہیں۔ تم نے اپنی نیت میں ان کے دانت کھٹے کر دیے ہیں۔ وہ اپنی فیصلوں میں سوور ہو گئے ہیں لیکن تم ان کی طاقت و جبروت سے بے خبر ہو۔ یہ یہ وہ لوگ ہیں جو براہیکتہ ہو جائیں تو بیچے اپنی ماؤں کی کوکھ میں شت سے ٹھکر کر مچاتے ہیں اور زہریلے زمینیں راگہ اور دھواں تا شروع کر دیتی ہیں۔ بات مختصر کرو اور بس بھانکے کی ٹکر کرو۔ تم چاند طرف سے تمہارے گرد گھیرا ڈالنے والی ہے۔ اب تم کی تمہاری پشت پناہی نہیں کر سکے گا۔“

”پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو“ میں نے دہشت سے جھرجھری کر کہا ”تم جانتے ہو کہ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ جب تک مجھے ہر بات نہیں بتاؤ گے، میں جتنا کھیر کی فیکٹری سے باہر قدم نہ نکالوں گا۔ خواہ مجھے یہاں نہ کر بدترین موت کو کھلے لگانا پڑے۔“

”تم پاگل ہو گئے ہو۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس کی کو بارودی برسات میں نہلایا جاسکتا ہے۔ تپاہ کن آتش گیر دلی مادوں سے لدا ہوا کوئی جہاز یا بلی کا پڑا تھا تو اس فیکٹری سے انہیں معلوم ہے کہ تم اسی فیکٹری میں ہو۔ وہ تمہیں پکڑ لے گا۔“

”یہ تم کن لوگوں کی بات کر رہے ہو؟“ میں نے اس کا تقو کر افسطاری لیے میں سوال کیا ”کیا وہ تمہاری ٹامک فورس بھی زیادہ طاقت ور ہیں؟“

”سب کچھ الٹ گیا، برباد ہو گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس پیش

خان کی بہت بڑی مشترکہ کامیابی تھی۔

الحیدر کو پاکستان کے جنوب مشرق کے دہلی سواہل کے کم ویرانے میں نظر انداز ہو کر وہ جدید اور تازہ کن، تھیں پوری دارا داری کے ساتھ آتے تھے۔ وہاں سے ہلاکت کا وہ ساز و سامان سرکار کے ان اندھے ہیرو کا وہ تک پہنچا دیا جاتا جو ملّا سرکار کا ٹولی کا عظیم المرتبت دھواں پشوا سمجھ کر اس کی ہدایت پر پورے غلبہ سے سندھ میں بدامنی، لاقانونیت اور شورش برپا کرنے تلے ہوئے تھے۔

وہ بیرونی کی اندھی آمدنی سے تیار کی ہوئی ایک بین الاقوامی سازش تھی جسے خاک میں ملانا فخر و اعزاز کا سبب بننا چاہیے تھا لیکن اس وقت ملکی معاملات کچھ ایسی معذرت خواہانہ ذکر چلائے جا رہے تھے کہ کسی بھی سطح پر الحیدر کا معاملہ منظر عام پر نہ لایا گیا۔ ذمے دار طاقتوں سے کوئی بھرپور احتجاج کیا گیا نہ ملک کوئی غلطہ اٹھا بلکہ نہایت خاموشی کے ساتھ اول خان کا کارا سے تادلہ کر دیا گیا۔ ملازمتوں میں تادلے ہوتے ہی رہتے ہیں؟ اول خان کو الحیدر کی گرفتاری کے بعد جس بھڑے انداز میں روانہ کیا گیا تھا وہ اس کے لیے دل آزاری کا سبب بنا تھا۔ یہ وہ موقع تھا کہ ملک دشمنوں کے خلاف بھرپور کارروائی کرنے پر اجماع کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

بجیل بار اول خان گیا تو اس کی جگہ ظفر نے سنبھالی تھی مجھے اس سے حرام استوار کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ ان ہی ہوئی طاقتوں میں اس کی طرف سے میرا ماحول تھا پھر دوسری ہسپانوی زبان کے ایک دو مخصوص الفاظ پر اس کا دھمکاؤں آخر کار اسے ایک رسوائے زمانہ دہشت گرد کے دستِ را البرٹ ویلیسا کے طے پر پہچان لیا تھا۔ وہ دنیا بھر میں بدنام، جنوبی کے پیشہ ور دہشت گرد گرفتار جیسی جونز، ڈان کارلوس، راؤرگز، گونزالیز اور رافیل فریڈو کے ہم عصروں میں سے تھا۔ کی اس شناخت کے بعد ہی مجھے اول خان کا تادیبی تادلہ ایک محسوس ہونے لگا تھا۔ نہ وہ الحیدر کے پتھر میں کسی مصلحت ہوتا، نہ ہم لوگ البرٹ ویلیسا سے متعارف ہو کر اس کا نکالتے۔ اس طرح عالمی تحریکی طاقتوں کا وہ نمائندہ، ایس ڈی میں پوری آزادی کے ساتھ اپنی سازشوں اور بد عنوانیوں کو چھانٹتا اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہو پائی کہ ایس ڈی جیسی حساس اور خفیہ تنظیم میں ملک کی بدترین دشمن قوتوں نمائندہ پورے اثر و اختیار کا مالک بنا بیٹھا ہے۔

اب ایک مرتبہ پھر اول خان کو کڑا امتحان درپیش تھا بار ایجنٹ ٹانک فورس کا دوجہ بڑی حد تک پوشیدہ تھا، بارے میں کسی پر کوئی شکین فرد جرم نہیں تھی اس لیے صرف اول خان کے تادلے پر مل گیا تھا لیکن اس بار ہر اہل حالات حوصلہ شکن تھے۔

ہمارے نے اپنی ریشہ دوانیوں کے ذریعے ایجنٹ فورس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر لیا تھا۔ وہ معلومات

لیکن تم معزول کیے گئے ہو۔ شاید اب فورس تمہاری کفالت نہ کر سکے۔ ہمیں اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کسی مالی سارے کی ضرورت ہوگی۔ ہمیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔“ ہارنے والوں سے چلائے والے طاقت ور ہے۔ وہ کہیں نہ کہیں سے کوئی بندوبست کرا دیں گے۔ ویسے مجھے معلوم ہے کہ فورس قائم رہی تو میری خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ بداد میں آکر کیے جانے والے فیصلے کی اصلیت سے میرا ہر جھوٹا بڑا بخوبی واقف ہے۔“

”پھر میں کیا کروں؟ میرے پاس ایلن کا فون آیا تھا۔ وہ تین بجے مجھ سے پرل کی لالی میں ملنا چاہتا ہے۔ میں تمہاری فورس کی مدد سے اسے گھیرنے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا۔“

”اس وقت ایلن کے ستارے عروج پر ہیں۔ اسے عالمی غنڈوں کی بھرپور تائید و حمایت حاصل ہے۔ اس سے ٹکرا کر تم کچھ بھی حاصل نہیں کر سکو گے۔ میرا مشورہ ہے کہ ہر قیمت پر اس کے سامنے سے بھی بچنے کی کوشش کرو۔ فورس کی جڑوں پر ملک دار کرنے کے بعد اس نے ہمیں بھی زیر کر لیا تو اس ملک میں کوئی اس کی راہ نہیں روک سکے گا اور وہ کسی بیباک عفریت کی طرح ہمارے مفادات کو یکے بعد دیگرے لٹکا شروع کر دے گا۔ اس وقت ایلن نے ہمارے حریفوں کے درمیان کسی مل کا سا کام انجام دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک عام سے فری لانس کے روپ میں کچھ اور ہی ہو۔“

”اس کا مطلب ہے کہ ملے شدہ طاقت کے بارے میں تم کچھ نہیں کر سکو گے؟“

”میں چاہوں بھی تو کچھ نہیں کر سکتا۔ اسٹیشن فور کا سارا عملہ معطل کیا جا چکا ہے۔ دوسرے لوگوں نے اب تک ان کا سارا ساز و سامان سینٹا شروع کر دیا ہوگا۔ میں معزول کیا جا چکا ہوں۔ ممکن ہے کہ میری گھرائی کرائی جاری ہو۔ ان حالات میں میرا اور تمہارا ایک جا ہونا ہی خطرناک ثابت ہوگا۔ میں پھر اپنی بات دہرا رہا ہوں کہ ایلن کا پیچھا کرنے کے بجائے اس سے دور رہنے کی کوشش کرو۔ اس نے یقیناً ہمیں کسی جال میں چھانسنے کے لیے پرل بلایا ہے۔ تم وہاں سے غائب رہ کر اس کا منصوبہ ناکام بنا دو اور خود شہر کے کسی تنہا آباد علاقے میں دوپٹی اختیار کرنے کی کوشش کرو۔“

میں اس کی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ بھرپور اور سرگرم عملی زندگی گزارنے والے کسی شخص کو اچانک ہی اس کے فرائض و اختیارات سے سبک دوش کر کے مجبور و معزول قرار دے دیا جائے تو وہ کبھی بھی اس تبدیلی کو آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ وہ اول خان کی شان دار پیشہ ورانہ زندگی کا ایک دردناک المیہ تھا۔ شاید وہ اپنی مصروفیات میں الجھ کر ماضی کی تلخیوں کو بھلا دینے کا عادی تھا اسی لیے اس نے کبھی بھی میرے سامنے وہ واقعات نہیں دہرائے جو غیر قانونی ہتھیاروں سے لدی ہوئی، الحیدر ٹائی دیو پیکل، لالچ کے پکڑے جانے کے بعد پیش آئے تھے۔ وہ ہماری اور اہل

والے دل ہی محسوس کر سکتے تھے۔ امریکنوں، بھارتیوں یا دوسرے دوست غمناک شہنشاہ کو یہ فلسفہ خدمت نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔

شاید ایس ٹی ایف کی قیادت نے ان ہی خفرت کو بھانپتے ہوئے فوری طور پر اول خان سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور پوری فورس کو دشمنوں کی زہریلی نگاہوں سے محفوظ رکھنے کے لیے عارضی طور پر کراچی میں واقع اسٹیشن فورینڈ کر کے اس کے محلے کو منظر سے ہٹا دیا تھا۔ میری دانست میں وہ انتہائی احتیاطی اقدام تھے لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ فورس کو اپنے خون جگر سے پیچھے والوں نے اول خان جیسے فرض شناس افسر اور اس کی بھاری فخری کو بالکل ہی بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہو۔ مجھے یقین تھا کہ پوشیدہ نگاہیں ہر لمحے ان جاں بازوں کی حفاظت کرتی رہیں گی تاکہ تعظیم فورس کے دوسرے سروسٹ راز اگھوانے اور عالمی پائے پر ان کی تفسیر کرنے کے ارادے سے ان میں سے کسی کو اغواء نہ کر سکے۔

وہ ایک لبرال اور پُر پیچ کھیل تھا۔ اس بساط پر نئی جہت سوچ سمجھ کر چلی گئی تھی مگر شہس اول خان کی باپوسی دور کرنے اور اسے تسلی دینے کے لیے اشدوں کتابوں میں بھی ان باتوں کا ذکر نہیں کر سکتا تھا۔ اگر اس کمائی کے کرداروں کو ڈرامے کے اصل مقاصد کی بجائے بل جاتی تو اس جوڑ توڑ سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کئے جاسکتے تھے۔

میرے ذہن میں خیالات کی رو کی تیز رفتار قلمی فیض کی طرح چل رہی تھی۔ میں نے ٹھونکی ٹھونکی میں ہی سب سوچتے ہوئے اول خان سے کہا ”جو کچھ تم کہہ رہے ہو میں وہی کہوں گا۔ جب تک حالات دوبارہ سازگار نہیں ہوتے، ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا چاہیے۔ تم نے جو صورت حال بتائی ہے اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فیکٹری میں موجود تمہارے آدمی کسی بھی لمحے رخصت ہو جائیں گے۔“

”ان کا تعلق اسٹیشن فور کے محلے سے ہے جو ہر طرف کیا جا چکا ہے۔ جب تک انہیں برطانی کی خبر نہیں ملتی، وہ تمہاری تحویل میں ہیں۔ میری مانو تو اس صلت کا فائدہ اٹھاؤ اور موتی لال کی گردن کاٹ کر اسے بھی کہیں ٹھکانے لگوا دو۔ اس کا زندہ یا مردہ حالت میں فیکٹری سے برآمد ہونا بہت خطرناک ثابت ہو گا۔ وہ پیش کے لیے جانا گئے خن کے پیاسے ہو جائیں گے۔ ویسے بھی تم تمناہ گئے تو موتی لال کو زندہ دیر تک نہیں سنبھال سکو گے۔ خود پوش نہ کر اسے بھی چھپائے رکھنا ممکن نہیں ہو گا۔“

شاید وہ اسی بارے میں مزید کچھ کہنا چاہتا تھا میں نے نرمی سے اس کی بات اچکی لی ”تمہارا مشورہ بہت مناسب اور بروقت ہے۔ میں اسٹیشن فور پر آنے والے عتاب سے باخبر ہونے سے پہلے ہی موتی لال کو جہنم واصل کر کے کہیں پیچیدہ دینے کا حکم دے چکا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اب تک تمہارا کوئی آدمی اس کی لاش لے کر یہاں سے نکل گیا ہو۔“

”شاباش!“ اول خان کی آواز پُر جوش ہو گئی ”یہ ان حرام

ہوتی ہوئی، الین اور پھر امریکنوں تک پہنچ گئی تھیں اور اس طرح انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ میرے اور دیرا کے جارحانہ عزائم کی دھمکی افواہی کے کیا اسباب ہیں۔

وہ لوگ ہمارے ہاتھوں گمراہی کے کھائے بیٹھے تھے لیکن بدراہ راست ایجنٹ ٹانک فورس پر کوئی الزام لگانے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ فیکٹری سے جانا گئے سلطان شاہ اور رفیع خان کے راست میں لیے جانے کے بعد اول خان کو اپنے پورے اختیار کے ساتھ سامنے آنا پڑا۔ وہ کوئی دھمکا چھپا، انفرادی معاملہ نہیں تھا جو سینڈ راز میں رہ جا۔ الین کے ایما پر کی جانے والی پولیس کی مہم جوتی میں بھاری فخری شریک تھی۔ ان تینوں کی رہائی کے ساتھ ہی پولیس والوں کو کچھ انتظامی سزا سنائی بھی دی گئی تھی۔ یہ امر یقینی تھا کہ الین نے قتلے میں پیش آنے والے ان واقعات سے آگاہی حاصل کر کے امریکنوں کو بتا دیا کہ اگر ایجنٹ ٹانک فورس کا ایک ڈسے دار افسر، جانا گئے کو نہ چھڑا لے جاتا تو اس کے ذریعے ڈینی پرتھو ڈالا جاسکتا تھا۔

ایجنٹ ٹانک فورس کی سرگرمیوں کے بارے میں وہ پہلا ثبوت میرے آتے ہی امریکن حرکت میں آ گئے۔ ان کی محاسنات تیار پال پہلے سے مکمل تھیں۔ وہ بس ثبوت کے انتظار میں تھے اور وہ ثبوت انہیں پولیس اہلکاروں کے ذریعے مل گیا تھا۔ ان لوگوں نے نہایت چالاکی سے سرکاری کو سرکار کے دعویدار کر دیا تھا۔ پولیس کے بیان کو جھٹلایا جاسکتا تھا۔ اول خان کی مداخلت کی تردید کی جاسکتی تھی۔

میں اندازہ کر سکتا تھا کہ الین کی خفاش نے ایجنٹ ٹانک فورس کی قیادت کو ہلا کر رکھ دیا ہو گا۔ امریکا ان دنوں جسوریت، انسانی حقوق، جبری مشقت اور مساویانہ برادری کے اپنے نام نہاد فحشوں کی آڑ لے کر تیسرے ممالک پر دباؤ ڈال رہا تھا۔ ہر وہ حکومت جو اس کے مشوروں کا حکم سمجھ کر قبول کرنے میں سرکشی کا مظاہرہ کرتی تھی، ان کی طرف سے تعزیری جرائم کی مجرم قرار دی جاتی تھی۔ اس گھبر پل منظر میں ایجنٹ ٹانک فورس اور اس کی قاتلوں سے دور سرگرمیوں کا دفاع کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔ ایس ٹی ایف والے جنگ اور جہاد کے جذبے سے سرشار ہو کر میدان عمل میں مصروف رہتے تھے۔ میدان جنگ میں کوئی سپاہی دشمن کو اپنے سامنے دیکھ کر گولی چلانے کے لیے اپنے افسر سے اجازت نہیں لیتا، بس اپنے ادراک اور وجدان پر بلا توقف عمل کرتا ہے۔ سامنے والا دوست ہو تو اسے اپنے گلے سے لگا لیتا ہے اور دشمن معلوم ہو تو ایک ہی دھڑ دھڑ سے جہنم واصل کر دیتا ہے۔ میدان جنگ میں فحشی ضابطے نہیں چلتے۔ اگر وہاں ہر دشمن کو زندہ رکھنا کر کے حاضر بدلت کرے اور پھر اس پر جنگی جرائم ثابت کر کے سزا دینے کی رست ڈال دی جائے تو جنگ لڑی ہی نہیں جاسکتی۔ یہ ایجنٹ ٹانک فورس اور دوسرے اداروں کے طریقہ کار کا بنیادی فرق تھا جو وطن کی محبت سے سرشار ہو کر دھڑکتے



ہمت سے دشمنوں کی قتلوں میں آگیا ہے۔ وہ جمائیکر کو جینے دے نہیں رہے دس گے۔” ہمارا ہمت بہت عکریہ کہ تم نے بڑی وضاحت سے یہ سب بھی صاف کر دیا ورنہ میں اپنی ساری عمر کی کمائی کے بارے میں اند ہو گیا تھا۔ تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ گمن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی خطرہ رقم سسلی کی تجویز میں محفوظ ہے۔“

”فکر نہ کرو۔ بیٹھی باہرے معاوضہ ادا کیا جاتا رہا تو اس گھر ایک جگہ بن جائے اور دوسرے نہیں ہو سکے گا۔ بس اب مجھے اجازت دے زندگی رسی تو پھر کبھی ملاقات ہوگی۔“

آخری فقرے پر اول خان کی آواز بھرا مٹی اور میں ایسے شہ چڑھتی اباں سے دوچار ہوا کہ کوشش کے باوجود میری زبان سے یہ خوبصورت الوداعی الفاظ نہ نکل سکے اور لاش بے جان ہو گئی۔

میں اول خان سے باتوں میں ایسا کھویا ہوا تھا کہ مجھے پتا نہیں چل سکا کہ وہ سب کب میرے گرد آہٹے تھے۔ ریسور روکا میں نے اپنی آنکھیں مٹل کر نمی کی لائی ہوئی دھندلاہٹ صاف کرنے کی کوشش کی تھی تو سب سے پہلے خزانہ نے سوال کر دیا ”سٹیشن فور پر کیا غائب آیا ہے؟ آج تم اول خان سے کچھ عرصے سے ملنے میں باہم کر رہے تھے کیا پریشانی ہے؟“

مجھ سے پہلے ہی سلطان شاہ بول پڑا کیونکہ وہ پہلے سے میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور اس نے میرے مکالے اول تا آخر سننے سے وہ ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہہ دیا تھا ”ڈوئی سے یہ پوچھو کہ پریشانی نہیں ہے۔ اگر میرے کانوں نے مجھے دھوکا نہیں دیا تو اول خان کو اسٹیشن ٹانک فورس سے نکالا جا چکا ہے اور اب وہ ہمارے لیے کچھ نہیں کر سکے گا۔“

سلطان شاہ کی اس سنسنی خیز اطلاع پر ان سب کے داناؤں سے عجیب و غریب، خیر زدہ آوازیں برآمد ہوئیں اور کچھ بھر بولنے سے اپنے اپنے سوالات کی پلنگ شروع کر دی۔

”غیت ہے کہ ہمیں سوچنے سے اٹھ کر یہ سب کچھ نہیں پڑا۔“ میں نے ان لوگوں کو بدلتی سے بچانے کے لیے اپنے اوسان قابو پاتے ہوئے کہا ”ہم پہلے ہی یہاں سے کوچ کی تیاری کر رہے ہیں۔ اب تک موتی لال کو ہلاک کر کے اس کی لاش یہاں لے جانی جا چکی ہوگی۔ ہم ناشتا کر کے کسی بھی لمحے یہاں سے روانہ ہو سکتے ہیں۔ اول خان مجھے یہی باتیں بتا رہا تھا۔“

”اول خان کی حمایت کھودینے کے بعد یہ سب تو ہونا ہی فرخا۔ نے میری بات کاٹ کر احتجاج کیا ”اور یہ ہوتا بھی رہے لیکن اول خان کے ساتھ کیا ہوا؟ اسے کیوں نکالا گیا؟“

میں نے غور سے دیر کی طرف دیکھا۔ اس وقت غلام معمول اس کا چوباکل سرد اور سیاہ تھا، آنکھیں تک ہر تار کیکرناہار تھیں۔ میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا دیں اور کہنا شروع کیا ”یہ باتیں کیا کہنے ہیں جس نے رنگ دکھایا۔ امریکن ہراس فرد اور ادارے کو قس قس کو پینے کا فیصلہ کر رہے ہیں جو ہر قیمت پر ہمارے قوی مفادات کی سرپلندی کے لیے

زادوں کے منہ پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ اسٹیشن ٹانک فورس کی جڑوں کی تلاش میں نکلنے والے کا بھی انجام ہونا چاہیے۔ تم آج تک شاید صرف اسی لیے اپنے دشمنوں کے ہر ملک دار سے بچتے رہے کہ تمہاری چھٹی حس دقت سے پہلے ہی آنے والے خطرات کا اندازہ کر لیتی ہے اور تم اپنی چال چل جاتے ہو۔ موتی لال کی لاش لے کر تو وہ سب صفے میں اپنے بال نوچتے ہو جائیں گے اور انہیں اس قتل کا کوئی سرا نہیں مل سکے گا۔“

”ہاں“ میں نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا ”پر تاب ادھیکاری کے پیغام کے بعد کمری اور دوسرے لوگ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ اشتہار کی مدت گزرنے تک موتی لال کے ساتھ کچھ نہیں کیا جائے گا۔“

موتی لال کے بعد کمری کی باری ہے۔ میں روپوشی میں بھی اس پر نگاہ رکھنے کی کوشش کروں گا۔“

”کوئی حماقت نہ کرنا“ ریسور پر اول خان کی ناصحانہ غراہٹ ابھری ”جنگ میں کامیابی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ دشمن کو جب تک پوری طرح بے دست و پا نہ کر لو اسے حقیر نہ سمجھو۔“

”تم بے فکر ہو۔ روپوشی چلے ہوئے“ مکار بھیرے بھی کبھی کبھار غافل ہو جاتے ہیں لیکن غول سے چھڑے ہوئے ورنہ ہمت چالاک اور خوں خوار ہو جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری رفاقت سے مختصر سی عرصہ کے نتیجے میں میری ہمت سی کمزوریاں میرے سامنے آجائیں۔“

”مجھے ہمت دیر ہو گئی۔ اب میں چلتا ہوں“ اول خان کی آواز میں ایک مرتبہ پھر اداوی تیر گئی۔ وہ کہہ رہا تھا ”پتا نہیں ہم لوگوں کو دوبارہ کب ایک دوسرے سے ملنا نصیب ہو لیکن مجھے امید ہے کہ ہم ایک دوسرے کو کبھی نہیں بھول سکیں گے۔ یہی اچھی یادیں زندگی کا سراپا ہوتی ہیں۔“

”اچھا کیا کہ تم نے سرانے کا ذکر چھیڑ دیا“ میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک فوری خیال کے تحت کہا ”تمہیں معلوم ہے کہ ہمارا سارا سراپا جمائیکر کی تجویز میں منتقل ہے۔ ابھی تک تو تمہاری وجہ سے ہم اس طرف سے بے فکر تھے۔ اب اس گھر اور وہاں موجود اثاثوں کا کیا بنے گا؟“

”غیت ہوا کہ میں نے وہاں ایس ٹی ایف کے آدمی مامور نہیں کئے تھے ورنہ آج وہ مکان بھی بالکل خالی بلکہ ویران ہو جاتا۔ وہاں داخلے کی کلید جمائیکر کے پاس ہے۔ میں نے سیکورٹی کمپنی کو ایک ماہ کا پیشی معاوضہ دیا ہوا ہے۔ جمائیکر باندی سے یہ رقم ادا کرتا رہے گا تو وہاں پر عہدہ بھی پر نہیں مار سکے گا۔ جمائیکر جب چاہے گا روڈ کھا کر گھر میں جا سکتا ہے۔ موقع پا کر تم لوگ وہاں سے نقدی اور زیورات وغیرہ نکال سکتے ہو۔ فی الحال باقی اثاثوں کو بھول جاؤ۔ زندگی رسی تو جمائیکر ایسے ہتیرے اٹانے بنا لے گا۔ اس کے لیے میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ وہ اب اس مکان میں پائش کا خیال ترک کر کے اسے پورے ساز و سامان سمیت بیچنے کی فکر کرے اور خاموشی سے کلشن یا ڈینس میں کوئی گھر لے لے۔ یہ گھر ہمارے

گیا البتہ غزالہ نے مجھے جانے کی ایک پیالی تھما دی۔  
 ”میں مانتا ہوں کہ وقت بہت کم اور معاملہ سنگین ہے۔“ جاگیر  
 نے سب کو روکا گی پر آدھ پا کر پوچھا ”ہوئے انداز میں کیا“ لیکن  
 اتنی جلت بھی مناسب نہیں ہے۔ ہمیں کچھ فیصلہ بھی کرنے ہیں۔“  
 ”کیسے فیصلہ؟“ دیر اغرا کر اس پر چھ دوڑی اور وہ مزید پوچھا  
 گیا۔

”ہم یہاں سے کہاں جائیں گے؟ یہاں کون رہے گا؟ فیکٹری  
 کا کیا ہے گا؟ رشیم خان اور دوسرے آدمیوں کو کیا بتایا جائے گا؟“  
 وہ دیر اسے چند قدم دور بٹ کر دافغانہ انداز میں بولا۔

”ہمیں جہاں بھی جانا ہوگا“ یہاں سے باہر نکل کر فیصلہ کریں  
 گے“ دیر اتنے بچے میں بولی ”فیکٹری جائے بغاڑیں۔ تم نے سنا نہیں  
 کہ اوّل خان نے کیا کہا ہے؟ زندہ رہو گے تو ایسی پچاس فیکٹریاں  
 کھڑی کر لو گے! سمجھے؟ تم یہیں رہنا چاہتے ہو تو خوشی سے رہو۔ وہ  
 تمہارے بدن کا ایک ایک ریشہ اور جڑا لیں گے اور تم انہیں کوئی  
 نئی بات بتا کر اپنی جان نہیں چھڑا سکو گے۔ اگر ایک شریف آدمی  
 کی طرح ہمارے ساتھ چلے پر آدھ ہو تو رشیم خان یا کسی اور سے  
 کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں سمجھنے دو کہ ہم کسی کام سے یا  
 آدھ گردی کے لیے جا رہے ہیں۔ جب ان کے سر پر مصیبت  
 پڑے گی تو وہ خود ہی سنبھال لیں گے۔ انہیں کسی اداکاری کی  
 ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہر بات فطری انداز میں منہ سے نکلے  
 گی۔“

”نہیں، یہ رشیم خان کے ساتھ ظلم ہوگا“ مجھے دیر کا خود  
 غرضانہ مشورہ پسند نہیں آیا ”وہ لوگ ہمارے نکل بھاننے کا سارا  
 غصہ رشیم خان پر اتار ڈالیں گے۔ اگر اسے زندہ چھوڑ دیا گیا تب  
 بھی وہ عمر بھر کے لیے اپنا بچ ہو کر رہ جائے گا۔ اسے ہمارے پیچھے ہی  
 یہاں سے نکل جانا چاہیے۔“

”اور یہ تینوں آدمی؟“ غزالہ اپنے ساتھ ہر ایک کے بارے  
 میں سوچ رہی تھی۔

”ان میں سے ایک موتی لال کی لاش لے کر جا چکا ہوگا۔ وہ  
 تینوں ایس ٹی ایف کے آدمی ہیں۔ انہیں کسی بھی وقت برطانی کے  
 احکام موصول ہو سکتے ہیں۔ وہ فیکٹری کو تالا لگا کر خاموشی سے چل  
 دیں گے۔ اگر ہمارے دشمن ان کے جانے سے پہلے پہنچ بھی گئے تو  
 وہ ان کے ساتھ برا سلوک نہیں کر سکیں گے۔ خفیہ تنظیم سے تعلق  
 رکھنے کے باوجود ان لوگوں کو بہت سے تحفظات حاصل ہیں۔“

”ہم سب تو ان سے کچھ کہنے کے بغیر نکل سکتے ہیں لیکن رشیم  
 خان انہیں کیسے جل دے گا؟“ اس وقت جاگیر کی کھوپڑی شاید  
 بالکل ہی ماؤف ہو کر رہ گئی تھی۔

میں نے نہایت تحمل سے کام لیتے ہوئے اسے سمجھایا ”تم کوئی  
 گڑبڑ کرو گے۔ انٹر کام پر اسے اوپر بلاؤ۔ میں خود ہی اسے پوری  
 بات سمجھا دوں گا۔“

انہیں یہ گوارا نہیں ہوا کہ ان کی سی آئی اے کی طرز پر  
 کا کوئی چھوٹا ملک اپنی سلامتی کے لیے کوئی ایجنٹل ٹاسک  
 کرنے کی اجازت کرے اور پھر ٹاسک فورس بھی ایسی جو  
 ملی کے لیے اپنے بڑوں کے علاوہ کسی کو جواب دہ نہ ہو۔  
 ان کا فہم سے مادہ اقدامات کرنے کی آزادی ہو۔ کل  
 نے ہمارے تین ساتھیوں کو پولیس کی تحویل سے نکالنے  
 کے رد اور ادا کیا وہ بد قسمتی سے راز نہیں رہ سکا۔ ایلن سے  
 شیعہ نہ رہ سکا۔ اس نے اپنی حاصل کی ہوئی معلومات  
 میں تک پہنچا دیں اور انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک  
 کرپڈا جو اوّل خان اور ایس ٹی ایف کے اسٹیشن فور کو  
 بٹالے گیا۔“

الٹا تک حمید کے بعد میں نے انہیں اصل واقعات  
 ع کو کئے سب کے چہرے اداس اور آنکھیں گھر مند  
 یک کو اپنا غیر یقینی مستقبل سامنے نظر آ رہا تھا۔

کی اس حرکت کا جواب تو یہی ہے کہ ہم یہاں رک کر  
 لے اور کار کا انتظار کریں اور پھر ان کے دانت کھینچ کر دیں  
 عمل ہوئے پر دیر نے غصیلے لہجے میں کہا ”وہ بھول رہے  
 ہیں کہ انہیں یا نیوٹارک نہیں کراچی ہے۔ اوّل خان کے بے  
 پیرے جانے کے باوجود ہم اتنے بے بس نہیں ہیں۔“

”کہو اور جلدی نکلو!“ میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے  
 اس طور پر دیر اسے مخاطب ہو کر بولا ”مجھے خوشی ہے کہ  
 وہاں میں یہ جوش اور ولولہ موجود ہے مگر بعض کام  
 اپنے سے کئی گنا طاقت ور ہو تو عارضی پسپائی شکست  
 میں ہمیں اوّل خان کے بھیاک خدشات سے آگاہ  
 سامنے رہ کر مقابلہ کرنے کے بجائے ہم کو ریلا جنگ  
 کا زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ابھی ایلن کا فون آئے  
 ہیں مگر مجھے اندیشہ ہے کہ انہیں وقت مل گیا تو اس  
 جانے والے ہر راستے پر ان کے خون آشام نشانچہ  
 گئے۔ ہم رسد اور ملک کے بغیر زیادہ دیر تک محصور رہ  
 بلکہ نہیں کر سکیں گے۔ جو لوگ کسی عالمی ایجنٹل سے  
 اوّل خان اور اسٹیشن فور کو دواؤ پر لگا سکتے ہیں وہ اپنی  
 کے لیے ان کے ہر اول دستے کا کردار بھی ادا کر سکتے  
 تھقل بنانی ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔“

میں نے وقت ضائع کرنا حماقت ہے“ دیر نے ایک لمبا  
 کراہتا ہوا کاک خالی کر دیا ”نکلتا ہے تو یہاں سے  
 سب ہوئے کے بعد ہم انہیں ہر اسان تو کر ہی سکتے  
 ہوئے والی ذہرہ گداز تنگ کرنے کے بعد سب کی  
 ہم میں سے کوئی بھی ناشتے کی میز کی طرف نہیں

”واہیں نہیں آتا“ میں نے تیزی سے کہا ”ریل کا  
 کروڑا گاڑی چلے جاؤ۔ حالات اچھے ہوں گے تو تمہارا  
 دے کر تمہیں واہیں بلا لے گا۔“

اس کی آنکھوں سے حیرت اور بے چینی جھلکے  
خطرے کا احساس دلانے کے لیے میں نے فوراً ہی بولنا  
”رات کو پولیس صاحب کو لے گئی۔ وہ ہمیں بھی لے جا  
شہروں میں پولیس والے مال دار سیٹھوں کے ساتھ زیاد  
کرتے۔ ان کے راز اگلوانے کے لیے ان کے غریب  
ملازموں کی کھال اوچھڑا دیتے ہیں اسی لیے تمہارا صاحب  
کہ غلطو دور ہونے تک تم اس شہر میں نہ رہو“ اپنے  
جاؤ۔“

”یہاں کا چکی داری کون کرے گا؟“ اسے دوسرا ہو گئی۔

”ارشاد کے آدمی یہاں کی دیکھ بھال کر لیں گے  
ہو کر جاؤ۔“

”ام اپنا صیب سے مل لے؟“ وہ چلتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ٹھکرایا۔

”ٹھہرو۔ میں اسے یہیں بھیجتا ہوں“ یہ کہہ کر  
روم میں گھر گیا۔

جائیکے کہنا "جاؤ" وہ تم سے آخری ملاقات کہنی چاہا۔

وہ مجھے محاذ کھانے والی نگاہوں سے گھورتا ہوا

”آئی، کہ یہ وقت ان زبان سے خیر کے کا  
طرف چل دیا۔

”آدی کو ہر وقت اپنی زبان سے حیرے  
چاہئیں“ غزالہ کے لہجے میں میرے لیے ہلکی سی فہمائے

”کیا چاکب کون سی بات قبول کرلی جائے؟“

پوچھا۔ ”آخری ملاقات بھی خطرات میں گھرے ہوئے“

”آپس کے معاملات میں، میں اتنی باریک سوز

ہوں" یہ کہہ کر میں نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ  
 عظیم رشیم خان نے جہانگیر کو واقعی اپنے بازو دیا

بچے کی طرح اپنے سینے سے لپٹایا ہوا تھا۔ اندر دینی  
ٹھوس بدن زور زور سے مل رہا تھا اور آنکھوں

تھے۔ وہ برے وقت میں اپنے مالک کو اکیلا چھوڑ  
رہا تھا۔

سلطان شاہ کو میں نے فوراً ہی دونوں کاڑیاں تیار کرنے کے لیے بھیج دیا۔

ہے بیچ دیا۔  
 ہماری کل نفی پانچ نفوس پر مشتمل تھی اور ہم سب وہاں  
 سے ایک گاڑی میں بھی روانہ ہو سکتے تھے لیکن فیملی کے کیراج

سے ایک گاڑی میں بھی روانہ ہوسکتے تھے۔ بین بینکری سے تیرن میں جاتیکری دوسری گاڑی موجود تھی۔ میں کسی ہنگامی ضرورت کے لئے اسے بھی نکال دے گا۔ جاتا تھا۔ دو گاڑیوں میں بیٹ کر ہم

کے لیے اسے بھی نکال لے جانا چاہتا تھا۔ دو کاڑیوں میں بیٹ کر ہم ایک دوسرے کا دھیان بھی رکھ سکتے تھے۔

دیرا کو ذرا دیر سے خیال آیا کہ میں نے سلطان شاہ لودھ

”دوسرے امکانات کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم ایک

رہنے کے بجائے دو الگ الگ ٹھکانوں کا رخ کریں۔ اگر دونوں گاڑیاں ناگزیر وجوہ کی بنا پر ایک دوسرے سے چھڑ جائیں تو وقت

ہیواد کرنے اور بچکنے کی ضرورت نہیں۔ ہر پائی کسی بھی محفوظ ہوئیں میں پناہ حاصل کرے۔ ایسی صورت میں دونوں پائوں

ایک ایک فرد آج شام سات بجے کباب پرانے والے بندو خاں کے ہوٹل پر پہنچے گا تاکہ معلومات کے تبادلے کے ساتھ آئندہ

”نہ اچھی بات ہے کہ تم فعلے کرنے کے ساتھ ساتھ سوچنے

یہ بھی جارہے ہو" ویرامنہ بنا کے بولی۔

اسی دوران میں رستم خان پر سوراخ زدیں کیجئے گئے۔  
ادھر آگیا۔

اس کے ذرا تک روم میں آنے سے پہلے ہی میں پلٹ  
برآمدے میں پہنچ گیا۔

”مجھے کیا ہوتا ہے؟ دوسرے آدمی کہاں ہیں؟“ میں سرسری انداز میں پوچھا۔

”ایک آدمی قیدی کا لاش لے کے گیا ہے“ رحیم خان میر  
قریب ہو کر سرگوشیانہ لہجے میں بتانے لگا ”اس خنزیر کے بچے کو

لوگ نے بہت کانا تھا۔ رات بھر میں وہ پھول کر شیر کا بچہ بن  
تھا۔“

۳ سے مارنا پڑا یا وہ پہلے ہی مر چکا تھا؟ میں نے تجسس پوچھا۔

۳۔ مارا خیال ہے کہ وہ زندہ تھا۔ ریشم خان کی آواز پہچان ہونے لگی۔ وہ اپنا پیر چل کر گاڑی میں آیا پھر مر گیا۔ ارشد بو

”تم کو معلوم ہے کہ تمہارے صاحب کے دشمن کتنے خطرناک ہیں کہ وہ زندہ ملا تو ام اس کا گردن توڑے گا۔“

ہیں۔ وہ خود بھی پیچھے لگے ہوئے ہیں، پولیس کو بھی بھڑکا رہے  
انجمن، بھولہ لگ، سفارش کے لئے بڑے افسر کی طرف جارہے

ابھی ہم لوگ سفارتش کے لیے بڑے اسکرپٹس طرف جا رہے  
ہمارے جانے کے بعد تم بھی ان دونوں سے کوئی بہانہ کر کے  
طاہرؑ کی طرف آ جاؤ۔

”طلوات اور ٹیک سے زیادہ اہمیت ہماری سلامتی کی ہے“ میں نے چہچہاتے ہوئے لہجے میں کہا ”گورنگی روڈ پر ان لوگوں سے مدد بھیج کر کاغذوں پر۔ وہ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ ہم نے یہاں سے نکلنے کے لیے لائڈھی کا راستہ اختیار کیا ہو گا۔ چند منٹ زیادہ ضرور صرف ہوں گے لیکن ہم بے خوف و خطر شہر کے قلب میں پہنچ جائیں گے اس وقت مروجہ راستہ مناسب نہیں رہے گا۔“

”اگر تم لائڈھی کی طرف سے جا رہے ہو تو شہر کے قلب میں گھسنے کی کیا ضرورت ہے؟“ سلطان شاہ نے کسی خیال کے تحت چونک کر کہا ”ہم سب ازپورٹ پر کسی ہوٹل میں ٹیک سکتے ہیں۔“ ”مشکل یہ ہے کہ اب ہر ایک اقلاطون بننے کی کوشش کرنے لگا ہے“ میں نے بیخ سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ”ہزارچی ازپورٹ پر واقع ہوٹلوں کا ایک خاص مزاج ہے۔ وہاں جہاز راں کہنیں کا عملہ، ٹرانزٹ مسافریا مختصر مدت کے لیے قیام کرنے والے غیر ملکی ٹھہرتے ہیں۔ ان ہوٹلوں میں ٹھہرنے والوں پر ایگریجن حکام اور دوسری ایجنسیوں کی گہری نظر رہتی ہے۔ اس بھیڑ میں ہم دوسرے پہچان لیے جائیں گے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر شہر لوٹنے کا فیصلہ کیا ہے۔“

”اب ہم یہاں وقت برباد کر رہے ہیں“ دیرا مٹھیوانہ لہجے میں بولی ”اگر ہم اپنے حریفوں کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں تو اوریات ہے ورنہ ہمیں یہاں سے لھٹنا چاہیے تاکہ ہمارے بعد جہانگیر کے سرپرست ”ریشم خان کو بھی سکون سے یہاں سے فرار ہونے کا موقع مل سکے۔“

”وہ ہو گا تمہارا سرپرست“ جہانگیر بھڑک کے بولا ”برسوں پرانے تعلق کی وجہ سے اگر وہ ذرا سی دیر کے لیے جذباتی ہو گیا تو میں اسے نہیں روک سکتا تھا۔ تم ہر وقت کسی نہ کسی کی ٹانگ کھینچنے کے پکڑیں لگی رہتی ہو۔ یہ کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔“

”کون کس گاڑی میں جائے گا؟“ بات بڑھتی دیکھ کر سلطان شاہ نے موضوع بدل دیا۔

”ڈوبی اور غزالہ ایک کار میں اور ہم تینوں دوسری کار میں جائیں گے“ دیرا بولی۔

”ناممکن!“ جہانگیر جھٹکا بولا ”میں تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گا۔ میں نے مسلسل چند روز بھی تمہارے ساتھ گزار لیے تو مجھے تیسرے درجے کی ٹی بی ہو جائے گی۔“

”ٹھیک ہے۔ تم ہمارے ساتھ آ جاؤ“ میں نے وہ بحث وہیں ختم کر دی اور اگلی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ گاڑی مجھے چلائی تھی۔ غزالہ نے خود قطعی نشت پر بیٹھ کر جہانگیر کو اگلی بائیس پر بیٹھنے کا موقع دینا چاہا لیکن وہ زبردستی پیچھے ہی دھکس گیا۔

میں نے انٹیشن میں چابی لگائی ہی تھی کہ جہانگیر بول پڑا ”ریشم خان ہمارے ساتھ جائے یا بعد میں فرار ہو“ اول خان کے آدمیوں کو ہماری چال بازی کا علم ہو ہی جائے گا۔ ہمارے بعد وہ بے چارہ

حالات میں شاید وہ منظر سب ہی کے لیے جذبات انگیز لیکن میرے پیشگی تبصرے کی وجہ سے وہ صورت حال خیر نظر آ رہی تھی۔ جہانگیر کو بھی اس بات کا احساس نہ تھا کہ جلی آواز میں سن کر اس نے کھسکا کر ریشم خان کی نالی سے نکل جانے کی کوشش کی لیکن بس اپنی جگہ پر پل ریشم خان اپنے ”میب“ کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑ

سکتا تھا کہ مسکراہٹ کے ساتھ تیزی سے نیچے اترنے لگا۔ پہلے ہی دیرا نے غزالہ سے چھڑ پھاڑ شروع کی تھی کہ ارادے ٹیک نظر نہیں آتے۔ اس نے جب یہاں یوں میں روانہ ہونے کی بات چھیڑی تو میرا ماتھا ٹھٹکا

جسیں چھوڑ کر تو کہیں نہیں بھاگیں گے“ غزالہ نے سے کہا۔

”چھوڑ کر نہیں، تمہیں لے کر بھاگنے کا ارادہ نظر آیا“ دیرا ہلکا سا قہقہہ لگاکے بولی ”شام سات بجے بندو خان پر پہنچنے سے پہلے راوی تم دونوں کے لیے عیش و عشرت

ہو بھی جائے تو کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔ اچھا ہوا کہ تم نے یہ اب تو ایسا ہی ہو گا“ غزالہ سے پہلے میں خوش دلی سے

ت نے ہم سب کو کباب میں بڑی بنایا ہوا ہے۔ اچھا طرح تم دونوں کو مکمل تنہائی کے کچھ اچھے لمحات میرے جہانگیر اور سلطان شاہ کو بھگت لوں گی۔“

”خیر، کرم تینوں ہی خاموش ہو گئے کیونکہ اول خان کے گاڑیوں کی صفائی میں سلطان شاہ کی مدد کے لیے وہیں شاید ارشد نے موتی لال کی لاش لے جانے سے پہلے دست سے نیچے ہی بلالیا تھا اور سلطان شاہ نے ان دونوں کو بھتیجا رہی گاڑیوں میں منتقل کرا لیے تھے۔

”جتنے ہی ایس ٹی ایف کے دونوں آدمی احزانہ گیٹ کی گئے پھر جہانگیر بھی اوپر سے نیچے ہی آ گیا۔ اس کے بھرے کے آثار ہو رہے تھے اور وہ سب ہی سے نظریں چراہا تھا۔ ریشم خان تھا۔ اس کا چہرہ لٹکا ہوا تھا اور مایوسی سے کے دھکک آئے تھے۔

رونگی روڈ اور ڈیفنس کے بجائے لائڈھی کی طرف سے کا رخ کریں گے“ سب کے ایک جا ہو جانے پر میں نے میں کہا ”ممدار کا کوئی بھی متوسط درجے کا ہوٹل ہماری

استہمت لہا اور بے شکا ہے۔ اور ہرے جانے کی کیا ہے“ جہانگیر نے اعتراض کیا۔

پیدل کہاں مارا مارا پھرے گا۔ اسے بھی ساتھ ہی لے لو، راستے میں اتار دیتا۔“

اس کی بات منقول تھی۔ میں نے اشارے سے رشیم خان کو اپنے پاس بلایا۔ اس نے میرے ایما پر اپنی رائفل ایس لی ایف کے ایک ٹھنڈے کے حوالے کی اور نہایت بے تابانہ انداز میں جانتگیہ کے برابر بیٹھ گیا۔ میں نے انجن اشارت کر کے گاڑی آگے بڑھائی تو پھانک کھل چکا تھا۔

ہماری دونوں گاڑیاں کھلے ہوئے پھانک سے نکل ہی رہی تھیں کہ سامنے ایک ہیڈلٹ پوش موٹر سائیکل سوار آکا۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جانتگیہ کی فیکٹری ہی میں داخل ہوئے کا رارادہ رکھتا تھا۔ وہ جیم اور سخت جان نظر آ رہا تھا۔ اس کی موٹر سائیکل بھی فوجی ساخت کی اور طاقت ور انجن والی معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ اس نے شہر کی طرف دیکھ کر کشناسانی کے انداز میں اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی۔

”ٹھہرو!“ جانتگیہ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر اضطرابی انداز میں بولا ”شاید یہ موٹر سائیکل سوار فیکٹری ہی میں آیا ہے۔ دیکھ لیں کہ یہ کیا چاہتا ہے؟“

”مسکون سے بیٹھے رہو“ میں نے غرا کر کہا اور گاڑی کی رفتار بڑھادی ”یہ اپنے طور طریقوں سے نیم فوجی لگ رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ایس لی ایف والوں کی برطانی کا پروانہ لے کر آیا ہے۔ اس وقت ہم رکے تو پھر میں پھنس کر رہ جائیں گے۔“

سلطان شاہ نے میری تھلید میں دوسری گاڑی کی رفتار تیز کر دی تھی۔ میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا کہ راستہ صاف ہوتے ہی وہ موٹر سائیکل کھلے ہوئے پھانک میں داخل ہو گئی تھی۔

”میب! پورا فیکٹری کھلا پڑا ہے۔ یہ لوگ اور کیا کرے گا“ گاڑی میں رشیم خان کی فکر مندانہ آواز ابھری ”تم حکم کرو تو ام ابی بھی اور رہ سکتا ہے۔“

”پچ چاپ بچھو اور گاڑی سے اترتے ہی اپنے اپنے گاؤں بھاگنے کی فکر کرو“ جانتگیہ نے خشک لہجے میں کہا ”جو بات ایک دفعہ سمجھا دی ہے اسے اپنے ذہن میں رکھو۔“

آگے پہلی بلی سڑک نظر آتی ہی میں نے سیدھی سڑک چھوڑ کر اپنی گاڑی اسی طرف موڑ لی۔ مجھے موٹر سائیکل سوار کی طرف سے خطرہ تھا کہ کہیں وہ فیکٹری خالی ہو جانے کی خبر ملے ہی ہماری تلاش میں نہ نکل کھڑا ہو۔

اول خان سے مجھے جو کچھ معلوم ہوا اس کا لب لباب یہ تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی اعلیٰ قیادت نے اپنی ساری تادیبی یا دفاعی کارروائی اسٹیشن فور کے محلے تک محدود رکھی تھی۔ اس گردش کی وجہ سے میرے یا میرے ساتھیوں کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا تھا۔

ممکن ہے کہ فیکٹری پہنچنے والا موٹر سائیکل سوار صرف تین

افراد کی برطانی اور فوری رداعی کے احکام سے لے کر آیا ہو۔ اس کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی کہ ان کے بعد فیکٹری بالکل ہی غیر محفوظ اور ویران ہو جائے گی۔ اور دوسرے کمروں کی کنڈیاں لگا کر وہاں سے لوٹ سکتے تھے۔ طور پر انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ پانچوں رشیم خان کو لے کر کہاں غائب ہو گئے تھے۔ اس اعتبار سے ہتر تھی۔ کھلی اور سیدھی سڑک پر اسپیشل فورس والوں کا سامنا کرنے سے گلیوں کی بھول بھلیوں میں نہ مناسب تھا۔

”گاڑی میں جانتگیہ کے چوکیدار کی موجودگی کی وجہ بات نہیں کر سکتے“ چند منٹ کے سکوت کے بعد غزالہ نے کہا ”یہ ہمارے ساتھ کہاں تک جائے گا؟“

”چند منٹ کی بات ہے“ جانتگیہ نے غزالہ کے ہم ناخوش گووار ردعمل کا مظاہرہ کیے بغیر انگھری ہی میں ”الانڈھی سے پینسل ہائی وے پر گھومتے ہی ہم اسے“

”گے“ پھر جانتگیہ اور رشیم خان میں ہلکی سی زور آزمائی میں دوزیہ لگا ہوں سے عقب نما آئینے میں دیکھ چکا تھا۔ اپنی جیب سے خاصی رقم نکالی تھی۔ وہ خاموشی سے سا خان کو دینا چاہ رہا تھا اور رشیم خان کسی گونے کی گڈ لائٹنی آوازوں کے ساتھ جانتگیہ کے رقم والے ہاتھ کو رہا تھا۔ اس وقت مجھے وہ منظر بہت بھلا لگا۔ اس دورہ

مندی لخت بن چکا ہے کہ کوئی بھی کہیں سے بھی ہاتھ سراپے سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرتا پھر جب ”اجیر کا ہو تو مزدور ہر رقم کو اپنا حق تصور کر کے چھینا۔ خان مشکل کے لحاظ میں اپنے مالک کی مدد قبول نہ کر داری کی ایک نی مثال قائم کر رہا تھا۔

وہ ایک غریب چوکی دار تھا جو کافی عرصے سے جہاں کا محافظ اور اس کی نجی زندگی کا رازدار بن ہوا تھا۔ اس مختصر سا اثاثہ چھوڑ کر تن کے تین کمروں کے ساتھ اسے لگی بندھی ملازمت سے محرومی کے ساتھ اپنے سزا کا مرحلہ بھی درپیش تھا کہ اسے یہ فکر زیادہ تھی کہ لاکھوں روپے مالیت کی فیکٹری کو لاوارث اور کھلا سرور سامانی کے عالم میں کہیں بھاگ رہا تھا اور اسے شدید ضرورت ہو سکتی تھی۔

وہ نکلتا زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکی۔ جہاں زبردستی رشیم خان کی جیب میں ٹھونس دیے اور سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

الانڈھی سے نکل کر پینسل ہائی وے پر بائیں طرف

بعد میں نے گاڑی ایک کنارے سے لگا دی۔ کھڑکی ہاتھ کا اشارہ دیکھ کر سلطان شاہ اپنی گاڑی کو سٹ

تاکہ کسی پُرسکون علاقے میں نیا مکان خرید کر سہلی کو لاہور سے بلا سکوں۔ وہ لاہور میں پڑے پڑے آگیا تھا۔

”یہ کہو کہ تمہیں شدت سے پیوی کی یاد دہانی ملے گی ہے“ میں نے اسے چھیڑا۔

وہ ایک گمراہ سانس لے کر رہ گیا اور قدرے توقف کے بعد بولا ”پیوی میں کوئی گمن ہوں، تب ہی وہ یاد آتی ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ مجھے اپنا بیٹا بہت یاد آ رہا ہے۔ اولاد کی محبت عجیب اثر رکھتی ہے۔“

”پیوی اور بیٹے کو بھی بلالینا لیکن ہم سے دور کیوں بھاننا چاہ رہے ہو۔ تم ہمارے ہوٹل میں ایک ایک کمرے لے کر اطمینان سے آرام کے چند روز گزار سکتے ہو۔ سہلی کی تجوری تک رسائی حاصل کر کے ہماری رقم ہمارے حوالے کر کے تم کہیں بھی جاسکتے ہو۔“

”میں تمہاری رقم لے کر بھاگ نہیں جاؤں گا۔ وہ پہلی فرصت میں تم تک پہنچادی جائے گی“ وہ تلخی سے بولا ”تم نے اتنے بڑے بڑے پھلوں میں اپنا پیڑ پھنسا ہوا ہے کہ زیادہ دیر تک تمہارے ساتھ لگے رہنے سے مجھے اپنی مٹی پلید ہوتی نظر آ رہی ہے۔ میں اپنے مخدوش مستقبل کو اسی طرح ٹال سکتا ہوں کہ بھیڑ بھاڑ کے مقامات اور ہوٹلوں وغیرہ میں تمہارے ساتھ نہ دیکھا جاؤں۔ میں اپنا کوئی نیا شور مچانا ماننے میں کامیاب ہو گیا تو تم بھی اس سے فائدہ اٹھا سکو گے“

”غیرت ہے کہ تم آئندہ بھی میل جول برقرار رکھنے کے بارے میں سوچ رہے ہو لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم آرام کے لیے ہوٹل وغیرہ نہیں تو پھر کہاں جاؤ گے؟ اب تو بے چاری نادبہ یا مسز خان بھی زندہ نہیں ہے جو چند روز کے لیے تمہیں اپنے گھر میں رکھ لے۔“

”تم از کم بھائی کی موجودگی میں تو بے ہودہ باتیں مت کرو“ وہ بھٹکا بولا اور غزالہ کے چہرے پر زہر لب مسکراہٹ پھیل گئی جسے نہیں دیکھ سکا اور اپنی دھن میں مبتلا رہا ”تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ایک شریف اور گھروار آدمی ہوں۔ میں ان خرافات میں نہیں پڑتا۔ نادبہ اپنے دل میں جو بھی سمجھتی رہی ہو، میں نے کبھی اسے اپنی نیک بختی سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔“

”میں نے تم پر کوئی الزام عائد کیا۔ نہ بے ہودگی کی۔ میں نے مہر کی سنجیدگی سے کہا ”میرے کہنے کا مطلب صرف اتنا تھا کہ تمہاری سیکریٹری خود کشتی کر چکی ہے، تم ہوٹل یا بھیڑ بھاڑ کی کسی جگہ کا رخ نہیں کرنا چاہتے پھر تم کہاں جاؤ گے، کہاں آرام کرو گے؟“

”تم میری فکر مت کرو۔ میں نے اپنے بارے میں سب کچھ سوچا ہوا ہے۔ میں ایسی جگہ جاؤں گا جہاں کسی کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا۔ وہاں رہ کر میں اپنے معاملات سیدھے کر لوں گا۔“

”ایسی کون سی جگہ ہے جس کا نام لینے ہوئے تمہیں شرم ہوگا؟“

”میں چند روز کے لیے کسی اسپتال میں داخلہ لے لوں گا“

مجبوراً اسے بتانا ہی پڑا۔

لیتا چلا گیا۔

گاڑی سے اترتے ہوئے، رشیم خان ایک مرتبہ پھر چنباٹی ہوئے لگا لیکن میں قرب وجوار میں موجود افراد کی بھاری تعداد کے سامنے کوئی تماشا نہیں بنانا چاہتا تھا اس لیے میں نے رشیم خان کے اترنے ہی الوداعی کلمات کہہ کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

”اس بار ہماری بھاگ دوڑ کا انجام کچھ خوش گوار نہیں رہا۔“ غزالہ نے ایک گمراہ سانس لے کے کہا ”اول خان سے لے کر جمائیکر تک سب ہی عتاب میں آ گئے ہیں کوئی خوش نہیں ہے۔“

”یہ ہوتا رہتا ہے“ جمائیکر نے سپاٹ آواز میں کہا ”میں تم لوگوں کے معاملات میں بہت زیادہ ملوث نہیں ہوا لیکن میرا اندازہ ہے کہ موتی لال کو ختم کر کے تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔“

”ہمیں اس کامیابی کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے“ میں نے کہا۔

”سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ ہم اسٹیشن ٹاسک فورس کی تباہ کن طاقت سے محروم ہو گئے ہیں“ غزالہ کی آواز پُر ملال ہو گئی ”پاکستان آنے کے بعد شاید آپ کو پہلی بار قانون کے محافظوں کی فکر کرنی ہوگی۔“

غزالہ کے آخری فقرے پر میں چونک پڑا۔ حقیقت میں میرا باطنی داغ دار تھا۔ بیرونی فروشوں کی سربراہی اور شہر کے شہرہ پوشوں سے گھرے مراسم کی وجہ سے میں بہت سے معاملات میں پولیس کو مطلوب تھا اور وہ صورت حال اتنی غمگین تھی کہ میں یورپ سے پاکستان واپس آتے ہوئے اپنی اصلی سرکاری دستاویزات استعمال کرنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا بلکہ پیڑواک کے فرضی نام سے سفر کرتا ہوا پاکستان میں امیگریشن کے مراحل سے گزرا تھا۔ اس کے بعد بھی قانون کے محافظوں سے ایک طویل عرصے تک میری آنکھ پھٹی جاری رہی لیکن اول خان سے مراسم استوار ہونے کے بعد میں ان تمام قلموں سے آزاد ہو گیا تھا۔

اس وقت تک وقت دو خطرناک باتیں یک جا ہو گئی تھیں۔ پہلی یہ کہ اول خان کو معزول کر کے کراچی میں اسٹیشن ٹاسک فورس کی تمام سرگرمیاں فوری طور پر معطل کر دی گئی تھیں۔ دوسری یہ کہ ایلن نے مجھے بے بس کرنے کے لیے مقامی پولیس کو میرے پیچھے لگا کر انہیں اپنی یادداشت تازہ کرنے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ کوئی بھی ذہن پولیس افسر صرف میرے نام کے سارے میرے پیچھے لپکا روڑی پڑنا شروع کر سکتا تھا۔

”گر میاں کے حالات جلد ہی سازگار نہ ہو سکتے تو ہم باہر نکل جائیں گے“ میں نے غزالہ کی تسلی کے لیے کہا ”کچھ وقت گزارنے کے بعد ہم دوبارہ میاں واپس آ سکتے ہیں۔“

”مجھے اپنے پروگرام سے باہر ہی رکھنا“ جمائیکر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ”میں زیادہ دیر تک تمہارے اوپر بوجھ نہیں بنوں گا۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی مجھے کہیں امان دے۔ میں چند روز آرام کر کے اپنے گھر سے رقم، زیورات اور چیک بکس نکالوں گا“

”اسپتال؟“ غزالہ نے اس کی طرف گھوم کر حیرت سے پوچھا۔  
”جیسے ہٹے اور صحت مند آدمی کو شہر کے کس اسپتال میں  
لے مل سکے گا؟“

”گراچی میں سب کچھ ممکن ہے۔“ منجے پرائیویٹ اسپتال  
بل کا بس چلے تو وہ زکام کے مریض کو بھی دو چار دن کے لیے  
نال میں رکھ لیں۔ اعصابی دباؤ اور بے چینی کی بنا پر میں کسی بھی  
نال میں کئی دن گزار سکتا ہوں۔ وہاں ٹخنے میں دنیا کی ہر  
لت لیتی ہے اور یہ اسپتال بہت منجے کمانے کے باوجود  
اشارہ بلکہ فراموشیوں سے بھی سستے ہوتے ہیں۔“

”آدی فور اناجیہ اشارہ ہوٹلوں کا رخ کرتا ہے تو ذہنی طور پر  
ل خرمی کے لیے آمادہ ہوتا ہے لیکن کسی بیماری میں اسپتال کا  
نکرتا پڑے تو تالی زیادتیوں بری لگتی ہیں۔“ میں نے کہا۔  
”تم نے اب تک اس اسپتال کا نام نہیں بتایا جہاں جانے کا  
وہ ہے؟“ غزالہ نے اسے ٹوکا۔

جواب میں اس نے جس اسپتال کا نام لیا وہ میرے لیے نیا  
ن تھا۔

اس وقت سلطان شاہ اودھو راکی گاڑی ہم سے آگے جاری  
ہے۔ میں نے اسے اپنی نگاہ میں رکھا ہوا تھا۔ پیچھے کی مجھے زیادہ فکر  
ن تھی لیکن میں عقب نما آئینے میں جاسٹیکر کو دیکھتے ہوئے غیر  
دی طور پر سرگ کا بھی جائزہ لے لیتا تھا۔ کافی دیر سے ہمارے  
، ہلکے سرمئی رنگ کی ایک بند سوزوکی پک اپ چلی آ رہی تھی  
، پر میں نے زیادہ دھیان دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی  
۔

میں نے جاسٹیکر کے پروگرام پر چڑانے والا تبصرہ کرتے ہوئے  
بار بھر اس پک اپ کا جائزہ لیا۔ وہ مستقل فاصلہ برقرار رکھتے  
نے ہمارے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ اس کے اگلے کبیر کی دونوں  
نیں آباد تھیں۔ پیچھے حصے کے بارے میں کوئی اندازہ لگانا ممکن  
ن تھا کیونکہ وہ آہنی چادر سے پوری طرح ڈھکا ہوا تھا۔  
میری چھٹی حس بیدار ہو گئی۔ اگر سوزوکی والوں کے عزائم  
تھے تو ہماری رفتار سست ہونے پر انہیں آگے نکل جانا چاہیے  
یہ خیال آتے ہی میں نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کر دی۔

چند ہی سیکنڈ میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ ہمارا اور سوزوکی کا  
یانی فاصلہ کھٹنے کے بجائے تقریباً برقرار تھا۔ ہماری سست روی کا  
زہ کر کے انہوں نے بھی اپنی رفتار کم کر لی تھی۔ وہ یقینی طور پر  
اتفاق کر رہے تھے۔ میں نے اپنے ذہن پر بہت زور دیا لیکن یہ  
نہ آسکا کہ میں نے عقب نما آئینے میں پہلی بار سوزوکی کا عکس  
ن دیکھا تھا۔

”کیا بات ہے؟ آپ اچانک ہی مضطرب نظر آنے لگے ہیں۔“  
پارٹنر نے غزالہ سے پوچھنا نہ سکی۔

”ایک سوزوکی پک اپ ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔“ میں نے  
دن رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”میں نے رفتار کم کی تو وہ

بھی سست روی پر اتر آئے ہیں۔“ چٹائیں کون لوگ ہیں۔“  
”پولیس پارٹی معلوم ہوئی ہے۔“ جاسٹیکر نے شاید گردن جھٹاکر  
سوزوکی کا جائزہ لے ڈالا تھا۔ اس کی آواز سے سخت وحشت جھٹک  
رہی تھی ”آج کل ایسی گاڑیوں کی ہماری تعداد پولیس والوں کے  
استعمال میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ستارے گردش میں  
آگئے ہیں۔ گاڑی میں موجود ہتھیاروں کو کام میں لانے بغیر ہم ان  
لوگوں سے نہیں بچ سکیں گے۔“

”ہرگز نہیں۔“ غزالہ نے سختی سے کہا ”مناجیہ خواہ کچھ بھی ہوں،  
ہم پولیس والوں سے کوئی تصادم مول نہیں لیں گے۔ ذرا غور سے  
دیکھو کہ سوزوکی کی اگلی سیٹوں پر پولیس والے ہی ہیں۔“  
”اس کے ذہن پر پولیس کا آسیب سوار ہے۔“ میں نے بد مزگی  
سے کہا ”سوزوکی میں نظر آنے والے دونوں آدمی عام شہری کپڑوں  
میں ہیں۔ ان سے چھینچھاڑی جاسکتی ہے۔“

ان لوگوں سے گھومنا کسی کی دوسری صورتیں ممکن تھیں۔ رک  
کر انہیں لٹکا کر جاتا اور وہ خوف زدہ ہو کر واپس فرار ہو جاتے یا پھر  
میں اپنی گاڑی کے انجن پر بھروسہ کرتے ہوئے برق رفتاری سے  
آگے نکل کر ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا۔

بظاہر وہ سوزوکی خستہ حال نہیں تھی۔ ہمارے فرار کی صورت  
میں وہ بھی تیز رفتاری کے مظاہرے پر اتر آتے تو ٹرنک کے جھوم  
میں کسین نہ کہیں ہم تک پہنچ سکتے تھے۔ اس وقت میرے ذہن میں  
بس ایک ہی بات جم کر رہ گئی تھی کہ وہ ایمن کے کرائے کے بد معاش  
تھے جو اغاقا تانی ہمیں پہچان کر ہمارے پیچھے لگ گئے تھے۔  
میں نے گاڑی کو بائیں طرف کچے میں اتارتے ہوئے آہستہ  
آہستہ روک دیا۔

ابتدا میں سوزوکی والے بھی اپنی رفتار کم کرتے رہے لیکن  
ہمیں رکتا ہوا دیکھ کر انہوں نے پیچھے رکنے کا ارادہ ترک کر دیا۔  
سوزوکی ریختی ہوئی ہمارے برابر سے گزری تو اس کے پچھلے حصے کی  
آہنی باڑی پر چلی انگریزی حروف میں پولیس لکھا ہوا تھا۔ اس کے  
ڈرائیونگ کبیر میں موجود دونوں افراد نے تجسسناہ انداز میں  
ہماری طرف دیکھا اور آگے جا کر سوزوکی کنارے سے لگانے لگے۔  
”ہمارے گئے۔“ جاسٹیکر خوف زدہ آواز میں کراہا ”اس وقت یہ  
دونوں اپنی وردیوں میں نہیں ہیں لیکن یہ فیکٹری پر چھاپا مارنے والی  
پارٹی میں شامل تھے۔ مونچھوں والا تو ایل خان کے پیچھے سے پہلے“  
تھانے میں ہم لوگوں کو خاصی دھمکیاں بھی دیتا رہا تھا۔“

”میں ان کا زیادہ سامنا نہیں کرنا چاہتا۔“ میں نے جلدی سے  
کہا ”تم ہی نیچے اتر کر ان سے بات کرو۔ کوئی کمزوری دکھانے کی  
ضرورت نہیں۔ اس وقت وہ دونوں وردی میں نہیں ہیں۔“

جاسٹیکر کے ساتھ غزالہ بھی پھرتی سے گاڑی سے اتر گئی۔  
سوزوکی کا پچھلا حصہ خالی پڑا ہوا تھا۔ اس کے رکنے پر دونوں سادہ  
پوش نیچے اتر کر ہماری طرف بڑھنے لگے۔ میرے لیے اطمینان کی  
بات یہ تھی کہ ان کے ہاتھ خالی تھے اور جسموں پر بھی کوئی ہتھیار

میں سمجھا ہوا تھا۔  
 ”کیا بات ہے؟“ اتنے سویرے اس راستے سے کہہ رہا ہے  
 ہو؟“ مونجھوں والے دو درمی سے بلند استہزائیہ آواز میں پوچھا۔  
 ”دور گھبرا کے یہاں رکے کیوں ہو؟“

”جس شہر میں باحیثیت انسانوں کی بے توقیری ہوتی ہو، ہم  
 وہاں نہیں رہ سکتے۔ ہم لاہور جا رہے ہیں لیکن تم لوگ ہمارا پچھا  
 کیوں کر رہے ہو؟ کیا تمہارے ایس ایچ او کے لیے رات کا تجربہ  
 کافی نہیں تھا؟“ جہانگیر سے پہلے ہی غزالہ دنگ آواز میں برس پڑی  
 اور میں دو پولیس والوں کے سامنے اس کا وہ پراحتہ رویہ دیکھ کر  
 حیران رہ گیا۔

”ہم صاحب! ناراض ہونے کی ضرورت نہیں“ وہی شخص  
 خوش اندازہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا ”اتفاق سے تم دونوں کو پہچانا تو  
 تقریباً بیچھے لگ گئے تھے۔ اس وقت ہم ڈیوٹی پر نہیں ہیں۔ ہمارا  
 ایس ایچ او صاحب تو اپنی بیٹی اور نوٹی کے مدد سے سے گھر پر آ رہا ہوا  
 ہے۔ گاڑی میں کوئی گزریز ہے تو ہم تمہاری مدد کریں؟“

”کسی مدد کی ضرورت نہیں“ غزالہ نے خشک لہجے میں کہا ”ہم  
 راستہ لودر نہ تمہاری بھی شکایت کی جاسکتی ہے۔ ہم گرے پڑے یا  
 لاوارث لوگ نہیں ہیں جو تمہاری زیادتیوں سہہ لیتے ہیں۔“

وہ خاصا گھماکے آدمی تھا۔ اپنے تھانے میں اول خان کا رسوخ  
 اور دب دیکھ چکا تھا۔ شاید اسے علم نہیں تھا کہ اس واقعے کے بعد  
 ہی اول خان زیر حجاب آ گیا تھا۔ وہ غزالہ کے ترش نعروں پر پرہیز  
 ہوئے بغیر اپنے پیشہ ورانہ جنس کے ساتھ بولا ”ہمچا ہوا کہ تم نے  
 خبیلا لاہور جانے کا پروگرام بتا دیا۔ تمہارے ساتھ یہ تیسرا آدمی  
 کون ہے؟ کہیں ایس ایچ او صاحب کو اسی کی تلاش تو نہیں تھی؟“

”یہ ہمارا ڈرائیور ہے۔ چاہو تو اب اسے پکڑ لو۔ دوسرے  
 پہلے پورے تھانے کی وردی اتر جائے گی“ اسے مرحوب ہوتا ہوا  
 دیکھ کر غزالہ ابھی کے مظاہرے پر قہقہہ مانی۔

”چل بھی چوہدری! مونجھوں والا اپنے ساتھی کے شانے پر  
 ہاتھ مار کے بولا ”میں شرط جیت چکا ہوں۔ میں نے اس گاڑی کا نمبر  
 دیکھتے ہی تجھے بتا دیا تھا کہ رات کو یہ گاڑی ایس جے کارمنس میں  
 کھڑی ہوئی تھی۔ اب دیکھ لیا کہ اندر بندے بھی اسی فیکٹری کے  
 ہیں۔“

”دو دنوں سونڈ کی میں سوار ہو کہ وہاں سے آگے روانہ ہو گئے۔  
 ہم وہیں رکے رہے۔ مجھے فکر یہ تھی کہ سلطان شاہ ہمارے  
 رکے کے باوجود آگے نکلا چلا گیا تھا۔ اسے اندازہ ہی نہیں ہوسکا  
 ہو گا کہ ہم ایک نامکافی اتفاق سے دو چار ہو چکے تھے۔“

غزالہ نے اپنی نشست سنبھال لی لیکن جہانگیر گاڑی میں بیٹھنے  
 سے ہچکچا رہا تھا ”میں اس منوس گاڑی میں نہیں بیٹھوں گا۔ آگے  
 کوئی اور مصیبت نازل ہو جائے گی۔ میں ہمیں سے لکھی لے لوں  
 گا۔“

”تم لکھی لے کر کھک جاؤ گے تاکہ ہم آگے کسی اور پکڑ میں  
 پھنس جائیں۔“

”تم بھی یہ گاڑی چھوڑ دو اور لکھی سے نکل جاؤ۔ یہ گاڑی شہر  
 میں پھنساوے کی۔“

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا لیکن گاڑی کو اس شاہراہ پر لاوارث نہیں  
 چھوڑا جاسکتا تھا۔ میں نے سمجھا بجا کر اسے کار میں سوار کر لیا اور  
 پھر آگے روانہ ہو گیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اپنے عقب نما آئینے میں ہمیں رکنا ہوا  
 دیکھنے کے باوجود سلطان شاہ کیوں آگے نکلا چلا گیا لیکن کچھ آگے  
 بڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اتنا فریضے دار نہیں تھا۔ اس  
 نے آگے جانے کے بعد اپنی کار کنارے سے لگائی ہوئی تھی۔

وہ ہم سے معلومات حاصل کرنی چاہتا تھا یا ہمیں آگے نکلنے کا  
 موقع دینا چاہتا تھا کیونکہ اس کی گاڑی نے حرکت نہیں کی۔ وہ چل  
 بھی دیتا تو ہمیں اسے روکنا پڑتا کیونکہ جہانگیر سے ملے کیے ہوئے  
 پروگرام کے مطابق ہمیں اپنی گاڑی میں رکے ہوئے تھیا ردو سری  
 کار میں قفل کرنے تھے۔

سلطان شاہ نے اپنی گاڑی لیٹرلے اسٹیشن سے آگے ایسی  
 جگہ روکی ہوئی تھی جہاں سڑک اور ریلے لائن کے درمیان  
 آبادی یا دکانوں وغیرہ کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

ہماری گاڑی میں ایک کلا خشکوف ڈوبے ہوئے میگزین اور  
 فاضل راز پڑنے کے علاوہ دو پستول اور ان کے فاضل راز پڑنے کے  
 تھے۔ جہانگیر نے وہ حیلہ فوراً ہی سلطان شاہ کی کار میں قفل کر دیا۔  
 جہانگیر کی دلیل تھی کہ سلطان شاہ والی کار فیکٹری کے بندگیز ان میں  
 تھی اس لیے نمبر کی وجہ سے اس کی شناخت ممکن نہیں تھی۔ اسے  
 ہم بے فکری سے اپنے استعمال میں رکھ سکتے تھے۔

اس دوران میں سلطان شاہ نے ہمارے رکے کا سبب جانتا چلا  
 لیکن میں اسے اپنے پیچھے آنے کی ہدایت دے کر فوراً ہی اپنی  
 ڈرائیو سیٹ پر آ بیٹھا۔

جہانگیر نے چند خامنوں کے لئے اگلی کار کے پاس رک کر  
 سلطان شاہ کو اگلے پروگرام کے بارے میں سمجھا یا پھر ہمارے ساتھ  
 آ بیٹھا۔ میں نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی کہ اس دوران میں  
 ویرانے کسی بھی بات میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی  
 تھی۔

میں نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھادی۔ ہمارے پیچھے سلطان  
 شاہ بھی کار سڑک پر لے آیا۔

ان دنوں کراچی کا نیا ائیر پورٹ وجود میں نہیں آیا تھا۔ سارے  
 ملکی اور بین الاقوامی پروازیں پرانے ائیر پورٹ سے روانہ ہوتی  
 تھیں اور وہیں آتی بھی تھیں۔ میں اپنے ذہن میں اگلے حالات کی  
 نقشہ بچاتے ہوئے گاڑی چلا رہا تھا اور پھر اشاریہ کے سر راستے  
 سے داہنی طرف مڑ گیا۔ مجھے اس امر کی خوشی تھی کہ اس پورے  
 سفر میں پولیس والوں کی مشتبہ سونڈ کی پک اپ دوبارہ نظر نہیں آئی  
 تھی۔

ائیر پورٹ پر میں اپنی گاڑی کو براہ راست پارکنگ لائن میں لیتے



تھا۔ میرے معذرت خواہانہ رویے پر وہ میرے گلے بھی پڑ سکتا تھا۔ میں غزالہ کو اس کی دل جوئی کا موقع دینے کی نیت سے آگے بڑھ گیا۔

”ان کا مطلب تھا کہ تمہیں الگ ہونا ہی ہے تو اسی عمارت میں الگ ہو جاؤ۔“ غزالہ کی نامحاند آواز میرے کانوں میں آئی۔ ”باہر ہم لوگوں کی نظروں میں آجائیں گے۔“ یہی بات وہ شرافت سے نہیں کہہ سکتا تھا؟ ”جناگیری کی آواز سن رہی تھی لیکن غزالہ کی وضاحت نے اس کا غصہ فرو کر دیا تھا۔ ”یہ تم دونوں کی باتیں ہیں۔ میں ان میں دخل نہیں دے سکتی۔“

اجانک کسی نے میرا بازو پکڑ لیا۔ میں چونک کر پلٹا تو جاناگیر تیز قدموں سے چل کر میرے قریب آچکا تھا۔ نگاہیں چار ہوتے ہی وہ مسکرایا پھر اس نے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے پُر تپاک انداز میں اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ”ہسپتال تو جا رہے ہو لیکن ہوشیار رہنا۔ انہوں نے اعصابی دباؤ کا علاج شروع کر دیا تو تم جی جی کے مریض بن جاؤ گے۔“

”مجھے معلوم ہے۔“ وہ بائیں آنکھ دبا کر عارفانہ ہنسی کے ساتھ بولا ”ایسے امراض میں ڈرپ اور مسکن دوائیں دی جاتی ہیں۔ وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گی۔“

ہم دونوں نے ایک مرتبہ پھر گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ اس نے اپنے سر کی خفیف سی جنبش سے غزالہ کو تعظیم پیش کی اور تیزی کے ساتھ کھاسی کے راستے کی طرف چل دیا۔

ہم دونوں نے میزبوں کے قریب بنے ہوئے اسٹال سے کولڈ ڈرنکس لے لیں تاکہ چند منٹ کا وقفہ سکون سے گزار سکیں۔ سلطان شاہ چکر مار کر لوٹ بھی آتا تو جیسی اسٹینڈ سے ذرا آگے، سڑک کے کنارے رک کر ہمارا انتظار کرتا۔

کولڈ ڈرنکس ختم کر کے میں نے پیسے ادا کئے اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔

جناگیر کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا، سلطان شاہ مقررہ مقام پر ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ وہ شاید ہماری تلاش میں تھا کیونکہ ہمارے سڑک پر اترنے سے پہلے سیاہ گاڑی حرکت میں آئی اور چند ہی ثانیوں میں سڑک گھوم کر ہمارے قریب آرکی۔

ویرا کسی باوقار مشقی خاتون کی طرح سر پر دوپٹا اوڑھے سلطان شاہ کے برابر میں برائیان تھی۔ ہم نے پچھلی نشست سنبھالی اور گاڑی ایک مرتبہ پھر شہر کی طرف جانے والے راستے پر رواں ہو گئی۔

”جناگیر جیسی سے کہاں گیا ہے؟“ چند ثانیوں بعد ویرا نے جنس لے لی میں پوچھا۔

”کیا تم نے اسے جیسی سے جاتے دیکھا ہے؟“ میں نے حیرت سے جوابی سوال کر دیا۔

”ہاں، وہ ہمارے سامنے ہی عمارت سے نکلا تھا اور خاصی

پلا گیا۔ سلطان شاہ گول سڑک گھوم کر داہنی طرف ”ایزپورٹ کے کارگرو ایریا کی سمت میں نکل گیا۔

شاید اس وقت ایزپورٹ پر پروازوں کا جھوم نہیں تھا کیونکہ پارکنگ لائٹ میں کافی جگہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے کار ایک ایسے گوشے میں کھڑی کر دی جہاں سے آسانی سے نوٹ کیا نہ جاسکے، ہم تینوں دروازے مشعل کر کے نیچے اترے تو جناگیر دھبی آواز میں بولا ”یہاں سے میرے اور تمہارے راستے الگ ہو جائیں گے میں ہمیں سے کوئی ٹیکسی پکڑ لوں گا۔“

”اب تو ہم نموس گاڑی سے نجات حاصل کر چکے ہیں۔“ میں نے راستہ طے کرتے ہوئے کہا ”کالی گاڑی کو تم خود محفوظ قرار دے چکے ہو پھر اب کیا وحشت ہے؟“

”کوئی وحشت نہیں ہے۔“ اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”چار چہرے کھو بیٹھے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہاں نہیں تو آگے چل کر مجھے الگ ہونا پڑے گا۔“

”اس کا مطلب ہے کہ تم ہمیں کسی ہوٹل تک نہیں پہنچاؤ گے؟“

”تم دودھ پیتے بچے نہیں ہو کہ میری رہنمائی کے بغیر کوئی محفوظ ہوٹل نہ تلاش کر سکو۔“ وہ قدرے برہمی سے مجھے گھورتے ہوئے لا ”میرے اسپتال کا نام تمہیں معلوم ہے۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری سے نمبر تلاش کر کے، جب جاؤ مجھ سے بات کر لیتا۔ اسی وقت مجھے اپنے ہوٹل کے بارے میں بھی بتا دینا۔ اس دوران میں رقم ہاتھ آگئی تو وہ تم سے ملاقات تک محفوظ رہے گی۔“

”مجھے رقم کی نہیں، تمہاری دماغی صحت کی فکر ہے“ میں نے انتہا پیش کر کہا ”اگر تم پولیس والوں سے اسی قدر وحشت زدہ رہے تو میرا دعویٰ ہے کہ تم کوئی جرم کے بغیر بھی سلاخوں کے پیچھے پھنچ جاؤ گے اور کوئی تمہیں نہیں بچا سکے گا۔“

پارکنگ ایریا سے نکل کر ہم تینوں ریزنل کی عمارت کی طرف لے دیے۔

”تمہاری بددعائیں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔“ جاناگیر کہہ رہا ”مجھے معلوم ہے کہ اس وقت تمہاری کھوپڑی پر ضد سوار ہے۔ نہ تم میرے بدخواہ نہیں ہو۔“

”اگر الگ ہونا ہی ہے تو ابھی دفع ہو جاؤ۔“ میں نے برہمی سے ”میرا داغ تنک گیا تو بلا وجہ یہاں تماشا بن جائے گا۔“

اس کے چہرے پر ڈرلے کے آثار دیکھ کر غزالہ نے جلدی سے اس کا بازو تھام کر کہا ”تم دونوں کی بے تکلفی کی باتوں میں میں مل نہیں دیتی۔ ان کے الفاظ سخت ہیں مگر بات غلط نہیں ہے۔ بس اس کا برا نہیں ماننا چاہئے۔“

”بات غلط نہیں ہے؟“ جاناگیر حیرت اور غصے سے غراتے ہوئے بولا۔

مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ میں اپنی دوسری برہ کر جاناگیر کے ساتھ یاد کی کر بیٹھا تھا لیکن میں اسے منانے کا خطوط مول نہیں لے سکتا

طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو سکتی تھی۔

رات کا کھانا ہم نے باہری کھایا۔ وہاں سے میں نے فون پر نارمن سے پیچھے جھاڑ کرنی چاہی لیکن طویل انتظار کے باوجود اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا اور ہم دونوں ہوٹل لوٹ آئے۔

ہوٹل میں ہمارا ویرا اور سلطان شاہ سے آتما سامنا ہوا نہ انہر کام پر کوئی بات ہوئی۔ اب جو یوں سلطان شاہ کا سنسنی خیز پیغام ملا تو میرا مضطرب ہونا فطری امر تھا۔

باتھ روم سے شاور کی تیز آواز آرہی تھی۔ میں نے ہاتھ روم کے دروازے پر بے معنی دستک دے کر دروازے کے قریب پڑے ہوئے اردو اور انگریزی اخبارات اٹھا لئے جو اس ہوٹل میں شاید دوم سوس کا ایک لازمی جزو تھے۔

سلطان شاہ کا پیغام سن کر مجھے بے ساختہ کمری کا خیال آیا تھا۔ اگر فیکٹری کے حالات اچانک ہی مخدوش نہ ہو گئے ہوتے تو اس وقت تک موتی لال زندہ ہوتا اور پر تاب ادھیکاری کے ذریعے بھیجے جانے والے پیغام کے تحت روٹل کی صورت میں کمری سے رابطہ ہو سکتا تھا۔ ہم نے پچھلے روز صبح کے وقت موتی لال کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کی لاش جہاں بھی پھینکی گئی ہو، دن ڈھلنے سے پہلے ہی دریافت کر لی گئی ہوگی۔ ایسی صورت میں کمری کی طرف سے کسی اشتہاری جواب کی توقع عبث تھی۔ پھر سلطان شاہ کس بات کا حوالہ دے رہا تھا؟ میرے ذہن میں یہ سوال چپہ رہا تھا۔ میں نے کمرے میں بڑی ہوئی میز کی طرف جاتے ہوئے خبروں کا سرسری جائزہ لے ڈالا لیکن اخبار کے پہلے صفحے پر ایسا کوئی

مواد تلاش نہیں کر سکا جو ہمارے لئے دلچسپی کا باعث ہوتا۔ باتھ روم میں سے شاور سے پانی گرنے کی آوازیں ختم ہو چکی تھیں۔ غالباً غزالہ نے میری دستک کو میری کسی ضرورت پر محمول کرتے ہوئے اپنا غسل مختصر کر دیا تھا۔

میز کر سی سنبھالنے کے بعد پہلے صفحے کے نچلے کالموں میں مجھے ایک مختصر سی خبر نظر آئی جو یقینی طور پر موتی لال کے بارے میں تھی۔

کورنگی کی عدی کے کنارے پر کوڑا چھنے والوں کی نشاندہی پر علاقہ پولیس نے کوڑے کے متغصن ڈھیر پڑی ہوئی ایک بگڑی ہوئی لاش دریافت کی تھی۔ مرنے والے کی گردن کا منکنا ٹوٹا ہوا تھا اور پورے جسم پر تشدد اور زخموں کے نشانات تھے۔ لاش تازہ ہونے کے باوجود حیرت ناک طور پر پھولی ہوئی تھی۔ موتی کے لباس سے کوئی ایسا چیز نہیں مل سکی تھی جس سے اس کی شناخت ہو سکے۔ پوسٹ مارٹم اور کیمیائی تجزیے کے لئے مخصوص جسمانی اکلانشیں حاصل کرنے کے بعد لاش کو مردہ گھر میں رکھوا دیا گیا تھا۔

میرے لئے وہ خبر اس اعتبار سے خیر خیز ثابت ہوئی کہ موتی لال کی لاش کے تفصیلی معائنے کے باوجود اس کے دھرم کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اگر یہ یقین ہو جاتا کہ مرنے والا ہندو تھا تو اس کے ورثا کی تلاش کے مراحل مختصر اور آسان ہو سکتے تھے۔

فلت میں تھا۔

”وہ اپتال کیا ہے؟“ میں نے ایک گھراسانس لے کر کہا۔

”کیوں؟ طبیعت تو ٹھیک تھی اس کی؟“ ویرا کے ساتھ سلطان شاہ بھی بری طرح چونکا تھا۔

”وہ آرام فرمانے کے لئے اپتال تشریف لے گئے ہیں۔“ غزالہ نے متعجب آہیر لہجے میں کہا ”تمہیں اس کے لئے فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔“

”راستے میں تم کہاں رہ گئے تھے؟“ ویرا نے لحظہ بھر کے بعد مجھ سے پوچھا ”اگر مزید چند منٹ تک تمہاری گاڑی نظربند آتی تو ہم تمہاری تلاش میں واپس چل پڑے ہوتے۔“

غزالہ نے انہیں پولیس والی سوزوکی کا قہقہہ سنانا شروع کر دیا۔ میں آرام رہ سیٹ میں جمیل کر دراز ہو گیا اور سرگٹ سلگا کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔



اگلے دن کا آغاز بہت سنسنی خیز ثابت ہوا۔ فون کی مسلسل بجتی ٹھنٹی پر میں مبتلا کریدار ہوا تو غزالہ بستر پر نہیں تھی۔ میں نے پھر پرتی سے ریسپور اٹھایا تو دوسری طرف سے سلطان شاہ کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

وہ کہہ رہا تھا ”نیند کو جھٹک کر آج کا اردو اخبار دیکھو۔ معاملات بگڑ گئے ہیں۔“

اپنی بات پوری کر کے اس نے میرا جواب سننے بغیر فون بند کر دیا۔

میں نے ریسپور کر ٹیل پر ڈال کر ایک طویل انگڑائی لی اور بستر چھوڑ دیا۔

جائیکری فیکٹری سے روانہ ہوتے ہوئے میرا خیال تھا کہ ہم لوگ الگ الگ ٹھکانوں پر قیام کریں اور ایک دوسرے کی خبر خبر رکھیں لیکن جہاں تکیر کے نکل بھاگنے کے بعد ”ایز پورٹ“ سے واپسی پر سب کی متغیر رائے تھی کہ ہم چاروں قدرتی اور ایک مصنوعی جوڑے میں تہیل ہو گئے تھے اور آسانی کے ساتھ کسی ایک ہی ہوٹل میں دو کمرے لے کر ایک دوسرے کے قریب رہ سکتے تھے۔

طے کر لیا گیا تھا کہ ہوٹل میں ایک دوسرے سے دور رہیں گے اور انٹر کام کی سہولت بھی ہنگامی ضرورت کے تحت استعمال کریں گے۔

میں غزالہ کے ساتھ ٹیکسی میں صدر کے ایک سٹے ہوٹل میں پہنچا۔ سلطان شاہ بعد میں ویرا کے ساتھ آیا۔ ہمیں تیسری منزل پر کمر ملا جب کہ ویرا اور سلطان شاہ کو پانچویں منزل پر قیام کرنا پڑا۔ ہم سب ہی جھگے ماندے تھے۔ میں نے دوپہر کا کھانا کمرے ہی میں منگوایا پھر ہم کھریوں کے دبیز پردے کھینچ کر سو گئے۔ شام کو سات بجے بیدار ہونے کے بعد ہم دونوں تیار ہو کر تھوڑی دیر کے لئے انٹرنیشنل اسٹیٹ کے بارونق بازار کی طرف نکل گئے کیونکہ مسلسل کمرے میں محبوس رہنے کی صورت میں ہوٹل کی انتظامیہ ہماری

مسلمانوں میں ابتدائی سے ختمے کی رسم ایک مذہبی فریضے کا درجہ رکھتی ہے جب کہ دوسرے مذاہب میں اس کا ایسا کوئی تصور نہیں تھا۔ حفظانِ صحت کے بارے میں بڑھتی ہوئی عام معلومات کی روشنی میں بہت سے غیر مسلم بھی اس سے استفادہ کرنے لگے تھے لیکن متعصب اور کٹر ہندو اس مختصر سے عملِ جراحی کی بھرپور افادیت سے باخبر ہونے کے باوجود محض اس وجہ سے اس سے گریز کرتے تھے کہ اس عمل سے مسلمانوں کی تقلید کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک اس مذہب کی کوئی بات تقلید کے قابل نہیں تھی جو اپنے ہیرو کاروں میں گونا گونا گویا تقدیس اور پوجا کے چہرے کے بجائے انہیں گائے ذبح کر کے کھانے کی تخلیق کرتا ہو۔ بظاہر موتی لال بہت متعصب ہندو تھا۔ میرے لئے یہ حیرت کی بات تھی کہ اس کی لاش نے اس کے محرم کا کرا کر کھوٹا تھا اور وہ ہندو کم از کم غیر مسلم کے طور پر نہیں پہچانایا تھا۔

اس خبر کا یہ پہلو بہت دلچسپ تھا۔ میں نے فوراً ہی اخبار کا صفحہ الٹ دیا اور فوراً ہی کالے رنگ کے کم شدہ بلڈنگ کی تلاش کا انوکھا اشتہار میری نظروں میں آگیا۔ میری ہدایت کے عین مطابق اشتہار کے آخر میں رابطے کے دو نمبر درج تھے۔ میں اس اشتہار پر نظریں جمائے بیٹھا تھا کہ فرالہ اپنے گیلے بالوں پر تکیا لیٹے ہاتھ دوم سے برآمد ہوئی۔ میں نے اخبار کی اوٹ سے اسے دیکھا اور دیکھنا ہی نہ کیا۔ پتا نہیں وہ میری پڑشوق نگاہوں کا اثر تھا یا کچھ اور کہ فرالہ ہاتھ دوم سے نکلنے کے بعد گویا ایک جگہ جم کر رہ گئی۔

”کیا بات ہے؟ ٹھک کیوں گئیں؟ میرا تم پر حملہ آور ہونے کا ارادہ نہیں ہے۔“  
”آپ نے اخبار میں اشتہار دیکھ لیا ہے؟“ اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔  
میرے لئے اس کا وہ سوال حیران کن تھا۔ اخبار میں لٹا ہوا تھا، وہ نہا کر نکلی تھی، اشتہار میرے سامنے تھا جبکہ فرالہ اخبار کا کوئی اور ہی صفحہ دیکھ سکتی تھی۔ لہٰذا بھر کے لئے مجھے خیال آیا کہ شاید میرے بیدار ہونے سے پہلے سلطان شاہ اسے کچھ بتا چکا ہو۔ ہمارے کمروں میں دو منزلوں کا فرق ہونے کی وجہ سے اخبارات کی ترسیل میں تقدیم و تاخیر ہو سکتی تھی۔  
”دیکھ چکا ہوں۔“ میں نے تمام خیالات کو اپنے ذہن سے جھینکے ہوئے کہا ”اور اب تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے بیچکے ہوئے بدن سے چپکا ہوا لباس بتا رہا ہے کہ تم بگلت میں باہر آئی ہو۔“

اس نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور میرا سر فخر سے تن کیا۔ اس کی چمکی چمکی چال میں حسن اور وقار کا ایسا دل فریب امتزاج تھا جو ناز و نوری نظر آتا ہے۔ اپنی جگہ چھوڑنے کے ساتھ ہی وہ میری بات کاٹ کر بولی تھی ”کمال ہے کہ اس اشتہار نے بھی آپ کے مزاج کی شوخی پر اثر نہیں ڈالا۔“ مطوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اس

”تصویر بیک اینڈ و حائل ہے اس لئے یہ تمہیں ویرا سے مشابہ معلوم ہو رہی ہے۔ ذرا نیچے اس کے قد، جسم، بالوں اور آنکھوں کے رنگ وغیرہ کے بارے میں پڑھ لو۔ اشتہار میں ویرا کی آنکھوں کا رنگ نیلا لکھا گیا ہے اور اس وقت وہ سیاہ کا بھگت لینس لگائے ہوئے ہے۔ بال سنہرے نہیں، کالے ہیں۔ اس نے موتی لال کو پہنانے کے لئے جو سواگ بھرا تھا، اب وہی اس کی جان بچائے گا۔ اس کی جلد کی رنگت تک بدلی ہوئی ہو۔ تم اس لئے ڈر

تجویز پر عمل کر گزرے ہیں اسے اہل خانہ سے مستزاد کیا تھا۔“  
”تم کس اشتہار کا ذکر کر رہی ہو؟“ میں نے یہ کہتے ہوئے اضطراری طور پر اخبار پلٹا ہی تھا کہ چوتھائی صفحے کے ایک اشتہار نے میری توجہ حاصل کر لی۔  
وہ ایک لرزہ خیز اشتہار تھا اور اس قدر نمایاں تھا کہ اخبار کا قاری نہ چاہے ہوئے بھی اسے دیکھنے پر مجبور ہو جاتا۔ اوپر دو بڑی تصاویر تھیں۔ ایک میری اور دوسری ویرا کی۔ نیچے جلی حریف میں دو لاکھ ڈالر کے انعام کا ذکر تھا۔  
فرالہ نے بھی اس اشتہار کی سرسری جھلک دیکھی تھی۔ وہ بھرپور تجسس کے ساتھ میرے برابر میں آئی تھی اور اشتہار کا متن پڑھنے لگی۔  
اشتہار میں خوب عرفِ ڈبئی نامی دھوپش عالمی دہشت گرد کی گرفتاری میں مدد دینے والے کے لئے دو لاکھ ڈالر کا انعام مقرر کیا گیا تھا۔ اسی طرح دو لاکھ ڈالر کا انعام اس شخص کے لئے تھا جو ویرا لائیڈ نامی ایک امریکن دیشیور کی بانیالی ممکن بنا سکے۔ اشتہاری اعلان کے مطابق ڈبئی نے اپنے مذموم اور غیر انسانی عزم کی تکمیل کے لئے ویرا کو اغوا کر کے پرغمال بنایا ہوا تھا۔  
اشتہار کے آخر میں رابطے کے لئے کئی فون نمبر تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ان میں سے کم از کم ایک نمبر بارمن کے قوصل خانے کا ہوگا۔

”یہ بہت برا ہوا۔ اب ہم کسی بھی وقت چھس سکتے ہیں۔“  
فرالہ اشتہار پڑھ کر ہراساں ہو گئی۔  
”کچھ نہیں ہوگا“ میں نے اشتہار سے نظر ہٹائے بغیر، بڑبڑا لہجے میں اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا ”تم دیکھ رہی ہو کہ میری تصویر پرانی اور دھندلائی ہوئی ہے۔ اس تصویر کی بنا پر کوئی مجھے شناخت نہیں کر سکتا۔ رہا نام تو میں وہ بھی بدل چکا ہوں۔ ہوئی کے ریکارڈ میں ہم مسٹر اور مسز لاڈلور کے نام سے ہی پہچانے جاسکتے ہیں۔ ان کا یہ نفسیاتی حجب رانگال جائے گا۔“

”خدا کرے کہ آپ کا بال بھی بیک نہ ہو۔“ وہ میری تصویر پر نظر جھاکر بولی ”مگر ویرا کی تصویر بہت واضح ہے۔ وہ اسے مظلوم بنا کر اپنے قبضے میں لیں گے اور پھر اس کی مٹی پلید کر ڈالیں گے مجھے تو ڈر ہے اس ہوئی سے نکلنے سے پہلے پہچان لی جائے گی۔ دو لاکھ ڈالر کی خلیفہ انعامی رقم کے لالچ میں ہر شخص سفید قام عورتوں کو گھسی نظروں سے دیکھے گا۔“

”مظلوم بیک اینڈ و حائل ہے اس لئے یہ تمہیں ویرا سے مشابہ معلوم ہو رہی ہے۔ ذرا نیچے اس کے قد، جسم، بالوں اور آنکھوں کے رنگ وغیرہ کے بارے میں پڑھ لو۔ اشتہار میں ویرا کی آنکھوں کا رنگ نیلا لکھا گیا ہے اور اس وقت وہ سیاہ کا بھگت لینس لگائے ہوئے ہے۔ بال سنہرے نہیں، کالے ہیں۔ اس نے موتی لال کو پہنانے کے لئے جو سواگ بھرا تھا، اب وہی اس کی جان بچائے گا۔ اس کی جلد کی رنگت تک بدلی ہوئی ہو۔ تم اس لئے ڈر

سروس کو ماتھے کا آرڈر دے کر اخبارات کی وقت گردانی میں مصروف ہو گیا۔ میرے ذہن میں بار بار انعامی اشتہار سر ابھار رہا تھا۔ میری ناکانی معلومات کے مطابق کسی بھی طرم کی گرفتاری وغیرہ کے لئے پولیس کا حکم یا قانون کے غماز کے ذمے دار ادارے کی کوئی اشتہار جاری کر سکتے تھے جبکہ وہ اشتہار واضح طور پر نامس کے افسران بالا کے ذہنوں کی عکاسی کر رہا تھا۔ وہ اشتہار اردو اخبار میں ہی نہیں، انگریزی اخبار میں بھی موجود تھا۔ شاید ان لوگوں نے فیکٹری سے ہمارے فرار کے بعد، جھلا کر اشتہار جاری کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس وقت وہ اتنے سرچڑھے ہوئے تھے کہ قلیل سی مدت میں انہوں نے اپنے انعامی اشتہار کے اجرا کی اجازت حاصل کر لی تھی۔

انگریزی اخبار کے مقامی صفحے پر اچانک ہی میری نظر آتش زدگی کی ایک خبر میں الجھ گئی۔

خبر کا عنوان تھا ”فیکٹری دھماکوں سے جل اٹھی۔“ وہ ایک کالی خبر تھی لیکن متن خاصا طویل تھا۔ خبر کی دوسری سطری میں کورنگی کی ایک کارمنٹس فیکٹری کا ذکر ہوا کہ کس چوکنہ ہو گیا۔

پچھلے شام پر شور دھماکوں کے ساتھ کورنگی کے صنعتی علاقے کی ایک کارمنٹس فیکٹری کے مختلف حصوں میں تیز آگ بھڑک اٹھی جو

کپڑے کے بھاری اسٹاک کی وجہ سے قابو سے باہر ہوتی چلی گئی۔ آتش زدگی کے بعد فیکٹری سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص تلاش نہیں کیا جا سکا۔ پولیس کا خیال تھا کہ فیکٹری میں ملبوسات کی تیار

کے ساتھ خطرناک قسم کے کچھ کیمیائی مادوں کی بھی ذخیرہ اندوزی کی گئی تھی جو حادثاتی طور پر پھٹ گئے۔ پولیس نہایت سرگرمی سے

فیکٹری کے چوکیدار، مالک اور عملے کو تلاش کر رہی تھی۔ وہ خبر پڑھ کر میرے ذہن پر پہلی بار مایوسی کی بجلی سی لبرسوار

ہوئی۔ انہوں نے منظم طریقے سے بڑے پیمانے پر نقل و حرکت کا آغاز کر دیا تھا جبکہ ہم لوگ اسٹیشن ٹانک فوس کے تعاون سے

محروم ہو جانے کی وجہ سے اس پیمانے پر جوابی کارروائیاں نہیں کر سکتے تھے۔

غزالہ بہت پھرتی کے ساتھ تیار ہو کر دیر اور سلطان شاہ کی طرف چل دی اور میرا ذہن جمائیکری کی فیکٹری کو پیش آنے والی

آتش زدگی میں الجھا رہا۔

موز سائیکل سوار پیغام رساں کے آنے کے بعد ایس ٹی ایف والے ارشد کی واپسی تک وہاں رکے ہوں گے۔ جوں ہی ارشد،

موتی لال کی لاش ٹھکانے لگا کر آیا ہوگا، وہ تینوں ہی برطانی کے احکام کے تحت وہاں سے روانہ ہو گئے ہوں گے اور فیکٹری لاوارث

پڑی رہ گئی ہوگی۔ پھر ایلن نے تین بجے سے پہلے فیکٹری کی مگرانی کرانے کے

ساتھ ریل میں چھپ کر میری آمد کا انتظار کیا ہوگا۔ اس کا مقصد صرف مجھے پکڑنا تھا کیونکہ اس کام کے لئے اسے خلیفہ معاونہ دیا گیا تھا۔ جب اسے کہیں بھی میری جھلک نظر نہیں آئی تو طیش اور

ری ہو کہ ہمیں اس کی اصلیت معلوم ہے۔ کوئی نیا آدمی اسے پہچان ہی نہیں سکتا۔“

”شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں لیکن اس اشتہار نے نظرات میں اضافہ کر دیا ہے۔ وہ لوگ ہمیں ہر طرف سے گھیرنے کی کوششوں میں لگ گئے ہیں۔“

”اس میں کوئی شبہ نہیں۔“ میں نے اعتراف کیا ”یہ ایک خطرناک دار ہے۔“

”آپ اخبار میں کون سا اشتہار دیکھ لینے کا ذکر کر رہے تھے؟“

میں نے مکرچی کی طرف سے شائع ہونے والا اشتہار اس کے سامنے رکھ دیا۔

”اوہ!“ وہ ہونٹ سیڑ کر تحیر زدہ آواز میں بولی ”اس کا مطلب ہے کہ موتی لال کی لاش ابھی تک کسی دیرانے میں پڑی سڑ

رہی ہے یا پھر یہ بھی ہمارے حریفوں کی کوئی مشترکہ چال ہو سکتی ہے۔ اس وقت وہ محل کر میدان میں آگئے ہیں۔“

”انہوں نے مجھے عالمی دہشت گرد قرار دیا ہے تو اب انہیں کچھ جھٹکنا دیکھنا ہی ہوں گی۔“ میں نے سنجی سے کہا ”اور مکرچی

بھی اپنے نیفر کردار کو بچنے گا۔ اس نے ہمارے ساتھ کوئی چال نہیں چلی ہے۔ موتی لال کی لاش پولیس کی تحویل میں ہونے کے

باوجود شناخت نہیں ہو سکی ہے۔ مکرچی نے اغوا برائے آدھان کے دھوکے میں موتی لال کی گمشدگی کی کوئی باقاعدہ رپورٹ درج نہیں

کرائی ہوگی ورنہ پولیس والے لاوارث لاش کی شناخت کے لئے ان سے بھی رابطہ کرتے۔“

اس بار میں نے اخبار کا صفحہ الٹ کر وہ خبر اس کے سامنے کر دی جو موتی لال پر سو فیصدت ہو رہی تھی۔ نام کے سوا باقی تمام

کوائف اسی کے تھے۔ ”پھر اب کیا کیا جائے؟“ خبر پڑھنے کے بعد غزالہ گھر بندی کا

اعتماد کرتے ہوئے بولی ”میرا خیال ہے آپ پس پردہ رہیں۔ میں ان سب کے خلاف میدان میں اترتی ہوں۔ وہ بدترین بربادی اور

فکھت سے دوچار ہوں گے اور میرا سایہ بھی نہیں پائیں گے۔“

”پہلے میں مکرچی سے بات کرنی چاہتا ہوں۔“ میں نے اسے آگاہ کیا ”لیکن یہ کام ہوٹل سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں کا ٹیلی فون

آپرٹر ہمارے منگھوٹنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ ہوٹلوں کے عملے میں ممالکوں کی کن گمن لینے کی عادت ہر جگہ پائی جاتی ہے۔“

”اس سے پہلے دیر اور سلطان شاہ سے بھی بات کر لی جائے۔“ اس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ ”میں بھی علم ہونا چاہئے کہ ہمارا اگلا قدم کیا ہوگا۔“

”ہوٹل کے عملے کے سامنے ہم چاروں کا ایک جا ہونا مناسب نہیں ہوگا۔ میں روم سروس سے ناشتا منگواتا ہوں۔ تم تیار ہو کر

انہیں ذہنی پیغام دے آؤ کہ وہ آگے بڑھنے بعد زینب مارکٹ کے پاس موجود رہیں۔ ہم گاڑی میں انہیں اپنے ساتھ لے لیں گے۔“

غزالہ فوراً ہی تیاری میں مصروف ہو گئی اور میں انٹر کام پر روم

میرے لئے دیر کی پریشانی قابل فہم تھی۔ اپنے موتی باپ سے اس کے مراسم کبھی بھی خوش گوار نہیں رہے تھے لیکن پھر بھی دیر اس کی زندگی میں تحفظ کے ایک غیر مٹی احساس سے سرشار رہتی تھی۔ وہ بے دھڑک ہو کر ہر کام کر گزرتی تھی۔ اسے یقین رہتا تھا کہ کسی مہر کے میں اس کی صلاحیتیں بار آور ثابت نہ ہوئیں تو جی لائیڈ اپنے لامحدود وسائل سے کام لے کر اسے مشکلات سے نکال لے گا۔ ویسے بھی ہر بڑا مجرم دیر اور جی لائیڈ کے متنازع رشتے کی وجہ سے دیر اسے دوری رہنے کی کوشش کرتا تھا کہ کیس وہ شی کے سربراہ کے عتاب کا نشانہ نہ بن جائے۔ امریکا میں جی لائیڈ کے سفا کا نہ قتل کے بعد وہ تحفظ کے اس لاشعوری احساس سے محروم ہو چکی تھی۔

ہوٹل آتے ہوئے سیاہ کار ویر اور سلطان شاہ کے تعریف میں تھی۔ بعد میں انہوں نے چاہی مجھے دے دی تھی۔ مجھے خدشہ تھا کہ کیس ہوٹل کا چوکیدار اس تبدیلی کو محسوس کر کے کوئی گزیر نہ کرے۔ لیکن ہوٹل کی پارکنگ میں گاڑیوں کی کافی تعداد موجود تھی۔ ہم پورے اعتماد سے اندر گئے اور گاڑی میں سوار ہو کر باہر سڑک پر آ گئے۔

میں نے اپنی رست واپس پر نگاہ ڈالی تو زینب مارکیٹ پہنچنے کا وقت تقریباً ہو چکا تھا۔ میں مختصر ترین راستے سے پھر کالٹر زینب مارکیٹ تک پہنچ گیا۔ وہاں وہ دونوں ایک گھنے درخت کے نیچے ہمارے خنجر تھے گاڑی رکھتی ہی پیچھے سوار ہو گئے۔

دیر اس وقت بھی غزالہ کے قیاس شلوار سوٹ میں لباس تھی۔ تجلکی ہوئی جلد، مشرقی لباس اور سیاہ آنکھوں کی وجہ سے وہ پہلی نظر میں کوئی خوب صورت مقامی عورت ہی معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اپنے اس بیک اپ کو برقرار رکھتے ہوئے وہ دھوپ کی عینک استعمال کرتی شروع کرے تو شاخت کے خوف سے بالکل نجات حاصل کر سکتی ہے۔

گاڑی کے دوبارہ حرکت میں آنے ہی دلوں کے غبار نے رنگ دکھایا اور ہم چاروں نے بیک وقت بولنا شروع کیا پھر کسی ایک کو اپنی بات پوری کرنے کا موقع دینے کے لئے چاروں ہی خاموش ہو گئے۔ جھجھکاہٹ کے بعد طاری ہونے والا سکوت اس قدر مضحکہ خیز تھا کہ ہم سب ہنس پڑے۔

ہوٹل میں منتقل ہونے کے بعد وہ ہم چاروں کی پہلی باقاعدہ ملاقات تھی اس لئے میں نے کچھ دیر کے لئے ان کو مکمل آزادی دے دی۔ آپس کی نوک جھونک کے ساتھ وہ نئے واقعات پر بھی بحث کرتے رہے۔ ہر ایک کے ذہن میں کوئی نہ کوئی نئی بات موجود تھی لیکن حقائق اپنی جگہ اٹل تھے۔ آخری بات یہی سامنے آئی تھی کہ ہم اچانک ہی بہت مشکل صورت حال سے دوچار ہو گئے تھے۔

”اور اس کے ازالے کی راہ تلاش کرنے کے لئے ہمیں کسی محفوظ ٹھکانے کی ضرورت ہے۔“ ان کا جوش و خروش کم ہونے پر

ماپوسی کے عالم میں اس نے فیکٹری کا رخ کیا ہو گا۔ وہاں کوئی ذی مدد موجود نہیں تھا۔ ایلن اور اس کے آدمیوں نے دھماکا خیز مادے کے ذریعے کار آمد اور ناکارہ کپڑے کے اسٹاک کے ساتھ ہر چیز کو آگ لگا دی تھی۔

جس طرح موتی لال کی لاش کی بازیابی کی خبریں اس کا نام نہ ہونے کے باوجود یہ ثابت ہو رہا تھا کہ وہ خبر اسی کے بارے میں ہے۔ اسی طرح آتش زدگی والی خبریں فیکٹری کا نام نہ ہونے کے باوجود خبر کا ہر لفظ ایسے جے گارمنٹس کی طرف اشارے کر رہا تھا۔

اخباری اطلاع سے ظاہر ہو رہا تھا کہ خوفناک آتش زنی کے نتیجے میں فیکٹری کی ہر چیز جل کر راکھ ہو گئی ہوگی۔ مجھے جانتے تھے کہ اسی بھاری نقصان پر قلعن ہونے لگا۔ میرا دل چاہا کہ میں اسی وقت جانتے تھے کہ اس سے ہمدردی کا اظہار کروں لیکن اس میں خطرہ تھا۔

پھر میں ڈائریکٹری میں اس اسپتال کا نمبر تلاش کرنے لگا جہاں جانتے تھے کہ وہاں ہوئی تھی۔ نمبر کی موجودگی میں ”میں باہر سلا مونت لے رہی تھی اس سے رابطہ کر سکتا تھا۔“

اسی اثنا میں دیگر ناشتالے آیا اور لوازمات میز پر سجا کر چلا گیا۔ چند خاموں بعد غزالہ بھی اپنا کام نمٹا کر لوٹ آئی اور آتے ہی میرے ساتھ ناشتے میں مصروف ہو گئی۔

”ویرا کا کیا رد عمل ہے؟“ میں نے جیسے ہی پوچھا۔  
”اشتار پر بہت برہم ہے اور ایک جوابی اشتار شائع کرانا چاہتی ہے۔۔۔۔۔“

”اتفاق بات ہے“ میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہنس کر بولا ”وہ میلان سے ایک چارٹڈ طیارے میں مارا ناگرا ٹیل کے نام سے کراچی پہنچی تھی۔ تیزید شائع کراتے ہی وہ ایئرکیشن کے مسائل میں الجھ جانے کی کونک ویر لائیڈ کی پاکستان آمد کا کہیں اندراج نہیں ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ اس بار کی کو بھولی ہوئی ہو مگر وہ بہت مشتعل ہے۔ اس نے مجھے انگریزی اخبار میں ایک اور خبر دکھائی ہے جو کورنگی کی کسی گارمنٹس فیکٹری میں آتش زدگی کے بارے میں ہے۔“

”میں وہ خبر دیکھ چکا ہوں۔ ایلن نے فیکٹری کو بری طرح تباہ کر دیا ہے۔“  
”جانتے تھے کہ لے یہ صدمہ شدید ثابت ہو گا۔ وہ مفت میں مار کھا رہا ہے۔“

ناشتے سے فارغ ہو کر میں بھی تیار ہو گیا۔ آئینے میں اپنا ناقدانہ جائزہ لینے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ اخبار میں چھپنے والی تصویر کی بنا پر میرا پچانا جانا ممکن نہیں تھا۔

”ویرا پر اشتار کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ اس نے منہ دھوتے ہی سیاہ کا ٹیکٹائٹس لگائے تھے۔ اپنی تصویر کے بارے میں وہ خاصی فکر مند ہے۔“

ہو سکتا تھا۔

اس فیصلے پر پہنچ جانے کے بعد میں نے گاڑی کا رخ جہانگیر کے اسپتال کی طرف موڑ دیا۔

”میں جہانگیر کے پاس زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے کے لئے رکوں گا۔ تم چاہو تو اس دوران میں ایک دو پرانی ڈیلروں سے بات کر لو۔ ہمیں کلنگٹن کے علاقے میں گرائے ہوئی فرنٹینٹیلٹ مل جائے تو ہمارے مسائل کافی عرصے کے لئے حل ہو جائیں گے۔“ میں نے کہا۔

”اچھا ہے۔“ سلطان شاہ خوش ہو کر بولا ”دربہ در بھٹکنے سے بہتر ہے کہ ہمارا کوئی اپنا ٹھکانا ہو۔ حالات سازگار رہے تو ہم ایک مدت تک اس گھر میں رہ سکیں گے۔“

اسپتال کی عمارت نظر آتے ہی دیر اہل بڑی ”مجھے معلوم ہے کہ تم جہانگیر سے وہ کارڈ لینے جا رہے ہو جس کے بغیر اس کے گھر میں داخلہ ممکن نہیں ہے لیکن ساتھ ہی اس سے جی تھری رائل نقل کے استعمال کی اجازت بھی لے لیا۔“

”جی تھری؟“ غزالہ کی تھیر زدہ آواز پر مجھے حیرت ہوئی کہ وہ ہتھیاروں کے بارے میں خاصی معلومات رکھتی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی ”مگڑی میں کئی ہسپتال اور اس کے چھپن موجود ہیں پھر تمہیں جی تھری جی خوفناک رائل نقل کیوں یاد آ رہی ہے؟“

”بڑے سربوے ہتھیاروں سے ہی چلے جاتے ہیں۔ وقت آنے پر تمہیں جی تھری کی ضرورت کا اندازہ ہو جائے گا۔ لمبی رینج کے لئے کلا مشکوف بے سود ثابت ہوتی ہے۔“

میں اسپتال کے احاطے سے باہر گاڑی روک کر اتر گیا۔ سلطان شاہ نے فوراً میری جگہ سنبھالی اور بولا ”آدھے گھنٹے بعد میں یہیں آ رہا ہوں۔“

وہ گاڑی آگے بڑھالے گیا۔ میں اسپتال میں داخل ہو گیا۔ اسپتال صاف ستھرا اور متاثر کرنے والا تھا۔ کاؤنٹر سے جہانگیر کے کمرے کا نمبر معلوم کر کے میں لفٹ کے بجائے زینوں سے ہی اوپر چل دیا۔ دوسری منزل کے مطلوبہ کمرے پر پہنچنے کی ہدایت آدیزاں تھی لیکن دروازے کے عقب سے ٹی وی کی مدھم آواز آ رہی تھی۔

میں نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور انتظار کر رہا تھا۔ چند ثانیوں بعد دروازہ کھلا۔ اس کے پیچھے جہانگیر کا چہرہ نظر آیا۔ وہ مجھے اپنے روبرو دیکھ کر ہنسنے لگا۔

میں اسے دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ اندر ایک کنڈیشننگ کے مرکزی نظام کی خفیف سی آواز کے ساتھ رنگین ٹیلی ویژن پر کوئی فلم چل رہی تھی اور جہانگیر کے سرہانے رکھی ہوئی تپائی کے درمیانی خانے میں اسکاچ کا آدھا گلاس رکھا ہوا تھا۔ الکل کی بو میں نے کمرے میں قدم رکھتے ہی محسوس کر لی تھی۔

”یہ کیا ہے؟“ میں نے گلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنکھیں نکال کے پوچھا ”تم اسپتال میں بھی اپنی حرکتوں سے باز

میں نے منتظر میں حصہ لینے ہوئے کہا ”کسی بھی پبلک پلیس پر ہم آزادانہ نقل و حرکت نہیں کر سکتے۔ حد یہ ہے کہ ایک دوسرے سے ملنے جلنے میں بھی احتیاط کرنی پڑ رہی ہے۔“

”شہر میں کئی مقامی اور امریکن گھرانوں میں میری گہری واقفیت ہے لیکن آج کے اخبارات میں اشتہار آنے کے بعد میں کسی سے نہیں مل سکتی۔ ایک دو گھروں میں شاید میں اپنی جگہ پیدا کر لوں۔ وہ لوگ انعام کے لالچ میں میرے ساتھ دعا نہیں کریں گے لیکن میرے ساتھ وہ کسی اور کا وجود قبول نہیں کریں گے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ فوری طور پر تمہاری کیا ترجیحات ہیں؟“

”مفون پر تار میں اور کمری سے رابطہ۔ پھر میں جہانگیر سے بھی بات کرنی چاہوں گا۔“

”وہ ہماری وجہ سے نقصان اٹھا رہا ہے۔ ہمیں اس سے اظہارِ انصاف کرنا چاہئے۔ اس کے لاکھوں کے اثاثے ذرا سی دیر میں جل کر راکھ ہو چکے ہیں۔“ درانے میری تائید کی۔

”ایک دو گھنٹے کے لئے میں تمہیں پھان کا لونڈی میں اپنے کسی رشتے دار کے گھر لے جا سکتا ہوں۔“ سلطان شاہ نے شرط پیش کر لی ”لیکن یہ دونوں عورتیں وہاں نہیں جائیں گی۔ اس بستی میں پڑھی لکھی اور بے پردہ عورتیں ہر ایک کی نظروں کا مرکز بن جاتی ہیں۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہاں فون نہیں ہے۔ پبلک فون پر کھل کر بات نہیں ہو سکتی۔“

ہمارے درمیان کئی متبادل تجاویز زیرِ غور آئیں لیکن ان میں سے کوئی بھی قابلِ عمل ثابت نہ ہو سکی۔ اس وقت صرف دو ٹھکانے ایسے تھے جو چند خطرات کے باوجود ہمارے معیار پر پورے اترتے تھے۔ پہلا وہ مکان تھا جو کچھ عرصے پہلے تک انٹیشن فور کے طور پر ایس ٹی ایف کے استعمال میں تھا۔ جم کلا راک کے قتل کے بعد حالات جس نہج پر چل نکلے تھے اس کے پیشِ نظر ایس ٹی ایف والوں کو ہنگامی طور پر اپنا وہ ٹھکانا چھوڑ کر سپر ہائی وے کے مضافات میں کوچ کرنا پڑا تھا۔

اس مکان میں پھیلائے ہوئے گرد و غبار سے قطع نظر ضرورت کی ہر سولت موجود تھی۔ دو عدد فون بھی لگے ہوئے تھے۔ امکان یہ تھا کہ بھرپور طبع آزمائی اور کسی سراغ کے حصول میں ناکامی کے بعد اس مکان کو بھلا دیا گیا ہو گا۔ ہم دو خنیاں وغیرہ جلائے بغیر، خفیہ طور پر اس مکان کو عارضی طور پر اپنے استعمال میں لائے سکتے تھے۔

دوسرا ٹھکانا جہانگیر کا مکان تھا۔ وہاں جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ ولیم اور راجر کی موت کے بعد اس مکان کو خیرباد کہہ دیا گیا تھا اور مکان کی حفاظت کے لئے وہاں دو مسلح سیکورٹی گارڈ مامور کر دیے گئے تھے۔ ہم خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس مکان میں رہ سکتے تھے۔ وہاں سب سے بڑی سولت یہ تھی کہ حفاظت کے لئے ہر وقت مسلح محافظ موجود تھے۔

سب کی مختلف رائے تھی کہ جہانگیر کا گہری بہتر انتخاب ثابت

ذہنی توازن تو درست ہے نا؟ اتنے بڑے نقصانات پر تو آدمی تڑپ اٹھتا ہے۔“

”میری محنت ڈوبی ہے، سرمایہ کس نہیں گیا۔“ وہ اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کے بولا ”میں نے تمہارے تجربات سے برس کچھ سیکھا ہے۔ فیکٹری پورے اسٹاک سمیت انشورڈ تھی۔ انشورنس والے میرے نقصانات کی پائی پائی ادا کرنے کے زورے داریں۔ گھر میں لے آئے ہوتے دامنوں میں بھی بیچا تو مجھے اپنی گالی ہوئی رقم سے زیادہ پیسہ ملے گا۔ مقدار اتنا مہمان ہو تو پھر دیکھا؟ نقصان اور تباہی کے قصے دوسروں کو متاثر کرنے کے لئے سنائے جاتے ہیں۔ میں کون سا لکھتی ہوں؟ جو کچھ بنایا ہے، تو کما کر بنایا ہے اور اس میں روز بہ روز اضافہ ہو رہا ہے۔ کوئی مجھے مگر نہیں بتاتا کہ بے درپے نقصان ہونے کے باوجود اثاثے کس طرح بڑھتے رہتے ہیں۔“

اس نے اپنے گدے کے منچے سے ایک چھوٹا سا پتہ بڑا نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ اس میں جناغیر کے گھر کی چابی تھی۔ پھر اس نے سیکرٹری کہنی کا کارڈ بھی مجھے دے دیا۔ ”جب تک تم فیکٹری کے لئے کام کر رہے تھے بہت خود غرض اور بد معاش تھے لیکن اب تم عظیم انسان ہو۔ اپنی ذاتی کمزوریوں پر قابو آلو تو تم میرے لئے بھی قابل احترام ہو جاؤ گے۔“

”جس دن تم جیسا رانا سا بھی میرا احترام کرنے پر مجبور ہو گے میں کسی کنوینینس میں کوئی خود کشی کر لوں گا۔ آدمی زندگی بھر ایک خول پہنے رہتا ہے لیکن کبھی کبھی وہ اس خول سے باہر نکل آتا۔ اصل روپ کا مظاہرہ بھی کرنا چاہتا ہے۔ تم خوش نصیب ہو جنہیں خزانہ جیسی سمجھ و ادراک ملی۔ میں تو سلی کے سامنے، نہیں کھل سکتا۔ بس تمہارے سامنے دل کی بڑاس نکال لیتا ہوں لیکن کبھی کبھی تم میری دل آزاری پر مل جاتے ہو۔“

پتا نہیں وہ نئے کی جھونک میں چایا اس کے مزاج پر تھوٹے طاری تھی، حقیقت یہ تھی کہ اس وقت مجھے اس پر ترس آتا تھا میں نہایت قہر کے ساتھ اس کی دل جوئی میں لگا رہا کیونکہ؟ اندر نہ کر آوا کھٹنا بھی گزارنا تھا۔

اس دوران میں، میں نے اندازہ لگایا کہ جناغیر کے ابتدا پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ چند روز تک اسی اچھا میں جرم کر آرام کرنا چاہتا تھا۔

اچانک مجھے صورت حال کی ایک کمزوری کا احساس ہوا میں نے جناغیر سے کہا ”تم نے اخبار میں فیکٹری جلنے کی خبر پڑھی تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ پولیس سرگرمی سے فیکٹری کے مالک تلاش کر رہی ہے۔ انہیں ایسوی ایشن سے تمہارے کوائف ملے ہوں گے اور تم یہاں اپنے اصلی نام سے آرام کر رہے؟ ایسا نہ ہو کہ وہ تم تک پہنچ جائیں۔“

”مقدورات اٹل ہوتے ہیں“ وہ بیڑا ”کسی کا برداشت کیا ہو تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں چال سکتی۔ میں نے ا

نہیں آئے؟“

”حرکت میں برکت ہے“ وہ آنکھ دبا کے مسکرایا ”یہ بھی میرے علاج کا ایک حصہ ہے۔ ڈاکٹر کی رائے ہے کہ برسوں کی بسیار نوشی کے بعد اچانک نشہ ترک کرنے سے اعصابی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں اس لئے مجھے تھوڑی تھوڑی پیتے رہنا چاہئے۔“

میری مجبوری کا علم ہونے پر ایک وارڈ بوائے نے مجھے دو بوتلیں لا دی تھیں۔ تم چاہو تو میں تمہاری بھی خاطر کر سکتا ہوں۔“

”میں اپنی خاطر کروا لے نہیں، تم سے تعزیت کرنے آیا تھا۔“

”تعزیت! کون مر گیا؟“ اس نے اچھے سے پوچھا ”مجھے تو کسی کے گزرنے کا علم نہیں۔“

”شاید تمہیں علم نہیں کہ کل تمہاری فیکٹری کو یہی طرح آگ لگا دی گئی۔“

”میں پڑھ چکا ہوں۔ تمہاری اور دیر کی تصویریں بھی دیکھی ہیں۔ حیرت ہے کہ اشتہاری مجرم قرار دیے جانے کے بعد بھی تم یوں دغا دیتے پھر رہے ہو۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔“ اسے آتش زنی کا ذرا بھی صدمہ نہیں تھا۔

”جب کوئی ٹھکانا میسر نہ ہو تو خطرات مول لینے ہی پڑتے ہیں۔“

”ٹھکانے کی بات ہے تو میرے حار دار بین کر تم یہاں رہ سکتے ہو۔“

”دوسروں کا کیا ہے گا؟“ میں نے پچھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

”میں نے سب کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا ہے۔ وہ شرمیں کسیں بھی چھپ سکتے ہیں۔“

”میں مارضی طور پر تمہارے گھر میں رہنا چاہتے ہیں۔“ میں نے ہنسکتے سے کہا۔

”تم خود چوہے دان میں بانا چاہتے ہو تو شوق سے جاؤ۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟“

”لیکن وہاں داخلے کی کتنی تمہارے پاس ہے۔ کارڈ کے بغیر مسلح محافظ ہم کو مکان کی حدود میں قدم بھی نہیں رکھنے دیں گے۔ میں اٹھارہ ہمدردی کرنے کے ساتھ ساتھ کارڈ لینے بھی آیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ گھر کی چیزوں پر ہمارے تصرف پر تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔“

”میں تو وہ گھر چھوڑ چکا ہوں۔ وہاں کچھ بھی ہو، میری بلا ہے۔ تم کارڈ کے ساتھ چایاں بھی لے جاؤ۔ گھر سے میری رقم، چیک بکس اور سلی کے زیورات مجھے پہنچا دینا۔ اچھا ہے کہ میں ادھر کا رخ کرنے سے بچ جاؤں گا۔ موقع ملا تو بعد میں ذاتی استعمال کی دوسری چیزیں بھی نکالوں گا۔“

میں اس کے اطمینان پر حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے پوچھا ”مکان سے تم نے اس طرح ہاتھ اٹھایا، فیکٹری میں آگ لگنے کی تمہیں پروا نہیں ہے۔ تمہارا

کانی دیر کی بحث اور جرح کے بعد دیر اپنے دل کی بات اگلے پر مجبور ہو گئی۔

نارمن سے پہلے جو شخص اس کی جگہ کام کرتا تھا وہ دیر کے خیر خواہوں میں سے تھا اور دیر اس کے گھر بھی جاتی رہتی تھی۔ اس کی رہائش کلفٹن کے ایسے علاقے میں تھی جہاں سڑک کے ایک طرف کشادہ اور خوبصورت مکانات تھے اور دوسری طرف کثیرا لشکرہ رہائشی عمارات کا سلسلہ بچھلا ہوا تھا۔

اس مکان کی دونوں خواب گاہوں میں دیواروں کی جگہ بڑے بڑے شیشے آویزاں تھے جن میں سے اونچی عمارتوں کے بیشتر فلٹ نظر آتے تھے۔ دیر کا اندازہ تھا کہ ان عمارات کے فلٹیوں سے وہ خواب گاہیں بھی اسی طرح نظر آتی ہوں گی اور شیشوں پر پردے کھینچے ہوئے ہونے کے باوجود اندر کی روشنی میں ہر متحرک ہیولا آسانی سے دیکھا جاسکتا ہو گا۔

تو فصل خانے کے ملازمین کے لیے سرکاری طور پر گھروں کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ اگر نارمن کو اس کے پیش رو کا خالی مکان دیا گیا تھا تو دیر رہائشی عمارات کے کسی حصے میں داخل ہو کر دو درپین اور جی تھری کی مدد سے نارمن کو ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتی تھی کیونکہ معاملات کو بگاڑنے میں اسی نے پہل کی تھی اور وہ سزائے موت کا حق دار تھا۔

”یہ سراسر دیوانگی ہے“ سلطان شاہ نے اس کے منصوبے سے واقف ہوتے ہی فتوہ دے دیا ”کلفٹن کی بڑی عمارتوں میں چوکیداری کا نظام اتنا عمدہ ہے کہ کوئی اجنبی بے ارادے سے وہاں نہیں گھس سکتا۔ اسی وجہ سے وہاں کرائے زیادہ ہیں۔ تم جی تھری سمیت پکڑی گئیں تو تمہیں کوئی بھی قانون کی گرفت سے نہیں بچا سکے گا۔“

”ساری پوچھ گچھ مردوں سے ہوتی ہے۔ باوقار عورتوں سے کوئی کچھ نہیں پوچھتا۔ میں خزانہ کے ساتھ جاؤں گی۔ تم دونوں میں سے کسی کو قہر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس مجھے یہ یقین ہو جائے کہ نارمن اسی مکان میں مقیم ہے جو میرے ذہن میں ہے۔“

”تم اپنے ساتھ خزانہ کو بھی مرواؤ گی“ میں نے احتجاج کیا۔ ”میں خزانہ کو نہیں مرواؤں گی بلکہ وہ مجھے نکال لائے گی۔ اس نے برطانیہ میں شی کے غنڈوں کے جو چکے چھڑائے تھے ان کی کمائیاں مجھے ایک تک یاد ہیں۔“

”وقت آنے پر دیکھا جائے گا“ سلطان شاہ بڑبڑایا ”تمہیں کسی بھی قیمت پر ایسا خطرہ مول لینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ نارمن تو ویسے ہی دشت کے عالم میں موت سے بدتر زندگی گزار رہا ہو گا۔ اسے مار کر ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔“

”تم کس کھیت کی مولی ہو کہ میں تم سے اجازت لیتی پھر دوں؟ میں جو کچھ کر رہی ہوں اس کا فائدہ خود سمجھتی ہوں۔ نارمن کے مرنے سے دو سروں کے جوصلے پست ہو جائیں گے۔“

احتیاط ضرور کی ہے کہ جہانگیر کو اپنے نام کا آخری حصہ ظاہر کیا ہے۔ یہاں میرا پورا نام انور جہانگیر ہے۔ دیے بھی پولیس کو برائینٹ اپتالوں کا خیال نہیں آئے گا۔ وہ زیادہ سے زیادہ ان اپتالوں کی چھان بین کر لیں گے جہاں سے میڈیکو لیگل کیس ہوتے ہیں۔ میں تمہاری طرح دو لاکھ کارڈائٹوں میں اپنا خون خشک کرنے کا قائل نہیں ہوں۔“

میں نے اسے اپنے ہوٹل کے بارے میں آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ ہم سب پہلی فرصت میں ہوٹل کو خیر یاد کہہ کے اس کے گھر منتقل ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

جہانگیر کے پاس طے شدہ وقت گزارنے کے بعد میں وہاں سے رخصت ہو گیا۔

نچو گاڑی میری پھر تھی۔ اپتال سے روانہ ہونے کے بعد مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ کرائے دار کی ترجیحات کی فرصت زیادہ طویل نہ ہو اور وہ کرائے کی مالیت کے بارے میں بہت زیادہ حساس نہ ہو ورنہ ایک دن کی بھاگ دوڑ میں کوئی نہ کوئی بندوبست ہو سکتا تھا۔

بہتر تو یہی ہو گا کہ ہم براہ راست اپنے فلٹ میں منتقل ہوتے لیکن ہمارے پاس رقم نہیں تھی۔ جہانگیر نے فیکٹری سے سمیٹ کر جو کچھ ہمارے حوالے کیا تھا وہ دو تین دن سے زیادہ ہمارا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ سلی کی تجوری سے اپنی خطرہ رقم حاصل کرنے کے لیے ہمارا ایک مرتبہ جہانگیر کے گھر جانا ضروری تھا۔

کسی چنگی جائزے اور دیکھ بھال کے بغیر ہم چاروں کا اچانک جہانگیر کے گھر پہنچنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے میں خود وہاں جاؤں اور ماحول سازگار ہو تو شام کا دھند لکا پھیلنے کے بعد ہم چاروں وہاں منتقل ہو جائیں۔

میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی دیر نے جہانگیر کے گھر سے جی تھری رائل لائے کی فرمائش کر ڈالی جس پر میں گڑبگڑا۔ ”تمہارا داغ خراب ہوا ہے؟ وہ کتنی بھی چھوٹی ہو لیکن پھر بھی کافی بڑی ہوگی۔ میں اسے کس طرح پوشیدہ رکھ سکوں گا؟“

”تمہیں اتنی شہت سے جی تھری کی کیوں ضرورت ہے؟“ خزانہ پوچھ بیٹھی۔

”وقت آنے پر ہر چیز سامنے آجائے گی“ دیر ابے پروائی سے بولی ”جی تھری عام رائلوں کی طرح لمبی اور وزنی ضرور ہوتی ہے لیکن اس میں کمال یہ ہے کہ صرف تین بیٹیں نکال کر اسے چند لمحوں میں ٹکڑوں میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ تم اسے کھول کر لے آنا۔“

”ٹکڑے کتنے بھی چھوٹے ہوں، ٹال تو تقسیم نہیں ہوتی ہوگی۔ ٹال کی لمبائی کی وجہ سے ہر بینک بے ٹکی اور مشتبہ نظر آئے گا۔ میں اسے کہاں لیے پھروں گا؟“

”پھر اسے وہیں رہنے دو“ دیر ابے زاری سے بولی ”جب ہم لوگ جہانگیر کے گھر منتقل ہوں گے تو میں اپنا کام خود کر لوں گی۔ اس وقت کوئی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔“



کے رشتے والوں کے پتے پوچھ رہا تھا۔ ہم لوگوں کو خود کچھ معلوم نہیں تھا۔ ان لوگوں کو گیت ہی سے بھگا دیا ”دراز قامت نے تیار“ جس کل کا دن ایسا کڑوا رہا ہے کہ کسی نے ہمیں پریشان نہیں کیا۔“ ”آئے والوں میں کوئی غیر ملکی بھی تھا؟“ میں نے سوال کیا۔ وہ اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے بولا ”پرسوں سب سے آخر میں وہی آیا تھا۔ دلا پتا اور لبا سا انگریز تھا، ٹینک کا ہے، ٹوٹی چھوٹی اردو بھی بول لیتا ہے۔“ ”وہ کیا کہہ رہا تھا؟“ میں ایلن کی آمد سے متعلق ہر بات جان لیتا چاہتا تھا۔

”وہ بھی دوسروں جیسے سوال کر رہا تھا لیکن جاتے ہوئے ایک پرچہ لکھ کر دے گیا تھا کہ مالک آئے تو اسے دے دینا“ بات کرتے ہوئے اپنی جیب سے ایک رقعہ نکال کر میری طرف بڑھادیا۔

پرچہ پر انگریزی میں لکھا ہوا تھا ”مجھے شدت سے تمہاری تلاش ہے۔ یہ پیغام ملتے ہی مجھ سے رابطہ کرو۔ تمہارے حق میں بہتر ہوگا“ اس کے نیچے ایک فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ نمبر کے ابتدائی ہندسوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سوسائٹی کے علاقے کا نمبر تھا۔ موتی لال نے بھی یہی بتایا تھا کہ ایلن زمری کے قرب و جوار میں ٹھہرا ہوا تھا۔ مجھے خوش ہوئی کہ مجھے اس کا سراغ مل ہی گیا تھا۔ ”تم نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ میں نے گھر کیوں چھوڑا ہوا ہے؟“ ”ہم لوگوں کی تو یہی روزی ہے“ وہ بخندیں گے بولا ”معلوم ہوتا ہے کہ آپ خطرناک دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت دوبارہ یہاں آسکتے ہیں۔“

”دشمن نہیں، یہ زندہ رہنے کے لیے تاوان کا چکر ہے“ میں نے ان دونوں شرمیں وسیع پیمانے پر ہنسی بولی جڑوں اور انواہوں کے حوالے سے ایک گھسا پٹا بیانہ تراشا ”میں نے انہیں بچا کر لاکھ نہیں دیے تو وہ مجھے مار دیں گے۔۔۔“ ”بچاؤ لاکھ!“ حیرت سے ان دونوں کی آنکھیں ان کی پیشانیوں پر جا چڑھیں۔

”یہی سارا چکر ہے۔ اتنی بڑی رقم کی بات نہ ہوتی تو میں ہرگز گھر چھوڑ کر نہ بھاگتا اور ان کا مطالبہ پورا کر کے اپنی جان چھڑا لیتا۔ کیسا اندھیر ہے کہ آج مجھے چوروں کی طرح سب سے چھپتے چھپاتے ہوئے اپنے گھر آنا پڑا ہے۔“

”تو واقعی ظلم ہے کہ گورے تک ہمارے آدمیوں سے تاوان مانگنے لگے ہیں“ وہ غصے اور افسردگی کے ساتھ بولا ”اتنی بڑا بڑی رقمیں آسانی سے ملنے لگیں تو ہر ایک کی رال منگنے لگتی ہے آپ فکر نہ کریں۔ اب کسی نے ادھر کا رخ کیا تو فوج کر نہیں جائے گا۔“

”نہیں، نہیں“ میں نے بولکھلا کر کہا ”وہ کئی آدمی ہیں۔ ایک کو کوئی نقصان پہنچا تو دوسرے میرے خون کے پیاسے ہو جائیں گے میں خاموشی اور رازداری سے اندر کے کسی کمرے میں رہ لوں گا۔ میرے سامنے بھی احتیاط کریں گے۔ تمہیں اپنی جان خطرے میں

میں نے اس وقت خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ وہ ایک غیر یقینی معاملے پر ٹھیل اذوت بحث تھی۔ وقت آنے پر ویرا کو سمجھایا جاسکتا تھا۔

ان تینوں کو براہ راست ہوٹل پہنچنے کی ہدایت کر کے میں راستے میں ہی اتر گیا۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور جمائیکر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

بظاہر وہ ایک آسان سی مسم بھی اور میری جیب میں نیم گن بھی موجود تھی لیکن میرے دل میں کئی اُن جانے خطرات جنم لے رہے تھے۔ میں خاموشی سے ٹیکسی میں نیم دراز اُن منحنی خیالات سے لڑتا رہا اور پھر اپنی منزل سے ایک گلی پہلے ہی ٹیکسی والے کو فارغ کر دیا۔

وہ علاقہ ویسے بھی عام طور پر سنسان رہتا تھا لیکن اس وقت مجھے جمائیکر کے مکان پر مہیب سکوت کی فرماں روائی نظر آ رہی تھی۔ شاید اس کا سبب یہ تھا کہ مجھے اس مکان کی غیر آباد ہونے کا علم تھا اور ان اطراف میں ہونے والی خوں ریزی میں میرا بہت مؤثر کردار تھا۔

میں جوں ہی بند پھاٹک کے قریب رکا، مجھے اندر پختہ فرش پر وزنی جوتوں کی آواز آئی۔

میرے دستک دیتے ہی اندر سے ایک درشت آواز ابھری۔ ”کون ہے؟“

”دروازہ کھولو، میں اس مکان کا مالک ہوں“ آس پاس میدان صاف دیکھ کر میں نے وہ اعلان کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

ٹھٹھک کی پُر شور آواز کے ساتھ پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھول دی گئی۔

اگلے ہی لمبے سفاکانہ نعوش و ننگار والا ایک باوردی محافظ میرے سامنے تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں دبا ہوا ماؤڈر کسی کھلونے کی طرح حقیر نظر آ رہا تھا کیونکہ وہ گاڑ بذاتِ خود بہت گراں ذیل اور قد آور تھا۔

میں نے خاموشی سے سیکورٹی کہنی کا جاری کیا ہوا کارڈ اس کی طرف بڑھادیا۔

اس نے کارڈ کو الٹ پلٹ کر غور سے دیکھا اور پھر غیر فطری سے احترام کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ اس کے قریب سے گزرتے ہی مجھے اس کا دوسرا ساق بھی نظر آ گیا جو اپنی ٹی ٹی کے ساتھ کہیں کی اوٹ میں کھڑا ہوا تھا۔

پھاٹک کی ذیلی کھڑکی بند کر کے ان دونوں نے فرش پر اڑیاں بجا کر فوجی انداز میں سلام کیا اور سیدھے کمرے ہو گئے جیسے مجھ سے متعدد سوالات کی توقع کر رہے ہوں۔

”تم لوگوں کے یہاں آنے کے بعد کوئی یہاں آیا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”پرسوں تک لوگ چلے آ رہے تھے ہر آدمی مالک اور اس

اس کے بعد کمری کا معاملہ درپیش تھا۔ اخبار میں چھپنے والے جوالی اشتہار سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ پچھلے دن کمری کو موٹی لال کے قتل کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ تازہ ترین صورت حال کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔

میں نے بے خبری کے مآلاب میں تحقیق کا پہلا پتھر پھینکنے کا فیصلہ کر لیا۔

اخبار میں دیے ہوئے فون نمبر گھنٹی بجتے ہی ریسور اٹھایا گیا۔ دوسری طرف سے آنے والی آواز پختہ بھاری اور بڑا اعتماد تھی۔ میں نے کسی تہید کے بغیر کمری سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ بات کرتے ہوئے میں نے غیر ارادی طور پر اپنی آواز تبدیل کر لی تھی۔

”بھائی! تم کون ہو۔ اپنا نام پتا ذرا پھر کمری سے بات ہو سکے گی۔“

”کوہرا!“ میں نے درشت لہجے میں صرف وہی ایک لفظ ادا کیا۔

”جھا! اچھا۔ تو تم کتے کی خبر ادا لے ہو مگر بھائی دس لاکھ تو بہت زیادہ ہے۔“

”بحث نہیں“ میں نے غضب ناک لہجے میں کہا ”ہاں یا ناں میں جواب دو۔“

”مجھے اپنا آدمی چاہیے۔ ہمارے پاس یہاں اتنی رقم نہیں ہوتی۔ نئی دہلی سے پیسہ آنے میں ذرا دیر ہو سکتی ہے۔ پتا نہیں تم ہم پر کہاں تک بھروسہ کرنا کرنا گے۔“

اچانک میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی کیونکہ ریسور پر ایسی آواز آنی تھی جیسے دوسری طرف سے کوئی ہندسہ ڈال کر گیا ہو۔ وہ فون یقیناً آئزرویشن میں تھا اور لمحہ بھر میں کال کرنے والے کا نمبر ریکارڈ ہو سکتا تھا۔ میں نے ڈانٹنگ کی ابتدا ہوتے ہی کریڈٹل دبا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

کمری کو گھر کے بجائے کسی پبلک بوتھ سے فون کر کے ہی ہراساں کیا جاسکتا تھا۔ یہی مسئلہ نارمن کے فون کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے وہ ارادہ بھی کسی مناسب وقت کے لیے ملتوی کر دیا۔

اس وقت میرے سامنے تین دشمن تھے۔ ایلن، کمری اور نارمن کے تمام ساتھی۔ میرے پاس تینوں کے فون نمبر موجود تھے لیکن میں دل کھول کر ان سے کوئی پچھڑچھاڑ نہیں کر سکتا تھا۔

میں وہ کرا چھوڑ کر سلی کی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ اس وقت مجھے یہ سوچ کر سخت کوفت ہو رہی تھی کہ میرے مطلوبہ نمبروں پر آئزرویشن ہونے کا وہیانا پہلے کیوں نہیں آیا۔

چری کیس میں موجود چایوں کی مدد سے میں تجوری کا پیچیدہ تلا کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ تجوری کھلتے ہی نئے اور پرانے نوٹوں کی ملی جلی تیر بوفضا میں پھیل گئی۔ نہ جانے کتنے عرصے کے بعد اس تجوری کا دروازہ کھولا گیا تھا۔

ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ جو آئے، اس سے یہی کہنا کہ گھر خالی ہے اور مالک لاپتا ہے۔ چند روز میں ہم کہیں اور چلے جائیں گے۔“

”آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟ باہر تو کسی گاڑی کے رکنے کی آواز نہیں آئی تھی۔“

”وہ تھوڑی دیر میں آئیں گے۔ گلی میں تین بارن بچنے کی آواز آئے تو فوراً پھانک کھول دینا کہ وہ انتظار کیے بغیر اپنی کالی گاڑی اندر لے آئیں۔ میں نہیں چاہتا کہ محلے والوں کو بھی میرے گھر میں کسی قسم کی آمدرفت کا علم ہو۔ ہمیں اپنے سائے سے بھی احتیاط کرنا ہوگی۔“

”آپ بے فکر رہیں“ وہ اپنے سر کو قدرے خم دے کر ادب سے بولا ”ہر کام آپ کی ہدایت کے مطابق ہوگا۔ ہمیں اپنے مالک کے لیے جان کی بازی لگانے کی تربیت دی جاتی ہے۔“

میں ان کی حوصلہ افزائی کر کے برآمدے کی طرف ہوا۔

پچھلے میں گھنٹی کی چند چائیاں تھیں۔ ان ہی میں ڈرانگ روم کے دروازے کی چابی بھی تھی۔ میں نے اندر پہنچنے کے بعد دروازہ کھولا۔ صرف ایک تلا کھولنے کے بعد جہانگیر کا پورا گھر میرے تصرف میں آ گیا تھا۔ میں سیدھا جہانگیر کی خواب گاہ میں چلا گیا۔

لطف کی بات یہ تھی کہ اس گھر میں جہانگیر اور سلی کی خواب گاہیں الگ الگ تھیں۔ تعلقات خوش گوار ہونے کی صورت میں سلی، جہانگیر سے کمرے میں سوتی تھی۔ ان بن ہوتی تو وہ روٹھ کر اپنے کمرے میں تہہ ہو جاتی۔ تجوری سلی ہی کی خواب گاہ میں تھی لیکن اسے بعد میں دیکھا جاسکتا تھا۔ اس وقت دوسرے کام فوری عمل کے متقاضی تھے۔

میں نے اپنی رست و اراج پر نگاہ ڈال کے اندازہ لگایا کہ وہ تینوں ہوٹل پہنچ چکے ہوں گے۔ میں نے ہوٹل کا نمبر بلا کر سلطان شاہ کا کمرانا گھر اور سلسلہ مل جانے پر کہا ”تمہاری رہائش کا بندوبست ہو گیا ہے۔ فوراً چلے آؤ۔ دروازے پر پہنچنے سے پہلے تین مرتبہ بارن بجا دو گے تو پھانک کھلا ہوا ملے گا۔ میں وہیں سے تم کو فون کر رہا ہوں۔“

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن میں ہوٹل کے فون پر کسی غیر ضروری گفتگو کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے فوراً ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

ایلن کی طرف سے میرے دل میں عتاو بھرا ہوا تھا۔ اس کا فون خبر دیکھتے ہی میں نے فون کر کے اسے بے نقط خانے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن بعد میں میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔ اسے فون کر کے میں بالکل وہی کرتا جو وہ چاہتا تھا۔ اسے علم ہو جائے کہ ہم میں سے کسی نے جہانگیر کے مکان کا رخ کیا تھا اور محافظوں سے اس کا تجوری پیغام حاصل کیا تھا۔ یہ اندازہ لگانے کے بعد وہ جہانگیر کے مکان کی اینٹ سے اینٹ بجاتا اور مسلح چوکیداروں کو پرتھو باز ہلکے لیے اٹھا لے جاتا۔

اندازہ ہوتا کہ گھر پہنچنا اتنا آسان ثابت ہوگا تو میں صبر کیا۔ اُنہ کے بجائے تمہارے ساتھ نکل پڑا ہوتا۔“

”ابھی صرف میں آیا ہوں۔ دوسرے آئے والے ہیں۔ بس دعا کرتے رہنا کہ ہم یہاں سے خیریت سے نکل سکیں۔ یہ تجربہ میری سنسنی خیز محسوس ہو رہا ہے۔ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے میں کسی کے گھر ڈاکا ڈال رہا ہوں۔ میں کو شش کروں گا کہ یہ پلندہ آج ہی تمہیں دے دوں۔“

”یہی حماقت بھول کر بھی نہ کرنا“ اس کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی ”تمہیں معلوم ہے کہ آدھی رات کے بعد مجھے خود اپنا ہوش نہیں رہتا۔ کوئی بھی خاموشی کے ساتھ تھپلا اٹھا کر نکل جائے گا۔ میں سسلی سے بات کر کے تمہیں کوئی حل بتاؤں گا۔“

”اس وقت تک میں یہ مصیبت اپنے گلے میں لٹکائے بیٹھا رہوں؟“

”تم بلاوجہ گھبرا رہے ہو“ اس کا لہجہ مجھے پکارتے والا تھا۔ ”ڈرائنگ روم والے ہنڈیکینٹ سے ڈی گس کی چند چمکیاں لو گے تو تمہارا حوصلہ بڑھ جائے گا۔ پوری پر رعب ڈالنے کے لیے غیر ضروری پرہیز گاری کا مظاہرہ مت کرو۔ چار دن میں مجھے ہو کر رہ جاؤ گے۔“

”پرہیز گاری نہیں، یہ ذرا سی احتیاط ہے۔ میں نے پینے میں کسی کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔“

وہ زور سے ہنسا ”یہ خود فریبی ہے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ چکھنے کے ارادے سے ابتدا کرو گے اور پھر اپنی پرانی روش پر چل پڑو گے۔“

میں نے اس کی بات کاٹ دی ”مجھے اپنے پلندے کی بھی فکر ہے۔“

”دونوں مسئلے حل ہو جائیں گے“ اس نے مجھے تسلی دی ”اس کی فکر نہ کرو۔ اس میں سے اتنا مال ضرور نکال لینا کہ دو چار مہینے تک کوئی پریشانی نہ ہو۔“

مفتحو طویل ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے نہایت جا بک دہتی سے باتوں کا رخ موڑا اور پھر پہلا مناسب موقع میسر آتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

فون رکھتے ہی کسیس سے ہارن کی مانوس آواز ابھری۔ وقفے وقفے سے وہی ہارن تین بار بجنا، فضا میں آہنی چٹانک سے چھینچھاڑ کی جھنکار گونجی اور میں نے ڈرائنگ روم کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں نے بولٹ گرا کر ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا تو جانتی گری کی کالی اکاڑ گیت عبور کر کے پوسٹ میں آ کر تھی اور آہنی چٹانک بند کیا جا رہا تھا۔

گاڑی سے اتر کر وہ تیزوں سرعت سے میری طرف آئے۔ گاڑی سے اترتے ہوئے وہ ہتھیاروں کے تھیلے ساتھ لینا نہیں بھولے تھے۔ ان تینوں کو ڈرائنگ روم میں بلانے کے بعد میں نے اشارے سے دونوں گاڑوں کو وہیں بلالیا۔

تجوری خاصی بڑی تھی اور تقریباً بھری ہوئی تھی۔ اس کے تین میں سے ایک خانے میں میرے دیے ہوئے ڈالروں کی گڈیاں جمی ہوئی تھیں۔ ان گڈیوں کے درمیان میں ایک کاغذ پھنسا ہوا تھا۔ میں نے کاغذ نکال کر دیکھا تو اس پر ڈالروں کے لین دین کی تفصیل کے ساتھ، سسلی کی تحریر میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ تجوری میں موجود سارے ڈالر ڈینی کی ملکیت ہیں۔

نچلے خانوں میں مقامی کرنسی، تمسکات، پانڈز اور حصص کے ساتھ پیش قیمت زیورات کے ڈبے بھی موجود تھے۔ میں نے ایک قریبی الماری سے چادر نکال کر وہ تمام چیزیں قرینے سے جمانی شروع کر دیں تاکہ ہر چیز سمٹ کر مختصر ہو جائے۔

ان دونوں خانوں کو خالی کرنے کے بعد میں نے تجوری کی چٹائی دراز پر طبع آزمائی کی مگر وہ منتقل تھی۔ باری باری سب چائیاں آزمائے کے بعد اس اندرونی دراز میں بھی وہی چٹائی جمی تجوری کا قفل کھولنے میں کامیاب ہوئی تھی۔

اس دراز میں استعمال شدہ اور زیر استعمال چپک بکس کے ساتھ ان دونوں کی انتہائی نجی تصاویر وغیرہ تھیں۔ میں نے پوری دہانت سے ان تصاویر وغیرہ کو دیکھے بغیر ایک لفافے میں منتقل کیا اور پھر وہ دراز بھی خالی ہو گئی۔

میری محنت کے باوجود وہ انبار خاصا بڑا ہو گیا تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ آدمی جکے جکے اور بے پروایا نہ انداز میں اسے اپنے ساتھ لے جاسکے۔ میں سگریٹ سٹاکر سسلی کی مسہری پر بیٹھا اور پھر نیم دراز ہو کر سوچنے میں مصروف ہو گیا۔

اس پلندے کو مختصر کرنے کی ایک ہی صورت تھی کہ زیورات نکال کر خالی ڈبے تجوری میں رکھ دیے جاتے۔ اس طرح بعض نازک زیورات کے ٹوٹنے کا خدشہ ضرور تھا مگر انہیں آسانی سے باہر نکالا جاسکتا تھا۔ نقصان رسیدہ زیورات کو معمولی سے اجراجات کے بعد ٹھیک کرایا جاسکتا تھا۔ جہاں تک میرے اپنے چار دیواری میں وہی ایک کام بتایا تھا۔ میں اسے آخر پر چھوڑنے کے بجائے سب سے پہلے بائیں کیمبل کو پہنچانا چاہتا تھا۔

پھر میں نے فون کر کے جہاں تک میرے مشورہ کرنے کا فیصلہ کیا اور دوبارہ اسی کی خواب گاہ میں چلا گیا جہاں دونوں فون موجود تھے۔

”معلوم ہوتا ہے کہ تم گھر ہی سے فون کر رہے ہو“ ریسپور پر جانتی گری کی چٹکتی ہوئی آواز گونجی۔ تھوڑی سی دیر میں اس کی ساری قنوطیت دم توڑ چکی تھی۔

”تمہارا ریڈیو بالکل ٹھیک کام کر رہا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ سسلی کی چیزیں ڈبوں سے نکالنی پڑیں گی۔ ڈبوں کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہے۔ میں نے اشد میں کہا۔“

”سب کچھ برباد ہونے سے بہتر ہے کہ کچھ بچالیا جائے۔ مجبوری یہ ہے کہ خفیہ چیزوں کا پیر نہیں کرایا جاسکتا۔ یہ سب کچھ تحفظ کے بغیر ہے۔ ڈبوں کو آگ لگاؤ اور اپنی سولت کے مطابق جو چاہو، کرتے رہو۔ سسلی کوئی اعتراض نہیں کرے گی۔ اگر مجھے

”مکرمی کے معاملے میں وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ موتی لال کی لاش کی شناخت ہونے کے بعد وہ ہماری گرفت میں نہیں آسکے گا۔ ہم اور کچھ نہیں کر سکتے تو اسے گھیر لیتا جائیے“ ویرا نے میری کمائی سننے کے بعد مضطربانہ لمبے میں کہا۔

”ہم ایک اور کام کر سکتے ہیں“ غزالہ نے اسے یاد دلایا ”میلن کا فون نمبر ہمارے قبضے میں آچکا ہے۔ یہ درست ہے کہ ہماری طرف سے رابطہ ہوتے ہی وہ اس مکان پر چڑھ دوڑے گا۔ اگر ہم فون نمبر سے اس کے ٹھکانے کا پتہ لگا سکیں تو ہمارا ایک ہی وار بھر پور ثابت ہوگا۔“

”نمبر دے دو۔ یہ کام میں کر لوں گا“ سلطان شاہ نے دلچسپ کی۔

”یہاں نمبروں کی ترتیب سے شائع ہونے والی انٹرکسٹری پر پتا نہیں کیا مصیبت آئی ہوئی ہے جو برسوں سے نہیں چھاپی جا رہی۔ وہ ہوئی تو دو منٹ میں بیٹھے بیٹھے چل جاتا“ غزالہ نے کہا۔

”سلطان شاہ ایلیں کی کمین گاہ کا پتا چلائے گا۔ میں نارمن کے گھر کا سراغ لگاتی ہوں۔ نارمن اسی گھر میں رہ رہا ہے تو آج شام وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات پورے کر لے گا“ ویرا نے ڈرائنگ روم میں موجود انسٹرومنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”اچھی تک وہ خناس تھمارے داغ سے نہیں نکلا؟“ میں نے اسے گھورا۔

”میرا منصوبہ بے داغ ہے“ وہ اٹھلا کر بولی ”غزالہ بھی میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہے۔ تم دیکھو گے کہ ہم دونوں ناقابلِ یقین مہارت اور صفائی سے اپنا کام کر کے لوٹ آئیں گے“

اس موضوع پر ایک بار پھر تھرا شروع ہو گئی۔ میں اسے باز رکھنا چاہ رہا تھا لیکن وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے پر تلی ہوئی تھی۔ پتا نہیں اس نے غزالہ کو کیا پیڑھائی تھی کہ وہ بھی دبے لفظوں میں اسی کا ساتھ دے رہی تھی۔ سلطان شاہ کئی روز سے اس سے بحث میں الجھنے سے گریز کر رہا تھا۔

آخر میں زنج ہو کر وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور سلمیٰ کی خواب گاہ کی طرف چل دیا جہاں فحشی ساز و سامان کھلی ہوئی تجوری سے باہر پھیلا ہوا تھا۔ سلطان شاہ میرے پیچھے پیچھے تھا۔

کمرے میں موجود نقدی تنسکات اور زیورات کا پھیلاؤ دیکھ کر سلطان شاہ انگشت بندناں نہ گیا ”آج کل کے دور میں اس نے یہ سب گھر میں رکھا ہوا ہے؟“

”کلاؤ دھن تجوریوں میں میں پتا رہتا ہے۔ ہماری مکن بوٹ کی رقم کدوئل میں ہے اور اسی تجوری میں پڑی ہوئی ہے۔ تم تاؤ کہ ہم اسے کہاں لے جاسکتے ہیں؟ کون سا بینک اس رقم کو چون دچرا کے بغیر قبول کرے گا؟ ہمیں بھی اسے لا کر گھومنا ہوگا۔“

”مکن بوٹ کے ڈالروں کی تو پروائی نہ کرو“ اس نے بے غلری سے کہا ”کسی بھی بینک میں بھائی کے نام سے لا کر لو اور پرانے اخبار میں چھوٹے چھوٹے ٹکٹ بنا کر ڈال رہاں ڈال دو اور بھول

وہ تینوں جس طرح دہاں پہنچے تھے، دونوں محافظوں کو ان کی ہتک دیکھنے کا موقع بھی نہیں مل سکا ہوگا۔ انہیں چند روز کے لیے وہیں رہنا تھا اور وقت ناوقت باہر نکلنے کی ضرورت بھی پیش آسکتی تھی۔ یہ ضروری تھا کہ محافظ انہیں اچھی طرح پہچان لیتے۔

”یہ تینوں میرے دوست ہیں“ میں نے محافظوں سے کہا۔ ”میں ہر وقت یہاں سے آنے جانے کی آزادی ہوگی۔ آنے والوں سے تم یہی کہو گے کہ مکان خالی اور قتل ہے۔“

”ایک بات اور“ میرے خاموش ہوتے ہی ویرا نے لقمہ دیا۔ ”یہ ضروری نہیں کہ ہم آمدرفت کے لیے ہر بار پھاٹک ہی استعمال کریں۔ ضرورت اور رازداری کے تحت دیواریں بھی چاندی جاسکتی ہیں۔“

دونوں محافظ غلطیوں سے باری باری ان کا جائزہ لے رہے تھے جیسے تینوں نئی صورتیں ذہن نشین کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

”ہم ان باتوں کو سمجھتے ہیں“ درشت دھارڈ نے نرمی سے کہا۔ ”لیکن دیوار چاند کراندر آنے کے لیے کوئی ایشامہ مقرر کرنا پڑے گا تاکہ دوست اور دشمن کی تیز ہو سکے۔“

”ایشامہ بھی تم ہی تجویز کر دو تو مہتر رہے گا“ میں نے کہا۔

اس نے اپنی جیب سے ایک چھٹی سی سٹی ٹکال کی میری طرف بیدھادی ”نی الحال یہ ایک ہی ہے۔ کل میں دوسری بھی لاواں گا۔ اس میں سے میزنگ کی بجلی سیڑھاٹ ابھرتی ہے۔ اس کی آواز سننے ہی ہم سمجھ لیں گے کہ باہر کون ہے۔“

میں نے سٹی ڈائٹوں میں دبا کے بجلی سی پھونک ماری اور فضا میں میزنگ کی ادھوری آواز گونج کر رہ گئی۔ اس نے بہت آسانی سے ہمارا مسئلہ حل کر دیا تھا۔

”ہمیں یہ سٹی کچنی دیتی ہے تاکہ خطرے کی صورت میں ایک دوسرے کو کھنڈل دے سکیں۔ سٹی گم ہونے پر ہمیں دوسو روپے جرمانہ دینا پڑتا ہے“ دوسرے گاڑنے ساڈی سے کہا۔

میں نے فوراً ہی جیب سے تین سو روپے نکال کر اسے تھما دیے ”دو جرمانے کے اور سو روپے تھمارے انعام کے تم نے ہماری ایک الجھن دور کر دی۔“

وہ دونوں باہر نکلے ہی تھے کہ غزالہ نے سلطان شاہ کی کار کی ڈکی میں رکھا ہوا خوردو نوش کا سامان یاد دلایا۔ محافظوں کو پہلا انعام مل چکا تھا اس لیے وہ بھی سلطان شاہ کے ساتھ لگ گئے اور دوی چھوٹل میں سارا سامان ڈرائنگ روم میں آگیا۔

میں نے دواؤں دواؤں بند کر کے بوٹ کر دیا۔ سب لوگ اندر جانے کے بجائے ڈرائنگ روم میں بیٹھ چکے تھے۔ میں نے بھی وہیں ایک صوفہ سنبھال لیا۔

”تم نے یہاں آنے کے بعد کس کس کو فون کیا؟“ ویرا نے سلمیٰ میں نے تفصیل سے ان لوگوں کو اپنی بے نتیجہ کارکردگی سے آگاہ کر دیا۔

”را نکل اور دو رہیں کے ساتھ کھلی جگہ پر تو نہیں بیٹھا جاسکتا۔“  
”سڑک کے رخ پر بنا ہوا ہر فلیٹ ہمارے لیے موزوں رہے گا۔ میں دوسری یا تیسری منزل کے کسی فلیٹ پر طالع آزمائی کا ارادہ رکھتی ہوں“ ویرانے کی تردید کے بغیر جواب دیا۔  
”تم فلیٹ میں گھس گی؟ معلوم ہوتا ہے کہ آج تم خود کشی کا ارادہ کر چکی ہو۔“

”خود کشی نہیں، نارمن کٹی کمو“ وہ مسکرا کے بولی ”اب میں تمہیں پورا پروگرام ہی بتائے دیتی ہوں۔ ہم دونوں کو اکٹھے جانا ہے۔ ہماری وسیع قطعہ دیکھ کر کوئی بھی ہمیں روکنے یا ہم سے باز پرس کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ کسی نے پوچھ ہی لیا تو ہم ایک بین الاقوامی مارکیٹنگ کمپنی کے سروپن بن جائیں گے۔ ہمیں کسی فرضی مس ارم سے ملنا ہو گا۔ کھلی ہوئی جی تھری کے حصے ایک مضبوط گفٹ بیک کی صورت میں میرے پاس موجود ہوں گے۔ لفٹ سے ساتویں آٹھویں منزل پر اترنے کے بعد زینوں سے نیچے آنا ہے۔ بعد میں کسی کو شبہ بھی ہوا تو وہ ہمیں اوپر کی منزلوں پر ڈھونڈتا رہ جائے گا۔“

”دوسری منزل کے فلیٹ پر دستک کے بعد دروازہ کھلے گا اور ضرور کھلے گا۔ دستک یا ڈور بیل کے جواب میں جو بھی آئی گلاس سے جھانکے گا اسے اپنے سامنے دو معزز خواتین نظر آئیں گی۔ ہم اندر گھستے ہی دروازہ کھولنے والے کو پرغمال بنائیں گے اور کسی شور شرابے کے بغیر گھر کے بقیہ افراد کو ایک جگہ جمع کر کے باندھ دیں گے۔ یہ کارروائی غزالہ عمل کرے گی۔ میں جی تھری کے حصے نیچا کر کے موزوں ترین کمرے کی روشنیاں کھل کر کے اس کے برآمدے یا کھڑکی میں پوزیشن لے لوں گی۔ دور بین میری آنکھوں پر ہوگی۔ جوں ہی مجھے نارمن نظر آئے گا، میں جی تھری کی ٹال کھلی فضا میں نکال کر برسٹ فائزر کروں گی۔ کھلی فضا اور اونچی عمارتوں کی وجہ سے پھیلنے والی بازگشت کی بنا پر کسی کو اندازہ نہیں ہو سکے گا کہ فائزر کہاں سے کی گئی ہے۔ جی تھری وہیں چھوڑ کر ہمیں باہر نکل آنا ہے۔ وہاں پھیلی ہوئی افزائش میں کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ اس کے قریب سے گزرنے والی عورتیں قتل کی واردات کر کے آ رہی ہیں۔“

”فرض کرو کہ سب کچھ اسی طرح ہو جاتا ہے پھر اس فلیٹ کے مکین پولیس کو تم دونوں کی کمائی سنائیں گے، ہم کلشن ہی کے علاقے میں کرائے کا فلیٹ لینا چاہ رہے ہیں۔ کیا اس طرح تم دونوں کی آزادی اور سلامتی خطرے میں نہیں پڑ جائے گی۔“

”ہیئر اسٹائل اور عینکوں وغیرہ کے استعمال سے ہم خود کو اتنا بدل لیں گے کہ زبانی طبع سے ہماری نشان دہی نہ ہو سکے۔ انہوں نے مجھے اغوا کی ہوئی مظلوم امریکن لڑکی ظاہر کر کے میری بدترین توہین کی ہے۔ انہیں اس اہانت کی ہماری قیمت ادا کرنی ہوگی۔ میرا قیاس ہے کہ پولیس بھٹک جائے گی۔ بعد میں جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں خطرات سے نہیں گھبراتی۔“

جاؤ۔ ضرورت پڑے تو اس میں سے تھوڑی تھوڑی رقم نکالتے رہو۔“  
”تم نے کمال کر دیا۔ یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے۔ جمانگیر بھی اس بجریز پر عمل کر سکتا تھا۔“  
”یہ سب جلدی سمیٹو۔ ویرا آجی تو اس میں حصہ بامگ بیٹھے گی۔“

”دیوانے ہو گئے ہو؟ یہ جمانگیر کی امانت ہے۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہوگا۔“  
”لیکن وہ گمن بوٹ کی رقم پر ہاتھ رکھ سکتی ہے“ سلطان شاہ بولا۔

”کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ بہت بڑی رقم ہے۔ میں اسے مایوس نہیں کروں گا۔“

ہم دونوں نے تیزی کے ساتھ زیورات کے ڈبے خالی کر کے زیور یک جاکے۔ سلطان شاہ نے خالی ڈبے تجوری کے خانے میں لگا دیے۔ میں نے جمانگیر کے ان اثاثوں کو اچھی طرح چادر میں لپیٹ کر مسمی کے نیچے سرکا دیا۔ پھر میں نے کتیکے کا ایک پرانا غلاف لے کر اپنے ڈالروں کی گڈیاں اس میں بٹائی شروع کر دیں۔ میں کسی مناسب وقت پر ان گڈیوں کو ناکارہ کانڈوں میں لپیٹنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

ہم فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ ویرا تقریباً دوڑتی ہوئی وہیں آ پہنچی۔ جوش مسرت سے اس کا چہرہ چمکتا ہوا تھا۔ وہ کسی غیر متوقع کامیابی کی خبر سنانے کی نیت سے آئی تھی لیکن کھلی ہوئی تجوری میں سے برآمد ہوتے ہوئے ڈالروں کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

اس کے لیے رقم کی مالیت کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ شی میں اپنے عروج کے زمانے میں وہ اس سے بھی بڑی بڑی رقوم ایک جینٹل ابدو سے ادھر سے ادھر کر دیا کرتی تھی۔ اس کا مسئلہ بھی سلطان شاہ والا تھا کہ جمانگیر کو اتنی بڑی رقم گھبرائیں گے کیا ضرورت تھی؟

”جمانگیر کی دیوانگی کو چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ تم کیا تیار کر کے آئی ہو؟“ میں نے کہا۔

”نارمن پہلے کہیں اور تھا مگر کچھ عرصے سے اسی مکان میں رہ رہا ہے جو میرا دلچسپا بھلا ہے۔“ وہ مسمی کے کنارے پر تک کر بولی۔  
”اب تم میرا راستہ روکنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں راستے میں سے ایک اچھی دور بین خرید لائی ہوں۔ جمانگیر کی جی تھری گھر ہی میں ہونی چاہیے۔ شام ہوتے ہی میں غزالہ کو ساتھ لے کر انی مسم پر روانہ ہو جاؤں گی۔ اگر سب کچھ توقع کے مطابق ہوتا چلا گیا تو ہم دونوں دو ڈھائی گھنٹے میں فارغ ہو جائیں گے۔ نارمن کے لیے جی تھری کی صرف ایک گولی کافی ہوگی۔“

”تم غارت کے کس حصے سے اسے شکار کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟“ آخر میں نے اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے پوچھا

عورتوں کو نظر انداز کر کے ہر ایک اس کی ٹانگ پکڑ لیتا ہے۔ سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر پوری جی تھری عمارت میں لے جاتا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ میں نے اس منصوبے کی ایک ایک بات پر بہت غور کیا ہے۔

اس وقت ہمیں تجلیہ میسر ہوتا تو میں غزالہ کو خنجر کے ساتھ اس مہم جوئی سے روک دتا لیکن بد قسمتی سے ویرانے وہ ذکر غلط موقع پر چھیڑ کر اسے چٹایت کا معاملہ بنا دیا تھا۔ اپنے خوف اور دوسو سال کی بنا پر سب کے سامنے غزالہ کو روکنا میری انا کے خلاف تھا۔ تنہائی میں، میں اسے سارے خفیہ و فراز سمجھا سکتا تھا لیکن ویرانے کے سامنے ایسا کرنا اپنا منظر اڑوانے کے مترادف ہوتا۔

”میں تمہاری خواہش کو نہیں کچل سکتا“ میں نے گھٹت خوردہ لہجے میں کہا ”میری دعا ہے کہ تم دونوں اپنے مٹن سے کامیاب و کامران ٹو لو لیکن کوئی بری گھڑی آتی جائے تو تھ بھر کے لیے یہ یاد کر لیتا کہ یہ تمہاری خواہش تھی، میری ہدایت نہیں تھی۔“

”مٹا!“ ویرانے حسین آمیز لہجے میں کہا ”دودھ دے ہی دیا ہے تو اب اس میں یگنیاں نہ ڈالو۔ ان جذباتی باتوں سے تم اسے بھگانے کی کوشش کر رہے ہو۔ یقین کرو کہ یہ کام صرف میرے بس کا ہوتا تو میں غزالہ کو ہرگز اپنے ساتھ نہ لے جاتی۔ فلیٹ کی پتویشن کم از کم دو آدمیوں کی متقاضی ہے۔ ایک برغالیوں کا دھیان رکھے اور دوسرا نارمن کو پاڑھ پر لینے کی فکر کرے۔ یہ غزالہ کی ضد نہیں، میری مجبوری ہے۔“

”ان دونوں کی تو فائدہ ہوگئی“ سلطان شاہ نے آخری گڈی میرے حوالے کر کے کہا ”لاؤ“ اب ایلین کا فون نمبر دے دو تاکہ میں ان دونوں کی روانگی سے پہلے کوئی تیر بار کرواپس آسکوں۔“ وہ نہرا تا اہم تھا کہ ایک ہی نظر میں مجھے یاد ہو چکا تھا۔ میں نے کانڈ کے ایک پرزے پر نمبر لکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے کانڈ احتیاط سے جب میں رکھ لیا۔

”میں یہاں سے پیدل ہی جا رہا ہوں۔ آگے سے کوئی سواری لے لوں گا“ وہ خواب گاہ سے نکلتے ہوئے بولا۔

”جاؤ، ذرا آنگ دوم کا دودھ بند کر دینا“ ویرانے غزالہ سے کہا۔ وہ اتنی خبیث فطرت تھی کہ اس وقت مجھے اور غزالہ کو تجلیہ میں بات کہنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

”جی تیار“ تم میرے فیصلے پر ناراض تو نہیں ہو، میں نے تمہیں غزالہ کی افادیت بتادی ہے۔“

”فیصلہ ہو گیا تو اب بار بار نہ کریدو“ میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ”گے انا تھوں یہ بھی بتا دو کہ گاڑی چلانے کی ذمہ داری کون سنبھالے گا؟“

”کوئی نہیں۔ ہم راستے سے کوئی کار اٹھالیں گے اور واپسی پر اسے کہیں بھی چھوڑ دیں گے۔ اکاڑ وہاں ہر ایک کی نگاہوں میں ہسکتی ہے۔ اس کی وجہ سے کڑیاں مل جائیں گی۔“

”تم اس منصوبے میں حصہ لینے کے لیے تیار ہو؟“ میں نے رالہ سے پوچھا جو اسی وقت دروازے پر آکر کھڑی ہوئی تھی۔

”مجھے اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی“ غزالہ نے اطمینان سے کہا ”میرے کو صرف چندہ منٹ تک فلیٹ میں رکنا ہے۔ اس دوران میں نارمن مرد اور جوان لڑکے موجود ہوں تو کیا ہے گا؟“

”فلیٹ میں مرد اور جوان لڑکے موجود ہوں تو کیا ہے گا؟“ جتیار کے سامنے ہر ایک کی دلیری دھڑکی رہ جاتی ہے۔ ”اڑے سات بجے عمو آسودہ حال مرد اپنے گھروں میں نہیں رہے۔ یہ جوا ہمیں کھینا ہی ہوگا۔“ غزالہ اس وقت بالکل بدلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس کے معصومانہ خدو خال میں بھی ہلکی سی رنکلی در آئی تھی۔

ان دونوں کے پاس میرے ہر سوال کا مسکت جواب موجود ہے۔ پورے منصوبے میں بس ایک ہی معمول تھا کہ ان کے منتخب لیے ہوئے فلیٹ میں عورتوں اور بچوں کے بجائے کئی مرد ہوتے اور ان کے مقابلے پر کمر بستہ ہو جاتے تو وہ خوں ریزی کر کے بھی وہاں سے فرار نہیں ہو سکتی تھیں۔

”اس مہم میں شرکت کے لیے تم نے میری اجازت کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی؟“ میں نے غزالہ کو دوسرے ہی ایلے سے گھیرنا چاہا ”تمہیں معلوم ہے کہ ہماری عورتیں ویرا کی سن خود مختار نہیں ہوتیں۔ وہ ہر بڑے فیصلے کے لیے اپنے مردوں سے رجوع کرتی ہیں۔“

”اب اسے بلا دو۔ ان دنیائی باتوں کی دھونس مت دو“ ویرا ہم ہوگئی۔

غزالہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا اور مفاہانہ لہجے میں ”اے! ابھی تک آپ میری رائے اور مرضی کے بارے میں پوچھتے رہے اور میں نے پوری ایمان داری سے جواب دیے۔ میری اب کئی بھی خواہش ہے کہ میں اس مہم پر جاؤں۔ آپ منع کر دیں گے تو میں رک جاؤں گی۔“

”شرم کرو!“ ویرا کو فوراً ہی موقع مل گیا ”اتنی سعادت مند ہوئی کی خواہش کو ٹھکرا کر تمہیں کیا ملے گا۔ تم نے آج تک کتنی بار غزالہ سے خوں ریزیوں کی اجازت لی ہے؟ تم اس کے شوہر ہو تو وہ بھی تمہاری بیوی ہے، کوئی باندی نہیں ہے۔ تم اس کے ساتھ بڑائی نہیں کر سکتے۔“

”جی بحالو بننے کی کوشش نہ کرو“ سلطان شاہ نے ویرا کو گھورتے ہوئے کہا ”میاں بیوی کی باتوں میں تمہیں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ غزالہ کے بجائے میں تمہارے ساتھ چلا گیا تو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ عورتوں کے ساتھ مرد بھی کہیں کا کوسے کرتے ہیں۔“

”تم کو ڈھ مغز ہو۔ پورے منصوبے کا محور یہی ہے کہ دو عورتوں سے کہیں کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ غزالہ کی جگہ تم گئے تو ہم کی عمارت میں قدم بھی نہیں رکھ سکیں گے۔ مرد ساتھ ہو تو

پالے لیا تھا۔ اس نے کہا کہ میں ساری جیتی اشیاء ایک بظرف میں منتقل کر کے اس کے گھر پہنچا دوں۔ جب بھی ضرورت پڑے بظرف کیس جوں کا توں واپس مل جائے گا۔

میں نے اسے ہینک لاکر والی تجویز سے انکار کیا۔ اس نے کہا جاکیر کے لیے ممکن نہیں تھا۔ میں نے اسے بتا دیا کہ لاکر کا کوئی بندوبست کرنے میں کامیاب ہو گیا تو سب کچھ اسی ڈال دوں گا۔ اگر کسی وجہ سے لاکر نہیں مل سکا تو پھر منتقل کیس سہلی کے کزن کو پہنچا دوں گا۔

فون بند کر کے میں وہیں لیٹ گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ خواب گاہ پر قبضہ کرنے کا تھا۔ ویرا کے لیے سہلی والا کمرہ تھا۔ سلطان شاہ جہاں چاہتا ہو سکتا تھا۔

اندروں سے کچھ دیر تک ویرا اور خزانہ کی جلی آواز سن رہی۔ آخر انہیں اپنی تلاش میں کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ وہ قہری لے کر کمرے میں ہی پہنچ گئی۔ وہ بہت خوفناک اور دونوں کا تھا۔ ویرا نے میرے سامنے ہی رانقل کی پینوں وغیرہ کو ہلا جلا کر اور دو منٹ سے بھی کم وقفے میں رانقل کو تین ٹکڑوں میں کر دیا۔ قفل شکنی کے لیے جمع کیے ہوئے کئی مارغزالہ کے ہاتھ تھے۔

”مجھے یہ سب تمہارے دکھانے کی ضرورت نہیں“ میں۔ ”جو کتنا ہے کتنی رہو۔ بس مجھے کھانے کا بندوبست کرو۔ عورتوں کی موجودگی میں کھانے سے عہد کی مکمل جائے گی۔“

خزانہ مسہری پر میرے سہانے کے قریب بیٹھ کر میرے میں اپنی نرم دناؤں کی انگلیاں پھرنے لگی۔ اس وقت وہ بالکل معصوم اور سادہ لوح لڑکی نظر آ رہی تھی۔

”چلو“ ڈرائنگ روم سے سامان بھی سمیٹ کر اپنی اپنی پہنچا ہے۔“ ویرا بڑی مستقل مزاجی سے خزانہ کو اپنے اگلے رکنے کی کوششوں میں لگی ہوئی تھی۔

”تم چلو۔ میں آتی ہوں۔ ان سے کچھ باتیں کرنی ہیں“ غم نے ہنس کر کہا۔

”پھر باتیں! تم دونوں نے پچھلی رات ہوٹل میں یک جا ر گزار لی تھی۔ اب کون سے راز و نیاز کی ضرورت پیش آگئی؟ جاری ہوں لیکن ذرا جلدی آجانا۔“

میں جل کر کہنے والا تھا کہ ہماری وہ رات اس کے ذہن کیل چکی ہوئی تھی لیکن پھر میں خاموش رہا۔ وہ بہت سادہ تھی۔ میری بعض کرداریوں سے بھی واقف تھی۔ اگر وہ مشتعل انہی سیدھی باتیں شروع کر دیتی تو عارضی طور پر خزانہ کو میری ط سے بدگمان کر سکتی تھی۔

”آپ میرے فیصلے سے ناراض تو نہیں ہیں؟“ ویرا کے جا ہی خزانہ نے والمانہ انداز میں میرے سینے پر سر رکھ کے سوال ”آپ کا رویہ کچھ اکڑا اکڑا سا ہے۔“

”یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے۔ میں اس سے ناراض ہوں اور

”خدا کی پناہ!“ میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ ”آج تم کھلی غذا اگر دہی پر تلی ہوئی نظر آ رہی ہو۔ چوری کی کار میں تم کیس بھی دھڑکی جاؤ گی۔“

”یہ خطہ جتنی ہوئی گاڑیاں استعمال کرنے والوں کو ہوتا ہے“ اس نے استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ میری ہچک کی ”بے کار ہونے والا فوراً ہی ہنگامی خبروں پر خبر ہوتا ہے اور پل بھر میں وائرلیس وہ خبر پورے شہر میں پھیلا دیتا ہے۔ چوری کی صورت میں گھنٹوں مالک دھکے کھاتا پھرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے فارغ ہونے تک کار کے مالک کو اپنی گاڑی چوری ہونے کا علم ہی نہ ہو سکے۔“

میں مشتعل انداز میں سہلی کی مسہری پر دروازہ ہو گیا۔ ”آج تمہارا ذہن شیطانی خطوط پر کام کر رہا ہے۔ تا نہیں رات ہونے تک تم کیا کیا کھل کھلاؤ گی۔ مجھے معلوم ہے کہ تم تربیت یافتہ قفل شکن ہو اور محض تاریکی و دوسے پیچیدہ ترین نالے بھی کھول سکتی ہو۔“

”ان میں تجویروں کے نالے شامل نہیں ہیں“ وہ کھلی ہوئی تجویز کی طرف اشارہ کر کے مسکرائی ”تمہیں علم ہے کہ ان نالوں کو کھولنے کے لیے مخصوص اوزاروں کی ضرورت پڑتی ہے۔“

خزانہ سلطان شاہ کو رخصت کر کے لوٹ آئی۔ ویرا نے اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ چھوڑ دی ”ڈیٹی کو آرام کرنے دو۔ ہم مل کر جاکیر کی کئی قہری تلاش کرتے ہیں۔ بہت جیتی اور منصوبہ پوری رانقل ہے۔ جاکیر نے اسے کسی کو نہ کھانچے میں چھپایا ہوا ہو گا۔“

خزانہ اس کی چالاکی کو سمجھے بغیر اس کے ساتھ ہوئی مگر میرے لیے ویرا ایک کھلی ہوئی کتاب بن چکی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ شام کی صبح ختم ہونے تک وہ خزانہ کو میرے ساتھ نہ چھوڑنے پر تلی ہوئی تھی۔ شاید اسے خدشہ تھا کہ میری لعنت طاعت سے شرمسار ہو کر خزانہ آخری لمحات میں اپنا فیصلہ بدل دے۔

مجھ یہ ہے کہ ان دونوں کا منصوبہ سننے ہی میرے لاشعور میں ایک اُن جانے خوف نے پنے گاڑ دیے تھے۔ بعد میں ہونے والی واقعات میں میرے اس خوف کو دور نہیں کر سکی تھی مگر میں نے بھی اپنے دل پر چکر رکھ لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ محض چند گھنٹوں کی بات تھی۔ وہ وقت گزر جانے کے بعد میں اچھی طرح خزانہ کی گوشلی کر سکتا تھا کہ وہ آئندہ ایسے احتیاط فیصلے نہ کرتی پھرے۔ اگر میں اس وقت اسے لعنت طاعت کرتا اور وہ ویرا کے ساتھ چلی بھی جاتی تو ذہنی پراگندگی کی وجہ سے مٹا دیا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ میں زبان کھول کر وہ بھی ایک خطہ مول نہیں لیتا چاہتا تھا۔

میں نے بستر پر پڑے پڑے آنکھیں موند لیں۔ رفتہ رفتہ میرے اوپر غصہ کی کیفیت طاری ہونے لگی مگر پھر فون کی گھنٹی نے مجھے تھوڑی سے بستر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

میں وہاں سے اٹھ کر جاکیر کے کمرے میں گیا تو فون پر جاکیر تھا۔ اپنے مسائل اور خانہ بدوشی کی وجہ سے وہ فوری طور پر سہلی کو لاہور سے نہیں بلا سکتا تھا اس لیے اس نے سہلی کے ایک کزن کا

حکایت دل کا نچوڑ یہ تھا کہ اسے میری خوشی اور خوشنودی اپنے دل و جان سے زیادہ عزیز تھی۔ اس کے الفاظ میں پناں غلوں اور پیار نے میرے دل میں ٹھنڈک ڈال دی تھی۔

یہ سوچتے سوچتے ہی میری آنکھ لگ گئی۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو میرے گرد و پیش میں دھندلکا سا بیلا ہوا تھا اور برابر اے کرے سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے اپنی رست واپس پر نگاہ ڈالی تو وہ ساڑھے پانچ بج رہی تھی۔ میں نے انگریزی لے کر بستر چھوڑ دیا۔ دوسرے کمرے میں سلطان شاہ بھی موجود تھا۔ غزالہ میری صورت دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور ذرا سی دیر میں ٹرائی میں گرم گرم کھانا سجا کر لے آئی۔ اسے کھانا لانے میں اتنا کم وقت لگا کہ سلطان شاہ کو اپنی روداد کے اصل حصے کی طرف آنے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔

پتا چلا کہ وہ تھوڑی ہی دیر پہلے آیا تھا اور میرے انتظار میں بھوکا پیاسا بیٹھا ہوا تھا۔ غزالہ نے کھانے کے لیے میری نیند خراب نہیں کی تھی۔ بس بھکی آنچ پر کھانا گرم کیے، میرے بیدار ہونے کی منتظر تھی۔

سلطان شاہ نے علاقے کے ایک لائسنس من کو صرف سو روپے دے کر ایلین کے دیے ہوئے فون نمبر سے پتا معلوم کر لیا تھا لیکن وہ بے سود ثابت ہوا تھا۔ وہ نمبرز سری کے علاقے میں ایک گودام کا تھا جو زیادہ تر بندی رہتا تھا۔ پتا حاصل کرنے کے بعد سلطان شاہ نے اس گودام کے قرب و جوار میں خاصا وقت گزارا تھا اور بری طرح ناکام رہنے کے بعد ایک پبلک کال آفس سے اس نمبر فون کیا تو دوسری طرف گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ہم دونوں کو کھانے میں مصروف چھوڑ کر دیر اور غزالہ نے اپنی تیاریاں شروع کر دیں۔ وہ دونوں پورے اٹھناک اور دلچسپی سے ایک دوسرے کی مدد کر رہی تھیں۔ کھانے کے بعد میں نے مکمل ہوئی تجویز مقل کی اور عورتوں کے لیے وہ کمر خالی کر کے باہر آیا۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ جھانگیر کے کمرے میں بیٹھا ہوا تازہ ترین صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا کہ انٹر کام کی گھنٹی نے مجھے چوٹ لگا دیا۔ ریسپورڈ اٹھایا تو دوسری طرف سے گارڈ بول رہا تھا۔

”چشمے والا انگریز دوبارہ آیا تھا“ اس کے انکشاف پر میرا دل اچھل کر قلع میں اٹھ گیا ”بہت مشکل سے ابھی ابھی واپس کیا ہے۔ وہ بہت غصے میں تھا اور اپنا پرچہ واپس مانگ رہا تھا۔“

”اس سے غصہ کس بات پر تھا؟ کیا وہ اکیلا ہی آیا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”اس کے ساتھ تین مقامی آدمی بھی تھے۔ اپنی صورتوں سے وہ اچھے آدمی نہیں لگ رہے تھے۔ انگریز آپ کے نہ لٹنے پر ناراض تھا۔ اس کی باتوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آپ کسی وعدہ خلافی پر اس سے منہ چماتے پھر رہے ہوں۔ وہ اندر آنا چاہ رہا تھا۔ ہماری سختی پر زیادہ بگڑنے لگا۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ اس کا بیٹا ہم

ڈن ہیں۔ یہی فیصلہ مشورے کے بعد ہوا ہوتا تو بات کچھ اور دلی۔ اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔ ساری غلطی دیرا کی ہے۔ یہ جان بوجھ کر بلائی یا بلا جیسے اپنا ہم نوا بنایا ہے۔“

”پھر میں اس کے ساتھ نہیں جاتی“ وہ کسی ضدی بچے کی طرح لگ گئی۔ ”میں اس سے طبیعت کی اچانک خرابی کا بہانہ کر دوں گی۔ یہی بات مان لے گی۔“

”نہیں“ اب تمہارا انکار مناسب نہیں ہو گا“ میں نے نرمی سے کہا۔ غزالہ کی خود پردگی نے میرے دل کا سارا غبار صاف کر دیا تھا۔ ”اب تمہارا کینہ بد رو ہے۔ وہ بہت جلد ہر بات کو اپنی ناکامی بنا لیتی ہے اور“ ہر قیمت پر اپنی سبکی کا بدلہ لے کر رہتی ہے۔ میں اس کے ساتھ بیدا ہونے والی مفاہمت برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔ تم اس کے ساتھ جا سکتی ہو۔“

”آپ کو اس منصوبے پر اعتراض ہے۔ آپ کئی خطرات کی ہی نشان دہی کر رہے تھے۔ کیا آپ صرف دیرا کی خوشنودی کے لیے مجھے ان خطرات میں ڈالنا چاہ رہے ہیں؟“

وہ بہت ٹیڑھا سوال تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ”آپ نے حوصلے کے اعہار اور حریفوں کی حوصلہ شکنی کے لیے کوئی بہرہ ور کارروائی ضروری ہے۔ ہر کارروائی میں خطرات بھی پوشیدہ ہوتے ہیں۔ جنہیں قبول کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت نارمن کے سوا کوئی اور ہمارے سامنے نہیں ہے۔ تمہیں پوری یک سوئی اور ذہنی ارتکاز کے ساتھ دیرا کا ساتھ دینا چاہیے۔ بس اتنا ضرور یاد رکھنا کہ بات بگڑتی نظر آئے تو اسے بچانے کے بجائے صرف اپنی صلاحیت کی فکر کرنا۔“

”موقع ملا تو میں کمری کو ضرور فون کر دوں گی۔ وہ بھی ہاتھ آجائے تو سب لوگ بری طرح دہشت زدہ ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے خلاف مہم کا زور ٹوٹ جائے۔“

”کشت و خون سے طبیعت اکتانے لگی ہے۔ ہم ایک دشمن کا سرکھٹے ہیں اور دونے نام سامنے آجاتے ہیں۔ پتا نہیں یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا۔ لیکن کمری سے تم ضرور بات کرنا۔ اپنی شناخت کے لیے تم کو برا کا پاس دروازہ استعمال کر سکتی ہو۔“

اندر سے دیرانے اسے آواز دی اور وہ بھاگتی ہوئی اسی طرف چلی گئی۔

بستر تنہا لیے لیے میرے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ بکھل گئی۔ مجھے اندر سے اپنے بھرا بھرا ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ آئی اکیلا ہو تو صحرا کے کسی ٹیک شاخہ جھاڑ کی طرح بے سایہ اور بے ٹمر رہتا ہے، اس کا ہر فعل اور تمام سوچ صرف اپنی ذات کے لیے ہوتی ہے لیکن کسی کو چاہنے یا چاہے جانے کے بعد انسان کا ایک ایک چھتار درخت میں تبدیل ہونا شروع ہو جاتا ہے جو اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کے لیے فیض کا منبع ثابت ہوتا ہے۔

اس وقت غزالہ نے مجھ سے بہت زیادہ یا رنج باہمی نہیں کی تھی لیکن مختصر و سادہ الفاظ میں وہ بہت کچھ کہہ گئی تھی۔ اس کی



سب ٹھیک ہے۔ جی تھری کے علاوہ ہمارے پاس ایک ہسپتال اور  
گمن بھی ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ ان ہتھیاروں کے استعمال  
نوٹ نہ آئے۔ تم دونوں ہماری کامیابی کے لیے دعا کرتے رہنا۔  
میرے لیے وہ ایک عجیب و غریب تجربہ تھا۔ میں گھر میں  
ہوا تھا اور وہ دونوں عورتیں ایک خطرناک ترین مشن پر تھیں  
تھیں جس میں کار کی چوری سے قتل تک کے عناصر تکبہ تھے۔  
راستہ طے کر کے ہم چاروں ایک ساتھ باہر آئے۔ چھانچہ  
کے قریب ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس وقت غور  
کی غزالی آنکھوں میں پُر شوق چمک موجود تھی۔ گارڈز کی موجودگی  
خیال نہ ہوتا تو میں نے والمانہ انداز میں اسے اپنے بازوؤں  
سپیٹ لیا ہوتا۔

ایک گارڈ نے چٹانک کی کھڑکی کھولی اور وہ دونوں خاموشی  
باہر نکل گئیں۔ کھڑکی فوراً بند کر دی گئی۔ میں ٹھٹھا ہوا لان کی بجائے  
ہوئی خشک گھاس پر جا بیٹھا۔ دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے جہاز  
کے گھر کا خوب صورت لان برباد ہوتا جا رہا تھا۔

سورج غروب ہوئے کچھ دیر ہو چکی تھی۔ اندھیرے کی چھا  
آہستہ آہستہ فضا پر محیط ہوتی جا رہی تھی۔ اتنا اندھیرا پھیل چکا  
کہ آس پاس کے مکانوں میں روشنیوں جل اٹھی تھیں۔

”تجوری سے نکالا ہوا سامان گاڑی کی ڈکی میں نہ رکھ  
جائے؟“ سلطان شاہ کی رازدارانہ آواز نے میری محویت کا تکتہ  
توڑ دیا۔

”میراں کے مقابلے میں اندر وہ محفوظ ہے“ میں نے خشک۔  
میں کہا۔

”اگر تمہارے اندازے کے مطابق ایلن کے آدمیوں۔  
آج رات یہاں کوئی گمراہ کرنے کی کوشش کی اور ہمیں افرا تفر  
میں بھاگنا پڑا تو وہ سب ہمیں پڑا رہ جائے گا۔ آگ کے شعلوں  
گوئیوں کی پوچھاؤں میں کسی کو ان پوٹیلوں کا ہوش نہیں رہے گا۔“  
”شکوہ و شہادت کی بنا پر ایسی ہیما تک پیش گوئیاں نہ کرو  
مناسب سمجھتے ہو تو دونوں پوٹیلیاں ڈکی میں ڈال دو۔“ میں نے دا  
عی دل میں اس کی پیش گوئی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

وہ اٹھ کر برآمدے کی طرف چل دیا۔ اس وقت دوسرا گارڈ  
معمول کے محنت پر احاطے کے بغل راستے سے گزر کر مکان کی کچھل  
سمت میں گیا ہوا تھا۔ دوسرا گارڈ چونک کر ایدار کے کیمین میں مستعد بیٹھ  
ہوا تھا۔

چند ثانیوں بعد سلطان شاہ دونوں بٹڈل باہر لے آیا۔ باہر  
لانے سے پہلے اس نے انہیں اتنی مضبوطی سے پانڈھ لیا تھا کہ ٹکے  
کے باوجود وہ نہیں کھلے تھے۔ وہ دونوں بیش قیمت بٹڈل ڈکی میں  
مقتل کر کے میری طرف آئی رہا تھا کہ اچانک تاریک فضا میں کسی  
مینڈک کے ٹرانے کی ہلکی سی آواز بلند ہوئی۔ وقفہ ہوا اور لہر بھر  
بعد پھر وہی آواز سنائی دی۔ چونک کر ایدار کے کیمین میں بیٹھا ہوا گارڈ  
کسی چپے کی سی پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ کر باہر نکلا اور بے آواز

نے اپنے دفتر میں دے دیا ہے۔ دفتر والے وہ پرچہ ڈاک سے مالک  
کو بھجوا دیں گے۔ واپسی پر اس کے توراچھے نہیں تھے۔ آپ  
لوگ اندر احتیاطی رکھیں۔ کسی کسی وقت اندر کی آوازیں باہر  
بھی سنائی دے رہی ہیں۔“

میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے مستعدی دکھانے پر اس کی  
تعریف کی اور انٹرکام بند کر دیا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ ایلن فیکٹری کی طرح اس مکان کو بھی اپنی  
تخریب کاری کا نشانہ بنانا چاہتا ہے“ میں نے متفکرانہ لمبے میں کہا۔  
”وہ اپنے ساتھ تین مقامی غذوں کو بھی لایا تھا۔ آج رات ہمیں  
بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ غارت کے کسی بھی حصے  
میں پڑول کے کنٹرول نڈیل کر دیا سلائی دکھادی گئی تو ہم آگ میں گھر  
کر رہ جائیں گے۔“

سلطان شاہ ہنسنے لگا ”ہماری بڑی بوڑھیاں کہتی ہیں کہ آگ  
اور پانی کی موت مرنے والے شہید ہوتے ہیں۔ اچھا ہے کہ ایلن کی  
کوششوں سے ہمیں شہادت کا درجہ مل جائے گا۔“

”ہزاروں آرزو مندوں میں سے شہادت کسی کسی کو ملتی ہے۔  
پہلے ساری کھڑکیاں وغیرہ چیک کرو۔ گارڈ کہہ رہا ہے کہ کبھی کبھی  
اندر کی آوازیں باہر بھی سنائی دے رہی ہیں۔ تمام کھڑکیاں بند  
کر کے اچھی طرح پردے کھینچ دو۔ رات کو روشنیوں استعمال نہیں  
کی جائیں گی۔“

غزالہ کو علم تھا کہ اندھیرا دور کرنے کے لیے گھر میں روشنی  
نہیں کی جاسکتی تھی اس لیے وہ سات بجے سے پہلے ہی تیار ہو کر باہر  
آگئی۔ چند منٹ بعد ویرا بھی آگئی۔

ان دونوں نے اس انداز میں تیاری کی تھی کہ بادی النظر میں  
انہیں شناخت کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اپنی وضع قطع سے وہ دونوں  
اونچے طبلے کی فیشن ایبل عورتیں نظر آ رہی تھیں۔ سلیکی کے لباس  
ان کے جسموں پر اس طرح فٹ آئے تھے جیسے وہ ان ہی کی ٹاپ پر  
سے گئے ہوں۔

”دو آگ کا وقت ہو رہا ہے۔ سٹی کہاں ہے؟“ ویرا نے پرس  
اکھلیں پر پچھتاہے ہوئے کہا۔

میں نے سٹی اس کے حوالے کر دی اور پوچھا ”تساری جی  
تھری کہاں ہے؟“

ویرا دوڑ کر کمرے میں گئی اور پھولدار کانڈ میں لینا ہوا ایک  
نکوتا پکٹ لے کر باہر آگئی ”یہ ورنی ضرور ہے لیکن کسی کو شبہ نہیں  
ہو سکتا کہ اس پکٹ میں کوئی منسلک رائلٹ ہو سکتی ہے۔“

میں نے اس کے ہاتھ سے پکٹ لے کر ہلکا جلا کر دیکھا لیکن  
اندر کوئی جہش نہیں ہوئی۔ رائلٹ کے حصے اتنی مضبوطی سے  
تھامے گئے تھے کہ اتفاقی طور پر پکٹ پھٹنے کا اندیشہ نہیں رہا تھا۔

”میگزین میں گولیاں پڑی ہوئی ہیں یا اسے خالی ہی رکھ لیا  
ہے؟“ میں نے مذاق سے پوچھا۔

”یہ بدحواسی ہوتے ہوئے نہ گئی“ وہ ہنس کے بولی ”لیکن اب

قدموں سے اسی طرف دوڑ پڑا جدھر اس کا ساتھی گیا تھا۔  
میں بے یقینی اور سستی کے عالم میں وہ کھیل دیکھتا رہا لیکن وہ  
بے یقینی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ فضا میں ٹی ٹی کے فائر کا  
دھماکا گونجا اور میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ایک بیک ہونے والے فائر  
کی گونج سن کر سلطان شاہ بھی سانسے میں اٹھ گیا تھا۔

فائر کی آواز پر غیر ارادی طور پر میرے قدم حرکت میں  
آئے۔ میرا پہلا ارادہ یہ تھا کہ دوڑ کر دونوں محافظوں کے پیچھے  
جاؤں اور دیکھوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے لیکن اس حصے کو خالی چھوڑ  
کر سب کا ایک جگہ جمع ہو جانا مناسب نہیں تھا۔ میں لان پر رک  
کر اگلے کسی واقعے کا انتظار کرنے لگا۔

کئی منٹ گزر گئے لیکن کہیں سے کوئی غیر معمولی آواز نہیں  
سنائی دی۔ یہ بات یقینی تھی کہ وہ فائر اسی مکان کے احاطے سے کیا  
میں تھا۔ اس خیال کو اس بات سے بھی تقویت ملتی تھی کہ فائر سے  
پہلے دو مرتبہ میزنگ کے بولنے کی آواز آئی تھی جو محافظوں کی سنی  
سے پیدا ہوتی تھی اور وہ اسی سنی سے مختلف انداز میں آوازیں  
نکل کر ایک دوسرے کو خفیہ پیغامات دیتے تھے۔

مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ درشت رو مگر مذہب گارڈ نے  
اپنی سنی میرے حوالے کرتے ہوئے یہ بذر پیش کیا تھا کہ اس کے  
پاس اس وقت وہی ایک سنی موجود تھی۔ دوسری سنی اس نے  
اگلے دن لانے کا وعدہ کیا تھا پھر وہ دوسری سنی کہاں سے آگئی تھی؟  
کچھ دیر بعد دروازے کا قامت گارڈ واپس لوٹ آیا۔ وہ سیدھا میری  
ہی طرف آیا اور مشینی انداز میں کہنے لگا ”براہ روالے خالی پلاٹ  
سے کسی نے دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن فائر ہوتے ہی وہ  
غائب ہو گیا۔ اب ادھر کوئی نہیں ہے میدان صاف ہے۔“

اس کی دانست میں میدان صاف ہو گیا تھا مگر میرے لئے یہ  
بات تشویش انگیز تھی کہ کسی نے اس مکان میں داخل ہونے کی  
تاکام کوشش کی تھی۔ وہ کون تھا؟ اس کے کیا عزائم تھے؟ ان  
سوالوں کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

”تمہارے ساتھی کے پاس سنی کہاں سے آگئی؟“ میں نے  
اس سے پوچھا۔

اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی ”ہمارے  
پاس ایک سی سنی تھی جو میں آپ کو دے چکا ہوں۔ ہم لوگوں کو  
ایک مارت ہو گئی ہے کہ اپنے دہانے سے بھی بالکل دسی آواز نکال  
لیتے ہیں جو سنی بجانے سے پیدا ہوتی ہے۔ میرے ساتھی نے منہ  
سے آواز نکالی تھی۔“

میرے سر سے ایک بوجھ ہٹ گیا۔ میں نے اس سے کہا ”آج  
رات ذرا ہوشیار رہی رہنا۔ پہلے دو گورڈر خراب ہوا تھا پھر کسی  
نے دیوار بھانڈنے کی کوشش کی۔ وہ لوگ رات میں بھی کوئی گندی  
شرارت کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔“

”آٹھ بجے ہماری شفٹ بدل جائے گی۔“ اس نے مجھے آگاہ  
کیا ”رات کے لئے دونوں تازہ دم گارڈ آئیں گے۔ میں انہیں

ابھی طرح سمجھا دوں گا۔ آپ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔“

مجھے اندر بند دیواروں میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں جانے  
کے خیال سے وحشت ہو رہی تھی۔ اس کے مقابلے میں تاروں  
بھرے آسمان کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں، ہلکے ہلکے ہوا اور تدرتی  
اندھیرا زیادہ دلچسپ نظر آ رہا تھا۔ میں دوبارہ لان پر ہی بیٹھ گیا۔

”تھوڑی دیر میں پھر کاٹنا شروع کریں گے۔ آپ اندر ہی  
چلے جائیں۔ یہاں کی دیکھ بھال کے لئے ہم دو آدمی بست کافی ہیں۔  
آٹے والا ہماری لاشوں سے گزر کر ہی اندر جائے گا۔“

”پھر کاٹیں گے تو چلے جائیں گے۔ مجھے تمہاری کارگزاری پر  
پورا بھروسہ ہے۔ میں صرف ہوا کھانے کے لئے یہاں بیٹھا ہوا  
ہوں۔ اپنے ساتھ مجھے تمہاری زندگی بھی عزیز ہے اسی وجہ سے میں  
نے تمہیں یہاں آنے والوں کو پکڑنے سے منع کر دیا تھا۔ تعلیم،  
دولت اور روزی میں کمی بیشی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے ورنہ ہر  
مفصص کی جان برابر ہوتی ہے۔ کوئی جان قاتل تو بے وقعت نہیں  
ہوتی۔“

”آپ کی طبیعت میں انصاف معلوم ہوتا ہے“ وہ خوش ہو کر  
بولتا ”میں پانچ سال سے اس کمپنی میں پرائیویٹ گارڈ کی نوکری کر رہا  
ہوں لیکن آپ پہلے مالک ہیں جس سے ہمیں سو روپے کا انعام ملا  
ہے ورنہ دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ کمپنی کو چار چھ ہزار روپے کی  
گارڈ سے کرائیوں نے ہمیں خرید لیا ہے۔ ہمیں بارہ گھنٹے ڈیوٹی  
کرنے پر صرف اتنا سو روپے ملتے ہیں۔ عید بقرعید کی بھی جمنی  
نہیں ہوتی۔ باقی رقم کمپنی کے مالک کی جیب میں جاتی ہے۔“  
”اور اگر کسی دفتر وغیرہ میں صرف آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہو تو کیا  
ملتا ہے؟“ میں نے وقت گزاری کے لئے اس کے مسائل میں دلچسپی  
لیٹی شروع کر دی۔

”پندرہ سو روپے۔“ اس نے سوکھے لبے میں کہا ”ہم تو  
صاحب رشتائز فوجی ہیں۔ اپنے ہتھیار کی خود دیکھ بھال کر لیتے ہیں،  
دوسروں کے ہتھیار بس نمائش ہوتے ہیں۔ ضرورت پڑ جائے تو کوئی  
ہل کر نہیں دیتی۔ اس سے پہلے کسی کو پتا ہی نہیں چلا کہ گارڈ کا  
ہتھیار صرف سجاوٹ کے لئے ہے۔“

”گارڈ اور اس کے ہتھیار کی دھونس کافی ہوتی ہے۔ چھوٹے  
موٹے جرم تو اسی کے ڈر سے قریب نہیں آتے۔ یہ بتاؤ کہ تم  
تھوڑی دیر کے لئے میرے ساتھ چل سکتے ہو؟“

”کہاں؟“ اس نے تھیرا تھیرا دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔  
”مجھے باہر سے ایک فون کرنا ہے۔ میرے فادرغ ہونے تک  
تمہیں گاڑی کی حفاظت کرنی ہوگی۔“

”نہیں صاحب!“ وہ ہلچلا کر بولا ”یہ مشکل ہے۔ ہم اسٹیشنری  
گارڈ ہیں۔ ہم ڈیوٹی کی جگہ چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاسکتے۔ باہر کسی  
مقابلے میں ہماری موت بھی ہو جائے تو ہمارے بچوں کو بیٹے کا ایک  
پیسہ تک نہیں ملے گا۔ ہاں ڈیوٹی کی جگہ پر ہونے والا نقصان یہہ  
کمپنی پر ادا کرتی ہے۔“

تھے اندھیرے کی وجہ سے انہیں دیکھنا ممکن نہیں تھا لیکن ان کی کھنٹی بڑھتی آوازوں سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ میری کھوپڑی کے قریب وجود میں منڈلا رہے تھے شاید سلطان شاہ بھی اسی مسئلے سے دوچار تھا کیونکہ وہ بار بار اپنے شانوں پر ہاتھ ہلا کر ان نادیہ چھروں کو بھگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کی آنکھوں سے گہری فکر مندی چمک رہی تھی لیکن اس نے ایک بار بھی مجھ سے دیر اور غزالہ کے بارے میں کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید اس طرح وہ مجھے تشویش اور پریشانی سے بچائے رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے گاڑے سے منتظر میں منہمک دیکھ کر وہ سمجھ رہا تھا کہ میرا ذہن عورتوں کے بجائے دوسرے مسائل میں الجھا ہوا تھا حالانکہ ایسی بات نہیں تھی۔ میں ان دونوں کے انتظار میں ایک ایک منٹ گن رہا تھا اور کئی بار اپنی رست واپس کا جائزہ لے چکا تھا۔

”ہم بالکل نیتے بیٹھے ہوئے ہیں“ آخر سلطان شاہ نے اپنا طویل سکوت توڑی دیا ”باہری بیٹھنا ہے تو اندر سے ہتھیار وغیرہ لے آتا ہوں۔ کھلی ہوئی تاریک فضا میں غالی ہاتھ رینا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ آج کچھ نہ کچھ ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔“

”ستارے والے چھروں کو بھگانے کے لئے ہتھیاروں کی نہیں، پنکھوں کی ضرورت ہے۔“ میں نے ہنس کر اس کی بات کو مذاق میں اڑا دیا ”تاقلین کی کسی مادہ نے کپٹی یا گردن کے کسی نازک حصے پر کاٹ لیا تو صبح سے پہلے جاڑے سے بخار چڑھ جائے گا۔“

”میں زلے بخار سے نہیں گھبراتا۔ ایک آدمی کی اندر گھسنے کی کوشش ناکام بنائی جا چکی ہے، دوسرا اندر آگیا تو اس لان پر ہمیں کوئی آؤ بھی نصیب نہیں ہو سکے گی۔“

”تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ دونوں کب تک لوٹ آئیں گی؟“

چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے پوچھا۔

”کچھ نہیں کہا جاسکتا“ وہ تشویش زدہ آواز میں بڑبڑایا ”وہ جب بھی آئیں، میری دعا ہے کہ صبح سلامت آجائیں۔ آج تم نے جو ڈھیل دی ہے، وہ بالکل مناسب نہیں تھی۔ دیر اترنے جاری تھی تو اسے جانے دیجئے، غزالہ کو سختی سے روک لینے۔ پتا نہیں تمہیں کیا ہو گیا تھا۔“

”اس وقت اپنے منہ میں گھنگلیاں بھرے بیٹھے تھے تو اب کیوں بول رہے ہو؟ مجھے کچھ ہو گیا تھا تو تم غزالہ کو یاد دلا سکتے تھے کہ وہ میرا ساتھ دینے کا فیصلہ کر کے غلطی کر رہی ہے۔“

”میں نے خود ساتھ جانے کی پیشکش کی تھی۔“ وہ اڑکے بولا ”ویرانے سختی سے منع کر دیا کہ وہ کسی مرد کے ساتھ نہیں جائے گی۔ میں اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا؟“

”نہیں کر سکتے تھے تو اب چپ چاپ بیٹھو۔ میرا داغ خراب مت کرو۔“

”لا جواب ہونے لگتے ہو تو تم اسی طرح ڈانٹ پھینکاؤ پڑاؤ

”لوگوں کے ساتھ گھومنے والے گاڑے کسی اور قسم کے ہوتے ہیں؟“ اس کی باتوں سے میری معلومات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ شر میں وہ سسٹم زیادہ پرانا نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کی معلومات کم تھیں۔

”وہ موبائل گاڑے ہوتے ہیں اور آزادی کے ساتھ مالک انہیں ہر جگہ اپنے ساتھ لے جاسکتا ہے۔ کبھی ان کا زیادہ معاوضہ لیتی ہے۔ بڑے کبھی والے بھی زیادہ پیسے لیتے ہیں لیکن پھر وہ کیس بھی ہلاک یا زخمی ہوں، بڑے کبھی معاوضہ دینے کی پابند ہوتی ہے۔ عام طور پر ان کو بھی شرکی حدود سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ صوبے یا ملک بھر میں پھرنے والے گاڑے کی شرائط کچھ اور ہوتی ہیں۔“

بازاروں وغیرہ سے گزرتے ہوئے میں روزی بھات بھات کی پرکشش رویوں میں ملبوس مسلح گاڑے کو دیکھا کرتا تھا۔ ابتدا میں شہر میں گنتی کی سیکورٹی کیمپاں تھیں جو اپنی بکتر بند گاڑیوں میں جان وچوبند مسلح عملے کی عمرانی میں بینکوں کا پیش وغیرہ لاتی اور لے جاتی تھیں۔ ان کے معاوضے اتنے خفیہ تھے کہ عام شہری ان کی خدمات سے استفادے کی ہمت ہی نہیں کر سکتے تھے۔

پھر رتہ رتہ شہر میں امن و امان کی صورت حال تیزی سے مچنے لگی۔ ہتھیاروں کے بل پر لوگوں کو سربراہ لوٹا جانے لگا، گاڑیاں چھپنے لگیں، گھروں میں دن دہائے ڈاکے پڑنے لگے، تاروان کے لئے بچوں اور بڑوں کا اغوا معمول بننے لگا۔ ایسی بیشتر وارداتوں کے مجرم ہمیشہ کے لئے نامعلوم ہی رہے۔ پولیس کی ناکامی اور بدترین عدم تحفظ کی اس فضا میں کچھ لوگوں نے درمیانی درجے کے حفاظتی اداروں کی داغ بیل ڈالی اور اس قدر کامیاب ہوئے کہ ان کے لئے اپنے سب گاؤں کو گاڑے مزیا کرنا مسئلہ بن گیا اور پھر ایسے اداروں کی بھرا ہوتی چلی گئی۔ لطف کی بات یہ تھی کہ تربیت یافتہ اور تجربے کار محکمے کی کمی اور ہتھیاروں کی ناقص کوالٹی کے باوجود ان میں سے کوئی ادارہ خسارے میں نہیں تھا۔ بد امنی کی فصل کا سب سے زیادہ شہر سیکورٹی ایجنسیوں کے مالکان ہی لوٹ رہے تھے۔ عملے کی بھرتی میں بے پرواہی اور غیر ذمے داری کا یہ عالم تھا کہ کئی ایجنسیوں کے گاڑے دشمنی فوجیوں کی فوج میں لوٹ ہو کر گئے ہاتھوں پکڑے جاتے تھے مگر مطلب اور رسد کے بنیادی اصول کے مطابق وہ کاروبار دوزموں پر تھا۔ غریب غریبا کا صرف اتنا فائدہ ہوا تھا کہ ہتھیار کا لائسنس رکھنے والے ہر شخص کو قلیل مشاہیرے پر روزگار حاصل کرنے کا موقع میسر آ گیا تھا۔

دوسرا گاڑے تجارت کا طویل چکر مکمل کر کے دوبارہ اس حصے میں نمودار ہوا تو دراز قامت گاڑے ہمیں دکھانے کے لئے یا پھر اپنے معمول کے مطابق تیزی سے اس کی طرف چل دیا۔ اندازاً ایسا تھا جیسے اس سے رپورٹ لینے یا اسے کوئی اہم ہدایت دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

اس دوران میں ہبزے پر چھروں کے غول جھنڈانے لگے



آتے ہو۔ میرے لئے یہ نئی بات نہیں ہے۔  
 ”ہم دیر اکو اکلا اور بے یا بعد کار نہیں جموڑ سکتے، سمجھے!“  
 میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر دہی دلی آواز میں کہا ”بلبلو“  
 اس ڈیل سے اب تک کی اس کی خدمات یاد کرو۔ ہمارے لئے  
 س نے کیا تمہیں نہیں کیا ہے اور اب تو اس کا باپ بھی مر چکا ہے۔“  
 ”اس کے باپ کو ہم نے تو نہیں مارا۔ دو ذہنوں لوکیوں  
 کے باپ مر جاتے ہیں۔ تم کس کس کی دل جوئی کرتے چلو گے۔  
 نن کے لئے ہم اپنی جان جوہم میں ڈال کر آسمان کے تارے  
 زینے کی کوشش کرتے رہے، انہوں نے ہی ہم سے آنکھیں پھیر  
 بی تو ہمیں دوسروں کے لئے اتنی دوسندی دکھانے کی کیا ضرورت  
 ہے؟ ہم نے یہ سب اپنے لئے تو نہیں کیا تھا۔“ وہ واضح طور پر  
 چٹخٹا ہوا منہ فورس کے بیوں کی بات کر رہا تھا جنہوں نے وقت  
 آنے پر ایک بار پھر اقل خان کو قربانی کا بکرا بنا دیا تھا۔  
 ”ہم نے کسی کے لئے کچھ نہیں کیا تھا۔“ میں نے سختی سے کہا۔  
 ”یہ ملک کسی دھیرے کی جاگیر نہیں ہے جسے بچانے سے اسے فیض  
 پہنچتا ہو۔ یہ ہماری مٹی، ہماری زمین ہے۔ ہم نے جو کچھ کیا اسی  
 زمین کی محبت میں کیا تھا۔ کسی اٹو کے بچے پر احسان نہیں کیا تھا۔  
 اگر تمہارے دل میں اپنی ان خدمات کے صلے کی تمنا ہے تو کان  
 کھل کر سن لو کہ تم خود غرض اور لالچی ہو چکے ہو۔ تم نے جو کچھ کیا  
 وہ ڈراما تھا۔ تم دوسروں کو اپنی کارکردگی سے خوش کر کے ذاتی  
 فائدے اٹھانے کے پکر میں تھے۔“  
 ”جس بہت ہو گئی“ اس نے میری بات کاٹ کے کہا اور میرا کر  
 میرے پاس سے اٹھ گیا۔  
 میں دل ہی دل میں مسکرایا۔ میری ان عجیب و غریب باتوں کا  
 مقصد بھی یہی تھا کہ میں اس پر دباؤ ڈال کر اتنا مشتعل کر دوں کہ وہ  
 دونوں عورتوں کی واپسی تک میرے کان نہ کھائے۔ میں شرافت  
 سے اسے سمجھانے کی کوشش کرتا تو وہ لامتناہی بحث میں الجھا رہتا  
 اور مجھے تازہ دل آ رہتا۔  
 سلطان شاہ لان سے اٹھ کر بس ایک طرف چل دیا تھا۔ چند  
 قدم چلنے کے بعد اسے خیال آیا کہ وہ بے مقصد ہی چل پڑا تھا۔ اس  
 نے اپنی سمت درست کی اور برآمدے کی طرف ہو گیا۔ میں اس سے  
 پہلے ہی سیدھا برآمدے کی طرف چل پڑا تھا۔  
 اس دوران میں مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ دونوں محافظت  
 مزان نہیں تھے۔ گھر میں اندھیرا ہونے کے باوجود وہ مسلسل حرکت  
 میں تھے اور ہر چند منٹ بعد وہ باری باری پوری عمارت کا پکر ضرور  
 لگا رہے تھے تاکہ تاریکی سے فائدہ اٹھا کر کوئی اندر کوونے کی جرأت  
 نہ کر سکے۔  
 ہم دونوں کو واپسی پر آمادہ پار ایک گاڑی لے ہاتھ لرا کر ہمیں  
 دوا کا دھڑ پھر دوڑتا ہوا ہماری طرف چلا آیا۔ وہ چڑھے ہوئے  
 سائنل کے درمیان بولا ”سرا تکلیف نہ ہو تو ذرا سی دیر باہری  
 رکے رہیں۔“

”کیوں؟ کیا اندر کوئی خطو ہے؟“ اس کے غیر معمولی انداز پر  
 میں چونکنا ہو گیا۔  
 ”نہیں“ خطو تو کوئی بھی نہیں ہے۔ بس رات کی ڈیوٹی والے  
 آتے ہوں گے۔ اچھا ہے کہ ان دونوں سے آپ کا سامنا کرادیا  
 جائے۔ عورتوں کو وہ خود ہی دیکھ لیں گے۔“ اس نے کہا۔  
 بات معقول تھی۔ تعارف کے بغیر وہ ہمیں آسانی سے قبول نہ  
 کر سکتے۔ اندر جا کر دوبارہ باہر آنے سے بہتر تھا کہ چند منٹ ان کا  
 انتظار کر لیا جاتا۔  
 میری دست دایچ میں اس وقت آٹھ بجتے میں دو منٹ تھے۔  
 میں اس کی بات کا جواب بھی نہیں دے پایا تھا کہ آٹھ گھنٹہ پر ہلکا  
 سا ٹھکانا ہوا اور درواز قامت گاڑنے فوراً ہی پچانک کھول دیا۔  
 ان ہی جیسی دو دیوڑیوں میں ملبوس دو افراد اندر آ گئے۔ دونوں  
 خالی ہاتھ تھے۔  
 ”وہ آئی گئے۔“ مجھ سے بات کرنے والے گاڑی کا چوکھٹا  
 اٹھا اور اس نے اشارے سے اپنے تینوں ساتھیوں کو دیوں  
 برآمدے کی طرف بلا لیا۔  
 درواز قامت نے شاید نووا دیوں کو راستے ہی میں بریف کر دیا  
 تھا۔ ان دونوں نے آتے ہی فوجی انداز میں ہمیں سلام کیا اور  
 اندھیرے میں غور سے ہمارے چہروں کو دیکھنے لگے جیسے ہماری  
 صورتحال اچھی طرح ذہن نشین کرنا چاہ رہے ہوں۔  
 ”صاحب لوگوں کے ساتھ ان کے گھر کی دو عورتیں بھی  
 ہیں۔“ درواز قامت گاڑنے تفصیلی تعارف کرانے کا فیصلہ ادا  
 کرتے ہوئے کہا ”وہ کسی ضروری کام سے گئی ہوئی ہیں۔ حالات  
 سازگار نہ ہونے تو وہ گیٹ استعمال کرنے کے بجائے دیوار پھاند کر  
 بھی اندر آ سکتی ہیں۔ آئے سے پہلے وہ ہماری دی ہوئی گئی بجاکر اپنی  
 شناخت کرائیں گی۔“  
 وہ اپنی روانی میں یوں چلا گیا لیکن دو گھنٹہ عورتوں کے دیوار  
 پھاندے کا ذکر سن کر نووا دیوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں  
 لیکن انہوں نے اس بارے میں زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا۔  
 تعارف مکمل ہونے پر خاموشی سے سر جھکا کر ابیں چلے گئے۔  
 ان لوگوں کے کام میں بہت زیادہ باریکی یا اندرت نہیں تھی۔  
 آئے والوں کو ذمہ داریاں سونپنے کے بعد دن والے گاڑی چھاگ  
 کے راستے رخصت ہو گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں  
 اندھیرے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو سلطان شاہ میرے پیچھے  
 پیچھے تھا۔  
 دن کے اجالے میں جو گھر کشادہ اور پُر حیش نظر آ رہا تھا  
 اندھیرے میں وہی گھر تنگ اور پُر ہول نظر آنے لگا تھا۔ قیمت یہ تھا  
 کہ ہم نے رات کے اندھیرے کا اندازہ کرتے ہوئے راستوں و دنیو  
 کو اس حد تک صاف کر دیا تھا کہ ہم اندھیرے میں کوئی ٹھوکر کھائے  
 بغیر جانا تکمیل کی خواب گاہ میں پہنچ گئے۔  
 مجھے معلوم تھا کہ اس کمرے کی ساری کھڑکیاں بند تھیں اور

بھی فرار ہونے کے بارے میں سوچتا ہوا۔

ان حالات میں ہمیں دو ہی ٹھکانے نظر آئے۔ اسٹیشن فوری متروک عمارت اور جمائیکہ کا دیران گھر۔ ان دونوں میں سے بہتر نظر آنے والا ٹھکانا اس وقت ہمارے تصرف میں تھا۔ جمائیکہ کے گھر میں ہمارے لئے کسی سہولت کی کمی نہیں تھی لیکن سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ ہم وہاں سے کسی کو بھی فون نہیں کر سکتے تھے۔ جب تک ہم جمائیکہ کے فون سے دور رہتے، اس مکان میں غایت ہی غایت رہتی۔ فون پر یقیناً ایلن کی کڑی نگرانی تھی، ہم اس سے رابطہ کرتے وہ ہمارے سروں پر سوار ہو جاتا۔ کمری نے اپنے فون پر آپریشن گلوایا ہوا تھا۔ یہی صورت امریکی قونسل خانے کی بھی تھی۔ ہم جس سے بھی رابطہ کرتے، مشکلات میں گھر سکتے تھے اور اپنے ان دشمنوں کے حقیقی عزائم سے واقفیت حاصل کئے بغیر اپنی کمین گاہ سے منظر عام پر لکنا کسی طرح خودکشی سے کم ثابت نہ ہوتا۔

شیشوں پر پورے پردے کھینچے ہوئے تھے۔ میں نے گھور تاریکی کے احساس سے نجات پانے کے لئے زبردات کا سبب بلب روشن کر دیا۔ گھور اندھیرے میں وہ بزدل مثنویوں چنچلی جیسے دہاں چاند اتر آیا ہو۔

”پہلے ہمیں محفوظ مقام کی ضرورت تھی جہاں فون بھی موجود ہو“ سلطان شاہ زہرے لیے مجھے میں بولا ”یہ گھر محفوظ ہے۔ یہاں فون بھی ہیں مگر ہم انہیں استعمال نہیں کر سکتے۔ کمری، ایلن یا نارمن اس نمبر کا سراغ لگا کے ہمارے سر پر سوار ہو جائے گا۔ سب کچھ ہی غلط ہو چکا ہے تو پھر ہم یہاں بیٹھ کر کس مصیبت کا انتظار کر رہے ہیں۔“

”مصیبت کا نہیں، ہم غزالہ اور ورا کا انتظار کر رہے ہیں“ میں نے پکارتے ہوئے اسے سمجھایا ”اس وقت وہ دونوں اپنی مہم کے بدترین مراحل سے گزر رہی ہوں گی۔ میں نے دباؤ میں آکر انہیں جانے کی اجازت تو دے دی مگر اب میں ان کی طرف سے ٹھکر مند ہوں۔“

”جمائیکہ کے کینٹ سے ایک بڑا گلاس بلاؤ۔ تمہاری فکر مندی کو خاصا افادہ ہو گا۔“

”سلطان شاہ!“ میں نے سر اور پھٹکا رکھی ہوئی آواز میں اسے پکارا ”یہ مت بھولو کہ ہمارے درمیان دوا داری اور احترام کا بھی کوئی رشتہ ہے۔ تم نے باپوسی میں ان حدود کی پاس داری نہ کی تو میری زبان کی کاٹ کوئی نہیں سہ سکے گا۔“

میرے غضب ناک تاہمی لیے پردہ لرزا تھا اور جھر جھری لے کے بولا ”شاید میں بیک گیا تھا۔ میرا داغ اس وقت میرے قابو میں نہیں ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں۔“

”جاؤ اور عمدہ چائے کی دو پیالیاں بنا کر لاؤ۔“ میں نے اسی لیے میں کہا۔

”جہن میں عمدہ نہیں، بیک بانڈ کی گولڈ لیل چائے ہے۔“ اس وقت وہ میری ہدایت سے لفظی انحراف کا خطرہ بھی مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

”پتی جو بھی ہو، چائے اچھی اور اسٹراٹجک بنی چاہئے۔“ میں نے کہا اور وہ چلا گیا۔

سلطان شاہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ غلط اور سراسر بے بنیاد نہیں تھا۔ اسٹیشن ٹانگ فورس کے مقامی یونٹ کی معطلی کے ساتھ ہم پر بیک وقت دو نامانی مشکلات نازل ہوئی تھیں جن کی اصل ایک ہی تھی، بنیادی خطرہ یہ تھا کہ ایلن نے جمائیکہ کی ایس جے گارمنش کا سراغ لگایا تھا جہاں ہم روپوش تھے۔ ہمیں چھاننے کے لئے اس نے اپنی انفرادی کوششوں پر مکمل انحصار کرنے کے بجائے انعام کے لالچ میں علاقائی پولیس کو بھی ہمارے پیچھے لگا دیا تھا۔ ان سب مشکلات سے اپنا چچھا چھڑانے کے لئے ہم جمائیکہ کی فیکٹری سے فرار ہو کر ہوٹل میں روپوش ہوئے تو اسلگے ہی دن اخبارات میں ہماری گرفتاری کا با تصویر اشتہار شائع کر دیا گیا اور ہمیں ہوٹل سے

میں بدترین ذہنی پرانندگی میں مبتلا ہوتا جا رہا تھا۔ سلطان شاہ کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ مجھ میں اور اس میں صرف اتنا فرق تھا کہ وہ اپنے ذہن میں ابھرنے والے ہر سوال کا جواب جاننے کے لئے وقفے وقفے سے میرا داغ کھا رہا تھا جب کہ میں اس کے ذہن پر اپنے حکمین تفکرات کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ میری انجمنوں سے واقف ہونے کے بعد وہ بھولتا ہوں کا شکار ہو کر احمقانہ تجاویز پیش کرنے کا سلسلہ شروع کر دیتا جو آخر کار مجھے ہی چرانے کا سبب بنتا۔

وقت ریک ریک کر گزرتا رہا۔ دس بجے کے بعد میرے اعصاب جھنچنے لگے۔ اگر وہ دونوں زندہ اور آزاد تھیں تو انہیں اس وقت تک واپس لوٹ آنا چاہئے تھا۔

اچانک فضا میں کسی پستول کے فائر کی موہوم سی آواز گونجی اور میرے ساتھ سلطان شاہ نے بھی بھڑک کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ مکان کے تمام در اور درستی بند تھے اور وہاں کوئی معمولی آواز آسانی سے نہیں سنائی دے سکتی تھی۔ فائر یقیناً کہیں قریب ہی ہوا تھا۔ میں نے بچوں کے بل نکاسی کے راستے کی طرف دوڑ لگادی۔ سلطان شاہ میرے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں موجود گاڑوں کو ہماری طرف سے مداخلت کا اندیشہ رہا ہو گا کیونکہ ان میں سے ایک، برآمدے کے قریب ہی کہیں چھپا ہوا تھا۔ نکاسی کے دروازے میں خفیہ سی جھری پیدا ہوتے ہی وہ دہلی دہلی اضطرابی آواز میں غرایا تھا ”اندھیرا رہو۔ باہر نکلے تو اندھیرے میں کوئی بھی گولی چاٹ جائے گی۔ یہاں کچھ مشتبہ لوگ منڈلا رہے ہیں۔“

”تم دروازہ بند کر کے اندر ہی رکے رہو۔ میں باہر کی خبر لیتا ہوں۔“ میں نے سرگوشیانہ لیے میں سلطان شاہ سے کہا پھر سینے کے بل فرش پر گر کر دروازہ پوری طرح کھولے بغیر ریتنگا ہوا باہر نکل گیا۔ سلطان شاہ نے فوراً ہی دروازہ بند کر لیا۔

اسی سکوت اور بے یقینی کے عالم میں کافی دیر گزر گئی پھر اچانک ہی بچانک پر ہلکی سی دنگ ہوئی، اسی کے ساتھ مینڈک کے ٹرانے کی مختصری آواز ابھر کر معدوم ہو گئی۔

”شاید تمہاری عورتیں ادھر بچانک پر آگئی ہیں۔“ گاڑی کی بیجان زدہ سرگوشی ابھری۔

”دوڑ کر گھٹ کھولا اور انہیں اندر لے لو۔“ میں نے اضطرابی لہجے میں کہا۔

”مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان ناتواں عورتوں سے سبھی جین لی گئی ہو۔“ خود کلامی کے انداز میں اس کی شکرانہ بڑبڑاہٹ سنائی دی ”یہ دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔“

اس کا اندیشہ بے بنیاد نہیں تھا مگر مجھے اس کی بقراطیت پر غصہ آگیا اور میں نے غراتے ہوئے کہا ”وہ جو کوئی بھی ہے، پوری احتیاطی تدابیر کے ساتھ اسے دیکھنا تمہارا فرض ہے۔ اب معاملہ باہر کی حدود سے گزر کر تمہارے دروازے پر آپہنچا ہے۔“

”صاحب! غصہ مت کرو۔ میں جا رہا ہوں۔ بس ویسے ہی میرے دماغ میں ایک وہم آگیا تھا۔“ اس نے ہلکا کر کہا اور فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔

احاطے میں اندھیرا تھا، آسمان پر صرف ستاروں کا راج تھا اس لئے باہر سے اس کا کچھ لیا جانا ممکن نہیں تھا۔ اپنے قدموں کی چاپ ختم کرنے کے لئے وہ بچوں کے بل گھٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا مآذُر اس کے ہاتھ میں بالکل تیار تھا۔ ادھر میں نے بھی اپنے پتول کو لوڈ کر کے داہنا ہاتھ آگے پھیلایا تھا تاکہ کوئی خطرو نظر آتے ہی بے دریغ فائر کر سکوں۔

گاڑی گھٹ کی ذیلی کھڑکی سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گیا پھر فضا میں مینڈک کے ٹرانے کی مختصری آواز ابھری۔ میں اندازہ نہیں لگا سکا کہ اس بار سبھی گاڑی نے بجائی تھی یا پھر یاہروالوں نے طویل انتظار سے مضطرب ہو کر دوبارہ کسی کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

دوسرے ہی لمحے مجھے اپنے اس سوال کا جواب مل گیا کیونکہ سبھی ایک مرتبہ پھر بجائی گئی تھی۔ شاید گاڑی نے آخری شناخت طلب کرنے کے لئے پہلی سبھی بجائی تھی اور باہر سے اس کا جواب دیا گیا تھا کیونکہ اس کے فوراً بعد ہی سنانے میں وزنی آہنی بوٹ سرکنے کی آواز آئی اور ذیلی کھڑکی اندر کی طرف کھلتی چلی گئی۔ گاڑی کا تارکی میں چھپا ہوا، مآذُر بردار بیولا کھڑکی کی حفاظتی اوٹ میں تھا۔

کسی تاخیر کے بغیر ایک نسوانی سایہ بو جھل قدموں سے اندر داخل ہوا۔ وہ سایہ آگے کی طرف جھکا ہوا تھا اور اس کی پشت پر کوئی بوجھ لدا ہوا تھا۔ اگلے ہی لمحے دوسرا سایہ بھی اندر آیا اور میرے وجود میں اطمینان کی ایک لہر سراپت کر گئی۔ بعد میں آنے والی کو میں اس سے بھی زیادہ اندھیرے میں پہچان لینے کا عادی ہو چکا تھا۔ وہ غزالہ تھی اور بظاہر بالکل محفوظ نظر آ رہی تھی۔ دونوں عورتوں کے اندر آتے ہی گاڑی نے پھرتی سے ذیلی کھڑکی

ذرا نیچا دھک کا دو اوازہ اتار کر کھولا اور پھر اتنی پھرتی سے بند کیا جیسا کہ شاید گاڑی کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ مکان میں سے کوئی ہلکے آواز آیا ہے۔

ماربل کے ٹھنڈے فرش پر پیٹ اور کنیوں کے بل چند فٹ سے گئے ہوئے، میں نے اپنی جیب سے بھرا ہوا پتول نکال کے ہاتھ میں لے لیا تھا مگر اسی لمحے مجھے احساس ہوا کہ گاڑی کے بے خبری میں ہلکے کر میں نے ایک سنگین خطرو مول لیا تھا۔ میری ذرا سی ہمت یا آواز پر وہ مجھے بے دھڑک ہو کر گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ وہ مجھ سے کہتا کہ اس نے اندھیرے میں دشمن پر وار کیا ہے۔

”تم کہاں ہو؟“ میں نے سرگوشیانہ انداز میں کہا ”میں اندر سے برآمدے میں آچکا ہوں۔“

”صاحب تم مارے جاؤ گے۔“ برآمدے کے زینوں کی جڑ سے اس کی جھٹکی ہوئی آواز ابھری ”۱۳۳۱ تک کچھ پتا نہیں چلا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اب تمہارا بھی دھیان رکھنا پڑے گا۔“

”تم میری فائر نہ کرو۔“ میں نے آگے سرکتے ہوئے رسائییت کہا ”میں خود اپنی حفاظت کر سکتا ہوں۔ میرے پاس بھرا ہوا پتول موجود ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ فائر کیا تھا؟“

اس وقت تک میں اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ فرق اتنا تھا کہ میں برآمدے کے بلند فرش پر تھا اور وہ نیچے میزبھوں کی اوٹ میں کھڑا تھا۔ اس کے سامنے کا کبھی پتا نہیں تھا۔

”باہر سے مینڈک والی سبھی کی آواز آئی تھی۔ ہم نے سمجھا کہ یہ تمہاری عورتیں خالی پلاٹ کی طرف سے دیوار کو دھک اندر آنے لگی ہیں۔ احتیاطاً ظاہر ادھر چلا گیا مگر پھر اچانک ہی فائر ہو گیا۔ گولی خالی پلاٹ پر چلی گئی لیکن اس کے ساتھ کوئی چیخ نہیں سنائی گئی۔“

”اوہ! میں مضطرب ہو گیا۔“ اس کا مطلب ہے کہ باہر سے اس مکان کی گھرائی کی جاری تھی۔ دونوں عورتوں کو دیکھتے ہی گھرائی سننے والے نے گولی چلا دی۔ وہ دونوں اس وقت سخت خطرے میں تھیں۔ ہمیں ان کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔“

”مفروضہ کرو لیکن یہ خیال رکھنا کہ ہم اس احاطے سے باہر نکل کر تمہارا ہاتھ نہیں بٹا سکیں گے۔ ہماری ڈیوٹی اس مکان کی حدود سے باہر نہیں آئے گی۔“

”اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر نہ ڈالا۔“ ان لوگوں کے فرائض کی نوعیت اور کسی خون ریزی کے بعد لڑنے والے انشورٹس کے مسائل کے بارے میں میں پہلی ہی بہت بات چکا تھا اس لئے میں نے اس سے مزید کوئی بات نہیں کی۔

”ہاں“ عورتوں کے پیچھے کسی نے اس مکان میں گھسنے کی کوشش کی تو ہم اپنی جان کی بازی لگا کر اسے زندہ یا مردہ حالت میں پھرنے کی پوری کوشش کریں گے۔“ وہ اپنی رو میں کھپ چکا گیا۔

اس کے خاموش ہوتے ہی فضا پر چڑھول سا سکوت طاری ہو گیا۔ میں سینے کے بل فرش پر پڑا چوکے انداز میں ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ وہ بدستور میزبھوں کی جڑ میں دھک رہا۔ فائر کے بارے میں دیکھ مال کے لئے جانے والے گاڑی کا کوئی پتا نہیں تھا۔

پروں سے لٹکائے وہاں لے آئے ہم نے ڈرانگ دم کا تھلن  
آلودہ کرنے کے بجائے اسے اندر لابی میں بچا دیا جہاں مارشل  
خوب صورت فرش قالین سے محروم تھا۔

دونوں گارڈز بے ہوش شخص کو زمین پر ڈال کر واپسی کے  
لئے مڑے تو میں نے انہیں روک لیا "اس وقت ہم بائیں ملکان  
کے اندر ہیں۔ باہر کوئی گزیر ہوئی تو کون دے دار ہو گا۔"

زبردست کے سبب کی ناکافی روشنی میں ایک گارڈ بظلم  
جھانکنے لگا لیکن دوسرے نے ذرا بھی جھجکے بغیر کہا "باہر گزیر کرنا  
والے کو تمہاری عورتوں نے پکڑ لیا اور اطمینان سے اندر لے  
آئیں تو اب کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟ اس کی غذا ڈولی کرنے کے بجائے  
ہم میں سے کوئی اسے اپنی کمرہ لاد کر لے آتا تو بری طرح گندہ ہو جاتا۔  
یہ شخص بری طرح زخمی معلوم ہوتا ہے۔ کمرے میں چلا حصہ خون میں  
ڈوبا ہوا ہے۔ اس خون کے وجہ تمہاری ساتھی کے کپڑوں کو بھی  
داغ دار کر چکے ہیں۔"

"شام سے یہ دو سرا واقعہ ہے۔ باہر جا کر بے فکر نہ ہو جاؤ۔  
ہمارے خون کے طلب گار تیری بار بھی کوئی کوشش کر سکتے ہیں۔"  
"دن والوں نے ہمیں بتایا تھا کہ اندھیرا پھیلنے کے بعد بھی  
کسی نے دیوار پھاند کر اندر آنے کی کوشش کی تھی مگر نافر ہوتے تو  
اندھیرے میں کیسے غائب ہو گیا۔" ایک گارڈ نے کہا "تم لوگ بے  
فکر رہو۔ ہم متوقع خطرات سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ ہو سکتا ہے  
کہ شام کو بھی اسی آدمی نے اندر گھسنے کی کوشش کی ہو جو اس  
وقت پکڑا گیا ہے۔ تم ہمیں اجازت دو تو ہم مار مار کر اس سے ہر  
بات اگلا لیں گے۔ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے ہمیں  
مفلوک لوگوں پر تھوڑا بہت تشدد کرنے کی اجازت ہے۔"  
"یہ تھوڑے بہت تشدد سے زبان کھولنے والوں میں سے نہیں  
ہے۔"

"زبان سے ایک غلط بات نکلے ہی طوم، مجرم بن جاتا ہے  
ہمارا شک یقین میں بدل جائے تو ہم سامنے والے کے اوسان ڈ  
کر دیتے ہیں۔ یہ کیس نہ کیس ہمیں مرنے والی من مانی کرنے کا پ  
موقع دے دے گا اور ہم اپنا مکمل شروع کر دیں گے۔"  
اس کی سوچ پیشہ ورانہ اور استدلال منطقی تھا مگر یہ بات بہ  
خطرناک تھی کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے تحت ہو۔  
اثر و رسوخ کی کوکھ سے ایک مملکت رجحان جنم لے رہا تھا۔ غیر کا  
افراد کی طرف سے پُر تشدد باز پرس کے عوام اسی رجحان کے آئین  
دار تھے۔

"تم اپنا کام دیکھو۔ قیدی سے ہم نمٹ لیں گے۔" میں نے  
انہیں ہانپنے کی نیت سے کہا۔

"بہت بہتر۔ لیکن قیدی زندہ ہے۔ اسے زندہ ہی رہنا چاہئے  
ہمارے ہاتھوں بھی کوئی مارا جاتا ہے تو بہت لمبی چوڑی کارروائی  
ہوتی ہے۔" یہ کہہ کر وہ دونوں واپس چل دیے۔

ایک زندہ دشمن کا زخمی حالت میں پکڑا جانا ہم سب کے

بند کر کے ہول کر دی۔ اس اثنا میں دیر الٹی پشت پر لدے ہوئے  
بے حس و حرکت وجود کو فرش پر ڈال چکی تھی۔

"اسے اٹھا کر اندر لے آؤ۔" چڑھے ہوئے سانسوں کے  
درمیان میں دیرانے کا تو آواز دہی ہوئے کے باوجود میرے  
کانوں تک پہنچ گئی اور میں بے ساختہ زمین سے اٹھتا چلا گیا۔

دیرانے گارڈ کو ہدایت دینے کے بعد یہ دیکھنے کی زحمت نہیں  
کی تھی کہ اس پر کس طرح عمل کیا جا رہا تھا۔ وہ دونوں ہی آگے چل  
پڑی تھیں۔ میں نے راستے ہی میں انہیں جالیا۔

ان دونوں کے چروں وغیرہ پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا بلکہ  
غزال کا چہرہ تو اندھنی مسرت کے کسی احساس سے تھم رہا تھا۔

دیرانے کے چہرے سے خشونت برس رہی تھی۔ زیادہ پُر تشویش بات یہ  
تھی کہ اس کے لباس پر کئی وجہ نظر آرہے تھے۔ میں نے تاریکی  
میں ان دھبوں کو چھوڑا تو اندھ خون کی چھچھاہٹ محسوس کر کے میں  
پریشان ہو گیا۔

"یہ... یہ خون... تھمتھمتھ... تم زخمی ہو؟" میری زبان سے ایک  
بے ربط فقرہ نکلا۔

"فکر مت کرو۔ یہ میرا نہیں، بے ہوش قیدی کا خون ہے  
ہمیں اپنی پوری مہم میں ایک غراش بھی نہیں آئی ہے۔ بڑی بات  
یہ ہے کہ ہمیں اپنے مشن میں سرخ روئی حاصل ہوئی ہے۔" وہ  
بولی۔

گارڈ زخمی شخص کو اٹھانے کے لئے اپنے ساتھی کی تلاش میں  
ڈس گیا تھا مگر میں نے پھر بھی وہ بات وہیں ختم کر دی۔ اندر پہنچنے کے  
بعد ہم پورے اطمینان سے بات کر سکتے تھے۔

سلطان شاہ ڈرانگ دم کے دروازے کی جھری سے شاید  
دورا منظر دیکھتا رہا تھا۔ اس نے ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی دروازہ  
کھول دیا۔

"کمال ہے۔ تم دونوں زندہ لوٹ آئی ہو۔" وہ انہیں دیکھتے ہی  
چپکے لگا "ہم لوگ تو تمہاری تدفین اور بعد کی منصوبہ بندی کر رہے  
تھے۔ یہ تمہاری پشت پر کون سوار تھا؟"

"تم ہمیں مردہ ہی سمجھتے رہو۔" دیرانے چکر بولی "وہ آئے گا تو  
اس سے پوچھ لینا کہ وہ کون ہے۔"

"چند منٹ پہلے کوئی کس نے چلائی تھی؟" میں نے سوال کیا۔  
"غزال کا نشانہ بے خطا ہوتا ہے۔" دیرانے کی آواز پُر ستائش

تھی "میرا اندازہ ہے کہ اس کی چلائی ہوئی کوئی اس مردہ کی پیٹھ  
کے نچلے حصے میں پیوست ہوئی ہے۔ وہ تاریک اور دیرانے پلاٹ کی

جانب سے اس مکان کی دیوار پر چڑھ رہا تھا۔ کوئی کھاتے ہی کسی  
مردہ جھپکی کی طرح کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر گر گیا۔ وہ زندہ تھا مگر

بھاگنے کے قابل نہیں تھا۔ میں نے پھرتی سے اسے قابو کر کے بے  
ہوش کر لیا۔ اب دیکھتا ہے کہ وہ کیا کمانی لے کر ہوش میں آتا  
ہے۔"

اسی اثنا میں دونوں گارڈ اس بے ہوش شخص کو چاروں ہاتھ

دروازے منقل کر کے غزالہ کے ساتھ مطلوبہ عمارت کی طرف ہوئی۔

تحائف کے لئے استعمال ہونے والے نفیس کانڈ میں لپٹی ہوئی جی تھری اور پھر ان دونوں کی جارحانہ وضع قطع کی وجہ سے اس عمارت کے چوکیدار نے ان سے باز پرس کی بہت نہیں کی اور وہ دونوں پورے اعتماد سے لفٹ میں سوار ہو کر پانچویں منزل کے لئے روانہ ہو گئیں۔ وہ پانچویں منزل پر لفٹ سے باہر نکلیں تو ایک نوجوان جو زوالفٹ کا منتظر تھا۔ ان سے رسمی مکرابٹ کا تبادلہ کر کے وہ دونوں ایک طرف چل پڑیں جیسے واقعی کسی مخصوص فلیٹ میں جانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔

اس جوڑے کے غائب ہوتے ہی وہ واپس پائیں اور لفٹ کے ساتھ بٹھنے ہوئے زینوں سے نیچے اترتی چلی گئیں۔ اس وقت ہسٹول دیر کے قبضے میں تھا اور نیم گن غزالہ کے پاس تھی۔

اس عمارت میں داخل ہونے سے پہلے دیر اندازہ لگا چکی تھی کہ سڑک کے بارواغ ٹارمن کے مکان کے بہترین نظارے کے لئے اس عمارت کی تیسری منزل بہتر ثابت ہو سکتی تھی۔

اس بلڈنگ میں ہر منزل پر کل چار فلیٹ تھے جن میں سے دو سڑک کی سمت میں اور دو عجیبی رخ پر واقع تھے۔ اس طرح ان کے پاس بہت زیادہ انتخاب کا موقع نہیں تھا۔

انہوں نے ویران راہداری میں بند دروازوں سے کان لگا کر دونوں فلیٹوں کی سن گن لی اور پھر اس فلیٹ پر طبع آزمائی کا فیصلہ کر لیا جس میں تقریباً سناٹا پھیلا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ڈور بیل کے جواب میں متوسط عمر کی ایک خوش شکل اور خوش لباس عورت نے دروازہ کھولا اور اس سے پیشتر کہ وہ ان دونوں سے کوئی سوال کرتی، دیرا "ہائے رحمان ڈارلنگ" کہہ کر کسی چونک کی طرح اس سے لپٹ گئی اور اس کے کان میں تیز سرگوشی کرتے ہوئے بولی "ہم دونوں سسلے ہیں۔ تم نے چند منٹ کے لئے ہم سے تعاون کیا تو ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رہو گی۔ ہم تمہیں لوٹا یا کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔ فلیٹ میں موجود لوگوں کو ایک کمرے میں جمع کر لو تاکہ انہیں اپنی پرانی سیبل سے متعارف کروا سکوں۔"

اپنی ہدایات ختم کر کے دیرا جی وی اس عورت سے الگ ہوئی، وہ کسی کسے ہوئے شیر کی طرح فرش پر گرے لگی۔ غزالہ نے

بوقت اندازہ لگایا کہ وہ عورت دہشت اور مدے سے کھڑے کھڑے بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کے گرنے کی دھمک سے کچلی منزل کے کہیں چونک کر صورت حال جاننے کے لئے اوپر آسکتے تھے اس لئے غزالہ نے پھرتی سے اسے سارا دے کر فرش پر لٹا دیا۔

اس وقت تک فلیٹ کے اندرونی حصے سے کسی بدعمل کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ غزالہ بیم گن نکال کر وہیں جم گئی اور دیرا ہسٹول تان کر چو کے انداز میں اندر چل دی۔

یہ ان دونوں کی خوش قسمتی تھی کہ تین خواب گاہوں والے اس پُر آسائش فلیٹ میں اس عورت کے علاوہ چار پانچ برس کی

بچی اور سنی کا باعث تھا مگر اس وقت زیادہ اہمیت غزالہ اور دیرا کی رپورٹ کی تھی۔ وہ دونوں جس مشن پر گئی تھیں وہ بہت دخل تھا۔ میرے لئے یہ بہت بڑی بات تھی کہ وہ دونوں خیریت سے واپس آگئی تھیں لیکن میں ان کی کارکردگی کے بارے میں جاننے کے لئے منتظر تھا لیکن اس دوران میں سلطان شاہ اپنی ذمہ داری سے غافل نہیں تھا۔ اس نے پھرتی سے بے ہوش قیدی کی جانب غلاشی لے ڈالی تھی اور اس کی جیب سے ایک بھرا ہوا ہسٹول برآمد کر کے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔

"میں بائیں کھڑے کھڑے نہیں بتائی جا سکتیں۔" میرے سوال پر دیرا نے کہا "جناگیری کی خواب گاہ میں ہلکی سی روشنی ہے۔ ہمیں وہیں چل کر بیٹھا چاہئے۔"

جناگیری کی خواب گاہ بہت کشادہ تھی اور وہاں بیک وقت متعدد افراد کے بیٹھنے کی گنجائش موجود تھی۔ ہم سب نے اپنی اپنی پسند کی جگہیں سنبھال لیں۔ دیرا سب سے آگے بڑھ کر مرسی پر یوں دراز ہو گئی تھی جیسے کوئی پہاڑ ڈھا کر آئی ہو۔

"سب کچھ اسی طرح ہوتا چلا گیا جیسا ہم نے سوچا تھا۔" غزالہ نے میری مستضرانہ نگاہوں کے جواب میں کہا "دیرا نے ایک باوقوف بازار میں کھڑی ہوئی کار کا دروازہ اتنی سرعت اور اطمینان سے کھولا کہ مجھے یقین نہیں آسکا کہ اس نے چابی کے بجائے سخت تار استعمال کیا ہو گا۔ اسی صفائی سے گاڑی اشارت ہوئی اور ہم کسی کی نظروں میں آئے بغیر اپنی مسم پر روانہ ہو گئے۔"

"یہ تفصیل تم بعد میں بھی سنا سکتی ہو۔" میں نے بے تابانہ انداز میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "یہ تاذ کہ ٹارمن کا کیا ہا۔ اسے ختم کرنا تمہارا اصل مشن تھا۔"

"دھونس مت دو!" دیرا لینے لینے غرائی "واقعات ترتیب ہی سے ملتے جلتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہم کس مشن پر گئے تھے اس بار میرے اندازے بالکل درست ثابت ہوئے ہیں۔"

"نکس۔ جس طرح چاہو کبھی چلی جاؤ۔ میں کام کی باتوں کا ممبر سے انتظار کر لوں گا۔"

"شباباش!" وہ طعنے بولی "سعادت مند بچے ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

پھر دیرا نے اپنی کمائی شروع کر دی۔ دروازہ استعمال کی گاڑیوں میں طوفانی اٹھان، بقیہ رفتار اور گنجان رنگ میں تیلے زاویوں سے ڈرائیونگ کے اعتبار سے دیرا کو پیشہ شراڈ یا ہڈا سوک کار پسند تھی۔ اس نے شہر کے ایک بھرے ہوئے بازار سے کار چراتے ہوئے بھی اپنی پہلی پسند پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا تھا اور ایک تقریباً نئی شراڈ کار پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ اس کار کے ذریعے ان دونوں کو اپنی منزل مقصود پر پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہاں اترنے کے بعد بھی دیرا نے کار کو غیر منتقل چھوڑنے کا غلطو عمل نہیں لیا اور پورے اطمینان سے



کے باوجود روشن تھی اور اس روشنی میں کمرے کی جزئیات نمایاں تھیں۔ خواب گاہ میں روشنی ہونے کی بنا پر ان دونوں کی تھی کہ نارمن گھری میں موجود ہوگا۔ ایسی صورت میں وہ کمرے کے لیے خواب گاہ میں داخل ہو گئی تھی کی زد میں آسکتا تھا۔

غزالہ واپس بچی کے پاس چلی گئی اور دیر انداز سے یہ تھری راقتل سنبھال کر نارمن کے نمودار ہونے کا انتظار کر گئی۔ اپنے شکار کا تفصیل جائزہ لینے کے لیے اس کے پاس وہ درجہ سوں والی بھیجی دور بین موجود تھی جو اس نے جاسائیک کے آتے ہوئے راستے سے خریدی تھی۔

تھوڑی دیر بعد نارمن بت خوشگوار موڈ میں اپنی خوار میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ بلاؤز اور چست جینز میں ایک سفید قام لڑکی بھی تھی۔ وہ دونوں ہنس ہنس کے بے تکلف باتیں کر رہے تھے جس سے ان کے حرام کی بے تکلفانہ نظر ابھری تھی۔

اندر آتے کے بعد سفید قام لڑکی نے شیشوں کی طرف دونوں ہاتھ اچھال کر نارمن سے کچھ کہا اور پھر وہ دونوں ہی دیوار کی طرف آئے اور اس پر پردے کھینچنے لگے۔

وہ دیر کے لیے بہترین موقع تھا۔ پردے ہٹ جانے کے اپنی مرضی کا نشانہ لینے کے موقع سے محروم ہو سکتی تھی۔ وہ در بین رکھ کر فوراً ہی تھری اٹھا لی اور نشست لینے لگی۔ وہ اپنے سروں پر منڈلائی ہوئی موت سے بے خبر زونی پردوں کو دیوار پر پھیلانے میں مصروف تھے۔

تھ بھر کے لیے ویرانے نارمن کی ساتھی لڑکی کو نظر کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر اس نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ لڑکی کوڑکی میں سے فائر کا شعلہ لپکتے دیکھ کر فوری طور پر دشواریاں کر سکتی تھی۔ فائر کے مقام کا تعین ہونے پر ان دونوں کے راجیں مسدود ہو سکتی تھیں۔

ویرانے کو زمین کے دوپ میں مجھے کئی بار اپنی بے ظفا بازی سے سرعوب کر چکی تھی۔ اس نے نارمن کا شکار کھینچنے اپنی اس سمارت سے پورا فائدہ اٹھایا۔ جی تھری کی نال نے اننگلی کی دو جنبشوں پر بے غیور دیکر وہ شعلہ اگلے اور دھماکا ساتھ دو گولیوں نے شیشے کی دیوار کو رینہ رینہ کر کے نارمن اور ساتھی لڑکی کے سینوں کو اوھیر ڈالا۔

ان دونوں کے کرتے ہی ویرانے اپنی راقتل اسی تاریک میں چھوڑ کر ہر نکل آئی۔

دوسری طرف فائرنگ کے پڑھوڑ دھماکوں پر بچی بری طرح تھی۔ غزالہ ایسی کسی بھی صورت حال کی وضاحت کے لیے تیار تھی۔ اس نے بچی کے ہنسنے کا سبب دریافت کر کے مطمئن کر دیا کہ وہ دھماکے کی وی پر دکھائی جانے والی کارٹون ہوئے تھے معصوم ذہن نے وہ وضاحت فوراً قبول کر لی۔ ویرانے نے دواڑے پر آکر شکار کرتے ہوئے غزالہ

صرف ایک صحت مند بچی موجود تھی جو اندہ معنی خواب گاہ میں نکل وڑن پر پروگرام دیکھنے میں منہمک تھی۔ ویرانے کے انماک میں غل ڈالے بغیر اگلے قدموں واپس لوٹ آئی۔

قلیت کا دواڑہ بولٹ کر لینے کے بعد ان دونوں نے بے ہوش غاتوں خانہ کو ایک خالی خواب گاہ میں بستر ڈال دیا تاکہ بچی پر اپنی ماں کی اچانک "مینز" کا گولی نا خوشگوار اثر نہ پڑے۔ کچن میں چوٹھا روشن تھا۔ اس پر بانڈی چڑھی ہوئی تھی اور قلیت کی فضا اشتباہ انگیز خوشبو سے رہتی ہوئی تھی۔ غزالہ نے گیس کا والو بند کر کے چوٹھا سر دھوا۔

اس دوران میں ویرانے دیکھ لیا تھا کہ ڈرائنگ روم کی سڑک کی طرف کھینچنے والی کھڑکی سے نارمن کا مکان اور اس کی خالی خواب گاہ صاف نظر آ رہی تھی۔

وہ دونوں ہی معصوم بچی کو کسی حد سے دوچار نہیں کرنا چاہتی تھیں لیکن انہیں یہ خوف بھی لاحق تھا کہ کہیں بچی اپنے گھر میں اچانک دو انجینی عورتوں کی موجودگی سے واقف ہو کر چیخا یا مونا نہ شروع کر دے۔ اس طرح ان دونوں کی سلامتی کو جو خطرات لاحق ہوئے وہ اپنی جگہ تھے لیکن دہشت سے بچی کے ذہن پر شدید منفی اثرات مرتب ہو سکتے تھے۔

ان دونوں کے پاس بہت زیادہ وقت نہیں تھا۔ ویرانے تھری کے کھلے ہوئے حصوں کو یک جا کر کے اپنے شکار کی گھات لگانے کے لیے ڈرائنگ روم میں جا گھسی اور غزالہ دوستانہ انداز میں بچی کو مخاطب کرتی ہوئی کھلی وڑن والے کمرے میں داخل ہو گئی۔ بچی نے خوشگوار حیرت سے غزالہ کا استقبال کیا مگر فوراً ہی ایک نازک سوال داغ دیا۔

"آپ کون ہیں؟ میری ماما کہاں ہیں؟" وہ معصومیت سے غزالہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

غزالہ نے بچی سے بہانہ کیا کہ اس کی ماں پڑوس کے قلیٹ میں گئی تھی اور خود بچی کے پاس جا بیٹھی۔ اس وقت کھلی وڑن پر بچوں کے لیے خلائی جنگ کے موضوع پر ایک کارٹون فلم چل رہی تھی جو کراہوں کی زبردست ہنگامہ آرائی اور خلائی ہتھیاروں کی کھن گرج سے بھرپور تھی۔

بچی ٹی وی پروگرام میں بہت زیادہ منہمک تھی پھر بھی غزالہ نے باتوں ہی باتوں میں اس سے یہ سراغ لگایا کہ اس قلیٹ میں صرف تین نفوس رہتے تھے۔ میاں بیوی اور وہ بچی۔ بچی کا باپ... ٹی وی پر خبریں نشر ہونے کے بعد گھبراہٹ میں آتا تھا۔

غزالہ نے آخری اطمینان بخش اطلاع فوراً ہی ویرانے کی پہچانی۔ اس وقت ویرانے ڈرائنگ روم میں اندر آئے کھڑکی سے نارمن کے مکان کا جائزہ لے رہی تھی۔ نارمن کی خواب گاہ میں شاید دو اطراف میں دیواروں کی جگہ بڑے بڑے شفاف شیشے لگے ہوئے تھے جن کے پردے کھینچے ہوئے تھے خواب گاہ خالی ہونے

دوسری کھٹی پر دوسری طرف سے ریسور اٹھایا گیا۔ غزال نے دائیں بائیں کا جائزہ لے کر کورا کا کوڈ ہرا کر کمری سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو چاکہ فون پر کمری خود موجود تھا۔ غزالہ کا خیال تھا کہ کمری موتی لال کے قتل سے لاعلم ہو گا لیکن وہ اس واردات سے باخبر ہو چکا تھا۔ اس نے خائفانہ لہجے میں شکوہ کیا کہ مطالبے پر پوری طرح بات کے بغیر موتی لال کو بے دردی سے ختم کر دیا گیا۔ اس پر غزالہ نے اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے مطلوب رقم کے ساتھ ہی اپنے مقامی کارکنوں کے کوائف پر مشتمل کمپیوٹر ڈسک دینے پر آمادگی ظاہر نہ کی تو اسے بھی موتی لال کے پاس پہنچایا جائے گا۔

کمری کے لئے کمپیوٹر ڈسک والی بات بالکل واضح تھی۔ وہ اعصاب زدہ اور لرزتی ہوئی آواز میں پاکستانی خنیہ ایجنسیوں کو برا بھلا کہنے لگا۔ اس نے موتی لال کے قتل کا الزام بھی ان ہی اداروں پر عائد کر دیا۔ غزالہ اسے دبانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ وہ اپنے سفارتی عملے کی ستھری کار کو گی پر زور دے کر زیادتیوں پر احتجاج کرتا رہا۔ وہ غزالہ کی خوفناک دھمکیوں سے ڈر ضرور گیا تھا لیکن اس نے اپنے کرتوتوں کا اعتراف کر کے سمجھوتا کرنا منظور نہیں کیا۔

غزالہ نے اسے عبرت ناک انجام کی آخری دھمکی دے کر فون بند کر دیا۔

غزالہ نے بھی ابتدا ہی میں محسوس کیا تھا کہ کمری نے دوران گفتگو کار آبدار پیش کش کے لئے اپنے آپریشن پر کوئی نمبر ڈاکل کیا تھا لیکن وہ پبلک فون سے بات کر رہی تھی اس لئے اسے پکڑے جانے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ ان دونوں رابطوں سے منٹ کر وہ واپس آئی تو دیرا کافی پینے کے بعد فون استعمال کرنے کا پروگرام بنا بیٹھی تھی۔ وہ اخبار میں شائع ہونے والے انہی اشتہار کے حوالے سے تو فصل خانے والوں کو کھری کھری سنا کر اپنے دل کی بھراس نکالنا چاہتی تھی۔

طرف متوجہ کیا اور باہر بلا لیا۔ بچی بدستور بیوی دیکھنے میں منہمک رہی۔ غزالہ نے باہر آکر آہستگی سے اس کمرے کا دواؤہ بند کر دیا۔ فلیٹ سے نکلنے سے پہلے ان دونوں نے دوسرے کمرے میں چھ ڈالی تو خاتون خانہ بستر پر بدستور بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ وہ پھرتی سے فلیٹ سے نکل گئیں۔

لفٹ میں مختصر سا سفر طے کرتے ہوئے انہوں نے اپنے پہچان پر قابو پائے رکھا اور لفٹ سے اتر کر بالکل نارمل رفتار سے نکاسی کے راستے کی طرف چل دیں۔ اس وقت تک کسی کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہاں دہرے قتل کی ایک واردات رونما ہو چکی ہے لوگوں میں تشویش اور سراسیمگی ضرور پھیلی ہوئی تھی لیکن یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکی تھی کہ دونوں فارا سی عمارت کے کسی فلیٹ کی کمری کے کئے گئے تھے۔

احاطے سے باہر ذرا زیادہ افرا تفری تھی۔ نارمن کا مکان بپ سڑک پر واقع تھا لیکن صرف گراؤنڈ فلور پر مشتمل ہونے کی وجہ سے احاطے کی دیوار کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ لوگوں نے شیش ٹوٹنے کے چھتا کے کی آوازیں اور گولیوں کا نشانہ بننے والوں کی چیخیں تو شاید سن لی تھیں لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ ہنگامہ کماں برپا ہوا تھا۔

ویرانے اپنے تاریک مدو سے شیراز کا دواؤہ کھول کر انجن اشارت کیا اور دونوں کسی کی توجہ کا مرکز بنے بغیر وہاں سے نکل آنے میں کامیاب ہو گئیں۔ صدر میں انہوں نے مسرودہ شیراز ایک جگہ چھوڑی اور پھر اطمینان سے ایک ایسے کافی ہاؤس میں جا بیٹھیں جہاں پبلک فون بوتھ موجود تھا۔

کراچی شہر کی کچھ اپنی روایات ہیں۔ بڑے ہوٹلوں کا ماحول شہر کی عام تہذیبی اقدار کے بجائے گنے پنے امرا کی آزاد خیالی کی عکاسی کرتا ہے۔ وہاں اکیلی عورتیں بھی راہداروں اور رستورانوں میں نظر آتی ہیں لیکن شہر کے متوسط درجے کے ہوٹلوں میں صرف لڑکیوں کی نمودرت کا رواج نہیں ہے۔ جوڑوں کے ساتھ آنے والی عورتیں اور لڑکیاں بھی دزدیہ نظروں کی زد میں آنے سے نہیں بچتیں۔ ویرا اور غزالہ کو دیکھ کر فلرٹ کے عادی کئی افراد نے متوجہ کرنے والی نظروں سے ان کی طرف دیکھا لیکن وہ سب کو نظر انداز کرتی ہوئی ایک گوشے میں جا بیٹھیں۔ قیمت یہ تھا کہ اس وقت کافی ہاؤس میں اکاؤنٹ میز ہی آباد تھیں اس لئے انہیں وہاں کچھ وقت گزارنے میں دشواری پیش نہیں آئی۔

کافی اور سینڈویچز کا آرڈر دے کر غزالہ پبلک فون بوتھ کی طرف چلی گئی کیونکہ ان دونوں نے اس کافی ہاؤس کا انتخاب اسی سولت کی وجہ سے کیا تھا۔ غزالہ نے وہاں سے پہلے الین کا نمبر ملا یا۔ دوسری طرف کھٹی جتی رہی لیکن جواب نہیں ملا تو اس نے سلسلہ منقطع کر کے نچلے خانے سے کئے نکالے اور دوبارہ کئے ڈال کر کمری کا نمبر ملا لیا۔

ایک نوجوان کی اثر انگشت سرگزشت جوا کا دہ ہوتے ہوئے بھی قید تھا

جاسوسی انجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

کمرہ

مستند حیات توقیر

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200  
فون: 5802551-5895313-5802552  
ایڈریس: 63-C، 11/11، کیشین وی ایچ ایف، بین روڈ، کراچی

نتیجے میں ہلاک یا بے ہوش ہو چکا تھا۔ انہوں نے دو مختلف سترز سے دیران پلاٹ کے صندوقش جسے کی طرف محتاط پیش قدمی کی اور اپنے شکار کو تحویل میں لے لیا۔

وہ اپنی پشت کے زخم کی وجہ سے گہری بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ دیرانے اسے اپنی پشت پر لادنا اور وہ دونوں پھانک کے رائے گھروٹ آئیں۔

ان کی وہ کمائی میرے لئے بہت دلچسپ اور منفی خیر ثابت ہوئی۔ انہوں نے بہت ہوشیاری کے ساتھ اپنے ذمے لے لئے ہوئے کام کو پانیہ تحلیل تک پہنچایا تھا۔ اس تمام گفتگو کے دوران میں ہر لوگ زخمی قیدی کی طرف سے غافل نہیں ہوئے تھے۔ سلطان شاہ وقتہ وقتے سے اس کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اس کے بارے میں دیران قیاس بڑی حد تک درست تھا۔ ہسپتال کی گولی اس کی ریزہ کی ہڈی کے نچلے حصے میں کسی ایسے نازک مقام پر پڑی تھی کہ وہ کسی ردعمل کا مظاہرہ کے بغیر گہری بے ہوشی کی حالت میں چلا کر تھا۔

وہ مہم غزالہ نے تمام سرانجام دی ہوئی تو شاید سلطان شاہ بھی اس کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملانا شروع کر دے لیکن خرابی یہ تھی کہ وہ منصوبہ دیران کے ذہن کی پیداوار تھا اور اس نے غزالہ کے ساتھ مل کر اپنی سوچی ہوئی جزئیات کو عملی جامہ پہنایا تھا۔ میں نے کئی بار ان دونوں کی بہترین کارکردگی کی تعریف کی تو سلطان شاہ کو ہنسنے لگا۔ میرے ہر تبصرے پر وہ ایسا برا منہ بنا رہا تھا جیسے اسے میرے جبر کو نین کی کڑوی گولی لگتی پڑ رہی ہو۔ غیبت یہی تھا کہ اس نے پوری مہم کی رد واد ختم ہونے تک کوئی فساد کھڑا نہیں کیا لیکن کمائی مکمل ہونے پر وہ خاموش نہیں رہ سکا۔

”تم بلا وجہ ان کی تعریفیں کئے جا رہے ہو۔“ اس نے چڑچڑے لہجے میں مجھ سے کہا ”تینے سازگار حالات میں تو کوئی تاباں بچہ بھی سارے کام نمٹا کر واپس آ سکتا تھا۔۔۔۔۔“

”سازگار حالات کا اندازہ لگانے کے لئے پیش بینی کی ضرورت تھی جو کسی تاباں بچے کے بس کی بات نہیں تھی۔ تم ان دونوں کے کام کی اہمیت کو نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہے ہو“ میں نے اسے اپنی تقریر پوری کرنے کا موقع دینے کے بغیر کہا ”یہ سراسر زبردستی ہے۔“

”تم واقعی زیادتی کر رہے ہو۔“ غزالہ نے مسکرا کے کہا ”کئی تجربے سے ہمیں فیس گزرنے اور کرسی پر بیٹھ کر اسی تجربے کی کمائی سننے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ میں ایک باوقف بازار سے کار کی چوری سے لے کر آخر تک کیسی قیامت خیز سستی اور بے یقینی سے دوچار رہی ہوں۔ میں خود پر قابو رکھ کر ہر مسئلے سے نمٹ رہی تھی لیکن مجھے ہر لمحے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کسی کی غیر متوقع مداخلت ہماری بازی الٹ سکتی ہے۔ اس پوری مہم میں

بدقسمتی سے فون پر دیران کو کوئی ذمے دار آدمی نہیں مل سکا۔ ڈیوٹی کلرک سے دیرانے صرف اتنا کہا کہ وہ ان لوگوں کے جھوٹے انعامی اشتہار کے جواب میں ایک پریس کانفرنس کر کے دنیا کو یہ بتائے گی کہ وہ آزاد اور بالکل محفوظ ہے جب کہ اس کے ہم وطن اسے ہر قیمت پر پکڑ کر جیس بے جا میں رکھنا اور آخر کار مار دینا چاہتے ہیں۔

کافی ہاؤس میں کچھ وقت گزار کر وہ دونوں ٹیکسی سے واپس آئیں اور اسے جہانگیر کے گھر سے کچھ دور پر فاسع گلیاں تاکہ کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر گھروٹ سکیں۔

پیدل چلتے ہوئے وہ گھر کے قریب آئیں تو غزالہ نے جہانگیر کے مکان سے ملحق خالی پلاٹ پر تاریکی میں ایک مٹھک سا یہ دیکھ کر دیران کو ادھر متوجہ کیا۔ دیران انھیں بھاڑ بھاڑ کر دیکھنے کے باوجود اندھیرے میں اس مشتبہ سامنے کو نہیں دیکھ سکی۔

وہ غیر یقینی صورت حال تھی۔ فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ ہم گمن کار گر نہیں ہو سکتی تھی۔ غزالہ نے دیرانے ہسپتال لیا اور اوٹ لیتی ہوئی پلاٹ کی طرف بڑھ گئی۔ دیران اس کے ساتھ ساتھ تھی پھر دیران نے بھی اس مٹھک انسانی ہیولے کو دیکھ لیا۔ اس وقت تک مشتبہ شخص کو قطعی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی نقل و حرکت دیکھی جا چکی ہے۔ وہ جہانگیر کے مکان کے احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ آخری کونے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ احاطے کی دیوار پھانڈ کر مکان میں داخل ہونے کے لئے کوئی مناسب مقام تلاش کر رہا تھا۔

دیرانے مکان میں موجود گاؤڑ کو اس طرف متوجہ کرنے کے لئے مینڈک کی آواز والی سیٹی نکال کر بجادی۔ اس آواز پر وہ سایہ چوٹا لیکن سیٹی سے پیدا ہونے والی مینڈک کی ٹراہٹ کی آواز خالی پلاٹ کے تاریک ماحول سے اس قدر ہم آہنگ تھی کہ وہ فوراً ہی مطمئن ہو گیا۔

چند لمحوں بعد اس شخص نے اپنی پسند کی جگہ منتخب کر لی۔ وہاں دیوار کے ساتھ ہی کڑے یا لمبے کا ایک ڈھیر جمع تھا۔ جہانگیر کے مکان میں تاریکی کا راج ہونے کی وجہ سے اسے دیکھ لئے جانے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ وہ اس ڈھیر پر چڑھ گیا اور ایک ایک کراؤں کا جائزہ لینے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی ان حرکات پر گاؤڑ کی طرف سے کوئی ردعمل ظاہر نہ ہونے پر غزالہ اور دیران تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔ اس اثنا میں وہ مشکوک سایہ مطمئن ہونے کے بعد نیلے سے اترا اور دروازوں وغیرہ کے سارے دیوار پر چڑھنے لگا۔

غزالہ نے اضطرابی طور پر ہسپتال تان کر اس پر فائر کھینچا اور وہ کوئی آواز نکالنے کے بغیر نیچے ڈھیر ہو گیا۔

ابتدا میں وہ اس شخص کی خاموشی کو متکاری پر محمول کرتی رہیں۔ چند ثانیوں تک جائزہ لینے کے بعد انہیں اندازہ ہو گیا کہ غزالہ کے فائر کا نشانہ بننے والا متکاری نہیں کر رہا تھا بلکہ زخم کے

رہو۔ اس سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔“  
 ”میری تمہاری خوش فہمی ہے۔“ سلطان شاہ نے فوراً اس کی بات اچکلی ”تم احمقوں کی جنت میں رہنا چاہو تو شوق سے رہو مگر میں تم کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ تم اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکیں۔ تم نے اندھیرے میں ایک تیر چلایا ہے۔ اب آنے والا وقت ہی اس کے ثمرات ظاہر کرے گا۔“

ان دونوں کی کاوشوں کے نتائج پر وہ بہت بے رحمانہ تبصرو تھا۔ دیرا بھر کر بولی ”مجھے اپنی کارکردگی پر کسی سے منہ لینے کی ضرورت نہیں۔ میں نے جو مناسب سمجھا کیا۔ میں اپنے کام سے مطمئن ہوں۔ تم بالکل بے لگام اور آزاد ہو۔ میرے بارے میں جو نتائج چاہو اخذ کرتے رہو۔“

”اب میں تم سے نہیں،“ غزالہ سے بات کر رہا ہوں ”سلطان شاہ یہ کہہ کر دو ٹوٹے کے انداز میں غزالہ کی طرف گھوم گیا اور اس سے مخاطب ہو کر بولا ”کیا تم مجھے مختصر ترین الفاظ میں یہ بتا سکتی ہو کہ تمہاری ساری منصوبہ بندی اور بھاگ دوڑ کا کیا مقصد تھا؟“

”اصل اور واحد مقصد نارمن کو ہلاک کرنا ہی تھا۔“ غزالہ اس کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

”اور اسے بتادو کہ ہم نے وہ مقصد حاصل کر لیا۔“ ویرا نے غزالہ سے مخاطب ہو کر ٹکڑا لگایا۔

”کنوئیں میں رہنے والی جہاں گرد خاتون کو بتادو کہ چوہنی کے کانٹے سے ہاتھی نہیں مرا کرتے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہاتھی کی بے پروائی کی وجہ سے چوہنی کو ناک کے راستے اس کے دماغ میں پہنچ کر نشور پھیلانے کا مملک موقع میسر آجائے۔ ایسا ہاتھی کی بد قسمتی اور چوہنی کی خوش قسمتی کی وجہ سے ہوتا ہے۔“

غزالہ جو ان دونوں کی تلخ و ترش نوک جوہک سے لطف اندوز ہو رہی تھی، ”مستی خیز تجربے میں بولی ”کسی خاتون کو کچھ بتانے سے پہلے میرا ذہن صاف ہونا چاہئے۔ تمہاری بات میرے پلے نہیں پڑ سکتی۔“

”جی لوگوں کے ساتھ نہ کر تمہارا دماغ بھی تباہ ہونے لگا ہے۔“ سلطان شاہ کا لہجہ بہ دردناک تھا ”پڑھکوں نے درست ہی کہا ہے کہ ختم تاثیر اور صحبت اثر رکھتی ہے۔ بہر حال تمہاری معلومات کے لئے عرض ہے کہ محض ٹریگر دبانے یا گولی چلانے سے لوگ مرنے لگتے تو آج دنیا کی آبادی نصف سے بھی کم ہوتی اور جہنم میں نومولود بچوں کو نت نئے طریقوں سے ہلاک کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ تمہاری فاضل ساتھی نے دور بین استعمال کر کے دو مرتبہ جی تھری واغنی اور یقین کر لیا کہ نارمن اور اس کی کوئی داشتہ مرغی ہے لیکن یہ محض ایک خوش خیالی ہے۔ گولی کا نشانہ بننے والے بشر لوگ ہلاکت سے دوچار نہیں ہوتے۔ ایک منتشر خیال عورت نے دو فائرنگے اور یہ سمجھ لیا کہ اس نے آدمی مار لئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا بال بھی بیکانہ ہوا ہو یا پھر وہ محض زخمی ہوئے ہوں اور ہم

میرے ذہن پر بدترین دباؤ صرف اس بات کا تھا کہ نارمن کے شکار میں معصوم بچی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔“

”یہ نرم دناؤ اب تمہیں اس نابالغ بچے کی سمجھ سے باہر ہیں۔“ ویرا نے سلطان شاہ پر کاٹ دار طعنے کرتے ہوئے کہا ”اب اسے رقب آ رہا ہے کہ اتنے آسان کام پر اسے اپنے کمالات دکھانے کا موقع کیوں نہیں ملا۔ کاش یہ بھی ہمارے ساتھ ہوتا پھر دیکھتے کہ یہ کیا کرتا ہے۔“

”مجھ سے الجھنے کی کوشش مت کرو!“ سلطان شاہ ویرا پر غزالی۔  
 ”میں صرف اس وجہ سے تمہارا لحاظ کر رہا ہوں کہ اس معاملے میں غزالہ بھی تمہارے ساتھ شامل تھی ورنہ میں تمہارے اس مشن کے بیٹے ادھیڑ کر رکھ سکتا ہوں۔ میری داستان میں تم بیک مار کر آئی ہو اور اب نتائج کا انحصار محض مقدر پر ہے۔ تمہارے ستارے اچھے ہوتے تو سب کچھ اسی طرح سامنے آئے گا جیسا تم نے سوچا ہے ورنہ تم دیکھ ہی لو گی کہ تم آج کون سا تیر مار کر آئی ہو۔ میرا تو خیال ہے کہ تم نے اس بچی پر بھی برا ظلم کیا ہے۔“

”ظلم!“ ویرا اس پر آنکھیں نکال کر بولی ”غزالہ نے اس کے ساتھ ایسا بہ دردناک سلوک کیا ہے جو ان حالات میں اس کی ماں بھی اس کے ساتھ نہیں کر سکتی تھی۔“

”بار بار غزالہ کے نام کا سارا مت لو۔“ سلطان شاہ برا سامنے ہانکے بولا ”اصل منصوبہ تمہارا تھا۔ غزالہ نے وہی کیا جو اس کے بس میں تھا۔ کیا تمہیں اس صورت حال کا اندازہ ہے جو بی وی پروگرام ختم ہونے کے بعد پیش آئی ہوگی؟ اپنی ماں کو بے ہوش دیکھ کر اس معصوم اور بے خبر لڑکی کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ تم ان باریکیوں کو سمجھ ہی نہیں سکتیں کیونکہ تمہیں تو اعلیٰ میں تمہارے والد محترم نے ڈان مریاؤں کے دھپ میں ایسی تربیت دی ہے جس میں اولاد کا گزری نہیں ہے۔“

”خاموش!“ ویرا ابھی کے عالم میں بولی ”جو مرچکے ہیں انہیں برا مت کہو۔ میرے باپ کی کہانی اس کی زندگی کے ساتھ ختم ہو گئی۔ میرے اور اس کے تنازع کا فائدہ اٹھا کر اس کی عظیم شخصیت پر کچھ اچھالنے کی کوشش مت کرو۔ جی لائیڈ کے دشمن بھی اس کی عظمتوں کے گمن گاتے تھے۔ تم تو اس کے دوستوں میں تھے نہ دشمنوں میں۔ اس کی لڑائی صرف ڈبئی سے تھی۔“

”قانونی نہ سہی مگر پھر بھی وہ تمہارا باپ تھا۔“ مصالمانہ لب و لہجہ اختیار کرنے کے باوجود سلطان شاہ اس پر ہنسی چوٹ کے بغیر نہ نہ سکا اور روانی میں سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے بولا ”میں اس کے بارے میں کہے ہوئے اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں لیکن اس سے تمہاری ناقص کارکردگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس سلسلے میں، میں اٹھارے پر قائم ہوں۔“

”میں تمہاری رائے کو اپنی ٹھوکر پر رکھتی ہوں۔“ ویرا جھٹاکر بولی ”مجھے جو کچھ کرنا تھا میں وہ کر آئی ہوں۔ اب تم ہڈیاں بکتے

ان کی موت پر بظلمیں بجا رہے ہیں۔“  
غزالہ شکرگاہی رہی، ویرا سے فوری طور پر اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ بولی تو اس کالب و لوجہ جارحانہ نہیں رہا بلکہ مدافعانہ ہو گیا تھا۔

”میں نے رات نکل کر لیٹی اندھا دھند نہیں دہائی تھی“ اس بار وہ براہ راست سلطان شاہ سے مخاطب ہوئی تھی ”میں نے ان دونوں پر بھی نگاہ رکھی تھی جو میرے نشانے پر تھے۔ میری دونوں گولیاں نشانوں پر لگی تھیں۔ نارمن کے سینے میں گولی پوسٹ ہوئی تھی۔ اس کی ساقھی کو لکھ بھری سہلت مل گئی تھی اس لئے شاید اس کی گردن گولی کا نشانہ بنی ہو۔ میں نے یہ یقین کر لیا تھا کہ وہ دونوں ہی میری زدوں آئے ہوئے تھے مجھے پوری امید ہے کہ ان میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکا ہوگا۔“

”اس بارے میں بحث بے سود ہے“ میں نے اس لامتناہی جھگڑا میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا ”وہ زندہ بچ گئے یا مر چکے ہیں“ اس بارے میں صبح کے اخبارات میں پوری تفصیل آجائے گی۔ اس بارے میں مزید اٹھ کر تم اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ ان دونوں نے ایک منصوبہ بنایا اس پر عمل کیا اور یہ خبر خوبی واپس لوٹ آئیں۔ ہمارے لئے یہ کافی ہونا چاہئے۔“

”دراصل میں بھی یہی کہنا چاہ رہا تھا۔“ سلطان شاہ دھٹائی سے بولا ”جب تفصیل معلوم ہو جائے گی تو اپنے کارنامے پر اچھل کود بھی اچھی معلوم ہوگی۔ فی الحال یہ خوشی قبل از وقت ہے۔“  
ذہنی تاؤ اور پریشانی کے طویل دورائے کے بعد وہ ہلکی پھلکی نوک جھونک ماحول میں قدرے خوشگوار تبدیلی لانے کے لئے بستر ثابت ہوئی۔ وہ کوئی اور وقت ہوتا تو ویرا کبھی بھی سلطان شاہ کے جواب کو قبول نہ کرتی اور اس وقت تک بحث کرتی رہتی جب تک سلطان شاہ غیر مشروط طور پر ہتھیار نہ ڈال دیتا لیکن اس نے موقع کی نزاکت کے پیش نظر خاموشی سادھ لی۔

سلطان شاہ اٹھ کر باہر گیا اور فرش پر بے ہوش پڑے ہوئے شخص کا جائزہ لے کر مایوسی سے واپس آگیا ”وہ بدستور بے ہوش ہے۔“ اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”میں نے سنا ہے کہ ریڈھ کی ہڈی کا تعلق دماغ کے نازک حصوں سے ہوتا ہے۔ کہیں اس کی یہ بے ہوشی مستقل روگ نہ بن جائے۔“

میں نے باہر جا کر اس کا گریبان تھام کر اسے روشنی میں کھینچا اور اس کے چہرے پر نظر پڑتی ہی چونک پڑا۔ مجھے اپنے ذہن کے کسی گوشے میں شناسائی کا احساس سا ابھرتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ میں نے ذہن پر لاکھ زور دیا لیکن مجھے یہ یاد نہ آسکا کہ میں نے اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔

وہ گندی روکھت اور گھٹے ہوئے جسم والا ایک متوسط قامت شخص تھا جس کی گھنی مونچھوں کے بال اس حد تک بڑھے ہوئے

تھے کہ اس کا اوپری ہونٹ ان بالوں میں تقریباً چھپ کر رہ گیا تھا۔ اس کے داہنے رخسار پر نیل کے ساتھ درم بھی نمایاں تھا۔ شاید زخمی ہونے کے بعد وہ اسی رخ پر گرنے کے سبب چوٹ کھا بیٹھا تھا کیوں کہ نیل کا نشان بالکل تازہ نظر آ رہا تھا۔

اپنے ملے اور وضع قطع کی بنا پر وہ تیسرے درجے کے ان مجرموں میں سے نظر آ رہا تھا جو قلیل مگر یقینی معاوضے کی امید پر ہر چھوٹا بڑا جرم کرنے کی ذمہ داری لے لیتے ہیں۔ بظاہر یہ امکان نہیں تھا کہ ایٹن یا پیٹر نے براہ راست اس کی خدمات حاصل کی ہوں۔

اس کے دل کی دھڑکنوں اور نبض کی رفتار میں کوئی غیر معمولی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ میں نے وہ احتیاطی دیکھ بھال صرف اس لئے کی تھی کہ گاڑ زنے اسے زندہ دیکھ لیا تھا۔ اگر وہ ہماری تحویل میں ہلاک ہو جاتا تو وہ دونوں محافظ شاید آسانی سے اپنی زبان بند رکھنے پر آمادہ نہ ہوتے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں ایک زخمی اور بے ہوش قیدی کی موجودگی پر آپس میں زور شور سے تبادلہ خیال کر رہے ہوں گے۔

میں نے مگر پھر بیڑے بچ بستہ پانی کی بوتل منگوا کر قیدی کے چہرے پر اٹکنے کا ارادہ کیا مگر غزالہ نے فوراً ہی میرا ہاتھ تھام لیا۔ قیدی کی پشت کے زخم سے خون کا بہاؤ ختم ہو چکا تھا لیکن پھر بھی فرش پر رسنے والا خون جمع تھا۔ وہ پانی کے ساتھ مل کر پورے فرش پر یا شاید مہلق کمرؤں کے قالین وغیرہ تک پھیل سکتا تھا جس کا صاف کرنا ممکن نہیں تھا۔

میں نے بوتل سے چلو میں پانی لے کر اس کے منہ پر چھینے دینے شروع کئے۔ کچھ دیر کے بعد میری کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ چہرے کے ساتھ سر پر سرد پانی کے چھینٹوں سے اس نے جھرجھری لی اور بے ہوشی آہستہ آہستہ نیم غنودگی کی کیفیت میں تبدیل ہونے لگی اور وہ ہولے ہولے کرا بنے لگا۔

رفتہ رفتہ وہ آنکھیں کھول کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے کے قابل ہوا تو زبردات کے بلب کی مدھم روشنی میں چار سایوں کو اپنے گرد دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو گیا۔

”اب تم ہوش میں آ رہے ہو تو اپنے بارے میں سب ہی کچھ بتاتے چلے جاؤ“ میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا ”ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تم نے ہٹ دھرمی سے کام لیا تو ہم تمہیں گولی مار کر میاں سے نکل جائیں گے۔ تمہاری لاش میں تعفن پیدا ہونے سے پہلے کسی کو تمہارے انجام کا علم نہیں ہو سکے گا۔“

”میں درد سے مرا جا رہا ہوں“ وہ ٹھکراتے ہوئے بولا ”میرے لئے اپنے نچلے دھڑ کو ہلاتا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ پتا نہیں تم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔۔۔۔۔۔“

میں نے بے رحمی سے اس کی بات کاٹ دی اور اس کا حوصلہ پست کرنے کے لئے کہا ”ابھی کچھ نہیں ہوا صرف ایک گولی

کے ساتھ ہوتا تو وہ بہت بڑھ چڑھ کر میری خدمت کیا کرتا تھا۔ اس زمانے میں شی کے حوالے سے میرا اتنا دبدبہ ہوا کرتا تھا کہ ٹوٹی کی آزادی کے بعد بدو نے اس کی حرکتوں کی تفصیل تک بتانے سے گریز کرنا چاہا۔ اس کا فلسفہ تھا کہ جسے میں نے معاف کر دیا وہ ہر الزام اور خیانت سے بری ہو گیا۔

میرے اصرار بلکہ حکم پر بدو نے بتایا کہ ٹوٹی نے اپنی جوئے کی لذت کی وجہ سے نصف کلو سے زائد بیروٹن اور بیس ہزار کی رقم ہضم کر لی تھی۔ بدترین لعنت طاعت اور معافی طلبی کے بعد میں نے ٹوٹی کو اپنے مالک کا وفادار رہنے کا حکم دے کر چھوڑ دیا تھا۔ شاید وہ اپنی اسی جان بخشی کے حوالے سے میرے احسان کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ سب باتیں اس کے بتائے بغیر مجھے یاد آتی چلی گئیں۔ ٹوٹی پھنسی پھنسی اور رندھی ہوئی آواز میں اپنی زندگی کا وہ ناقابل فراموش واقعہ سنا رہا تھا۔ میں خاموش ہی رہا کیونکہ دوسروں کو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ مجھے غزالہ کے چہرے پر تحیر کی واضح جھلکیاں نظر آ رہی تھیں۔ شاید اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہماری کمین گاہ پر حملہ آور ہونے والا میرا کوئی پرانا شناسا ہو سکتا ہے۔

”جس اپنے محسن کے گھر پر دھاوا بولتے ہوئے شرم نہیں آتی؟“ اس کی پوری بات سننے کے بعد سلطان شاہ خاموش نہیں رہ سکا۔ ”تم یہاں کس لئے آئے تھے؟“

”تم مجھ سے قسم لے لو۔۔۔ میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ اس مکان میں استاد ڈبئی سے سامنا ہو گا۔ میں سب کچھ ہو سکتا ہوں مگر احسان فراموش نہیں ہوں۔“

”پھر یہاں اپنی کیا ایسی کی تمہی کرانے آئے تھے؟“ سلطان شاہ غرایا۔

”مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ مکان غیر آباد ہے۔ بس احاطے میں دو گارڈ اونگھتے رہتے ہیں جو خطرہ دیکھ کر بس ہوائی فائر کر سکتے ہیں۔ مجھے نشانہ نہیں بنائیں گے۔ مجھے پانچ ہزار روپے کے عوض صرف اتنا کام بتایا گیا تھا کہ وقفے وقفے سے دو تین مرتبہ احاطے کی دیوار سے چوکیداروں کو اپنی جھلک دکھا کے غائب ہو جاؤں۔ میں مغرب کے بعد ہی ادھر آ گیا تھا۔ میں نے شام کو بھی دیوار پر سے جھانکا تھا۔ میرا سایہ دیکھ کر ایک گارڈ نے ہوائی فائر کیا تو میں غائب ہو گیا۔ اس مرتبہ بھی میرا خیال تھا کہ ہوائی فائر ہو گا اور میں واپس لوٹ جاؤں گا لیکن اس بار میں پیچھے سے مارا گیا۔ شاید تم لوگ باہر کی دیکھ بھال سے بھی غافل نہیں تھے۔۔۔۔۔“

”یہ جھوٹ بول رہا ہے“ ویرانے سرو لہجے میں اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ ”اس کا خیال ہے کہ یہ ہمیں احمق بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ دیوار پر سے جھانک کر بھاگ جانے کی کمائی بے بنیاد ہے۔“

میری کمر میں بیٹھ ہوئی ہے۔ دوسری گولی سیدھی دل میں لگی ہے اور جس پر تکلیف سے نجات مل جائے گی۔ اپنی دھمکی سے ڈنڈا پھیرنے کے لئے میں نے ہتھول ہاتھ میں لے لیا۔

”میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ مجھے معاف کر دو۔“ وہ تکی پر ہوا غلیظ ہوا۔ اس کی آواز ایک سی دھمکی پرودے والی تھی۔ ”بڑی رقم کے لالچ نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔ اگر اس گلیٹی دشمنی میں میری آنکھیں مجھے دھوکا نہیں دے رہیں تو تم استاد ڈبئی تم میرے محسن ہو۔ اگر مجھے ذرا بھی شبہ ہو تاکہ مجھے تمہارے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے تو میں بھول کر بھی اس طرف کا رخ نہ کرتا۔“

اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میرے ذہن کا پتہ چلے ہوا ہے۔ شاہ ساسانی کا احساس بے بنیاد نہیں تھا۔ یقیناً میں نے کس دیکھ دیکھا تھا شاید کافی عرصے تک دیکھا تھا جو اس کے ذہن میں میرے ذہن کے کسی گوشے میں انک کر رہے تھے۔

”اگر تم مجھ سے واقف ہو تو یہ بھی جاننے ہو گے کہ میں انہوں کے حق میں بہت سفاک ہوں۔“ میں نے کسی بہر پھر کے کرکٹس سے پہلے یہ بتاتے چلو کہ تم مجھے کیسے پہچانتے ہو اور اسے تم پر کیا احسان کیا تھا؟“

”جب بدو دادا شرمیں بیروٹن کے اڑے چلا تھا تو میں اس ذرا نیور تھا۔ وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا اور میرا ذہن اچانک صاف ہوتا چلا گیا۔ مجھے دیگر واقعات کے ساتھ یہ بھی یاد آ گیا کہ اس کا نام ٹوٹی ہوا کرتا تھا۔ وہ اول درجے کا شرابی اور جواری نے کے ساتھ ہی اپنی آواز بیوی کا قاتل بھی تھا۔ اپنی بیوی کے قتل کے معاملے میں وہ گرفتاری سے صاف بچ گیا تھا لیکن بدو دادا نے مال میں غبن کرنے کے الزام میں اس بری طرح عتاب میں آیا کہ بدو نے اپنے دوسرے آدمیوں کو عبرت دلانے کے لئے اسے زندگانی عملاً جہنم بنادی تھی۔ اسے ایک ۳ خانے میں ستون سے لٹھ کر تین دن تک چابکوں سے اس بری طرح چبایا گیا تھا کہ اس کے پورے دھڑکی کھال جگہ جگہ سے ادھر مچنی تھی۔ اس ۳ خانے میں بدو خود بیٹھا تھا اور وہاں اس کے آدمیوں کی آزادانہ مہر و رفت جاری رہتی تھی۔ لیکن دین اور بھیڑ بھڑائے کے اوقات میں بدو کا محافظ چابک لے کر ٹوٹی پر چل پڑتا تھا اور دوسرے اس کے بہت باگ و شہرہ کاٹوں کو ہاتھ لگاتے تھے۔

یہ اتفاق تھا کہ ان ہی دنوں میں بدو کے اس خفیہ ٹھکانے پر پہنچا۔ مجھے دیکھتے ہی ٹوٹی نے مدد کے لئے بلبلانا شروع کر دیا اور اس نے معاملے کی چھان بین کے بغیر اسے کھولنے کا حکم جاری کر دیا۔ بدو کی مجال نہیں تھی کہ میرے حکم سے سر تابی کرنا۔ ٹوٹی زانو دیاتے ہی اس کے قدموں میں گر گیا۔

میری ہمدردی کا سبب یہ تھا کہ اپنے مالک کے عتاب میں آنے سے قبل ٹوٹی اس کا خاص مستند ہوا کرتا تھا اور میں جب بھی بدو

نے کراچی واپس لوٹنے کے بعد اسے میرے بارے میں تفصیل سے آگاہ کر دیا ہوگا۔

میرے ساتھ ہونے والی زیادتی سے واقف ہونے کے بعد اصولی طور پر بدرداوا پر لازم تھا کہ میری کراچی میں موجودگی باخبر ہونے کے بعد وہ مجھ سے مل کر معذرت کے ساتھ اپنی معافی پیش کرتا تاکہ ہر قسم کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں لیکن اس نے یہ نہیں کیا۔

میں اپنے چکروں میں ایسا الجھا رہا کہ اسے فراموش کر بیڑا شاید میرے ذہن میں یہ بات رہی ہو کہ میری مددوشی کی وجہ سے میری واپسی سے لاعلم تھا لیکن ایسا نہیں تھا۔ اس نے ایک طرز پر یہ سمجھ لیا تھا کہ مجھے کراچی سے اٹھا کر چیٹرا سرائے میں سہا پائندہ گل کے کارندوں کے حوالے کرنے کے عمل کے بدلے میں معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے مصالحت کی کسی کو شش بجائے میری مکمل معافی پر کمر باندھ لی تھی اور میرے دشمنوں بھرپور تعاون کر رہا تھا۔

سوئی لال کے بیان سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ الین شرمیں میری تلاش میں ناکامی کے بعد بدرداوا سے رجوع کیا تھا بدروئے خفاش کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے نہ صرف جگمگ فیلکری کے بارے میں بتا دیا بلکہ ٹوٹی کے بارے میں بھی معلوم فراہم کر دیں جو مجھ سے اچھی طرح واقف تھا۔ بعد کی باتوں کو کرتا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ الین نے فون پر میرا ذکر کے بغیر ٹوٹی جگمگیر کے گھر پر سراپیسنگی پھیلانے پر مامور کر دیا۔ بظاہر اس مقصد یہ معلوم ہوتا تھا کہ فیلکری سے قدم اکھڑنے کے بعد ہم امر گھر میں پناہ نہ لے سکیں۔

ٹوٹی دوسری بار بھی اپنی دونمائی کرانے کے بعد غائب ہو جاتا الین کا مقصد پورا ہو جاتا، ہم لوگ عدم تحفظ کے احساس کی رو سے وہاں سے نکل کھڑے ہوتے اور شرمیں کہیں نہ کہیں گھر جاتے لیکن یہ اس کی بد قسمتی تھی کہ غزالہ نے ٹوٹی کو تاریک پانا پر دیکھ لیا اور وہ رکنے ہاتھوں، زخمی حالت میں پکڑ لیا گیا۔

ٹوٹی جو کچھ جانتا تھا وہ بتا چکا تھا۔ اس سے مزید کوئی بات نہیں اگلوئی جاسکتی تھی۔ الین کے بارے میں کچھ جاننے کے لئے بدرداوا تھوڑا سا ضروری ہو گیا تھا۔ ہماری مخالفت میں جس شش اس کا نام سامنے آ رہا تھا اس سے اس کے باپاک عزائم صاف ظاہر تھے۔

ٹوٹی کا قصہ بہت بعد میں سامنے آیا تھا۔ میں اس سے پہلے جگمگیر کے مددوش گھر کو خرید کر کہ کلکشن کے علاقے میں کوا فلیٹ کرائے پر لینے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس دوران میں الین بدرداوا خود دوبار اس گھر پر آچکا تھا۔ دوسری بار اس کے ساتھ خانی بد معاش بھی تھے۔ ٹوٹی کا چکر اس کے علاوہ تھا۔ وہ اس قلعے میں جگمگیر کے گھر کو بہت زیادہ اہمیت دے رہا تھا۔ مجھے قوی اندیشہ کہ اشتعال اور مایوسی کے عالم میں وہ کسی بھی وقت جگمگیر

میں استاد ذہنی کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ وہ گزرا یا۔ میں نے ایک ایک لفظ سچ کہا ہے شاید کچھ لوگ اس گھر کے مالک کو ڈراتا نا چاہتے ہیں کہ مسلح کاؤ رکھنے کے باوجود یہ گھر محفوظ نہیں ہے۔

”تھرا دا داغ اسی قدر چل رہا ہے تو ذرا یہ بھی بتاؤ کہ مالک کو ڈرا کر وہ لوگ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں؟“ اس بار سلطان شاہ نے سوال کیا تھا۔

”یہ سب مجھے نہیں معلوم“ وہ بے بسی سے بولا ”کام بہت آسان تھا۔ ذرا سی محنت کے پانچ ہزار مل رہے تھے۔ بس یہی لالچ مجھے لے ڈیا۔“

”تمیں بدروئے یہاں بھیجا تھا؟“ میں نے اس کی بات کاٹ کے سوال کیا۔ اس کا سر نفی میں ہلنے لگا ”میں لائن بدلنے کے بعد بدروئے مجھے نکال دیا تھا۔ میں اب پہلوان کے اڈے پر کام کرتا ہوں مگر اس چکر میں کسی کا دخل نہیں ہے۔ ایک آدمی نے فون پر بات کی تھی۔ وہ لیجے سے غیر ملکی معلوم ہو رہا تھا۔ ساری بات ٹوٹی پھوٹی اردو میں ہوئی تھی۔ ایک بچہ آج بدروئے کا لٹافہ لایا تو یہ کام پکا ہوا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ صبح فون کر کے مجھ سے رپورٹ لے گا۔“

ہم نے اسے اچھی طرح ہلا جلا یا لیکن وہ اپنے اسی بیان پر قائم رہا جو قرین قیاس معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بیان سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس سے فون پر رابطہ کرنے والا الین ہی تھا جو ہر قیمت پر میرا سراغ لگانے پر ظاہر ہوا تھا لیکن ٹوٹی اس بات کا جواب نہیں دے سکا کہ الین جیسے غیر ملکی کو پہلوان کے اڈے کا فون نمبر کیسے معلوم ہوا۔ پانچ ہزار روپے ایک مشت ہاتھ آنے کی خوشی میں اس نے اس بارے میں سوچنے کی زحمت ہی نہیں کی تھی۔

اس سے باز پرس کا وہ نتیجہ اطمینان بخش نہیں تھا لیکن میری دانست میں وہ سارے واقعات ایک خاص سمت کی نشان دہی کر رہے تھے۔ بدرداوا گزرتے ہوئے دنوں میں ہمارا رشتہ کارہہ چکا تھا۔ اس کے جگمگیر کے بعد میں بھی غاصے مراسم رہے تھے۔ جگمگیر کی طرح وہ بھی اپنی پرانی منشیات فروشی سے تائب ہو کر نئے دھندے میں لگ گیا تھا اور کراچی سے شمالی علاقوں تک مال برداری کے ٹرک چلانے لگا تھا لیکن اس کام میں اس کی اصل کمائی بیری بیر کے ذریعے ہوتی تھی۔ مال برداری کی آڑ میں وہ ہماری معاوضے پر غیر قانونی اشیاء کی نقل و حمل کا کام کرتا تھا اور اسی چکر میں وہ افغان سردار پائندہ گل کی بیرون کراچی کی منڈی تک لانا تھا۔

ہم چاروں کو کراچی سے اغوا کر کے گلان پہنچانے میں اس نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ بعد میں اندازہ ہوا کہ اس نے وہ کام بے خبری میں کیا تھا۔ اسے علم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ گلان لے جانے والے چاروں قیدیوں میں میں بھی شامل تھا۔ میں نے ٹرک پر موجود اس کے دونوں آدمیوں کو اپنے بارے میں بتا دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ہم لوگوں سے تنازع ہونے کے باوجود اس کے آدمیوں

توقع سے زیادہ خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔

میرے ذہن میں نیکر اوہلی شرٹ میں لباس، دپے پتے، دروازہ قامت اور منک الین کا حلیہ گھوم گیا۔ بظاہر وہ مغرب کا کوئی بے پروا ریسرچ اسکالر نظر آتا تھا جو اپنے تحقیقاتی موضوع پر کام کرتے کرتے اکتا کر تبدیلی کے لئے باہر نکل پڑا ہو۔ خود میں نے بھی اسے بہت زیادہ اہمیت نہیں دی تھی لیکن وہ بہت تیزی کے ساتھ حالات پر اپنی گرفت مضبوط کرتا جا رہا تھا۔

میں دروازہ کھول کر تاریک رات کے اندر سے نکلا تو دونوں گارڈز خشک ہوتے ہوئے لان کے سرے پر کھڑے نیچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ میں ڈرائنگ روم کا دروازہ بھیڑ کر پلٹا تو وہ دونوں تیزی سے میری طرف بڑھ آئے۔

”کیا ہو؟ قیدی کیا کہتا ہے؟“ ان میں سے ایک نے پُر تجسس لہجے میں پوچھا۔

”کچھ نہیں“ میں نے ایک گھرا سانس لے کے کہا ”شاید اس کی ریڑھ کی ہڈی پر زخم آیا ہے اور وہ مسلسل بے ہوشی کی حالت میں ہے۔ اب ہمیں یہاں ٹھن محسوس ہونے لگی ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو“ صاحب جب سے تم لوگ یہاں آئے ہو“ مسلسل کچھ نہ کچھ ہوا ہے۔ اگر قیدی مر گیا تو بڑی تکرر ہو جائے گی۔ تم نے اسے جس بے جا میں رکھا ہوا ہے۔ ہمیں دفتری طرف سے سخت ہدایت ملی ہے کہ کوئی واردات ہوتی ہی علاقہ پولیس کو اطلاع دینی چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ تم نے بہت دیر تک اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر لیا۔ اب ہمیں فون کر کے پولیس کو بلا لینا چاہئے تاکہ ہم سب ہی کسی مصیبت سے بچ سکیں۔“

”جیسے معلوم ہے کہ ہم آدھان کے مطالبے سے خوف زدہ ہیں۔ پولیس کے آتے ہی بات بکڑ جائے گی۔ ہم خاموشی کے ساتھ قیدی کو کہیں ڈالنا چاہتے ہیں۔“

”یہ نہیں ہو سکتا“ اس نے فیصلہ کن لہجے میں میری بات کاٹ دی ”وہ زخمی ہو کر ہماگ بھی جاتا تو ہم کو رپورٹ کرانی پڑتی۔ اب تو وہ تمہارے قبضے میں ہے۔ پولیس والے پہلے اس کا علاج کرائیں گے پھر مارا کر سب کچھ اظہار لیں گے۔ تمہیں یا ہم لوگوں کو ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔“

لحمہ بھر کے لئے میں الجھ گیا۔ میں اندر سے یہ سوچ کر آیا تھا کہ ان دونوں کو زبان بندی اور چشم پوشی اختیار کرنے کے بدلے میں ایک معقول رقم کی پیشکش کر کے میں نوٹی کو وہاں سے سیاح لپکاؤں میں نکال لے جائے کہ بندوقت کھول کا پھر ہم کہیں پر بھی اسے مار کر اس کی لاش سے چھٹکارا حاصل کر لیتے لیکن اس گاڑے کا قانونی بارکیوں کا ذکر چھیڑ کر ابھرن پڑا۔

معاذ حق وہ باتیں یاد آئیں جو میں دوسرے گاڑے سے کرتا رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی پانا پیچھا ”تم دونوں کی ڈیوٹی اس مکان کے احاطے میں ہے۔ تم ہر جا کر کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔ قیدی اندر آنے سے پہلے زخمی ہو چکا تھا۔ باہر کے معاملات سے تم لا تعلق رہ

قیدی کی طرح اس کے گھر کو بھی تباہ کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ ایذاقت آنے سے پہلے ہی ہمارا وہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔

میں نوٹی کے بارے میں ایک سفاکانہ فیصلہ کر چکا تھا۔ مجھے بچان لینے کے بعد اس کا زندہ رہنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ الین اس کا کوئی بد ورودہ بد معاش ذرا سے تشدد کے بعد نوٹی سے میرا رخ حاصل کر سکتا تھا۔ الین میری بوسو گھٹا ہوا جاکیر کی فیکٹری سران وہاں سے اس کے گھر پہنچ چکا تھا۔ اگر اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ میں نے چند گھنٹے بھی اس چھت کے نیچے گزارے تھے تو وہ میری اگلی نفل کے بارے میں بھی صحیح اندازہ لگا سکتا تھا۔

نوٹی کے دیگر جرائم ایک طرف تھے لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کا قاتل تھا اور ایک قاتل کے لئے موت کی سزا سے بچنے کی اور فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا۔

ابھن صرف یہ تھی کہ سیکورٹی گاڑڈز کو ہماری تحویل میں ایک زندہ قیدی کی سوجدگی کا علم تھا۔ اگر ہم اسے مار کر وہیں چھوڑ دیتے تو دونوں گاڑڈز قتل کے الزام سے اپنی گردن بچانے کے لئے پولیس کے سامنے پوری کمائی دہرا دیتے اور مالک مکان کی حیثیت سے جاگیر پولیس کی تلاش کی مسم کا نشانہ بن جاتے۔

”اے بے ہوش کردو“ میں نے خاص طور پر کسی سے مخاطب ہوئے بغیر ہدایت دی اور دیرانے فوراً ہی نوٹی کی کینٹریں پر سخت ٹھوکر رسید کر کے میری ہدایت کو عملی جامہ پہنا دیا۔ اس وقت دیرانے کیوں میں دی سخت اور خطرناک جوتے تھے جو وہ تارنرں کے قتل کی مہم پر خاص طور پر پہن کر گئی تھی۔ نوٹی اس شدید ضرب پر بس ایک ٹھوکر بھری لے کر سناٹ ہو گیا۔

”مجھے معلوم ہے کہ تم اسے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر چکے ہو“ سلطان شاہ نے چند ثانیوں بعد بوجمل سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ لیکن ہم ایک لاش کے ساتھ کب تک یہاں چھپے رہ سکیں گے۔ فائلوں کی نظر بجا کر ہم کبھی بھی وقت اسے ٹھکانے نہیں لگا سکتے۔ رات والے گاڑڈز کے جانے سے پہلے ہی دن والے گاڑڈز آجائیں گے ہم کسی مشکل میں بھی پھنس سکتے ہیں۔“

”کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ ہم آج کی رات یہاں بسر نہیں کریں گے۔ جو کچھ میں نے سوچا ہے وہ کامیاب رہا تو نوٹی زندہ حالت میں ہمارے ساتھ جائے گا۔“ سلطان شاہ نے مجھے بات پوری نہیں کرنے دی اور درمیان میں ہی بول پڑا۔

”ہمیں شرمیں اپنے لئے ٹھکانا ڈھونڈنا ضرور ہوا ہے“ اس منت کو گلے میں لٹکا کر کہاں لئے لئے پھرس گے۔ یہ زندہ اشتہار تو ہمیں سوا ہی دے گا۔ اسے یہیں کہیں دفن کر دو۔“

”اس کے ہاتھ پیر یا منہ کے منہ میں کپڑا ٹھونس دو“ میں نے اس کی بات سنی ان سنی کر کے کہا ”میں باہر کا چکر لگا کے ابھی واپس آتا ہوں۔“ یہ کہہ کر میں ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔

میں گھر سے باہر نہ نکل جانا“ دیرانے نیچی آواز میں ہانک لگا لی۔ میں بھی فضا میں بدترین خطرات کی بوسو گھٹ رہی ہوں۔ الین میری



”تمہاری تیاری مکمل ہے“ وہ ٹوٹی کے بندھے ہوئے ہاتھ اور پیروں کا جائزہ لے کر یوں کہ ”سے کب تک باہر لے جا رہا ہے؟“

”میں جلد ہی نکلیں گے تم اسے گاڑی کے پائیدار ڈنڈوں میں لے کر۔“

میری ہدایت پر دوسرے افراد جہانگیر کی خواب گاہ میں رکے ہوئے تھے۔ میں نے سلطان شاہ کو آواز دے کر باہر بلا دیا گاڑی کے ساتھ مل کر ٹوٹی کو گاڑی میں پہنچانے کے کام پر لگا گاڑی کے اندر دھکی دھکی کر خون کے دھبوں وغیرہ سے پہچانے لئے میں نے اسے گھر کی چادریں استعمال کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ ہم وہ بھرا پڑا گھروں ہی چھوڑ کر جا رہے تھے۔ میری چھٹی

کہہ رہی تھی کہ وہ سب بے کار ہونے والا تھا۔ جہانگیر کا اس سامان میں سے کوئی چیز استعمال کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اہل نکتوں اور غداروں وغیرہ کو تہمت دیتے دیتے خود ایک باکر کی طرح جہانگیر کے عمر بھر کے جمع کئے ہوئے اثاثوں کو تباہ کر چکے تھے۔

سلطان شاہ کو گاڑی کے ساتھ مصروف چھوڑ کر میں کمرے چلا آیا۔ غزال میرے اگلے پروگرام کے بارے میں بے حد متنبہ تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ اس وقت میرے ذہن میں وہاں فرار اور ٹوٹی کے بے کار وجود سے چھٹکارے کے سوا کوئی نہیں تھا۔

”ہم بے موت مارے جائیں گے“ دیرا کے مستفادہ میں چمکے بغیر نہ سکا۔

”تمہارا خیال ہے کہ اس بندھ چے وہاں میں ہم محفوظ ہیں کسی منصوبے کے بغیر ہم چاروں رات بھر شرکے سڑک کو آواز دے کر گدی کرتے رہے تو کس نے کہیں پولیس سے گزارش ہو گا۔ شرکے ہر پولیس والے نے آج کا اٹھائی اشتہار اپنے میں بسالیا ہو گا۔ رنگ روپ اور طیلوں کی تبدیلی کے باوجود ہم پر شبہ ہو گیا تو پتا مشکل ہو جائے گا۔“

اسی وقت سلطان شاہ کمرے میں آگیا ”گاڑی کہہ رہا ہے قیدی ڈکی میں ٹھیک رہے گا۔“

”میں جو کہہ رہا ہوں“ وہی کروا! ”غیر ارادی طور پر میری غرابٹ میں تبدیل ہو گئی“ اسے ڈکی سے نکال کر کہیں پھینکنا نہ بن جائے گا۔ پائیدار سے، دو واہ کھول کر باہر دھکیلنا زیادہ آسان ثابت ہو گا۔ جاؤ اور کام ختم کر کے جلدی واپس آؤ۔“

میرے تیر دیکھ کر وہ اٹھ پائوں واپس لوٹ گیا۔ دیرا خاموش رہی۔ میں نے ریسورٹ اٹھا کر ان دونوں سے کہا ”کھانے کا کچھ سامان سمیٹ لو۔ ہو سکتا ہے کہ ہم فوری طور پر کسی ہوٹل یا کارخانہ کر سکیں۔ سامان گاڑی میں ڈال لو۔ ہتھیار اپنے ساتھ رکھ کر پوری طرح مسلح رہے گا۔“

سکتے ہو۔ بس ہمیں یہ بھول جانا ہو گا کہ فائر ہونے کے بعد قیدی کو اس مکان میں لایا گیا تھا۔ تم چاہو تو اس کے بدلے یوں کما سکتے ہو۔“

”صاحب کی بات ٹھیک ہے۔ ہم لوگ ان ڈور ڈیوٹی پر ہیں۔ ہمیں کیا معلوم کہ باہر کیا ہو رہا تھا“ اس کے دوسرے ساتھی نے اسے لقمہ دیا ”اس معاملے میں بے چاری عورتیں بھی بلاوجہ پریشان ہوں گی کیونکہ وہی قیدی کو اندر لائی تھیں۔“

ان دونوں میں بحث چمڑ گئی۔ میری یوں کی پیشکش پر کوئی تبصرہ نہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ میری وہ پیشکش قبول کئی گئی تھی اور وہ دونوں امکانی خطرات وغیرہ کا ذکر کر کے اس سمجھوتے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

ان دونوں کی جت آرائی میں دخل انداز ہو کر میں نے مزید چار ڈال ”تم میری بات مان لو تو میں تمہاری ہر معقول بات مان لوں گا۔ ہم پریشانوں سے بچنے کے لئے کوئی بھی قابل قبول قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں لیکن دس لاکھ کا تاوان دینا ہمارے بس سے باہر ہے۔“

ملا گاڑی حوصلہ نہی کے ساتھ بولا ”لاکھ تو چھ ہندسوں والی بڑی رقم ہوتی ہے۔ وہ ہزاروں میں بات کرتے تو شاید منہ مانگا تاوان حاصل کر لیتے۔ جس گھر کی عورتیں ہسپتال چلا کر یہ معاشوں کو مار لینے کا حوصلہ رکھتی ہوں وہ اپنی رقم اس طرح برباد نہیں کرتا۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو“ میں نے اس کے تبصرے کی گہرائی کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا ”خون پینے کی کمانی ٹھنڈے ماتھے سے نہیں لٹا کی جاسکتی۔ ہم بالکل ہی ڈر پوک نہیں ہیں۔“

”بس باغ ہند سے پورے ہوں تو بات بن جائے گی“ اس نے تائید طلب انداز میں اپنے ساتھی سے مخاطب ہو کر کہا ”شریف لوگوں پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے لیکن یوں اسے ضرور ہو کہ ہمارے بال بچوں کا کچھ بھلا ہو جائے۔ ابھی کی تنخواہ سے تو وال روٹی بھی مشکل سے چلتی ہے۔“

وہ واضح طور پر دس ہزار کی قیمت کا مطالبہ کر رہا تھا لیکن اندھیرے میں اس کی آنکھوں میں جو حوصلہ چمک نمودار ہوئی تھی اس نے مجھے چونکا کر دیا۔ میں کسی اعتراض کے بغیر رضامندی کا اظہار کر بیٹھا تو وہ کل دس ہزار سے دس ہزار فی کس پر بھی چھلانگ لگا سکتا تھا۔

قدرے خیل و جت کے بعد دس ہزار روپے پر معاملہ طے پا گیا۔ رقم اور زیورات کی پونٹیاں گاڑی میں منتقل کرنے سے پہلے میں نے جہانگیر کی رقم میں سے بڑے نوٹوں کی چند گزیاں الگ کر کے ان کے مساوی ڈالر اس رقم میں ملا دیے تھے۔ میں ان میں سے زیادہ باتنی اور چالاک گاڑی کو اپنے ساتھ اندر لایا اسے ٹوٹی کے پاس چھوڑ کر ”اندر سے دس ہزار کے نوٹ لایا اور اس کے حوالے کر دیے۔ اس نے نوٹ گنے بغیر اپنی اندرونی جیب میں رکھ لئے۔“

وہ دونوں بھی باہر نکل گئیں اور میں فون پر جاتکیر کے اسپتال کا نمبر ملانے لگا۔  
اس وقت رات کے گیارہ بجتے والے تھے اور مجھے اندیشہ تھا کہ اسپتال میں ملنے والی فراخ دلانہ آواز کی بنا پر جاتکیر اس وقت اپنی تربت میں ہو گا لیکن میرے لئے یہ بہت ضروری تھا کہ میں اسے گھر سے اپنی دوا لگی کے بارے میں باخبر کروں تاکہ وہ بھی بخالی اور بے زاری کے عالم میں ادھر کا رخ کرنے کا کوئی امکانی ارادہ ملتوی کر دے۔

سلسلہ ملنے پر اسپتال کی ٹیلی فون آپریٹر نے مجھ سے معذرت کی کہ اس وقت وہ مطلوبہ مریض سے میری بات نہیں کر سکتی۔ میرے اصرار پر اس نے مطلع کیا کہ مریض ممکن دواؤں کے زیر اثر اس وقت تک سوچا ہو گا اور کسی وجہ سے اسے خیر نہ بھی آسکی ہو تو وہ ذہنی یک سوئی سے بات کرنے کے قابل نہیں ہو گا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ مصلحتاً ممکن دواؤں کا ذکر کر رہی تھی ورنہ اس سمیت اسپتال کے بیشتر عملے کو علم ہو چکا ہو گا کہ جاتکیر اپنے کمرے میں پڑا کیا کرتا رہتا ہے۔

جب آپریٹر کو کسی طرح گھو غلامی ہوئی نظر نہ آئی تو اس نے مجھ کو عالم میں میرے فون کی لائن جاتکیر کے کمرے میں منتقل کر دی۔

جاتکیر واضح شناخت سے پہنچنے کے لئے اسپتال میں انور جاتکیر بنا ہوا تھا۔ اسی طرح میں نے بھی آپریٹر کو اپنا نام دلا اور بتایا تھا۔ جاتکیر دیر سے ہی نشے کی جھوٹک میں تھا۔ فون پر اس کی لہرائی ہوئی آواز سنائی دی تو اس میں مکمل اجنبیت رہی ہوئی تھی۔

”ہوش میں رہ کر میری بات سنو۔ میں تمہارا بڑا گوارا بول رہا ہوں“ میں نے اسے پھٹکارتے ہوئے کہا ”حالات بہت خراب ہو گئے ہیں۔“

”حالات کو گولی مادہ“ میری آواز پہچان کر وہ لڑکھائی ہوئی آواز میں جھپٹنے لگا ”میں اس وقت پریشانی کی کوئی بات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میری محفل خراب مت کرو۔ اگر تم بھی دل گلی کے موڈ میں ہو تو فوراً یہاں آ جاؤ۔“

”ہم تمہارا گھر خالی کر رہے ہیں“ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ”یہاں کسی وقت بھی کوئی ہمایاک گریز ہو سکتی ہے۔ اب ادھر کا رخ نہ کرنا۔ تمہاری چیزیں میرے پاس ہیں۔ جب بھی موقع ملا میں تم تک پہنچا دوں گا۔“

”کیوں مجھے خوف زدہ کر رہے ہو؟“ ڈری ڈری ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری ”تمہارے ہوتے ہوئے کہیں کوئی گریز نہیں ہو سکتی۔ تم میری جان اور ایمان ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کوئی نہ کوئی کرتب دکھا کر سب کچھ ٹھیک کر لو گے۔“

”میں مشکل میں ہوں“ میں نے اپنی بات اس کے ذہن میں بٹھانے کے لئے سختی سے کہا ”اگر تم نے میری اس وارننگ کو یاد نہیں رکھا تو مجھے تمہارے انجام پر شدید قلق ہو گا۔“

”رے باپ رے!“ اس کی پوچھ لگائی ہوئی آواز ابھری ”تم تو میرا موڈ چھپت کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ ایسی ہی بات ہے تو میں بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔“

”بس میں تمہیں یہی سمجھانا چاہ رہا تھا“ اس کا وہ وعدہ سنتے ہی میں نے فون بند کر دیا۔

میں ریسیور کرڈیل پر رکھ ہی رہا تھا کہ فضا ایک اضطرابی انسانی چیخ سے گونج اٹھی۔ آواز بہت قریب کی تھی۔ ہم جن حالات سے دوچار تھے ان کی بنا پر اس بات کا یقین کرنا دشوار نہیں تھا کہ وہ چیخ ہمارے مکان کے احاطے ہی میں گونجی تھی۔

میں نے پستول نکال کر فوراً ہی لوڈ کیا اور کھاسی کے راستے کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں یہ محسوس کر چکا تھا کہ اس وقت میرے سوا کوئی بھی اندر موجود نہیں تھا۔ سب لوگ میری ہدایت پر ضروری ساز و سامان گاڑی میں بیٹھے تھے۔

وقت بہت تیزی کے ساتھ گزر رہا تھا۔ میں جاتکیر کی خواب گاہ سے نکل کر ڈرائنگ روم تک بھی نہ پہنچنے پایا تھا کہ باہر سے کسی خوں خوار کتے کی وحشیانہ غراہٹ کے ساتھ ایک فائر کی آواز گونجی اور پھر اچانک ہی پُر سکون فضا گولیوں کے وحشت ناک شور سے لرز اٹھی۔

میرے بدن میں خوف سے پھریریاں سی دوڑ گئیں۔ آخر کار میری چھٹی حس کی لٹکار نتیجہ خیز ثابت ہوئی تھی۔ ہمارے دشمن شاید کسی اور تربت یا پتہ کتے کے ساتھ میری تلاش میں جاتکیر کے مکان پر دھاوا بول چکے تھے۔ غیبت یہ تھا کہ ہم سب بے خبری کے عالم میں نہیں ٹھہرے گئے تھے۔ وہ معاملہ سب سے پہلے سب سے پہلے باہری موجود تھے جو دشمن کی بلخار کو کافی دیر تک دھک سکتے تھے۔

فائرنگ میں تواتر پیدا ہوتے ہی غراتے ہوئے کتے نے مشتعل ہو کر بھونکنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی آواز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ برآمدے میں یا اس کے قریب ہی موجود تھا اور اپنی قوتِ شامہ کی مدد سے یہ فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے کدھر کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔

شاید میرے وجود کی مانوس بونے اس کتے کی مدد کی۔ جوں ہی میں ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچا باہر سے نیم دھاپت تیزی سے اندر کی طرف آیا اور پھر ایک تھوڑے سا دیر بعد میرے اوپر آ جاؤ۔ کتا اپنے شکار تک پہنچنے کے جوش میں بہت تیزی سے چلا گیا۔ لگا کر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ صحت مند جسم اور پتلی کمر کا مالک ہونے کے ساتھ بہت وزنی بھی تھا۔ میں کوشش کے باوجود اس کی زد سے بچ سکا اور نہ ہی اس کی جھوٹک سنبھال سکا۔ غیبت یہ تھا کہ کتا اپنے شکار پر حملہ آور ہونے کی پوزیشن میں نہیں تھا ورنہ اس کے پیچھے پہلے ہی وار میں میرا بدن ادھیڑ ڈالتے۔ اپنی مڑی ہوئی اگلی ٹانگوں کے ساتھ وہ میری چھاتی پر آیا اور مجھے پشت کے بل گرا تا ہوا آگے نکل گیا۔

خوں خوار کتوں کی تربت کے سلسلے میں الین کی مہارت ایک قیاس نہیں رہی تھی۔ کتے کی پہلی آواز سنتے ہی مجھے اندازہ ہو چکا تھا



جس ایک بار وہ اندر آجاتے تو چو طرف لڑائی شروع ہو سکتی تھی جس میں باہر نکلنے والا کئی نادیدہ ہتھیاروں کی زد پر ہوتا۔  
میں فوراً ہی سینے کے بل لیٹ گیا۔ برآمدے کے اونچے فرش پر ہسینوں اور گھنٹوں کے بل آگے سر کنے میں دیکھ لیے جانے کا خطرہ نہیں تھا۔  
باہر چلا ہوا اندھیرا خاصا گرا ہوا تھا۔ اس میں فائرنگ کے شعلے پل پلک رہے تھے جیسے متعدد جھلکوں پر بیٹھے ہوئے لوگ چتریاں پھول کو آپس میں لڑا رہے ہوں۔ میں نے ڈرائنگ روم کے قالین پر سے برآمدے کے نچلے فرش پر پیش قدمی شروع ہی کی تھی کہ میرے ہتھوں میں پٹرول کی تیز آگ دوڑا چلا ہوا تھا شروع ہوئی تھی اور خاصی تیز تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے پٹرول سے بھرا ہوا کوئی کستور کھول کر کہیں بھاڑا گیا ہو۔  
میرا ہاتھ ٹٹک گیا۔ ایلن کے آدمی کسی محفوظ سمت سے احاطے میں گھس چکے تھے اور کسی کھلی ہوئی کھڑکی وغیرہ سے اندر پٹرول چمڑک کر آگ لگانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ انہوں نے اپنے چھوڑے ہوئے کتوں کو مکان کے اندر گھستے دیکھ کر سمجھ لیا تھا کہ میں اس وقت بھی مکان میں چھپا ہوا تھا۔ اندر آگ پھیلنے تو مجھے باہر نکلنا پڑا اور پھر وہ بھڑکتے ہوئے شعلوں کی آہنی روشنی میں مجھے بچان کر زندہ گھیرنے کی کوشش کر سکتے تھے یا کم از کم گولی مار سکتے تھے۔

ان کے عزائم بہت خوف ناک اور واضح تھے۔ ایلن متعقب اور مال واریہودیوں کی تنظیم ڈیوڈ اشارز کے لئے کام کر رہا تھا جسے امریکا اور بھارت کی مکمل سرپرستی حاصل تھی۔ اسے معلوم تھا کہ میں اسے پاکستان میں آسانی سے قدم نہیں جمانے دوں گا اور اس کی راہ میں دوڑے انکاؤں کا اس لئے وہ اپنا اصل کام شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا تھا لیکن تقدیر ہر تصادم میں میرا ساتھ دے رہی تھی۔ اس بار بھی میں پٹرول میں گھرنے سے پہلے مکان سے باہر آنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

جائگہ کے گھر کے آہنی چھانک میں بنی ہوئی ذیلی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کھڑکی کھلواتے ہی ان لوگوں نے کتوں کو شکار دیا ہو اور وہ کھڑکی کھولنے والے کو گراتے ہوئے اندر گھس آئے ہوں۔ اس ذیلی کھڑکی میں سے گولیاں اندر آ رہی تھیں۔ شاید ایلن کے کسی آدمی نے وہاں جم کر سب لوگوں کو الجھایا ہوا تھا۔ دوسرے آدمی دوسری سمتوں میں مقدر آزمائی کر رہے تھے۔

”میں آ رہا ہوں“ میرے اوپر فائر نہ کر دیتا۔ ”چند فٹ آگے بڑھنے کے بعد میں نے قدرے تیز سرگوشی میں کہا ”وہ لوگ مکان میں پٹرول چمڑک رہے ہیں۔ اب یہاں سے نکلنے کی فکر کرو۔“

”ظاہراً“ اندھیرے میں کہیں قریب ہی سے ایک گاڑی کی ٹیکان آئیز سرگوشی ابھری ”اوٹ میں رہ کر چھانک کھول دو۔ یہاں بہت بڑی خول ریزی ہوئی نظر آ رہی ہے۔“

آخر کار میں جائگہ کی سیاہ اینکارڈ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ تینوں اسی کے آس پاس موجود تھے۔ فائرنگ کا شور سن کر شاید انہوں نے اسی کی اوٹ کی بھی ادھر خطرے کی شدت میں کمی کا احساس کرنے کے باوجود اسی کے گرد منڈلا رہے تھے۔ ان سے ذرا دور ”ایک گاڑی پام کے بڑے گیلے کی اوٹ میں دھکا بیٹھا تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید وہ چھانک کے قریب ہی کہیں بھا ہوا تھا۔“

”سب گاڑی میں سوار ہو جاؤ۔“ میں نے نیچے پہنچنے ہی بدایت جاری کی ”چھانک کھلتے ہی ہمیں یہاں سے نکل بھاننا ہوگا۔ اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو جائگہ کی یہ گاڑی ہلٹ پروف ہے۔ نہ بھی ہو تو دو چار گولیاں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گی۔“

میں ڈرائیو تک سیٹ والے دروازے کے پاس پہنچا ہی تھا کہ چھانک کے آہنی کٹھنہ کی آواز ابھری۔ شاید ظاہر نامی گاڑی چھانک تک پہنچ چکی تھی۔ باہر سے ایک ہلکا سا برست فائر ہوا، خزانہ پانچ چھ گولیاں چلیں۔ کچھ کھڑکی سے گزر کر احاطے میں کہیں گم ہو گئیں۔ چند دہیز آہنی چھانک سے کھرا کے رہ گئیں۔ دوسرے گاڑی نے کئی جوالی فائر کے گمروہ بھی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔

پھر ایک تیز آہنی جھنکار کے ساتھ گیت کے دونوں پٹ اندر کی طرف کھلتے چلے گئے۔ میں نے پھر پٹی کے ساتھ ڈرائیو تک سیٹ سنبھال کے انجن اشارت کر لیا۔ سلطان شاہ میرے برابر میں بیٹھ گیا۔ خزانہ اور ویرانے پچھلی سیٹ سنبھال کر دروازے بند کر گئے۔ بے ہوش ٹوٹی غائبانہ کے قدموں میں تھا۔

گیت کھلتے رہا ہر سے صرف دو فائر ہوئے پھر صرف کھٹکے کی آواز گونج کر رہ گئی۔ شاید باہر والے کے میگزین میں صرف دو گولیاں بگئی تھیں جو اس نے چلا ڈالی تھیں۔ مزید فائر کرنے کے لئے اسے خالی میگزین نکال کر اپنے ہتھیار میں نیا میگزین لوڈ کرنا تھا۔

اس وقت اینکارڈ ای پوزیشن میں کھڑی ہوئی تھی جس میں ہم نے اترتے وقت اسے چھوڑا تھا۔ میں نے گاڑی کو ریورس میں گھیر کر ڈالا اور پوری رفتار سے کار پیچھے دوڑا دی۔ پختہ فرش پر اینکارڈ کے ہٹا پوری قوت سے پیچھے اور کار تقریباً الجھل کر پیچھے کی طرف دوڑ پڑی۔

اینکارڈ لمحہ بھر میں چھانک سے گزر گئی۔ میں نے پوری قوت سے بریک لگائے اور ہیڈ لیمپس آن کر دیے۔ اسی وقت عمارت کی طرف سے بہت کی ایک گھنٹی ہوئی گھڑی آواز آئی اور رضا میں سرخ سرخ شعلوں کا لورنگ انکاس تیرتا ہوا نظر آنے لگا۔

گاڑی کے خود کار گیر ڈک ڈرائیو تک پوزیشن میں لے جاتے ہوئے میرے گینڈے نما اس شخص کو دیکھا جو کھائونڈ نما ایک آتشیں ہتھیار لئے خالی پلاٹ کی طرف دوڑ رہا تھا۔

وہ یقیناً ایلن کا ساتھی تھا جو عین وقت پر اپنا میگزین خالی ہو جانے کی وجہ سے ہمیں اپنا نشانہ نہیں بنا سکا تھا اور اب اپنی جان بچانے کے لئے پوری قوت سے کسی جانے نہا کی تلاش میں

اگر اسٹریٹ پر میری گرفت مضبوط نہ ہوتی تو ان جھکوں کی وجہ سے وہ میرے ہاتھوں سے نکل سکتا تھا۔  
اس شخص کی لرزہ خیز چیخوں کے ساتھ ہماری وزنی کار اسے کھینچتی ہوئی آگے بڑھتی جاتی گئی۔

”خدا کی پناہ!“ پیچھے سے غزالہ کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔  
”بعض اوقات آپ غصے میں ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ اسے کچل کر مارنے کی کوشش میں یہ تیز رفتار کار الٹ بھی سکتی تھی۔“  
”اب کاروں کے اٹنے کا زمانہ لہ گیا۔“ میں نے غیر ارادی طور پر ہنس کر کہا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میری وہ بھیاک ابھی خود میرے لئے ابھنی تھی۔ ”یہ نیچی اور ایروڈنامک ڈیزائن کی گاڑیاں تیز رفتاری میں بھی نہیں اٹکتی اسی لئے دنیا بھر میں تیزی سے مقبول ہو رہی ہیں۔“

وہ خالص رہائی اور پُر سکون علاقہ تھا۔ ہم جب تک وہاں سے باہر نہیں نکل گئے وہ تینوں مرکز کر جاتے تھے۔ جلتے ہوئے گھر کے اوپر بڑھتی ہوئی خون آشام سرخی کا جائزہ لیتے اور اپنے اپنے انداز میں تبصرے کرتے رہے۔ مجھے یقین تھا کہ اس آگ کے پھیلاؤ سے اپنے گھروں کو لاحق ہونے والے خطرے کے پیش نظر جہاگیر کے پڑوسی آگ بجھانے والوں کی امداد طلب کر لیں گے اور اس آباد علاقے کو کوئی سنگین نقصان نہیں پہنچ سکے گا۔ سارا نقصان صرف اور صرف جہاگیر کو پہنچا تھا۔

”یہ ہر حال میں پولیس کیس بنے گا۔“ تھوڑی دیر بعد ویرا بولی ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی کھلی چاند ماری کے بعد سیکورٹی گاؤڈ کیا بیان دیں گے۔ اس بار ہم دلدل میں پھنسے ہیں۔“

”میسے میں بہت طاقت ہے۔“ میں نے پُر خیال لہجے میں کہا ”دس ہزار روپے قبول کر کے وہ خود بھی چکر میں آچکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ خاموشی سے بھاگ جائیں گے۔ جب ہماری یا کسی اور کی طرف سے ان کی نشان دہی نہیں ہوگی تو انہیں اپنی خاموشی برقرار رکھنے کا جواز مل جائے گا۔“

”اگر تمہاری بات مان لی جاتی تب بھی یہ ان کا انفرادی فعل ہوگا۔ وہ ایک باقاعدہ کینی کے ملازم ہیں۔ وہاں کے ریکارڈ میں جہاگیر کا مکان بھی شامل ہے۔“ سلطان شاہ بولا۔

”یہ سب سبناٹا ان کا کام ہوگا۔ جہاگیر کے خلاف کچھ ثابت نہیں کیا جاسکے گا کیونکہ اسے تو چاروں گاؤڈ بھی نہیں پہچان سکیں گے۔ میرا خیال ہے اپنی ٹیک نامی برقرار رکھنے کے لئے ان کی کینی کے مکان بھی کسی اسکینڈل سے بچنے کی کوشش کریں گے۔“

اسی وقت کھیل کا ایک وسیع، دیران اور تاریک میدان آیا اور غزالہ بول پڑی ”گیدرا نہ ہم سڑک کے بجائے اس کھلے میدان میں سے گزر جائیں۔ زمین ہموار ہے۔ یہاں ہم کوئی سے بھی چھکارا حاصل کر سکتے ہیں۔ باوجود علاقے میں داخل ہونے سے پہلے یہ کام ہو جانا چاہئے۔“

دوڑا جارہا تھا۔ میں نے اونچی آواز میں سب کو اس خبیث کی طرف متوجہ کیا لیکن وہ اس سے پہلے ہی دیکھ لیا گیا تھا۔ غزالہ کی طرف کی کھڑکی سے فائر ہوا لیکن بھاگتے ہوئے شخص کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔

جہاگیر کا مکان تیزی سے بڑھتی ہوئی آگ کی بھیاک پیٹ میں آتا جارہا تھا۔ لکھ بے لکھ بڑھتے ہوئے شعلوں کے سائے میں کثیف دھوئیں کے کمرے بادل اٹھڑائیاں لیتے ہوئے کسی بھیاک عفریت کی طرح ہر طرف پھیل رہے تھے۔ سفاک ایلین نے جہاگیر کے، شوق اور امنگوں سے بنائے اور سجائے گئے بیش قیمت مکان کو ایک ہی لمحے میں آگ کا ایندھن بنا دیا تھا۔

اپنے عزیز ترین دوست کے عہر بھر کے اثاثوں کو پوں بے بسی سے جلتے دیکھنا۔ یہ لے بہت دردناک تھا لیکن زندگی میں ایسے مرحلے بھی آئے نہ رہتے ہیں۔ وہ مکان ایک طرف رہا، اس وقت ہماری آزادی اور زندگیوں کے لالے بڑے ہوئے تھے۔ میں نے جذبات کی مودیں بہرے کو وقت ضائع کرنے کے بجائے تیزی سے کار اسی طرف موڑ لی جہاگیر کیڈے نما حملہ آور بھاگ رہا تھا۔

کار دوڑاتے ہوئے میرے ذہن میں صرف ایک لمحے کے لئے یہ خیال آیا کہ اس کے برابر میں سے گزرتے ہوئے کوئی بھی اسے گولی مار دے گا لیکن دوسرے ہی لمحے میرا خون کپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ اسٹریٹ پر میرے ہاتھوں کی گرفت سخت ہو گئی۔ میں نے سڑک پر دوڑتی ہوئی کار کو قدرے ترچا کیا اور گیڈے نما شخص پھرے اچھل کر ہوا میں اڑتا ہوا نظر آیا۔ اس کی چیخیں ہولناک اور لرزہ خیز تھیں۔ وہ اس وقت بھی تاریک پلاٹ سے گزر رہا تھا۔

میں نے جنوں کے عالم میں ایک ایسی رفتار اتنی تیز کی ہوئی تھی کہ وہ شخص ہوا میں اچھل کر زمین پر گرنے بھی نہیں پایا تھا کہ کار اس کے نیچے پہنچ گئی اور وہ ایک پُرشور آواز کے ساتھ دوڑتی ہوئی کار کے بونٹ پر آگرا۔ پچکنے اور ہموار بونٹ پر وہ کسی اندھے کی طرح کوئی سہارا تلاش کرنے کے لئے ہاتھ پیر چلا رہا تھا۔ کاری باڑی میں بالکل بیٹھے ہوئے اور پچکنے ہوئے وانپوں پر اس کا ہاتھ نہیں بڑھا تھا۔

میں بریک لگا کر بہت آسانی کے ساتھ اسے بونٹ سے نیچے پھسلنے پر مجبور کر سکتا تھا لیکن اس وقت خالی پلاٹ مندوش تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ بقیہ لوگوں کو اندر بھیجنے کے بعد کوئی اندھے میں چھپ کر اس کی حفاظت نہ کر رہا ہو۔ میں اسی رفتار سے پلاٹ کے سامنے سے گزر گیا۔

خطرے کے احساس سے نجات ملنے ہی میں نے اچانک بریک لگایا۔ کاری رفتار کو ایک شدید جھکاؤ لگا اور ہمارا دشمن بونٹ پر سے غیر ارادی طور پر پھسلتا ہوا بائیں ٹائر کے سامنے جاگرا۔ میں نے فوراً ہی بریک پڈل چھوڑ کر دو بادا۔ ایکسیڈنٹروبادا۔

کاری میں بھونچال اٹھیا۔ سب اچھل کر بھت سے کھرا گئے۔

لگایا جاسکتا تھا لیکن پاکستان جیسے ملک میں ایسی تقیشتی سولتیس میر نہیں تھیں جن کی مدد سے ایک جیسے تانوں والی ہزاروں گاڑیوں میں سے ایک کار کی شناخت ممکن ہوتی۔ میں اپنے ان اندیشوں میں کسی کو شریک کے بغیر خاموشی سے کار چلاتا رہا۔

راستے میں ہمیں مخالف سمت سے آتے ہوئے دو تیز رفتار گاڑی انجنوں نے کراس کیا۔ موموم سامکان تھا کہ شاید وہ جہانگیر کے گھر کی طرف جا رہے ہوں۔ وہاں لگی ہوئی خوف ناک آگ بجھا کر وہ بس دوسرے مکانات کو ہی بچا سکتے تھے۔ جہانگیر کے گھر میں تو ایک کیل بھی بچنے کا امکان نہیں تھا۔

خاموشی اور پُر سکون رات گئی علاقے سے دوشن تجارتی علاقے میں آنے کے بعد میں نے تیز رفتاری کا مظاہرہ ترک کر دیا تھا۔ رات گہری ہونے کی وجہ سے سارے بازار بند تھے۔ دن میں پُر جھوم نظر آنے والی دوشن سڑکیں ویران پڑی ہوئی تھیں گھر میں نہیں چاہتا تھا کہ اپنی جدوجہد کے سنگین ترین مراحل سے خیر و عافیت کے ساتھ گزر آنے کے بعد ہم تیز رفتاری جیسے معمولی جرم کی بنا پر پولیس کی کسی حشمتی پائی کے چنگل میں پھنسیں۔

دیرانے پیچھے سے ایک سینڈوچ سلطان شاہ کو تھمپا تو میری سمجھ میں آتا کہ وہ گئی منٹ سے کس کام میں مصروف تھی۔ ڈبل روٹی، پیڑے کے پارچوں اور ٹھنڈے پشیزبف کی مدد سے وہ ہم لوگوں کی شکم پری کا سامان تیار کر رہی تھی۔ میں نے سلطان شاہ کے سینڈوچ کا ایک قلعہ لیا تو اندازہ ہوا کہ دیرانے کی محنت بے زائد نہیں تھی۔ وہ سینڈوچ رات کے کھانے کا اچھا نم البدل تھا۔

”میرا خیال ہے کہ ہم ایسے ہی سینڈوچ کھاتے ہوئے، رات سے حیدر آباد کی طرف چل پڑیں تو آسانی سے ڈھائی تین گھنٹے گزار سکتے ہیں۔“ سلطان شاہ منہ چلاتے ہوئے بولا۔

”ہرگز نہیں“ میں کسی بڑی شاہراہ پر نکلنے کے حق میں نہیں ہوں۔“ غزالہ نے بلا تاخیر اعتراض کر دیا ”آج کل اچھا چھپنے کے بعد شہر اہل بہت غیر محفوظ ہو گئی ہیں۔ ہر روز کے اخبارات شاہراہوں پر مسلح ڈیکٹیوں کی خبروں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔“

”ہم سب بھی مسلح ہیں۔ مجھے ڈاکوؤں کی فکر نہیں ہے۔ راستے میں جگہ جگہ بنی ہوئی پولیس اور رینجز کی چیک پوسٹوں سے بچ لکنا ناممکن ہوگا۔ چند دش حالات میں رات کو سفر کرنے والوں کو

شے کی نظر سے دیکھا جاتا ہوگا۔ بھاری رقم، زیورات اور اسلحے کے ساتھ یہ ہم خطر مول نہیں لے سکتے۔“

”تو پھر جہانگیر کے اسپتال کی طرف نکل چلو۔“ دیرانے تجویز پیش کی ”کم از کم آج کی رات تو ہم آرام دہ بستروں پر گزار لیں گے۔ کل اس مسئلے کا حل ڈھونڈ لیا جائے گا۔“

”ہو سکتا ہے کہ جہانگیر ہمیں پہچان ہی نہ سکے“ میں نے کہا۔ ”گھر چھوڑنے سے پہلے میں اسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔ وہ اس

”چھکارا تو بعد میں ہوگا۔ پہلے اسے فتح کرنا ہوگا۔ یہاں فائر کے دھماکے کے بجائے ہمیں بیم گن کے ملک گھر خاموش شعلے کا دلہا ہوگا۔“ سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا۔

غزالہ کا مشورہ صائب تھا۔ میں نے رفتار کم کر کے گاڑی میدان کی طرف گھمائی۔

”اسے ختم کرنے کی فکر میں مت پڑو۔“ دیرانے پُر سکون لہجے میں کہا ”اس کی گردن میرے پیروں میں تھی۔ میں اسے ختم کر چکی ہوں۔ اب صرف اسے باہر دھکیلنا باقی رہ گیا ہے۔“

”بعض اوقات تم متحیر کر دینے والی خاموشی سے اپنا کام کر مڑتی ہو۔“ غزالہ کی آواز خشک آہستہ ہو گئی ”مجھے برا برس موجود ہونے کے باوجود پتا نہیں چل سکا کہ تم اس کا ٹینو ادا کئے بیٹھی ہو۔“

”تمہارا دماغ جہانگیر کے گھر کی آگ میں الجھا ہوا تھا اس لئے تم کو کچھ پتا نہیں چل سکا۔ وہ ٹوٹی نے مرنے سے لمحہ بھر پہلے بہت زبردست جھرجھی لی تھی۔“ دیرانے انکشاف کیا۔

”اس کا کچھ کر بیٹھی ہوئی ہوں۔“ غزالہ نے کہا ”مجھے پتا نہیں چل سکا کہ اس نے کب دم توڑا ہے۔“

”خون کی فکر نہ کرو۔ اس کے جسم کے خون آلود حصوں پر دو موٹی موٹی چادریں لپی ہوئی ہیں۔“ سلطان شاہ نے کہا ”اسے ان چادروں سمیت پھینکا ہے۔“

”چند ٹائیوں کے لئے خاموشی رہی پھر میں نے کہا ”درا ایک مریج پھر اطمینان کر لو کہ ٹوٹی مر چکا ہے۔ ہمارے خلاف یہ سب سے خطرناک گواہ ثابت ہو سکتا ہے۔“

”بعض بالکل خاموش ہے۔“ چند ٹائیوں کے توقف کے بعد دیرانے کہا ”یہ دوبارہ زندہ ہو جائے تو اور بات ہے۔ کہیں بھی گاڑی روک لو، ہم اسے نیچے دھکیل دیں گے۔“

میدان کے تقریباً وسط میں ”میں نے گاڑی روک کر اس کی روشنیاں گل کر دیں اور پھرتی سے نیچے اتر آیا۔ میرے اترنے سے پہلے پچھلی طرف کے دونوں دروازے کھل چکے تھے اندر سے غور توں نے سارا دیا، باہر سے میں نے ٹوٹی کی بگلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے باہر گھسیٹ لیا۔ وہ چادروں سمیت باہر آگیا۔“

اس بوجھ سے نجات حاصل کر کے ہم فوراً کار میں سوار ہو گئے اور میں نے بریک پڈل کو چھیڑے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی، خاصی دور نکل آنے کے بعد میں نے ہیڈ لمپس آن کر دیے۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ بظاہر ہم نے ٹوٹی کی لاش کے ساتھ جہانگیر کے گھر کی ایسی زیر استعمال چادریں چھوڑ دی تھیں جن پر دھولی یا لائٹری کے نشانات موجود رہے ہوں گے جو چادروں کے مالک کی نشان دہی

کا ذریعہ بن سکتے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ کچے میدان میں ایک کرسے سے دوسرے کرسے تک ایک ایک ٹانگوں کے واضح نشانات باقی رہ گئے تھے جن پر محنت کر کے لاش بھیکنے والی گاڑی کا سراغ

جہاد کا ادراک باقی تھا۔ سلمان رشدی یا کسی اور کی دریدہ دہلی پاکستانی مسلمانوں کے ساتھ جکڑے ہوئے مغرب زدہ لڑکے بھی مقتول ہو کر سڑکوں پر نکل آتے تھے اور مرنے مارنے پر تل جاتے تھے۔ کشمیر جیسی کشمیں اور پر خار وادی میں بے شمار پاکستانی نوجوان جہاد کے جذبے سے سرشار ہو کر اس دارالحرب کو دارالامن بنانے میں مصروف تھے۔ ان کے ذہنوں کو غبار اور ہاتھ کودینے کے لئے ہیروئن کا فروغ ناگزیر سمجھا گیا تھا۔ نشوونما شاعت کے حالات در مغربی میڈیا کی شب و روز یلغار اور پروپیگنڈے کو مؤثر بنانے اور مغرب کے منتخب معاشروں کو محفوظ رکھنے کے لئے پاکستان ہی میں ہیروئن کی ایک ایسی سدا بہار منڈی اور مانگ پیدا کر دی گئی تھی جو دن رات تیزی کی راہ پر گامزن تھی۔ ملک میں بد امنی اور شرش کی فضا پیدا کرنے کے لئے ہیروئن کی اندھ اور کالی کمائی سے جدید ترین ہتھیار خرید کر تقریباً مفت میں ریاست کے باغیوں، چوروں، لٹیروں اور ڈاکوؤں میں بانٹے جا رہے تھے۔ اس کی واضح ترین مثال الحدید نامی چھوٹے بحری جہاز کی گرفتاری تھی جو سیکڑوں غیر قانونی اسلحہ اور گولہ بارود لے کر کراچی کے ایک ویران ساحل سے آگیا تھا۔ ایران سے بلوچ کراس ذیل نامی سمجھوتے کے تحت غنیمت طور پر آنے والے ایٹمی سازو سامان اور حساس ترین آلات کی تباہی کے لئے ہیروئن کی سب سے بڑی اجادہ دار حقیقت گئی کو میدان عمل میں لایا گیا تھا۔ پاکستان کی ایٹمی تخصیصات کے خلاف کی جانے والی سازشوں میں شی سے لے کر کولمبیا کے ہیروئن اور کوئین فروش تک شریک رہے تھے اور اب ایلین میدان میں تھا۔

ایلین بنیادی طور پر ہیروئن کا اسمگلر تھا۔ وہ معصوم اور ناخداہ افغانوں کو حیلے بہانے سے لوٹ کراچی جیٹیں بھرنے میں ماہر تھا اور ڈیوڈ اشارز والے راس الیڈا کو روئے زمین پر اس سے زیادہ کارآمد کوئی آدمی نہیں مل سکا تھا۔ ایلین نے اپنی راہ بنانے کے لئے جس کا تعاون حاصل کیا وہ خود ہیروئن کے کاروبار میں گردن تک ڈوبا ہوا تھا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی کہ بد روکی آمدنی کا انحصار اس ہیروئن کی اسمگلنگ پر تھا جو شنگار وایلی میں کاشت کی جانے والی انیم سے کشید کی جاتی تھی۔

میری کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ میری اصل جنگ صرف ہیروئن کے خلاف تھی۔ ہر وہ شخص جو کسی بھی سطح پر ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا، میرا حریف تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میں ابتدا ہی سے اپنے بڑے اور نام در حریفوں سے محاذ آرائی میں اس بٹی طرح الجھا تھا کہ اپنے چھوٹے موٹے دشمنوں پر توجہ ہی نہیں دے سکا تھا۔ اس وقت بھی صرف ایلین ہی میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔

میں نے جون ہی کار کا سرخ برنس روڈ کے چوراہے سے بائیں طرف موڑا، سلطان شاہ نے مجھے ٹوک دیا، ”تم دو ساری پانچ روکر روڈ کا سرخ کر رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم کراچی کی سڑکوں پر بے مقصد پزول پھونکتے پھر رہے ہو۔ تمہارے ذہن میں کوئی پروگرام

وقت اپنی ہی پینک میں پڑا ہوا ہوگا۔ اس نے نشے کی جھونک میں ہمیں، ہمارے اصل ناموں سے پکارنا شروع کر دیا تو اپتال والے ہی ہماری گرفتاری کے ہماری انجام کے حق دار بن جائیں گے ایسی احمقانہ تجویز تم اپنے پاس ہی رکھو۔“

”میں جاکیر کے پاس نہیں، اس کے اپتال چلنے کی بات کر رہی تھی“ ویرالے ایک ایک لفظ پر زور دے کر وضاحت کی۔ ”خدا کے لئے اب یہ نہ پوچھ بیٹھنا کہ دونوں باتوں میں کیا فرق ہے۔ اس کے لب و لہجہ پر میں مسکرا کر رہ گیا۔ اس وقت ہم چاروں بدترین اعصابی دباؤ کا شکار ہو رہے تھے اور اپنی اپنی خوش ذہنی بھول کر افغان روٹیوں پر اتر آئے تھے۔ میں نے ماحول بدلنے کے لئے قدرے خوش دلی سے کہا ”تم منطقی طور پر پیدا ہوئے والا سوال سمجھ ہی گئی ہو تو اب پوچھتے بنو اس کا جواب بھی بتا دو۔ میرے لئے تو دونوں باتیں یکساں ہیں۔“

”اس اپتال کے مالکان نرم اور حریص معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا انتظامی عملہ بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اگر ہم میں سے دو افراد مریض اور دو ان کے تمام دار بن جائیں تو ہم بہت اطمینان سے اس اپتال میں دو الگ الگ کمروں میں شب بسر کر سکتے ہیں۔ اپتال والے جب جاکیر جیسے بٹے کئے کو داخل کر سکتے ہیں تو ہمیں بھی خوشی سے قبول کر لیں گے۔“

ویرا کو وہ تجویز بے سرو پا نہیں تھی۔ اس میں خاصی جان تھی لیکن میرا ذہن اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے پر راضی نہیں ہو سکا۔ میں اپنے جمع کئے ہوئے سارے انڈے ایک ہی ٹوکری میں رکھنے کا قائل نہیں تھا۔ ہم پانچوں کا سارے سارے سمیت ایک ہی پھت کے نیچے جمع ہو جانا مناسب نہیں تھا۔ اس مرتبہ خطرات بہت زیادہ اور بہت شدید تھے۔ ذرا بھی کیل گزرتا تو ہم سب بیٹھ کے لئے برباد ہو کر رہ جاتے۔ صرف ایک رات کے آرام کے لئے میں اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

دنیا بھر میں دن رات بھانت بھانت کے ہزاروں نشے استعمال ہو رہے تھے۔ نرم اثرات والی مسکن دواؤں سے لے کر ہیروئن اور کوئین تک، ان نشوں کی فہرست بہت لمبی تھی لیکن پاکستان میں جو بھی زیر زمین سازشیں پروان چڑھ رہی تھیں، ان کی پشت پر کسی نہ کسی ہیروئن فروش کا داغ یا سرمایہ کام کر رہا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہیروئن کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت روسیوں سے محتارب افغانوں میں متعارف کر دیا گیا اور پھر افغان سرزمین پر جنگ کے شعلے ماند پڑنے سے پہلے ہی ہیروئن کا سرخ پاکستان کی طرف موڑ دیا گیا جہاں اپنے عسکری اور توسیعی عزائم کی تکمیل کے لئے ایک عالمی قوت خوف ناک تبدیلی لاکر اپنے پاؤں جھانا چاہتی تھی۔

انہیں پاکستان کی نئی نسل سے خوف تھا۔ وہ مغربی لباس پہن کر مغربی موسیقی پر سر دھننے لگی تھی لیکن اپنے بنیادی عقائد اور نظریات سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہیں تھی۔ ان میں ایمان اور

اس اثنا میں دوسرے گارڈ نے بھی فائرنگ شروع کر دی لیکن وہ سیاہ کتے کو نظر انداز کر کے ان چار باج افراد کو دیکھ کر اپنی توجہ مرکوز کر کے رہا جن کی جھلک اس نے چٹان کی کھلی ہوئی گھڑکی میں دیکھی تھی۔ کتے نے فضا میں چند گہرے گہرے سانس لینے کے بعد ان سے کوئی تعرض کے بغیر آدھے کی راہ اختیار کر لی۔ اسی دوران میں چکبر اکا بہت تیزی سے دوڑتا ہوا اندر ٹھس آیا۔ اس پر کئی فائر کئے گئے مگر وہ اتنا برق رفتار اور پھرتیلا تھا کہ کسی بھی گولی کی زد میں آئے بغیر برآمدے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس ہنگامے اور افراتفری میں ڈرائنگ روم سے میری بے ساختہ آوازیں سن لی گئی تھیں۔ مجھے گزند پہنچنے کے احتمال سے انہوں نے ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے چکبر سے کتے پر مزید کوئی فائر نہیں کیا اور مجھے بیک وقت دو کتوں سے نمٹنا پڑ گیا۔

”مجھے حیرت ہے کہ تم ان ڈرائنگ روم سے بھی زیادہ خوں خوار ثابت ہوئے۔“ ویرا نے آخر میں کہا ”اور کوئی کاری زخم کھائے بغیر ان کا قصہ تمام کر دیا۔ یہ کمال کیسے ہوا؟“

”ستارے اور چٹون“ میں نے ہنس کر کہا ”ستارے یاوری کر رہے تھے اور چٹون نے میری پٹنلی کو کتے کے خونی جھڑوں میں جانے سے بچالیا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ دونوں کتے تقریباً پاگل ہو گئے تھے اور میرے اوسان خطا ہو گئے تھے مجھے امید نہیں تھی کہ اتنی آسانی سے میری گھوڑا صی ہو سکے گی۔“

”اسی لئے کہتے ہیں کہ آدمی کتے پن پر اتر آئے تو اصل کتوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔“ ویرا نے میرے جواب پر برجستگی سے گہرا لگائی اور ہنس پڑے۔

ہم مختلف سڑکوں سے گزر کر چہ راہے سے شارع فیصل پر مڑے تو ٹریفک خاصا کم تھا۔ ایک زمانہ تھا کہ اس شہر میں رات گئے بھی بدوقت اور پھل دکانی دہتی تھی لیکن جب سے امن و امان کی حالت گہنی شروع ہوئی تھی، لوگوں نے سرشام ہی کسی کانزیر ضرورت کے بغیر گھروں سے باہر نکلنے کا سلسلہ موقوف کر دیا تھا۔ جان و مال کے تحفظ کے لئے ہر شخص نے تفریحی مقامات کا سارا لینے کے بجائے گھر کو اپنی ساری دلچسپیوں کا محور بنانے میں عافیت جانی تھی۔

زسری کے علاقے میں بیکریوں اور میڈیکل اسٹورز کے علاوہ آئس کریم اور فاسٹ فوڈ کی دکانیں بھی کھلی ہوئی تھیں جن کی وجہ سے وہاں بدوقت اور چل پھل دکانی دے رہی تھی۔ میں نے گاڑی میں روڈ سے سروس روڈ پر موڑ لی۔ دکانوں اور گاڑیوں کے قریب سے گزرتے ہوئے ہم ہر جگہ کا بہتر اور قریبی جائزہ لے سکتے تھے۔ میری دانست میں وہ ایک مجربان اتفاق ہی ہوتا اگر ہمیں ایلین یا پیڑ وہاں نظر آجاتا۔ اس علاقے میں ہمارا اپنے حریفوں کی نظروں میں آنا بھی اسی زمرے میں آتا تھا لیکن اس وقت ہماری پوزیشن کمزور تھی اس لئے میں کوئی بھی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ویرا محض تھی کہ ہمیں کسی دکان پر رک کر آئس کریم کھانی

نہیں ہے۔“ ہم ٹھیک کہہ رہے ہو“ میں نے اعتراف کیا ”تمہارے ذہن میں کوئی بات آتی ہو تو وہ بتاؤ۔ شاید ہم شہر میں اس طرح بھٹکتے سے بچ جائیں۔“

”میں پھر حیدر آباد جانے کی تجویز دہراؤں گا۔“ اس کے رپکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ پھنس کر رہ گئی تھی ”میں چوکیوں پر مشین عملے کی نسیات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم ان سے بلاوجہ خوف زدہ ہو۔ وہ نئی اور قیمتی گاڑیوں کو عام طور پر نہیں روکتے۔ غلطی سے روک بھی لیں تو صرف مسافروں کے چہرے دیکھ کر آگے بڑھنے کا اشارہ کر دیتے ہیں۔ ہمارے لئے وہ بے ضرر ثابت ہوں گے۔“

”دن کا وقت ہوتا تو میں تمہاری بات مان لیتا“ میں نے زری سے اسے سمجھایا ”رات کے وقت ان لوگوں کا کام کرنے کا طریقہ بالکل مختلف ہوتا ہے۔ گاڑی میں کوئی تیس مار خان بھی ہو تو وہ ویرا نے میں ان کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ جب تک وہ اپنے وسائل کو استعمال کرنے کے قابل ہو، یہ لوگ اس کی مٹی پلید کر ڈالتے ہیں۔ اول خان کی معزولی کے بعد ہم تو بالکل بے وسیلہ رہ گئے ہیں۔“

”پھر شارع فیصل کی طرف چلو“ اس نے میری دلیل تسلیم کر کے فوراً ہی متبادل مشورہ پیش کر دیا ”موتی لال تانچکا ہے کہ ایلین وہیں کہیں رہ رہا ہے۔ اس نے فون نمبر بھی اسی علاقے کے ایک گروام کا دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ زسری کے علاقے میں ہم اسے دیکھ لینے میں کامیاب ہو جائیں۔ جتنا کیر کے مکان کو راکھ کر دینے کے بعد وہ اپنے گہری لوٹے گا۔“

”موتی دی پٹیل یہ بہترین مشورہ ہو سکتا تھا“ اس کے خاموش ہوتے ہی غزالہ بول پڑی ”میرا خیال ہے کہ ہم سڑکوں پر بہت وقت گواچکے ہیں۔ اب تک تو وہ اپنے بستر پر دراز ہو کر نیند کی آغوش میں پہنچ چکا ہو گا۔ ہم وہاں بھی اپنا وقت برباد کریں گے۔“

”موتی دی سسی“ ایک مقصد تو سامنے ہو گا۔ ہم اسی طرف چلے ہیں۔“ میں نے اس کی بات مان لی۔

چند گہرے روڈ پر پائیں طرف گھومتے ہوئے میں نے ان تینوں سے کہا ”میں نے اب تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ اچانک ہی یہ کھیل کیسے شروع ہو گیا اور دونوں کتے تمہاری گولیوں سے بچ کر گھر میں کیسے گھس گئے؟“

جواب میں ویرا نے جو کچھ بتایا وہ میرے اندازے کے مطابق تھا۔ دیکھ کے جواب میں ذیلی گھڑکی کھلتی ہی ایک کتا گاڑو گرا کر اندر کود آیا تھا۔ گاڑو نے کرتے ہی بدخواہی میں فائر کر دیا اور کتا لائے والوں نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی۔ اس وقت وہ تینوں غیر مسلح تھے۔ جتنی دیر میں وہ تھیلوں سے ہتھیار نکال کر لوڈ کرتے، کتا ان کے سروں پر پہنچ گیا۔ اس کے تیروں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان میں سے کسی پر بھی جھپٹ پڑے گا۔



میں نے اندرونی گھٹیاں سے گاڑی دوبارہ بازار کی طرف موڑا اور یہی سی سڑک کے آخری سرے پر ان دونوں کو اتار دیا۔ وہ ہٹلے ہوئے بجلی سی سڑک پر آگے بڑھ گئے۔ میں نے گاڑی دوسری متوازی سڑک پر ڈال دی۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ ہم نیا مارگرے قریب والی پارکنگ کی جگہ پر ان کا انتظار کریں گے۔ گاڑی چلنے کے بعد واپس آتی نشست سے آگے آگئی۔

خیلام گھر کے سامنے والی جگہ پر گاڑیوں کا زیادہ رش نہیں ہو  
مگر پھر بھی وہاں روشنی سے بچ کر نیم تاریکی میں متعدد گاڑیاں کھڑی  
ہوئی تھیں۔ بیشتر گاڑیوں کی انجلی شیشیں آباد حیس جن پر خوش حال  
گھرانوں کے رومان میں کھوئے ہوئے جوڑے براجمان تھے کہ  
گاڑیوں میں وہ کہ سگریٹوں کے روشن سرے چمک رہے تھے  
سگریٹ نوشوں کی اضطراری کیفیت کے غماز تھے۔

"یہ جگہ تو اچھی خاصی رومان گاہ بنی ہوئی ہے" ویرانے اور پوچھپاچھ سے محفوظ ہوتے ہوئے کہا "ویسے ہم دونوں کو کبھی خاصے وقت کے بعد ایسی تفریح میسر آئی ہے۔ یہ سب ہمارے ہی بہ معر معلوم ہو رہے ہیں..... نوجوان اور مجروح!"

”میں شرط لگا سکتا ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی لڑکا متوسط طبقہ کا فرد نہیں ہوگا۔“ میں نے اپکارڈ بھی ایک نیم تاریک گوشے میں لٹکاتے ہوئے کہا ”یہ سب والدین کی بے تحاشا دولت پر پلے والے میسر و زوے ہیں جنہیں رومان لڑانے کے سوا دنیا میں کوئی اور کام نہیں ہے ان سے اپنا موازنہ مت کرو۔ مہر میں شاید تم ان لڑکیوں کے برابر ہو مگر تجربے میں ان سے بہت آگے ہو۔“

”میں بھی اپنے باپ کی دولت پر چلی ہوئی امیرزادی ہوں۔“ وہ فخر سے لہجے میں بولی ”اور مجھے بھی تم سے رومان لڑانا اچھا لگتا ہے یہ اور بات ہے کہ اب تم خوالہ سے ڈرنے لگے ہو۔“

”میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ بس وقت گزرنے کے ساتھ بہت سی باتیں سمجھ میں آنے لگی ہیں۔ جب تک سمجھ نہیں تھی تو میں بھی بے فکر اور مزاحیہ رہتا پسند کرتا تھا۔“

دیرائے میرا ہاتھ نرمی سے تمام لایا اور دھیمی آواز میں بول  
 ”اگر تم غزالہ سے نہیں ڈرتے تو پھر اس کے سامنے مجھ سے  
 کھڑے کھڑے کیوں رہتے ہو؟“

”یہ تمہارا احساس ہے ورنہ میرا رویہ ہمیشہ یکساں رہتا ہے۔“  
میں نے کہا۔

”اس کے سامنے میں ایسی بے تکلفی سے تمہارا ہاتھ تھام سکتی تھی؟“

”ہاتھ میرا ہے۔ میں اس کے سامنے بھی حمیس اے تھانے سے نہیں روکوں گا۔ تکلف اور بے تکلفی کی بات اپنے دل سے

چاہئے لیکن کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔  
 ہم نے زسری کے قرب و جوار کی متعدد گھٹیوں کے کئی چکر لگائے مگر کہیں بھی کوئی مطلوبہ سراغ نہیں مل سکا۔ ادھر آتے کا یہ قاعدہ ضرور ہوا کہ زسری کے مین بازار کے عقبی راستے سے گزر کر سلطان شاہ نے ہمیں وہ گودام دکھا دیا جہاں کے پتے پر ایلن کے دیے ہوئے نمبر والا فون نصب تھا۔ اس گودام کی حالت ہی بتا رہی تھی کہ وہ اکثر بند رہتا ہوگا۔ اس گودام کے ارد گرد بھی تجارتی علاقہ تھا۔ یہ امکان بھی نظر نہیں آتا تھا کہ اس گودام کے فون کے آموں کو کسی مکان سے بھی جوڑ دیا گیا ہو۔

”یہاں اتر کر چھان بین کی جائے تو این کا کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا ہے۔“ غزالہ نے گودام دیکھ لینے کے بعد پُر خیال انداز میں کہا ”اس فون نمبر سے ہمیں کوئی جواب نہیں مل سکا لیکن اس فون سے این کا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔ اس نمبر گھنٹیاں بجتے کے بعد ہی اس نے جہانگیر کے گھر اپنی پوری توجہ مرکوز کی تھی۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے کہ سلطان شاہ نے اس کام میں محنت نہیں کی“ دیرا اس کی بات کاٹ کے بولی ”ہو سکتا ہے کہ ایلن اسی گودام کے برابر میں کوئی چھوٹا سا دفتر لئے بیٹھا ہو اور گودام میں بجنے والے فون کی آواز سن لیتا ہو۔ اگر وہ گودام بند رہتا ہے تو وہاں فون بھی نہیں آتے ہوں گے۔ ایلن کے تحریری پیغام کے بعد اگر وہاں کئی بار لمبے عرصے کے لئے گھنٹیاں بجتی رہی ہوں تو اس جیسا چالاک آدمی بہت سرعت سے صحیح نتائج اخذ کر سکتا ہے۔“

الین سے دور بھاگنے کے بجائے اس کے پیچھے لگنے کا تصور بہت حوصلہ مندانہ تھا۔ ویرانے اس وقت سلطان شاہ کی ٹانگ کھینچنے کے لئے وہ رائے زنی کی تھی لیکن وہ نظریہ دل کو لگنے والا تھا..... ہم سب لوگ نارمن کو ٹھکانے لگانے کے معاملے میں اس بری طرح محو رہے کہ ہم نے الین کی کہیں گاہ کے بارے میں زیادہ غور کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ سلطان شاہ نے اپنی بھاگ دوڑ کے جو نتائج پیش کئے، انہیں دواوی میں سنا اور اس معاملے کو لا-یغل تصور کر کے ذہن کے سروخانے میں ڈال دیا۔ اس وقت سلطان شاہ نے ہمیں زمری کی راہ بھائی خزانہ نے مزید چھان بین پر رائے زنی کی اور ویرانے طنزیہ پرانے میں ایک امکان پیش کیا۔ مجھے وہ سب باتیں مثبت نظر آ رہی تھیں۔ اس علاقے میں مزید رک کے کچھ نہ کچھ پیش رفت کی جاسکتی تھی لیکن کسی کے بارے میں بوجھ مجھ کے لئے وہ وقت خاصا نامناسب تھا۔

مجھے اپنے مشورے کا حامی پا کر غزالہ کا حوصلہ بڑھ گیا اور وہ یوں ”یہ علاقہ اس وقت بھی باروت ہے۔ یہاں کافی مرد اور عورتیں موجود ہیں۔ آپ تھوڑی دیر کے لئے مجھے اور سلطان شاہ کو کہیں اتار دیں۔ ہم لوگ کسی کوئلہ اسپاٹ یا پان والے سے کچھ نہ کچھ کرینے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے ورنہ کل تو یہاں کام کرتا ہی ہے۔“

تھوڑی سی بحث کے بعد مجھے اس کی بات مان لینی پڑی۔ ویرا

گیا۔

”یہاں کسی کو ہماری طرف دیکھنے کی فرصت نہیں ہے۔“ میں نے پوچھا کہ کیا ”آرام سے اپنی جگہ پر بیٹھی رہو۔ رومان لڑانے کے لئے دو جسموں کا درمیانی فاصلہ صفر ہونا ضروری نہیں ہوتا۔“

”بیٹھے رہو!“ وہ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر تیزی سے بولی ”زن گزیدہ شوہروں کی طرح بھوکے تو میں کار سے نیچے اتر کر کھڑی ہو جاؤں گی۔ یہ مت بھولو کہ غزالہ کا مرض شدید ہونے سے پہلے تم بھی دیوانہ وار میری توجہ اور جسم کے طالب رہا کرتے تھے۔۔۔“

”چپ نہیں تم غزالہ کے کس مرض کی بات کر رہی ہو۔“ میں نے چڑ کر کہا ”وہ پوری طرح صحت مند ہے۔ اسے کسی قسم کا کوئی مرض نہیں ہے۔“

”اسے کوئی مرض نہیں ہے لیکن وہ تمہارے لئے ایک روگ بن گئی ہے۔ اس سے شادی ہو جانے کے بعد تم بالکل بدل کر رہ گئے ہو۔ تمہاری طرافت اور تجالیات کی حسوں کو ناقابلِ حلانی نقصان پہنچا ہے۔“

”بات صرف اتنی سی ہے کہ اب تم اس سے جلنے لگی ہو اسی لئے تمہیں ہر چیز بدلی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ تمہیں ان دونوں نے اس طرح میرے اوپر سوار دیکھ لیا تو کیا سوچیں گے؟“

”سوچئے۔ دو۔ میں دو سروں کی سوچوں کے لئے اپنی آزادی سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔“

”آزادی!“ میں نے سختی سے کہا ”امریکینوں کو برا کہنے کے باوجود تم ان کا سکھایا پڑھایا ہوا سبق فراموش نہیں کر سکتی ہو۔ ان کی آزادی لہری کے قدموں سے شروع ہو کر مشعل کے سرے پر ختم ہو جاتی ہے لیکن تم مشعل کے شعلے سے بھی اوپر اُفٹھائیں اُڑ جانا چاہتی ہو۔ ایسی آزادی جو دو سروں کی آزادیوں میں خلل انداز ہونے لگے، بد معاشی کہلاتی ہے اور ایسے آزاد منش لوگ بد معاش کہلاتے ہیں۔“

”تم مجھے بد معاش کہہ رہے ہو؟“ وہ آنکھیں نکال کر دھیمی آواز میں غرائی۔

”وہ دو سروں کی بات ہے۔“ میں بے بسی سے ہنس پڑا ”تم جیسی خوب ٹوڑکی کو کون بد معاش کہہ سکتا ہے؟ تم نے قدم قدم پر شاعری کا مطالعہ کیا ہو تا تو تمہیں پتا چلتا کہ ہماری طرف زندگی کا سارا کاروبار ہی۔۔۔ رخوں اور حسیں کے دم قدم سے چلتا ہے۔“

”تم بہت چرب زبان اور چالاک ہو۔ ہل بھر میں اپنی بات سے پھر جاتے ہو۔“ وہ اپنی جارحیت کی کامیابی پر خوش ہوتے ہوئے بولی ”پتا نہیں اپنے محمود فریب سے تم نے کتنی لڑکیوں کو تباہ کیا ہو گا۔“

”میں زندگی بھر اسی عیب سے بچتا رہا۔“ میں نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا لگا کر کہا ”بہی لڑکیوں کے پیچھے نہیں بھاگا۔۔۔“

”جو آگئی اسی پر گزرا کر لیا۔ یہی بات ہے؟“ اس نے میری بات کا ٹکڑا کر کھڑا کیا۔

پوچھو کہ اس کا تعلق تمہارے دعوئے سے ہے۔“

”میں جانتی ہوں کہ اس کے سامنے بے تکلفی کا مظاہرہ کر کے مجھے سخت کا سامنا کرنا ہو گا۔ تم میرے ساتھ سردی سے پیش آؤ گے اور میرا من ٹوٹ جائے گا۔“

”اسے ڈر نہیں، لحاظ یا موت کہتے ہیں۔“ میں نے سر جھکا کر اپنے چہرے کو روشنی سے بچاتے ہوئے سرگٹ سلگ کر کہا ”میاں بوی کا رشتہ ایک آفاقی حقیقت ہے لیکن بازار اور خواب گاہ میں ان کا باہمی رویہ یکساں نہیں ہوتا۔ یہ کیوں ہوتا ہے؟ میری دانست میں اسے معاشرے کا لحاظ کہتے ہیں۔ یہ چیزیں ختم ہو جائیں تو انسان اپنے مقام سے نیچے آ جاتا ہے۔“

”مغرب میں مساوات اور آزادی کے نام پر ان ہی چیزوں کو معیوب بنایا جا رہا ہے“ وہ اثبات میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولی ”اپنا مقام کھودینے کے بعد ان میں احساسِ زیاں جاگا ہے لیکن برائی کو ختم کرنا کبھی بھی اتنا آسان ثابت نہیں ہوا جتنا اسے پھیلاتا۔ قانون بھی ابتدا میں ایسی برائیوں کو کچلنے میں بری طرح ناکام رہتا ہے۔“

”قانون کا وجود ہی کسی برائی کے اعتراف کا پہلا کھلا اظہار ہوتا ہے اور جلد یا دیر سے اپنا اختیار منوالیتا ہے۔ سیرام قانون کا مذاق اڑانے والوں کو ہمیشہ ندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔“

”تم کراچی میں بیٹھ کر یہ دعویٰ کر سکتے ہو، نیوارک میں نہیں“ وہاں معایت کی قانونی تعریف کا مضحکہ اڑانے کے لئے چار نو جوان لڑکیاں اپنے جسموں پر صرف دو دھجیاں لپیٹ کر کتھنوں تک بازار میں پھرتی رہیں اور قانون کے محافظ انہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکے۔ ان کی دلیل تھی کہ وہ دھجیوں کی صورت میں ان کے جسموں پر معقول لباس موجود ہے اس لئے ان پر کسی قانون کی خلاف ورزی کا الزام عائد نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا تماشہ دیکھنے اور حوصلہ افزائی کرنے کے لئے ایک جرمِ غیران کے ساتھ ہو لیا تھا۔ اس میں ان لڑکیوں کو کیا عزامت ہوئی؟ اخبارات میں تصاویر شائع ہوتے ہی ان چاروں پر ماؤنٹ کی دنیا کے دو اڑے مکمل گئے جو ان کے لئے ایک غیر متوقع انعام تھا۔“

”نیوارک!“ میں نے ایک گمراہ سانس لے کر کہا ”تم خود امریکینوں کو ایک عجیب نسل قرار دیتی رہی ہو۔ ان پر عام معاشرتی ضابطوں کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ عالمی اختیار اور اقتدار کے نشے میں ڈوبی ہوئی قوموں کی تباہی کا عمل اخلاقی اقتدار سے شروع ہو کر پھیلا چلا جاتا ہے۔“

”نیوارک اور امریکینوں پر لعنت بھیجو!“ وہ چونک کر بولی ”ہم کن خشک معاملات میں الجھ گئے۔ دوسرے جوڑوں کو دیکھو وہ دنیا دہائیا کو بھول کر صرف ایک دوسرے میں کھوئے ہوئے ہیں۔ اس باخول میں ہمیں بھی ان کی تقلید کرنی چاہئے ورنہ بلا وجہ دو سروں کی نظروں میں آئیں گے۔“ یہ کہہ کر وہ محمور انداز میں میری طرف سرک کر اسنے قریب آگئی کہ ہنڈریک کا لیور اس کے نیچے چھپ

”ہاں یہ تو بتاؤ کہ تمہاری شادی کیسے ہوگئی۔ سنا ہے کہ تم لوگوں کے بیسیوں فرستے ہیں اور ہر فرقہ اپنے اپنے طریقے سے شادی کرتا ہے۔ تمہاری شادی ایک چینی مولوی نے کرائی تھی۔ پتا نہیں کہ کس فرقے سے تھا۔ کیا تم اپنی شادی کے اس طریقے سے مطمئن ہو؟ یا پھر اسے اپنی گرل فرینڈ سمجھ کر گزرا کر رہے ہو؟“

”تم نے مسلمانوں کے بارے میں چھانٹ چھانٹ کر منفی باتیں جمع کی ہوئی ہیں“ میں نے بھنا کر کہا ”یہ حقیقت سے زیادہ ریڈیو میڈیا ہے۔ آج کل ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک کے لوگوں کے ساتھ نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔ شادی کی رسوم مختلف ہو سکتی ہیں لیکن بنیادی نکات یکساں ہیں۔ چینی کیا قطب شاہی کا مسلمان بھی کسی جوڑے کی شادی کرا سکتا ہے۔ ہمارے یہاں ابھی گرل فرینڈ کا دواج نہیں ہوا اور نہ ہونے کا امکان ہے۔“

”ہمیں غزالہ اور سلطان شاہ کے انتظار میں وقت گزارنا تھا اس لئے میں دیر کی ہر مقلوب یا بے سرو بات کا جواب دیتا رہا۔ کانٹھ کے انوکھی طرح خاموشی سے بیٹھنے کے بجائے مصروف رہ کر وقت گزارنا ہر اعتبار سے سودمند تھا۔ کم از کم مجھے پہلی بادیہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ دیر میرے مرحوم سسرالیوں کے بارے میں میرے جتنی معلومات رکھتی تھی اور اسے میرے اور غزالہ کے نکاح کے استحکام کا علم ہو گیا تھا۔“

آخر کار کچھ دیر بعد وہ دونوں بائیں جانب کی روشن گلی سے نمودار ہوئے اور ان کی متلاشی نظروں نے فوراً ہی گاڑی دیکھ لی۔ مجھے ان کے بارے میں تجسس تھا اس لئے میں پہلے ہی سے ان کی تلاش میں اپنی نظریں ادھر ادھر دوڑا رہا تھا۔ ان کے چروں سے کسی جوش و خروش کا اظہار ہو رہا تھا نہ ان کی چال میں کوئی غیر معمولی تیزی تھی جس سے اندازہ ہو تاکہ وہ کوئی کامیابی حاصل کر کے آئے ہیں۔ وہ عام انداز میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے ایکارڈ کی طرف بڑھتے چلے آئے۔

وہ دونوں بچھلی سیٹ پر بیٹھنے میں نے انہیں اشارت کر کے گاڑی پارکنگ سے نکالی اور اس کا رخ شارع فیصل کی طرف جانے والے راستے کی طرف موڑ دیا۔

”واپس چلیں یا مزید چند گلیاں چھاننے کا ارادہ ہے؟“ دیرا نے گاڑی حرکت میں آتے ہی پیچھے مڑ کر نظریہ لیجے میں پوچھا۔ ”تمہیں شوق ہے تو پیدل گلیاں چھاننی رہو۔ ہم لوگ واپس جائیں گے۔“ سلطان شاہ نے کہا۔

”واپس کہاں جاؤ گے؟ ہمارا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں ہے۔“ ”اس علاقے سے باہر آواہ گردی کرتے رہیں گے یہاں اب کوئی کام باقی نہیں رہا۔“

”میرا اندازہ ہے کہ تم دونوں کوئی کامیابی حاصل کر کے آئے ہو۔“ میں نے ان دونوں کی گفتگو سننے کے بعد معنی خیر لیجے میں کہا۔ ”میں تمہاری رپورٹ سننے کے لئے بے چین ہوں۔“

”دیرا کو انار دو تو پھر بتائیں گے کہ ایلن اسی علاقے میں منیم

”یہ تمہارے ذریعہ ذہن کی سوچ ہو سکتی ہے۔ میری اتنی پرواز نہیں تھی۔“

”پھر غزالہ جیسی خانہ دار لڑکی تم سے کیسے آکرائی؟ تم اس کے ہم جماعت تو نہیں تھے!“

”وہ اپنے کالج کی کئی لڑکیوں کے ساتھ ایک پروگرام کے لئے چندہ لینے آئی تھی۔“

”اور پھر اس نے واپس جانے سے انکار کر کے تمہاری داسی بننے کا فیصلہ کر لیا؟“

”وہ آئی، مجھے اچھی لگی، میں نے دوبارہ اسے بلایا، اسے بھرپور عزت دی اور پھر ملتا تھا میری بڑھتی چلی گئیں۔ شاید تمہیں علم نہ ہو کہ اس کی گھریلو زندگی کس قدر دردناک اور ادھوری تھی۔“

”سب معلوم ہے“ وہ بے پروائی سے بولی ”تمہارے ستارے اچھے تھے جو بال بال بچ گئے ورنہ میں نے غزالہ کے نیم پاگل بھائی کا مران کے ہاتھوں تمہیں اڈوالے کا بے داغ منصوبہ بنایا تھا۔“

”اور بے جاہ کا مران خود ہی اس دھماکے کی بجھت چڑھ گیا۔“ میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا ”تمہیں یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ کا مران پیدائشی طور پر بہت ذہین تھا۔ نادانی میں اپنی ماں کی کوکین کی زیادہ مقدار کھا لینے کے بعد سے اس کی یادداشت جاتی رہی تھی۔“

”ماں باپ کے بہت سے گناہوں کی سزا ان کی اولاد کو بھرتی پڑتی ہے۔“ وہ بے پروائی سے بولی ”مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ غزالہ کی ماں بازار حسن کی باسی تھی۔ وہاں اس نے اپنی ٹیکسی اداؤں سے نہ جانے کتنوں کے دل ٹھکانے ہوں گے۔ ان ہی میں سے کسی کی بددعا کا مران کی یادداشت لے بیٹھی۔“

”کیا یہ باتیں تمہیں غزالہ سے معلوم ہوئی ہیں؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”اپنی پسلیاں کوئی نہیں منواتا۔ شی والے جب کسی سے کوئی کام لینے ہیں تو پہلے اس کا پورا ماضی کھنگالتے ہیں۔ کا مران کی وجہ سے اس بارے میں خاصی محنت کی گئی تھی۔ غزالہ سے کہہ بھی نہ دیتا کہ مجھے اس کے یا اس کے والدین کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔ میں بلاوجہ اسے شرمندہ نہیں کرنا چاہتی۔“

”لیکن میرے بدن سے چپک کر اسے سلگنا ضرور چاہتی ہو۔“

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری کون سی کل سیدھی ہے۔ کبھی اسے روگ قرار دیتی ہو، کبھی اس سے محبت اور اپنائیت بھاڑنے لگتی ہو۔“

”مجھے زندگی میں اس جیسی ہزاروں نہیں تو ٹیکوں مظلوم لڑکیاں ضرور ملی ہوں گی۔ پیرس کے پینچال کے علاقے میں ہر حسین لڑکی درد مند اور عیاش مردوں کے لئے ایک انوکھی اور دل گداز کھٹا لے پھرتی ہے۔ آج ان میں سے کوئی مجھے یاد بھی نہیں ہے۔ غزالہ کے لئے تو اس وجہ سے سوچنا پڑتا ہے کہ پٹہ کہ تمہاری محبوبہ تھی اور اب یہی ہے۔“ بات کرتے کرتے وہ ایک دم چونک کر ہونٹ

کتوں کے مالک کے بارے میں تحقیقات کرتے پھر رہے تھے۔" ویرا نے اس تفصیل میں فوراً ہی ایک منفی نکتہ نکال کر اعتراض جڑ دیا۔ "وہ پھرتی سے اپنا ٹھکانا بدل دے گا اور ہم از سر نو جنگ مارنا شروع کر دیں گے۔"

"تمہیں جنگ مارنے کا شوق ہوا تو تمہیں اس کام سے نہیں روکا جائے گا۔" سلطان شاہ نے بڑے تحمل اور سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن ہم تمہارا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔ اول تو غزالہ نے اسے پتا معلوم کرنے سے منع کر دیا ہے۔ دوم یہ کہ دو کتوں کے مرنے کے بعد اس جلوس کے نظر آنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ ہم کل ہی ایلین کے خلاف کارروائی کر کر رہے ہیں۔"

"صبح کے اخبارات میں تفصیلی خبریں چھپنے کے بعد سیاہ اور چمکے کتوں کا معاملہ اہمیت اختیار کر جائے گا۔" ویرا ہٹ دھرمی پر تلی ہوئی تھی "اگر وہ کتے اس علاقے میں اسی قدر پچالے جانے لگے تو ان کی وجہ سے ایلین خطرہ محسوس کر سکتا ہے۔"

"اخبارات میں زیادہ سے زیادہ دو کتوں کا ذکر آسکتا ہے۔ تم بھول رہی ہو کہ کتوں کے مرنے کے بعد وہاں زبردست آگ لگادی گئی تھی۔ چلے ہوئے کتوں کا رنگ صرف سیاہ ہو سکتا ہے۔ کیا تم نے کبھی کوئی جلی ہوئی چمکری لاش دیکھی ہے؟"

سلطان شاہ کے سنجیدگی سے پوچھنے لگنے اس سوال پر میں اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ ویرا بھڑک کر کچھ بڑبڑانے لگی۔ اس کے اعتراضات میں کوئی وزن نہیں تھا۔ اس کامیابی پر میں دل ہی دل

میں غزالہ کی ذہانت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ ایلین کو نظر انداز کر کے کتوں کے عمومی ذکر سے اس کا سراغ نکالنے کی راہ واقعی بہت دلچسپ اور عجیب تھی۔ اگلے روز سلطان شاہ کتوں کے حوالے سے کچھ دیر محنت کر کے اس مکان تک پہنچ سکتا تھا جہاں ایلین روپوش تھا۔ اس معاملے میں رات گئے ذرا بھی پیش رفت نہیں ہو سکتی تھی بلکہ ایسی کوئی کوشش انہنوں میں اضافے کا سبب بن سکتی تھی۔

میں نے گاڑی ٹیپو سلطان روڈ کی طرف موڑی تو ویرا چوٹے بغیر نہیں رہ سکی "کھلی سڑک کو چھوڑ کر اب ادھر کیوں جا رہے ہو؟ کیا ہل پارک کا طواف کرنے کا ارادہ ہے؟"

"میں گاڑی چلائے چلائے تھک گیا ہوں۔ کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

"آرام ہی کرنا چاہتے ہو تو میں ڈرائیونگ کر سکتی ہوں مگر یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہوا۔"

"ہاں، تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ ایلین تک پہنچنے کی امید پیدا ہوتے ہی میرے ذہن نے بھی تھوڑا بہت کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ میں اول خان کے گھر جا رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اول خان کے گھر؟" ویرا حیرت سے تقریباً چیخ پڑی "تمہیں یاد نہیں کہ ہمارے تم سے کیا کہا تھا؟ تم نے بتایا تھا کہ اس نے ہم

"میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔" ویرا پلٹ کر بھجان آمیر ازمیں بولی "یہ تو آج کی سب سے بڑی خبر ہے۔ ہمیں ابھی اس ام زادے کی کہیں گاہ پر جوابی حملہ کر دینا چاہئے۔"

"متمنی جلتا ابھی نہیں ہوگی۔" غزالہ بولی "میں صرف راز غلابا ہے۔ ہمیں بھیڑ بھاڑ کے اوقات میں مزید کام کرنا ہوگا۔ اس کے بعد ہی اگلا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا جائے گا۔"

"تم کیا معلوم کر کے آئی ہو؟" میں نے تاخیر پر جھلا کر کہا۔

"چند روز سے اس علاقے میں کسی کے پالے ہوئے جسم اور نت مند کے دیکھے جا رہے ہیں۔ روز صبح سویرے ایک مقامی آدمی نا تین چار کتوں کو دور تک ٹھلانے کے لئے لکھتا ہے۔ وہ مقامی نا کتوں کے ساتھ ہی ایک گورے کے پاس بنانا ملازم ہوا ہے۔ وہ اپنی کہیں ہل پارک وغیرہ کی سمت سے آتا اور اسی طرف لوٹ جاتا ہے۔" میرے ڈانٹنے پر غزالہ مبینی انداز میں بولتی چلی گئی۔

"تم تو اس طرح بتا رہی ہو جیسے تم نے یہ معلومات کسی مجھے سے اشتہار سے حاصل کی ہیں۔" ویرا نے پچھتے ہوئے لہجے میں کہا "ہمیں تو تفصیل سے پوری بات بتاؤ۔"

"تفصیل کچھ بھی نہیں ہے، بس ہماری ترکیب کامیاب رہی۔" غزالہ کے توقف پر سلطان شاہ نے جواب دیا "ہم ایلین کے بارے میں کسی سے پوچھ کچھ کرتے تو معلومات حاصل کرنے کے بجائے دوسروں کی نظروں میں خود مشتبہ ہو جاتے۔" غزالہ کو

یاد ہو چکا کہ ہمیں کسی دکان پر پہنچ کر ان دونوں کتوں کے بارے میں یاد رکھنا چاہئے جو آج جاگیر کے گھر کے بارے میں گئے ہیں۔ ایسے معمولی کتوں کو صرف گھر میں رکھ کر نہیں سدھایا جاسکتا۔ اگر وہ برنگے ہوں گے تو انہیں علاقے کے لوگوں نے ضرور دیکھا ہوگا۔ "پھر کیا ہوا؟" ویرا بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔ اس کے لئے سلطان شاہ کی چند خاموشی کی خاموشی بھی گراں اور ناقابل برداشت بن گئی۔

"ہم نے جنرل اسٹور کے کاونٹر سے آکس کریم طلب کی اور زوالہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر سیاہ اور چمکے کتے کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہاں موجود لوگوں میں سے ایک جوڑے نے غزالہ کی باتوں میں دلچسپی لیتی شروع کر دی۔ وہ کتوں کی نسل کے بارے میں قیاس

آرائی کر رہے تھے۔ کام میں وقفہ آنے پر سلیزمن نے بتایا کہ وہ کئی دن سے سیاہ اور چمکے کتوں کو ادھر آتے دیکھ رہا ہے۔ ان کے ساتھ مزید ایک یا دو کتے ہوتے ہیں جو سب ہی بڑے اور خوف آور ہیں لیکن کبھی غراتے بھی نہیں۔ اس حوالے سے سلیزمن نے وہ

سب بتایا جو غزالہ ابھی سنا چکی ہے۔ غزالہ نے کتوں کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کر کے ان کے مالک کا پتا جانا چاہا تو سلیزمن نے لاعلمی ظاہر کی لیکن اس نے وعدہ کیا ہے کہ صبح کتوں کا رکھوالا نظر آیا تو وہ اس سے پتا ضرور معلوم کر لے گا۔"

"اور وہ جا کر ایلین کو بتا دے گا کہ ایک عورت اور مرد مخصوص

”یہ شرکی پبلک ٹرانسپورٹ کی مرمت کے بڑے مراکز میں سے ایک ہے۔“ دیرا کو متحیر دیکھ کر سلطان شاہ نے وضاحت کی جو میرے لئے بھی دلچسپ تھی، وہ کہہ رہا تھا ”دن بھر یہ گاڑیاں کسی نہ کسی طرح سڑکوں پر رواں رکھی جاتی ہیں۔ رات کو ان کی مرمت اور دیکھ بھال ہوتی ہے۔ مرمت کا کام راتوں رات مکمل نہ ہو تو مالک کو اگلے دن کی آمدنی سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ شہر کے بڑے اور مشہور کیراجروں میں کام کرنے والے نام ورنیکب اور مستری بھی رات کو یہاں جوتی کام کرتے ہیں اور محض انجن یا پرزوں کے چلنے کی آواز سن کر نقص سے لے کر اس کی مرمت پر آنے والے اخراجات تک بتا دیتے ہیں۔“

کچھ آگے جا کر میں نے گاڑی بائیں جانب موڑی۔ اندر متوسط طبقے کی آبادی نظر آ رہی تھی۔

”مکان بہت چھوٹے ہیں۔ شاید یہ نچلے متوسط طبقے کی آبادی ہے۔“ دیرا بولی۔

”میں امریکا کی طرح طبقات میں کوئی طبقاتی امتیاز نہیں ہے۔ متوسط طبقہ صرف متوسط طبقہ ہوتا ہے۔ اس میں نچلے درمیانی اور بالائی متوسط کی تقسیم نہیں ہوتی۔“

”یہ اندازہ مجھے بھی ہے۔ ہماری معاشرتی تقسیم کے اعتبار سے یہاں کے بیشتر امرا اپر میڈل کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ حقیقی اپر کلاس پاکستان بھر میں مشکل سے چند سو خاندانوں پر مشتمل ہوگی۔“ دیرا کا مشاہدہ ہر جگہ گمراہ ثابت ہوتا تھا۔ عام لوگوں کی کچھ میں نہ آنے والی بات وہ بہت آسانی سے کہہ جاتی تھی۔

میرا دل چاہا کہ اسے بتاؤں کہ یہی چند سو خاندان چرے بدل بدل کر ملک کے اقتدار اور سارے وسائل پر قابض ہیں۔ جسے اور جتنا چاہتے ہیں ’نوازتے ہیں۔ جس سے برہم ہو جاتے ہیں اس پر بد وقت کی دوزی کے دروازے بھی بند کر دیتے ہیں لیکن وہ سیاسی باتیں نہیں۔ میں دیرا سے سیاست پر بات کرنے سے بیحد گریز کرتا تھا کیونکہ ایسے موضوعات پر وہ بال کی کھال نکالنے میں ماہر تھی۔ میری زبان سے کمزوریوں کا انکشاف سن کر وہ فوری طور پر میرے انفرادی افعال اور کردار کے نیچے اڑھنے شروع کر دیتی۔

ذہن پر زور سا زور دینے کے بعد میں ایک ایسی جگہ میں پہنچ گیا جہاں مکانات مختصر مگر صاف ستھرے تھے۔ کسی بھی مکان کا دروازہ اتنا بڑا نہیں تھا کہ اس میں سے کوئی کار گزر کر اندر جاسکے۔ دیے بھی ان گھروں میں گاڑیاں پالنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جن لوگوں نے ضرورت کے تحت گاڑیاں رکھی ہوئی تھیں انہوں نے بھی پارکنگ کا بندوبست باہر ہی کیا ہوا تھا۔

میں نے گاڑی گلی کے آخری سرے سے گزرا کر کنارے سے لگادی اور کہا ”تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ پہلے میں اس سے مل کر آتا ہوں۔“ میری اس تجویز پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ گاڑی سے اترتے ہوئے میں نے ان تین لوگوں کو دیکھا جو اندھیرے میں کسی بند مکان کی سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور

سب کو اپنے آپ سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کے الفاظ تھے کہ ہم نے اس کے قریب جانے کی کوشش کی تو پتہ چل کر رکھ دیے جائیں گے۔“

”اس نے اور بھی بہت کچھ کہا تھا مگر ہم اس کی ہدایات پر عمل نہیں کر سکتے۔ اس وقت وہ معزولی کے صدمے سے دوچار تھا اس کے جذباتی مشوروں کی رو میں بہہ کر ہم اپنی سمجھ بوجھ کو خیر یاد نہیں کہہ سکتے۔ میں وہاں جانے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا۔ تم میں سے کسی نے میرا ساتھ نہ دیا تو میں اکیلا وہاں جاؤں گا۔ اسے تنہا چھوڑ دیا گیا تو وہ سوچ سوچ کر پاگل ہو جائے گا۔ اندر سے ٹوٹ جائے گا۔“

”حیرت ہے کہ تم پر اچانک ہی اس سے ہمدردی جتانے کا دورہ پڑا ہے۔ اگر اس کے گھر کی عمرانی ہو رہی ہو تو ہم کیا کر سکیں گے؟ وہاں پہنچتے ہی گھبرائے جائیں گے۔“

”وہاں میدان صاف ہوگا۔ ہمارے دشمنوں کے پاس اتنی افرادی قوت نہیں ہے کہ وہ ہمارے خلاف ہر طرف مورچے لگا سکیں۔ ایس ٹی ایف کے اعلیٰ حکام بھی ہمیں ڈھیل دے رہے ہیں ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اول خان کو ڈائریکٹر جنرل کے پاس روک کر پہلے ہم چاروں کو حراست میں لیا جاتا پھر اسے معزولی کا حکم سن کر غمگین دیا جاتا۔ ہمیں ان خفیہ مراعات سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔“

”وہاں جا کر تمہیں کیا حاصل ہوگا؟“ دیرا بحث پر تلی گئی تھی۔

”اس کا اندازہ تمہیں وہاں پہنچ کر ہوگا۔ یہاں لوگوں کا مزاج بن چکا ہے کہ وہ کرسی کو سلام کرتے ہیں۔ صدمے اور اعتراضات سے محروم شخص سے اس کا سایہ بھی الگ ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی کہ ہم اتنی جلدی اول خان سے دوبارہ ملنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ ہمارا ہر دشمن تمہاری طرح سوچ رہا ہوگا۔“

”تم فون پر بھی اس سے ہمدردی کا اظہار کر سکتے تھے۔“ اس کی آواز ٹھٹکتی خود رہی ہو گئی۔

”وہ دفتر سے بے دخل کیا جا چکا ہے۔ گھر کا فون کٹ چکا ہے۔“

”وہ رہتا کہاں ہے؟“ دیرا میری ضد کے آگے ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نظر آنے لگی۔

”شاید تم اس علاقے سے واقف نہ ہو۔ وہ جشید روڈ کلاتا ہے۔“

ٹیپو سلطان روڈ سے شہید ملت روڈ اور پھر جیل روڈ سے ہو کر ہم جشید روڈ پر آگئے۔ وہاں ہوش، کمین اور پٹیلے آباد تھے۔ سڑک کی داہنی بائیں جانب بسوں سے لے کر ٹیکسیوں تک ’بھانٹ بھانٹ کی گاڑیاں زیر مرمت تھیں۔ ان گاڑیوں کے فاضل پرزوں کی دکانیں بھی کھلی ہوئی تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے سڑک اور فٹ پاتھوں پر قائم ان کیراجروں میں سارا کام ہی رات کو ہوتا ہے۔

اخبارات دیکھے ہیں تم نے؟“

”اتنی لمبی آوارہ گردی ہمارے بس سے باہر تھی۔ بھلی رات ایک ہوٹل میں بسر کرنے کے بعد آج جاگیر کے گھر چلے گئے تھے کیونکہ اخباری اشتہار کے چھپنے کے بعد ہوٹل خطرناک ہو سکتا تھا۔“

”یہ اور برا کیا۔ جاگیر کا گھر ہمارے لئے چوہے وان بھی بن سکتا ہے۔“

”بالکل یہی ہوا۔ اس وقت تک وہ گھر راکھ اور لمبے کا ڈھیر بن چکا ہو گا مگر ایلن کی اس کارروائی سے پہلے ہم نے نارمن اور اس کی ایک گرل فرینڈ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔“

اس خبر پر وہ بہت خوش ہوا۔ وہ اس بارے میں مزید تفصیلات جاننا چاہتا تھا لیکن ہم ایکارڈ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اسے دیکھ کر تینوں نیچے اتر آئے۔ اول خان پرتاک انداز میں ان کا استقبال کرنے لگا۔ سلطان شاہ کو اس نے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

ہمارے ہتھیار نشتر کے نیچے محفوظ تھے۔ میں نے ڈکی میں سے رقوم اور زیورات کی پوٹیاں نکالیں۔ اول خان کی ہدایت پر گاڑی کی ڈکی میں سے پیرا شوٹ کلاٹھ کا ہلکا کور نکال کر گاڑی پر باندھ دیا گیا۔ اول خان نے اشارے سے لڑکوں کو اپنے قریب ہلکا کر ڈکی کی حفاظت کی ہدایت کی۔ ان تینوں نے نہایت سعادت مندی سے اسے بے فکر ہو جانے کا مشورہ دیا اور اول خان ہم چاروں کو اپنے ساتھ لے کر گھر کی طرف واپس چل پڑا۔ اس وقت اس کا چہرہ جی خوشی سے دھک رہا تھا۔

”گاڑی پر کپڑا میں نے جان بوجھ کر بندھوایا ہے۔“ چلتے چلتے اس نے میرے قریب ہو کر سرگوشی میں کہا ”چتا نہیں تمہاری گاڑی کا اندر سے کیا حال ہو۔ ان نوجوان لڑکوں میں ناک جھانک اور تجسس کی عادت ہوتی ہے۔ کھلی ہوئی گاڑی میں کس کس کو روکا جاتا۔“

”وہ کپڑا اٹھا کر بھی اپنا تجسس دور کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔“

”یہ سب سرکش اور منہ پھٹ ضرور ہیں مگر مجھے میں شرافت سے رہتے ہیں۔ کپڑا خود چڑھا دیے جانے کے بعد کوئی اسے نہیں چھیڑے گا۔ چھوٹی آبادیوں میں میل جول اور شناسائی کے بہت فائدے ہوتے ہیں۔ سارے محلے دار ایک بڑے گروڑیلے ڈھالے کنبے کی طرح رہتے ہیں اور دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ یہ میری کم مائیگی نہیں بلکہ نئی تلی سوچ ہے کہ شر کے منگے علاقوں میں لوگوں نے بڑے بڑے مکانوں کی صورت میں اپنی خوشی اور سرمائے سے اپنے لئے جلیں بنائی ہیں جن میں وہ بڑے فخر سے قید تہائی گزارتے رہتے ہیں۔ بیچ میں صرف ایک دیوار ہونے کے باوجود اپنے ہمایوں سے بے خبر رہتے ہیں۔ سارے دکھ اپنی اکیلی ذات پر جمیلے ہیں اور سکھ کی گھڑی آئے تو شہر بھر میں ایسوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں جو ان کی خوشی پر اپنی جی خوشی کا اظہار

پوری طرح ہماری طرف متوجہ تھے۔ جوں ہی میں گاڑی سے اتر کر غلی میں گھوما، ان میں سے ایک صحت مند لڑکا تقریباً دوڑتا ہوا میرے پاس آہٹپا اور اشتہاء آمیز نظروں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا کہ میں وہاں کے تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

اول خان کا نام سن کر اس کی آنکھوں سے تشویش کے سائے تپ ہو گئے اور وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر آگے چل پڑا۔ وہ مذہرت خواہانہ انداز میں مجھے بتا رہا تھا کہ شرمیں جرائم میں اچانک اضافہ ہو جانے کی وجہ سے وہ لوگ اپنی مدد آپ کے تحت محلوں میں آنے والے انجینیئر کی دیکھ بھال کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے وہ علاقہ ہر قسم کے جرائم سے محفوظ تھا۔

وہ دور ہی سے اول خان کے دروازے کی نشان دہی کر کے لوٹ گیا۔

میں نے دروازے پر پہنچ کر کھنٹی بجائی تو اندر سے اول خان کی جانی پوچانی آواز سنائی دی ”کون ہے؟ ایک منٹ غصہ۔ میں ابھی آتا ہوں۔“

میں نے دانستہ جواب نہیں دیا۔ میں اونچی آواز میں اپنا نام اشتہال نہیں کر سکتا تھا۔

اول خان واقعی ایک منٹ میں دروازے پر آگیا اور مجھے اپنے روبرو دیکھ کر بھونپکا رہ گیا۔ چند ثانیوں بعد وہ اپنی حیرت پر قابو آنے میں کامیاب ہوا تو بازو پھیلا کر وہ المانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا اور تقریباً بھرائی ہوئی آواز میں بولا ”تم بہت ضدی ہو۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا لیکن تم باز نہیں آئے۔ تم نے میاں آکر مت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ باقی لوگ کہاں ہیں؟“

”وہ کون ہے؟“ پر گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم لوگ زیادہ دیر نہیں رکیں گے۔“

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ برس پڑا ”وہ گاڑی میں لیا کر رہے ہیں؟ انہیں بھی ساتھ لاتے۔ اب میں تمہیں نہیں بانے دوں گا۔ تم لوگ پہلی بار آئے ہو۔ واپس میری مرضی سے باز گے یہ میرا حملہ ہے۔ میں دیکھوں گا کہ یہاں کون مانی کا لال آتا ہے۔“

وہ مخلص ہونے کے ساتھ ساتھ ذاتی معاملات میں جذباتی بھی غافل اور ایسے معاملات میں شاید بہت جلد برا مان جاتا تھا۔ میں نے ناموشی اختیار کر لی مگر وہ مسلسل بریزائے جارہا تھا۔ ہم سے دور رہ کر وہ جس فعل کو ہمارے لئے مسلک قرار دے رہا تھا اب خود اسی پر نظر تھا۔

ہم خود بھی کسی عارضی ٹھکانے کی تلاش میں تھے۔ یہ بات دل خان سے دھکی چھپی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے راستہ ہی میں مجھ سے پوچھ لیا ”ٹیکسری چھوڑنے کے بعد سے تم یوں ہی شہر بھر میں لٹکتے رہتے پھر رہے ہو؟ میں نے فون پر تمہیں کتنا سمجھایا تھا کہ ہندو لڑکے لئے بالکل گوشہ نشین ہو جاؤ لیکن تم کسی کی نہیں سنتے۔ دیکھو کسے ہو جو تمہارے دماغ میں بیٹھ جاتی ہے۔ آج کے

باتوں کا ہے۔

”برسوں سے ضروری باتیں چل رہی ہیں۔ وہ بھی ہو جائیں۔ لیکن پہلے تمہیں کچھ کھانا پینا ہوگا۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کچھ کے گھر آیا ہوا دوست کھانے سے انکار کرے۔ تمہیں معلوم ہے ہم اپنے صہبان کی تواضع دوسرے کے سپرد کرنے کے بجائے کھانا کو مار کر اس کا مزاج بنانے کو ترجیح دیتے ہیں۔“ اس حکایت کا جواب دیتے ہوئے وہ فراخ دلی سے ہنسا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ”مجھ پر کراچی کے پانی کا اثر ہے کہ ابھی نری سے تمہاری طرف پوچھ رہا ہوں۔ زیادہ ٹال مٹول کرو گے تو میرا غصہ عود کر آئے گا۔ تم کو وہی کھانا پڑے گا جو گھر میں حاضر ہے۔“

کراچی کا پانی بھی اول خان کو ایک خاص حد سے زیادہ چالاک نہیں بناسکا۔ آخری شرط پیش کر کے وہ خود ہی پھنس گیا تھا۔ یہ لے پڑی رغبت سے اس کی بات پکڑ کر کہا ”پھر مجھے تمہارا غصہ منظور ہے مگر ہماری شرط یہ ہے کہ جو کچھ ہے اور جیسا بھی ہے، حالت میں ہمارے سامنے لے آؤ۔ غضب خدا کا! تم رات ایک بجے ہم سے کھانے کے لئے پوچھ رہے ہو۔“

”تم آئے ہی اب ہو تو میں کیا کروں؟“ وہ باتیں ہاتھ اپنے سر کی پشت سلاتے ہوئے شرمندگی سے بولا ”مجھے اتنا وقت دو کہ پتیلی اور چنگیری کے بجائے ہالینوں میں کھانا لاسکوں۔“

”نہیں!“ میں اڑ گیا ”ہم پتیلی اور چنگیری ہی میں کھانا کھاؤ گے۔ دیر کو شگاریوں کا کھانے پینے کا انداز مت اچھا اور خالہ مروانہ گنتا تھا۔ وہ بھی لطف اندوز ہوگی۔“

اول خان نے سر جھکا کر اپنی جگہ چھوڑ دی ”دوستوں کی خاطر مجھے سب کچھ منظور ہے۔“

اول خان کی بیوی کے کان شاید ان مکالمات پر گئے ہو۔ تھے اندر سے فوراً ہی بٹنے ہوئے گوشت کے گرم ہونے کی انگیز خوشبو آنے لگی۔ میں سلطان شاہ کو آنکھ مار کے مسکرانے کا آغا فانا میں اول خان ایک بڑی سی تھالی میں بھاپ اڑاتی ہانڈی لے آیا۔ قلنی کی ہوئی تانے کی پتیلی واقعی بٹنے ہو۔ سالے دار گوشت سے بھری ہوئی تھی۔ دیوئیاں رنگ دار کھانے سے بنی ہوئی ڈھکنے والی چنگیری میں محفوظ تھیں۔ خالی ہالینوں پانچ گھاس سجے ہوئے تھے۔

”اتنا سالن ہوتے ہوئے بھی تم آلیٹ وغیرہ کی سوچ رہے تھے۔“ ہمارا صبح کا ناشتا ہے۔“ وہ بے ہتھم ہنسی کے ساتھ ”ہم ناشتے میں روٹی سالن کھاتے ہیں جو رات کے کھانے کے ماہر کرکھ دیا جاتا ہے۔ اس سے تم چاروں کا کیا بھلا ہوگا۔“

کھانے کی اس درگت پر غزالہ اور دیرا بھی اندر کھکھلائی ہوئی وہیں آگئیں۔

میری مجلس نظروں کو اندرونی دواؤں کی طرف گمراہ کر اول خان خود بہ خود بول پڑا ”میری عورت کو معاف کرو۔“

کر سکیں۔ انہیں ہزاروں کی بھیڑ جمع کر کے بھی ایسے چند لوگ نہیں ملتے۔“

وہ سرحد کا معصوم اور سادہ لوح اول خان نہیں، اس کا برسوں کا ٹھوس تجربہ بول رہا تھا۔ وہ صاف، سیدھے اور سچے الفاظ میں ایک ہی معاشرے کے دوروں کی تصویر کشی کر رہا تھا۔

وہ اپنے گھر کے کھلے ہوئے دواؤں پر رکے بغیر اندر گھستا چلا گیا۔ ساتھ ہی ہم چاروں کو بھی اپنے پیچھے چلے آنے کی تلقین کر رہا تھا۔

میرے لئے وہ طریقہ نامناسب تھا۔ اول خان سے ہماری لاکھ دوستی اور بے تکلفی سہی، اس کی بیوی کے لئے ہم اجنبی تھے۔ چاہے نہیں اندر وہ اپنے بچوں کے ساتھ کس طرح لپٹی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے باہر رک کر غزالہ اور دیرا کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ میں سب سے آخر میں اندر داخل ہوا اور دواؤں بند کر کے مختصر سے برآمدے سے ہوتا ہوا اس دواؤں میں داخل ہو گیا جس میں وہ پورا جلوس غائب ہوا تھا۔

اندر قدم رکھتے ہی میری طبیعت خوش ہو گئی۔ وہ صہبان داری کے لئے استعمال ہونے والا مختصر مگر صاف ستھرا کمر تھا۔ فرش کے وسط میں پرانا مگر گرد سے محفوظ قالین پڑا ہوا تھا۔ صوفے اور کرسیوں کے علاوہ ایک تخت بھی موجود تھا جس پر ٹیکے کے ساتھ کوئی کھلی ہوئی کتاب الہی رکھی ہوئی تھی۔ شاید ہمارے پہنچنے سے پہلے اول خان وہاں لیٹا کچھ پڑھ رہا تھا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ وہیں رک گیا۔ پوٹیاں میز پر رکھ دی گئیں۔ اول خان، غزالہ اور دیرا کو لے کر دوسری طرف کے دواؤں سے باہر نکل گیا۔

اندر سے اول خان کی رعب دار آواز کے ساتھ ہی غلوں، حیرت اور مسرت میں ڈوبی ہوئی نسوانی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ شہد جیسی محاسن، لوح اور نہایت والی دھیمی آواز شاید اول خان کی بیوی کی تھی جو ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کی ماں بننے کے باوجود اپنی پُرکشش آواز کی بنا پر ایک لڑکی ہی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے مقابلے میں دیرا کی آواز میں چنگلی رہی ہوئی تھی۔

ان لوگوں کو ایک دوسرے سے روشناس کرانے کے بعد اول خان کسی شرم ساری کے بغیر خوشی سے کھلتا ہوا ہمارے کمرے میں لوٹ آیا اور بے تکلفی سے میرے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولا ”یہ ہے میرا غریب خانہ۔ یہاں کل چار کمرے ہیں۔ ایک کمرے میں میرے بال بچے سوتے ہیں۔ یہ مروانہ یا میرا ذرا سمجھو۔ میں ہمیں تخت پر سوتا ہوں۔ دو کمرے تم لوگوں کے لئے حاضر ہیں۔ میرے گھر میں مسکریاں نہیں، بلکہ بان کی چار بایاں اور گدے موجود ہیں مگر پہلے یہ بتاؤ کہ آلیٹ بنواؤں یا باہر سے کھانا لاؤں؟“

”ہم شکم سیر ہو کر آئے ہیں۔“ میں نے غدا مت بھرے لیے میں کہا ”اگر مجھے علم ہو تا کہ تم اتنے تکلف سے کام لو گے تو میں ادھر کا رخ ہی نہیں کرتا۔ یہ وقت خاطر مدارات کا نہیں، ضروری

بستروں کا بندوبست ہو چکا ہوگا۔

”یہ اہتمام ہمیں منگوا دیا جائے گا۔“ میں نے الجھا کر کہا ”ہم ہر قیامت رات کے اندھیرے میں ہی یہاں سے نکل جانا چاہتے ہیں۔ اجالے کی دشواریوں کا تم خوب اندازہ کر سکتے ہو۔“

”پھر رات کی نہیں، صبح کے اندھیرے کی بات کرو۔ فجر کی اذان کے وقت کافی اندھیرا ہوتا ہے۔ آئے ہو تو اب میرے ساتھ بھی کچھ وقت گزار کر جاؤ۔ تم سے تو بہت کچھ معلوم کرنا ہے۔“

”پہلے یہ دو پوٹیاں اندر پہنچا دو۔“ میں نے میز کی طرف اشارہ کر کے کہا ”اس میں جگہ گیری کی امانتیں ہیں۔ موقع محل پیدا ہو جائے تو خود ہی اس کے حوالے کر دیتا۔ دوسری پوٹلی میں ہمارے ڈالر ہیں۔ ان پر تمہارا بھی برابر کا حق ہے۔ اس میں سے جو چاہو لے سکتے ہو۔“

”تمہاری مہربانی کا شکریہ!“ اول خان کے چہرے پر زلزلے کے آثار ابھرنے لگے ”ابھی میں صرف معزول ہوا ہوں، مظلوم ہو جاؤں گا تو دوستوں کے سامنے ہاتھ بھی دراز کرنے لگوں گا۔ اس وقت تمہاری امانت بھی میرے پاس جوں کی توں رہے گی مگر اتنا بتا دوں کہ اتنے بڑے خزانے کے لئے میرا چھوٹا سا گھر غیر محفوظ ہے۔ ان امانتوں کے ساتھ کچھ ہو گیا تو میں تمہیں تمہیں منہ نہیں دکھا سکوں گا۔“

”پہلی فرصت میں یہ تمام امانتیں کسی بینک کے لاکر میں محفوظ کر دیتا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دن زیادہ دیر تک بینک میں رہیں گے۔ میں تمہیں جلدی اس ذمے داری سے سبک دوش کر دوں گا۔“

”یہ سب سے بہتر رہے گا۔“ وہ خوش ہو گیا۔ دونوں پوٹیاں خاصی دؤنی تھیں۔ اول خان انہیں اپنے سینے سے لگا کر اندر لے گیا۔ میرے سر پر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر چکا تھا۔

”یہ کوہِ مال محفوظ کرنے کے لئے تم یہاں آئے تھے۔“ اس کے چلے جانے پر سلطان شاہ نے دلی آواز میں کہا ”اس مسئلے کا اس سے بہتر حل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ سلسلہ۔۔۔“

میں نے تیز نظروں سے اسے گھورا اور وہ پوچھا کہ فوراً ہی خاموش ہو گیا۔

اول خان کئی منٹ بعد واپس لوٹا اور آتے ہی اس نے ہماری کمائی سننے کی فرمائش کر دی۔ میں اسے تمام واقعات کا خلاصہ پہلے ہی بتا چکا تھا۔ اس کے مطالبے پر میں نے تفصیلات بیان کرنی شروع کر دیں۔

میری کمائی اور اول خان کے چاہے جا سوالات کا سلسلہ جاری تھا کہ دیر آتیں کہیں میں چائے لے آئی اور فوراً ہی اندر لوٹ گئی۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ دونوں سستانا چاہیں تو کچھ دیر کے لئے بستر پر دراز ہو جائیں کیونکہ ہمیں وہاں سے سورج طلوع ہونے سے پہلے روانہ ہونا تھا۔

چائے نوشی کے دوران بھی میری کمائی جاری رہی۔ اول خان کے لئے وہ ساری تفصیلات حیران کن تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا

مولوی کی بیٹی اور پردے کی سخت پابندی۔ تین بچوں کی ماں ہو کر بھی وہ میرے چچا زادوں کے سامنے نہیں آتی۔ اس معاملے میں وہ کسی کی نہیں سنتی۔“

”لیکن وضع قطع سے تو بھابی پڑھی لکھی اور ماؤرن گتتی تھ۔“ غزالہ بولی۔

”ارے بابا! یہی تو دوتا ہے۔ سائنس گر بیوٹ ہے۔ زنانہ کالج کی پڑھی ہوئی ہے۔“

”پھر معافی ہے۔“ میں نے روٹی سنبھالتے ہوئے کہا ”پڑھی لکھی عورت کوئی فیصلہ کرتی ہے تو سوچ سمجھ کر کرتی ہے۔ اسے اس عمل کرنے کی آزادی ہونی چاہئے۔“

اول خان کی خوش خوراک کی وجہ سے وہ چٹیلی خاصی بڑی تھی مگر اس کا کھانا ہوا دہانہ تنگ تھا۔ باہر نکلے ہوئے غروٹلی پیٹ اور الے ہوئے توے جیسے پینڈے کا وہ رتن بہت کم گھروں میں دیکھنے میں آتا تھا یا شاید میں ایک طویل عرصے سے متوسط گھروں سے دور تھا کہ مجھے چاندنی کی طرح چمکتی ہوئی وہ چٹیلی بہت خوش نما لگ رہی تھی۔

”اب تم ناشتے میں کیا کرو گے؟“ میں نے کھانے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پوچھا۔

”ڈبل روٹی سے پرہیز نہیں ہے، کبھی کبھار چل جاتی ہے لیکن کاٹا پٹا زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دیتا۔ معصہ خالی ہوتے ہی کھوپڑی نکلے گتتی ہے جس کا نتیجہ بدحواسیوں کی صورت میں نکلتا ہے۔“ اس نے بے تکلفی سے بتایا ”کھانے کے معاملے میں پہاڑوں کے رولز طرف کے باقی بہت شوقین ہیں۔“

اسی لمحے مجھے خیال آیا کہ اول خان کی بیوی یا پردہ خاتون تھی لہذا اس کے بچے کہاں تھے۔ اس ضمن میں اول خان کو کسی شامت کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ویرانے بتایا کہ تینوں خوب دوت بچے ہیں خبر ہو کر گہری نیند سو رہے تھے۔ آنے والوں کی ٹلی ل آواز بھی ان کی نیند میں خلل نہیں ڈال سکی تھیں۔

مٹنا ہوا سالن اس قدر لذیذ تھا کہ چنگیری خالی ہونے کے ساتھ نکلنا اندر سے بھی اسی طرح چمکنے لگی جیسے باہر سے چمک رہی تھی۔

دل خان کی بیوی نے دو دواڑے کی اوٹ سے ٹھنڈے پانی کا جگ ملایا تو اول خان نے ہم لوگوں کے بھوکے رہ جانے کا شکوہ کیا اندر سے کوئی جواب آنے سے پہلے ہی ہم سب بول پڑے۔ سوکھے بندھ جڑے بعد ہم نے اتنا کھانا کھایا تھا کہ پانی پینے کی محجائش بھی میں رہی تھی۔

غزالہ کھانے کے مختصر سے رتن سمیٹ کر اندر لے گئی تو ویرا کی اس کے ساتھ تھی۔

”تم نے اتنا مرغین کھانا کھلایا ہے کہ اب یہیں سو جانے کو جی ادا رہا ہے۔“ سلطان شاہ نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سس مندی سے کہا۔

”فکر مت کرو۔ جتنی دیر میں تم نے کھانا کھلایا ہے، اندر چار



بھی زندگی یا موت کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہو؛ واپس کے بغیر کیے چل سکتی ہے۔ وہاں صوابدیکہ کو اوپر والوں کے احکام لگام دیتے ہیں۔ اوپر والے سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کہہ دیں تو اسے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہی فورس کی کاپیائی اور استحکام کی کلید ہے۔ فورس میں کسی کے انتخاب کی پہلی اور سب سے کڑی شرط یہی ہوتی ہے۔ ایک طویل مدت تک ان خالصوں کا پابند رہنے کی وجہ سے میں اسی سانچے میں دھل چکا ہوں۔ ایلن کے معاملے میں فورس پوری طرح دلچسپی لے رہی ہے۔ میں اوپر والوں کی مجبوریوں سے لاعلم ہوں مگر مجھے جو حکم مل چکا ہے وہ اٹل ہے۔ میں اس پر قائم رہوں گا۔

”تم اپنے اصول پر اپنی سختی سے ڈلے ہوئے ہو تو مجھے پشاور والے محراب خان کے فون نمبر دو۔ وہ بھی ایک شاندار آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے لئے کوئی راہ نکال سکے۔“

”مگر اچھی کی کمائے تو زنی چاہتی ہے اب وہ ڈائریکٹر جنرل کی اجازت کے بغیر اسٹیشن فور کی حدود میں کوئی دلچسپی نہیں لے سکے گا۔ میں تمہیں اس کے نمبر نہیں دے سکتا۔ دیے بھی وہ آج کل اپنے گھر والوں سے ملنے کے لئے چھٹی پر شہد اوپر آیا ہوا ہے۔“

”محراب خان کے گھر والے شہد اوپر میں رہتے ہیں؟“ میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔ میرے لئے وہ انکشاف اتنا غیر متوقع تھا کہ اصل معاملہ عارضی طور پر میرے ذہن سے پھسل گیا۔ میں نے بات جاری رکھتے ہوئے اضافہ کیا ”میں تو سمجھتا تھا کہ وہ بھی تمہاری طرح پھان ہے۔“

”ہم لوگ جیسا دیکھیں ویسا ہمیں کے اصول پر عمل کرتے ہیں“ اس لئے پشاور میں وہ ہمیں پھان نظر آیا ہوگا ورنہ وہ سندھ کا باشندہ ہے اور شروع سے شہد اوپر میں رہا ہے۔“

”سندھیوں میں خان کہاں سے آگئے؟“ میں نے قدرے حیرت سے کہا۔

”قدیم سندھیوں میں خان ہی کیا، یعنی وغیرہ بھی بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ پھر سرحد پار سے ہجرت کر کے آنے والوں میں بے شمار خان تھے جو سندھ میں آباد ہو گئے۔“

اس کی وضاحت جامع تھی۔ میں اردو بولنے والے کئی ایسے لوگوں سے واقف تھا جو پشتو کا ایک لفظ بھی نہ جاننے کے باوجود خود کو فخریہ خان کہتے تھے۔

”وہ ہوگا کوئی“ میں نے وہ خیال بھی اپنے ذہن سے جھٹکتے ہوئے کہا ”جب وہ میرا ساتھ ہی نہیں دے سکے گا تو اس کے بارے میں سوچنا فضول ہے۔ مجھے یہ جان کر دکھ ہوا ہے کہ اپنے اصولوں کو تم دوستی سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہو۔“

”اس بات پر تمہیں دکھ کے بجائے خوشی ہونی چاہئے تھی۔ ضروری نہیں کہ ہر اصول درست ہی ہو لیکن جو اصول اختیار کر جائے اس پر قائم رہنا چاہئے۔ اس طرح ہر طرف استحکام ہو جائے۔ ہمارا الیہ یہی ہے کہ ہمارے یہاں اصولوں کا کوئی احترام نہیں ہے۔ اصول بنانے والے سب سے پہلے خود اس اصول کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہونی چاہئے کہ ایسے گندے دوست

تھا کہ اس کی معزولی سے اتنی گھٹیل مدت میں واقعات اتنی تیزی سے آگے بڑھے ہوں گے۔ آخر میں جب اس نے ایلن کے اولین سراغ کے بارے میں غزالہ کی کاپیائی کی تفصیل سنی تو اسے کہنا پڑا کہ وہ کسی کی کارگزاری سے زیادہ تشدد کا شہید تھا۔ کاتب تشدد جب کسی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لے تو ایسے ایسے واقعات رونما ہوتے لگتے ہیں کہ عقل ششدر رہ جاتی ہے۔

”اسے تلاش کر کے تم نے جہنم واصل کر دیا تو سمجھ لو کہ تمہارے موجودہ مصائب تقریباً ختم ہو جائیں گے۔ اس مردود نے کھیل میں شامل ہوتے ہی ہمارے سارے حریفوں کو ضرورت سے زیادہ فعال کر دیا ہے۔ اس کی موت کے بعد وہ سب صحرائی اونٹوں کی طرح منہ اٹھا کر مخالفانہ ہواؤں کو سونگھتے جا چکے ہیں۔ اس کے پلے کچھ بھی نہیں پڑ سکے گا۔“ اس نے پُر جوش لہجے میں کہا۔

”میرا بھی یہی ارادہ ہے۔“ میں نے براہ راست اس کی مددشن آکھوں میں جماسکتے ہوئے کہا ”میرے اور ویرا کے بارے میں انصافی اشتراک چھپنے کے بعد ہم مشکلات میں پڑ گئے ہیں۔ ایلن اور پیٹر ہمارے بقیہ دونوں ساتھیوں کو بھی اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مرحلے پر تم ہماری مدد کرو۔“

میرے آخری فقرے پر اول خان کی آنکھوں میں گہرا اضطراب اُبھ آیا۔ وہ فوراً ہی میری بات کا کوئی جواب نہیں دے پایا۔ چند ثانیوں بعد وہ بولا تو اس کی آواز کمزور اور لہجہ مدافعتیہ تھا۔ ”میں دل و جان سے تمہاری کاپیائی کا خواہاں ہوں لیکن میں فورس کے ڈسپلن سے مجبور ہوں۔ تمام تر زبانی ہمدردیوں کے باوجود میں عملی طور پر تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔“

”تم کسی فورس کے ڈسپلن کی بات کر رہے ہو؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”جی جی، جس کا میں نے اب تک نمک کھایا ہے۔ اسٹیشن ہانسک فورس!“

”ایس ٹی ایف کے ڈسپلن سے تمہارا کیا واسطہ؟ تم تو معزول کئے جا چکے ہو۔“

”معزول ہو جانے کے باوجود میں اس کا پابند ہوں۔ زندگی بھر ایسی کسی سرگرمی میں حصہ نہیں لے سکتا جس کا اثر ایس ٹی ایف کے دائرہ کار میں آنے والے معاملات پر پڑتا ہو۔“

”ہوکن دیکھئے آ رہا ہے کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ تم تو سنگین خطرات کی وجہ سے ہمیں بھی خود سے دور رہنے کا مشورہ دے رہے تھے لیکن تم دیکھ لو کہ ہم اسٹیشن بیٹھے ہیں اور دور دور تک کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اپنے اداہم کا قیدی بننے کے بجائے اب ایس ٹی ایف کے محرمے باہر نکلنے کی کوشش کرو۔“

”یہ مشکل ہے۔ میں نے جس ڈسپلن کی پاس داری کا حلقہ اٹھایا تھا اسے توڑ نہیں سکتا۔ فورس میں سارا زور ڈسپلن پر ہے۔ اس سے انحراف کرنے والوں کو لرزہ خیز سزائیں دی جاتی ہیں۔ میں اس سے منحرف ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تم خود سوچو کہ ایک ایسی مضبوط فورس جس کے ہر اہل کار کو اپنی صوابدیکہ پر کسی کی

پھر اول خان نے دوسری باتیں چھیڑ دیں۔ ہم لوگوں کے آجانے سے اس کا حوصلہ بہت بلند ہو گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ بہت زیادہ مذہبی رجحان کا حامل نہ ہونے کے باوجود وہ توکل اور قناعت پر مجبور سا کرنے والا آدمی تھا۔ اسے اپنی لگی بندھی اور معقول ملازمت کے جانے پر مستقبل کی ذرا بھی فکر نہیں تھی۔ اس کو کامل یقین تھا کہ جس نے اسے پیدا کیا ہے وہی اسے رزق بھی دتا رہے گا۔

اول خان کی بیوی کی بے پروگی اور بے آرا می کے خیال سے ہم دونوں میں سے کوئی اندر جانے پر آمادہ نہیں ہوا۔ ہم اسی کمرے میں لیٹ بیٹھ کر آرام اور باتیں کرتے رہے۔ اسی انداز میں وہ پوری رات دھیمے دھیمے گزر گئی۔ اس دوران میں اندر سے وقفے وقفے سے چائے بن کر آتی رہی۔

صبح کے پانچ بجے فضا میں پرندوں کی چٹکار پھیلنے کے ساتھ ہی میں نے دواغی کا ارادہ ظاہر کر دیا۔ اول خان کے چہرے پر آزدگی پھیل گئی۔ معزولی کی دوسری رات ہی میں اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ وہ ہماری رفاقت کو طول دینے کا آرزو مند تھا لیکن ہماری پُرخطر مجبوریوں اس کے علم میں تھیں۔ اس نے باہل ناخواستہ اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اول خان سے گل زمان کے مختصر سے تحریری کوائف لے کر میں نے بالواسطہ طور پر اس کی بیوی کا بہت زیادہ شکر ادا کیا اور جذبات انگیز فقروں کے اختتامی تادیلے کے بعد ہم چادوں بھی بوجھل دل لئے اس کے کمرے سے باہر نکل آئے۔ اول خان ہمارے ساتھ تھا۔

ایکناؤ پکڑنے سے دھکی ہوئی، اسی حالت میں کھڑی، دنیٰ خشی جس حالت میں ہم نے اسے چھوڑا تھا۔ مٹکے کی چوکیداری کرنے والے لڑکے کہیں نظر نہیں آ رہے تھے لیکن گاڑی پر سے پکڑا اترتے ہی ان میں سے ایک کہیں سے نمودار ہوا۔ اونچی آواز میں سب کو سلام کر کے اس نے اول خان سے اپنی کارکردگی پر اس کا مدد عمل دریافت کیا اور ہم سب کی طرف سے اطمینان اور شکریے کے اظہار کے بعد آگے چل دیا۔ شاید رات گزرنے کے ساتھ ساتھ تینوں میں سے صرف وہی باقی رہ گیا تھا۔

اول خان کو گرم جوشی سے الوداع کہہ کر ہم چادوں گاڑی میں سوار ہو گئے۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں اس کی گلی میں داخل ہونے بغیر کس کشادہ راستے سے مین روڈ پر نکل سکتا تھا اور پھر گاڑی حرکت میں آگئی۔ جب تک میں نے ایک موڑ نہیں کاٹا، اول خان وہیں کھڑا ہاتھ ہلاتا رہا۔ دواغی کے آخری لمحات پر اس کی جذباتی کیفیت دیکھ کر میرا دل بھاری ہو چکا تھا۔

گاڑی میں کانی دیر تک خاموشی رہی۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ آخر دیرانے ہی وہ سکوت توڑنے میں پهل کی اور پوچھا ”قوم اور زیورات کی پوٹیاں کیا اول خان کے پاس ہی چھوڑ آئے ہو؟“

ایس ٹی ایف جوانوں کو اصول پرستی کی بجائی سے گزار کر کھنڈن اور ہے۔ آگے چل کر معاشرے میں پھیلے ہوئے ایسے لوگ قوم

”اگر تم ایمن کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تو میری مدد تو کر سکتے یا اس سے بھی معذرت کر لو گے؟“ میں نے اس کی ضد کے

انے سے بے ہوش کر دیا۔

”ایس ٹی ایف نے ابھی تک تمہاری خدمات کا اعتراف ہی کیا ہے، تم پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ کیا وجہ ہے کہ تم

ہرے عزیز دوست ہو۔ میں تمہاری ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔ مجھے ایسے کسی افسر کا نام پتا اور فون نمبر دے دو جو

زبے وقت میں تیزی سے ہمارے کام آسکے۔ تمہاری معزولی کے

میں خود کو ہر لئے قانون کی تیز دھار پر محسوس کر رہے ہیں۔“

”ایس ٹی ایف کسی ضرورت کے لئے میں تمہیں کل زبان کا پتا وغیرہ

”کہوے دوں گا۔“ وہ خفیف سی مسی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”میکر میڈی کے رہنے کا بار سونخ افسر ہے۔ تم بڑا کا حال دے کر

نام بتاؤ گے تو وہ آدمی رات کو بھی تمہاری بات پر دھیان دے

ذاتی طور پر وہ تمہارے ناپیدہ مداحوں کی صف میں شامل ہے۔“

”میرے ناپیدہ مداح کہاں سے پیدا ہو گئے۔۔۔ اور یہ بڑا کیا بلا

”؟“

”تم بہت چالاک ہو۔“ اول خان ایک مگر سانس لے کر بولا۔

تمہاری معلومات کے لئے میں بتاؤں کہ گل زمان ایس ٹی ایف کا

ایس ٹی ایف سروس کا آدمی ہے۔ وہ تمہیں ہر قسم کے مصائب سے

لے کر سڑک کو شش کرے گا لیکن اس امید میں نہ رہنا کہ وہ

ہمارے منصوبوں میں کسی قسم کا کردار ادا کر سکے گا۔ ایمن وغیرہ

اپنی لڑائی تمہیں خود ہی لڑنی ہوگی۔ گل زمان آپریشن بلو کر اس

جنگ کو آزادی خیز تھا۔ بڑی یعنی بلو کر اس انوشی گیش اینڈ

ٹیکری ٹارگٹ قائم کر کے اس نے زبردست منصوبہ بندی کی

اسی سلسلے میں وہ ہمارے کارناموں سے واقف ہوا تھا۔ آج

وہ اسلام آباد میں ہوتا ہے۔“

”تم بلاوجہ میری نیت پر شبہ کر رہے ہو۔“ میں نے ہنستے ہوئے

”تمہاری اصول پرستی سے واقف ہونے کے بعد میں صرف اتنا

کہہ کر سکتا ہوں کہ میری وجہ سے تمہیں کسی خفت کا سامنا نہیں

کرنا پڑے گا لیکن تم کو بھی ایک وعدہ کرنا ہوگا کہ اگر میں اپنی

مشقوں سے کسی کو اپنی حمایت پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو

اسے بھڑکانے کی کوشش نہیں کرو گے۔“

”مجھے کسی کو بھڑکانے کی کیا ضرورت ہے۔“ وہ برکت بولا۔ ”یہ

کل ہوئی دشمنی دالی بات ہو جائے گی۔ میری مجبوری صرف ایس

ایف تک ہے۔ دوسروں کے ساتھ تمہارا جو بی چاہے کرتے

ہو۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ اپنے تحفظ اور ملکی

فوائد کے لئے تمہیں اپنی مرضی سے لڑائی لڑنے کا پورا حق

ملتا ہے۔ میں اس میں کوئی رخنہ نہیں ڈالوں گا۔“

”میں بھی سلطان شاہ کے ساتھ اتروں گی تاکہ دور در رہا کر اس کی دیکھ بھال کر سکوں۔ کیا ہونے کے لئے ہم وقت اور مقام کا تعین کر لیں گے اور ہر حال میں وہاں پہنچ جائیں گے۔“

اس نئی تجویز پر ایک بار پھر سرگرمی سے بحث شروع ہو گئی۔ باہر پھیلا ہوا دھند کا تیزی سے سمٹتا جا رہا تھا اور میں ان تیزوں کی بحث میں دلچسپی لینے کے ساتھ بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

ہم ست رومی سے ڈرائیو تک کرتے ہوئے ٹاور پہنچے تو چھ بیچ والے تھے۔ ہم چاروں کے ایک ساتھ رہنے کے مقابلے میں ٹکر جانا زیادہ محفوظ تھا۔ میں نے گاڑی زسری کی راہ پر ڈال دی۔ ان تینوں کے درمیان کوئی فیصلہ نہ ہونے کے باوجود میں طے کر چکا تھا کہ سلطان شاہ کے ساتھ دیر کا بھی اتار دیا جائے گا تاکہ میں ”غزالہ“ کے ساتھ ایک جوڑے کی صورت میں کرائے کے فلیٹ دیکھ سکوں۔

اس وقت تک شہری زندگی بیدار نہیں ہوئی تھی۔ تھوڑی سی دیر میں ہم زسری جا پہنچے سلطان شاہ نے دوری سے دیکھ کر بتایا کہ اس کی توقع کے مطابق جنرل اسٹور کھل چکا تھا۔ میں نے سڑک چھوڑ کر اس رہائشی علاقے کی گلیوں کا رخ اختیار کر لیا۔ کئی گلیوں میں بے مقصد چکرانے کے بعد ہم فیروز آباد تھاں کے سامنے سے گزرنے والی سڑک پر جا نکلے۔ میں نے کچھ دور جانے کے بعد ایک مرتبہ پھر گلیوں کی راہ اختیار کر لی۔ ہم تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ ڈھلان کے پار ایک منظر دیکھ کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ وہ منظر اس قدر نظر فریب تھا کہ میں نے اس کا تفصیلی مشاہدہ کرنے کے لئے بریک لگا کر گاڑی روک لی۔

ڈھلان پر قیص اور شلوار میں ملبوس ایک شخص ایک بڑے سے سیاہی مائل کتے کی زنجیر تھامے آگے چلا جا رہا تھا۔ اس شخص نے اپنی شلوار کے پائینچے چڑھائے ہوئے تھے اور اسے طاقتور کتے کی رفتار کا ساتھ دینے کے لئے ہلکی رفتار سے دوڑنا پڑ رہا تھا۔ ویسے تو وہ پوری آبادی اس قدر خوش حال نظر آ رہی تھی کہ ہر گھر کے کین بیش قیمت کتے پال سکتے تھے لیکن میرا دل کہہ رہا تھا کہ آگے جانے والا رکھوالا ہی ہمارا مطلوبہ شخص تھا۔

کار رکنے سے پہلے ان تینوں نے بھی وہ منظر دیکھ لیا تھا۔ وہ بھی میرے ہم خیال تھے۔

میں نے اپنی جیب سے چند بڑے نوٹ نکال کر روپے اور سلطان شاہ کو دیے۔ دیرائیم گمن کو اپنے لباس میں چھپا رہی تھی۔ سلطان شاہ شاید پہلے ہی سے سب مبیٹھا ہوا تھا۔ ہم نے تین بجے لال کوئی کے بس اسٹاپ سے ڈرا پہلے لے کر پروگرام طے کیا اور وہ دونوں پھرئی سے گاڑی سے اتر گئے۔

میں نے ہاتھ ہلا کر گاڑی آگے بڑھادی۔ واقعات کی ترتیب بتا رہی تھی کہ آخر کار وہ وقت ہم پر مریبان ہو ہی چلا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ کتے اور رکھوالے کے قریب سے گزرنے ہوئے میں ان دونوں کا جائزہ لوں گا۔ ہم ان دونوں سے ڈرا دوری تھے کہ اچانک وہ رک گئے۔ کتا کچھ مضطرب تھا اور سر اٹھا کر ادم

میرا جواب اثبات میں سن کر وہ ملامت بھرے لہجے میں بولی۔ تم نے ایک مخلص اور سادہ لوح انسان کو بے وقوف بنایا ہے۔ وہ بے چارہ سمجھ رہا تھا کہ تم اس کی محبت میں تڑپ کر اس سے ملنے آئے ہو۔ میں بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا تھی لیکن اب مجھے اندازہ ہوا کہ تمہیں اصل فکر اپنے ہال و دستار کی حفاظت کی تھی۔ اپنا جوہد اس کے سر پر ڈال کر اب تم بے فکری سے لوٹ رہے ہو۔“

”ہر وقت خیالی گھوڑے سے دوڑاتی رہا کرو۔“ میں نے بد مزگی سے کہا۔ ”اے سب معلوم ہے کہ ہم اس کے پاس کیوں آئے تھے۔“

اسے تفصیلی بات چیت ہوئی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ ملا۔ جا رہا تھا لیکن وہ اس بات پر رضامند نہیں ہوا۔ تم چاہو تو سلطان شاہ سے اس بات کی تصدیق کر سکتی ہو۔“

”ڈینی جھوٹ نہیں بول سکتا۔“ سلطان شاہ فوراً ہی بول پڑا۔ ”ساری باتیں میری موجودگی میں ہوتی رہی ہیں۔ اب کوئی بھی انکشاف اول خان کی معلومات میں اضافہ نہیں کر سکتے گا۔“

نوٹ جھونک چل پڑی۔ میں نے اپنی اور اول خان کی گفتگو کے حوالے دیتے ہوئے کل زمان کا ذکر دانستہ گول کر دیا۔ وہ ایک نئے اور کاری افسر تھا۔ کسی ناگزیر ضرورت کے بغیر اس کے رہنمائی کی تکمیر مناسب نہیں تھی۔

رات کے پھیلنے ہوئے اندھیرے کے مقابلے میں صبح کے دم توڑتے ہوئے ٹکبے دھندلے میں بھرے ہوئے پیٹ کے ساتھ زرا نیوٹنگ کا لطف ہی کچھ اور تھا۔ میں اپنی سمت کی کڑی کھول کر خشک سیم حری کے لطیف مجموعوں سے ناڈی کشید کرتے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ بقیہ وقت کہاں اور کیسے گزارا جائے۔ سلطان شاہ کو ایلن کا کھوج لگانے کے لئے جانا تھا۔ میرا ارادہ کسی اسٹیٹ انجنی کے ذریعے کرائے پر فلیٹ حاصل کرنے کا تھا لیکن ان کے دفاتر دس گیارہ بجے سے پہلے نہیں کھلتے تھے۔ زسری کے دکاندار سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں یہ بات بھی سامنے آچکی تھی کہ کتوں کا رکھوالا دکانیں کھلنے کے وقت ہی کتوں کو سیر کرانے کے لئے لٹکا تھا۔ سلطان شاہ کے لئے اپنے کام کے آغاز کا بہترین وقت وہی ہو سکتا تھا۔ میری اور لمبی ڈرائیو کے خیال سے میں نے گاڑی کا رخ مارٹن روڈ سے ناظم آباد کی طرف موڑ لیا۔ مضبوطی علاقے کا طویل چکر کٹ کر ٹاور کی طرف سے شہر میں داخل ہو کر ہم کافی وقت گزار سکتے تھے۔

”ذرا اچلا جھیل جائے تو مجھے زسری پر ہی اتار دینا۔“ سلطان شاہ نے کہا۔ ”میں ایلن پھر اپنا کام شروع کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا آؤی بھی کسی بچے لچھے کتے کو ٹھلانا ہوا نظر آجائے۔“

”تم نے تو کہا تھا کہ جنرل اسٹور والا اسے دیکھتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دیر سے لٹکا ہو گا۔“

”وہ جنرل اسٹور ہی نہیں، ٹیکری بھی ہے۔ سویرے کھل جاتی ہوگی۔ ویسے بھی کتوں وغیرہ کو ٹھلانے کے لئے علی الصباح کا سناٹا ہی بہتر ہوتا ہے۔“

تھے کی اوٹ میں اچھل کر نیچے گرتے دیکھا ہے۔

دہان یکا یک جو صورت حال رونما ہوئی تھی وہ خاصی خطرناک تھی اور مجھے غزالہ کے مشورے سے پہلے ہی اندازہ ہو چکا تھا کہ گاڑی کا نمبر نوٹ کئے جانے سے پہلے ہمیں دہاں سے فرار ہو جانا چاہئے۔ اگر سلطان شاہ نے کتے کے رکھوالے پر گولی چلائی تھی تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی چلائی ہوگی اور اس کارروائی کے بعد اپنی بچت کے امکان کو بھی نگاہ میں رکھا ہوگا۔ اس وقت ہم چاروں عملاً دو پارٹیوں میں بٹ چکے تھے اور کسی ایک پارٹی کی وجہ سے دوسری پارٹی کو سنگین خطرات مول لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ کچھ دور جاتے ہی میں نے گاڑی تیز رفتاری سے ایک گلی میں گھمادی۔

مجھے یقین تھا کہ رات کے اندھیرے کے مقابلے میں صبح سویرے کی فائرنگ پر اس علاقے کے مکینوں کا رد عمل خاصا مختلف ہوگا اور خامے لوگ اپنے گھروں سے نکل کر صورت حال کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ اس گھبراؤ کا آغاز ہونے سے پہلے ہی ہم اس علاقے سے نکلنے چلے گئے۔ کافی دیر کی خاموشی کے بعد غزالہ ہی نے متاسفانہ لہجے میں سکوت توڑا ”ان لوگوں نے کھلی سڑک پر گولی چلا کر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ کیسے وہ کسی مصیبت میں نہ پڑ جائیں۔۔۔“

”وہ دونوں کچھ دانا ہیں۔ ایسی حوصلہ شکن باتیں سوچ کر اپنے ساتھ میرا دماغ بھی خراب مت کرو۔ موجودہ حالات میں ہم ایسی کوئی چوٹ کھانے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ میں نے قدرے ترشی سے کہا ”ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ وہ اپنے مشن میں کامیاب رہیں گے اور تین بجے ہم سے آئیں گے۔“

میرے لیے کی ترشی پر وہ قدرے اداں ہو گئی اور آہستگی سے بولی ”میں بھی اچھی باتیں سوچنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن کیا کروں؟ سامنے کی بعض باتوں سے چشم پوشی بھی نہیں کی جاسکتی۔“ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی پوری توجہ سڑک پر مرکوز کر دی۔

اس وقت میں جلد از جلد صبح کے اخبارات دیکھ لینے چاہتا تھا۔ پچھلی رات کی دیر اور غزالہ کی مشترکہ مہم جوئی کا صحیح نتیجہ اخبارات ہی سے سامنے آ سکتا تھا لیکن میں نے اس علاقے میں کسی ہاکر کے پاس بھی رکنے کا خطرہ مول نہیں لیا اور براہ راست شارع فیصل پر نکلتا چلا گیا۔

اس سڑک پر ٹریفک کا ایک طرف نظام ہونے اور قرب وجوار میں گاڑی کا رخ موڑنے کی کوئی جگہ نہ ہونے کے باعث میں سڑک پر آکر تیز رفتاری سے شہر کی مخالف سمت میں روانہ ہو گیا۔ غزالہ میرے اس لئے سفر پر چند ٹائیوں سے زیادہ خاموش نہیں رہ سکی اور حیرت سے بولی ”شہر کی طرف جانے کے بجائے آپ کہاں جا رہے ہیں؟ کیا اپنا پروگرام تبدیل کر لیا ہے؟“

میں اس کی شخصیت کے تضاد پر بے اختیار ہنس پڑا۔ وہ خود

اُدھر دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس تبدیلی کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ میرے لئے وہ جائزہ لینے کا بہتر موقع تھا۔

مگر جوں ہی ایک ڈرنگت ہوئی ان دونوں کے قریب پہنچی کتے پر اچانک دو گئی۔ وہ بڑ گیا۔ وہ پوری قوت سے بھونک کر فضا میں اچلا۔ اس کی زنجیر رکھوالے کے ہاتھ سے نکل گئی اور وہ وحشیانہ زراہوں کے ساتھ غزالہ کی جانب کی کھلی ہوئی کھڑکی پر حملہ آور ہو گیا۔

غزالہ ایک دھشت زدہ چیخ مار کر میرے اوپر آ پڑی۔ اس نے میرے ہاتھوں سے نکل گیا پوزیشن بگمنے کی وجہ سے پیرا کیسٹر فائر پیٹل سے پھسل گیا۔ غیبت سے تھا کہ ایک ڈرنگت کے گیسٹر خود تھے ورنہ زراہی ایک جھگڑے سے کار کا انجن بند ہو گیا ہوتا۔

کتا زور زور سے بھونک کر اگلے پتھوں کے سارے ریگٹی ہوئی دار میں محسوس آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غزالہ دھشت سے کانپتی ہوئی مجھ سے چپکلی ہوئی تھی۔ آخر کار ایلین کے سدھائے ہوئے یک اور خون خوار کتے نے میری بولپالی تھی۔

میں نے اپنی طرف کے دروازے میں لگے ہوئے ماسٹر کنٹرول پٹل کا بٹن دبا کر غزالہ کی سمت کی کھڑکی کا شیشہ بند کر دیا اور فرار والہ سے کہا ”بلادہ کیوں خود کو تماشیا رہی ہو؟ گاڑی سے باہر نکلنا ہوا تھا تمہارا کیا کیا کر لے گا۔“

غزالہ نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ اس وقت اس کا سانس زحما ہوا تھا۔ وہ تنک کر بولی ”میں نے اس وحشی کتے کے حلق سے ٹٹنے والے تیز بھجوں کی ٹری اپنے چہرے پر محسوس کی تھی۔“ اس وقت تک میں گاڑی پر دوبارہ کنٹرول کر چکا تھا۔ گاڑی کا بڑ بند ہو جانے کے باوجود وہ سیاہی مائل جسم کتنا پورے زور و دھڑ سے بھونکے جا رہا تھا اور اپنے تیز پتھوں سے گاڑی کی آہنی باڑی کو کھجے جا رہا تھا۔ اچانک فضا ایک فائز کے شور سے گونجی اور لہلہ جانگیر کی جیتی گاڑی کے کسی حصے سے ٹکرا کر اچٹ گئی۔ اس وقت تک میری پوری توجہ صرف کتے پر مرکوز تھی۔ فائز کے دھماکے نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ فوراً ہی میری نظرس اس طرف اٹھ گئی جہاں کتے کے رکھوالے کو موجود ہونا چاہئے تھا۔

وہ نظارہ ایک سیدھا اور سادہ لوح محنت کش نظر آیا تھا لیکن اس وقت کسی پیشہ ور لڑاکا کی طرح ایک تادور درخت کی اوٹ لئے اسی طرف دوسرا فائز کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

میں نے فوری طور پر... ایکسیلریٹر پاؤں کا دباؤ ڈالا، گاڑی کسی نصب ناک پینے کی طرح غزا کر آگے بڑھی اور اسی لمحے فضا ایک فائز کے شور سے گونج اٹھی۔ اس بار فائز کے ساتھ ہی ایک بے اندازہ انسانی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ کرب میں ڈوبی ہوئی لڑنے خیز

”اسے کسی نے مار دیا“ غزالہ نے اضطرابی لہجے میں کہا۔ اب آپ رکے بغیر یاں سے نکلنے چلے جائیں۔ کتا بھی پیچھے ہی رہے۔ شاید سلطان شاہ نے اس پر فائز کیا ہے۔ میں نے اسے

بارے میں بہت زیادہ تفصیلات نہیں بتا سکی تھی۔ اس کا کہنا تھا وہ آنے والیوں کی صورت دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئی تھی۔  
فلٹ کی مالک کے بیان کے بعد اس عمارت کے چوکیدار اور شامل تفتیش کر لیا گیا تھا یا آسان زبان میں گرفتار کر لیا گیا تھا اسے اعتراف کرنا پڑا کہ ایک بڑے سے محلے کے ساتھ دو سو عورتیں واردات سے کچھ دیر پہلے عمارت میں داخل ہوئی تھیں وہ اتنی متعول نظر آ رہی تھیں کہ اس نے ان سے کوئی پوچھ کر نہ کیا ان کا حلیہ ذہن نشین کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔  
مجموعی طور پر وہ دیر اور غزالہ کے بارے میں کوئی اہم بات بتانے سے قاصر رہا تھا۔

مجھے ان دونوں نے خود بتایا تھا کہ نگاہیں سینکے کے شرفین فوجوانوں اور مردوں کی گھورتی ہوئی پرشوق نگاہوں سے دور رکھنا چاہیے تاکہ انہیں اس عین واردات کے حوالے سے کسی نے آگے آکر پولیس والوں کی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔  
ان دونوں کے نامانی قتل پر مقامی قوتصل خانہ اور اس ملحق تمام واقعات میں دن کے لئے بند کر دیے گئے تھے۔ دیر فارموں کی وصولی اور اجراء کا کام اطلاع ثانی تک معطل کر دیا۔

اور اعلیٰ عہدے داران دونوں لاشوں کو جلد از جلد مقتولین آبائی شہروں کو بھجوانے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے تھے انہوں نے قتل کے بعد مقامی سطح پر لاشوں کے پوسٹ مارٹم اجازت نہیں دی تھی۔ یہ کام وہ لاس اینجلس اور ڈلاس میں انجام دینا چاہتے تھے۔

تینوں اخبارات میں خبر دی تھی۔ انداز قدرے مختلف البتہ انگریزی اخبار کے نامہ نگار نے اسے محض ایک اتفاقی واقعہ سمجھنے کے بجائے اس کا پس منظر بھی کھینچنے کی کوشش کی۔  
ایک دور کار ارمکان کی نشان دہی کے بعد اس نے یہ حوالہ دیا تھا کہ ماضی قریب میں قوتصل خانے والوں نے مقامی حکام کی سے ایک روپوش مجرم اور ایک امریکن مغویہ کی تلاش کے میں دو دو لاکھ ڈالر کے انعامات کے اخباری اشتہارات جاری تھے۔ نارمن اور لوی کا دہرا قتل اس اشتہار کا شاخسانہ بھی تھا کیونکہ بظاہر شہر میں ان دونوں غیر ملکی مقتولین کی کسی دشمنی نہیں تھی۔

”اخباری نامہ نگار بھی آدھے سراغرساں ہوتے ہیں“ غریب تینوں اخبارات کے سرسری مطالعے سے فارغ ہو کر ایک سانس لیتے ہوئے بولی ”ہر بات کی یہ تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔“  
”آدھے نہیں، پورے سراغ رساں کو۔ بعض اوقات پولیس والے بھی ان ہی سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں کیونکہ ان کے ذہنوں میں ساری متعلقہ خبریں سمائی ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ بظاہر متعلق نظر آنے والے واقعات کی کڑیاں آسانی سے یک جا کر لیتے ہیں۔“

پھر ہر کوئی کام سر انجام دینے کا بیڑا اٹھاتی تھی تو چلا کی اور مکاری میں بڑے بڑے شاطروں کو پیچھے چھوڑ دیتی تھی لیکن جب وہ پہلے کے حق سے دست بردار ہو کر میرے اوپر انحصار کرنے لگی تھی تو بعض اوقات سامنے کی باتیں بھی سمجھنے سے قاصر رہتی تھی۔  
”یہ گاڑی سڑک کے بیچ بنی ہوئی سبز بنی پر سے اڑ کر دوسری طرف نہیں جا سکتی اس لئے مجبوری ہے۔ جلد ملنے پر ہم اپنا رخ شہر کی طرف موڑ لیں گے۔“  
”آپ چاہتے تو گلیوں میں ہو کر شاہراہ قائدین سے ہو کر دوسرے ٹریک پر نکل سکتے تھے۔“  
”ہمیں گلیوں میں بھٹک کر وقت برباد کرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔“

نیپو سلطان روڈ والے ٹریک سٹپل پر پہنچ کر میں نے کامیابیاں جانب موڑ لی اور چند ہی ثانیوں بعد ہم شہید ملت روڈ پر سڑک کر رہے تھے۔ میں نے غزالہ کو خاموش کر دیا تاکہ انہیں میرا ذہن بدستور دیر اور سلطان شاہ میں الجھا ہوا تھا۔ ان دونوں کی صلاحیتوں پر بھروسہ اعتماد ہونے کے باوجود مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ جوش میں آکر کسی مشکل صورت حال سے دوچار نہ ہو گئے ہوں۔

آخر میں نے کار شہید ملت روڈ سے طارق روڈ پر موڑ لی۔ اس وقت تک سڑکوں پر ٹریفک کی زیادہ بھیڑ بھاڑ شروع نہیں ہوئی تھی اس لئے مجھے سبک رفتاری سے ڈرائیونگ جاری رکھنے میں کوئی وقت پیش نہیں آ رہی تھی۔

طارق روڈ پر پلانٹیز اسٹینڈ نظر آتے ہی میں نے گاڑی کنارے سے لگا کر اردو اور انگریزی کے تین اخبار خرید لئے۔ گاڑی حرکت میں آنے پر غزالہ نے بے آبی سے ان اخبارات کے ابتدائی اور آخری صفحات کا مطالعہ شروع کر دیا۔  
”خوب! اس اخبار میں نارمن کے قتل کی خبر پہلے ہی صفحے پر تین کالموں کی زینت بنی ہے۔“ اس نے پلا اخبار دیکھ کر کہا اور انشاک سے خبر پڑھتی چلی گئی۔

خبر میں معمول کی سنسنی اور مبالغہ آرائی کے ساتھ جو کچھ بیان کیا گیا تھا وہ میری خوشی کے لئے بہت کافی تھا۔ ایچ ڈی نارمن کے ساتھ جسم واصل ہونے والی لڑکی بھی امریکن تھی اور دفتر میں اس کے ساتھ کام کرتی تھی۔ ان دونوں کے تعلقات دفتری مراسم سے کافی آگے بڑھے ہوئے تھے اور وہ اپنی پیشتر شامیں ایک ساتھ گزارا کرتے تھے۔ پچھلے دن بھی وہ دونوں اپنے دفتر سے ایک ساتھ ہی نارمن کے گھر آئے تھے اور بے فکر کیساتھ اپنا وقت گزارنے کا ارادہ رکھتے تھے کہ نا معلوم سمت سے آنے والی گولیوں نے ان کو لوہیں مندا دیا۔

لاشیں دریافت ہونے کے بہت بعد میں اس فلیٹ کا سراغ مل سکا جہاں سے ان دونوں پر فائر کئے گئے تھے فلیٹ سے استعمال شدہ جی تھری رائفل برآمد کر کے فلیٹ کی مالک کا بیان قلم بند کر لیا گیا تھا لیکن وہ دو خوب صورت، جوان سال اور فیشن زدہ لڑکیوں کے

بیچا سرائے تک لے جایا گیا تھا۔ ٹرک کے نمبر کے سارے بہتری  
مطلوبات حاصل کی جاسکتی ہیں۔“  
”وہ لمبا اور غیر یقینی طریقہ ہے۔۔۔ دیے بھی میں ٹرک کا نمبر  
بحول چکا ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں پہلوان جیسے لوگوں کو سنبھالنا  
جاتا ہوں۔ وہ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔“  
”آپ کے ساتھ میرا دہاں جانا۔۔۔ خیر جو ہوگا دیکھا جائے

”ہرے! یہ آپ کدھر جا رہے ہیں؟“ کھڑکی سے گرد و پیش کا  
بازہ لیتی وہ چونک پڑی۔  
”اسٹینٹ ایجنسیوں کے دفاتر ساڑھے دس گیارہ بجے سے  
پہلے نہیں کھلیں گے۔ ہمیں یہ وقت کہیں نہ کہیں گزارنا ہی ہوگا“  
میں نے بے پردائی سے کہا۔  
”مگر کہاں؟“ وہ الجھن میں مبتلا ہو گئی ”آپ کا رخ شہر کے  
نواح علاقے کی طرف ہے۔“

”میں ٹوٹی کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا  
ہوں۔“ ”مگر کہاں سے؟ ٹوٹی تو اپنے بارے میں تقریباً سب کچھ ہی بتا  
چکا تھا۔“

”اس نے کہا تھا کہ بد رو کی ملازمت سے برطرفی کے بعد وہ  
پہلوان کے اڑے پر کام کر رہا تھا۔ اگر کسی غیر ملکی نے ٹوٹی کے لئے  
وہیں فون کیا تھا تو پہلوان کو اس بارے میں ضرور علم ہوگا۔“  
”بالکل“ غزالہ نے میری تائید کی ”پہلوان کو اس بارے میں  
باخبر ہونا چاہئے۔ ٹوٹی کے لئے پیسے لانے والا لاڑ کا بھی وہیں پہنچا تھا۔  
اس بارے میں پہلوان سے زیادہ باخبر کون ہو سکتا ہے۔“

”اور آج صبح ایلین وہیں فون کر کے ٹوٹی سے رپورٹ لینے والا  
تھا۔“ ”یہ سب باتیں مجھے یاد ہیں۔ تو کیا آپ پہلوان کے اڑے پر  
جا رہے ہیں؟“

”وہاں جائے بغیر پہلوان سے ملاقات کی کوئی صورت نظر  
نہیں آتی۔“  
”نہیں“ وہ یک بیک مضطرب ہو گئی ”وہاں جانا خطرے سے  
خالی نہیں ہوگا۔۔۔“

میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑا ”وہاں کوئی  
خطرہ نہیں ہوگا۔ مجھے اس کے آدمیوں کو صرف اس بات کا یقین  
دلانا ہوگا کہ میں پولیس والوں کا خیر نہیں ہوں۔ پہلوان سے نئے  
خبر مجھے بد رو کا ٹھکانا معلوم نہیں ہو سکے گا۔ اب میں اسے سبق  
سکھانے کا تہیہ کر چکا ہوں۔“

”بد رو کے بارے میں جانتی رہے زیادہ باخبر کون ہوگا؟“ وہ بے  
مانندہ بولی۔

”اب وہ پرانی بات ہو گئی۔ گلابان سے واہبی کے بعد بد رو سے  
ابطح کی ہر کوشش ناکام ہو چکی ہے۔ جہاں تک اسے ہر طور پر اسے  
اٹھانے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا لیکن اسے کامیابی حاصل  
میں ہو سکی۔ شاید بد رو نے ایک طرف طور پر ہمیں اپنا حریف تصور  
رہا ہے۔“

”اس کا گودام بھی ہمارا دیکھا ہوا تھا جہاں ہم شنگریوں کی قید  
مارہے تھے۔“

”میں اس گودام کے دو دیوار کے سوا کسی چیز کا علم نہیں  
بد رو کے متعدد علاقوں میں اس سے ملتے جلتے گودام بکھرے  
دیکھوں گے۔ ہم کہاں بھٹکتے پھریں گے؟“  
”آپ نے اس ٹرک کا نمبر یاد کیا تھا جس پر ہمیں کراچی سے



اردو میں پہلی بار

تحریر شناسی کے فن پر ایک نادر اور رہنما کتاب

یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ

- یہ شخص کس کام کے لئے موزوں ہے؟
- کیا یہ حالات سے لڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟
- کیا اسے جلد غصہ آتا ہے؟
- کیا یہ جھوٹ بولنے کا عادی ہے؟
- کیا اس کے ساتھ شادی کی جاسکتی ہے؟
- کیا اس پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟
- کیا یہ ایماندار اور بہمدرد ہے؟
- اس کا مرضی رویہ کیسا ہے؟
- اس میں برائیاں زیادہ ہیں یا اچھائیاں؟
- اور ایسی دوسری بہت سی باتیں۔

ہر شخص کیلئے یکساں طور پر کارآمد کتاب

قیمت 30 روپے ڈاک خرچ 23 روپے

مطبوعات کاہنہ

**مکتبہ تنہیںیات**

پتہ: 944 کراچی 74200

فون: 9902552-9906313

فیکس: 9902551

گ۔ ”کچھ کہتے کہتے وہ رک گئی۔  
 ”جو کہنا چاہتی ہو، کھل کر کہو۔ اپنی بات ادھوری کیوں چھوڑ دیکھو؟“  
 میری موجودگی وہاں تماشا نہ بن جائے۔  
 ”اس خیال میں نہ رہنا کہ میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا۔ وہ بت پرانا اڑا ہے اور میرا دیکھا بھلا ہے۔ میں تمہیں گاڑی ہی میں کچھ دور چھوڑ کر پیدل وہاں جاؤں گا۔ میری واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔“

”مجھے کسی بات کا خوف نہیں ہے۔ کل شام میرا کے ساتھ کام کرنے کے بعد میری رہی سہی جھجک بھی دور ہو گئی ہے۔ وہاں کسی نے اس قیمتی گاڑی میں مجھے تنہا پارک چھینچھاؤ کرنے کی کوشش کی تو میں اس کا طیلہ لگاؤں میں ڈرا بھی تردد نہیں کروں گی۔“  
 ”جس یہ دھیان رہے کہ پولیس والوں کی مداخلت کی نوبت نہ آنے پائے گاڑی کے پائیدان میں اس وقت بھی کئی ہتھیار اور بھرے ہوئے فاضل میگزین موجود ہیں۔“  
 ”اوہ! وہ ہے اختیار بولی، میں ہتھیاروں کو تو بھولی ہی ہوئی تھی۔ اچھا ہوا کہ آپ نے یاد دلایا۔“  
 ”ایک بات بتاؤ کہ چند روز سے تم مجھے مسلسل آپ سے کیوں مخاطب کر رہی ہو؟ میں نے ایک خیال کے تحت شوخی سے پوچھا۔“  
 ”میں آپ سے پیشہ اسی طرح بات کرتی ہوں۔ میرے سبب پر وہ شہنائی۔“

”کوشش ضرور کرتی ہوگی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوتیں۔ بارہا تم تسلسل کے ساتھ مجھے تم کہہ کر مخاطب کرتی رہی ہو۔ مکاؤ اور شکار واپسی میں بارہا ایسا ہوا ہے۔“  
 ”مکاؤ کی بات مختلف تھی۔ بعض اوقات حالات کے تقاضوں کو بھی مد نظر رکھنا پڑتا ہے۔ پھر کبھی کبھی ہوا کے زیر اثر انسان وہی رویہ اختیار کر بیٹھتا ہے جو اس کے لاشعور میں بیا ہوا ہوتا ہے۔ میں نے جیسی بھی جاننے بوجھے ہوئے آپ سے گستاخی کرنے کی کوشش نہیں کی۔“  
 ”تم گستاخیاں تو بے شمار کرتی ہو۔ یہ لور بات ہے کہ میں نے کبھی ان کی نشان دہی نہیں کی۔“  
 ”کب؟ آپ کن گستاخیوں کا حوالہ دے رہے ہیں؟“ اس نے بوکھلا کے پوچھا لیکن میرے چہرے پر ہنسی ہوئی شوخ مسکراہٹ دیکھ کر فوراً ہی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔  
 ”ایک گستاخی ہو تو نواؤں، میں تو ایک قطار لگی ہوئی ہے۔“

میں نے کہا۔  
 ”یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔“ وہ مہری سنجیدگی سے بولی۔  
 ”جب تک ہمیں سرچھپانے کے لئے کوئی ٹھکانا نہیں مل جاتا، ہمارا ہر لمحہ خطرات کے سامنے ہی گزر رہا ہے۔“  
 ”ہر وقت اتنی سنجیدگی اچھی نہیں لگتی۔ وہ دونوں ہر وقت سامنے کی طرح یوں ہمارے ساتھ لگے رہتے ہیں کہ ہمیں بے تکلفی

چھپاتی رہی۔ میں نے ایک طویل اور میرا آنا جدوجہد کے بعد اسے خود ملائی کے چنگل سے آزاد کر کے اپنی محبت کا یقین دلایا اور آخر کار ڈون کو ایک فوکے مکاؤ والے محل میں اسے اپنانے میں کامیاب ہو سکا تھا۔

دلدار آقا کا نام میرے لئے ایک رستے ہوئے نامور سے کم نہیں تھا۔ اس نے خزاں کو اس کی زندگی کا سب سے بڑا فریب دیا تھا۔ میں اسے بھول سکتا تھا نہ معاف کر سکتا تھا۔ میں نے اس نام کی کک سے محفوظ رہنے کے لئے فوراً ہی دلدار آقا کا نام استعمال کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ تو یہ علی عرف ڈینی کی ذہنی آسودگی کے لئے دلدار علی کا نام ہی بہتر تھا۔

میری جب میں سرگت کا پیکٹ موجود تھا مگر حیل مقصود کا رخ کرنے سے پہلے گرد و پیش کا جائزہ لینے کی خاطر کہیں پڑاؤ کرنا ضروری تھا۔ اس وقت پان والا فرصت میں تھا اور بے کاری کے ان لمحات سے استفادہ کرتے ہوئے تیزی سے پان بنانے میں مصروف تھا۔ میری آہٹ پاتے ہی اس کی مستفسرانہ نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں لیکن دونوں ہاتھ بدستور پان بنانے میں مصروف رہے۔

”ایک پیکٹ گولڈ لیف!“ میں نے جب سے پیسے نکالے ہوئے کما پھر سرسری لہجے میں پوچھا ”یارا یہ پھلون کا ٹھکانا سی سڑک پر ہے نا؟“

اس نے صانی سے ہاتھ پونچھ کے سرگت کا پیکٹ میرے سامنے چوبی کاؤنٹر پر رکھا اور میری بات کا کوئی جواب دینے کے بجائے ہاتھ کے اشارے سے کسی کو بلانے لگا۔

غیر ارادی طور پر میرا پیچھے گھوم گیا۔ پان والا اسی شدے کو بلا رہا تھا جو پچھلے غصے سے میرا پیچھا کرتا چلا آ رہا تھا۔ میں اپنی جگہ پر فوراً ہی چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا ہے ڈے،“ راجے نے ”سرگت نوش لنگڑے نے پان والے کی طرف آتے ہوئے دوری سے پوچھا۔ اس کی نظریں اس وقت زیادہ بے تحاشی سے میرا جائزہ لے رہی تھیں۔

پان والے نے اپنے کلمے میں دے ہوئے پان کی پیک کی پککاری ایک طرف مارتے ہوئے منہ بگاڑ کے کہا ”یارا زرا بھائی کو پھلون کے ٹھکانے کا پتا بتا دے۔ پتا نہیں ہے چاہے کس پکڑ میں آیا ہے۔“

”جاؤ! ڈشکا تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔“ راجے نے میری دی ہوئی رقم کی بٹائی لٹاتے ہوئے نامحانہ لہجے میں کہا ”میں اتنی سی بات یاد رکھنا کہ پھلون سے پھڑا کر لے والے اپنے پیروں پر چل کر ضرور آتے ہیں لیکن واپسی پر انہیں ایڑھی والے ہی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ وہاں کسی پھڑے بازی کا ارادہ ہے تو ہمیں سے واپس لوٹ جاؤ۔ بہت مزے میں رہو گے۔“

میں مجبورے انداز میں ہنس پڑا اور بولا ”میں شریف آدمی ہوں اور ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد میں تم سے ملتا ہوا واپس جاؤں گا۔“

شہدوں کے انداز میں اپنی قمیص کے کنارے کے گرد گھرے نیل رنگ کا رد مال لگایا ہوا تھا۔

پھلون کا اڈا اس علاقے میں عرصے سے قائم چلا آ رہا تھا۔ جس کی مصنوعی قلت پیدا کر کے جب ہم نے اس شہر کے نشیات فروشوں کے ذریعے ہیروئن کی تقسیم کا جال بھیلایا تھا تو میں نے روپ بدل کر اس اڈے کا معائنہ کیا تھا۔ اس زمانے میں وہ اڈا آبادی سے قدرے الگ ایک وسیع پلاٹ پر قائم کیا گیا تھا اور پھلون دن رات اپنے چیلوں کے ساتھ وہاں موجود رہ کر اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کرتا تھا۔

اس وقت میں ڈینی کے روپ میں وہاں نہیں جا رہا تھا۔ اس وقت ڈینی شہر بلکہ ملک کا ایک اشتہاری مجرم تھا جس کی گرفتاری میں مدد دینے والے کے لئے دو لاکھ ڈالر کا پیش قیمت انعام مقرر تھا۔ میری شناخت ظاہر ہوتے ہی اس خلیفہ انعام کے لئے پھلون یا اس کے کسی حواری کی رال ٹھک سکتی تھی۔ ایسے پرہول امکانات کے ازالے کے لئے میں نے اس ملاقات کے لئے دلدار آقا کا نام استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

میں جتنا گھر سے الگ ہونے کے بعد ہوٹل میں قیام کے وقت سے دلدار کا نام اختیار کئے چلا آ رہا تھا لیکن اس کے ساتھ آقا کا اضافہ میری کسی لاشوری رو کا نتیجہ تھا۔ دلدار آقا خاصا رعب دار اور ہماری مجرم نام معلوم ہوتا تھا۔ میں نے حالات میں کوئی جثہ تبدیل نہ دینا ہونے تک وہی نام اختیار کئے رہنے کا فیصلہ کر ڈالا۔

پھر میرے ذہن میں کوئی نا آسودہ خیال رہ رہ کر بخش محرق کی طرح جھپنے لگا۔ میں سوچتا اور آگے بڑھتا رہا۔ جب میں ایک پان والے کے پاس رکنے کا فیصلہ کر چکا تھا تو اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ پچھو کا وہ جھمکا ہوا ڈنک اپنے اصل روپ میں واضح ہوتا چلا گیا۔

دلدار آقا کا دلدار آقا سے ایک خاص صوتی آہنگ تھا۔ دلدار آقا کی کا ڈی ڈی تھا جس نے میری بغاوت کے بعد شی کی مقامی قیادت سنبھال لی تھی۔ ایک طرف وہ جاز فائرا سیمپل کمپنی کی آڑ میں ہیروئن بھرے کیسیول ملک سے باہر اسلگ کرتا تھا اور دوسری طرف شی کا دوبار چلا تھا۔

وہ خبیث دوسے زمین پر میرا سب سے بڑا اور بدترین حریف تھا۔ اس نے نہایت چال بازی کے ساتھ اپنی بے لوثی اور انسان دوستی کا ایذا رمارا چلایا تھا کہ خزاں اس کے اخلاق کی گرویدہ ہو گئی اور اس خون آشام بھیڑیے نے مقصود بھیڑ کا لبادہ اوڑھ کر خزاں کو اپنی بیوی بنالیا تاکہ مجھے شکست کے بدترین احساس سے دوچار کر سکے۔

یہ ایک تلخ حقیقت تھی کہ دلدار آقا اپنی بھیاک موت تک خزاں کا گماڑی خدا بنا رہا تھا۔ اس کے قریب کا پردہ چاک ہونے کے بعد خزاں ایک مدت تک نہایت سے مغلوب ہو کر مجھ سے منہ



نہ کنوا لے۔ لاؤ تم نے ابھی تک اپنا ریو الور نہیں نکالا۔  
”یہاں؟ ہماری گلی میں؟“ میں نے بوکھلا کر پوچھا ”دیکھنے والے  
کیا سوچیں گے؟“

ڈشکے نے بے نیازی سے ایک کمرہ قفسہ لگایا اور دمبی  
آواز میں بولا ”یہ اپنا علاقہ ہے۔ یہاں کوئی مالکی کالا آنکھ اٹھا کے  
بھی ہماری طرف نہیں دیکھے گا۔ ریو الور دو تو ہم کیسے بیٹھ کر بات  
کرتے ہیں۔ تم کو سب سے پہلے یہ بتانا ہو گا کہ تم کون ہو اور ٹوٹی کو  
کیسے جانتے ہو۔“

میں نے اپنی جیب سے بھرا ہوا ریو الور نکال کے جلدی سے  
اسے پکڑ لیا۔ اس نے ریو الور چھپانے کے بجائے حیرانہ نظروں  
سے اس کا جائزہ لیا اور پرسش کرتے ہوئے بولا ”ولایتی ہے۔ میڈان  
جرمنی کا مینا ہوا لگتا ہے۔ پهلوان کو ایسے ہتھیار بہت پسند آتے  
ہیں۔“

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے ریو الور  
اپنی جیب میں رکھتے ہوئے دوبارہ کہا ”جب سے شہر کے لوگوں نے  
ایسے ہتھیاروں سے چاند ماری کی مشقیں شروع کی ہیں گولیوں کے  
دام ایک دم آسان سے باتیں کرنے لگے ہیں۔“

”مجھے کافی عرصے سے گولیاں خریدنے کی ضرورت پیش نہیں  
آئی۔“ میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا ”اب کیسے بیٹھنے کی فکر کرو  
تا کہ ہم کچھ کام کی باتیں کر سکیں۔“

”بیٹھ بھی جائیں گے۔“ وہ ایک بظنی گلی میں مڑتے ہوئے بے  
پردائی سے بولا ”تم شروع ہو جاؤ۔ یہاں کوئی ہماری بات سننے کی  
کوشش نہیں کرے گا۔“

دو درستی یہ کہ رہا تھا۔ بظنی گلی قدرے ویران تھی لیکن لمبی  
گلی میں بھی کسی نے نگاہ بھر کے ڈشکے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں  
کی تھی۔ جو راہ گیر زیادہ دل والے تھے وہ اس کے ہاتھ میں دبے  
ہوئے ریو الور کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے تیزی سے گزر گئے  
تھے۔

”میں حیدر آباد سے آیا ہوں۔“ میں نے فی البدیہہ بولنا  
شروع کر دیا ”میں ہیر آباد میں کیپوں کا ٹھیکہ چلاتا ہوں۔ چرس اور  
ہیروئن بھی خاصی چلتی ہے۔ میں نے اوٹنی اوٹنی خیرس ہے کہ ٹوٹی  
وٹنی کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ آج کل اس کی گرفتارن پر دو لاکھ  
ڈالر کا انعام ہے۔ مجھے ایک دو ٹھکانوں پر شبہ ہے مگر میں وٹنی کو  
نہیں پہچانتا۔ سوچ رہا تھا کہ ٹوٹی ل کر کام کرنے پر راضی ہو جائے تو  
ہم دونوں انعام کی آدمی آدمی رقم کے مالک بن سکتے ہیں۔“

ڈشکا چلتے چلتے ایک دکان کے بند شہر کے آگے بنی ہوئی پتہ  
سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ اس طرف تقریباً ستاویں تھا۔ وہ اپنے لئے تین  
سگریٹ سلکانے کے بعد بولا ”پهلوان ہماری سے نفرت کرتا ہے۔  
اس نے بھی وٹنی والا اشتہار دیکھا تھا اور اخبار کے چیتھڑے اڑا  
دیے تھے۔ وہ وٹنی کا بہت پرانا قدردان ہے۔ کہہ رہا تھا کہ کوئی  
حرام کا پلٹا ہی وٹنی کو پکڑا سکتا ہے ورنہ کوئی اصل کا نطفہ اس لالچ

نگرے کی شخصیت کی طرح اس کا لقب بھی مہمل اور عجیب  
تھا۔ میرے ذہن میں کوئی ایسا نام نہیں آسکا جسے گاؤں ڈشکا جیسا  
بے ہودہ لفظ ایجاد کیا جاسکے۔

ڈشکے نے مجھے سوچنے کی سہلت نہیں دی۔ راجے کو آنکھ مار  
کے میری پشت پر ہاتھ مارا اور چھوٹی ٹانگ پر زور دے کر اپنی بڑی  
ٹانگ پر تقریباً اچھلتا ہوا آگے چل پڑا۔ میں لپک کر اس کے برابر  
میں ہوا۔ وہ مجھے کام کا آدمی نظر آ رہا تھا۔

”استاد ڈشکا!“ میں نے اس کی اتان کو ابھارنے کی نیت سے چند  
ٹانگوں بعد کہا ”دراصل مجھے پهلوان سے نہیں، ٹوٹی سے ایک  
ضروری کام ہے۔ سنا ہے کہ وہ پهلوان کے اڈے پر ہوتا ہے۔“  
ڈشکا کو بھر کے لئے چلتے چلتے رک گیا پھر اپنا سفر جاری رکھتے  
ہوئے تھکی سے بولا ”ذرا سی دیر میں تم نے دو سری بات کی ہے۔  
مجھے تمہاری نیت خراب نظر آ رہی ہے۔ میں بتا دوں کہ راجے کا  
ایک ایک لفظ ٹھیک تھا۔ پهلوان کے سامنے پہنچنے ہی تم مارے جاؤ  
گے۔ وہ اوٹنی چڑیا کے پر گرن لینے والا آدمی ہے۔ تم اسے دھوکا  
نہیں دے سکو گے۔“

”دھوکا؟“ میں نے حیرت سے دہرایا ”پتا نہیں تم میری نیت پر  
شبہ کیوں کر رہے ہو؟“

اس نے ایک مرتبہ پھر رک کر برہم سی نظروں سے مجھے گھورا  
پھر بولا ”نیت صاف ہے تو پھر تمہاری داہنی جیب ہماری کیوں ہے؟  
نیک نیتی سے آنے والے ہتھیار بند نہیں ہوتے۔“

”اوہ... چلتے رہو۔“ میں نے ایک گہرا سانس لے کے کہا ”یہ  
معمولی سی بات ہے۔ میں اندر جانے سے پہلے ہی اپنا ریو الور تم کو  
دے دیتا۔ ہم جیسے لوگوں کو اپنی حفاظت کے لئے ہر وقت مسلح رہنا  
پڑتا ہے۔ ویسے میں تمہاری نظروں کی داد دوں گا کہ میری جیبوں کو  
ہاتھ لگائے بغیر تم نے میرے پاس کسی ہتھیار کی موجودگی کا پتا لگایا۔  
یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔“

”ایک مرتبہ پھر سوچ لو کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔“ ڈشکے نے  
تواہی لہجے میں کہا۔

”ٹوٹی کی تلاش میں۔“ اس بار میں نے پورے احماد سے  
جواب دیا۔

”پھر میرا مشورہ ہے کہ پهلوان کی طرف مت جاؤ۔ اس وقت  
وہ ٹوٹی کی ماں بن کی ایسی کی عیسیٰ کر رہا ہے۔ ٹوٹی کل شام سے لیا  
مال لے کے یہاں سے بھاگا ہوا ہے۔“  
”پھر میں کس سے بات کروں؟ میرا ٹوٹی سے ملنا بہت ضروری  
ہے۔“

”پہلے اپنا ریو الور میرے حوالے کرو پھر کیسے بیٹھ کر بات  
کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں ہی تمہاری پریشانی دور کر دوں۔  
ویسے ٹوٹی بہت حرام کا جاتا ہے۔ اگر وہ تم سے کوئی ایڈوانس لے چکا  
ہے تو اب اس پر مبرکرو۔ وہ آج کل گودوں کے پکڑیں پڑ گیا ہے۔  
پهلوان کو ڈر ہے کہ لبا مال بنانے کے لالچ میں کیسے وہ اپنی گردن ہی

لیکن پہلوان اس کا جگر یار ہے۔ جس نے بھی ڈنٹی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، وہ پہلوان کی بھانجیاں مارے نہیں بچ سکے گا۔ پہلوان اپنے دشمنوں کو مارا تم اور ٹھیکتا زیادہ ہے۔

وہ اپنی دوش میں بولے جا رہا تھا اور میں دل ہی دل میں اس کی ہرزہ سرائی پر ہنس رہا تھا۔ بھلا اس شہر میں مجھ سے زیادہ خفاکون تھا۔ لاکھوں کے جھوم میں میرے جو چند ہمدرد اور شناسا تھے، میں ان سے بھی نہیں مل سکتا تھا۔ وہ پہلوان کو میرا جگر یار قرار دے رہا تھا جب کہ میری اور اس کی واقعت ایک دو سرسری سی کاروباری ملاقاتوں سے زیادہ نہیں تھی۔ خود اس کا یہ حال تھا کہ میں بخش نفیس اس کے سامنے موجود تھا اور وہ مجھے پہچاننے سے قاصر تھا۔

”تم ڈنٹی کو پہچانتے ہو؟“ میں نے اس کے جھوٹے پرکھنے کے لئے سوال کیا۔

”وہ جب بھی ادھر آتا تھا، ڈنٹکے کے ساتھ دودھ پتی ضرور پیتا تھا۔“ اس نے اتنے فخر اور اعتماد کے ساتھ سفید جھوٹ بولا کہ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کے دعوے پر ایمان لے آتا۔

میں خود ایک مدت سے زیر زمین دنیا سے کٹا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ لوگوں نے مجھے بھلا دیا ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔ ان حلقوں میں میری کمائیاں مبالغہ آرائی کے ساتھ گردش کرتی رہتی تھیں۔ چراغ پیش لوگ جب اپنوں میں کسی کی برتری مان لیتے ہیں تو اس کی تعریف و توصیف میں جانے کی آخری حدوں کو بھی عبور کر جاتے ہیں۔ شاید ان ہی رجحانات نے ڈنٹکے جیسے شہنی خورے افراد کی نظروں میں مجھے ایسا اُن دکھا کر دیا تھا جس کی کمائیاں اس کے وجود سے زیادہ مقبول اور مشہور ہو جاتی ہیں۔ اس نے اتنی عقیدت کے ساتھ میرے ہمراہ دودھ پتی کی چائے پینے کا ذکر کیا تھا کہ اس جھوٹ پر بھی میرا دل اس کو زہ پست لنگڑے کے لئے موم ہو گیا تھا۔

”یہ بدو دادا کہاں ہوتا ہے؟“ لکھ بھر کے توقف کے بعد میں نے پوچھا۔

”پہلوان کہہ رہا تھا کہ ڈنٹی سے بچنا لینے کے بعد وہ کسی خوف زدہ چوہے کی طرح چھپتا پھر رہا ہو گا لیکن ماری پور کے ٹرک اسٹینڈ سے اس کا کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا ہے۔“ پھر وہ چونک کر بولا ”مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟ میں کہہ رہا ہوں کہ ڈالروں کا خناس اپنے داغ سے نکال دو ورنہ تمہیں بھی شہر میں کہیں امان نہیں مل سکے گی۔“

”میں ڈالروں کو بھول چکا ہوں۔“ میں نے پہلی بار مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”تمہاری تقریر سننے کے بعد میں خود بدو دادا کی سرکوبی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ تم گورے کے بارے میں کچھ بتا سکو تو میں اس پر بھی ہاتھ ڈالنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔“

”وہ فون پر سنائی دینے والی ایک آواز سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔“ وہ باوجود آواز میں بولا ”وہ صدر کا کوئی کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ پہلوان نے فون پر اس کی فونی پھونی ادھون کر اندازہ لگایا

میں نہیں آئے گا۔ ڈنٹی زکاپچہ ہے۔ اپنا شکار خود کھیتا اور کھاتا ہے۔ گورے اپنی دُم کے گھوڑے کھول کر بھی اس کی گرد کو نہیں چھو سکتے۔ وہ تمہاری بات سننے ہی تمہارے منہ پر زنا لے دار چھینر ہے۔ کہے بگاڑتا۔ ڈنٹی کو پہلوان کے کئی آدمی جانتے ہیں لیکن فونی بھی تمہارا ساتھ نہیں دے گا۔“

”تمہیں کیسے پتا چلا کہ گورے ڈنٹی کے دشمن ہو رہے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”گورے شہر کو معلوم ہے۔“ وہ میری بے خبری کا محکمہ ڈالنے ہوئے بولا ”ڈالروں میں انعام کا اعلان گورے ہی کر سکتے ہیں۔ کیمیز ایسی کا پھیلا ہوا ہے۔“

”اور تم نے یہ بھی کہا تھا کہ فونی گوروں کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”کہا تھا۔“ اس نے سر ہلا کے اقرار کیا ”آج صبح کسی گورے نے فونی سے رپورٹ لینے کے لئے فون کیا تو وہ بہت کرم تھا۔ وہ ان سے اسے بلا ڈی واسکٹ اور خدا جانے کون کون سی انگریزی بیاں دے کر بھاڑ دیا۔ بعد میں پہلوان نے اپنے آدمیوں سے پوچھا کہ تو اسے پتا چلا کہ کل اسی گورے نے فونی سے فون پر دیر بات کی تھی پھر دوسرے کو فونی پر فونی کے لئے ایک بند لافزار لایا۔ میں نوٹ تھے۔ فونی نے پہلوان کو کچھ بتائے بغیر دو لگا دی اور ایک غائب ہے۔“

”مگر کسی گورے کو پہلوان کے اڈے کا فون نمبر اور فونی کا نام معلوم ہوا؟“ میں اس کے ہنسنے کا بھانپنے سے پہلے کام کی ہر گولہ لینے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

”پہلوان بھی یہی سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا ہے۔“ ڈنٹکا روہنے میں بولا ”فونی کچھ دن پہلے بدو دادا سے نوٹ کر اس پر لیا تھا۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ پہلوان کو شبہ ہے کہ یہ گند بدو نے پھیلا دیا ہے۔ اسی نے گورے کو فونی کے میں بتایا ہو گا۔“

”مگر کیوں؟ اسے گورے کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اندر کی سیاست معلوم ہوتی ہے۔ شاید بدو اور ڈنٹی میں فونی ہوئی ہے۔“

”فونی کا پتا بتانے کے بجائے وہ گورے کو اپنے آدمی بھی دے گا۔“

”اس کے صرف دو آدمی ڈنٹی کو پہچانتے ہیں۔ جیل اور دل۔“ فون اپنے ٹرک سمیت پشاور میں پکڑے گئے تھے اور آج کل ان میں ہونے کے انتظام میں جیل کاٹ رہے ہیں۔“

”مگر تو پہلوان کو بدو کا گلا پکڑ لیتا چاہئے۔ اپنے گھر کی آگ وہ ان کے اڈے تک پھیلا رہا ہے۔“

”فونی واپس نہ آیا تو کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔“ وہ پُر وقت لہجے میں اپنی اپنے دل سے ڈالروں کا لالچ نکال دے۔ ڈنٹی اس شہر کا ایک خاص ہے۔ میں دوسروں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا

ہے کہ وہ کوئی گورا ہوگا لیکن کون جانے کہ وہ کیا بلا ہے۔  
”میں تمہاری ہر بات مان چکا ہوں۔ اگر اب پتلوان سے مل  
لیا جائے تو کیسا رہے گا؟“

”بے کار! اس نے بلا توقف اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ تمہاری ہر  
بات کا جواب مل چکا ہے۔ اب کسی مقصد کے بغیر پتلوان کی  
زارت سے کیا حاصل ہوگا؟ دس پانچ گالیاں کھائے منہ لٹکائے  
واپس لوٹ آؤ گے۔ اس وقت وہ غصے میں گھبراہٹا ہوا ہے۔“  
اپنی بات ختم کرتے ہی وہ یوں اچانک اٹھ کھڑا ہوا جیسے اسے  
کوئی اہم بات یاد آگئی ہو۔

”ہم ایک منٹ بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ سامنے  
کے ایک بوسیدہ اور کھلے ہوئے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اس  
وقت اس کی چال میں غیر معمولی تیزی آگئی تھی۔

میں نے وقت گزاری کے لئے سگریٹ سلگائی۔ مجھے خوشی تھی  
کہ میرا دہاں اتنا رانگن نہیں گیا تھا۔ ڈھنگی کھلی کھلی باتوں نے  
صورت حال کو ایک واضح رخ دے دیا تھا۔ یعنی طور پر بدوداداری  
پہلے پتہ رہ کر این کی مدد کر رہا تھا اور اس وقت وہی دونوں میرے  
سب سے بڑے حریف تھے۔

میں نے پختہ میز می پر بیٹھے بیٹھے ایک سگریٹ فیم کر کے بے  
خیالی میں دوسری سگریٹ بھی سلگائی۔ پھر مجھے اچانک توجہ ہوئی  
گئی۔ ڈھنگا ایک منٹ میں واپسی کا وعدہ کر کے اس بوسیدہ مکان میں  
گیا تھا لیکن کافی دیر گزر جانے کے باوجود اس کی واپسی کے کوئی  
آثار نہیں ملتا تھا۔

دوسری طرف میرے ذہن پر یہ فکر بھی مسلط تھی کہ مجھے  
غزالہ سے رخصت ہونے کا کافی دیر ہو چکی تھی۔ اسے بہت بے چینی  
سے میری واپسی کا انتظار رہا ہوگا۔ میں اضطراری طور پر میز می سے  
اٹھ کر اس کھلے ہوئے بوسیدہ دروازے کی طرف بڑھ گیا جس میں  
ڈھنگا داخل ہوا تھا۔

بے پردگی کے خیال سے میں براہ راست دروازے کے سامنے  
جانے کے بجائے ایک پتلون میں کھڑا ہو گیا۔ دہلی زبان میں ڈھنگا کو  
آواز دیتے ہوئے میرے ذہن پر جھجھکاہٹ سوار ہونے لگی۔ وہ ایسا  
ہی بے ہودہ اور مہمل شخص تھا کہ اسے دہراتے ہوئے خواہ مخواہ  
غصہ آنے لگتا تھا۔ دہار آواز دینے کے باوجود دوسری جانب سے  
کوئی آواز سنائی دینے لگی اور تو کھلے سامنے آیا تب مجھے ادراک  
ہوا کہ اس دروازے کے پیچھے غیر معمولی سکوت چھایا ہوا تھا۔

میں جھجکتے ہوئے اس کھلے ہوئے دروازے کے سامنے ہوا تو  
یہ دیکھ کر میری کھوپڑی بھانگی کہ اس کے پیچھے دیرانی کا راج تھا۔  
امیر کوئی پتلیس تھا نہ ہی کسی قسم کا ساڑو سامان نظر آ رہا تھا۔ میں  
نے ذرا تفصیل سے امیر نگاہ ڈالی اور سائے کا نقین ہوئے ہی امیر  
گھس گیا۔

وہ کوئی آباد مکان نہیں بلکہ ایک حروک اور بوسیدہ سا مچھر  
تھا۔ دروازے کے پیچھے میز می میز می پر رکے ہوئے خشت

حال چمپر کے نیچے کچے فرش کے ایک گوشے میں سیاہ رنگ کی ایک  
مٹی اپنے نوموود بچوں کے ساتھ بیٹھنے میں مصروف تھی۔ میں  
آہٹ پا کر اس نے غصیلی نظروں سے میرا جائزہ لیا اور غراٹ  
ہوئے اپنی جگہ چھوڑ کر پچھلی سمت سے باہر نکل گئی۔

ہو سکتا ہے کہ کسی زمانے میں وہ کوئی کراہا ہو لیکن احترام  
زنا کے باعث اس کی پچھلی دیواریاں رکاوٹ سرے سے غائب  
ہو چکی تھیں اور اس کے آگے خود بخود جھانپاں اگی ہوئی نظر آ رہی  
تھیں۔ میں نے آگے بڑھ کر پچھلی سمت کا جائزہ لیا تو ابھی اور  
ترتیب جھانپوں سے تھوڑے فاصلے پر کندے پانی کا ایک گڑھا  
بہ رہا تھا اور اس طرف دور دور تک دیرانی کا راج تھا۔ ڈھنگے  
دور دور تک کپتا نہیں تھا۔

بے اختیار میرے منہ سے ایک طویل سانس آزاد ہو گیا۔  
نہایت مکاری کے ساتھ مجھے چوناٹا کر میرا تھپی ریوالتور لے ہوا  
اور میں کسی احمق مطلق کی طرح اس کی واپسی کے انتظار میں  
بیٹھا تھا وقت بیکار رہا تھا۔

مجھے ریوالتور جانے کا کوئی غم نہیں تھا۔ وہ میرے پاس  
میں آیا تھا اور اسی طرح نکل گیا تھا۔ اس کے ہتھیلے کے لگاؤ  
ڈھنگے نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ بہت اہم تھا۔ اس سوسے بازار  
لیجے میں ایک ریوالتور تھا اس سے کئی گنا زیادہ رقم بھی خرچ  
پر آتا ہو سکتا تھا لیکن مجھے جھلاہٹ اس بات کی تھی کہ ڈھنگے  
ایک معمولی اور عیبی بد محاش نہایت مکاری کے ساتھ مجھے  
لگایا تھا اور میں آخر تک اس کی چال کو نہیں سمجھ سکا تھا۔

اس انکشاف کے بعد میرا دہاں رکنا بے سود تھا۔ میں  
کے ساتھ واپس چل دیا۔

بقی گلیاں صبر کر کے میں بڑی گلی میں پہنچا تو راجہ پان  
اپنے کام میں مصروف ہونے کے باوجود شاید میری واپسی کا  
تھا۔ اس سے نظریں چار ہوتے ہی میں اس کے کہن کی طرف  
بڑھتا چلا گیا۔ وہ اپنے ہونٹوں پر چھٹی ہوئی دو مٹی سی مسکرا  
لیے دکان پر موجود گاہکوں کو نشانہ بنا رہا۔ میں خاموشی سے پیچھے  
اس کے قاصر ہونے کا انتظار کرتا رہا۔

”کیا ہوا؟“ مل آئے پتلوان سے؟“ اپنے گاہکوں کو روک  
کرنے کے بعد راجہ نے مجھے مخاطب کیا تو میں نے محسوس  
اس کے لیے پر استغناء سے زیادہ طعنے کا حضور غالب تھا۔  
”پتلوان سے ملاقات تو بڑی بات ہے، میری ڈھنگے  
پوری ملاقات نہیں ہوئی۔“

”کیوں؟“ اس نے غم و آنکھوں سے میری طرف  
ہونے پوچھا۔ اس نے ایک سوالیہ لفظ ضرور ادا کیا تھا لیکن  
کے لیے میں ذرا بھی جھنسن نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوا کہ  
میرے پیچھے سے پہلے ہی ڈھنگا اسے اپنی کامیابی کی رپورٹ  
ہو۔ ڈھنگا دھوکا دے کر میرا ریوالتور لے بھاگا۔ وہ آئے تو

”چہ نہیں آپ کیا کتنا چاہ رہے ہیں۔“ وہ پُر تشویش لہجے میں  
بیڑائی۔

میں نے اس کا جتس دور کرنے کے لیے تفصیل دہرائی شروع  
کردی۔

”وہ نو سواڑ ضرور تھا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ آپ کے لیے  
پہلوان سے زیادہ سودمند ثابت ہوا ہے۔“ میری پوری کہانی سن  
لینے کے بعد فزوالہ ہولی ”پہلوان سے آپ اتنی زیادہ اور کھلی کھلی  
باتیں نہیں کر سکتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو ابھی تک  
ٹوٹی کی موت کی خبر نہیں ملی ہے۔“

”میرا تو خیال ہے کہ ابھی تک امین کو بھی ٹوٹی کے قتل کی  
اطلاع نہیں ملی ہے۔ ورنہ وہ اس سے رپورٹ لینے کے لیے پہلوان  
کے اڈے پر فون نہ کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس کی کوئی گاڑی اس  
میدان کی طرف پہنچی ہی نہ ہو جہاں ہم نے ٹوٹی کی لاش چھپکی  
تھی۔“

”یہی بات قرن قیاس نظر آتی ہے۔ اخبارات میں اس کی  
تلاش کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے۔“

اس وقت تک میری رست و راج کی سوئیاں دس کے ہند سے  
سے آگے نکل چکی تھیں اور ہمیں شہر میں مزید آواہ گروہ کی  
ضرورت نہیں رہی تھی۔ ہم براہ راست کلشن کی کسی اسٹیٹ  
ابھجی کا رخ کر کے اپنے لیے کسی جائے پناہ کی تلاش کی کوششوں کا  
آغاز کر سکتے تھے۔

کلا کوٹ سے واپسی کے سفر میں میرا ذہن مسلسل سلطان شاہ  
اور دیر امیں الجھا رہا۔ ہم جن حالات میں ان دونوں سے رخصت  
ہوئے تھے وہ حوصلہ افزا نہیں تھے۔ میں دلی دل میں دعائیں  
مانگ رہا تھا کہ تین بجے وہ دونوں ٹھیک ٹھاک حالات میں لال کوٹھی  
کے بس اسٹاپ پر پہنچ جائیں جہاں سے مجھے ان کو لیتا تھا۔

سفر سکون اور خاموشی سے طے ہوا تھا۔ میری دوداد سن لینے  
کے بعد فزوالہ کو سوچنے کے لیے بہت مواد مل چکا تھا اس لیے وہ اپنی  
سوچوں میں کم تھی اور میں آگے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

کلشن کا پل عبور کرنے کے بعد میں نے اپنے طے شدہ  
پروگرام کے مطابق ایک اسٹیٹ ابھجی کے سامنے گاڑی روک  
لی۔ یہی دیوار میں پیشے ہی پیشے نصب تھے اور اس خوش نما دفتر  
یوگی اسٹیٹ ابھجی کا بورڈ نمایاں نظر آ رہا تھا۔ میں انگریزی میں  
لکھا ہوا وہ نام پڑھ کر دلی دل میں ہنسنے لگا۔

فزوالہ کو کار میں چھوڑ کر میں اندر داخل ہوا تو وہ چلا لیکن گمرا  
دفتر نہایت فعال انزکٹریٹنگ کی زد میں آیا ہوا تھا۔ دفتر میں شروع  
سے آخر تک ایک ہی ساز اور ساخت کی دودھ یہ میز پر پڑی ہوئی  
تھیں جن میں سے بیشتر کے پیچھے خوش پوش نوجوان ’اردو اور  
انگریزی اخبارات اپنے سامنے پھیلانے لگی فون پر مصروف تھے یا  
پھر کانفرنس کی رونق گردانی کر رہے تھے۔

دفتر کی خرابی یہ تھی کہ میزوں کی ترتیب ’ساخت یا ساز سے یہ  
اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ وہاں کون مالک اور کون ملازم ہے۔

لہذا کہ میں اس چٹ کو آسانی سے نہیں بھلا سکوں گا۔ راجہ اور  
سے بند تھا تو وہ مجھ سے مانگ سکتا تھا۔ میں بہت خوشی سے اس  
دشہوار ہو جاتا۔ میں نے تھی سے کہا۔

وہ اپنے کلمے میں زبان پھیر کے عارفانہ انداز میں ہنسا اور پھر  
”وہ دلی ہے۔ تم نے شاید سنا نہیں کہ عجب دادوں میں پیدا ہونے  
اور ہر ایک رگ زیادہ ہوتی ہے خیریت اسی میں ہے کہ اب چپ  
آپ یہاں سے نکل جاؤ۔ اسے تمہاری دھمکی کی سن کر من کل گئی تو  
خضار دار اور خمر بری استعمال کر بیٹھے گا۔ اس کا نام ڈشکا ہے وہ  
رازدار بات پر مختل ہو جاتا ہے۔“

”یہ ڈشکا کا نام ہے؟ اس کا کیا مطلب ہے؟“ میری ذہنی  
بھین بے ساختہ میری زبان پر آگئی۔

”جیس اس کا مطلب نہیں معلوم؟“ اس نے تحقیر آمیز  
ہت سے پوچھا۔

”نہیں! میں نے اس جاہل پان فروش کے مقابلے میں اپنی  
لم علی پر دلی دل میں فحالت محسوس کرتے ہوئے کہا ”کیا معنی  
ہے اس کے؟“

”ڈشکا! وہ فضا میں دونوں ہاتھوں کو کھما کے بولا۔ لکھ بھر کے  
رمانی وقت میں میرے سپاٹ چرے کا جائزہ لینے کے بعد اس نے  
اپنی بات کی مزید وضاحت کی ”کمال ہے کہ تم اس سے مل کر بھی  
کھانے کے معنی نہیں سمجھ سکتے ڈشکا بس ڈشکا ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لو  
کہ ڈشکا پڑی آفت شے ہوتا ہے۔“

مجھے فوراً ہی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا اور میں سر جھٹک کر  
اٹل سے چل دیا۔

واپس فزوالہ تک پہنچنے سے پہلے میں نے اس کو نہ پشت اور  
اگر کھڑے کو بھلانے کی لاکھ کوششیں کیں لیکن میرے ذہن میں  
وہ کراس کی عجب و غریب معرفت کو گنجی رہی۔ مجھے یوں محسوس  
ہوا جیسے بازاری لڑکوں کی بیڑ مجھے ڈشکا ڈشکا کہہ کر چڑا رہی

میں گاڑی کے قریب پہنچا تو فزوالہ ساری کھڑکیوں کے شیشے  
جالتے محسوس اور ٹھہرندہ بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے  
ہت پر ہلاکت کی لہر دوڑ گئی۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجی اشارت کرتے ہوئے میں نے  
وہ کیا کہ قرب و جوار میں موجود ہر شخص گہری توجہ سے ہماری  
رف کران تھا۔

پہلوان سے ملاقات کیسی رہی؟ گاڑی حرکت میں آنے پر  
وہ نے پوچھا۔

”ڈشکا“ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اپنی حماقت کا احساس  
اس پر میں فوراً ہی ہنس پڑا۔

”یہ ڈشکا کیا بلا ہے؟“ فزوالہ نے حیرت سے سوال کیا۔  
”میں ہلکا سا کوڑھچک زہ چو“ پڑی پڑی چمک دار آنکھیں  
لہذا کہ دوسری سے چھوٹی۔ جس آوی میں یہ ساری خوبیاں  
نہیں ہوں ڈشکا کھاتا ہے۔“

جان پہچان تو ضرور ہوگی۔

”تمہارے شرمیں جان پہچان والے لوگ ہوتے تو میں ان ہی کے پاس ٹھہرتا۔“ میں نے دنگ لہجے میں کہا ”میں لاہور سے آیا ہوں اور چند ماہ کے لیے یہاں رہ کر کاؤ باری امکانات کا جائزہ لیتا چاہتا ہوں۔ بات بنی تو یہاں میرے بیسیوں شناسا پیدا ہو جائیں گے فی الحال تو میں یہاں اجنبی ہوں۔“

”کوئی بات نہیں۔“ وہ اپنا ہاتھ کے لیے میں بولا ”آپ اپنے ہی آدمی ہیں۔ میں جن پارتیوں سے بات کروں گا انہیں سب بتاؤں گا کہ آپ میرے پرانے واقف کار ہیں۔ اس طرح کرائے کا قلیل ملے میں آسانی رہے گی۔ آج کل لوگ اجنبیوں سے معاملات کرتے ہوئے گھبرانے لگے ہیں کیا پتا کون مجرم یا دہشت گرد نظر آئے اور لاٹھوں کا قلیٹ برسوں کے لیے چلی ہو جائے۔“

اس کی وہ گفتگو خود کلامی کی تفسیر تھی۔ اس میں کوئی بار جواب طلب نہیں تھی۔ وہ میری اور اس کی پہلی ملاقات تھی اور اسے میرے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا لیکن میری ضرورت کو بھانپ لینے کے بعد اس نے میری ہمدردی کی آڑ میں محض ا کمیشن کما کر لینے کے لیے مجھ سے اپنی پرانی واقفیت نکال لینے فیصلہ کر لیا تھا تو اس میں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

تین چار نمبروں پر فون ٹھہانے کے بعد وہ میرے ساتھ! کے لیے تیار ہو گیا۔

باہر آکر اس نے اشتیاق اور پسندیدگی کی نگاہوں سے جہاں کی سیاہ کارڈ کو دیکھا۔ خزانہ کو بمت ادب سے سلام کیا مرحوب ہو کر خاموشی سے پچھل نشست پر بیٹھ گیا۔

اس وقت مجھے سر پہچانے کے لیے کوئی بھی محفوظ ٹھکانہ تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ میں قلیٹ کی تلاش میں مبتلا وقت بھاد کرنے کے موڈ میں نہیں تھا اس لیے اس نے یہ مطلبہ معیار کے صرف دو قلیٹ دکھانے کا بندوبست کیا تھا۔ دونوں قلیٹ تین بیڈ رومز مشتمل اور مکمل آرامتھے۔

پہلا قلیٹ ایک روشن اور کشادہ عمارت کی دوسری خطہ تھا۔ قلیٹ کی مالکہ ہم سے پہلے ہی وہاں پہنچی ہوئی تھی۔ اس سامنا ہوتے ہی میرے ذہن میں شناسائی کی ایک موبوم ڈاہیری۔ لیکن اس خاتون سے گفتگو کا آغاز ہوتے ہی میرا صاف ہو گیا۔ وہ بالکل کسی اجنبی کی طرح مجھ سے مخاطب ہوئی وہ قلیٹ کرائے پر دیے جانے کے لیے سازد سامان آراستہ کیا گیا تھا لیکن پھر بھی خوش ذوقی کا مظہر تھا۔ ہمیں جانے والے اسٹینڈ ایجنٹ نے قلیٹ کی مالکہ سے ہمارے! میں زمین آسمان کے قلابے ملانے شروع کر دیے۔ میں نے اسے ساتھ کمروں وغیرہ کا معائنہ شروع کر دیا۔

خزانہ کو وہ قلیٹ پسند آگیا اور ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر داری کی شرائط پر بات چیت کا آغاز کر دیا گیا۔ میرے لیے ہزار روپے ماہانہ کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن کسی خیل و خج

اس مکمل ابہام کے باوجود وہ دفتر لاوارث نہیں تھا۔ میرے اندر پہنچنے ہی واہنی طرف کی پہلی میز کے پیچھے براہمن ایک صحت مند نوجوان نے مجھے خوش آمدید کہہ کے میری آمد کا دعا جانتا چاہا۔

اس کی خوش خلقی نے مجھے حوصلہ دیا اور میں نے مسکراتے ہوئے کہا ”یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی پہلے میں یہ جانتا چاہوں گا کہ اجنبی کے نام کے بارے میں اتنے اٹکھار سے کیوں کام لیا گیا ہے؟ بہت سے لوگ بوگٹے کام کرتے ہیں لیکن زندگی بھر اس کا اعتراف نہیں کرتے۔ تمہاری اجنبی نے اپنے بوگٹے پن کو اشتہار بنا کر رکھ دیا ہے۔“

وہ سخت آمیز انداز میں ہنسا اور بولا ”شاید آپ کو پڑھنے میں مبالغہ ہوا ہے یہ بوگٹے نہیں یون جی اسٹینڈ ایجنسی ہے۔ ساری گزربو جی کی معلوم ہوتی ہے۔ اسے جیم کی جگہ استعمال کیا گیا ہے مگر آپ نے اسے گاف پڑھا ہے۔ آپ پہلے آدمی ہیں جس نے اس تلفظ کی نشان دہی کی ہے۔“

”کمال ہے!“ میں نے حیرت سے کہا ”تمہارے گاہکوں میں سے کسی نے اس بات کو نوٹ نہیں کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دفتر حال ہی میں قائم کیا گیا ہے۔“

”ہم تین سال سے اپنے معزز گاہکوں کی خدمت کر رہے ہیں۔“ اس نے عاجزانہ لہجے میں مجھے آگاہ کیا ”آج تک کسی نے

ہمارے نام کو یون جی کے سوا اور کچھ نہیں سمجھا۔“

شاید وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ قدیم علاقائی ناموں کو انگریزی کے قالب میں اپنانے کا کاؤ باری رجحان ان دنوں زوروں پر تھا۔ سائیں جی اور بابا جی سے لے کر علی بابا اور محل لیلی جیسے خالص مشرقی نام تک انگریزی میں اپنانے جارہے تھے۔ حد یہ تھی کہ ان مشرقی ناموں کو اپنانے والے اپنی اسٹیشنری سے تفسیری مواد تک کہیں بھی اردو کو متبادل یا وضاحتی زبان کے طور پر استعمال نہیں کرتے تھے جس سے اس نام کے تضادات جنم لیتے تھے جو بوجی اور یون جی میں نہاں تھے۔

مجھے بالکل اندازہ نہیں ہوسکا کہ میرا مخاطب اس اجنبی کا مالک تھا یا ملازم۔ اس نے میری ضرورت سے واقف ہوتے ہی مجھے واہنی جانب کی تیسری میز پر بھیج دیا جہاں اس کے کہنے کے مطابق کلغفن کے کرائے کے قلیٹوں کا خصوصی ماہر بر اجماع تھا۔

وہ انتہائی نفیس لباس اور ٹائی میں ملبوس ایک خوش پوش نوجوان تھا۔ اس نے اپنی نشست سے اٹھ کر کمر جوئی سے میرا استقبال کیا اور مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی۔ میں نے کرسی بٹھانے کے بعد اپنا دعا دہرایا اس نے چند سوالات کئے اور بھانپ لیا کہ میں کیا چاہتا تھا۔

”ہوگ پوری سہولتوں سے آراستہ قلیٹ دینے کے سلسلے میں بہت محتاط رہتے ہیں۔“ اس نے پوری بات سمجھ لینے کے بعد مذاافضہ لہجے میں کہا ”وہ اپنے جاننے والوں یا ایسے لوگوں کو کرائے دار بناتے ہیں جن کے لیے معتبر ضامن میر ہوں۔ شرمیں آپ کی

شوکت سے مرعوب ہو کر ان پر اعتماد کر بیٹھتے ہیں۔ پھر اچانک یہ وہ غائب ہو جاتے ہیں اور پتا چلتا ہے کہ وہ کرائے وار تھے۔ ان کا اپنا کچھ بھی نہیں تھا۔

میں نے ایک مرتبہ پھر گھر کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ میں نے صوفوں کی گدیوں اور بستروں وغیرہ پر ہاتھ مار کر دیکھا مگر وہاں گرد و غبار کا نام و نشان نہیں تھا۔ فلیٹ میں فرنیچر، ٹیلی ویژن، قالین، پردوں اور فون کے علاوہ تین ائر کنڈیشنرز، ایک نیا ریفریجریٹر، مائیکرو ویو اوون اور پکن کی ضرورت کے دیگر لوازم موجود تھے۔ حد یہ ہے کہ اسٹور میں بنی ہوئی ایک دیوار گیر الماری میں کپیل اور لحاف کے علاوہ بستروں کی متعدد فاضل چادریں اور تکیوں کے غلاف تک موجود تھے۔ ہمیں وہاں رہائش کے لیے بس اپنے ملبوسات اور خورد و نوش کا سامان لانے کی ضرورت تھی جس کے لیے بازار قریب ہی تھا۔

باہر بیچے کے قریب مسز فنی، اسٹیٹ ایجنٹ کے ساتھ واپس آئی تو کرایہ نامہ وغیرہ تیار تھا۔ فلیٹ میں موجود سامان کی فہرست معاہدے کے ساتھ منسلک تھی۔

باضابطہ معاہدے کی تکمیل کے دوران پتا چلا کہ مسز فنی کا شوہر کوئی برآمدی کاروبار کرتا تھا مگر پھر ایک غیر ملکی دورے پر ایسا لاپتا ہوا کہ سر توڈو کش کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ شوہر کی واپسی کی طرف سے واپس ہو کر اس حوصلہ مند عورت نے اپنے شوہر کا کاروبار سمیٹ کر سارے اثاثے یک جا کئے اور دو مکانوں میں سرمایہ کاری کر ڈالی۔ وہ اپنے ان ہی مکانوں کے کرائے پر آمدنی مندانہ انداز میں زندگی بسر کر رہی تھی اور امریکا میں زیر تعلیم اپنے اکلوتے بیٹے کے تعلیمی اخراجات بھی پورے کر رہی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے ذہن پر سلطان شاہ اور ویرا کی فکر سوار ہوتی جا رہی تھی کیونکہ مجھے تین بجے ان دونوں کو لال کوٹھی کے بس اسٹاپ سے لینا تھا۔ اسٹیٹ ایجنٹ کو اس معاملے کی دہلائی میں دونوں فریقوں سے ایک ایک ماہ کا کرایہ لے چکا تھا اس لیے وہ مست خوش تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ پڑھے لکھے اور خوش اخلاق نوجوانوں کے لیے وہ ایک اچھا کام تھا۔ پورے مہینے میں کرائے داری یا خرید و فروخت کا ایک آدھ سودا ہو جانے پر اتنی آمدنی ہو سکتی تھی کہ بے فکری سے گھریار کا خرچ چلانے کے بعد کچھ بچت بھی ہو سکے۔

ایک بجے وہ دونوں گرم جوشی کے ساتھ مل کر رخصت ہو گئے۔ غزالہ فلیٹ میں آرائشی تبدیلیوں اور جھاڑ پونجھ میں مصروف ہو گئی۔ میں ضرورت کا سامان لانے کے لیے نیچے چل دیا۔ بازار قریب ہی تھا۔ میں گاڑی لے جانے کے بجائے پیڈل یو اے مھر چل دیا۔

اس وقت تک شام کے بعض اخبارات آچکے تھے۔ میں نے شہر کے حالات سے باخبر رہنے کے ارادے سے دو اخبار خرید لیے۔

پھر ہماری رضامندی اس خاتون کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر سکتی تھی۔ تھوڑی سی تکرار کے بعد کرائے میں ایک ہزار روپے ماہانہ کی مختلف کے ساتھ معاملات طے پا گئے۔

اسٹیٹ ایجنٹ کے لیے وہ ایک خوشگوار تجربہ تھا۔ میں نے فوراً ہی جب سے مطلوبہ رقم نکال کر اس خاتون کی طرف برصائی تو دھیرا نہ مانی تھی۔ اتنی بڑی نقد رقم میں کہاں لیے پھوٹ گی؟ ابھی تو معاہدے کے کاغذات اور رسید وغیرہ بھی بنی ہے۔ آپ فلیٹ کا قبضہ لینا چاہتے ہیں۔

”نقد تو ہم لے ہی چکے ہیں۔“ غزالہ نے ہنس کے کہا۔ ”کانڈی کار دوائیاں ہوتی رہیں گی۔ بس یہ سمجھیں کہ ہم اسی لیے آپ کے کرائے دار بن چکے ہیں اور اب اس فلیٹ میں آپ ہماری مہمان ہیں۔“

”معاہدے کے کاغذات میں آدھے گھنٹے میں بنا لاؤں گا۔“ اسٹیٹ ایجنٹ جلدی سے بولا۔ ”بھی بینک کا وقت ہے رقم بینک میں جمع ہو جائے گی۔ اس میں کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔“

اس عورت نے فلیٹ کی چابیاں ہمارے حوالے کیں اور رقم لے کر اسٹیٹ ایجنٹ کے ساتھ واپس چلی گئی تاکہ اس کے دفتر میں کاغذات وغیرہ مکمل کروا کے بعد میں مجھ سے دھچکا لے سکے۔ ان دونوں کو رخصت کرتے ہی میں نے والدینہ انداز میں غزالہ کو اپنی باتوں میں سمیٹ لیا۔

”بعض اوقات آپ بالکل ہی بے قابو ہو جاتے ہیں۔“ وہ خود پوری کے انداز میں منٹائی۔

”میرے لیے یہ لحاظ بہت اہم ہیں۔“ میں نے اس سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے کہا۔ ”آج تک ہم جیسا گھر کے گھر فلیٹ اور ٹیکسری یا پھر ہوٹلوں میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ ہمیں پہلی بار اپنا گھر بنانے کا موقع ملا ہے۔ اپنی بیوی کے ساتھ اپنے گھر میں موجودگی کا احساس ہی بہت پر سرور ہوتا ہے۔“

”میں ہم نے کون سا تھمارا ہے۔“ وہ میرے بازوؤں کی گرفت سے نکلے ہوئے شوشی سے بولی۔ ”بے بنائے گھر میں آئیٹھیں ہیں۔ ہر چیز استعمال کے لیے تیار اور صاف تھری ہے۔ فلیٹ خالی ہونے کے باوجود شاید یہاں دوڑ مٹائی ہوئی رہی ہے۔“

”قرضہ مکانات کو کرائے پر اٹھانے کی جدت مغرب سے ذرا تاخیر سے یہاں پہنچی ہے لیکن اس کے بڑے کمالات ہیں۔ سرمایہ کاری کرنے والے کو مستقل ماہانہ آمدنی ملتی رہتی ہے اور ضرورت منسلک کو گھری کی چو تھائی میں ایک مٹا مٹا ٹھکانا میسر آ جاتا ہے۔“

”لیکن اس سولت کی وجہ سے بڑے بڑے فراڈ بھی ہو رہے ہیں۔“ غزالہ نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ”آپ نے دیکھا نہیں ایک بچے کے کرائے کے برابر کمیشن حاصل کرنے کے لیے اسٹیٹ ایجنٹ نے ہمیں اپنا پراپٹاؤف کار بنایا تھا۔ اسی طرح نوساز عالی شان مکان کرائے پر لے کر ساتھ لوح لوگوں سے ہماری رقبیں بھرتے رہتے ہیں۔ ان کے جال میں پھنسنے والے مکان کی شان و

مجھے حیرت تھی کہ ٹوٹی کے قتل ہونے کے باوجود امین آتا ہے فرقت کہ صبح اس سے رپورٹ لینے کے لیے پہلوان کے اڑے پر فون کر بیٹھا تھا۔ وہ خبر پڑنے کے بعد بات واضح ہو گئی تھی۔ لاش دن چڑے دیافت ہوئی تھی اس لیے امین کو اپنے ہر کارے کے عبرت ناک انجام کا بدوقت علم نہیں ہو سکا تھا۔

وہ خبر پڑنے کے بعد میں خزانہ کو الوداع کہہ کر قلیق سے رخصت ہو گیا۔

وہاں سے سن سیٹ بے دارڈ اور پھر کورنگی روڈ کے راستے شارع فیصل کا سفر چند منٹ سے زیادہ کا نہیں تھا میں بہت آرام سے ڈرائیونگ کرنے کے باوجود پونے تین بجے مقررہ مقام تک جا پہنچا۔

میں لال کو غشی کے بس اسٹاپ پر زیادہ دیر تک رک کر کسی کی ٹکاہوں میں نہیں آتا چاہتا تھا اس لیے گاڑی کو سٹ موڈ سے وہاں سے آگے لیتا چلا گیا مگر چند ہی ثانیوں بعد بائیں طرف کے سڑکی روڈ سے چھوٹروں جیسے لباس اور ٹوپی میں بیوس ایک شخص دوڑا ہوا سڑک کے کنارے پر نکل آیا۔ وہ دونوں ہاتھ لہرا کر مجھے رکے کے بے تابانہ اشارے کر رہا تھا۔ اس کے پاؤں ننگے تھے۔

میرے احصاب نایک ایک تن گھٹے میں دور سے اس شخص کی شکل و صورت نہیں دیکھ سکا لیکن وہ اپنے طے سے سرکاری جھڑنا کوئی مشکوک شخص نظر آ رہا تھا۔ اس کے جوش و خروش اور بے تابی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سروس لین کی کسی اوٹ میں چھپ کر میری گاڑی کے نمودار ہونے کا انتظار کر رہا تھا اور گاڑی پہچاننے ہی اپنی کمین گاہ سے نکل آیا تھا۔ اس وقت اس کے فضا میں لڑانے ہوئے دونوں ہاتھ خالی تھے مگر مجھے یقین تھا کہ برے وقت کے لیے وہ کسی نہ کسی آنکھیں ہتھیار سے لیس ہو گا۔ میرے نہ رکنے کی صورت میں وہ کوہر گاڑی کے سامنے آسکا تھا یا پھر پیچھے سے گاڑی کے ٹائروں وغیرہ پر فائر کر سکتا تھا۔

اس وقت میرے قریب و جوار میں زیادہ ٹریفک نہیں تھا۔ میں نے عجب نما آئینے پر نگاہ ڈالی تو اس میں پچھلے ٹریفک سٹپل کی سرخ روشنی چمکتی ہوئی نظر آئی۔ میرے پیچھے سڑک قریب صاف تھی۔

میں نے بہت تیزی کے ساتھ کار کو ادنیٰ طرف کاٹا تاکہ وہ سڑک عبور کرے بغیر میری راہ میں حائل نہ ہو سکے میرا ارادہ بہانہ کر اس کی بے تابی بڑھ گئی اور وہ بھی ٹریفک کی کی کا فائدہ اٹھا کر سڑک پر کئی قدم آگے بڑھ آیا۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ وہ کسی بھی لمحے پستول وغیرہ نکال کر میری گاڑی کی طرف اندھاوندہ گولیاں برسائی شروع کر دے گا۔

میں نے دو دویہ ٹریفک کو تقسیم کرنے والی درمیانی سبز پٹی کے متوازی پینچ کر افسانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر دل تیل میں لرزا تھا۔

قریب سے میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ سلطان شاہ تھا۔ اس کے کپڑوں کی جو درگت بنی ہوئی تھی اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ خاصی جسمانی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا ہو گا۔

خود دونوں کے سامان کی خریداری کے بعد میں قلیق پر واپس پہنچا تو خزانہ نے بتایا کہ میرے جانے کے بعد بلا ٹنگ کا چوکیدار قلیق پر آیا تھا اور خزانہ کو پارکنگ کے لیے گیراج کا نمبر بتا کر واپس چلا گیا تھا۔ مسز غنی نے واپسی پر چوکیدار کو اس بارے میں ہدایت کر دی تھی کہ اس کے سننے کرائے دار گیراج استعمال کریں گے اور ان کی ہر سہولت کا خیال رکھا جائے۔

خزانہ نے فوراً ہی چائے تیار کی۔ وہ قلیق میں کام کرتے ہوئے فخر اور خوشی سے سرشار نظر آ رہی تھی۔ شاید یہ ہر عورت کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ رہنے کے لیے اپنا ایک ایسا گھر چاہتی ہے جہاں صرف اسی کی عمل داری ہو۔ بعض عورتیں حالات سے سمجھو تاکہ اسے اپنی اس خواہش کو دبائے میں کامیاب ہو جاتی ہیں لیکن گھر کی تنہی سی ریاست اور اس میں مکمل اقتدار کے خوابوں سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پاتیں۔

چائے پیتے ہوئے ہم دونوں ڈشے سے حاصل ہونے والی معلومات اور دیر اور سلطان شاہ کی متوقع مصروفیات پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔ خزانہ ان دونوں کو لینے کے لیے میرے ساتھ جانے کا ارادہ کئے بغیر تھی مگر میں اس موڈ میں نہیں تھا۔ سر چھپانے کا ٹھکانا میرا آنے کے بعد ہم چاروں کا بلا ضرورت ایک ساتھ باہر گھرنا احتیاط کے تقاضوں کے متنازع تھا۔

خزانہ میں بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ہر معقول بات کو بے چون و چرا تسلیم کر لیتی تھی۔ غیر ضروری کٹ گچی سے کام نہیں لیتی تھی۔ اس نے دل موہ لینے والی مسکراہٹ کے ساتھ میرا فیصلہ مان لیا۔

اس وقت تک سارے ہتھیار گاڑی ہی میں چھپے ہوئے تھے۔ ان ہتھیاروں کے ساتھ شہر میں گھرنا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن میں نے وہ خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا اور اسی صورت میں گاڑی لے کر شارع فیصل کی طرف روانہ ہونے کے ارادے سے اٹھایا تھا کہ خزانہ کی نگاہ میرے لائے ہوئے اخبارات پر پڑ گئی۔

خزانہ کے چونکنے پر میں بھی ان اخبارات کی طرف متوجہ ہو گیا۔ خزانہ نے پہلے صفحے کے نچلے حصے میں چھپی ہوئی ایک خبر میرے سامنے کر دی۔ وہ کھیل کے میدان سے ایک خون آلود لاش کی دستیابی کی خبر تھی۔ متنی کی ریڈر کی ہڈی کے نچلے حصے میں گولی کا زخم پایا گیا تھا۔

وہ خبر جتنی طور پر ٹوٹی کے بارے میں تھی۔ رات کو جہانگیر کے مکان میں ہونے والی ہولناک آتش زدگی اور دھواں و دھار کا ٹرنگ کی وجہ سے اس علاقے کے کمین خوف و ہراس میں مبتلا ہو کر اپنے گھروں میں محصور رہے تھے اس لیے کسی کو بھی کھیل کے میدان میں لاش کی موجودگی کا علم نہیں ہو سکا۔ جانے واردات پر جمع ہونے والے پولیس افسران کی ساری توجہ گاڑی کے نیچے چلی ہوئی اس لاش پر مرکوز رہی جو میرے اضطرابی غصے اور فطری بد عمل کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی۔

وہ خبر پڑنے کے بعد میری ایک شدید ذہنی الجھن دور ہو گئی۔

”میں سیٹ پر صحن کی وجہ سے نہیں چھپنے کے لیے لینا ہوں۔“ وہ جل کر بولا ”۳۰ منٹ پیش قیمت اور نئی گاڑی کی اگلی نشست پر دیر سے کپڑوں میں لباس نیم پانچ گھنٹہ کو برائے نام دیکھ کر ہر شخص تمہاری طرف ضرور متوجہ ہوگا۔ لینے کی وجہ سے میں باہر والوں کی نظروں سے دوپوش ہوں۔“

”تم خاصی محفل مندی کی باتیں کر رہے ہو۔ تمہیں نیم پانچ کون کہہ سکتا ہے۔“ اس کی کمائی کا ابتدائی حصہ سن لینے کے بعد میرا ذہن بڑی حد تک دباؤ سے آزاد ہو گیا تھا ”میں ان لوگوں کے بارے میں ضرور جانتا چاہوں گا مگر پہلے دیر کے بارے میں بتاؤ۔ میں اس کی طرف سے فکر مند ہوں۔“

”رکھو اے لے جوں ہی تمہاری گاڑی پر قازمگ کی“ میں نے اسے گولی باری دیر بھر غصہ ناک کتے کو بھی ڈھیر کر دیا۔ قازمگ اور

چیزوں کے نتیجے میں قرب و جوار کے بنگلوں سے ملازمین نکلے شروع ہوئے تو ہم دونوں آنکھیں بند کر کے ایک قریب ترین کوٹھی کی دیوار چاند کر لان پر کود گئے۔ وہ مکان آباد ضرور تھا لیکن سارے کمین سکریٹ کے حصار میں محدود تھے۔ باہر کوئی شخص نہیں تھا۔ ہم نے آدھے گھنٹے تک وہاں صبر آزما وقت گزارا۔ ہمارا وہاں سے ایک ساتھ نکلتا خطرناک تھا۔ ہم نے ایک بچے زسری پر یک جا ہونے کا پروگرام طے کر کے ایک دوسرے سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ دیر پہلے نکل گئی۔ میں کافی دیر بعد باہر نکلا تو این کے خون آشام سامنے حرکت میں آئے تھے۔ ان میں سے بیشتر کے جھوسوں پر لباس کے نیچے چھپی ہوئی ہلٹ ہوف بیگمیں کی موجودگی محسوس کی جاسکتی تھی۔ وہ سب مسلح تھے۔ بعض گولوں کے ہاتھوں میں سیاہ رنگ کے ڈیڑھ دو فٹ لمبے وزنی پائپ بھی تھے جنہیں وہ مختلف سمتوں میں سمٹاتے پھر رہے تھے، مجھے ان لوگوں سے بچ کر باہر نکلتا حال نظر آیا تھا۔ میں سامنے نظر آنے والی سبھ کی طرف ہل گیا۔

”تمہیں دیر اکہیں نظر نہیں آئی؟“ میں نے اس کی بات کاٹ کے پوچھا۔

”نہیں!“ اس نے سرو لمبے میں کہا ”میں نے رست واضح جوئے اور موزے ایک کھلے ہوئے مین ہول میں پیچیدہ دے دیے اور حلیہ بدل کر مت دیر تک سبھ کے باہر ہڑا۔“ اس نے اپنی کمائی جاری رکھی ”ایک بچے سے پہلے میں وہاں سے جو حواس کھرا اور بچے متھد نعرے مارتا ہوا نکلا اور علاقے کی تقریباً ناکا بندی ہونے کے باوجود زسری بیچنے میں کامیاب ہو گیا۔ ایک بچے سے ڈھائی بچے تک میں وہیں لوگوں کی تعجب آمیز نظروں کا سامنا کرتا اور آواز گروئی کرتا تھا لیکن دیر اکہیں نظر نہیں آئی۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ ان لوگوں کے ہتھے نہ چڑھ گئی ہو۔ وہ لوگ ان گھمبوں سے گزرنے والے ہر فرد کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔“

”۳۰ سال دوران میں ایلن یا پیٹر تمہیں نظر نہیں آیا؟“ میں نے فکر مندانہ لمبے میں پوچھا۔

”وہ دونوں نہیں تھے لیکن مجھے یقین ہے کہ ہم صحیح علاقے میں

میں نے اس بات پر خدا کا شکر ادا کیا کہ اس پر جو کچھ بھی جتنی وہ ہندور نہیں ہوا تھا۔ زندہ تھا اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل تھا۔ تشویش کی بات یہ تھی کہ وہ اکیلا تھا۔ پروگرام کے مطابق دیر اکو اس کے ساتھ ہونا چاہیے تھا مگر اس کا دور دور تک ہا نہیں تھا۔

میں نے پچھلی ٹریک لائن سبز ہونے سے پہلے ہی دوبارہ گاڑی بائیں طرف دہائی اور رفتار کم کرنی شروع کر دی تھی۔ آگے جا کر میں نے گاڑی سڑک کے کنارے لگا دی۔ سلطان شاہ دوڑتا ہوا گاڑی کی طرف آیا تھا۔ میں نے مرکزی سوچ دیر اکو اس پر تعجب کی گاڑی کے چاروں دواڑے غیر متعلق کر دیے۔

سلطان شاہ نے آتے ہی پیچھے سیٹ کا دواڑہ کھولا اور میرے برابر دالی نشست پر براجمان ہو گیا ”چلو۔ جلد از جلد یہاں سے نکل جاؤ۔ کج میں نے یہاں صبر آزما وقت گزارا ہے۔“ اس نے چڑھے ہوئے سانپوں کے درمیان تیزی سے کہا اور میں گاڑی کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

”تم نے یہ کیا حلیہ بنایا ہوا ہے؟ دیر اکہاں ہے؟“ میں نے کن آنکھیں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ مجھے یہ نوٹ کر کے خوشی ہوئی تھی کہ لباس نار تار ہونے کے باوجود اس کے جسم اور لباس کے کسی حصے پر خون کی سرخی نظر نہیں آ رہی تھی۔

”میں نے یہ حلیہ نہ بنایا ہوا تھا اب تک ایلن کے شکاری کتوں کا نشانہ بن چکا ہوتا۔“ اس نے لیور دہا کے سیٹ کی پشت گاہ پیچھے گراتے ہوئے کہا۔

”ایلن نے کتنے کتے سدھائے ہوئے ہیں؟“ میں نے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع دے بغیر حیرت سے پوچھا۔

”میں اصلی کتوں کی نہیں“ اس کے ساتھ ایلن کی بات کر رہا ہوں۔ ”وہ اپنے جوابات سے غافل نظر آیا تھا۔“ کتے اور رکھوالے کے گل کی خبر ملتے ہی وہ سب جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہو کر پورے علاقے میں پھیل گئے تھے۔ اندرونی گلیاں اب بھی محفوظ نہیں ہیں۔ میں نے ایک سبھ کے بیت الخلاء میں داخل ہو کر اپنی ظاہری حالت میں یہ تبدیلیاں کیں اور پھر کسی مہذب سی کے انداز میں سبھ کے دواڑے کے قریب لیٹ گیا۔ ان لوگوں میں مقامیوں کے ساتھ غیر ملکی بھی شامل تھے۔ وہ تین مرتبہ سبھ کی دکانوں میں پوچھ گچھ کے لیے آئے ایک بار پولیس وین نے بھی ادھر کا پھر لگا گیا تھا۔ میں نے ایلن کے ساتھ ایلن کو مت قریب سے دیکھا تھا۔ یوں سمجھو کہ میرے ستارے یا دوسری نہ کر رہے ہوئے تو آج دنیا کی کوئی طاقت مجھے ان مجبوروں کے چگل سے نہیں بچا سکتی تھی۔ ایک میری طرف آیا لیکن نفرت اور حقارت سے دوری سے جائزہ لے کر چلا گیا۔“

”میرا خیال ہے کہ تم پر ابھی تک ان کی دہشت سوار ہے اور تمہی طرح گھٹے ہوئے ہو۔“ میں نے زسری سے کہا ”دور نہ ہو گی تم مجھے انسان ہی تھے۔ دانتوں سے گوشت ٹونپنے والے دورے نہیں



پہنچے تھے۔

”تم ان کے ٹھکانے تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے؟“ میں نے سوال کیا۔

”چانک کتے والا واقعہ رونما نہ ہوا ہوتا تو سب کچھ ممکن تھا۔ ہنگامہ ہوتے ہی ہمارا بنایا پروگرام درہم درہم ہو گیا مگر ہم بالکل ہی اندھیرے میں نہیں ہیں کچھ نہ کچھ سراغ ملا ہے۔“

”سراغ تو مل ہی جاتا تھا۔ علاقے کا ہر شخص بتادے گا کہ مرنے والے نیزہ اور کتے کا تعلق کس گھر سے تھا۔ میں صرف یہ جانتا چاہتا ہوں کہ تم کیا کر کے آئے ہو۔“

”میرا خیال تھا کہ میں نے کچھ بھی نہ کیا ہوتا تو تم اسی کو بت سکتے تھے کہ میں اس قدر روح فرسا مائل میں خودیج کر نکل آئے میں کامیاب ہو گیا لیکن تمہاری نظروں میں شاید مجھ سے زیادہ اہمیت دیرا کی سلامتی کی تھی اگر وہ نہیں نکل سکی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔“ اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

”تم احمق ہو۔ اگر وہ آجاتی اور خدا نخواستہ تم پھنس جاتے تو میری ساری فکر مندی تمہارے لیے ہوتی۔ دیرا اپنی کسی لغزش سے پھنسی ہوگی۔ میں اس کے لیے جہنم ڈے دار نہیں سمجھتا۔ پُرخطر حالات میں تم دونوں نے الگ ہونے کا معقول فیصلہ کیا تھا۔ یہ مقدار کی بات ہے کہ اس فیصلے کے نتائج حوصلہ افزا ثابت نہیں ہوئے۔ میں صرف اتنی ہی بات پوچھ رہا تھا کہ اس تمام مشقت کے نتیجے میں جہنم ایلن کے گھر کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟ اب ہم کو تیزی دکھانی ہوگی ورنہ دیرا ماری جائے گی۔“

”میں جہنم پوری تفصیل بتا چکا ہوں۔ میرے لیے کچھ کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی لیکن میں نے بدترین حالات میں بھی ہاتھ پیر نہیں چھوڑے۔ مسجد کی دکانوں پر ہونے والی باتوں سے پتا چل رہا تھا کہ مرنے والا نیزہ اٹالیوں کے ہاتھوں سے کسی مکان میں ملازم تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس علاقے کی کسی بھی قطار میں جہنم سے زیادہ مکانات نہیں ہیں۔ ہم آسانی سے وہاں تک پہنچ سکیں گے۔“

”گڈ!“ میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ”میں یہی سننا چاہ رہا تھا۔“ اپنی مشکلات میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود تم اپنی ذمہ داری سے غافل نہیں تھے۔ یہ میرے لیے خوشی کی بات ہے۔“

”دیرا کے غائب ہونے کے بعد ان جھوٹی جھوٹی باتوں پر خوش ہونے کا وقت گزر چکا ہے۔“ وہ فکر مندی کے ساتھ بولا ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو کہ ہم نے تیزی نہ دکھائی تو وہ ماری جائے گی۔“

اس گفتگو میں مصروف ہونے کے باوجود میرا ذہن اگلے لائحہ عمل پر کام کر رہا تھا۔

دیرا ہم سے چھڑ چکی تھی۔ ہم اپنی رہائش کے لیے کلفٹن کے علاقے میں ایک فلیٹ کرائے پر لے چکے تھے۔ مگر دیرا کو اس فلیٹ کا علم نہیں تھا۔ اگر وہ جہنم کے مقررہ وقت پر لال کو غشی کے بس اسٹاپ نہ پہنچتی تو آزاد ہونے کے باوجود اس شر خرابیات میں ہمارا سراغ نہیں لگا سکتی تھی۔ یہ بات دیرا کے علم میں بھی تھی۔

اگر وہ آزاد آتے تو اسے ہر قیمت پر لال کو غشی پہنچنا چاہیے تھا۔ سلطان شاہ کی فراہمی کی ہوئی معلومات کی روشنی میں وہ امکان بہت مبہوم نظر آ رہا تھا لیکن اس وقت میں امید کی کسی کرن کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے شائع فیصل پر ستریاہری ریکو کے بجائے ایک مرتبہ پھر نیچو سلطان روڈ کی راہ لی تھی اور وہاں سے گلیوں ہی گلیوں میں ہوتا ہوا ”شاہراہ قائدین“ سے دوبارہ نرسنگ کی طرف نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دوران میری نظریں بار بار رست وایج کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں ہر قیمت پر تین بجے لال کو غشی پہنچنا چاہ رہا تھا۔

سلطان شاہ پیٹریٹ کی پشت گاہ گرائے غم وراز تھا۔ اس لیے اسے راستوں کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا لیکن راستے کے بار بار آنے والے بیچ و خم پر وہ چنگے بغیر نہ رہ سکا۔ ”یہ بار بار گاڑی موڑنے کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے کیسے تم ایلن کی قیام گاہ کے قریب دو جاؤ گے تو نہیں گھر رہے۔“

”گھر مت کرو۔ آرام سے لیٹے رہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ کسی نہ کسی نے کالی اکاؤ ضرور دیکھی ہوگی۔ اس گاڑی کا دوبارہ ادھر لے جانا محض ثابت ہو سکتا ہے۔“

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ دیرا کسی فضنی کامیاب و حارے ابھی تک اسی علاقے میں پھنسی ہوئی ہو اور اسے باہر نکلنے کا موقع نہ مل سکا ہو۔“ چند ثانیوں بعد سلطان شاہ نے خیال ظاہر کیا۔

میں نے اس کے تجربے پر رائے زنی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

پھر اچانک ہی اسے یاد آیا کہ غزالہ میرے ساتھ موجود نہیں تھی۔ وہ ہڑا کر سیٹ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور پوچھا ”کیوں آواز میں اس کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔“

”وہ گھر پر ہے۔“ اتنی بات سننے ہی وہ دوبارہ اطمینان سے غم وراز ہو گیا اور میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ”ہم نے ایک خوب صورت فلیٹ کرائے پر لے لیا ہے۔“

اسے نئی فکر لاحق ہو گئی۔ اس نے ایلن اور اس کے سفاک چھاپا ماروں سے محفوظ رہنے کے لیے جو سنگ رچایا ہوا تھا اس میں وہ فلیٹ کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔

ہم ٹھیک تین بجے دوبارہ لال کو غشی کے بس اسٹاپ سے گزرے وہاں بسوں کے انتظار میں کھڑے ہوئے گنتی کے چند مردوں میں دیرا کا دور دور تک ناموشان نہیں تھا۔

آگے سے گھوم کر اسی سڑک کی دوسری سمت سے واپس لوٹنے ہوئے بھی میری نگاہیں دیرا کو ہر طرف تلاش کر رہی تھیں لیکن اس کا کہیں وجود نہیں تھا۔ اس کے بارے میں سوچ کر میرا دل بھاری ہوئے لگا۔

میرے خون کے پیاسوں نے اخبارات میں شائع ہونے والے انصافی اشتہار میں دیرا کو ایک مظلوم امریکن مغویہ ضرور ظاہر کیا تھا لیکن ان میں سے کسی کے دل میں دیرا کے لیے ہمدردی کی رشتہ تک نہیں تھی۔ جب تک جی لائیڈ ذمہ داری کے سربراہ کے



جراثیم کش دواؤں کے اسرے کے نام پر ایک بار اپنی دانستہ ہم سب کو فلیٹ میں گھیر کر ختم کرنے کی، صحابک کو شش کر چکا تھا۔  
جما گئے اپنے اصحاب کو سکون پہناتے کے لیے ایک ہانچہ  
ہسپتال میں مقیم تھا۔ اسے ہمارے نئے ٹھکانے کے بارے میں  
خبر نہیں تھی اور اب دیر ابھی چھڑ گئی تھی۔

دوسروں کی طرح دیر ابھی میرے نئے فلیٹ کے بارے میں  
نہیں جانتی تھی۔ اگر وہ اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر  
طرح الین کے چگل سے آزاد ہونے میں کامیاب ہو بھی جاتی  
اس کے پاس ہمارے بارے میں جاننے یا ہم تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ  
نہیں تھا۔

ہم تینوں ڈانچنگ نیچل پر بیٹھے فرائل کا تیار کیا ہوا ہلکا چھلکا  
کھانے میں مصروف تھے اور آپس کے تبادلہ خیال میں جو امور  
سامنے آ رہی تھی وہ خاصی حوصلہ شکن اور مدح فرما تھی۔  
محسوس ہوا تھا جیسے الین ہمارے گرد و رفتہ رفتہ اپنا حصار تنگ  
جا رہا ہو۔

یہ ہماری بد قسمتی تھی کہ اسے ہمارے تمام دشمنوں کی حمایت  
اور اعانت حاصل تھی جن میں سی آئی اے اور راکے اہم افسر  
سے لے کر کرنل جیسی جوڑا راس الحیڈا، شی اور ڈیوڈ اسٹارز تک  
سب ہی شامل تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ اپنی چالاکی  
کے ذریعے مقامی قانون کو بھی ہمارے خلاف حرکت میں لانے  
کامیاب ہو چکا تھا۔

”ہم مدافعت پر انحصار کرتے رہے تو حالات بد سے بد تر ہوئے  
چلے جائیں گے“ فرائل نے اپنی رائے ظاہر کی۔ اس وقت دیر اک  
زندگی بچانے کا معاملہ سب سے اہم ہے۔ الین کے ٹھکانے کا  
سراغ مل چکا ہے۔ ہمیں منصوبہ بندی کے ساتھ وہاں دھاوا بول  
دینا چاہیے۔“

”میں نے اس علاقے میں آج جو کچھ دیکھا ہے اس کی بنا پر  
مجھے پورا یقین ہے کہ الین ہماری مسلح فوج کے ساتھ وہاں رہا  
ہے۔ ہم تین آدمی اس کا کچھ بھی نہیں پگاڑ سکیں گے۔“ سلطان  
شاہ نے مایوسی سے کہا ”ہو سکتا ہے کہ جوش اور بے احتیاطی میں ہم  
بھی اس کے کسی شہسب میں پھنس جائیں۔“

”سب سے پہلے ہمیں اپنے رابطے بحال کرنے ہوں گے۔“  
میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ”کھانا کھانے کے بعد میں جراثیم کش دوا  
کرتا ہوں۔ تم اوّل خان کی طرف چلے جاؤ۔ اسے اس فلیٹ کا  
اور فون نمبر دے کر یہ تاکید کرو کہ جب تک اس کے گھر کا کتا  
فون بحال نہیں ہو جائے کسی پبلک پوٹھ سے روزانہ یہاں فون کرنا  
رہے۔“

”اوّل خان کو ان معاملات سے الگ ہی رکھا جائے تو بہتر  
رہے گا۔“ فرائل بولی ”اس پکارے نے ہماری خیر خواہی کی سب  
سے ہماری قیمت ادا کی ہے۔ اس کی بیوی اس کے زیرِ عتاب آنے  
میں بہت زیادہ ہراساں ہے۔ ہمیں اس کی پریشانیوں میں اضافہ  
کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔“

کے لیے کمپنوں کی ضرورت تھی۔ اس اسٹور کی خوبی یہ ہے کہ  
خریداری کے بارے میں آدمی کا ذہن صاف ہو تو انتخاب میں بہت  
آسانی ہو جاتی ہے۔

گیس شلوار، سفیدی سوٹ اور قیسی چٹون کے ساتھ ہی میں  
نے اندازے سے فرائل کے لیے چند کپے سلائے جوڑے لے لیے  
اور بشکل چندہ منٹ میں فارغ ہو کر اسٹور سے باہر آیا۔

میں واپس ہائی کلب پہنچا تو سلطان شاہ مجھ پرانہ انداز میں  
ایک دیوار کے سامنے بیٹھا انگلی سے زمین پر لکھ رہا تھا۔  
گاڑی دیکھتے ہی وہ لبک کر میرے پاس آیا۔

ہم دونوں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو میدان صاف تھا۔  
سلطان شاہ نے حیرت ناک سرعت سے اوپری بدن کے چھوڑے  
نوج کر قیسی بدل ڈالی۔ میں ٹانگوں کا جائزہ لینے کے انداز میں  
گاڑی سے اترا اور طواف پورا کرتا ہوا سلطان شاہ کی طرف سے  
گزرنا تو وہ چٹون بھی پہن چکا تھا۔ نگاہیں چار ہوتے ہی وہ مجھے آنکھ  
مار کر نکال کے سے انداز میں منہ چلائے لگا۔ میں برا سامنے ہا کر اپنی  
فست پر آ بیٹھا۔

گاڑی حرکت میں آنے سے پہلے ہی سلطان شاہ نے اپنے  
حرک لباس کی جیبیں خالی کئی شروع کر دیں اور پھر وہ چھوڑے  
کھڑکی سے باہر پھینک دیے۔ اسے ایک بہت بڑی الجھن سے  
نجات مل چکی تھی۔



شی جیسے طاقت ور اور منظم کردہ سے ٹکرا کر بھی میں کبھی اتنا  
پریشان نہیں ہوا تھا جتنا الین نے پریشان کر دیا تھا۔ متوسط جسمانی  
ساخت کا مالک وہ منکب سفید قام میری توقعات سے کہیں زیادہ  
خطرناک اور ثابت قدم منصوبہ ساز نکلا تھا۔ حالات بتا رہے تھے کہ  
ہم لوگوں کو اپنے جال میں بکڑنے کے لیے وہ ابتدا ہی سے نہایت  
مہر اور استقامت کے ساتھ پیش رفت کرتا چلا آ رہا تھا۔

اس نے جراثیم کشی کی فیکٹری کو باہودی دھماکوں سے آگ لگا دی  
تھی۔ جراثیم کش گھر کو پٹرول ڈال کر نذر آتش کر دیا تھا۔ پولیس کو  
ہمارے خلاف فضا اور مٹرک کر دیا تھا۔ وہ مسلسل جارحانہ پیش  
رفت کئے جا رہا تھا اور میں مدافعتی رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو کر  
رہ گیا تھا۔

ایک طرف الین کے پہنچائے ہوئے وہ ہماری نقصانات  
میرے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے دوسری طرف ہماری قوت کا  
شیرازہ بکھر کر رہ گیا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس کا مقامی پوٹ محفل  
کھڑا گیا تھا۔ اوّل خان جیسے ہر دور اور غم گسار دوست کو ملازمت  
سے معزول کر دیا گیا تھا۔ مجھے جراثیم کش کے مصروف فلیٹ کو بھل کر  
کرائے کے ایک نئے فلیٹ میں پناہ لینی پڑی تھی اور میرے خیر  
خواہوں میں سے کسی کو میرے نئے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔ جراثیم کش  
کا فلیٹ نامعلوم مسلح قاتلوں کی نگاہوں میں آیا ہوا تھا جو روایتی  
ہتھیاروں کے ساتھ ہی کیبا دی ہتھیاروں سے بھی لیس تھے اور

”جیسے جان کر حیرت ہوئی کہ وہ سائنس گر بجوٹ ہے۔“  
سلطان شاہ اقل خان کی بیوی کے ذکر پر چمک کر یوں ”اگل خان  
اس کی خانہ داری وغیرہ کا جس انداز میں ذکر کرتا تھا“ اس کی وجہ  
سے میں اسے اُن پڑھ سمجھتا تھا۔ اسے خاصا دوش خیال اور  
جنت پسند ہونا چاہیے۔“

”اگل خان ہر ذاتی معاملے میں اس قدر انکسار سے کام لیتا  
ہے کہ اکثر غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔“ میں نے کہا ”میں خود بھی  
اسی غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ بچے پالنے اور چہلما جھونکنے والی کوئی  
رہائی عورت ہوگی جس نے کبھی اسکول کی صورت بھی نہیں دیکھی  
ہوگی۔ لیکن اس وقت ہم کسی اور اہم معاملے پر سرگیا رہے  
ہیں۔ ہمیں فضول باتوں میں الجھنے کے بجائے اصل معاملات تک  
محدود رہنا چاہیے۔ اقل خان کو اس فلیٹ کے بارے میں آگاہ کرنا  
بہت ضروری ہے۔ دیر کو ہمارے دوستوں میں صرف دو افراد کے  
ٹھکانوں کا علم ہے۔ جتنا کثیر کسی بھی وقت اسپتال چھوڑ سکتا ہے۔ وہ  
اقل خان سے رجوع کرے تو اسے وہاں سے ہمارا پتا ٹھکانا معلوم  
ہونا چاہیے۔ ہر طرف سے گھبراہٹ ہوئے کی وجہ سے اسے بھی  
ایک محفوظ پناہ گاہ کی ضرورت ہوگی۔“

”پھر میں کھانا کھا لے ہی اور روانہ ہو جاتا ہوں۔ اکاؤنٹنٹی  
جلدی دوبارہ وہاں دیکھا جانا مناسب نہیں ہوگا۔ میں آمدورفت کے  
لیے کوئی ٹیکسی لے لوں گا۔“ سلطان شاہ نے فرماں برداری سے کہا۔  
غزالہ میز پر سے برتن سمیٹنے میں مصروف تھی کہ سلطان شاہ  
کھانے سے فارغ ہو کر فلیٹ سے چلا گیا۔

میں نے نیند کے بعد فون منیجیل لیا۔ اسپتال سے رابطہ  
ہونے پر معلوم ہوا کہ جتنا کثیر صبح سویرے ہی حساب کر کے وہاں سے  
رخصت ہو چکا تھا۔ اس انکشاف پر غزالہ کو حیرت ہوئی کہ میرا  
قیاس حقیقت سے کس قدر قریب تھا۔ میں نے سرگت سلا کر  
صوفے پر پاؤں پارے اور گرمی سوچ میں ڈوب گیا۔

سلطان شاہ درست ہی کہہ رہا تھا کہ ہم تینوں ایلن کے ٹھکانے  
پر دعوادہ بول کے کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ میں تھا اور  
جائے کے امکانات پر غور کرنے لگا۔

اسی اثنا میں مجھے وہ فون خبر یاد آ گیا جو جتنا کثیر نے مجھے دیا تھا۔  
وہ اس کے کسی قریبی عزیز کا فون نمبر تھا اور سلی کو لاہور سے واپس  
آکر عارضی طور پر وہیں قیام کرنا تھا۔ جتنا کثیر کے لیے وہ شخص اتنا  
قابل اعتماد تھا کہ اس نے مجھے اپنی امانت اسی کے پاس پہنچانے کی  
ہدایت کی تھی۔

غزالہ کچن میں برتن دھونے میں مصروف تھی۔ میں نے جتنا کثیر  
کی تلاش میں اس کے رشتے دار کا نمبر ملا لیا۔ دوسری طرف سے کسی  
خاتون نے ریسورٹ اٹھایا اور میرا مدعا جاننے کے بعد بتایا کہ جتنا کثیر کمر  
پر موجود نہیں تھا۔ میں یہ سن کر شکریے کے ساتھ فون بند کرنے کا  
ارادہ کر رہا تھا کہ اس خاتون نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے میری

معلومات میں یہ اضافہ کیا کہ سبز جتنا کثیر کمر پر موجود تھی۔

میں نے اسی سے بات کرنے کی خواہش کی اور چند خاموشیوں بعد  
ی سلی نے ریسورٹ لے لیا۔

”ہیلو! کون صاحب بول رہے ہیں؟“ اس نے بڑی میٹھی آواز  
میں سوال کیا تھا۔

”بڑی مدت کے بعد تمہاری آواز سنی ہے۔ لاہور سے کب  
آئی ہو؟“ میں اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بے تکلفی  
سے بولا۔

وہ فوراً ہی میری آواز پہچان گئی اور چمک کر یوں ”وہ! تو تم زندہ  
ہو۔۔۔ انہوں نے تو تمہارے بارے میں بالکل چپ سادھ رکھی  
ہے۔ کسی بات کا جواب ہی نہیں دے رہے۔“

”میں سے کچھ معلوم نہیں ہے۔ وہ بے چارہ ہمیں کیا جواب  
دے گا۔ دن رات تمہارے فراق میں لمبی لمبی آہیں بھر رہا تھا۔ اب  
تم نے اسے کہاں دوڑایا ہوا ہے؟“

”میں نے کہیں نہیں دوڑایا، خود ہی نکل پڑے ہیں۔“ وہ تنک کر  
بولی تھی ”شنا ہے آج کل آگ نے ان کے اکاؤنٹس کا رخ کیا ہوا  
ہے۔ پہلے ٹیکسی جلی، پھر کمر بھی راکھ ہو گیا۔“ آخری فقروں پر اس  
کا لہجہ ٹھنڈے ہو گیا تھا۔ صاف محسوس ہوا تھا کہ جتنا کثیر کے ان  
ہماری نقصانات پر اسے ذرا بھی افسوس یا ملال نہیں تھا ”وہ خود کچھ  
بتانے کے موڈ میں نہیں ہیں۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“

”جس جتنا کثیر کے ان نقصانات پر ذرا بھی دکھ نہیں ہے؟“  
میں نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ خود بے غم ہیں تو میں اپنی جان کو لوگ کیوں لگاؤں؟“  
اس کے پاس میرے سوال کا جواب تیار تھا۔ ”مٹی خالی قبروں کا  
ذکر کیا تو بے پروائی سے کہہ رہے تھے کہ کیل کیل کا انشورنس تھا۔  
آگ نکلنے سے نقصان کے بجائے فائدہ ہی ہو گا۔ فائدے پر کسے  
دکھ ہوتا ہے؟“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم دونوں کے مراسم کس نوعیت  
کے ہیں؟“ میں نے گہرا سانس لے کے کہا ”تم دونوں ہی ایک  
دوسرے کی اذیت پر یوں بظلمت جباتے ہو جیسے تمہاری پرانی دشمنی  
چلی آ رہی ہو۔“

”وہ مجھے نظر انداز کرتے ہیں، میں انہیں چراتی ہوں۔ یہ بتاؤ  
کہ تم کب ملنے آ رہے ہو؟ ہمیں دیکھتے ہوئے بہت دن ہو گئے  
ہیں۔“ آخری دونوں فقروں پر اس کا لہجہ دھیمہ ہو گیا تھا۔

”میں تمہیں کئی بار سمجھا چکا ہوں کہ میرے بجائے جتنا کثیر  
پر دھیان دو۔ وہ تمہارا شوہر ہی نہیں، تمہارے اکلوتے بیٹے کا باپ  
بھی ہے۔ تم محبت اور ہمدردی سے اس کا دل جیت سکتی ہو۔“

”میں نے ہر حربہ آزما کر دیکھ لیا۔ نیسے سات ہانڈیاں چھینے کا مزہ  
پڑ جائے اسے ایک پلیٹ میں کبھی مزہ نہیں آتا۔ کسی جوڑے کو عمر  
قید کی سزا دے کر ایک ویران جزیرے پر پھینک دیا جائے تو ان کے

جسم ضرور ملتے ہیں مگر دل کبھی نہیں ملتے۔ ہر وقت نفرت اور بے زاری کی لہر سوار رہتی ہے۔ ہمارا بھی کچھ ایسا ہی احوال ہے۔ اس بارے میں تم بلاوجہ مشورے مت دیا کرو۔“

وہ مجھ سے پیشہ ہی کھل کر بات کرتی تھی اور میں اس سے دامن بچاتا رہتا تھا۔ وہ احساس محرومی اور بے زاری کی ایک خطرناک نفسیاتی مریضہ تھی جو ذرا سی ہمدردی کے عوض اپنا سب کچھ لٹانے پر تلی رہتی تھی۔

”غزالہ بیگم کے کیا حال ہیں؟“ میری خاموشی پر اس نے اگلا سوال کیا۔

”غزے میں ہے۔ اس وقت یکن میں رتن دھوری ہے“ میں نے کہا۔

”وہ خوش نصیب ہے کہ اسے تم جیسا احمق شوہر ملا ہے“ سلمیٰ کی آواز میں رنگ وحسد کے ملے جلے جذبات نمایاں تھے ”پہلے اسے صرف چاہتے تھے اور اب پوچھتے ہو۔ وہیں شرف آباد میں رہ رہے ہو نا؟“

”شرف آباد سے ہم بے دخل کیے جا چکے ہیں۔ میں جمائیکر کو بھی بتاتا چاہ رہا تھا کہ میں ایک نئے اپارٹمنٹ میں رہ رہا ہوں۔ وہ آئے تو فون پر میری بات کراؤ نا۔“

”نمبر بتادو“ میں انہیں دے دوں گی۔ ویسے وہ جھگل کے بادشاہ ہیں۔ جی چاہے گا تو سر کے بل دوڑے چلے آئیں گے۔ موڈ نہیں ہوا تو فون تک نہیں کریں گے۔“

”تم بہت بے رحمی سے اس کا ذکر کرتی ہو“ میں نے اسے ملامت کی۔

”تم نے کبھی غصے دل سے یہ سوچا کہ میں تمہارے ساتھ اس طرح کیوں پیش نہیں آتی؟“ لاہور سے کراچی کی سسرالی فضا میں قدم رکھتے ہی وہ بکتے پر پائل تھی ”حالانکہ تم بہت سنگ دل ہو۔ تم نے کبھی میرے غلوں اور اپنائیت کو سراہنے کی کوشش نہیں کی۔“

”سلمیٰ! تم بہت اچھی ہو۔ میں تمہیں پسند کرتا ہوں، تمہاری باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں مگر میں یہ بات کبھی نہیں بھول سکتا کہ تم میرے عزیز ترین دوست کی بیوی ہو۔ ہمارے حرام ایک خاص حد اور سطح سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ میری اس احتیاط میں تمہارے گھر کی سلامتی اور ازدواجی زندگی کی خوشیاں پھٹاں ہیں۔ جس دن تم یہ بات سمجھ لو گی، مجھ سے سارے شکوے جاتے رہیں گے۔“

”ازدواجی زندگی کی خوشیاں!“ ریمو پر اس کی استہزائیہ آواز ابھری ”مجھ سے یہ خوشیاں سنبھالنے نہیں سنبھالیں۔ ہمارے درمیان شکل سے دس پندرہ منٹ بات ہوئی ہے۔ میں فیکٹری اور گھر کی تباہی کے اسباب جاننا چاہ رہی تھی، پہلے وہ مجھے ٹانے کی کوشش کرتے رہے پھر چڑ کر گھر سے ہی بھاگ گئے۔ اس آدمی نے

مجھے رشتے داروں کے سامنے بھی تماشایا کر رکھا ہے۔“

وہ جذباتی ہونے لگی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا ”تم لمبی دور کے بعد لاہور سے آئی ہو۔ اسے تمہاری محبت اور ہمدردی کی ضرورت تھی۔ آتے ہی جرح شروع کر دی ہوگی۔ بس اس کی کھوپڑی سنگ گئی۔“

”یہ لو لے لنگڑے یا معذور ہوتے تو میں ساری زندگی ان سے ہمدردی کرتی رہتی“ سلمیٰ کی آواز زہریلی ہو گئی ”وہ یہ بات سمجھ کر کوشش کیوں نہیں کرتے کہ میں ان کی بیوی ہوں۔ ان کی خوشیاں اور پریشانیاں میرے اوپر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ یہ کب تک یہاں رشتے داروں میں پڑی رہوں گی؟“

”میں اسے سمجھاؤں گا۔ تم اپنا دماغ غصہ دار رکھو۔ شوہر کے بارے میں اس طرح نہیں سوچا کرتے۔“

”تم اوپر آ جاؤ تو ہم باہر چلیں گے“ اس نے فوراً ہی مطالبہ کر دیا ”ساحل کی کھلی فضا میں، زیادہ بہتر طریقے سے سوچ سکوں گی۔ جمائیکر تو اب مجھے باہر لے جانا ہی بھول گئے ہیں۔“

”کسی دن مل کر چٹک کر پوچھ کر گرام بتائیں گے“ میں نے خوب صورتی سے اسے ٹالتے ہوئے کہا ”اس وقت میں نئے گھر کو سین کر رہی ہوں۔ اس وقت جمائیکر کسی گھر کے چکر میں گھلا ہوا۔ اس کی واپسی پر تمہیں گھر میں موجود رہنا چاہیے۔“

”میں نہیں گھر وری کی فکر نہیں ہے“ وہ میری بات کاٹ کے بولی۔

”ان کے دماغ پر انشورنس کا پیسہ سوار ہے۔ گھر میں جو کچھ تھا، وہ تجوری ہی میں جل کر راکھ ہو گیا ہو گا۔ تمہاری امانت بھی اسی میں تھی۔ جب تک جیب میں رقم نہیں ہوگی۔ ہمیں دوسروں کے گھروں پر گزارہ کرنا ہو گا۔ مجھے جھوٹے دلا سے مت دو۔“

”تجوری خالی کر لی گئی تھی“ لہ بھر سوچنے کے بعد میں نے اسے وہ خوش خبری سنانے کا فیصلہ کر کے کہا ”میری رقم کے ساتھ تمہارے زیورات، قالین اور دوسری تمام چیزیں محفوظ ہیں۔ جمائیکر اتنا کنگال نہیں ہے کہ اسے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انشورنس ٹیم کی ادائیگی کا انتظار کرنا پڑے۔“

”اوہ!“ اس پر میرے انکشاف کا تاثر نہ عمل ہوا اور وہ چونک پڑی ”تجوری خالی کر لی گئی تھی“ اس کا مطلب ہے کہ تم لوگوں کو پہلے سے مکان کی تباہی کا علم ہو چکا تھا۔ کیسے یہ آتش زنی بھی تم لوگوں کے خفیہ جھڑوں کا نتیجہ تو نہیں ہے۔“

”وہ تازہ واقعہ ہے۔ فی الحال کچھ نہیں کہا جاسکتا“ میں نے گول مول جواب دیا۔

”ست بتاؤ!“ اس کی تلخ آواز ابھری ”میں دو تین روز کے اخبارات نکھوا کے دیکھوں گی اور ہر بات آئینے کی طرح سامنے آ جائے گی۔ تم پیشہ جمائیکر کی کمزوریاں چھپانے کی کوشش کرتے ہو۔“

میں اسے کیا بتا تاکہ وہ جاناگیر کی نہیں، میری کمزوریاں حصیں جن کا خیا زہ بے جاہ جاناگیر بھگت رہا تھا۔ ایک طرف وہ مارا کھانا اور دوسری طرف اپنی بیوی کی نظموں میں بھی برا بن رہا تھا۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ اس کے گھر میں آتش زنی پچھلی رات ہی ہوئی تھی اور اخبارات میں اس بارے میں بہت مختصری خبر چھپی تھی۔

”جاناگیر بہت شان دار آدمی ہے۔ اس کی بس ایک ہی کمزوری ہے کہ وہ شراب نوشی میں احتیاط نہیں کرتا اور نشے کی جوہک میں تمہارے سامنے وہ باتیں بھی بک جاتا ہے جو اسے خفیہ رکھنی چاہئیں۔ تمہیں اس کی کمزوری پر خوش ہونا چاہیے کہ تم اس کی ہر بات سے واقف ہو جاتی ہو۔“

”کاش! یہ خوشی غزالہ کو بھی نصیب ہو سکے“ اس کی زہریلی آواز سنائی دی ”تم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ایک مروجہ نشے میں بک کر اپنی بیوی کا بازاری مورتوں کی گھنٹیا اداؤں سے موازنہ کرنا برا کرتا ہے تو اس بیوی کے دل پر کیسے خنجر چلتے ہیں۔ میرا بس اتنی ٹیکسری پہنچ کر سیلون والی اینٹوں اور مسز خان کا اپنے ہاتھوں اڑا کر دیتی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ دفتروں اور کارخانوں کام کرنے والی ضرورت مند عورتیں اس قدر دل پیچک اور ہ مزاج ہو سکتی ہیں۔“

”ہر عورت ایسی نہیں ہوتی“ میں نے اپنے دل ہی دل میں جاناگیر کو نصیحت کرتے ہوئے مدافعت لے لی ”میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ بعض عورتیں بگڑ جاتی ہیں۔ تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ بی بی اینٹوں جاناگیر کو داغ مفارقت دے چکی ہے اور۔۔۔“

اس نے میرا فقرہ درمیان ہی سے اچک لیا اور بولی ”مجھے لوم ہے۔ اس کے بعد ہی مسز خان نے اپنے جوبن کے گلے لائے شروع کیے ہیں۔ وہ یہ وہ کے روپ میں نوکری کرنے کے لیے

نا تھی اور اب کنواری بن کر میرے سینے پر مونگ دل رہی ہے۔ یہ ہر بات معلوم ہے لیکن یہ میری شرافت ہے کہ یہ جب ہوش ماہوتے ہیں تو میں ان گندی حرکتوں کے طعنے نہیں دیتی۔

اول اندر سے بہت زخمی ہے۔“

ان انکشافات پر میں ہکا بکا رہ گیا۔ جاناگیر اپنی غیر ذمہ دارانہ نگو سے خود اپنی قبر کھود رہا تھا۔ سلیٹی اگر اسے طعنے نہیں دیتی تھی اس میں اس کے کردار کی بڑائی نہیں بلکہ مکاری پوشیدہ تھی۔ عالم ش میں اپنے ان کارناموں کا ذکر سن کر جاناگیر حطوط ہو جاتا اور پھر لی کے پاس اس کی خفیہ مصروفیات سے باخبر ہونے کا کوئی ذریعہ نہ

ہو جاتا جب کہ جاناگیر مدہوشی کے عالم میں یہ کار خیر خود ہی انجام دے رہا تھا۔

میں نے بات ختم کرنے کے لیے خوش دلی سے کہا ”مس خان مسز خان“ وہ جو بھی رہی ہو اب اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔ اس نے خوشی کر کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا۔ تمہیں خوشی ہونی

میں اسے کیا بتا تاکہ وہ جاناگیر کی نہیں، میری کمزوریاں حصیں جن کا خیا زہ بے جاہ جاناگیر بھگت رہا تھا۔ ایک طرف وہ مارا کھانا اور دوسری طرف اپنی بیوی کی نظموں میں بھی برا بن رہا تھا۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ اس کے گھر میں آتش زنی پچھلی رات ہی ہوئی تھی اور اخبارات میں اس بارے میں بہت مختصری خبر چھپی تھی۔

”جاناگیر بہت شان دار آدمی ہے۔ اس کی بس ایک ہی کمزوری ہے کہ وہ شراب نوشی میں احتیاط نہیں کرتا اور نشے کی جوہک میں تمہارے سامنے وہ باتیں بھی بک جاتا ہے جو اسے خفیہ رکھنی چاہئیں۔ تمہیں اس کی کمزوری پر خوش ہونا چاہیے کہ تم اس کی ہر بات سے واقف ہو جاتی ہو۔“

”کاش! یہ خوشی غزالہ کو بھی نصیب ہو سکے“ اس کی زہریلی آواز سنائی دی ”تم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ایک مروجہ نشے میں بک کر اپنی بیوی کا بازاری مورتوں کی گھنٹیا اداؤں سے موازنہ کرنا برا کرتا ہے تو اس بیوی کے دل پر کیسے خنجر چلتے ہیں۔ میرا بس اتنی ٹیکسری پہنچ کر سیلون والی اینٹوں اور مسز خان کا اپنے ہاتھوں اڑا کر دیتی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ دفتروں اور کارخانوں کام کرنے والی ضرورت مند عورتیں اس قدر دل پیچک اور ہ مزاج ہو سکتی ہیں۔“

”ہر عورت ایسی نہیں ہوتی“ میں نے اپنے دل ہی دل میں جاناگیر کو نصیحت کرتے ہوئے مدافعت لے لی ”میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ بعض عورتیں بگڑ جاتی ہیں۔ تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ بی بی اینٹوں جاناگیر کو داغ مفارقت دے چکی ہے اور۔۔۔“

اس نے میرا فقرہ درمیان ہی سے اچک لیا اور بولی ”مجھے لوم ہے۔ اس کے بعد ہی مسز خان نے اپنے جوبن کے گلے لائے شروع کیے ہیں۔ وہ یہ وہ کے روپ میں نوکری کرنے کے لیے

نا تھی اور اب کنواری بن کر میرے سینے پر مونگ دل رہی ہے۔ یہ ہر بات معلوم ہے لیکن یہ میری شرافت ہے کہ یہ جب ہوش ماہوتے ہیں تو میں ان گندی حرکتوں کے طعنے نہیں دیتی۔

اول اندر سے بہت زخمی ہے۔“

ان انکشافات پر میں ہکا بکا رہ گیا۔ جاناگیر اپنی غیر ذمہ دارانہ نگو سے خود اپنی قبر کھود رہا تھا۔ سلیٹی اگر اسے طعنے نہیں دیتی تھی اس میں اس کے کردار کی بڑائی نہیں بلکہ مکاری پوشیدہ تھی۔ عالم ش میں اپنے ان کارناموں کا ذکر سن کر جاناگیر حطوط ہو جاتا اور پھر لی کے پاس اس کی خفیہ مصروفیات سے باخبر ہونے کا کوئی ذریعہ نہ

ہو جاتا جب کہ جاناگیر مدہوشی کے عالم میں یہ کار خیر خود ہی انجام دے رہا تھا۔

یاد رکھی ہے اور فون نمبر دیے ہوئے تھے۔ میں نے ان ناموں کا تفصیلی جائزہ لے کر وہ وقت موڑا اور ڈائریکٹری بند کر دی۔ دیرانی بازاری کے لیے میرے ذہن میں ایک منصوبہ پروان چڑھنا شروع ہو گیا تھا۔

سلطان شاہ کی واپسی کسی بھی لمحے متوقع تھی۔ میں غسل خانے میں گھسنے سے پہلے فرائز کی واپسی کا انتظار کرتا رہا مگر ڈور بیل کا جواب دینے کے لیے کوئی نہ کوئی موجود رہے۔ فرائز تو لمبے سے اپنے بال خشک کرتی ہوئی باہر آئی تو میرے لائے ہوئے پھول دار گلابی لباس میں اس کا حسن نکھر ا ہوا تھا۔ اس کی گردن اور رخساروں پر کہیں کہیں رکی ہوئی پانی کی بوندیں جھم کے قطرہوں کی طرح جھللا رہی تھیں۔

میں نے نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سر جھٹک کر غسل خانے میں گھس گیا۔

میں نیم گرم پانی کی تیز دھاروں میں غسل سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ فلیٹ کی گھنٹی سنائی دی۔ چند لمحوں بعد ہی میں سلطان شاہ اور اول خان کی ملی جلی آوازیں سن کر حیران رہ گیا۔ میرے سارے اول خان کا دل ابلے آنا تب خیز تھا۔

میں جھلت میں غسل ختم کر کے کپڑے تبدیل کیے بغیر باہر نکلا اول خان، سلطان شاہ کے ساتھ فلیٹ کا جائزہ لے کر فرائز دلی۔ ایک ایک چیز کی تحریف کر رہا تھا۔

میری آہٹ پاتے ہی وہ خوشی سے میرے ساتھ بغل کیے ہو گیا۔ ”مبارک ہو۔ آخر تم اپنا گھر سائے میں کاسباب ہو گئے۔ بہت اچھا اور سہا سہایا فلیٹ تلاش کیا ہے تم نے۔ طبعاً خوش ہو گئی۔“

”یہ گھر اسی وقت تک بارہا ہے جب تک دشمنوں کو اس کا ہنک نہیں ملتی“ سلطان شاہ نے تبسویا ”میک بار یہ رازداری ہوئی تو یہ آشیانہ بھی بکھر جائے گا۔“

”احتیاط تم ہی لوگوں کو کرنی ہوگی“ اول خان میرے ساتھ ڈرائنگ روم کی طرف لوٹنے ہوئے بولا ”ہم واپسی میں تین ٹیکسیاں بدل کر یہاں تک پہنچے ہیں تاکہ حقائق کے کسی خطرے کا سدباب کر سکیں۔ مجھے حیرت ہے کہ معزول کیے جانے کے بعد میرے گھر کی نگرانی نہیں ہو رہی۔ میں نے تو برطانیہ کے احکام سننے ہی خود کو بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر لیا تھا۔“

”مجھے امید نہیں تھی کہ تم سلطان شاہ کے ساتھ ہی یہاں چلے آؤ گے۔“

”تمہارا اپنا گھر دیکھنے کی خوشی کے ساتھ کچھ اور بھی محاملات تھے“ اس نے چلے چلے رک کر کہا ”تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میری معزولی اور آئینہ نشین فور کے حملے کی معطلی کے احکام واپس لے لیے گئے ہیں۔“

وہ خوش خبری سن کر میں اچھل پڑا اور اول خان سے دہانہ

تھاج نہیں تھا لیکن میرے استغفار پر اس نے بہت خوب صورتی سے بات گھمادی ”وہ بھر مایاں بیوی ہیں“ لڑ بھڑ کر دہانہ ایک ہو جائیں گے ایسا نہ ہو کہ مصالحت کرانے کی کوششوں میں آپ ان میں سے کسی کی نظر میں برسے بن جائیں۔“

”میں ان نزاکتوں کو سمجھتا ہوں“ میں نے پچھتے ہوئے لمبے میں کہا ”سلی سے اتفاقاً ہی بات ہو گئی ورنہ میں اس سے خود بھی کھڑا ہوں۔“

فرائز بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔  
”کیا میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے؟“ میں نے خشک لمبے میں سوال کیا۔

”یہ لطیفہ ہی تو تھا۔ بھلا آپ سلی سے کیوں کھڑاتے ہیں؟ وہ آپ کے بھری دوست کی بیوی اور ایک عزت دار گھریلو عورت ہے۔ فرائز نے مصحفانہ شوق سے پوچھا۔

”پچھنی کہس کہ لو“ میں نے سرسری انداز میں جواب دیا اور ڈرائنگ روم سے اٹھ گیا۔ میں اس موضوع پر فرائز سے زیادہ بات کر کے پرانی آگ کو اپنے گھر میں نہیں لانا چاہتا تھا۔

خواب گاہ میں جاتے ہوئے میں ٹیلی فون ڈائریکٹری کی پہلی جلد اپنے ساتھ لیتا چلا گیا۔

ازدہانی زندگی میں ”میں اپنی ہمت کے نیچے“ اپنی خواب گاہ میں پہلی بار اپنے بستر پر دراز ہوا تو سرت اور آسودگی کا ایک عجیب سا احساس تھا جو سرور بن کر میرے وجود پر چھا گیا۔ فرائز کسی اطاعت شعار بیوی کی طرح میرے پیچھے پیچھے آئی تھی۔ میں نے اداانہ انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے بستر پر بٹھالیا۔ اپنے نئے گھر میں آجانے کے بعد وہ بھی ذہنی طور پر ایسے نرم نازک لمحات کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھی۔ جب جنڈیوں کی آنچ سے وجود کھیلنے لگتے ہیں اور انسان بے بس ہو کر خود کو اس طوفان کے حوالے کر دیتا ہے۔

اس وقت فرائز کی محو و حرم آواز میں عجیب سا سحرانہ آیا تھا۔ میں اس سے عجیب و غریب بلکہ شاید ناقابل فہم باتیں کرتا رہا اور نہ ہی کھیل کے وہ لمحات تیزی سے گزرتے رہے۔

میں نے کئی دنوں سے شراب کو ہاتھ نہیں لگایا تھا لیکن ان لمحوں کا نشہ پر نہیں پڑ بھاری تھا۔ پھر میں تنہا رہ گیا۔ کافی دیر تک میرے ذہن پر سرور کی دھند چھائی رہی۔ جب میں رفتہ رفتہ حقائق کے بارے میں سوچنے کے قابل ہوا تو مجھے سانس پھیل پر رکھی ہوئی ٹیلی فون ڈائریکٹری نظر آئی اور میں نے فوراً ہی اس کی دقت گردانی شروع کر دی۔

وہ انجیل نہیں تھی جس کے پورے باپ بڑے جاتے۔ میں نے غیر ملکی سفارتی اداروں والے گلابی صفحات کھول کر امریکن توصل خانے والے کالم کا جائزہ لیتا شروع کر دیا۔

اس کالم کی ابتدا میں کئی غیر ملکی ممالک کے ساتھ ان کے

ہوں، وہاں کسی زیادتی کا امکان کم ہی نظر آتا ہے۔ ویسے بھی تم لوگ امریکنوں کے دباؤ کا نشانہ بنے تھے ہو سکتا ہے کہ تمہارے بیٹوں نے ان لوگوں کو سنے فیصلے کی ہوا بھی نہ تگئے دی ہو۔ وقت گزرنے کے ساتھ سب کچھ معمول پر آجائے گا۔

”ہاں، وقت ہی کی بات ہے؟“ اس نے میری تائید کی ”فی الحال تمہیں مجھ سے کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔“

”مشورہ تو دے سکتے ہو نا؟“ میں نے جیسے بچے میں پوچھا۔

”اس کے لیے ہر وقت حاضر ہوں“ اول خان قہقہہ مار کے

بولے۔ ”پہلی بات یہ ہے کہ ایلن کو کراچی میں بد رواداد نامی ایک پرانے بد معاش کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ وہ ظاہری طور پر ٹرانسپورٹ کا کاروبار کرتا ہے۔ ماری پور کے ٹرک اسٹینڈ سے اس کا کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا ہے۔ میں اسے سب سے پہلے اس کا پتا صاف کرنا چاہتا ہوں۔“

اول خان کے استفسار پر میں نے اسے ڈھکے سے حاصل ہونے والی معلومات سے آگاہ کر دیا۔

”یہ کام ہو جائے گا“ اول خان نے چند خاموشیوں تک سوچنے کے بعد محتاط سے کہا ”مجھے یا تمہیں سامنے آنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، بس پندرہ بیس ہزار روپے خرچ کرنے ہوں گے۔ میرے سولین جنوں میں ایسے قابل اعتماد لوگ موجود ہیں جو معتقل معاوضہ لے کر پوری راز داری سے ایسے کام سرانجام دیتے ہیں۔“

”میں ایک لاکھ روپے بھی خرچ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جس زمانے میں شرمیں میرا طوطی بولتا تھا، بد روپے سامنے آنے سے گھبرا تا تھا۔ آج وہ میری بی بی پر ظاہر ہوا ہے۔ ڈشکا بہت معمولی سا بد معاش ہے لیکن اس نے اپنی کمائی کے ذریعے میرے شہادت کی حرف بہ حرف تائید کی ہے۔ بد روپے غائب ہونے سے ایلن کی کمرٹ کر رہ جائے گی اور وہ جارحیت کے بجائے مدافعت پر مجبور ہو جائے گا۔“

”جوش میں آنے کی ضرورت نہیں“ اول خان نے مجھے پکارا۔ ”سب کام بیس ہزار روپے کے اندر اندر ہو گا اور بہت جلد ہو گا لیکن تم ویرا کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو؟ میں اس دلیر لڑکی کے لیے کھرمند ہوں۔“

اسی وقت فرائل ٹرے میں چائے کے ساتھ دیگر لوازمات جاکر لے آئی۔

”اس کے لیے میرے ذہن میں ایک خاکہ مرتب ہو رہا ہے۔ اس پر عمل کی صورت پیدا ہوگی تو ویرا کو بہت آسانی سے رہائی مل جائے گی“ میں نے کہا۔

”وہ بہت کہنے لوگ ہیں۔ اسے بدترین جنسی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنا کر ہلاک کر سکتے ہیں۔ تم کو اپنی کوششوں کا آغاز کرنا چاہیے۔ تم اس بارے میں کیا سوچ رہے ہو؟“

”ویرا ان لوگوں کے لیے بہت کارآمد ہے۔ اس غلطی میں اپنی

بہن ملیا۔ مسجانی کو کبھی آج نہیں آئی۔ غنیمت ہے کہ تمہارے بیٹوں نے زیادہ وقت برباد کیے بغیر اپنی غلطی کا احساس کر لیا۔“

”میرے گھر میں صاف ماتم پچھی ہوئی تھی۔ کل رات تم سب سے آجائے سے تمہارے چہروں پر مسکراہٹیں آئی تھیں ورنہ ہم خود کو زندہ درگور محسوس کر رہے تھے۔ تمہاری بھالی اس وقت پر ہیصلے پچھی ہوئی ہوگی۔ اس نے باپوسی کے عالم میں میری بھالی کے اگلے سول مل مان لیے تھے۔“

”یہ دعاؤں ہی کا شکر ہے ہو سکتا ہے ورنہ مجھے اتنی جلدی فیصلہ بدلنے کی امید نہیں تھی۔“

ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی میں چونک پڑا۔ رقوم اور زہرات کی وہ دونوں پوٹیاں جو ہم نے پچھلی رات اول خان کے گھر پہنچی تھیں، ایک صوفے پر رکھی ہوئی تھیں۔

میری نگاہوں میں حیرت کی جھلکیاں دیکھ کر اول خان فوراً ہی بول پڑا ”تمہارے چلے آنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ یہ کتنا بھاری خزانہ ہے۔ اسے سنبھالنا میری بساط سے باہر ہے۔ اب تمہارا اپنا کھو گیا ہے تو اسے ہمیں رکھو۔ میرا تو یہ مشورہ ہے کہ یہ چیزیں گھر کے بجائے کسی بینک کے لاکر میں زیادہ محفوظ رکھیں گی۔“

”اب کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ جہانگیر کی چیزیں اسے پہنانے کے بعد کچھ سوچا جائے۔ تمہاری بھالی کی خبر نے میرا حوصلہ بہت بلند کر دیا ہے۔ اب شاید مجھے کل زبان یا کسی اور سرکاری افسر کا احسان نہیں لینا پڑے گا۔ پہلے کی طرح ہم آزادی سے اپنا کام آگے بڑھا سکیں گے۔“

”فی الحال یہ صرف خوش فہمی ہوگی“ اس نے فوراً ہی میری ہچکچ کرنی ضروری سمجھی ”سب لوگ اپنی ڈیوٹیوں پر حاضر ہوں گے لیکن اختیارات معطل رہیں گے۔ اسٹیشن فور کا کوئی عام کارندہ بھی وائٹکٹر جنرل کے براہ راست حکم کے بغیر اسٹیشن کی حدود سے باہر نہیں نکل سکے گا۔“

”یہ ادھوری بھالی ناقابل فہم ہے، تمہارے معاملات ابھی بھی الجھے ہوئے ہیں۔“

”میں سمجھو کہ پورے محلے کو پوری تحفظ کے ساتھ ملازمت پر بحال کر دیا گیا ہے مگر اختیارات ہمیں دیے گئے۔ یہ کوئی سیاسی فیصلہ معلوم ہوتا ہے۔ پوری فورس کسی تحریری حکم نامے کے بغیر نہابی دہانت اور سخت ترین ڈسپلن کے تحت ناقابل یقین کارنامے سرانجام دیتی رہی ہے۔ اسٹیشن فور والوں کی سزا جاتی نے پوری فورس کو بھلا کر رکھ دیا تھا۔ ہر شخص اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہو گیا تھا۔ فورس کے ہر طبقے میں پیدا ہونے والی بددلی پر قابو پانے کے لیے ہماری بھالی کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ابھی مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“

”مجھے مستقبل بھی روشن نظر آتا ہے“ وہ میری ایمان دارانہ رائے سنی ”جس فورس کے ذمے دار افسران اپنے ماتحتوں کے ذمہ داری کے بارے میں اس قدر حساس اور مبالغہ مانہ رویہ رکھتے





ہوئے لیجے میں کما "کوئی واضح خاکہ ابھرے" تب ہی میں کچھ بتا سکا ہوں۔"

"خیر! اب رابطہ ہوتا رہے گا" اول خان بولا "دفتر جانے کے ساتھ ہی میرے گھر کا فون بھی بحال کر دیا جائے گا۔ اب تمہیں بات کرنے کے لیے لمبی دُشمن لگانی پڑے گی۔"

م، لوگ جانے نوشی میں مصروف تھے کہ فلیٹ میں پہلی بار فون کی کھنٹی بج اٹھی۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے جھانگیر بول رہا تھا۔ میری آواز پہچانتی ہی وہ شروع ہو گیا "یہ کلفن کا نمبر معلوم ہوتا ہے" اب تم وہاں کہاں جا رہے ہو؟"

"ہم نے ایک گھر کرائے پر لے لیا ہے۔ تمہارا سامان میرے پاس ہے۔ جب جاؤ گے، لے سکتے ہو لیکن قاقب کا خیال رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کو اپنے پیچھے لگا کر یہاں تک لے آؤ۔ آج کل ہم سب ہی محتاط ہیں۔"

"تم نے رات کو اسپتال فون کیا تھا تو میں ذرا موڈ میں تھا۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ تم کس حد تک سنجیدہ ہو لیکن ابھی میں اپنے گھر کی طرف سے گزرا تھا۔ وہاں راگھ اور کھڑرات کے سوا کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ لمبے سے ابھی تک دھواں اٹھ رہا ہے۔ وہاں کیا گزری ہوئی تھی؟"

"فون پر یہ باتیں نہیں ہو سکتیں، لوگ تو سب بتا دوں گا۔" "آج کے اخبار میں بھی اس آگ کے بارے میں اتنی چھٹی اور مبہم سی خبر تھی کہ مجھے اندازہ ہی نہیں ہو سکا کہ وہ میرے گھر کے بارے میں ہوگی۔ یہ امریکن جوڑے کے بارے میں کیسی خبریں چھپی ہیں؟"

"جھانگیر!" میں کسی کھینے کتے کی طرح غرایا "معلوم ہوتا ہے کہ تم اس وقت بھی اپنے ہوش و خواس میں نہیں ہو، کیوں اپنے ساتھ ہماری بھی گردنیں کٹوانے پر تے ہوئے ہو۔"

"موسیٰ!" اس کی جگت زندہ آواز اچانک دھیمی ہو گئی "لاہور سے مصیبت خاتم تشریف لے آئی ہیں۔ ان سے تمہارے مذاکرات بھی ہو چکے ہیں۔ ان کا منہ خاصا سوجا ہوا ہے۔"

"گھر کا بندوبست کرنے سے پہلے اسے ہلا کر تم نے حفاظت کی ہے۔ دوسروں کے گھر میں ممان بن کر رہنا اس کی اتنا کہ خلاف ہے۔ کمال ہے کہ تم اپنی بیوی کے بارے میں اتنا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔"

"خوش فحش ہو کہ تمہیں غزالہ جیسی سمجھ دار لڑکی ملی ہے۔" ایک گھرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری "اس جیسی کہ

ذہن حور سے واسطہ پڑا ہوتا تو تمہارے سارے انداز و حرے کے دھرے نہ جاتے اور چار دن میں چوڑی بھول جاتے میرے ہر کام میں کیڑے نکالتا اس کی بہترین بابی ہے۔"

"تم اس سے لڑ کر کہاں گئے ہوئے تھے؟" میں نے فوراً موضوع بدل دیا۔

خجری سرگرمیوں اور سازشوں کو آگے بڑھانے کے لیے وہ ان کی بہت مدد کر سکتی ہے۔ وہ اسے ہلاک نہیں کریں گے بلکہ برین واش کر کے اپنے لیے کارآمد بنانے کی کوشش کریں گے۔ وہ کسی بھی قیمت پر دیر کو آزاد نہیں کریں گے میں اس مقصد کے لیے ان پر دباؤ ڈالنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔"

"وہ تمہارے کس دباؤ میں آسکتے ہیں؟ سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"تو فصل خانے کے کسی اہم افسر کو اغوا کر لیا جائے تو سووے بازی ہو سکتی ہے" میں نے کہا۔

"یہ اغوا کون کرے گا؟" سلطان شاہ نے احتقانہ سادگی سے پوچھا۔

"اول خان کے وہی خبرچندہ ہیں ہزار لے کر کسی آدمی کو قاتل بھی کر دیتے ہیں۔"

"نہیں" اول خان نے سختی سے اپنے سر کو جنبش دے کر کہا۔ "وہ اپنے حلقوں میں بہت مڑ مڑ ثابت ہوتے ہیں۔ کسی سفارت کار کے معاملے میں ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔ اس میں ناکامی اور گرفتاری کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔ ویسے بھی امریکنوں نے تین دن کے لیے اپنے سارے دفاتر بند کر کے امریکن محلے کو سختی کے ساتھ گھروں تک محدود کر دیا ہے۔ ان میں سے کوئی کسی اشد ضرورت کے تحت باہر نکلا تو بحرور حفاظتی انتظامات کے ساتھ نکلے گا۔ تمہاری ایسی کوئی بھی کوشش خودکشی کے مترادف ہوگی۔"

"پھر ہمیں دیر کی طرف سے مہر کے اسے مقدر کے حوالے کر دینا ہوگا" میں نے پاپوسی سے کہا۔

"وہ ایسی سردہری کی سختی نہیں ہے۔ اس نے ہمارے لیے بہت کام کیا ہے۔"

"پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟ میں تو خود کو بند گلی میں محسوس کر رہا ہوں۔"

"اس معاملے پر دماغ سوڑی کئی ہوگی۔ وہ جس علاقے میں پناہ گزین ہے وہاں ذرا سی بھی غیر معمولی نقل و حرکت بہت آسانی سے نوٹ کی جاسکتی ہے۔"

"میں بہت پہلے سے دماغ سوڑی کر رہا ہوں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کوئی خطرناک قدم اٹھائے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا" میں نے فیصلہ کن لیجے میں کہا "یہ قیمت ہے کہ دیرا نے سلطان شاہ سے الگ ہونے سے پہلے ہم گن اس کے حوالے کر دی تھی۔ اس مسلک ترین ہتھیار کی مدد سے ہمیں کوئی تیز ترین کارروائی کرنی ہوگی۔"

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ بندی موجود ہے اور تم اسے چھپا رہے ہو؟" اول خان نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ورنہ ہم گن کوئی بہت سوڑی ہتھیار نہیں ہے۔"

"میرے ذہن میں بہت کچھ گھٹ رہا ہے" میں نے الجھے

”تمہارا کام اب شروع ہوگا۔ مجھے کچھ اہم خریداری کرنی ہے“ میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”کچھ ہلکے پھلکے اور درمیانی سائز کے دستی بموں کی ضرورت ہے۔ ایک نفا سائیکل وغیرہ بھی لیتا ہے۔“

”اول خان ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کہ تم کوئی بات چھپا رہے ہو۔ کیا منصوبے ہیں تمہارے؟“ اس نے مجھے کھور کر جھٹتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

”میں میرا ہزن بھی صاف نہیں ہے۔ یہ سامان جمع کرنے کے بعد یکسوئی سے کچھ سوچوں گا۔ اس سامان کی ضرورت پیش نہ آئی تو اسے کہیں بھی ضائع کیا جاسکے گا۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہتھیار پشمان کا زیور ہوتے ہیں۔ اس کا بس پلے تو وہ ہتھیار ہی کھا کر زندہ رہنے کی کوشش کرے مگر یہ ممکن نہیں ہے۔ کراچی میں ہزاروں پشمان ہتھیار نہیں، ہتھیاروں کی روزی کھاتے ہیں“ وہ مجھ سے زیادہ سنجیدہ ہو کر کہنے لگا ”پشمان سرحد کے آ رہے ہیں۔ ان میں پاکستانیوں کے ساتھ افغان بھی ہیں۔ میں افغانوں سے پورا توپ خانہ خرید سکتا ہوں مگر مجھے تمہارے منصوبوں کا علم ہونا چاہئے۔ تم مجھ سے اسی طرح رازداری برتتے رہے تو میرا دماغ خراب ہو سکتا ہے۔ میں اپنی الگ راہ بھی نکال سکتا ہوں۔“

”میں بھی مجھے خود نہیں معلوم کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں کیا بتاؤں؟“

”جو برا بھلا سوچ رہے ہو، وہی بتاؤ۔ مجھے اطمینان ہو جائے گا۔“

”فی الحال منصوبے کے خدوخال واضح نہیں ہوئے ہیں“ میں نے اس کی خد کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ ”میرا ارادہ ہے کہ ہتھیاروں سے پوری طرح لیس ہو کر ایلین کے ٹھکانے پر جا کر اسے لٹکاؤں اور اس پر دباؤ ڈال کر دیر اکو واپس لانے کی کوشش کروں۔“

”دیر!“ سلطان شاہ پُر خیال لہجے میں بڑبڑایا پھر چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولا ”دیر انکے بارے میں تم نے بھی اپنے دل کو ٹٹولنے کی کوشش کی ہے؟“

”تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟“ میں نے تقریباً غراتے ہوئے سوال کیا۔

”یہ خیال، صرف مجھ ہی کو نہیں، ہر اس شخص کو آتا ہوگا جو تمہارے قریب رہتا ہے۔ اس بارے میں خزانہ نے بھی بار بار سوچا ہوگا لیکن یہ اس کی شرافت ہے کہ وہ اس بارے میں اپنی زبان نہیں کھولتی ورنہ اس نے بھی محسوس کیا ہوگا کہ دیر اسانے رہتی ہے تو تم اس کی طرف سے بے پروا بننے کی کوشش کرتے ہو۔ وہ کسی مشکل میں پڑ جائے تو تم بے چین ہو جاتے ہو۔ آخر کیوں؟“

”تم الزام تراشی کر رہے ہو۔ میری شادی سے پہلے کی باتوں کو بھل جاؤ۔ اب میرے دل میں کسی کے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔ سارا غمور تمہارے دماغ کا ہے۔“

میں غور سے اس کے لئے کیا تھا۔ مجھے ان باتوں کی فوری ضرورت تھی۔ جو تمہیں تجوری سے ملی ہوگی۔ چیک بکس کی بھی پیش آئے گی۔ مصیبت کو نہ بتانا کہ یہ چیزیں آگ سے

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جب چاہو اپنی امانتیں واپس لے سکتے ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں سبکی کو تجوری خالی کرنے کے بارے میں بتا چکا ہوں۔ وہ میری رقم کے بارے میں

میں نے سب سے پہلے بات سننے ہی وہ بگڑ گیا۔ ”تمہیں اسے یہ سب کیا ضرورت تھی؟ تم آسانی سے اسے ہٹا سکتے تھے۔“

”اب تو خیر کان سے نکل چکا ہے۔ مجھے سبلی چڑھاؤ۔“ میں نے بھی دھمکانے کے بجائے سکون سے کہا ”میں اف بھی نہیں

بتاؤں۔ میں صبح کا علم لینے آؤں گا۔“ اس کی آواز اکھڑی

میں نے پانسنے کے بعد اس نے رسمی کلمات ادا کیے بغیر ہی

س دوران میں خزانہ ”اول خان سے اس کے بیوی بچوں کے

میں سے کسی نے بھی جاگیر کے فون کے بارے میں سوال کی کوشش نہیں کی۔ میرے قاصد ہوتے ہی اول خان واپسی

دیرا کے بارے میں میں بھی سوچتا ہوں۔ کوئی بات بنی تو لکوں گا۔ وہ پورے غلوں سے اس رنگین مزاج لڑکی کے

میں گھر نہ تھا جو اپنے باپ کی بھی پروا نہیں کرتی تھی۔ اول خان وہاں سے ٹھیکسی وغیرہ کے ذریعے اکیلا ہی واپس

پھر قاصر میرے ذہن میں کچھ کڑے کبلائے لگے تھے۔ سلطان شاہ سمیت زندگی اس کے ساتھ ہو گیا۔

لینے سے جاتے ہوئے میں نے خزانہ کو سختی سے ہدایت کر دی

وہ جاگیر کے سوا کسی کے لئے قہقہہ کا دواؤ نہ کھولے۔

نکتن سے جیسے روڈ تک کا سفر اتنی ہی باتوں میں کٹ گیا۔

دور میان مشترکہ دلچسپی کے اس قدر موضوعات موجود تھے کہ

میں نے کان باتیں کر سکتے تھے۔

میں نے روڈ پر گاڑی روک کر اندر جانے سے مندرت

میں تجوری اول خان کے لئے قہقہہ فہم تھی۔ وہ ہمارے

راکے کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے گاڑی سے

دلچسپی اپنے ساتھ اٹھائے تھے؟ واپسی کے سفر کا آغاز

میں سلطان شاہ نے ناگاری سے پوچھا۔ ”سارے راستے تم

کاٹنا نہیں سننے سننے میری کان پک گئے۔“

کر گزرتے ہیں وہ عمر بھر دوتے ہی رہتے ہیں۔

”تم ہر وقت اس کے بارے میں کیوں سوچتے رہتے ہو؟“  
نے اس پر جوابی وار کیا۔

”مجھ پر یہ ہے۔ مجھے سوچنا پڑتا ہے کیونکہ اب وہ بے سارا  
مکھی ہے اور تم لوگ بھی اسے میرے سر منڈھنے کی فکر میں  
رہتے ہو۔ اس بچے ہوئے زحمت کو اپنے گلے میں ڈال کر میں  
کا بھی نہیں رہوں گا۔“

”وہ مذاق کی باتیں ہوتی ہیں، انہیں سنجیدگی سے نہیں لیا  
میں نے ماحمانہ لہجے میں کہا ”ویسے کسی کا ماضی بیڑا اس کا  
نہیں کرتا۔ وقت ہر ایک کو بدل دیتا ہے۔ جن لوگوں میں لڑائی  
زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا حوصلہ ہوتا ہے، وہ کوئی  
پینے والیوں کو بھی عزت و احترام کے درجے پر لا بٹھاتے ہیں۔  
غزالہ کے ساتھ خوش ہوں۔ مجھے سایوں کا تعاقب کرنے کا  
نہیں رہا ہے۔“

”یہ فضول باتیں چھوڑو، وہ اچھا لکھی ہے کچھ افسردہ سا ہو گیا  
موضوع بدل کر بولا ”تم ایلن کے ٹھکانے پر جا کر اسے لگا کر  
بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔“

”میرے ذہن میں ابھی میم سا خاکہ ہے“ میں نے سو  
ہوئے کہا ”میں دسٹی ہوں اور دوسرے ہتھیاروں سے لیس،  
اسے یہ دھمکی دے سکتا ہوں کہ اس نے میرا مطالبہ تسلیم  
میں اپنے ساتھ اسے اور اس کے سارے حمایتیوں کو چار  
کردوں گا۔“

”اس کا کوئی بھی نشانچہ گھات لگا کے ایک گولی چلائے؟  
تمہارا قصہ ناک کر دے گا“ وہ میری بات کاٹ کے بولا ”میں  
ایسی خود کشی کا مشورہ نہیں دے سکتا۔“

”میں اسی کا توڑ سوچ رہا ہوں“ میں نے کہا ”شاید  
کارڈیو الیکٹریک سوچ کے بارے میں کچھ سنا ہو۔ میں اسی  
استعمال کے بارے میں سوچ رہا تھا۔“

”میں یہ پیچیدہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔ نام سے تو یہ  
قلب کا کوئی آلہ معلوم ہوتا ہے۔“

”یہ امریکنوں کی ایک نئی ایجاد ہے۔ اس سے ہزاروں  
لے جاسکتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ سوچ ابھی تک بازار  
دستیاب نہیں ہے۔“

”پھر تو اس کے بارے میں سوچنا ہی بے سود ہے۔ ویسے  
کچھ ایجاد ہو رہا ہے۔ مجھے ایسی خلائی توپوں کے بارے میں  
سنا ہے جو خلائی اسٹیشن سے لیزر شعاعیں خارج کر کے زمین پر  
برابر کسی بھی نشانے کو نیست و نابود کر سکتی ہیں۔ ان توپوں کا  
غیر فوجی میں اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ ان کا فائر میلوں کے  
میں ہر جگہ کو چلا کر رکھ کر دے۔“

”لیزر گن ایک جدید ترین جنگی ہتھیار ہے۔ میں ایک  
چھوٹی چیز کے بارے میں سوچ رہا تھا۔“

”تم میری بات کو غلط سمجھ رہے ہو“ وہ مکارانہ مسکراہٹ کے  
ساتھ بولا ”غزالہ کی طرح دیرا بھی ہماری دشمن نہیں ہے۔ میرا  
اندازہ ہے کہ اس کی جگہ کوئی مود ہوتا تو تم کل کر اس کا ساتھ  
دیتے۔ دیرا ایک لڑکی ہی نہیں، خوب صورت اور آزاد خیال لڑکی  
ہے۔ تم اس سے ہو رہی جتنے میں ضرورت سے زیادہ محتاط رہتے  
ہو تاکہ غزالہ تمہاری نیت پر شبہ نہ کر سکے۔“

”ہاں یہ بات درست ہے“ میں روانی میں کہہ گیا ”میں جوں  
کے محاطات میں، میں خود بھی بہت آزاد خیال ہوں لیکن مجھے  
غزالہ کی بہت فکر رہتی ہے۔ میں کسی بھی قیمت پر اپنے اور اس کے  
درمیان شکوک و شبہات پیدا نہیں کرنا چاہتا۔“

میرے جواب پر اس کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ خوش ہوتے ہوئے  
بولا ”میرے دونوں سوالات کا ایک ہی معلوم تھا۔ پہلی بار تم منکر  
ہو گئے۔ دوسری بار وہی سوال تمہارا کر گیا تھا تو تم نے اعتراف کر لیا۔  
میں غزالہ کا تجربہ نہیں۔ آخر تم میرے سامنے مان کیوں نہیں لیتے  
کہ تم دیرا کو پسند کرتے ہو؟ اس کے لئے فکر مند رہتے ہو اور اسے  
ہر معیت سے محفوظ رکھنا چاہتے ہو۔“

”ان سب باتوں کا پسندیدگی سے کوئی تعلق نہیں ہے“ میں نے  
خنک لہجے میں کہا ”میں تو تمہارے لئے بھی بہت فکر مند رہتا ہوں۔  
اس کا یہ مطلب نہیں نکالا جاسکتا کہ میں تم سے عشق کرتا ہوں۔“  
”میں نے ابھی تک عشق کا لفظ استعمال نہیں کیا“ اس نے  
احتجاج کیا ”بات صرف پسند اور ناپسند تک ہی محدود تھی۔ تم اسے  
سمجھانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم  
کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو۔“

”میں کچھ بھی ثابت نہیں کرنا چاہ رہا“ وہ اطمینان سے بولا ”تم  
یقیناً غزالہ سے عشق کرتے ہو“ اسے اپنے دل کی گہرائیوں سے  
چاہتے ہو لیکن اس کے بعد دیرا کا غبر آنا ہے۔ آج جہیں کسی  
طرح دوسری شادی رچانے کی ضرورت پیش آجائے تو تمہارے  
سامنے صرف دیرا کا نام ہو گا۔“

”کیا اس بند کو“ میں بگڑے بولا ”جہیں آج تک یہی معلوم  
نہیں ہو سکا کہ بیوی اور دوست میں کیا فرق ہوتا ہے۔ دیرا دوست  
بلکہ بہترین دوست بھی بن سکتی ہے لیکن اسے کوئی ایسا ہی آدمی اپنی  
بیوی بنا سکتا ہے جس کا خون برف کی طرح ٹھنڈا ہو۔ وہ تو اپنی خوشی  
کے اظہار کے لئے بھی کسی اجنبی مگر خیر مود سے گلے ملنے میں کوئی  
رجح نہیں سمجھتی۔“

”تمہارا اور دیرا کا تعلق عجیب ہی نہیں، ناقابل فہم ہے۔“ وہ  
اپنا سر جھٹک کے بولا ”چاہت اور نفرت کا یہ عجیب امتزاج پہلی بار  
میرے تجربے میں آیا ہے۔ بیویوں نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ اپنی  
عورت حیا دار اور شرمیلی بنی گئی ہے۔ دوسری عورتیں اسی وقت  
پسند آتی ہیں جب وہ بے شرم اور بے حیا ہوں۔ انہیں ایک  
دوسرے سے نہیں بدلا جاسکتا۔ جو لوگ جوش میں آکر ایسا



استعمال ملک بھی ہو سکتا ہے۔

”تم نے میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اپنی جرح کا آغاز کر دیا“ میں نے ترش لہجے میں کہا ”یہ حساب کتاب اس وقت کرنا ہو گا جب کارڈیو الیکٹرونک سوچ ہماری جیب میں موجود ہو اور ہم اسے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ فی الحال وہ سوچ کسی بھی قیمت پر دستیاب نہیں ہے۔ امریکا میں قوی اور بین الاقوامی سلامتی کے ذمے دار اداروں کے لئے وہ سوچ ایجاد کیا گیا ہے۔ ہم سوچ نہیں اس کے بارے میں اپنی معلومات استعمال کریں گے اور الین کو مبسوٹ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

”ہو سکتا ہے“ وہ تائیدی لہجے میں بولا ”وہ امریکیوں کے لئے کام کر رہا ہے۔ امریکا کے داخلی اور خارجی سلامتی کے ذمے داروں سے اس کے گہرے مراسم ہوں گے۔ اسے معلوم ہو گا کہ کارڈیو الیکٹرونک سوچ کیا بلا ہے۔ وہ دھوکا کھا سکتا ہے مگر پھر بھی یہ بہت بڑا خطرہ ہو گا جو تم مول لو گے۔“

”وہ مول لیتا ہی پڑے گا“ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”میرے سامنے دو مقاصد ہیں۔ دیر پاکی باغیالی اور الین کی جرح تھی۔ اگر اسے ڈھیل دے کر پھینک دیا گیا تو وہ تیزی سے طاقت پکڑتا چلا جائے گا اور پھر کوئی اسے لگام نہیں دے سکے گا۔ مجھے اب بھی شبہ ہے کہ یہ ساری منصوبہ بندی الین کے دماغ کی پیدوار ہے۔ پھر سرائے سے پشاور تک کے سفر میں تم بھی دیکھ چکے ہو کہ وہ کتنے باغی میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی بڑا دماغ اس کی مدد کر رہا ہے۔ الین کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ عقلی مدت میں مقاصد کے ساتھ ہی متعدد پیشہ ور سفید فاموں کو اپنے گرد جمع کر لیتا۔“

”پھر وہاں کب چھاپا مارے گا ارادہ ہے؟“ وہ میرا ہم خیال ہو چکا تھا۔

”جلد از جلد مگر پوری تیاری کے بعد!“ میں نے ٹھوس لہجے میں کہا ”غزالہ کو میرے اس منصوبے کی ہوا بھی نہیں لگنی چاہئے اسے سمجھانا میرے بس سے باہر ہے۔ وہ اس پوری کم کو مکمل خود کشی قرار دے کر میری مخالفت پر تل جائے گی۔“

وہ بے ساختہ ہنس پڑا ”میں سمجھتا ہوں۔ وہ تمہاری بیوی ہونے کے ساتھ میری منہ بولی بہن بھی ہے۔“

”پھر سراسر اب گونڈ کی طرف چلا جائے؟“ میں نے گاڑی کی رفتار کم کر کے پوچھا۔

”وہ کیوں؟“ حیرت سے اس کی توہمایاں قدرے چڑھ گئیں۔ ”بادودی شعبدوں کے لئے مجھے اسی ایک ٹکائے کا علم ہے۔ میں نے کہا۔“

”پلو! اور یہی چلتے ہیں“ اس نے سوچے ہوئے کہا ”مگر اہی میں ہتھیاروں کی خرید و فروخت کے کافی اڈے ہیں لیکن معلومات اور رابطوں کے بغیر ایک گولی بھی خریدنی مشکل ہے۔ پلازا کے ایک مشہور شاہک سینٹر میں خائنہ گل کراکری کی ایک دکان چلتا ہے لیکن وہ یہاں نیکیوں، بھرتہ کارڈیوں اور اورٹو پوسٹل کیور

س کے بارے میں کچھ جانے بغیر میں کیا کہہ سکتا ہوں؟“

”یہ ایک بامعنی سوچ ہے جس کا تعلق انسانی دل کی دھڑکنوں سے ہے۔“ میں نے اسے بتانا شروع کیا۔ ”اس چٹپٹی سی ڈیٹا کو فیصلے کے ذریعے کسی بھی شخص کے سینے پر باندھا جا سکتا ہے۔ یہی اس شخص کا دل دھڑکتا رہے گا۔ یہ سوچ اپنی اصل حالت میں نکلا رہے گا۔ کسی بھی وجہ سے اسی شخص کے دل کی دھڑکنیں بند ہو جائیں تو صرف ڈیڑھ سیکنڈ کی مدت میں یہ سوچ نہیں آتا ہے۔ اس کا ایک اور سرکٹ سے لاسکلی تعلق ہے سوچ کے فعال ہوتے ہی وہ سرکٹ اپنا کام کرنے لگتا ہے۔ اسے میزائل سے مربوط کر دیا جائے تو میزائل فائر ہو جائے گا۔“

”مثالی تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ کارڈیو الیکٹرونک سوچ کے کسی بھی نظام کی سلامتی یا کارکردگی کو اس شخص کی زندگی سے منسلک کیا جا سکتا ہے جس کے سینے پر وہ سوچ بندھا ہوا ہو۔“

”میں بالکل ٹھیک سمجھے“ میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا ”تم اس سوچ کی بہترین اور جامع تعریف بیان کی ہے۔ اس شخص کی دھڑکنیں بند ہوتے ہی بہت کچھ تباہ ہو سکتا ہے، چنانچہ وہ بند ہو سکتا ہے یا کوئی بھی بند سسٹم اچانک فعال ہو سکتا ہے۔ یہ امریکا کے صدر کے سینے پر بندھا ہوا ہو اور اسے پڑھا گون گلی پر کھینچے جوڑ دیا گیا ہو تو امریکا کے صدر پر کامیاب نہ ملے ہوتے ہی مخالف ملک کے بیکنوں فوجی اور فوری مراکز پر ضرورت پڑتی نازل ہو سکتی ہے حتیٰ کہ ہمایاک خلائی حملے کا ہو سکتا ہے۔“

”تمہاری بات قابل فہم ہے مگر اس میں ایک بہت بڑی خرابی ہے سوچے ہوئے بولا ”ایک عام اور صحت مند آدمی کا دل ایک ہی تفریقاً بہتر اور دھڑکتا ہے۔ اس کے لئے تو یہ سوچ صحیح رہے گا کہ جس سے کسی شخص کے دل کی دھڑکنیں چالیس فی منٹ رہیں گی تو یہ سوچ چل پڑے گا کیونکہ اس کے سوچنے کی صرف ڈیڑھ سیکنڈ ہے۔ اس کے نزدیک ہر وہ دل بے جان ایک منٹ میں چالیس مرتبہ سے کم دھڑک رہا ہو۔“

مجھے خوشی ہوئی کہ سلطان شاہ نے تعلیم یافتہ نہ ہونے کے باعث نہایت تازہ سرحت سے ایک ایسا نتیجہ اخذ کر لیا تھا جو میرے اہل بھی نہیں آتا تھا۔ میں نے تفریق لہجے میں کہا ”تمہارا دل دھڑکتا ہے لیکن یہ کیفیت کسی دورے و فیوض کی شکل میں ہی نہیں ہو سکتا ہے کہ اس سوچ میں وقفہ گھٹانے پر جانے کی گنجائش ہو۔“

”وقفہ ہوسانے کی صورت میں سوچ کی کارکردگی صفر بھی ہو سکتی ہے۔“ وہ اس سوچ کی جزئیات میں غیر معمولی دلچسپی لے رہا تھا۔ ”میں نے پہلے ہی کوئی اس شخص کو بے بس کر کے کارڈیو الیکٹرونک سوچ کے بغیر اس سوچ کا

تہیاریاں ملتی ہیں۔“

سلطان شاہ میں ایک بڑی خلیہ یہ تھی کہ دنیا بھر میں  
دھندوں میں مصروف رہنے کے باوجود اس نے اپنی دنیا بھر  
فراموش نہیں کیا تھا۔ عام دنوں کی مصروفیات میں سے وقت  
کرائے گاؤں والوں، دوستوں اور دور کے رشتے والوں سے  
کے لئے شہر کے مختلف علاقوں کے دورے کرتا رہتا تھا۔  
ملاقاتوں میں اسے بہت سی ایسی خبریں بھی ملتی رہتی تھیں جو  
بے معنی معلوم ہوتی تھیں لیکن خاص خاص مواقع پر ان  
اوقات سے انکار کرنا ممکن نہیں رہتا تھا۔ مجھے پورا یقین تھ  
دوسری ساخت کے پکے درمیان اور ہماری ہتھیاریوں کے بار  
میں وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، حقائق پر مبنی تھا۔

راستے میں اس نے جو کچھ بتایا، وہ مجھے لئے حیران کن  
تھا لیکن اس کا تجربہ کرنے کا انداز حیرت ناک تھا۔ اس نے  
ایک ٹریک سوچ کی طرح، پورے افغان مسئلے کو چند قبول  
سمیت کر رکھ دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ افغانستان کی جنگ  
سرزمین پر دوسروں نے سمندر کی ایک بدترین جنگ لڑی تھی  
افغانستان اور پھر ایران یا پاکستان کو دعوہ کر کے بحر ہند کی سال  
رہنے والی گرم بندرگاہوں میں اپنا پرچم لہرانے کی فکر میں تھے  
تیزی کے ساتھ عالمی منڈیوں پر چھانٹیں۔ سائنسی ترقی کے  
دعووں کے باوجود دوسری اپنی بندرگاہوں کو اس برقی مذاہب  
نہیں بچا سکتے تھے جو سال کے بیشتر حصے میں ان کے سروں پر  
رہتا تھا۔ انہوں نے مشترکہ فنی سرحد کا بدترین قاعدہ  
ہوئے اپنے مشینی لشکر افغانستان میں دوڑا۔ وہ دھم دھم  
کے لئے ایک ہولناک امتحان بن گئی۔ بحر ہند میں سرگرم  
موجودگی اس کے ہلاکت خیز بحری بیڑوں کی آزادانہ نقل و حرکت  
محدود کر سکتی تھی۔ اسے مشرق کی ابھرتی ہوئی منڈیوں سے  
کر سکتی تھی اور سب سے بدھ کر اس کے حمل کے مفادات  
زک۔ بچا سکتی تھی۔

امریکا نے مزاحمت کا طبل بجایا۔ اس کے خوار اندہ  
اس معرکہ۔ تین تین کو پڑے۔ پہل کا قاعدہ دوس نے افغان  
انہوں نے مدافعت میں ہر اخلاقی اور غیر اخلاقی حربہ استعمال  
شروع کر دیا۔ مال و مٹل کی مدد کے ساتھ انہوں نے مقامی  
قوت خرید میں فوری اور بھرپور اضافہ کرنے کے لئے انہیں  
کی تیاری کی ترقیب اور تربیت دی۔ افغان ان کی توقع سے  
ہوشیار ثابت ہوئے۔ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ہیروئن کے  
اس قدر قوت حاصل کر لی کہ انہیں کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا۔  
ہوئے اس فوجی توازن کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسری اپنے زخموں کو  
ہوئے پسا ہو گئے لیکن امریکہ کو ان کی جگہ لینے کا موقع  
نہیں مل سکا۔ انہوں نے بدل ہو کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور  
والے افغان گروہ مزید بے لگام ہوتے چلے گئے۔ دشمن کی  
کے بعد میدان خالی پاکران کے حوصلے بدھ گئے۔ اراک

نک کے سودے کرتا ہے۔ پکے ہماری ہتھیاریوں اور ان کے  
ایمونیشن تو رپوڑیوں کی طرح بکتے ہیں۔“

”ٹینک اور دوسری ہماری گاڑیاں تو باہری جاتی ہوں گی۔“  
”باہر کہاں جائیں گی؟“ میری کج فہمی پر وہ ہنس پڑا۔ ”افغانستان  
میں کون سی بندرگاہ ہے جو کام آئے گی۔ ہوائی جہاز سے ان کا کرایہ  
اصل سودے سے منگنا پڑا ہے۔ سارے مال کی کچھت یہیں ہوتی  
ہے۔“

”ہتھیاریوں کی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن اس قدر ہماری  
سازو سامان کون خریدتا ہوگا؟“

”فوج کی ضروریات سے جو کچھ چلتا ہے، وہ پولیس کا محکمہ  
خرید لیتا ہے۔ پچاس لاکھ قیمت والی بکتر بند گاڑی تین ہزار لاکھ میں  
ملنے لگے تو کون دوسری غیر محفوظ گاڑیوں میں دھکے کھانا پسند کرے  
گا۔“

”میں نے پولیس والوں کو ایسی گاڑیاں استعمال کرتے ہوئے  
نہیں دیکھا۔“

”یہ ان کی بد قسمتی ہے۔ ملکیت ان کی ہوتی ہے۔ استعمال  
دوسرے کرتے ہیں۔ یہ دن رات جو گاڑیاں بمات بمات کے  
دھشت ناک سازن بمبائی دوڑتی پھرتی ہیں، افغانستان ہی سے چن  
اور طورخم کے راستے آتی ہیں۔ سرحد کے علاقوں میں پولیس والے  
ان ہی گاڑیوں میں گشت کرتے ہیں۔“

اس دوران میں، میں گاڑی سراب گونڈھ کی طرف جانے  
والے راستوں پر ڈال چکا تھا۔ میں نے وقت گزاری کے خیال سے  
کہا ”مجھے معلوم ہے کہ تمہاری ہریات درست ہے، دوسروں کی  
پسپائی کے بعد سارا مال غنیمت اسی طرح بچا جا رہا ہے لیکن خریدار  
ایک ہی ہو تو کبھی بھی پورے دام نہیں ملتے۔“

وہ عارفانہ انداز میں ہنستے ہوئے بولا ”تم سمجھتے ہو کہ افغانستان  
ایک معنی سی لیکر ہے جو بس پاکستان کو چھوٹی ہے۔ اس کی سرحدیں  
بہت سے ملکوں سے ملتی ہیں۔ پاکستان کے علاوہ ایران فنی سازو  
وسامان کا سب سے بڑا خریدار ہے۔ ہماری بھی بولیاں لگاتے رہتے  
ہیں۔ چوری چھپے چینی نمائندے بھی منڈی میں اپنی ضرورت کا ساز  
وسامان تلاش کرتے رہتے ہیں۔“

”یہ مال بچنے والوں کی حیثیت کیا ہوتی ہے؟ وہ سرکاری  
نمائندے تو نہیں ہو سکتے۔“

”یہ سب جنگ جو افغان کمانڈروں کے نمک خوار ہیں۔ اس  
نے بتایا ”میں نے سنا ہے کہ سارے سودے ایمان داری سے فنی  
فنی کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ آدمی مال کمانڈر لے جاتے ہیں۔ آدھے  
میں دوسروں کا حصہ ہوتا ہے۔ یہ ہمارے بھوت کی لنگوٹی والا  
حساب ہے۔ مفت میں ہاتھ آئے ہوئے مال کے عوض جس کے جو  
ہاتھ لگ جائے، لے اڑتا ہے۔ ہیروئن کے داموں خریدایا  
دوسروں سے چھینا ہوا یہ سارا جنگی سازو سامان اب کوڑیوں کے  
مول بک رہا ہے۔ سراب گونڈھ میں ذاتی استعمال کے چھوٹے

گاہک براجمان تھے۔ کاؤنٹر پر دیکھتے ہوئے چلے پر چائے پانی اہل رہا تھا۔ اندرونی کمروں میں پڑی ہوئی متعدد چارپائیاں کسی سرے کا سماں پیدا کر رہی تھیں۔

سلطان شاہ نے کاؤنٹر والے کو تپاک سے سلام کر کے اپنی مادری زبان میں گفتگو کی ابتدا کی۔ چند ثانیوں تک وہ دونوں جوش و خروش سے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں کاؤنٹر والا بابا بار میری طرف دیکھتا جا رہا تھا پھر وہ کاؤنٹر کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔ اس نے مجھ سے بھی ہاتھ ملایا اور ہم دونوں کو ساتھ لے کر اوپری منزل کی طرف چل دی۔

اس بار ہم جس فلیٹ میں پہنچے وہاں صرف میز اور چند پرانے صوفے بڑے ہوئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ فلیٹ آزاد مومن لائٹ ہوٹل کے عین اوپر واقع تھا۔

ہماری آوازیں سن کر اندر سے ایک قد آور اور بارعب شخص باہر آگیا۔ ہمیں لانے والے نے اس سے کچھ کہا اور فوراً ہی وہاں سے واپس چلا گیا۔

اس شخص نے ہم دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی جم کر بیٹھ گیا۔

سلطان شاہ نے اپنی مادری زبان میں چند فقرے ادا کرنے کے بعد اردو میں بات شروع کر دی ”ہمیں ہلکی ساخت کے کچھ دوستی ہم وغیرہ درکار ہیں۔ رقم نقد ادا کی جائے گی۔“

”ہم کہاں استعمال کرنے ہیں؟“ اس نے جگہ جگہ ہوئی اردو میں وہ میز پر سوال کیا تو اس کے لب و لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے اردو زبان پر قدرت حاصل نہیں ہے۔

”سودے کے لئے کیا یہ تانا ضروری ہے؟“ سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

”بالکل نہیں“ وہ اپنی غلطی محسوس کر کے معذرت خواہانہ لہجے میں بولا ”میں صرف یہ جانتا چاہ رہا تھا کہ تمہیں کیسے بموں کی ضرورت ہے۔ دوستی ہم بیسیوں اقسام کے ہوتے ہیں۔“

”دعوتیں کے ہم“ سلطان شاہ نے تائید طلب انداز میں میری طرف دیکھ کے کہا۔ میں نے فوراً ہی اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔ اس سوال نے مجھے بھی الجھن میں ڈال دیا تھا۔

ہمارے میزبان کے ہونٹوں کے پیچھے سفید دانتوں کی قطاریں نمایاں ہو گئیں۔ وہ ہمارے اہتمام پر تو عمل پر بزرگانہ انداز میں مسکرا رہا تھا پھر وہ بولا ”دعوتیں کے ہم“ بے ہوشی کے ہم“ آگ لگانے اور تپائی پھیلانے والے ہم“ صرف دھماکا کرنے والے بے

ضرر ہم۔ اور بھی بہت سی قسمیں موجود ہیں۔ میاں آنے والے اکثر کاکبوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔“

”مہربانی!“ میں نے ممنونیت سے تبریز لہجے میں کہا ”دراصل ہمیں بے ہوشی کے اور آگ لگانے والے بموں کی ضرورت ہے۔“

وہ دوسری مل جائیں تو ہمارا کام بن جائے گا۔“

”چار دوستی ہم چھ ہزار کے ملیں گے“ اس نے لمحہ بھر سوچنے

رہی اور پھر انہوں نے اپنے قاضی جنگی ذخائر اپنی شرائط پر فروخت کرنے شروع کر دیے۔

پانی بیٹھ بندی سے قشيب کی طرف جاتا ہے۔ کراچی کی معرفت ہیروئن کی اسٹاک کے سلسلے پہلے سے قائم تھے، ہتھیاروں کی باری آئی تو وہ بھی کراچی کی چور منڈیوں میں پہنچ گئے۔ بیچنے والے کو خریداروں کا علم تھا، خریدار بیچنے والوں کے ٹھکانوں سے باخبر تھے۔ عام شہری مکمل بے خبری کے عالم میں تھا۔

ایک زمانے میں سراب کوٹھ پر پانہ بازار قائم تھا جہاں بھانت بھانت کے غیر ملکی کپڑے، کراچی اور دوسری اشیاء کے ڈھیر لگے رہتے تھے اور شرکے ہر طبقے کی خواتین کی ہماری تعداد خریداری کے لئے اس عک اور نیم پختہ بازار میں سرگرداں نظر آتی تھی اور کچے میدان میں ہر ماڈل کی گاڑیاں کھڑی ہوئی نظر آتی تھیں جن پر ہائی وے سے اڑنے والی وحول محنت رہتی تھی۔

ایک مدت پہلے وہ بازار ختم کر دیا گیا تھا۔ غیر قانونی تجاوزات کو روکنے کے لئے بازار کی جگہ خاندانوں کی باؤں میں سبزہ زار لگوا دیا گیا۔ کچھ عرصے کے لئے سراب کوٹھ کی رونقیں ماند پڑ گئیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہاں دوبارہ کبھی چل پھل نہیں ہو سکے گی لیکن اس علاقے نے دیکھتے ہی دیکھتے دوبارہ انکساری کی اور پھر ایک وسیع علاقہ ٹرانسپورٹ سے متعلقہ کاروبار کا مرکز بننا چلا گیا۔

وہاں ہر ماڈل کی گاڑیاں منڈلائی رہتی تھیں۔ فرق صرف یہ رہا تھا کہ اس بار وہ خالص موٹار بازار تھا جہاں عورتیں بھولے جھگڑے کی نظر آتی تھیں۔

میں نے سنا تھا کہ الّا صف اسکوٹریز وکانوں اور فلیٹوں میں غیر قانونی سازد سامان کے لین دین کے کئی اوڑے قائم تھے لیکن کبھی وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

بیمیز بھاڑ میں ہماری اکاؤنٹ پر کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔ بازار میں داخلے کے مقام پر کپڑوں کے ٹکڑوں اور تھانوں سے لدے ہوئے کئی تھیلے نظر آئے۔ ہم نے کافی دور جاکر گاڑی ایک جگہ پارک کر دی اور واپس بازار کی طرف چل دیے۔

وہاں روز مرہ ضرورت کی اشیاء کا بہت بڑا بازار قائم تھا۔ سلطان شاہ اپنے کسی شناسا کی تلاش میں کافی دیر تک اس عجیب بازار میں بھٹکتا رہا پھر مجھے ایک جگہ چموز کر پوچھ کر ایک دکان میں جاگھسا۔ دکان دار سے کئی منٹ تک مذاکرات کرنے کے بعد وہ اس سے جرجوش انداز میں مصافحہ کر کے پلٹا اور مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا قریبی زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

اس وسیع و عریض عمارت کی اوپری منزلوں پر ٹرانسپورٹوں کے دقاتر دکانیں اور ہوٹل قائم تھے۔ سلطان شاہ فلیٹوں کے سامنے والی راہداری طے کرتا ہوا ایک ایسے دواڑے کے سامنے رک گیا جس پر آزاد مومن لائٹ ہوٹل کا بورڈ لگا ہوا تھا۔

فلیٹ کا ہیروئن کراسی سے ہوٹل کا سماں پیش کر رہا تھا۔ وہاں دواڑوں کے ساتھ لکھی، لکھی چلی، بیچیں پڑی ہوئی تھیں جن پر چند

چنانکہ ہم سرکاری مخبر نہیں، تمہارے حقیقی خریدار ہیں؟“ سلطان شاہ بھی اس کے طریقہ کار میں دلچسپی لینے لگا۔

”یہ کامداری راز ہیں“ وہ کمری منکر اہٹ کے ساتھ بولا، مگر تم کو بتائے دیتا ہوں۔ اپنی گاڑیوں میں آنے والے سب لوگ ضرورت مند ہوتے ہیں۔ سرکاری مخبر چالاکی دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، نیکیوں یا مشتبہ گاڑیوں میں آتے ہیں جو انہیں اتار کر غائب ہو جاتی ہیں۔ وہ جہاں بھی جاتے ہیں، منہ کی کھاتے ہیں۔ بازار کے سارے آدمی ان کی زبان سے ہتھیاروں کا ذکر سننے ہی اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں اور نفرت و دھارت سے انہیں بگاڑ دیتے ہیں۔“

چند ٹائمن تک ٹوٹوں سے کھیلنے کے بعد اس نے وہ گڈی گئے بغیر اپنی جیب میں رکھ لی۔

”تھوٹ گمن لو“ رقم پوری ہے؟“ میں نے اس بے پروائی پر اسے ٹوکا۔

”تم گمن رہے تھے تو میں دیکھ دیتا تھا۔ سو کے پورے ساتھ نوٹ ہیں“ اس بار وہ مکمل کے ہنسنا تھا ”مجھے تم دونوں بھلے آدمی لگتے ہو۔ دینی بھول کی تعداد دیکھو تو میں اب بھی کافی رعایت دے دوں گا۔ تعداد دیکھو تو دھوکے میں تم نو ہزار اور آٹھ سو پندرہ ہزار روپے درجن دے دوں گا۔“

”تمہارا ٹھکانا دیکھ لیا ہے۔ ضرورت پڑی تو دوبارہ آجائیں گے“ میں نے کہا ”ہاں“ تمہارے پاس دوسرے شعبے ہوں تو میں ضرور دیکھنا چاہوں گا۔“

”شعبے تو سیکڑوں ہیں“ وہ اپنی نفست پر ہلکے پھلکے بولے بولا ”شیخزی اور کھٹونوں کی شکل کی بامودی سرنگیں بچاس ہزار روپے سیکڑا مل جائیں گی۔ مال اسٹاک میں ہے۔ رقم دو اور مال لے لو۔ ان میں ہلاک کرنے والی بامودی سرنگیں بھی ہیں اور خوف زدہ کرنے والی بھی جو زوردار دھماکے سے بچتی ہیں مگر تھپی نہیں پھیلاتیں۔ ہر چیز کی گارنٹی ہوگی۔ کام نہ کرے تو پیسے واپس۔“

”پنہ یہ شعبہ دکھا سکتے ہو؟“ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

”بے کار ہو گا۔ دیکھنے میں یہ سب بے ضرر چیزیں ہیں۔ ان کی اصلیت کا پتا پھٹنے پر چلتا ہے۔ یہ نازک حربے اپنی اور بجلی جھٹک میں ہیں۔ ہم خود بھی ان سے زیادہ پھیز تھاپ نہیں کرتے۔“ سلطان شاہ کے اہم پارٹس نے اپنی مطلوبہ اشیاء کی فہرست میں اضافہ کر دیا اور ہماری اس ملک خریداری کی مایت میں ہزار روپے سے بھی تجاوز کر گئی۔

اس نے اپنا نام عبدالرشید محمد بتایا تو مجھے خاصی حیرت ہوئی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کے کامداری کی طرح اس کا نام بھی خاصا عجیبہ ہوگا۔ سو اٹھنے ہو جانے کے بعد وہ ٹاسی کے راتنے سے باہر چلا گیا۔ میں نے بغیر رقم گمن کر اس کے حوالے کوئی

کے بعد کہا۔

”لے آؤ!“ میں نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا ”میں مول قتل نہیں کریں گے۔“

”زیادہ مال لوگے تو رعایت ہو جائے گی۔ درجن کے دام دوسرے ہوں گے“ وہ بولا۔

میں پیسے گنتے میں مصروف ہو گیا تھا۔ سلطان شاہ قحیر زدہ آواز میں بولا ”تم اتنی بے خوفی سے یہ دھندا کر رہے ہو جیسے سوکھ پھلیاں بیچ رہے ہو۔ تمہیں پولیس دنیو سے خوف نہیں آتا؟ کسی وقت ان کے مخبر بھی بدل کر تمہارے پاس آسکتے ہیں۔“

”غلط آدمی یہاں قدم ہی نہیں رکھ سکتا“ وہ بڑے اعتماد سے بولا ”تم دو چھینٹیں سے گزر کر یہاں تک پہنچے ہو۔ جب تم بچوں کی دکان پر پوچھ گچھ کر رہے تھے تو ایک بچے نے مجھے خبر بخا دی تھی کہ کالی اکاڑ میں آنے والے دو شہری بارود کے کسی سوداگر کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔ چاہو تو میں تمہیں تمہاری گاڑی کا نمبر بھی بتا سکتا ہوں۔ دکان والا چاہتا یا تم سے مطمئن ہوتا تو تم کو سیدھا میرے پاس بھی بھیج سکتا تھا لیکن اس نے تمہیں میرے ہوش بھیج دیا۔ میں نے خبر پڑنے ہی ہوش والے کو پیغام دے دیا تھا کہ گاؤں کو میرے پاس بھیج دیا جائے۔ میری مرضی نہ ہوئی تو تم یہاں آئی نہیں سکتے تھے۔“

اس کی زبان سے کالی اکاڑ کا ذکر سن کر میں حیران رہ گیا اور پوچھ بیٹھا ”کیا تمہارے آدمی یہاں آنے والی ہر گاڑی کی نمبرانی کرتے ہیں؟“

”مجبوری ہے“ وہ سادگی سے بولا ”ہمارا کام ہی ایسا ہے کہ ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔ اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھیں تو ہل بھر میں لاک اپ اور پھر نیل جاسکتے ہیں۔“

”تم نے کیسے اندازہ لگایا کہ ہم لوگ سرکاری مخبر نہیں بلکہ حقیقی خریدار ہیں؟“ میں نے چھ ہزار کے گئے ہوئے نوٹ اس کی طرف پھینکے ہوئے پوچھا۔

”تمہارا معاملہ تو بہت سیدھا سا رہا تھا۔ تمہاری گاڑی میں بھلے ہی ہتھیار رکھے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑی واردات کی تیاری کر رہے ہو“ اس نے نہایت اطمینان سے کہا۔

میں حیرت سے اپنی جگہ پر اچھل پڑا اور بے ساختہ بولا ”اس کا مطلب ہے کہ تمہارے تو میں نے ہماری گاڑی کی تلاش کر رہے ہیں؟“

”جب تم بچوں والے سے باتیں کر رہے تھے تو ایک آدمی تمہاری گاڑی کا جائزہ لے رہا تھا۔ گھر مت کرو، تمہاری ایک چیز بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوئی ہوگی۔ میرے آدمی چر رہے ہیں۔ وہ صرف ان ہی گاڑیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں جن میں میرے گاہک بلا غلطی آتے ہیں۔ تم اپنی گاڑی سے اتر کر آنا یا کچرا خریدنے میں مصروف ہو گئے ہو تو کوئی تمہاری گاڑی کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔“

”فرض کرو کہ ہماری گاڑی میں ہتھیار نہ ہوتے تو تم کو کیسے پتا

میں موجود ایجوکیشن اور تھیاٹروں کے پھیلے سنبھالے، سلطان شاہ نے بھوں کا پکٹ اٹھایا اور ہم دونوں اور روانہ ہو گئے۔  
غزالہ شاید بے چینی سے ہماری ٹھنکھڑی، اس نے ڈور تیل بچتے ہی دو راوہ کھول دیا۔

”یہ کیا لے آئے؟“ ہم دونوں کو لدا پسند ادا کچھ کر اس نے حیرت سے پوچھا۔

”کچھ نہیں، تھیاٹروں کے وہی تھیلے ہیں جو لے کر ہم جانا گئیں کی ٹیکسری سے نکلے تھے۔“ میں نے کہا ”ان کا گاڑی میں پڑا رہنا مناسب نہیں تھا اس لئے اوپر لے آئے ہیں۔“

”مگر یہ پکٹ تو اس سامان میں نہیں تھا۔“ غزالہ نے سلطان شاہ کے ہاتھ میں موجود پکٹ کو اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اسے ہماری تازہ خریداری سمجھ لو۔ اس پکٹ سے چمچکھاڑ نہ کرنا۔“

”یہ سب چیزیں کسی کمرے میں بند کر دو۔“ وہ سرگوشیاں بچے میں بولی ”جناگیر آیا ہوا ہے۔ تمہارا انتظار کرتے کرتے ایک بیڑوم میں سو گیا ہے۔“

”جناگیر!؟“ میں نے چونک کر پوچھا ”وہ اپنے ہوش و حواس میں تو ہے نا؟“

”اس وقت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ وہ آیا تو ٹھیک تھا لیکن بہت ادا اس تھا۔“ بات کرتے کرتے اس نے اچانک ہی ایک غیر متعلقہ سوال کر ڈالا ”آج تاریخ کیا ہے؟“

”تاریخ سے چھبیس کیا لیتا ہے؟“ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ”آج بات یہ تھی کہ مجھے پے در پے نازل ہونے والے مصائب کی وجہ سے دن اور تاریخ کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔“

”وہ اداسی کے عالم میں کہہ رہا تھا کہ آج کرسمس ہے لیکن وہ بھرے شرمیلے دیکھ رہا تھا۔ وہ تھیلے میں ڈال کر ایک سرہند بول بھی لایا تھا۔ میں نے برف ٹھکاس اور پانی کی بوتل کے ساتھ اسے ایک بیڑوم میں پچھلایا تھا تو یہ کہہ دیا چائے وغیرہ پینے پر آمادہ نہیں تھا۔“

”وہ وہاں بیٹھ کر پیتا رہا اور اب مدھوش پڑا ہوا ہے۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کے غصیلے لیے میں کہا ”اس کی یہ بہت کیسے ہوئی کہ میری غیر موجودگی میں یہاں بول کھولے۔“

”اسے کچھ نہ کہنا۔“ میرے خراب توہم کچھ کر غزالہ گھبراہٹ میں ”اس کی قابل رحم حالت دیکھ کر میں نے خود ہی اس کی حوصلہ افزائی کی تھی ورنہ وہ تو مجھے اپنی بوتل دکھاتے ہوئے بھی جھجک رہا تھا۔“

”میں اسے سبق ضرور دوں گا۔“ میں نے اپنے ساتھ لائے ہوئے تھیلے اسٹور دوم کے ایک گوشے میں رکھتے ہوئے کہا ”وہ اس کرسمس کو کبھی نہیں بھول سکے گا۔“

میں نے اپنے بیڑوم میں جا کر ہاتھ دوم سے ٹھنڈے پانی کی

اس کے جاتے ہی دس بارہ سال کا ایک سرخ و سفید افغان بچہ ہم دونوں کے لئے کھولتی ہوئی چائے سے بھری ہوئی نئی تام چینی کی ٹینک اور دو پیالیاں لے آیا۔ میں نے اس بچے سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ میری کسی بات کا جواب دے بغیر شرمیلے انداز میں مسکراتا رہا۔ شاید وہ اردو سمجھنے سے قاصر تھا۔ میں نے پیالی میں چائے ایزیل کر اپنے لئے سرکٹ سلگالی۔

رشید کی دواہی خاصی دیر میں ہوئی۔ وہ بہت احتیاط سے ایک قدرے وزنی پکٹ لے کر آیا تھا جو اس کے پیچھے آئے والے ایک جوان سال لڑکے نے اٹھایا ہوا تھا۔

”بھروسا ہو تو یہ سامان گاڑی میں رکھو اداں“ اس نے آتے ہی کہا ”چاہو تو پینک کھول کر ہر چیز چیک کر سکتے ہو۔ بھوں میں کوئی پین نہیں ہے۔ یہ پینکٹ ہی پھٹ جائیں گے ہر سرنگ میں سرخ رنگ کی سوچاؤں ہیں۔“

”کھولی جب تک فائر نہ کی جائے“ اپنی اصلیت ظاہر نہیں کرتی۔ ہمیں تم پر بھروسا ہے۔ یہ پکٹ احتیاط سے گاڑی کی ڈکی میں رکھو اداں“ میں نے چالی اس کی طرف بدھاتے ہوئے کہا۔

”اس کی ضرورت نہیں“ رشید مہمند نے لڑکے کو دواہی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا ”تمہاری گاڑی کی حفاظت پر مامور میرے آدمی یور کو نقصان پہنچائے بغیر گاڑی کا ہر آلا کھولنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ چالی کے بغیر بھی یہ پکٹ ڈکی میں پہنچ جائے گا۔“

چائے ختم کر کے ہم دونوں اٹھ گئے۔ وہ ایک تندر خوتا علی نظر آئے کے باوجود بہت مذہب تھا۔ ہمیں چھوڑنے کے لئے زمین تک آیا اور اس وقت تک سرے پر کھڑا رہا جب تک ہم لینڈنگ سے زمین کی دوسری سمت میں نہ گھوم گئے۔

گاڑی کے قریب پہنچ کر میں نے خاص طور پر قریب و جوار کا جائزہ لیا لیکن وہاں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جس پر گاڑی کی نگرانی کرنے کا شبہ کیا جاتا۔ ڈکی کھولی تو اس میں ہمارے خریدے ہوئے سامان کا پکٹ موجود تھا۔ ڈکی بند کر کے ہم فوراً ہی وہاں سے واپس روانہ ہو گئے۔

ہمارا فلیٹ ایک کشادہ احاطے میں بنی ہوئی تین عمارات میں سے ایک میں واقع تھا۔ وہ تینوں سات منزل عمارات تھیں اور ہر عمارت میں آمدورفت کے لئے لفٹ موجود تھی۔ وہاں سب سے بڑی غلٹی یہ تھی کہ ہر منزل پر صرف دو فلیٹ تھے جن کے درمیان سرسبز گھاس سے آراستہ وسیع راہداری موجود تھی ورنہ میں نے اسی شرم میں ایسے مغلے فلیٹ بھی دیکھے تھے جن کی تنگ اور بے ڈھب راہداریوں سے کسی بیمار کا استرخیا جتنا نہ چھے لے جانا دشوار تھا۔

فلٹوں کے کینوں کے لئے احاطے کی دیواروں کے ساتھ پلندہ گیران بنے ہوئے تھے۔ سراب گھٹھ کی خریداری سے فارغ ہونے کے بعد میرا فوراً کہیں جانے کا ارادہ نہیں تھا اس لئے میں نے گاڑی اپنے مخصوص گیراج میں کھڑی کر دی پھر میں نے گاڑی



”تمہارے گرجنے کے نتیجے میں میرے کپڑے مزید گیلے ہو گئے ہیں۔ میں ہاتھ روم میں جا کر کپڑے بدلنا چاہتا ہوں۔“

”مرو!“ میں نے ہاتھ روم کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا ”کپڑے میں ابھی دیتا ہوں۔“

وہ کچھ بولے بغیر ہاتھ روم میں غائب ہو گیا۔ میں بے ساختہ مسکراتے پر مجبور ہو گیا۔

میں نے عملی اور زبانی طور پر اس کی خاصی درگت بنائی تھی۔ غیبت تھا کہ اس وقت غزال اور سلطان شاہ میں سے کوئی دہاں موجود نہیں تھا ورنہ جہانگیر کو پھیلنے کا موقع مل سکتا تھا۔

میں اسے خیال اس دے کر ڈرائنگ روم میں لوٹا تو غزال اپنی ہنسی ضبط کئے میری خنجر تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ طامت آمیز لہجے میں بولنے لگی ”وہ آپ سے بے پناہ عقیدت رکھتا ہے مگر آپ بہت بے رحمی سے اس کی مٹی بلیڈ کرتے رہتے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت بھڑک گیا تو آپ اس کی جوانی بدتمیزی برداشت نہیں کر سکیں گے۔ آپ خود بتا چکے ہیں کہ اس کے گھر میں سلی کی باری تھائی میں آپ کی ساتی گری کرتی رہی ہے اور جہانگیر نے بھی اس بے تکلفی کا بڑا نہیں مٹایا۔ اگر اس نے یہاں بند کرے میں بیٹھ کر تھوڑی سی لہلی تو آپ کو اس قدر مشتعل نہیں ہونا چاہئے تھا۔ وہ کوئی انجینی نہیں آپ کا گرو دوست ہے۔“

میں نے دم کرنے کے انداز میں اپنے گریبان میں چھوک ماری اور استہزائیہ انداز اختیار کر کے کہا ”وہ عطا اچھا تھا۔ میں اس سے

متاثر ہوا ہوں۔ اب میں جہانگیر کے ساتھ اپنی بدسلوکی کا ازالہ کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا تاکہ وہ کرس کے موقع پر تنہائی کے کرب ناک احساس سے چھٹکارا پاسکے۔“

”نہیں۔ آپ اس کے ساتھ شراب نوشی نہیں کریں گے میں اندازہ لگا چکی ہوں کہ آپ چاہیں تو اس بڑی عادت کو ترک کر سکتے ہیں۔ آپ کو شراب پینے آج پانچواں دن ہے۔“ اس نے سختی سے کہا۔

”شراب نوشی کے سوا دنیا کی کوئی چیز جہانگیر کو خوش نہیں کر سکتی نہیں۔“

”آپ دونوں میں کوئی کر بھین ہے؟ نہ کرس پر شراب نوشی لازمی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ چند روز اور اپنی طبیعت پر جبر کر لیں پھر یہ عادت خود ہی چھوٹ جائے گی۔“

”پھر مجھے جہانگیر کی دل آزاری کرنی پڑے گی۔“ میں نے باپوی سے کہا ”بیوی کے ڈسے ہوئے شوہر کو صرف اور صرف شراب میں پناہ ملتی ہے۔ وہ دلیر ہو کر اپنی بیوی کو دل بھر کر عتابانہ گالیاں دیتا ہے۔ دوستوں کو اس کی بد معاشیوں کے قصے سنانا ہے اور اپنی ساری بھڑاس نکال لیتا ہے۔“

”اور نشہ اترتے ہی دم ملانا ہوا ورنہ وہ اپنی بیوی کے قدموں میں جا بیٹتا ہے۔“ غزال ایک دھک مسکراہٹ کے ساتھ بولی

پائی بھری اور دوسری خواب گاہ میں جہانگیر کے سر پہنچ گیا۔ سائید نیل پر ایک لیل کی ایک لٹروانی میں چوتھائی بوتل۔ سنہ چاروی تھی۔ گلاس میں بھی تھوڑی سی اسکاچ موجود تھی۔ شاید گلاس ختم کرنے سے پہلے ہی جہانگیر غودگی حملہ آور ہوئی تھی اور وہ عالم سورا میں بستر پہلو کے بل اوٹھ گیا تھا۔

میں نے ٹھنڈے پانی کی پائی بے رحمی سے اس کے سر پر اٹ دی۔ اس وقت مجھے بستر یا قیلین کے خراب ہونے کی ذرا بھی فکر نہیں رہی تھی۔ ذہن پر صرف جہانگیر کو سزا دینے کی دھن سوار تھی۔

پائی پڑتے ہی جہانگیر ڈری ڈری اور وحشت زدہ آوازیں نکالتا ہوا بستر سے اٹھتا چلا گیا۔

چند ثانیوں تک وہ کھلے قیلین پر کھڑا، جھرجھریاں لے کر بار بار اپنی پٹلیں جھجکا رہا۔ جب وہ مجھے دیکھنے کے قابل ہوا تو اس کی آنکھوں میں غصہ تیرتا چلا گیا۔

”یہ... یہ کیا حرکت تھی؟“ غصے کی زیادتی سے اس کی زبان پر نکتہ طاری ہوئی تھی ”تمہیں معلوم ہے کہ اس طرح میرا ہارٹ فیل بھی ہو سکتا تھا۔ میں آئندہ تمہارے گھر پر پیشاب بھی نہیں کروں گا۔“

”نہ کرنا۔ یہ احتیاط حفظان صحت کے اصولوں کے عین مطابق ہوگی۔“ میں نے خالی اپنی ایک طرف ڈال کے پرسکون لہجے میں کہا ”میں آؤٹ گئے۔ تمہیں جھنجھوڑ کر جگانے کی ناکام

کوششیں کر رہا تھا مگر تمہارے ذہن پر بس سلی سوار تھی۔ نشے میں بھی تم اس سے خوف زدہ رہتے ہو۔۔۔۔۔“

جہانگیر نے میری بات کات کے پیش کے عالم میں سلی کو ایک موٹی سی گالی دی اور بولا ”میں اس کا دیا کھاتا ہوں اور نہ اس سے ڈرتا ہوں۔ میں اسے ایک طلاق دے کے آیا ہوں۔ اب بھی اس کا داغ درست نہ ہوا تو میں اس کا قصہ ہی تمام کر دوں گا۔ وہ بچنے پر ناز کرتی ہے۔ میں اسے بھی چھوڑ دوں گا۔“

”سلی پر اتنی ہی غصہ تھا تو تم نے اسے ایک ساتھ تین طلاقیں کیوں نہیں دے دیں؟“ میں نے اسے گھورتے ہوئے سرویلے میں پوچھا ”ہاتھوں ہاتھ تم دونوں کے سارے مسائل حل ہو جاتے۔“

”مہم۔ میں نے سوچا کہ اسے ایک موقع ملنا چاہئے۔ وہ سچا کے بولا۔

”تم جھوٹے ہو۔“ میں اس پر برس پڑا ”غصے میں آدمی سوچنے سمجھنے کی تیز محو بیٹتا ہے۔ تمہیں اس کو موقع دینے کا خیال کیسے آیا؟ تم اس کے سامنے ادکاری کرتے ہو۔ تمہیں اس پر غصہ نہیں آتا۔ دراصل تم اس کو اپنی دھونس میں لینا چاہتے ہو۔ میں ابھی فون کر کے اسے بلاتا ہوں۔ وہ تمہارے گلے میں رہتی باندھ کر تم کو میاں سے لے جائے گی۔“

”تم نے مجھے ڈرا دیا۔“ وہ سر جھکا کے تخت آمیز انداز میں بولا

کیا بک رہے ہو؟ رنگ لیاں مٹاؤ گے یا پھر قبرستان میں بستر لگو گے۔ درمیان کاراستہ کبھی نہیں ڈھونڈو گے؟“  
اس نے میرا مسکھ اڑانے والے انداز میں اپنے دانے ہاتھ سے دونوں کانوں کو چھوڑا رخساروں کو انگلیاں لگائیں اور پھر پاپمیں پھیلا کے داد طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔  
میں بھٹکا اٹھا اور پانی میں شراب و خواب گاہ سے بیک لیل کی بوتل وغیرہ لے آیا۔

میرے موڈ کا اندازہ لگاتے ہی وہ کھل اٹھا اور پھرتی سے اپنا گلاس بھی لے آیا۔ گلاس میں پینے ہوئی شراب اس نے راستے میں ہی اپنے معدے میں اندھیل لی تھی۔  
کئی دن کے وقفے کے بعد میں نے اسکاچ کا پھلا گھونٹ لیا تو طلق میں تھپی کھلنے کے ساتھ ہی پھیر پھیراں سی انگلیں اور میں نے اپنے دل و دماغ کو کچھ دیر کے لئے بالکل آزاد چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے لب و لہجے میں نرمی آتے ہی جمائیکیر نے اپنی درد بھری داستان چھیڑ دی۔

ازدواجی زندگی میں سارے مسائل اس کے اپنے پیدا کئے ہوئے تھے۔ اپنی عام زندگی میں وہ شی کا فادار تھا۔ اس لئے اپنی ہر بات کو اپنی بیوی سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ کوئی خفیہ فون آتا تو بیوی کو باہر بھیج کر کافی دیر تک کمر بند کے باتوں میں مصروف رہتا۔ بیوی کے دل میں شکوک و شبہات اور بے اعتمادی پیدا کرنے کے لئے وہی حرکتیں کیا کم تھیں کہ اس کی ذاتی دلچسپیاں سونے پر سما گئے تھیں۔ بیوی دفتر فون کرتی تو نرم دناؤک نسوانی آوازوں سے گزر کر جمائیکیر سے رابطہ ہوتا، وہ وقت سے گھر لوٹنے کے بجائے زیادہ وقت دفتری میں بسر کرتا اور سہلی جب بھی اس کی خبر گیری کے لئے فون کرتی تو کوئی نہ کوئی ٹوکی فون اٹھاتی۔ دن بہ دن سہلی کے ذہن میں یہ خیال راجح ہوتا چلا گیا کہ اس کا شوہر اسے نظر انداز کر کے دوسری عورتوں کے ساتھ وقت گزارنے کی روش پر چل پڑا ہے۔ اس خیال کو اس تلخ حقیقت نے بھی تقویت دی کہ شادی کے ابتدائی سالوں میں ہر طالع اور جن کے باوجود سہلی کے ماں بننے کے آثار پیدا نہیں ہو سکے تھے وہ دونوں اپنی اپنی انا کے حصار میں محصور رہے۔ سہلی نے جمائیکیر کی اصلاح کی کوشش کی نہ جمائیکیر نے اپنی بیوی کی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش کی۔ گاڑی یوں ہی چلتی رہی۔ ان کے درمیان ذہنی فاصلے بڑھتے چلے گئے۔ سہلی نے اپنے شوہر کی سرورمی سے دل برداشتہ ہو کر میری ذات میں پناہ ڈھونڈنے کی لا حاصل کوشش کی۔ میں اس کی بے راہ روی کے طاقت و محرکات سے پوری طرح واقف تھا، اسی لئے اپنا دامن بچا جاتا رہا۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ میری ذات سے مایوس ہونے کے بعد سہلی نے کسی اور درد پر دستک دی تھی یا تقدیر پر شاکر ہو کر بینہ مٹی تھی۔

ان دونوں کے مابین وہ اختلاف اور تناؤ اس حد تک بڑھا کہ بیٹے کی پیدائش کے بعد بھی ان کے خانگی مجملوں میں کمی نہیں

میں مزید اصرار نہیں کروں گی۔ آپ جمائیکیر کی دل جوئی کریں۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ اس علاقے کے بازار کا جائزہ لینے جا رہی ہوں۔ واپسی پر پتلی ہوئی مچھلی لے کر آؤں گی۔“  
میرے لئے کچھ کھانے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ میں نے مونے کی پشت گاہ سے سرنگا کر اپنی آنکھیں موند لیں اور وہ دونوں بازو جانے کی ہنگامی تیار یوں میں مصروف ہو گئے۔

جمائیکیر نما و حو کر کے لباس میں واپس لوٹا تو تازہ دم نظر آ رہا تھا۔

”غزالہ نے دیر کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ پھر کسی مصیبت میں پھنس گئی ہے۔“ اس نے آتے ہی تائید طلب لہجے میں یوں کہا ہے اس سے پہلے کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہی نہ ہو۔  
”جس اغوا ہو گئی ہے۔“ میں نے اسے آنکھ مار کے سرسری لہجے میں کہا ”بیوی سے جھگڑے کے بعد متبادل کے طور پر تمہارے ذہن میں اسی کا نام آیا ہو گا۔“

”الاحول دلا قوت۔“ تمہاری ذہنیت پست اور گندی ہو گئی ہے۔“  
”مذہب کا بولا تمہیں نے کبھی بھی اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ تمہاری سابقہ محبوبہ سمجھ کر اس کا احترام کرتا رہا ہوں۔“  
”سابقہ محبوبہ نہیں بلکہ کوئی کون۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کے ٹھٹھ سے کہا ”بلکہ کون کون کو دیکھ کر بڑے بھولوں کے مان لٹھڑے ہو جاتے تھے اور تم تو شاید کانپنے ہی لگتے تھے۔“

”کھلی چمکوتے کر دیکھو پھر تاج چل جائے گا کہ کون کس سے کاٹتا ہے۔“

”چمکوت کس بات کی؟ تمہاری رتی تو ہمیشہ سے کھلی ہوئی ہے۔“

”مہر شکوہ نہ کرنا کہ میں نے تمہاری لائن کاٹ دی ہے۔“  
”یہ بعد کی باتیں ہیں۔ بیانی الحال تو اس کی باذیالی کی فکر ذہن پر سوار ہے۔ ذرا اندر سے بوتل تو اٹھا لاؤ۔ سنا ہے کہ آج کرکس ہے اور بالکل ہی سوکھا گزر رہا ہے۔“

”تو کیا تمہیں یاد نہیں تھا کہ آج کرکس ہے؟“ اس نے حیرت سے پوچھا ”چھ دن بعد نئے سال کی پہلی رات آنے والی ہے میں تو سوچ رہا ہوں کہ ٹکٹ لے کر بنگالک یا فینلا کی طرف نکل جاؤں۔“

”شادی کے بعد آوی بہت کچھ بھولنے لگتا ہے۔ میں تمہاری طرح ذہین نہیں ہوں کہ مصائب میں جھلا ہونے کے باوجود مطلب کی باتیں اور تاریخیں یاد رکھ سکوں۔“

”یار ہم اسی لئے توجہ دیتے ہیں۔“ وہ بے تکلفی سے بولا ”ذہنی مہمیں بے ذرا سی گری اور رنگینی بھی نہ ہو تو پھر کسی قبرستان میں بستر لگائیں میں کیا ہرج ہے۔ آوی وہیں لیٹ کر دن رات اللہ اللہ کہے کہ اپنی آخرت کو یاد کرتا رہے اور ایک دن چپکے سے مر جائے۔“

”طعنی آوی! تو یہ کہو! میں نے آنکھیں کھال کے کہا یہ تم

”ایسی ہی تھی۔ اسی راجن کا نتیجہ تھا کہ جمائیکر اس وقت میرے گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور رات دہیں گزارنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اپنی بیوی کو پہلی طلاق کا بیانک کوڑا رسید کرنے کے بعد وہ چند روز تک اسے تنہائی کے عذاب میں مبتلا رکھنے کا خواہاں تھا۔

میرے پاس اسے لوٹانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں ایک طویل عرصے تک اس کے فلیٹ میں رہتا رہا تھا۔ اگر وہ چند روز کے لئے میرے گھر میں رہنا چاہ رہا تھا تو میرے پاس انکار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

”تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتے ہو۔“ میں نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ”لیکن خندوش حالات کی وجہ سے تمہیں فلیٹ تک ہی محدود رہنا پڑے گا۔ باہر نکلے تو تم پہچانے جا سکتے ہو۔ اس وقت ہم یہ ٹھکانا کھونے کے مشعل نہیں ہو سکتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم بھی جب جاؤ اپنی کارڈ ساتھ لیتے جانا۔ ہم زیادہ دیر تک اس قیمتی گاڑی کی حفاظت نہیں کر سکتے۔“

”مجھے باہر جانا ہو گا۔“ اس نے کہا ”نورس کلیم کے کانڈاٹ داخل ہونے ضروری ہیں۔ وہ فائلیں تمہارے پاس ہیں۔ دعا کرو کہ یہ کام کل ہی مکمل ہو جائے پھر میں یہیں بند ہو کر بیٹھ جاؤں گا۔ ری کارڈ کی بات تو وہ تم ہی رکھو۔ یہ گاڑی بلٹ پروف ہے۔ بے وقت میں تمہارے کام آئے گی۔“

”مجھے معلوم ہے لیکن ہم مستقل طور پر ایک ہی گاڑی استعمال کرتے رہے تو اپنے دشمنوں کی نظروں میں آجائیں گے۔ موجودہ حالات میں میرے لئے ٹیکسی یا کرائے کی گاڑی استعمال ہتر رہے گا۔“

اس نے میری دلیل مان لی۔ میں نے فوراً ہی کارڈ کی چابی اس کے حوالے کر دی۔ پھر سسلی کی تجویز سے برآمد ہونے والے کانڈاٹ، زیورات اور نقدی پر مشعل پوٹلی اس کے سامنے رکھ دی۔ وہ فوراً ہی مختلف فائلوں کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔ دس بجے سے پہلے فرالوٹ آئی، ہم چاروں ایک ساتھ بیٹھ کر چھٹی کے تلے ہوئے پارچوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ فون کی تھنڈی بجی۔

”میں گھر پر موجود نہیں ہوں، جمائیکر ادھر نہیں آیا۔ فون تم ہی دیکھ لو۔“ میں نے سلطان شاہ سے کہا اور اس نے ہاتھ صاف کر کے رہیور اٹھالیا۔

اس وقت میری چھٹی جس کی کارڈ کی قابل دفع دی تھی کیونکہ دوسری طرف سے سسلی بول رہی تھی۔ سلطان شاہ کے ہمدردانہ لب دلچے اور جوابات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سسلی اپنے شوہر کی گمشدگی پر سخت تشویش میں مبتلا تھی۔ وہ فون پر کافی دیر تک بولتی رہی، سلطان شاہ بے زاری کے عالم میں بس ہوں ہاں کرتا رہا۔ فون بند کرنے کے بعد اس نے اپنی داستان میں انکشاف کیا کہ جمائیکر اپنی بیوی کو طلاق دے کر آیا تھا۔ سسلی کو ڈر تھا کہ مایوسی کے عالم میں کہیں اس نے خود کشی نہ کر لی ہو۔

جمائیکر نے وہ رپورٹ سن کر ایک جان دار قنصل لگا لیا اور کہا

”میں جانتا ہوں۔“ میں نے چپکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”اگر وہ لوگ ہمارے دام میں نہ آئے۔ انہوں نے میرے دعوے کو تسلیم نہ کیا تو کیا ہو گا۔ وہ ہم دونوں کے جسموں کو چھٹی بھی کر سکتے ہیں۔“

”تمہیں خود بھی اندازہ ہے کہ تم کیا کرنے جا رہے ہو۔“ اس

”ایسی ہی تھی۔ اسی راجن کا نتیجہ تھا کہ جمائیکر اس وقت میرے گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور رات دہیں گزارنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اپنی بیوی کو پہلی طلاق کا بیانک کوڑا رسید کرنے کے بعد وہ چند روز تک اسے تنہائی کے عذاب میں مبتلا رکھنے کا خواہاں تھا۔

میرے پاس اسے لوٹانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں ایک طویل عرصے تک اس کے فلیٹ میں رہتا رہا تھا۔ اگر وہ چند روز کے لئے میرے گھر میں رہنا چاہ رہا تھا تو میرے پاس انکار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

”تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتے ہو۔“ میں نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ”لیکن خندوش حالات کی وجہ سے تمہیں فلیٹ تک ہی محدود رہنا پڑے گا۔ باہر نکلے تو تم پہچانے جا سکتے ہو۔ اس وقت ہم یہ ٹھکانا کھونے کے مشعل نہیں ہو سکتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم بھی جب جاؤ اپنی کارڈ ساتھ لیتے جانا۔ ہم زیادہ دیر تک اس قیمتی گاڑی کی حفاظت نہیں کر سکتے۔“

”مجھے باہر جانا ہو گا۔“ اس نے کہا ”نورس کلیم کے کانڈاٹ داخل ہونے ضروری ہیں۔ وہ فائلیں تمہارے پاس ہیں۔ دعا کرو کہ یہ کام کل ہی مکمل ہو جائے پھر میں یہیں بند ہو کر بیٹھ جاؤں گا۔ ری کارڈ کی بات تو وہ تم ہی رکھو۔ یہ گاڑی بلٹ پروف ہے۔ بے وقت میں تمہارے کام آئے گی۔“

”مجھے معلوم ہے لیکن ہم مستقل طور پر ایک ہی گاڑی استعمال کرتے رہے تو اپنے دشمنوں کی نظروں میں آجائیں گے۔ موجودہ حالات میں میرے لئے ٹیکسی یا کرائے کی گاڑی استعمال ہتر رہے گا۔“

اس نے میری دلیل مان لی۔ میں نے فوراً ہی کارڈ کی چابی اس کے حوالے کر دی۔ پھر سسلی کی تجویز سے برآمد ہونے والے کانڈاٹ، زیورات اور نقدی پر مشعل پوٹلی اس کے سامنے رکھ دی۔ وہ فوراً ہی مختلف فائلوں کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔ دس بجے سے پہلے فرالوٹ آئی، ہم چاروں ایک ساتھ بیٹھ کر چھٹی کے تلے ہوئے پارچوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ فون کی تھنڈی بجی۔

”میں گھر پر موجود نہیں ہوں، جمائیکر ادھر نہیں آیا۔ فون تم ہی دیکھ لو۔“ میں نے سلطان شاہ سے کہا اور اس نے ہاتھ صاف کر کے رہیور اٹھالیا۔

اس وقت میری چھٹی جس کی کارڈ کی قابل دفع دی تھی کیونکہ دوسری طرف سے سسلی بول رہی تھی۔ سلطان شاہ کے ہمدردانہ لب دلچے اور جوابات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سسلی اپنے شوہر کی گمشدگی پر سخت تشویش میں مبتلا تھی۔ وہ فون پر کافی دیر تک بولتی رہی، سلطان شاہ بے زاری کے عالم میں بس ہوں ہاں کرتا رہا۔ فون بند کرنے کے بعد اس نے اپنی داستان میں انکشاف کیا کہ جمائیکر اپنی بیوی کو طلاق دے کر آیا تھا۔ سسلی کو ڈر تھا کہ مایوسی کے عالم میں کہیں اس نے خود کشی نہ کر لی ہو۔

جمائیکر نے وہ رپورٹ سن کر ایک جان دار قنصل لگا لیا اور کہا

”میں جانتا ہوں۔“ میں نے چپکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”اگر وہ لوگ ہمارے دام میں نہ آئے۔ انہوں نے میرے دعوے کو تسلیم نہ کیا تو کیا ہو گا۔ وہ ہم دونوں کے جسموں کو چھٹی بھی کر سکتے ہیں۔“

”تمہیں خود بھی اندازہ ہے کہ تم کیا کرنے جا رہے ہو۔“ اس



ہوتے چلے گئے اور وہ نہایت کامیابی سے مارمن اور لوسی کو موت کے گھاٹ اتار کر واپس لوٹ آئیں۔

غزالہ کے پاس ایک جواب تیار تھا۔ وہ بولی ”ہم نے سب کچھ سوچ سمجھ لیا تھا۔ ہم کامیاب ہوئی یا ناکام ہمارے واپس ہر شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ اگر زیادہ خطرات نظر آتے تو ہم نے خاموشی سے واپس لوٹ آنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ آپ کا معاملہ بہت خوف ناک ہے ایک بار ان لوگوں کا سامنا کرنے کے بعد بازی آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گی اور آپ دونوں کی زندگی کا انحصار ان لوگوں کے رد عمل پر رہ جائے گا۔ اس پلان میں کامیابی اور ناکامی کا نہیں زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ ناکامی کی صورت میں آپ دونوں کو کوئی بھی درد ناک موت سے نہیں بچا سکے گا۔“

”میں وہاں کارڈیوالیٹھ ایک سوچ سے بات شروع کروں گا۔ وہ مجھے شوٹ کرنے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ تھوڑی دیر بعد تم دھکاک دھکے پینے پر کیا خطرناک گیت آپ نظر آتا ہے۔“

”مگر وہ اتنی ہی جدید چیز ہے تو ہو سکتا ہے کہ تیرے درجے کے ان بد معاشوں نے اس کے بارے میں کچھ نہ سنا ہو۔ وہ آپ کو پہچانتے ہی بازو پر رکھ لیں گے۔ آخر آپ دیر الے لے اپنی زندگیوں کیوں خطرے میں ڈالنے پر تلے ہوئے ہیں؟“

”یہ دیر اسے زیادہ ہمارا اور ایلن کا مسئلہ ہے۔ وہ بہت تیزی کے ساتھ ہم پر چھٹا جا رہا ہے۔ میں اس کے حلق میں ہاتھ ڈال کر اسے یہ پلور کرانا چاہتا ہوں کہ ہم اس سے کتر نہیں ہیں اور وقت آنے پر اس کے جڑے چرکتے ہیں۔“

وہ بحث کافی طویل پکڑ گئی۔ میرا ارادہ پکا تھا۔ غزالہ اس میں تبدیلی لانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس نے یہ شرط بھی مانگ کر نے کی کہ کوئی شخص کی کہ میں سلطان شاہ کے بجائے اسے اپنے ساتھ لے جاؤں تاکہ وہ اس نازک موڑ پر میرے ساتھ نہ کر ساتھ چنے اور ساتھ مرنے کا عہد پورا کر سکے لیکن میں نے اس کا وہ مطالبہ بھی تسلیم نہیں کیا۔ جسے اپنی کامیابی کا پورا یقین نہ ہو وہ لڑنے سے پہلے ہی تو مٹی جنگ ہار چکا ہوتا ہے اور پھر کتنی مرحلے آنے پر گفتگوں کے بل پینٹا چلا جاتا ہے۔

ایک طویل مباحثے کے بعد غزالہ کو میرے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑ گئے۔

میں دیگر ساز و سامان لے آیا تھا مگر میرے پاس کارڈیوالیٹھ کوک سوچ کا کوئی تہاویل موجود نہیں تھا۔ میں نے گھر میں موجود اشیاء کا جائزہ لیتا شروع کیا اور میری نظر انتخاب ایک وال کلاک پر مرکوز ہو گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ کلاک کے خوب صورت ڈائل اور فریم کے پیچھے صرف ایک ڈنیا لگی ہوئی ہے جو لمبی لمبی خوب صورت سونپوں کا متحرک رکھتی ہے۔

میں نے ڈرائنگ روم کے وال کلاک سے اس کی مشین الگ کی اور اس میں لگے ہوئے میٹریکل سمیت اپنے اپنے چنے پر اس طرح پامعہ کی کہ گرجان کا صرف ایک ہٹن کھولنے پر بھی نظر

لے اسروگی سے کہا ”موت برحق ہے مجھے مرنے کا نہیں اس بات کا حق رہے گا کہ ہم دیر الے کے ساتھ جائیں گے۔“

میں نے اس کی بات کاٹ دی ”تم پھر ہمک رہے ہو۔ میں نہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ دیر الے کی بازیابی کے علاوہ ایلن کو جہنم داخل کرنا بھی ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دیر الے کو نہیں ماریں گے اسے زندہ رکھ کر اپنے راستے پر لانے کی کوشش کریں گے اور دیر الے جلد یا بدیر ان کے پھچکل سے نکل بھاگنے کا موقع نکال لے گی۔ مجھے اس کی بہت زیادہ فکر نہیں ہے۔ وہ ہر قسم کا تشدد سہہ سکتی ہے میری کوشش یہ ہے کہ اب ایلن کو مزید پیش قدمی کے بجائے پہاڑی اور مدافعت پر مجبور کیا جائے اسے ہمیں لگام نہ دی گئی تو وہ کسی جیٹک عفریت کی طرح ہمارے اعصاب پر سوار ہو کر رہ جائے گا۔“

”یہ اپنی اپنی سوچ کی بات ہے۔ سوچنے سے حقائق نہیں بدلتے۔“

”اس کھیل میں اصل بدل میرا ہو گا۔ تم دیر الے اور ہم گمن سے لیں کہ میری مدد کرو گے۔“

”مگر مت کرو۔ پورا کھیل سمجھ لینے کے بعد میں تمہاری توقعات پر پورا اتروں گا۔“

ہم بہت دیر تک دھیمی آوازوں میں اپنے منصوبے کی جزئیات طے کرتے رہے۔ پھر سلطان شاہ اس کمرے میں چلا گیا جہاں جاکیر گمری بند سوا ہوا تھا۔ میں بھی ڈرائنگ روم کی تمام لاٹھیاں گل کر کے اپنی خواب گاہ کی طرف چل دیا جہاں غزالہ میرے انتظار میں کوئی نہیں بدل رہی تھی۔

وہ رات کسی قابل ذکر واقعے کے بغیر گزر گئی۔

اگلی صبح ہم تینوں بیدار ہو کر ناشتے سے فارغ بھی ہو گئے لیکن جاکیر گمری بند سوا رہا۔ جب میں نے سلطان شاہ کے ساتھ مل کر انجیالوں کے حیلے اور بھول و فریب کے پیکٹ کو چھیڑا تو غزالہ ہمارے سروں پر مسلہ ہو گئی۔ میں نے اپنے ہر دو گرام کو اس سے غیر رکھنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا لیکن میں نے بات فراموش کر بیٹھا تھا کہ ایک ہی ہمت کے نیچے رہتے ہوئے ایسی رازداری ممکن نہیں تھی جس کے اصرار پر مجھے اس کو بھی احماد میں لینا پڑا۔ وہ حیرت اور بے اعتباری سے میری باتیں سنتی رہی اور میرے خاموش ہونے ہی اس نے حدود اعتراضات جڑ دیے۔ اس کی دانست میں میرا منصوبہ بہت کمزور اور ناقابل عمل تھا جس کا نتیجہ صرف اور صرف تباہی کی صورت میں برآمد ہوا تھا۔

میں نے اس کے ہر اعتراض کا جواب دینا چاہا لیکن اس نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی تھی۔ مجبور ہو کر میں نے اسے اس کی کام خوالہ دیا۔ وہ دیر الے کے ساتھ جو کچھ کرنے لگی تھی مجھے اس پر شبہ تھا لیکن وہ دونوں میرے تمام تر اندیشوں کے باوجود اپنی ضد پر اڑی رہیں اور مجھے خاموشی اختیار کرنی پڑی۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ بعد میں تمام واقعات ان کے سوچے ہوئے انداز میں رونما

”ایمن کے خلاف بھی ایسے ہی لوگوں سے کام لیا جائیگا۔“  
”غزالہ جلدی سے بولی۔

”اس بارے میں اوّل خان سے میری بات ہو چکی ہے۔“  
لوگ غیر ملکیتوں کے پیچیدہ معاملات سے دور رہتے ہیں۔ بدو کے قتل کو آسانی سے آپس کی کسی رنجش کا رنگ دے کر دیا جاسکتا ہے اور قاتل کا بیل بھی بیگانہ نہیں ہوگا۔ وہ لوگ اس سے زیادہ پرخطر کام نہیں کرتے۔“

ہم گیارہ بجے کے قریب قلیٹ سے روانہ ہوئے تو جاکر بدستور سوا ہوا تھا۔

ہمیں رخصت کرتے ہوئے غزالہ بہت زیادہ جذباتی ہو رہی تھی۔ وہ ہمیں الوداع کہنے کے لئے قلیٹ کے دروازے پر آئی تو اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ میں تیزی کے ساتھ لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے اکاڑ کی چابی قلیٹ پر ہی چھوڑ دی تھی۔ اس صبح میں استعمال کی صورت میں نہ صرف اکاڑ ان کی نگہوں میں آجائی بلکہ وہ نبھوں کے سارے جناح کے لئے دو سرے دشوار۔ بھی کھڑی کر سکتے تھے۔

نچے پہنچ کر ہم نے اپنی منزل مقصود کے لئے ایک ٹیکسی روکی اور اس میں روانہ ہو گئے۔ مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ میرا فیصلہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی جرات مندانہ تھا اور ناکامی کی صورت میں ہمیں بدترین صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔ اس احساس نے میرے ساتھ ہی سلطان شاہ کو بھی فکر مند کیا ہوا تھا۔ ہم دونوں خاموشی کے ساتھ اپنی اپنی سوچوں میں کھوئے ہوئے بیٹھے تھے۔

سلطان شاہ نے الین کی کمین گاہ کا اتنا سراغ لگایا تھا کہ وہ کس قطار میں واقع تھی۔ میرا خیال تھا کہ کتے اور اس کے رکھوالے کی موت کے حوالے سے اس مکان کا سراغ لگانا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔

ٹیکسی تیزی کے ساتھ شہر کی مصروف سڑکوں پر اپنا سفر طے کرتی رہی اور پھر ہم زسری سے آگے اپنے مطلوبہ علاقے میں پہنچے۔

سلطان شاہ نے مطلوبہ مقام سے ذرا پہلے ہی ٹیکسی رکوائی تھی۔

ٹیکسی کو فاسر کے سلطان شاہ نے وزنی تھیلا سنبھال لیا اور ہم دونوں آگے چل پڑے۔ میں فیصلہ کر چکا تھا کہ کوئی پیچیدہ طریقہ کار اختیار کرنے کے بجائے براہ راست الین کے مکان پر دھک دے کر اپنا مدعا ظاہر کرتے ہوئے اس کے آویس کو متوجہ تیار کن اقدامات سے بھی آگاہ کر دوں گا۔

ہم چند ہی قدم چلے ہوں گے کہ سلطان شاہ کے چہرے پر تعویض کے آثار نمودار ہونے لگے۔ وہ فکر مند نہ لگا ہوں سے سامنے دیکھ کر جا رہا تھا۔ اس کی پریشانی کا اندازہ لگانے کے بعد میں نے بھی اس کا سبب پوچھ لیا۔ آگے ایک گلی کے سرے پر لوگوں کی خاصی تعداد جمع تھی۔

آئسکے اس معرکے میں ہمیں بہت زیادہ ہتھیاروں کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے تھیلے میں سے اٹھارہ چار پانچ کے دو میپ پستول اور ان کے گرنے ہوئے کچھ فاضل میگزین نکال لئے جو آڑے وقت میں کام آسکتے تھے۔ پھر پیکٹ میں رکھے ہوئے دستی بموں اور چیدہ چیدہ بامددی سرنگوں کا جائزہ لے کر انہیں احتیاط سے ایک خالی تھیلے میں منتقل کر لیا۔ ہم کچھ پہلے ہی سلطان شاہ کی تحویل میں تھی۔ تیاریاں عمل ہونے کے بعد میں نے ”مرے روانہ ہونے سے پہلے کیوس کے ایک تھیلے میں کچھ وزنی اور غیر ضروری چیزیں بچانے کے بعد“ ان پر درود بھیجا۔

”یہ فالتو سامان کیوں لے جا رہے ہیں۔“ غزالہ میری تیاریوں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کیوس کے تھیلے پر معترض ہوئے بغیر نہیں رہ سکی ”دودھ کے پیکٹ اور چاول کی تھیلیاں کس کام آئیں گی؟“

”یہ ان لوگوں کے لئے ایک تباہ کن بامددی تھیلا ہو گا جو میرے سینے پر بندھے ہوئے کارڈیالیکٹرک سونچ کے ذریعے پھٹ کر ایک میل کے دائرے میں زندگی کا نام و نشان مٹا دے گا۔“ میں نے آسودہ سی ہنسی کے ساتھ اسے آگاہ کیا ”اس میں دستی بم صرف اس لئے رکھے گئے ہیں کہ وہ بامد تلاش کرنے والا کوئی آلہ استعمال کریں تو وہ تھیلے کی بھی نشان دہی کرے۔ کوئی بھی منصوبہ بناتے ہوئے ایسی جزئیات کا لازمی خیال رکھنا پڑتا ہے ورنہ ناکامی قدر رسن جاتی ہے۔“

ہماری تیاریاں آخری مراحل میں تھیں کہ فون کی کھنٹی بج اٹھی۔ غزالہ نے دو سرے کھنٹی پر ریسپونڈ کیا۔ اس نے صرف دو یا تین فقرے ادا کئے اور دوسری طرف کی بات سننے کے بعد بے دلی سے ریسپونڈ کر ڈیل پر ڈال دیا۔ شاید دوسری طرف سے کال کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا۔

”اوّل خان کا فون تھا۔“ اس نے میرے کسی استفسار سے پہلے بتایا ”بدو ڈاکو چند منٹ پہلے فیروز آباد پولیس اسٹیشن کے پیچھے ہلاک کر دیا گیا ہے۔“

میں خوشی سے اچھل پڑا ”یہ خوش خبری ہی نہیں، نیک شگون بھی ہے۔ بدو کی موت الین کا حوصلہ پست کر دے گی۔ وہ اسی علاقے میں مارا گیا ہے جہاں الین اپنے حواریوں کے ساتھ پناہ گزین ہے۔“

”حیرت ہے کہ اوّل خان نے اتنی سرعت سے اس کا سراغ لگالیا۔“ سلطان شاہ بولا۔

”یہ کام ایس ٹی ایف کے کسی کارندے نے نہیں بلکہ کرائے کے آدمی نے کیا ہوگا۔“ میں نے کہا ”یہ ایسے لوگوں کے گمبے ہوا ہوتے ہیں۔ اس نے رقم کے لالچ میں آسانی سے سراغ لگالیا ہوگا کہ بدو کس کے لئے کام کر رہا ہے اور شہر کے کس علاقے میں موجود ہے۔“

اندازہ لگانا مشکل تھا۔

”ہو سکتا ہے کہ موقع مل جانے پر ویرانے ہی اپنا کام دکھا دیا ہو۔“ بھیرے نے نکتے کے بعد سلطان شاہ نے دہلی آواز میں اپنی رائے ظاہر کی۔

اس کی بات قرین قیاس تھی لیکن ہمارے پاس اس کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

میں اسے ساتھ لے کر شارع فیصل کی دوسری جانب واقع ہوٹل کی طرف چل دیا۔ وہاں بیٹھ کر ہم گلی میں رونما ہونے والی تہذیبوں پر نظر رکھ سکتے تھے۔

ایلین کی قیام گاہ شارع فیصل کی ایک جانب تھی، ہم سڑک کے پار واقع ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فاصلے پر ہونے کی وجہ سے ہمیں اس گلی کا خطرناک و واضح نظر آ رہا تھا۔ خرابی صرف یہ تھی کہ اس گلی کے قریبی سرے پر بے چمن اور مجلس تماشائیوں کاجوم جمع تھا۔ پوری گلی پولیس کے تعارف میں تھی۔ وہ لوگ اپنی آمدورفت کے لئے دوسری طرف کا راستہ استعمال کر رہے تھے اس وجہ سے ہمیں یہ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ پولیس کی بھاری نفری وہاں کیا کارروائی کر رہی تھی۔

ہوٹل میں چند منٹ گزارنے کے بعد ہمیں یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ اس مکان میں فائرنگ کی واردات ہمارے پہنچنے سے پندرہ بیس منٹ پہلے رونما ہوئی تھی جس کے نتیجے میں آٹا فائوہ گلی ویران ہو گئی، قریبی دفاتر تیزی سے بند کر دیے گئے، باہر موجود لوگوں میں ہلچل مچ گئی، حد تو یہ ہوئی کہ عکس پر واقع بجلی کمپنی کے دفتر والوں نے بھی اندر سمٹ کر ساری کمزریاں اور دو دروازے بند کر لئے۔

کئی منٹ تک پورا علاقہ شدید فائرنگ اور لرزہ خیز انسانی چیخوں سے گونجتا رہا۔ اس طے بلے شور سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خونی مجرموں کے دو سر سج جتے آپس میں لڑ رہے ہوں۔ فائرنگ کا زور ٹوٹنے ہی اس گلی میں سے وقفے وقفے سے کئی تیز رفتار گاڑیاں نمودار ہوئیں۔ بیشتر گاڑیوں میں سفید فام سوار تھے۔ صرف ایک گاڑی میں مقامی چرے دیکھے گئے تھے۔ ان تمام گاڑیوں کے ڈرائیور بدحواسی کے عالم میں گاڑیاں بھگا رہے تھے۔ سروس لین پر جس کے جدھر سیگ سائے، وہ اُدھر ہی فرار ہو گیا اور پھر فضا میں پولیس کی گاڑیوں کے دلی اڑانے والے سائرنوں کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس کی مداخلت کا امکان پیدا ہوتے ہی فائرنگ یک لخت رک گئی جیسے لڑنے والا کوئی بھی فریق پولیس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا ہو۔ گلی سے مزید آگاہی گاڑیاں فرار ہوئیں اور جب پولیس نے موقع پر پہنچ کر تیزی سے اس گلی کا محاصرہ کیا تو فضا پر غیر فطری ساٹا چھا چکا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ اس تصادم کے نتیجے میں سارے ہی متاثرہ افراد شارع فیصل کی سمت سے نہیں بھاگے ہوں گے، ان کے لئے دوسری طرف کا راستہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اگر دونوں اطراف سے اتنی بڑی تعداد میں متاثرہ افراد فرار ہوئے تھے تو اسی ایک حقیقت سے

دیکھا ایلین اسی گلی کے کسی مکان میں رہ رہا ہے؟ میں نے اس سے پوچھا۔

”ہاں۔ یہ اڑتیسویں اور انا تیسویں قطار کی درمیانی گلی ہے۔ چاہے نہیں یہاں اتنی بھیریں جمع ہوں اس علاقے میں عام طور پر اتنی بھیر بھاڑ نہیں رہتی۔“

وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ہمیں راہ گیروں سے معلوم ہو گیا کہ وہاں بھیر بلا سبب جمع نہیں تھی۔ گلی کے کسی مکان میں تھوڑی دیر قبل خاصی دھواں و دھار فائرنگ ہوئی تھی جس سے پورے علاقے میں دہشت پھیل گئی تھی۔ علاقے میں پولیس کی آمد کے بعد وہاں مجلس افراد کی بھیر لگنی شروع ہو گئی تھی۔

وہ کوئی اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔ ہماری فائرنگ اور پولیس کی آمد وال میں کالانڈر کر رہی تھی۔ وہاں جو کچھ ہوا تھا یقیناً ایلین کے ٹھکانے پر ہی ہوا تھا۔ ایسی صورت میں ذہنی تھیلے کو اپنے ساتھ لئے پھرنا خود کو دوسروں کی نگاہوں کا مرکز بنانے کے مترادف تھا۔

”تھیلے میں رکھے ہوئے دونوں دستی بم جیب میں ڈال کر یہ تھملا کیس بھی چھوڑ دو تاکہ ہم آسانی سے تماشائیوں کی بھیر میں شامل ہو کر تفصیلات معلوم کر سکیں۔“ میں نے ایسا سناہ لیجے میں

کہا۔ سلطان شاہ خود بھی ایسی کسی کارروائی کے لئے ذہنی طور پر تیار تھا۔ اس نے لمحہ بھر کے لئے تھملا سڑک کے کنارے رکھا اور دستی بم سرعت سے اس کی جیب میں منتقل ہو گئے۔

اس مقام سے آگے ہی ایک بھرا ہوا کوڑے دان مکانات کی عقبی گلی کے سرے پر رکھا ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے وہ ذہنی تھملا کوڑے دان کے پچھلے حصے میں ڈال دیا۔

اس غیر ضروری بوجھ سے نجات پانے کے بعد ہم اس گلی کے کھڑے جمع ہونے والی بھیر میں پہنچے تو پتا چلا کہ پولیس کی بھاری نفری نے کافی دور تک اس گلی کی ناک بندی کی ہوئی تھی اور ایک مکان کے آگے پولیس کی گاڑیوں کے ساتھ ہی کئی ایمر پولیس بھی موجود تھیں۔ وہاں ہر شخص بے گناہ اور مجلس میں جھلا تھا۔ کسی کو پوری تفصیل کا علم نہیں تھا۔ ہر شخص کی زبان پر صرف ہماری فائرنگ کا ذکر تھا۔

مجھ دیر تک اُدھر اُدھر کی سن گن لینے کے بعد لوگوں کی زبانی پتا چلا کہ اس پر سکون گلی میں چند غیر ملکیوں کی وجہ سے آفت آئی ہوئی تھی۔ پہلے ان کا ایک کتا اور اس کا رکھوالا مارا گیا پھر تھوڑی دیر پہلے ان کے گھر میں اندھا دھند گولیاں چلنے لگیں۔ وہاں سے متعدد سفید فام بے سرو سامانی کے عالم میں کئی گاڑیوں میں فرار ہوتے ہوئے دیکھے گئے تھے۔

میں الجھ کر رہ گیا۔ ایلین کے ٹھکانے پر ہونے والی محاذ آرائی میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ ہم نے سرتوڑ کوششوں کے بعد ان لوگوں کا سراغ حاصل کیا تھا لیکن اس ناگمانی واردات کے نتیجے میں ہم ایک مرتبہ پھر اندھیرے میں تھے۔ غالب امکان یہی تھا کہ پولیس کو متاثرہ مکان میں کوئی تینس زندہ نہیں مل سکا ہو گا۔

اس افرا تفری میں ویرا پر کیا گزری تھی، اس کے بارے میں

بٹ گئے ہوں گے اور ذرا سی دیر کی دھواں دھار قازمک کے بھر  
دہاں سے ٹھکڑوں کی صورت میں نکل بھاگے ہوں گے۔ اس پہلی  
منظر میں کسی بھی ٹھکڑی میں مخالف گروہ کے کسی بھی فرد کی موجودگی  
کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو اس وقت چائے خانے میں  
بہت کم لوگ باقی رہ گئے تھے۔ بیشتر افراد سڑک کے پار ہونے والی  
سرگرمیوں کے متاع جاننے کے تجسس میں باہر نکل گئے تھے کیونکہ  
اس گلی میں سے ایک ایمر بیس سائرن بجائی ہوئی تیز رفتاری سے  
نکل رہی تھی اور ٹریفک کے کسی بھی ضابطے کی پروا کئے بغیر شہر کی سڑک  
دوانہ ہو گئی تھی۔

”ایمر بیس میں شاید زخمی لے چائے گئے ہیں۔“ میں نے  
دھیمے اور متنی خیز لہجے میں سلطان شاہ سے کہا ”اس کا مطلب ہے  
کہ ابھی عمارت ویران نہیں ہوئی ہے۔“

”ضروری نہیں کہ ایمر بیس میں کوئی زخمی بھی رہا ہو۔“  
سلطان شاہ نے دووازے سے باہر دیکھتے ہوئے ”سرسری لہجے میں کہا  
”بے چارے عبدالستار ایدھی نے شہر کے مریضوں اور زخمیوں کی  
خدمت کے لئے بے شمار ایمر بیسوں کا ایک بیڑہ تیار کیا تھا مگر اب  
وہ خود خون کے آنسو دھوتا ہے کہ اس کی گاڑیاں مریض اور زخمیوں  
سے زیادہ مرنے والی ضروری ہیں۔“

”میں ایمر بیس میں لاشوں کی موجودگی کے امکان کو مسترد  
نہیں کرتا لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی زخمی بھی تھا  
پولیس والے اس سے اندر کی پوری کمانی اگوا لیں گے۔“

”میں مانتا ہوں کہ گمرے مشاہدے کی وجہ سے تمہارے بیشتر  
اندازے درست ثابت ہوتے ہیں لیکن اس وقت میں تمہارے  
اس بے سرو پا دعوے کا سبب سمجھنے سے قاصر ہوں۔“

”ایمر بیس غلط میں اور تیز رفتاری سے روانہ ہوئی ہے جیسے  
کسی کو فوری طبی امداد پہنچانی ضروری ہو۔ مرنے والے بھال کی ہر  
ضرورت سے بے نیاز ہوتے ہیں۔“

”ایمر بیس چلانے والے بھی ہمارے جگڑے ہوئے معاشرے  
کے کل پرزے ہیں۔ گاڑی خالی ہو تب بھی وہ سائرن بجا کر اور  
ایمر جیسی لاش آن کر کے بیڑ میں راست بنانے میں خوش محسوس  
کرتے ہیں۔ میں نے کئی نئی اوادوں کی ایسی ایمر بیسوں کو سائرن  
کے ساتھ دوڑتے دیکھا ہے جن میں اسکول آنے والے بچے  
یا کسی بڑے المکار کے گھروالے سوار ہوتے ہیں۔ کسی ایمر بیس کی  
رفتار سے یہ قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ اس میں کوئی زخمی لے جا  
جا رہا ہے یا کوئی لاش۔“

”راستے کی اور بات ہوتی ہے۔ یہ ایمر بیس ایک جائے  
وادعات سے روانہ ہوئی ہے جہاں علاقے کے بہت سے ڈے دار  
حکام موجود ہیں۔ یہاں کوئی ایسی ڈرے بازی کرنے کی بہت نہیں  
کرے گا۔“

”تھوڑی دیر کے لئے فرض کر بھی لیا جائے کہ ایمر بیس کے

اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ الین کے ساتھ مسلح افراد کی کتنی بڑی تعداد  
موجود تھی۔

میرے لئے وہ اطلاعات سننی خیز اور ہراساں کن تھیں۔ اس گلی  
میں الین مقیم تھا اس لئے سفید قاموں کے ہنگامے میں لوٹ ہونے  
اور پھر فرار ہونے کی بات قابل فہم تھی لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر  
تھا کہ ان سفید بد معاشوں پر دھاوا بولنے والے کون ہو سکتے تھے۔  
چائے کی پیالی اور دو سکریٹیں ختم ہونے تک میرے ذہن میں  
ایک بات جم چکی تھی۔ سنی سٹائی باتوں میں اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ  
سفید قام اور مقامی افراد الگ الگ گاڑیوں میں فرار ہوئے تھے۔  
سفید قاموں کی گاڑیوں میں کوئی مقامی چھوٹے کھانپا، نہ مقامیوں کو  
لے جانے والی گاڑی میں کوئی سفید قام موجود تھا۔ یہ کوئی دھکی  
مچھکی بات نہیں رہی تھی کہ الین اپنی پوری قوت اور دوساں کے  
ساتھ میدان میں اترا تھا۔ اسے اپنے ہم نسلوں کا بھرپور تعاون  
حاصل تھا اور بدو جیسے زرخیز، مقامی بد معاش بھی پوری طرح  
اس کا ساتھ دے رہے تھے۔

بدو کا نام ذہن میں ابھرتی ہی جیسے کوئی گہری کل گئی۔  
ہمارے قلیٹ سے روانہ ہونے سے پہلے اول خان نے قلیٹ پر  
فون کے کے غزالہ کو خبر دی تھی کہ بدو دادا کو فیوز آباد پولیس  
اسٹیشن کے علاقے میں کرائے کے ایک قافلے کے موت کے گھاٹ  
اتار دیا تھا اور وہ گلی پولیس کی ہماری غری کے محاصرے میں تھی وہ  
بھی فیوز آباد قافلے کی حدود میں واقع تھی۔ ان دونوں قحاق میں  
کوئی گمراہ رابطہ تھا جو پہلے میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔

الین کی ساری قوت کا انحصار دو دھڑوں پر تھا۔ اس کے اپنے  
مددگار اور امریکن سیکرٹ سروس یا سی آئی اے کے اہل کار جو  
فطری طور پر امریکن رہے ہوں گے۔ بدو دادا اس کا دوسرا بازو  
تھا۔ حالات بتا رہے تھے کہ بدو دادا تنہا الین کے لئے کام نہیں  
کر رہا تھا۔ اس کے آوی بھی پوری طرح الین کے اشاروں پر چل  
رہے تھے۔

کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ بدو دادا کہاں مارا گیا تھا۔ یہ امکان  
بھی موجود تھا کہ اسے الین کی کمین گاہ میں یا اس کے قرب و جوار  
میں ہلاک کیا گیا ہو۔ کرائے کے کسی بھی قافلے کے لئے زیر زمین  
رابیلوں کی مدد سے یہ معلوم کرنا مشکل نہیں رہا ہو گا کہ ان دونوں  
بدو کس کے لئے کام کر رہا تھا اور کہاں مقیم تھا۔ ان معلومات کے  
حصول کے بعد وہ شخص اس علاقے میں پہنچا اور کوئی بھی موقع میسر  
آتے ہی اپنے کام سے فارغ ہو گیا۔

بدو دادا کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ ہو سکتا  
ہے کہ اسے باس کے قتل پر، الین کے لئے کام کرنے والے مقامی  
بد معاش مشتعل ہو گئے ہوں اور کسی بات پر الین یا دوسرے سفید  
قاموں سے الجھ پڑے ہوں اور اسی ٹکرا کے نتیجے میں وہاں گولیاں  
چلنے کی نوبت آ گئی ہو۔ یہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ ایسی صورت  
حال میں متصادم بد معاش واضح طور پر مقامیوں اور غیر مقامیوں میں

والوں کو بھی چائے دینا فراہم کرتا رہا ہوگا۔ ہم نے میز چھوڑ کر کاؤنٹر پیسے ادا کئے اور باہر آ گئے۔

مقاطہ اور کمزور دل تماشا کی ہوٹل کے سامنے جمع ہو کر بھانت بھانت کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ میں ان کے تبرے سنتا ہوا آگے لکھتا چلا گیا۔ سلطان شاہ میرا دم چھلانے کے بجائے اس طرح چند قدم پیچھے ہویا جیسے اس کا مجھ سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔

دہاں دھونا ہونے والے واقعات کے بارے میں ایک نظریہ قائم کرنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس وقت دہاں ایلین کا کوئی بھی نمک خوار میری یا کسی مشتبہ آدمی کی تلاش میں باہر نکلنے کی جرات نہیں کر سکے گا۔ ہم مرکز عبور کر کے تماشاخیوں کی بھیڑ میں شامل ہوئے تو اندازہ ہوا کہ اس دوران میں لوگوں کی مطبوعات میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا۔

لوگ اس مکان میں رہنے والے غیر ملکیتوں کو مشکوک اور مشتبہ قرار دے کر ان کے کتے اور اس کے نرنگی موت کا ذکر بھی کر رہے تھے۔ یہ بات ہر زبان پر تھی کہ ان دونوں پولیس اور انتظامیہ نے ایسے تمام غیر ملکیتوں کو جو آراسر مشتبہ سرگرمیوں میں ملوث تھے، شہر میں مکمل چھوٹ دی ہوئی تھی اور اس دھماکا کے حالات جو پہلے ہی حوصلہ افزا نہیں تھے، اس ناقابلِ فہم ڈھیل کے نتیجے میں مزید بگڑ رہے تھے۔

تازہ ترین واردات کے حوالے سے جو کچھ سامنے آیا وہ میرے قائم کئے ہوئے تفکرات کی تائید کر رہا تھا۔ پولیس والوں نے اس مکان میں سے تین سفید فاموں کی لاشیں اٹھائی تھیں۔ چار گولیوں کے زخم کھارکری طرح زخمی ہوئے تھے۔ ہلاک اور زخمی ہونے والوں میں کوئی بھی مقامی شامل نہیں تھا۔

ایلین کے پڑوسیوں کا بیان تھا کہ اس مکان میں سفید فاموں کے ساتھ ہی مقامیوں کی بھاری نفری کی نقل و حرکت دیکھی جاتی رہی تھی لیکن پولیس کی آمد کے بعد وہاں حیران کن طور پر میدان خالی تھا۔ کسی مقامی کا سایہ تک نہیں مل سکا تھا جب کہ ہلاک اور زخمی ہونے والوں کے سوا وہاں صرف تین غیر ملکی پائے گئے تھے جو اس مکان کے قانونی کرائے دار ہونے کے دعوے دار تھے۔

پولیس کے نچلے عملے کے ذریعے اندر کی جو کمانیاں تماشاخیوں تک پہنچی تھیں، ان کے مطابق کرائے داروں نے اپنے ایک کتے اور ملازم کے قتل کے بعد مقامی محافظوں کی خدمات حاصل کی ہوئی تھیں پھر کمرس کی تقریب کے سلسلے میں ان کے یہاں بہت سے دوست اور مہمان آئے ہوئے تھے۔ کسی وجہ سے ان مہمانوں اور مقامی محافظوں کے درمیان تلخ کلامی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ محافظوں نے مشتعل ہو کر اندہ حادثہ فائرنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں ان کے بہت سے مہمان لہو لہان ہو گئے اور دیگر سفید فاموں نے اپنی مدافعت کے لئے جوابی فائرنگ شروع کر دی۔

اس خون خرابے کے دوران میں دونوں متصادم فریقوں نے بھاری جالی نقصان کا اندازہ لگایا تھا۔ وہ راکٹوں کی اونٹ سے

ڈرے کسی کو جناح ہسپتال روانہ کیا گیا ہے تو اس سے کیا فرق پڑے؟ تم مجھے کیا سمجھانا چاہ رہے ہو؟“ وہ اُلجھ کر بولا۔

”نئے امکانات!“ میں نے بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا ”اس وقت یہاں سے کوئی کارآمد بات نہیں بھی معلوم ہوئی تو کلی کے اخبارات میں بہت کچھ چھاپا جائے گا۔ ابھی تک ایلین ایک سایہ بنا ہوا ہے۔ وہ ہمارا پیچھا کر رہا تھا لیکن ہم اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اب وہ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار نہیں ہو سکے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی اپنی کین گاہ میں موجود ہو۔ اسے فرار ہونے کا موقع ہی نہ مل سکا ہو۔“

”تمہارے تیور کچھ خطرناک نظر آرہے ہیں۔“ وہ مجھے گھورتے ہوئے تادیبی لہجے میں بولا ”آج کا پروگرام منسوخ ہو چکا ہے۔ اگر ایلین موجود ہے تو وہ کسی چپیتے کی طرح چوکتا اور خوں خوار ہو چکا ہوگا۔ زخم کھایا ہوا دشمن بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ دیکھو۔ اب دہاں سے دوسری ایمرینس روانہ ہو رہی ہے۔“

اس کے توجہ دلانے پر میں نے شارع فیصل کے پار والی گلی میں دیکھا تو وہاں سے دوسری ایمرینس تقریباً ریگیتی ہوئی مین روڈ کی طرف آ رہی تھی۔

”اس کی رفتار دیکھ لہذا صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اس میں پڑے ہوئے افراد ہر دنیاوی مدد سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ اس بار صرف لاشیں لے جاتی جا رہی ہیں۔“ میں نے کہا۔

”یہ نزاعی منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔“ وہ کسی طرح مجھ سے متفق ہونے پر آمادہ نہیں تھا ”زندگی اور موت کے نازک مسائل ایک ایمرینس ڈرائیور کی صوابدید پر نہیں چھوڑے جاتے۔ بعض زخمیوں کی ظاہری حالت دھوکا دے سکتی ہے۔ بظاہر مردہ نظر آنے والا زخمی کو مایا کی حالت میں ہو سکتا ہے، عین ممکن ہے کہ کسی کے دل کی دھڑکن عارضی طور پر رک گئی ہو اور ذرا سی مالش سے دوبارہ بحال ہو جائے۔“

”اتفاقانہ باتیں مت کرو۔“ میں نے منہ بنا کے ناگواری سے کہا ”دل کی دھڑکن عارضی طور پر چند سیکنڈ یا ایک ڈیڑھ منٹ کے لئے رکتی ہے۔ اسے فوراً بحال نہ کیا جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ ہمیں یہاں آئے کافی دیر ہو چکی ہے اور فائرنگ کا سلسلہ ہمارے پہنچنے سے پہلے موقوف ہو چکا تھا۔ اتنی دیر تک کسی کا دل رکا نہیں رہ سکتا۔ اتنی دیر تک دماغ کی شرائط کو تازہ خون نہ ملے اور دریدوں سے گندہ خون نہ کھینچا جائے تو دماغ کی موت واقع ہو جاتی ہے جو لمحوں ہی لمحوں میں سارے عضلات بلکہ وجود پر ایک آہستہ کی طرح حاوی ہو جاتی ہے۔“

”برا مان گئے۔“ وہ اچانک ہنس پڑا ”چھا! چلو، تمہاری بات اسلے لیتا ہوں۔“

وہ ایک زیرِ تعمیر عمارت کے کھڑے قائم ایسا عارضی ہوٹل تھا جو بنیادی طور پر اس علاقے میں کام کرنے والے مزدوروں کی فوری فوڈ نوش کی ضروریات پوری کرنے کے ساتھ دفاتر میں کام کرنے



رخ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بھڑک مچ جانے کے باوجود وہاں جگہ جگہ لوگ ٹیلیوں کی صورت میں جمع ہو کر اپنے اپنے انداز میں قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ میں سلطان شاہ کو آنکھ سے اشارہ کرتا ہوا سروس روڈ پر زسری کی طرف ہولیا۔ سلطان شاہ چند قدموں کے فاصلے سے میرے پیچھے ہولیا۔

میں نے کوڑے دان کے قریب سے گزرتے ہوئے کن اکھیں سے دکھا کر چاول اور چینی وغیرہ کی تھیلیوں سے بھرا ہوا وہ دینی تھیلیا کوڑے دان کے پیچھے حصے میں اسی طرح رکھا ہوا تھا جس طرح سلطان شاہ نے اسے چھوڑا تھا۔ اس پر بعد میں کوڑا کرکٹ نہیں ڈالا گیا تھا۔

”یہاں تو سارا معاملہ ہی ٹائمن ٹائمن فٹ ہو گیا۔“ کچھ دور نکلنے کے بعد سلطان شاہ نے میرے ساتھ قدم ملاتے ہوئے مشکرا کر لہجے میں کہا۔

”کچھ بھی نہیں ہوا۔“ میں نے بے پروائی سے کہا ”اہم بات یہ ہے کہ ایلن اور پیٹر کسی تیسرے شخص کے ساتھ ابھی تک اس مکان میں موجود ہیں۔ ہم زیادہ آسانی سے ان پر ہاتھ ڈال سکیں گے۔“

”اس خیال میں نہ رہنا۔“ اس کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا ”بدرو دادا کی موت اور پھر بعد میں ہونے والی خون ریزی کے بعد وہ بہت زیادہ محتاط ہو چکے ہوں گے۔ زخمی بھینچوں کا شکار سب سے مشکل ہوتا ہے۔ وہ آسانی کے ساتھ تمہاری کسی چال میں نہیں آئیں گے۔“

”دیکھ لیا جائے گا۔“ میں نے اسی لہجے میں جواب دیا ”اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ ہمارا شکار ہمارے سامنے ہے۔ مجھے تو زہر تھا کہ کس وہ سب ہی نہ بھاگ نکلے ہوں۔ اب نتائج کا انحصار ہماری کارکردگی پر ہوگا۔ اگر ہم اپنے منصوبے کے مطابق انہیں گھیرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تو یہ ہماری نااہلی ہوگی۔ قدرت نے ہمیں پانسا پٹنے کا ایک سنہرا موقع فراہم کیا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ اس وقت تم ضرورت سے زیادہ خوش فہمی کا شکار ہو رہے ہو۔“

”نتائج سامنے آنے تک ہر جان دار حریف اپنی کامیابی کی امید کرتا رہتا ہے۔ اسے تم کوئی بے جا خوش فہمی قرار نہیں دے سکتے۔“ میں نے اسے گھورتے ہوئے بد مزگی سے کہا۔

”تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میں نتائج وغیرہ کو دور کی بات سمجھتا ہوں۔ اس وقت اصل بات صرف اتنی سی ہے کہ تم نے مکان میں موجود تین سفید قاموں میں سے دو کو ایلن اور پیٹر فرض کر لیا ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ معاملات بگڑتے ہی وہ دونوں بھی اپنی کمین گاہ سے فرار ہو گئے ہوں اور اب وہاں تین تین چہرے پولیس والوں کا سامنا کرنے کے لئے موجود ہوں۔“

”تم ہمیشہ منفی خطوط پر سوچتے ہو۔“ میں نے وائٹ پیٹے ہوئے

ایک دوسرے پر گولیاں برسائے کے ساتھ فرار کی راہیں بھی تلاش کرتے رہے اور جسے بھی موقع ملا وہ اس میدان کارزار سے بھاگ نکلا۔

بھاگنے والوں میں دونوں طرف کے افراد شامل تھے۔ ان سب کے انخلا کا عمل اتنی تیزی سے رونما ہوا کہ جب پولیس کی فوری جائے واردات پر پہنچی تو وہاں لاشوں اور زخمیوں کے سوا کسی متحارب فریق کا وجود نہیں تھا۔ وہاں رہنے والے تینوں سفید قاموں نے خود کو اس بھیا تک خوں ریزی سے بالکل لاپتعلق قرار دیا تھا۔

لطف کی بات یہ تھی کہ اس نازک موقع پر ان لوگوں نے بدرو دادا کا نام میز راز میں رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ جب محافظوں کے پتے اور ٹھکانے کے بارے میں یا زہر کی مٹی تو وہاں رہنے والوں نے کسی تامل کے بغیر بدرو دادا کا نام لے ڈالا۔ ان کا کہنا تھا کہ انہوں نے حفاظتی انتظامات کے سلسلے میں بدرو دادا سے رابطہ کیا تھا۔ معاوضہ ملے ہو جانے کے بعد اسی نے دوسرے مسلح مقاموں کا بندوبست کیا تھا۔ وہ لوگ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔

اس وقت تک بدرو دادا کے قتل کی کمائی اس علاقے میں نہیں پھیلی تھی مگر مجھے پورا یقین تھا کہ ایلن کے مکان پر پہنچنے والی پولیس پائی کو اپنے علاقے میں رونما ہونے والی قتل کی اس واردات کے بارے میں علم رہا ہوگا۔ انہوں نے یہ جاننے کی کوشش بھی کی ہوگی کہ ان سفید قاموں کو بدرو دادا کے بارے میں کیسے معلوم ہوا اور انہوں نے اس سے کہاں رابطہ کیا لیکن ان سوالات کے جوابات ہمارے علم میں نہیں آسکے۔ ان تفصیلات سے ایک بات بالکل واضح ہو گئی تھی کہ بدرو دادا کا قتل اس مکان میں نہیں ہوا تھا۔ اول خان کے گھر گئے بدرو دادا کو قریب دو چار کے کسی علاقے میں گھیر کر ٹھکانے لگایا تھا اور وہ تصادم یعنی طور پر اسی وجہ سے ہوا تھا کہ بدرو دادا جیسے خوف گردہ بند نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ اس کے آدمیوں نے ماپوسی اور اشتعال کے عالم میں ایلن کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی قیامت سے یہ بات ظاہر ہو رہی تھی کہ تصادم میں پہل مقامیوں نے کی تھی اور وہ سب بدرو دادا کے ساتھی تھے۔

میرے لئے ان تفصیلات میں صرف ایک بات بہت اہم تھی۔ واردات کے بعد سارے مسلح افراد کا اس مکان سے نکل بھاگے تھے لیکن تین افراد بدستور وہاں مقیم تھے۔ منطقی طور پر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ان میں ایلن اور پیٹر ضرور شامل رہے ہوں گے۔ تیسرا آدمی ان کا کوئی بھی قریبی منک خوار ہو سکتا تھا جو باطالنے کے باوجود ان کا ساتھ دے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس کا گڑبان، ایک ایک کر کے واپس لوٹ گئیں۔ تماشائیوں کی بھیڑ بھی جھٹنے لگی۔ حیران کن بات یہ تھی کہ کسی نے بھی مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے متنازع مکان کا

ہے کہ فارینگ اور بڑوٹک سے فائدہ اٹھا کر وہاں سے نکل بھاگی ہو۔  
ایسی صورت میں تمہارا رد عمل کیا ہوگا؟  
”تم بلاوجہ مجھے الجھانے کی کوشش کر رہے ہو۔“ میں نے  
ترش لہجے میں کہا ”وہاں کسی ناگمانی مصیبت میں پھنس گئی ہے اس  
لئے اسے بچانا میرا اولین فریضہ ہے۔ میں ہر قیمت پر اسے آزادی  
دلانے کی کوشش کروں گا۔ اس کے بعد میرے سامنے صرف ایک  
ی کام باقی رہ جاتا ہے۔ ایلن اور اس کے گماشتوں کی سرکوبی۔۔۔  
ان کاموں میں تقدیم و تاخیر تو ہو سکتی ہے لیکن ان سے گریز ناممکن  
ہے۔ اب تک جہتیں بھی اندازہ ہو چکا ہوگا کہ ایلن کے میدان میں  
آتے ہی حالات نے کس طرح پلٹا دکھایا ہے۔“

”جیسا سرائے میں جب میں نے دھان پان سے اس عینک زدہ  
بندر کو نیکر اور بی شرٹ میں لمبوس دیکھا تھا تو میں سوچ بھی نہیں سکا  
تھا کہ وہ آگے چل کر اس قدر خطرناک منصوبہ ساز ثابت ہوگا۔  
اب تک اس کے بارے میں میرا ہر اندازہ غلط ثابت ہوا ہے۔ اس  
حرام زادے کا سر کیلے بغیر ہم اپنے دوسرے دشمنوں پر برتری  
حاصل نہیں کر سکیں گے۔“

ہم دونوں سروس روڈ پر ٹھہرتے ہوئے رازی روڈ کے چوراہے  
سے آگے گزر کر زمری کی طرف رواں تھے کہ میں ایک دم ہی  
رک کر واپسی کے لئے پلٹ پڑا۔ میں نے سلطان شاہ کی آنکھوں  
میں دیکھتے ہوئے کہا ”یہ اچھا ہے کہ اب وہاں صرف تین نفوس رہ  
گئے ہیں۔ زیادہ آدمیوں کی موجودگی میں گزیر ہو سکتی تھی۔ اب میں  
انہیں آسانی سے کارڈیو الیکٹرونک سوچ کی تباہ کاری سے خوف زدہ  
کر سکوں گا۔“

”بعض اوقات تم بہت بے احتیاط خطرات مول لے بیٹھتے ہو۔“  
وہ جھرجھری لے کر بولا ”اگر وہ تمہاری دھمکیوں میں نہیں آئے اور  
اس سوچ کو آزمانے کی نوبت آئی تو تم کیا کرو گے؟“

”پھر تو کھلا مقابلہ ہوگا۔ کارڈیو الیکٹرونک سوچ نے سہی پستول  
اور رپو الوور کام آئیں گے۔“ اتنا کہہ کر میں نے ایک لحظہ کے لئے  
توقف کیا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ”مگر مجھے پورا یقین ہے  
کہ میرا ہلکے کام کر جائے گا۔ ایلن اس مرتبہ جن لوگوں کے لئے  
کام کر رہا ہے وہ جدید ترین تباہ کن ایجادات پر کمری نظر رکھتے ہیں  
اور کارڈیو الیکٹرونک سوچ تو ان کے گھر کی ایجاد ہے۔ اس کی تباہ  
کاری سے واقفیت رکھنے والا شخص کسی بھی قیمت پر اس ملک  
سوچ کے استعمال کی نوبت نہیں آنے دے گا۔“

”یہ واقعی بہت تباہ کن ایجاد ہے۔“ وہ فکراً آمیز لہجے میں بولا۔  
”زندگی کے آخری لمحات میں امریکا کے کسی بھی صدر کی اتار پستی پا  
ہٹ دھری کے نتیجے میں پوری دنیا ہولناک تباہی کی زد میں آسکتی  
ہے۔ ذرا تصور تو کرو کہ بستر مرگ پر پڑا ہوا امریکی صدر اپنی زندگی  
کے آخری لمحات میں کارڈیو الیکٹرونک سوچ اپنے بیٹے پر باندھ لے  
اور اس سوچ کا رابطہ پینٹاگون کے بیٹھک زنی اور خلائی دفاعی  
نظام کو حرکت میں لانے والے پریکٹسٹر سے ہو تو امریکی صدر کے

سرمایہ بھی تمہاری کالی زبان اپنا اثر دکھا بھی جاتی ہے۔  
تم نے لوگوں سے سنا نہیں کہ مکان میں موجود تینوں غیر ملکی  
کے قانونی کرائے دار ہونے کے دعوے دار ہیں۔“  
”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ اس کے ہونٹوں پر خون  
سے لالی مسکراہٹ پھیل گئی ”میں کسی بھی خالی مکان میں گھس  
سکتی ہوں۔ وہ تینوں کچھ بھی کہہ سکتے  
پولیس والوں نے کرائے داری کا معاہدہ اور ان تینوں کی  
مستند بات کس دیکھی ہوں گی؟“  
”ایک نیا ٹھکانہ ہے۔“ میں نے سچ کر کہا ”تم پولیس والوں  
ام ترافی کر رہے ہو کہ انہوں نے اپنے فرائض پوری ذمہ  
سے سر انجام نہیں دیے۔“

”یہ اہرام تراشی نہیں“ سچ کوئی ہے۔“ وہ ایک بے ساختہ  
کے ساتھ بولا ”پولیس والے براہ راست آسمان سے نازل  
ہوئے، وہ بھی ہم جیسے مقامی افراد ہوتے ہیں۔۔۔ میری بات پر  
میں۔۔۔ کوئے کی پابندیوں کی وجہ سے وہ مقامی نہیں تو ملکی  
ہوتے ہیں۔ کم پڑے لکھے مقامی یا ملکی اہلکار سفید چمڑی والوں  
لاڈلے ہی مرعوب رہتے ہیں۔ ملکبوں اور غیر ملکبوں کے ساتھ  
کے سلوک میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ان  
گوہوں نے جو کچھ کہا ہوگا، اس پر آنکھیں بند کر کے یقین  
کیا ہوگا۔ چھان بین کے بغیر تسلیم کئے جانے والے دعوے  
بقدر بے بنیاد ہوتے ہیں۔“

میں نے چند ثانیوں تک اسے کوئی جواب نہیں دیا پھر خشک  
میں کہا ”دونوں امکانات قطعی قطعی ہیں۔ ایلن وغیرہ ہو بھی  
ہیں اور غائب بھی ہو سکتے ہیں مگر میں ان سے ٹکرانے کا خطرہ  
مٹا لوں گا۔ تم واپسی پر کوڑے دان سے تھیلنا اٹھا لیتا۔ اس  
پرائس دہشت زدہ نہیں کیا جاسکے گا۔“

”تم حکم دو تو میں پورا کوڑا دان بھی اپنے سر پر  
لٹاؤں گا۔ لیکن محاطات بہت گنجلک ہیں۔ میرا خیال ہے کہ  
وقت ہمیں ایلن یا پیڑے زیادہ دیر کی فکر ہے۔ اس پورے  
لئے ابھی تک اس ٹیک بی بی کی موجودگی کا کوئی سراغ نہیں  
آئے۔ فرض کرو کہ ایلن اور پیڑے مل جاتے ہیں لیکن اس گھر  
پر موجود نہ ہوں تو کیا ہوگا؟“

”ہاں ایک جان دار پہلو تھا۔ لمحہ بھر کے لئے میں بھی گزیرا گیا مگر  
ی سبب کرولا۔“ ان دونوں بلکہ تینوں کو اطمینان سے ذبح کر  
سکتے ہیں۔ اسی علاقے میں غائب ہوئی ہے۔ ان کی بھاری  
کے بارے میں تازہ ترین اطلاعات سے ان معلومات کی  
میں جانتا ہوں جو تم نے فراہم کی تھیں۔ اگر ویرا اس چار  
میں مجبور نہیں ہے تو ان تینوں گوہوں کو میرے ہاتھوں  
ہوگا۔ انہیں جنم واصل کرنے کے بعد میں نئے سرے سے  
لگائیالی کے امکانات پر غور کروں گا۔“

”وہ معنی خیز لہجے میں بولا ”ہو سکتا  
درا آفت کی پرکالہ ہے۔“

دل کی دھڑکنیں چالیس فی منٹ سے نیچے گرتے ہی اس کو ارض پر  
کسی چابی نازل ہو سکتی ہے۔ چند ہی لمحوں کی بات ہے کہ دوس  
کے ایک جذباتی صدر نے سلامتی کونسل میں اپنے منہ سے کف  
اڑاتے ہوئے اپنا جوتا ہاتھ میں اٹھالیا تھا۔ امریکا میں بھی کوئی  
مطلوبہ انصاف حکمران آسکتا ہے۔ ایسے نیم پاگل حکمرانوں کے  
لئے کارڈیوالیکٹرونک سوچ جیسے آلات کھولنا بن جائیں گے۔  
اس کے اندیشے اپنی جگہ بالکل بجا تھے لیکن اس بے چارے  
کو یہ معلوم نہیں تھا کہ معاشرتی آگاہی اور تعلیم کے مثالی دواج  
کے باعث امریکا کے عام شہری بھی اپنے نظام حکومت کی اچائیوں  
اور برائیوں سے آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے انتخابی طریقہ  
کار کے نتیجے میں مدیرین کے ساتھ ہائی ووڈ کے ساتھ مسخرے اور  
اداکار بھی ان کے حکمران بننے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جہاں تک  
ممکن تھا، انہوں نے اپنے صدر کو بے حد و حساب دستوری  
آزادیاں دی ہوئی تھیں لیکن قومی سلامتی کے معاملات میں انہوں  
نے کہیں بھی کوئی سمجھوتہ نہیں کیا تھا۔ کلیدی فیصلے قومی سلامتی کے  
آئینی ادارے یا سپریم کونسل میں ہوتے تھے۔ کارڈیوالیکٹرونک  
سوچ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ بظاہر سائنس دانوں نے وہ آئینی  
سوچ جیتنا گون "ناسا" سی آئی اے اور ایف بی آئی جیسے اہم مرکزی  
اداروں کے لئے ایجاد کیا تھا لیکن اس پر تصرف کا اختیار امریکا کی  
غیش ویش کاؤنسل کو سونپا گیا تھا۔ امریکا میں اس کاؤنسل کی  
منحوری اور اجازت کے بغیر کوئی فرد یا ادارہ اس سوچ کو استعمال  
نہیں کر سکتا تھا۔ اس پابندی سے امریکا کا صدر بھی مستثنیٰ نہیں تھا  
لیکن کمال کی بات یہ تھی کہ تجارتی اور دفاعی معاہدوں کے تحت  
اس ہلاکت خیز سوچ کی برآمد کی مکمل چھوٹ تھی۔

یہ صرف کارڈیوالیکٹرونک سوچ کا معاملہ نہیں تھا۔ روزمرہ  
زندگی کے بے شمار شعبوں میں ترقی یافتہ ممالک ایسے ہی نادر  
روزگار شعبے دکھا رہے تھے۔ ادویات جو ان کے ملک میں  
ملک اور مہنگی قرار دی جا چکی تھیں، دوسرے ملکوں کو برآمد کی  
جاری تھیں۔ دودھ، مکھن اور خوراک کے ذخائر جو ان کے ملکوں  
میں میعاد سے زیادہ پرانے ہو چکے تھے، تجارت اور امداد کے نام پر  
دھڑلے سے دنیا کے ضرورت مند ممالک میں بھیجے جا رہے تھے۔  
کسی میں ہمت نہیں تھی کہ انفرادی یا قومی سطح پر ان تجارتی  
دہنوں سے باز پرس کر سکے کہ تمہارے لئے جو زہر ہے وہ ہمارے لئے  
امرت کیسے ہو سکتا ہے؟ جو ہو رہا تھا وہ بس ہوتا چلا آ رہا تھا۔  
”مگر وہ تمہاری دھمکی سننے ہی بھاگ نکلے تو تم کیا کرو گے؟“  
سلطان شاہ نے چلتے چلتے اچانک رک کر کہا ”وہاں ہر مکان کی پشت  
پر بھی ایک تنگ گلی موجود ہے۔“

”یہ بات پہلے ہی میرے ذہن میں آگئی تھی۔ میں بھاگتے پر  
جاؤں گا۔ تم پچھلی گلی میں موجود رہو گے تاکہ وہ دوسرے فرار نہ  
ہو سکیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ وہاں اگر ابھی تک اسی مکان  
میں موجود ہے تو وہ لوگ فرار ہونے کے بجائے مقابلہ کریں گے۔“

”یہ بات پہلے ہی میرے ذہن میں آگئی تھی۔ میں بھاگتے پر  
جاؤں گا۔ تم پچھلی گلی میں موجود رہو گے تاکہ وہ دوسرے فرار نہ  
ہو سکیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ وہاں اگر ابھی تک اسی مکان  
میں موجود ہے تو وہ لوگ فرار ہونے کے بجائے مقابلہ کریں گے۔“

”یہ بات پہلے ہی میرے ذہن میں آگئی تھی۔ میں بھاگتے پر  
جاؤں گا۔ تم پچھلی گلی میں موجود رہو گے تاکہ وہ دوسرے فرار نہ  
ہو سکیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ وہاں اگر ابھی تک اسی مکان  
میں موجود ہے تو وہ لوگ فرار ہونے کے بجائے مقابلہ کریں گے۔“

”یہ بات پہلے ہی میرے ذہن میں آگئی تھی۔ میں بھاگتے پر  
جاؤں گا۔ تم پچھلی گلی میں موجود رہو گے تاکہ وہ دوسرے فرار نہ  
ہو سکیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ وہاں اگر ابھی تک اسی مکان  
میں موجود ہے تو وہ لوگ فرار ہونے کے بجائے مقابلہ کریں گے۔“

”یہ بات پہلے ہی میرے ذہن میں آگئی تھی۔ میں بھاگتے پر  
جاؤں گا۔ تم پچھلی گلی میں موجود رہو گے تاکہ وہ دوسرے فرار نہ  
ہو سکیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ وہاں اگر ابھی تک اسی مکان  
میں موجود ہے تو وہ لوگ فرار ہونے کے بجائے مقابلہ کریں گے۔“

”یہ بات پہلے ہی میرے ذہن میں آگئی تھی۔ میں بھاگتے پر  
جاؤں گا۔ تم پچھلی گلی میں موجود رہو گے تاکہ وہ دوسرے فرار نہ  
ہو سکیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ وہاں اگر ابھی تک اسی مکان  
میں موجود ہے تو وہ لوگ فرار ہونے کے بجائے مقابلہ کریں گے۔“

”یہ بات پہلے ہی میرے ذہن میں آگئی تھی۔ میں بھاگتے پر  
جاؤں گا۔ تم پچھلی گلی میں موجود رہو گے تاکہ وہ دوسرے فرار نہ  
ہو سکیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ وہاں اگر ابھی تک اسی مکان  
میں موجود ہے تو وہ لوگ فرار ہونے کے بجائے مقابلہ کریں گے۔“



ہم نے برآمدے کی طرف چند ہی قدم بڑھائے تھے کہ اچانک عمارت کے کسی حصے سے ایک گونجی آواز برآمد ہوئی کہ ہے۔۔۔۔۔؟ وہیں رک جاؤ ورنہ کوئی مار دوں گا۔۔۔۔۔ انگریزی میں کہا کہ ہم دونوں تیزی سے دیوار سے چپک گئے پھر میں نے کہا ”سانے آؤ، میں تم سے بات کرنی چاہتا ہوں۔“

”تم کون ہو اور یہاں چروں کی طرح کیوں آئے ہو؟“ بار بھی انگریزی میں سوال کیا گیا تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ نورالین اور پیر میں سے کسی کی نہیں تھی۔

”تمہیں سانے آنے کے بعد ہر بات کا جواب مل جائے گا۔ میں نے کہا۔

”میں اپنے گھر میں ہوں، تم چھپتے پھر رہے ہو۔ تمہاری نہ صاف ہے تو ایک عزت دار مسلمان کی طرح میں ٹیٹ سے اندر کی نہیں آئے؟“ اس بار وہ آواز نسبتاً کم فاصلے سے آئی تھی۔

”ہاں کہاں ہے؟ میں اسی سے بات کرنے آیا ہوں۔“ میں نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اپنے مطلب کی بد کی۔ ”وہ آسانی سے میری بات سمجھ لے گا۔“

”ہوئے رہو۔ میں تمہاری آواز سن رہا ہوں۔“ اس بار نے الین کی آواز پہچان لی۔ مجھ سے مذاکرات کرنے والے بجائے اس نے خود میرے مطالبے کا جواب دیا تھا۔

”تمہیں خوش فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ میں خود ہی تمہار جال میں اچسپا ہوں۔“

”میں تمہاری آواز سننے ہی تمہیں پہچان چکا تھا۔ یہاں تمہارے لئے کوئی جال نہیں ہے۔ تم اطمینان سے اندر داخل ہو سکتے ہو۔“ اس کی آواز سے مکارانہ خوش دلی عرصہ پوری فہم ”مسلمان کی پیشوائی کے لئے میدان سانے نہ آئے تو با نہیں بنی۔ تم سانے آکر مجھے لے جاسکتے ہو۔“

”یہ میرے لئے ایک بڑی سعادت ہوگی لیکن مجھے تمہار نیک نیتی کا ثبوت درکار ہے۔“

”میری نیک نیتی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ میں تمہارے متعدد حملے برداشت کرنے کے باوجود ابھی تک کوئی برا کارروائی نہیں کی ہے اور اس وقت بھی کوئی چلائے بغیر یہاں پہنچا ہوں۔ یہ یاد رکھنا کہ تم مجھے باتوں میں الجھا کر نہیں گھبرائے گئے اس وقت تمہاری اور اس عمارت کی سلامتی میری زندگی مضرب ہے۔ مجھے مرنے پر آمادہ نہیں تم سب کو ساتھ لے کر مرنا گا۔“

”میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ پتا نہیں تم کس خطہ فہم میں جلا ہو۔ میں تو توڑا دل سے ہی تمہارے ساتھ مل کر کام کر کی منصوبہ بندی کرتا ہوں لیکن تم کسی چھلاؤ کی طرح نہ ہو۔ دیکھو تمہاری باتیں بہت دلچسپ ہیں۔ یہ ساتھ جینے اور مارنے کا کیا قصہ ہے؟“

”شاید تم نے کارڈیالیکٹرک سوچ کا ذکر سنا ہوگا؟“ میں نے بھرپور توجہ کے بعد کہا۔

تغصن کا وجود نہیں تھا۔ عمارت کے اگلے حصے میں دو گاڑیاں موجود تھیں لیکن ان میں بھی کوئی نہیں تھا۔

چشم قدی کرتے ہوئے میں نے راستے میں نظر آنے والی تمام بند کڑیوں پر بھی نگاہ ڈال لی تھی لیکن مجھے کہیں حرکت یا زندگی کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ شاید اس مکان کی جملہ سرخری آبادی کسی اگلے کمرے میں سر جوڑے بیٹھی تھی۔

میں نے واپس لوٹنے کے بجائے ہاتھ کے اشارے سے سلطان شاہ کو اپنی طرف بلایا۔

”مجھے تشویش ہو رہی ہے۔“ سلطان شاہ سرگوشیاں لیجے میں بولا ”یہ مکان دیران معلوم ہو رہا ہے۔ کہیں بھی زندگی کے کوئی آثار موجود نہیں ہیں۔“

”لیکن یہ دو گاڑیاں بتا رہی ہیں کہ مکان خالی نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔

”بڑے معاملات میں کوئی ان چھوٹی موٹی چیزوں کی پروا نہیں کرتا۔ جہاں گھر اپنا بھرا گھر چھوڑ کر نکل کر ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس والوں کو رخصت کرنے کے بعد الین وغیرہ بھی گاڑیاں چھوڑ کر خاموشی سے نکل بھاگے ہوں۔ انہیں سرچھانے کے لئے شہر میں جیسے بھٹکانے مل سکتے ہیں۔“

”ایسی صورت میں وہ دیران کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکے ہوں گے۔ وہ ان کے لئے بہت اہم ہے۔“

”جب اپنی جان پر بن جاتی ہے تو آدمی کسی چیز کی پروا نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے دیران کو ماری ڈالا ہو۔ ہمیں بہترین توقعات کے ساتھ بدترین صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے بھی ذہنی طور پر تیار رہنا چاہئے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اندر کے کیا حالات ہیں۔“

دیران کے بارے میں سلطان شاہ کا وہ بے رحمانہ تبصرہ مجھے بالکل پسند نہیں آیا۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا ”بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں سوچنے کے باوجود زبان پر نہیں لایا جاتا۔ مجھے یقین ہے کہ الین دیران کو ہر حالت میں زندہ رکھے گا۔ ان لوگوں کے مذموم مقاصد کے لئے وہ بہت اہم ہے۔“

”میں بحث نہیں کروں گا۔“ وہ پچیس سی منٹ کا ہٹ کے ساتھ بولا۔

میں نے ایک بار پھر مکان کے سانے والے حصے پر نگاہ ڈالی اور احاطے کی دیوار سے چل کر عمارت کے بظنی گوشے میں رک گیا۔ وہاں سے بھی باہر سنا ہی نظر آ رہا تھا۔

ہم دونوں چند ٹائمن تک سن گن لیتے رہے پھر سانے کے رخ پر آگئے۔ دونوں گاڑیاں کچھ فاصلے پر برآمدے کے سانے کھڑی ہوئی تھیں۔ ان گاڑیوں پر جا بجا گولیوں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ برآمدے میں بید کی متعدد کرسیاں الٹی سیدھی بکھری ہوئی تھیں۔ وہاں کچھ دیر پہلے ہونے والی ہنگامہ آرائی کی تباہی و بربادی جوں کی توں موجود تھیں۔

نیچے اتر آئے۔

”جین لگلو۔“ ایلیں میرے بازو پر دوستانہ انداز میں چمکی دیتے ہوئے بولا۔ ”مجھے یقین ہے کہ تم سی ای ایس پر قابض اور متصرف ہو۔ امریکوں میں بھی دوسری قوموں کی طرح خود غرض اور بے ضمیر لوگ ہوتے ہیں جو ذرا سے لالچ کے لئے بہت کچھ بچھ دیتے ہیں۔ بیٹنا کون والوں کو تمہاری اس چوری کا علم ہو گا تو وہ اپنا سر پیٹ لیں گے۔“

پیٹر کی پلٹ سے سیاہ رنگ کا ایک پائپ جمبول رہا تھا۔ اس سے پہلے سلطان شاہ مجھے بتا چکا تھا کہ ٹیڑھا اور کتے کا ٹکوں کی تلاش میں نکلنے والے سفید فاقوں نے بھی اسی ساخت کے ڈیڑھ فٹ لمبے پائپ سنبالے ہوئے تھے جنہیں وہ مختلف سمتوں میں گھماتے پھرتے تھے۔

”تم دونوں اپنے لباس کے نیچے پٹی ہوئی پلٹ پروف بیکٹوں کی وجہ سے خامے صحت مند نظر آ رہے ہو“ میں نے برآمدے سے گزر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اپنے کچھ دشمنوں سے خوفزدہ ہو۔“ ”خوف نہیں“ اسے تم احتیاطی تدبیر کہہ سکتے ہو۔ یہاں کے لوگ افغانوں سے زیادہ حساس اور سنڈ خوہیں۔ کوئی بھی بات مرضی کے خلاف ہو تو فوراً مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں۔“

”شاید تم جرائم پیشہ لوگوں کی بات کر رہے ہو۔“ میں نے سرگٹ سلگنے کے بعد کہا۔ ”یہ حالات کے دباؤ اور مایوسی کا نتیجہ ہے۔ جرائم پیشہ ضرورت سے زیادہ سفاک اور خونخوار ہو گئے ہیں۔ عام شہری بزدلی کی دلدل میں دھستے جا رہے ہیں جیسے انہیں اندری اندر کوئی خوف کھائے جا رہا ہو۔“

”ہمیں یہاں پر جانے کا موقع مل گیا تو ان حالات میں توازن پیدا ہو جائے گا“ وہ آہستگی سے بولا ”بھی ہر شخص غیر ملکیوں کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ آج یہاں ہونے والا خون خرابا بھی ایسے ہی دشمنانہ رد عمل کا نتیجہ تھا۔“

”نہیں۔۔۔“ میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پیٹر سے مخاطب ہو کر سخت لہجے میں کہا۔ ”خبردار! اپنا ہاتھ اس ہتھیار سے دور رکھو۔“

وہ اپنی پلٹ سے جھولتے ہوئے سیاہ آہنی پائپ سے چمچر جھاڑ کسے کا ارادہ کر رہا تھا۔ میرے رد عمل پر اس نے بوکھلا کر اپنا ہاتھ دوبارہ گود میں رکھ لیا۔

”یہ ہتھیار نہیں“ ایک کارآمد آلہ ہے۔ ایلیں نے وضاحت کی۔ ”اس کی مدد سے دس فٹ کے فاصلے سے بارودی مواد“ حتی کہ ریو اور دوغیوہ کی گولی تک کی موجودگی کا پتا چلایا جاسکتا ہے۔“

”حیرت ہے کہ تمہارے اس قابل رشک آلے نے ہمارے بارودی شیلے کی اطلاع نہیں دی۔“

”اس کا سوچج آف ہے۔ اسے آن کرنے کی اجازت دو تو اس کی کارکردگی سامنے آجائے گی۔“

”تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟“ ایلیں نے بے ساختہ سوال کیا۔ ”یہ تو امریکا کے خفیہ اداروں کے لئے بنائی جانے والی ایک ڈیوائس ہے۔“

مجھے خوشی ہوئی کہ اس کے لئے وہ موضوع اجنبی نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ”جاننے سے زیادہ“ میں ایسے ایک سوچج پر قابض ہوں اور وہ اس وقت میرے سینے پر بندھا ہوا ہے۔“

”میں مانتا ہوں کہ وہ بہت کارآمد چیز ہے مگر اتنی قیمتی بھی نہیں کہ تم جیسا آدمی اسے اپنے سینے پر باندھ کر ساتھ لے لے پھرتا رہے۔“

وہ انجان بن کر شاید مجھے آزمانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے ناؤ آیا۔

”تم اتنے معصوم اور بھولے نہیں ہو“ ایلیں! میں نے حتمی سے کہا۔ ”میرے پاس ڈائنامائٹ اور دوسرے بارودی شعبدوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا بھی موجود ہے۔ اس تپاہ کن ڈنبرے کا انگشٹ میرے کارڈیو الیکٹرونک سوچج سے منسلک ہے۔ میرے دل کی دھڑکنیں بند ہوتے ہی کارڈیو الیکٹرونک سوچج اپنا کام دکھائے گا اور میرا بارودی تھیلا کم از کم ایک فرلانگ کے قطر میں ہر شے کو جلا کر رکھ کر دے گا۔“

”یہاں خاصی خون ریزی ہوئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا بارودی تھیلا اسی طرح واپس جائے گا۔ یہاں کی دوستانہ فضا میں اس کے استعمال کی نیت نہیں آئے گی۔“

”دوستانہ فضا!“ میں نے ایک ہلکا سا استہزائیہ قہقہہ لگایا اور کہا ”تم سے دوستی کے بعد مجھے شہر میں کسی سے دشمنی کی ضرورت نہیں رہی ہے۔۔۔۔۔“

”کیا ساری باتیں چھپ کر ہی کہو گے؟“ اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ”اب تمہیں اندر آنے میں کیا دقت ہے؟ ظاہر ہے کہ ہم تمہیں مارا کر اپنی موت کو دعوت دینا پسند نہیں کریں گے۔“

”میں آ رہا ہوں لیکن تم تینوں میرے سامنے موجود رہو گے۔“ ”تین نہیں، ہم صرف دو افراد ہیں۔۔۔۔۔ میں اور پیٹر۔ تم ہم دونوں سے واقف ہو۔“

”وہ کہاں ہے جو مجھ سے بات کر رہا تھا۔ اس کی آواز تم دونوں سے مختلف تھی۔“

”تمہیں جل دینا آسان کام نہیں ہے۔“ وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ ”وہ کسی کے سامنے نہیں آتا۔ یہ اس کی مجبوری ہے مگر تم یقین کرو کہ وہ چھپ کر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔“

”تم دوسری سے دیکھ سکو گے کہ میرے سینے پر کارڈیو الیکٹرونک سوچج بندھا ہوا ہے۔“ میں نے اپنے گریبان کے چٹن کھولتے ہوئے لہجہ چھوڑ دی۔

چند قدم چلنے کے بعد برآمدہ نظر آیا تو ایلیں اور پیٹر خالی ہاتھ وہاں کھڑے ہوئے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی ان دونوں کے چہروں پر دوستانہ مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ اپنی جگہ چھوڑ کر برآمدے سے

”بھی تک بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ تم کیا کر رہے ہو اور کیا چاہتے ہو۔ تم نے جس تواتر کے ساتھ میرے ایک جگہی دوست کے اچانک کو نقصان پہنچایا ہے“ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کئی احوال تم بے کار ہو اور تمہارے سر پر مجھے نیست و نابود کرنے کا بھوت سوار ہے۔“

”تم جن لوگوں کو بے رحمی سے خون میں نہلاتے رہے ہو وہ تمہارا صفایا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے صرف مانی نہیں بلکہ افرادی قوت بھی مہیا کی ہوئی تھی۔ تم کو یقین کرنا چاہئے کہ میرے آنے یا نہ آنے سے صورت حال میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کراچی میں تمہارے خون کے پاسوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اگر آج یہاں ایک حادثہ نہ ہوا ہوتا تو تم اندر پھٹک بھی نہیں سکتے تھے۔“

”میں بلاوجہ معصوم لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگتا۔ اگر تم ان کے لئے کام کر رہے ہو تو تمہیں ضرور معلوم ہوگا کہ وہ کیسی گھناؤنی سازشوں میں مصروف ہیں۔“

”یہ ایک عارضی کام ہے جو مجھے مل گیا اور میں آج بھی اپنے پرانے مشن پر کام کر رہا ہوں جو اس المیڈا نے مجھے سونپا تھا۔ کرل جیسی جو نزو تو اپنے بیٹے کے قتل کی خبر سننے کے بعد سے ٹھیکے کی سی حالت میں ہے۔ اگر تم میرے ساتھ تعاون نہیں کرنا چاہتے تو میرا نقصانہ مشورہ ہے کہ تم کچھ دنوں کے لئے یہ شہر چھوڑ دو۔ یہاں تم گھیر کر مار دیے جاؤ گے۔“

”میرے خلاف تمہیں کن لوگوں نے میدان میں اتارا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”اس کھلے ہوئے راز سے ہر ایک واقف ہے۔ مجھے شہ ہے کہ بددوا دادا کو بھی تم ہی نے مارا ہے کیونکہ وہ تمہارے خلاف میرا ساتھ دے رہا تھا۔ یہ ایک اتفاق نہیں ہو سکا کہ تم اس کے قتل کے چند گھنٹوں بعد میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہو۔“

میں نے اس کی بات کی تردید کرنے کی ضرورت محسوس کی بغیر کہا۔ ”بددوا دادا کے مارے جانے کے بعد تمہارے سارے حمایتی کہاں غائب ہو گئے؟ تمہارے بیان کے مطابق ان میں غیر ملکی بھی تھے۔“

”بددوا اپنے کسی جاننے والے سے ذاتی استعمال کے لئے اعلیٰ قسم کی چرس لینے گیا تھا کہ مارا گیا۔ اس کے آدمیوں کا خیال تھا کہ میں نے مناسب حفاظتی تدابیر کے بغیر اسے اپنے کسی ذاتی کام سے باہر بھیجا تھا۔ وہ اپنے پاس کے قتل کی ذمہ داری میرے سر صوب رہے تھے۔ کیا تجھی بڑھ کر تصادم کی صورت اختیار کر گئی۔“

”میں نے بے رحمی کے ساتھ میرے غیر ملکی ہم دروں کو گولیوں کی بارش پڑھا تو انہوں نے بھی اپنے ہتھیار سنبھال لئے۔ پولیس کی آمد کا امکان پیدا ہوتے ہی سب فرار ہو گئے۔“

”تم نے پولیس والوں کو تو یہ کہانی نہیں سنائی ہوگی؟“ میں نے پوچھا۔

”ان سے جو کچھ کہا گیا، وہ کافی رہے گا۔ میرے ہم دروں کے

”رہنے ہی دو۔“ میں نے خلک لیجے میں کہا۔ ”ہو سکا ہے کہ کسی دوسرے ہونج کی مدد سے اسے کئی مسلک ہتھیار میں تبدیل کیا جاسکتا ہو۔“

”تمہیں مجھ پر ذرا بھی اعتماد نہیں ہے۔“ اس نے بھرپور اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ”حالانکہ تم کارڈیو سوچنے کی وجہ سے بہت محفوظ ہو۔ مجھے دیکھو کہ میں کسی حفاظتی بندوبست کے بغیر کتنی بے خوفی سے تمہارے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔ بلٹ پروف جیکٹ میرے سینے کو چھائی ہوئی ہے لیکن میرا سر اور چوہا بالکل کھلے نشانے پر ہے۔ مجھے یس تو قہر ہے کہ تم خود چل کر میرے پاس آئے ہو تو مجھ پر وار نہیں کرو گے۔ اچھے دشمن لڑائی میں بھی اصولوں کو فراموش نہیں کرتے۔“

”میں تمہارے اطمینان کا سبب جانتا ہوں۔“ میں نے زہریلے لیجے میں کہا۔ ”اور اسی بارے میں تم سے بات کرنے آیا ہوں۔ تم زیادہ دیر تک اسے اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکو گے۔“

اس کے ہونٹوں پر سلگنے والی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ پُر اعتماد لیجے میں بولا۔ ”تمہارا اندازہ سو فیصد درست ہے۔ دیرا ایک جنگلی قیدی ہے۔ ابھی اس نے میرے ساتھ صرف ایک ہی رات گزار دی ہے۔ چند روز میں رام ہو ہی جائے گی۔ جب تک وہ میری تحویل میں ہے، تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ وہ آنے والے دنوں میں میرے لئے کارڈیو سوچنے کا کام کرے گی۔“

”میں تمہیں راستے سے ہٹا کر بیڑے سب کچھ اگھوا لوں گا۔ اس بھول میں نہ رہنا کہ دیرا کو اپنی قیدی میں رکھ کر تم مجھے اپنے اٹھاروں پر نچا سکو گے۔“

اس کے چہرے پر درشتی کے آثار ابھر آئے اور وہ سخت لیجے میں بولا۔ ”میری بھت کے نیچے بیٹھ کر مجھے ہی دھمکیاں مت دو۔ دیرا کے بارے میں صرف میں جانتا ہوں۔ میرے بعد وہ اپنے قید خانے میں بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جائے گی اور کوئی اس تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اگر تم نے خود کو کارڈیو سوچنے سے بچایا ہوا ہے تو تمہارا ساتھی میرے نشانے پر ہے۔ بد مزگی پیدا ہوئی تو سلطان شاہ یہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکے گا۔“

اس کی باتیں بہت اشتعال انگیز تھیں لیکن اس کے جواب سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ دیرا کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اسے زندہ حالت میں قیدی بنائے رکھنا چاہتا تھا۔

میں نے فوراً اپنی کھوپڑی پر قابو پایا اور قدرے نرمی سے بولا۔ ”دیرا کے بارے میں بدگوائی کر کے تم نے جتنی پیدائی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اب وہ ہم میں سے ہے۔“

”کسی میں سے بھی ہو، اہم ترین بات یہ ہے کہ وہ اب میرے قبضے میں ہے۔ اس کے بارے میں کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ ہاں، تم میرے ساتھ کام کرنے پر رضامند ہو جاؤ تو آگے چل کر کوئی بات بننے کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہو۔“

”شاید حمیس یہ معلوم نہیں کہ یہاں شی کو جانے والوں میں میرا بھی نام شامل تھا۔ چور بازار میں جس کی مصنوعی قلت پیدا کر کے ہیرودن کی کہت میں نے ہی پیدا کی تھی۔“

”وہ پرانا ڈنڈی کہاں ہے؟“ اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔ ”مجھے اسی کی تلاش ہے۔“

”تم ایک نئی کہانی بنا رہے ہو۔“ اس کے چہرے پر حیرت کی فطری علامات ابھر آئی تھیں۔ ”میں نے اُن تھا کہ تم نے ایک مصلحت کا روپ دھار کر اپنے ملک میں برائی کے ہر بڑے ذریعے کو مٹانے کی قسم چلائی تھی جو اس اعتبار سے کامیاب رہی کہ شہی کو پسپا ہو چکا اور مجھے یہ دنوں پہلے مانیا کا شیرازہ بھی کھچ کر رہ گیا۔ اب پوری مارکیٹ چھوٹے موٹے بیزاروں کے ہاتھوں میں ہے۔“

”اپنی لائن کے بارے میں تمہاری معلومات قابل شک ہیں۔ میں بعد میں ان سے بھی استفادہ کروں گا۔“ وہ میری باتوں سے حائر نظر آ رہا تھا۔ اس نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد تائید طلب

”میری اطلاعات کے مطابق تم چند خفیہ سرکاری اداوں کے لئے کام کر رہے ہو۔ حیرت ہے کہ پولیس والے اس بات سے بے خبر اور تمہارے پیچھے نہ ہوئے ہیں۔“

میں نے کہا کہ تمہاری نظریات کا تقاضا تمہاری باتوں سے واضح ہے۔ اگر میں سرکاری مخبر یا کارکن ہوتا تو پولیس والے میرے قریب بھی نہیں آتے۔ تمہاری اطلاعات بالکل ناقص اور ناقابل اعتبار ہیں۔

”مجھے حیرت ہے کہ تم مغرور اشتہاری مجرم ہوتے ہوئے بھی شرمیں اتنی آزادی سے دہناتے پھر رہے ہو۔ کسی قسم کی سرکاری پشت پناہی کے بغیر ایسی دیدہ دلیری ناقابلِ فہم ہے۔“

”ہم اپنا دلیاں نے کراچی میں سول انتظامیہ کے آزاد خیال ارکان کو بچانے کے لئے کی کلب قائم کیا ہوا تھا۔ اس کے ذریعے ہم، مجھ، بعض بڑے افسروں کی کمزوریوں سے واقف ہو گیا تھا۔“

رہے ہیں۔ تم چاہو تو اس میری سرکاری سرپرستی کہہ سکتے ہو۔۔۔۔۔

لاہری طور پر ایسے رہنے اسکران میرے سامنے بیچے جاتے ہیں  
لیکن وہ بھی صدقِ دل سے میری موت کے خواہاں رہتے ہیں مگر میں  
ان کے سینوں پر سوچنے والے کے لئے کبھی کبھار ان سے ملتا رہتا  
ہوں۔“

”جیک میلنگ“ وہ حقارت سے ہونٹ سیکر کر بولا۔  
 غیر قانونی کاموں میں یہ سب سے بدترین کام ہے۔ میں بازاری  
 غور کی دلائی کو بھی اس سے ایک درجہ اوپر سمجھتا ہوں۔“

”جن سرائے سے پشاور تک کے سفر میں مجھے نے سادہ لوح افغانوں کو جس طرح ہلکے میل کر کے لمبی رقیں ایشی تھیں“ اس کبارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“

”وہ بلیک میلنگ نہیں کاہو بار تھا۔ وہ لوگ میری کوسنزمیں لاکھوں کی مالیت کی بہروشن اور تھیار اسکل کر رہے تھے تو مجھے اپنا حضور صلا کہنے کا ہوا اور آخر حاصل تھا مگر اب وہ بہت دور کی بات

معلوم ہوتی ہے۔ حالیہ دنوں میں میرے مالی و سماجی مسائل سامنے آئے ہیں۔

”ہم ادر ادر کی باتوں میں الجھے رہے تو جب تک کر لڑ پڑیں گے ہمیں کام کی باتیں کہنی چاہئیں۔“ میں نے اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

ہوتی ہیں؟“ تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تمہاری اصل مصروفیات کیا ہیں۔ تمہیں فری لانسر ہوں۔ اپنا شکار خود کرتا ہوں اور موج اڑاتا ہوں۔



”میں نہیں جانتا کہ تم کن باتوں کو معقول اور کن کو نامعقول سمجھتے ہو۔“ میں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ ”سب سے پہلے دیر کی آزادی ضروری ہے۔ ہماری بات سن گئی تو وہ بھی میرے ساتھ کام کرے گی۔ وہ ہمارے لئے غیر متوقع کامیابیوں کے دروازے کھول سکتی ہے۔“

”اس مرحلے پر یہ شرط نامناسب ہے۔“ اس نے احتجاج کیا۔ ”مناسب وقت آنے پر اس بارے میں بھی بات کی جاسکتی ہے اس وقت تک وہ میری مسمان رہے گی۔“

”پھر بات ختم۔“ میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ”دلوں میں کینہ پال کر طے کی جانے والی شراکتیں ہمیشہ تباہی سے دوچار ہوتی ہیں۔ میں اپنی سادہ کو خطرے میں ڈالنے کی حماقت نہیں کروں گا۔“

”فی الحال کوئی درمیانی راہ نکالی جاسکتی ہے۔“ وہ مجھے سنانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ”تم اپنی دوسری شرط بھی بتاؤ ورنہ دونوں معاملات پر ایک ساتھ بات کی جاسکتی۔“

”تم نے پہلی شرط کو مسترد کر کے پیش رفت کے امکانات ختم کدیے ہیں۔“ میں نے اس کی طرف سے پیش کی گئی درمیانی راہ والی تجویز کو یکسر نظر انداز کر کے رکھائی سے کہا۔

”میں نے سمجھا کہ ہم کوئی درمیانی راہ نکال لیں گے۔“ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ”کوئی قابل عمل سمجھوتہ ہونے کے بعد اسے مکمل آزادی بھی مل جائے گی۔“

”ذرا مکمل کر بات کرو۔ تمہاری بات بہت مبہم ہے۔“ میں نے کہا۔

”ذرا کرات شروع کرنے سے پہلے میں دیر سے تمہاری ملاقات کرادوں گا۔ فی الحال میں اپنی نیک نیتی کا اس سے برا ثبوت نہیں دے سکتا۔ اگر مذاکرات کامیاب رہے ہیں تو دیر آزاد ہو جائے گی۔ لیکن تم نے ابھی تک اپنی دوسری شرط کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔“

”مذاکرات میں تمہارے اس تیسرے ساتھی کی موجودگی بھی ضروری ہے جو کسی کے سامنے نہیں آتا۔ بیسویں صدی میں ایسے پردہ نشین مردوں کا وجود مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔“

”وہ نہیں مانے گا۔“ ایلین بے بسی سے بولا۔ ”وہ دیے بھی ہمارے کاروبار میں حصے دار نہیں ہوگا۔“

”حصے دار ہو یا نہ ہو، وہ تمہارا اتنا قریبی ساتھی ہے کہ اس برس وقت میں بھی یہاں موجود ہے۔ تم اسے مذاکرات میں شریک نہ کرو پھر بھی میں اسے دیکھنا ضرور چاہوں گا۔“

”میں پوچھ لوں گا لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے سامنے آنے پر راضی نہیں ہوگا۔“

”اے راضی کرنا تمہارا دوسرا سر ہے۔ وہ پولیس والوں سے مل چکا ہے پھر اسے میرا سامنا کرنے میں کیا عذر ہے؟ اگر وہ انکار ہو تو صدی کا کوئی غائب پوش مجرم ہے تو تعاقب لگا کر میرے سامنے آسکتا

لہجے میں ایک عجیب سوال کر ڈالا۔ ”شاید تم کراچی ہی کے رہنے والے ہو؟“

”لاہور میری جنم بھومی ہے۔“ میں نے بھولے ہوئے ماضی کی یاد آواز کرتے ہوئے کہا۔ ”جب میرے لئے وہاں روزی کمانے اور زندہ رہنے کے راستے ایک ایک کر کے بند ہونے لگے تو میں کراچی چلا آیا۔ اس غریب پرورش شدہ شخص نے مجھے پناہ کے ساتھ ساتھ وہ عزت بھی دی کہ لوگ میرے نام کو مثال کے طور پر استعمال کرنے لگے یہ عزت کسی کسی کو ہی نصیب ہوتی ہے۔“

”میرے پاس دو پیشکشیں ہیں۔ ایک عارضی اور دوسری مستقل۔“ وہ آگے جھک کر میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔ ”امریکن لابی تمہاری خدمات حاصل کرنے کی متقاضی ہے۔ وہ حماز آرائی کے خاتمے کے لئے جس میں منہ مانگا معاوضہ دینے پر رضامند ہیں۔ دوسرا کام میرا اپنا ہے۔ ابھی تم نے باتوں ہی باتوں میں سولہ سترہ نین بیروٹ کی قیمت میں کوڑے لگ بھگ بتائی تھی۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ پاکستان میں افیم کی اتنی زیادہ پیداوار نہیں ہوتی۔ افغانستان سے تیار شدہ بیروٹ کے علاوہ خام افیم بھی یہاں لائی جاتی ہے۔۔۔ ایسیٹک این بائیزرٹ بھارت سے اسکل ہوتا ہے مگر پھر بھی مکمل منڈی میں بیروٹ بہت سستی ہے۔ باہر تیار ہزار روپے کلومیں مال جمع کر کے ہم چند مہینوں میں ارب پتی ہو سکتے ہیں۔ تم یہاں کام سنبھالو گے، میں باہر مال کی نکاسی کروں گا۔ منافع میں ہمارا برابر کا حصہ ہوگا۔“

اسے اپنی چال میں پھانسنے کے لئے میں نے گہری سوچ میں ڈوب جانے کی اداکاری شروع کر دی۔ وہ امید اور اضطراب کے عالم میں میرے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔ آخر میں نے چال طے کا فیصلہ کر لی۔ ”تمہاری پہلی تجویز ناقابل قبول ہے۔ امریکن بھی بھی قابل اعتماد دوست ثابت نہیں ہوتے۔ یہ لوگ اپنے مفادات کے لئے اپنے ہی آدمیوں کو قربانی کا بکرا بنا دیتے ہیں تو مجھے کب چھوڑیں گے۔ ابھی انہوں نے میری بولی لگائی ہے کیونکہ میں ان کے لئے ڈراؤنا خواب بن گیا ہوں۔ جب میں ان کے چنگل میں پھنس جاؤں گا تو وہ کسی بھی دن میری گردن مار دیں گے۔ یہ سودا مجھے قطعی منظور نہیں ہے۔ ہاں، تمہاری تجویز پر بات کی جاسکتی ہے مگر اس کے لئے میری دو شرائط ہیں۔“

”میں تمہاری ہر معقول شرط مان لوں گا۔ یوں سمجھو کہ ہم اب تک کی گفتگوں کو بھلا کر ایک نئی شراکت کا آغاز کریں گے جس کی بنیاد باہمی اعتماد اور دوا داری پر ہوگی۔“

میں دل ہی دل میں اس کی مکاری پر ہنس دیا۔ میں نے اس احمق سے یہ نہیں پوچھا کہ میرے ساتھ کالے دھندے کا آغاز کرنے کے بعد وہ امریکنوں اور راس الیڈا سے کئے ہوئے وعدے کا کیا کرے گا۔ شاید وہ خبیث بھی میری ہی طرح کوئی دہری چال چل رہا تھا۔

## علم پنازم پر ایک نئی کتاب

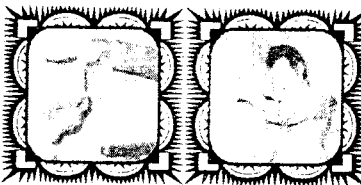
جسے ایک ماہر پنازم نے تحریر کیا ہے

باصور

## پنازم کی جدید تحقیقات

بت 60 روپے • ڈاک خرچ 23 روپے

اردو زبان کی پہلی کتاب جس میں اس  
حقل کی حقیقی تصاویر بھی دی گئی ہیں



- پنازم کے بارے میں آج تک کی تمام تحقیقات کا مجموعہ
- جدید طریقے اور مشقیں
- پنازم کی مشقوں کیلئے مکمل لائحہ عمل اور پورا پروگرام
- بے شمار سوالات کے جواب
- پنازم کے موضوع پر ایک مکمل اور مستند کتاب جس میں مصنف کے ذاتی تجربے بھی شامل ہیں

ارتکا ز توجہ کیلئے سیاہ دائرہ  
اور مشقوں کو سمجھنے کیلئے

حقیقی تصاویر

طریقہ کتابت کا نمونہ

مکتبہ تحفہ نسیمات

پتہ: 7-2009 کراچی

فون: 2802222-2802223

کس: 28021

میں نے ایلن کا باپ ساندہ روئے عمل دیکھتے ہوئے اپنی شرط میں  
پڑا کر دی۔  
خبر ان مانو تو میں بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ "ایلن نے آہستگی  
کہا۔

میرا خیال ہے کہ اب تمہیں بھی بولنے کا حق استعمال کرنا  
پڑے گا۔  
میں ہنسنے لگا کہ آہستی پناپ استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارا خیال  
بدرست تھا۔ اس آلے کا سیاہ بنن آن کیا جائے تو یہ بارود کا  
خاکہ کر بیکٹل دینے لگتا ہے اور سرخ بنن آن کیا جائے تو یہ  
پتہ کن ٹائم بم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسے کہیں بھی پھینک  
دے تو یہ صرف تیس سیکنڈ کے بعد پھٹ کر تباہی پھیلا دیتا ہے۔  
اس کے ذریعے تمہارا تھملا چیک کرنا چاہتا ہوں۔"

میں سچ انداز میں ہنس پڑا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تمہیں  
بے دعوے پر شبہ ہے۔ چلو تم بھی اپنا ارمان پورا کرو لیکن اس  
بعد یہ آہستی ڈنڈا میرا ہو جائے گا۔ مجھے نت بے بارودی شعبہ  
لے کر کاوش ہے۔ غالباً یہ امریکا کا کیا ہوا ہے۔"

ہمارے درمیان تناؤ اور سرو سر میں مٹی کی کافی حد تک کی آہستگی  
میں اپنا کھیل کھیل رہا تھا اور ایلن شاید یہ اس لگائے ہوئے  
لہ میری نظر ثانی شدہ شرائط پر عمل کر کے وہ مجھ سے دوستی کا  
وہ کرے گا اور مجھے کارڈیو سوچ الگ کرنے پر آمادہ کرنے کی  
فلسفہ کرے گا۔ اس مصیبت سے نجات پاتے ہی وہ ہم دونوں پر  
اے کہ وہ اپنے کھول سکتا تھا۔

وہ تھکا دینے والی سرد اعصابی جنگ تھی۔ میں ایلن کا ذہن پڑھ  
تھا۔ میرا خیال تھا کہ ایلن میرے عزائم پوری طرح نہیں سمجھتا  
تھا اور اس زعم میں جلتا تھا کہ وہ ایک قیدی بنا کر اس نے مجھے  
یہ طرح بے بس کر دیا تھا اور میں اپنی جان کا خطرہ مول لے کر  
اس کے ممکن میں جا گھسا تھا۔

ہیڑنے اپنی ہیلت سے ایک چری تھے کے ذریعے لٹکا ہوا سیاہ  
لٹا پناپ اتار تو میرے ساتھ سلطان شاہ بھی پوری توجہ سے اس  
جانب مگراں تھا۔

ہیڑنے وہ وزنی پناپ اتار کر چری تھے کے نیچے لگے ہوئے سیاہ  
لوہے کے سرکا کے جون ہی پناپ کا ہاندہ چاول اور چینی کے تھیلے کی  
ٹرب کیا پناپ میں سے تیز بیپ کی آواز ابھرنے لگی۔ اس آلے  
نے سلطان شاہ کے تھیلے میں دستی بم موجود تھے۔ ہم دونوں کی  
مٹی بھی غالی نہیں تھیں۔ ان میں چند دستی بم اور بارودی سرنگوں  
ساتھ گولیاں بھی موجود تھیں۔

ہیڑنے تیزی سے پناپ کا رخ بدل بدل کر ہم دونوں کا بھی  
نہ لے ڈالا۔ اس آلے سے ابھرنے والے بیپ کھٹل سن کر  
ان کے ہٹے پر باؤسی پھیل گئی۔ ہیڑنے سیاہ بنن کو واپس سر کا یا  
دھڑکا پناپ میری طرف بڑھا دیا۔ پناپ نما آلہ واقعی کافی وزنی

تھا۔

”تم ہمیں بخیر، میں اپنے تیرے ساتھی سے تمہاری شرط پر بات کر کے آتا ہوں۔“ چند ثانیوں کے بعد ایلن نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”تمہیں کیسے جانے کی ضرورت نہیں۔“ میں نے فوراً ہی اسے روک دیا۔ ”میں پیچھے والے نیم تاریک کمرے میں کافی دیر سے کسی کی موجودگی محسوس کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے تم یہیں بیٹھے بیٹھے اپنے ساتھی سے بات کر سکتے ہو۔ وہ اس کمرے میں چھپ کر شاید ہماری ساری گفتگو سنتا رہا ہے۔“

”ہیلو راجا! تم میری آواز سن رہے ہو؟“ ایلن نے پچھلے کمرے کی طرف گردن کھما کر اونچی آواز میں سوال کیا۔ ”میرے مہمان تم سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔“

چند ثانیوں تک سکوت رہا پھر اس کمرے سے وہی دنگ اور گونجی آواز ابھری جو ابتدا میں ہم سے ہکلام ہوئی تھی۔ وہ جھلٹے ہوئے لیجے میں کھ رہا تھا۔ ”تمہارے مہمان بہت مکار اور سازشی ہیں۔ پتا نہیں یہ مجھ سے مل کر کون سا تیرا مارنا چاہتے ہیں۔ میں چند منٹ بعد اپنے کاسٹیوم میں ان کے سامنے آؤں گا اور مل کر وہاں چلا جاؤں گا۔“

”مگر تم کاسٹیوم یا کسی بھی لباس میں آ رہے ہو تو اتنا شرمانے کی کیا ضرورت ہے؟“ میں نے بلند آواز میں بے تکلفی سے کہا اور ان دونوں کے چہرے پر ہنس پڑی جو مجھے جیسے میں نے کوئی بڑی گستاخی کر ڈالی ہو۔ ایلن اپنی انگلی کے بے تابانہ اشاروں سے مجھے خاموش کرانے کی کوشش کر رہا تھا مگر میں اسے نظر انداز کر کے بول رہا۔ ”ہم تمہیں کوئی تیرا ماریں گے، نہ تمہاری آہد خراب کریں گے۔ ہم صرف یہ جانتا چاہتے ہیں کہ ایلن کس قسم کے لوگوں سے میل جول رکھتا ہے۔“

”تم گستاخ اور زبان دراز بھی ہو۔“ نیم تاریک کمرے سے ایک غراہٹ ابھری۔ ”کاش تم ایلن کے مہمان نہ ہوتے پھر میں بتا تا کہ بد زبانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جانا چاہئے۔“

”ہم بن بلائے مہمان ہیں راجا ڈارلنگ!“ میں نے اسے مزید مشتعل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”تم کوئی لحاظ کئے بغیر اپنے دل کی ہمارا نکال سکتے ہو۔ میرا ساتھی کئی دن سے تھوڑی سی جسمانی ورزش کی ضرورت محسوس کر رہا ہے۔ اس کے بھی ہاتھ پیر کھل جائیں گے۔“

اس بار دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ شاید راجر کے نام سے مخاطب کیا جانے والا لباس تبدیل کرنے کے لئے اس کمرے سے چلا گیا تھا۔

”تم نے اس کی سخت بے عزتی کی ہے۔“ ایلن نے اپنے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے، نیچی آواز میں شکوہ کیا۔ ”وہ بہت بڑا آدمی ہے اور ایسے طرزِ خطاب کا عادی نہیں ہے۔ وہ جھگڑا تو پھر ہم کوئی

بات نہیں کر سکیں گے فی الحال میں اسی کا پابند ہوں۔“

میرے ذہن میں فوراً ہی ایک شطرنج سا کونڈ گیا۔ کرل بھی جو زرا اپنے اٹھتے بیٹے کے قتل کی خبر سننے کے بعد سے کتنے کی حالت میں تھا۔ ایلن ان دنوں ڈیوڈ اشارو والے ارب پتی یہودی راس الیڈا کے لئے کام کر رہا تھا۔ ایلن نے کہا تھا کہ راجر کے نام سے مخاطب کیا جانے والا بہت بڑا آدمی ہے۔ وہ اس کے مرتبے کے بارے میں بہت زیادہ پریشان تھا۔ تو کیا راس الیڈا بذاتِ خود کراچی پہنچا ہوا تھا؟

ذہن میں وہ سوال ابھرتے ہی میرے پورے وجود پر سنسنی چھا گئی۔ ایلن کے میدانِ عمل میں اترتے ہی وقت کی بساط پر خوف اور مہموں نے اپنی پڑھول نقل و حرکت شروع کر دی تھی۔

”یہ تمہارا وہم ہے کہ وہ برہم ہو جائے گا۔“ میں نے کہا۔ ”تم اس کے ذر خیر غلام نہیں ہو۔ تمہاری کاروباری سوچ بہت عمدہ ہے۔ وہ زیادہ تجربے دکھائے تو تم اس کی دی ہوئی رقم لوٹا کے کھڑے کھڑے معاہدہ ختم کر سکتے ہو۔ تم چند ہفتوں میں اس سے کہیں زیادہ کما لو گے۔“

”تم اس کی توہین کر کے ویسے ہی میرا دماغ ماؤف کر چکے ہو۔ اب مجھے اس کی طرف سے بھڑکانے کی کوشش مت کرو۔ پیسے لوٹانے سے بڑی بے عزتی ممکن ہی نہیں ہے۔ وہ میرا دشمن ہو گیا تو تمہارے ساتھ میں بھی اس کے خطاب میں آ جاؤں گا۔“

”وہ اتنا ہی بارسوخ ہے تو اس نے تمہاری خدمات کیوں حاصل کی ہیں؟“ میری پوری کوشش تھی کہ اس شخص کے آنے تک میں ایلن کو اکسا کر بولنے پر مجبور کرتا رہوں تاکہ میری معلومات میں اضافہ ہوتا رہے۔ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ میرے اس یقین میں چٹکی آتی جا رہی تھی کہ ایلن کا تیرا ساتھی راس الیڈا تھا جو معاملات کی براہِ راست نگرانی کے لئے نیویارک سے کراچی پہنچا ہوا تھا۔

”اپنے ٹھکانے پر وہ بہت مضبوط اور بارسوخ ہے۔ ملک سے باہر اس کی مجبوریاں آڑے آ رہی ہیں۔“ بولتے بولتے وہ ایک سخت خاموش ہو گیا اور پھر چونک کر بولا۔ ”مہمہم میں تم کو یہ سب کیوں بتا رہا ہوں؟ ابھی تک تم میرے حریف ہی ہو۔ خدا کے لئے، اب میرا دماغ چٹا چلاؤ۔ اور ہاں راجر کے سامنے ذرا اپنی زبان اور گھونڈی پر قابو رکھنا۔“

”کیا اس کا نام واقعی راجر ہے؟“ میں نے معنی خیر لہجے میں سوال کیا۔

وہ مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتا رہا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا۔

میں نے وقت گزرائی کے لئے سگریٹ سٹاکی۔ وہاں واقعات کی پیش رفت خاصی ست تھی لیکن میرے لئے یہ امر باعثِ ملانیت تھا کہ سب کچھ میرے سوچے سمجھے انداز میں ہو رہا تھا کہ

اس طرح منڈھا ہوا تھا کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ چہرے پر منڈھے ہوئے نقاب میں آنکھوں اور ناک کے سامنے جالی لگی ہوئی تھی۔ بدن کے اوپر جسے پرست لباس کے نیچے ہلٹ پروف جیکٹ کے اہرامت نمایاں نظر آ رہے تھے۔ آنے والے کے پیروں میں سیاہ ربر کے جوتے موجود تھے۔

اس پر نظر پڑتے ہی میں اپنی جگہ سے الٹا چلا گیا۔ بقیہ تینوں افراد نے بھی کسی توقف کے بغیر میری تقلید کی۔ نقاب پوش ڈرائنگ روم کے وسط میں آکر رکا اور پھر اس کا رخ میری طرف ہو گیا۔ وہ اپنا داہنا ہاتھ کر کے رکھ کے چند حائلوں تک مجھے گھورتا رہا پھر اپنی دنگ مکر قدر سے خیرزدہ آواز میں بولا۔ ”آپ بتاؤ کہ تم میرے بارے میں کیا کہو اس کر رہے تھے؟“

”میں تم جیسے عقیم آدمی سے ملاقات کا حتمی تھا۔“ میں نے اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے سادگی سے جواب دیا۔ ”میں ان سب باتوں کے لئے محذرت خواہ ہوں۔ ان کا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں تمہیں اتنا اشتغال دلا سکوں کہ تم بٹنا کر یہاں چلے آؤرنہ میں تمہارا مداح ہوں۔“

”تم جوئے ہو۔“ وہ بے اعتباری سے غزلیا۔ ”یہ ہماری پہلی ملاقات ہے۔ تمہیں یہ تک نہیں معلوم کہ میں کون ہوں اور تم میرے مداح ہونے کا دعویٰ کر رہے ہو؟“

”عقیم راس الیڈا کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔“ میں نے سر جھکا کر احترام آمیز لہجے میں کہا اور وہ تینوں ہی میرے ان الفاظ پر یوں اچھل پڑے جیسے ان کے سروں پر بے خبری میں چھوڑ دیں۔ بھری ہوئی نوکری الٹ دی گئی ہو۔

وہ تینوں ہی کچھ کے بغیر بولکھائے ہوئے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے جا رہے تھے۔

”میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔“ نقاب پوش کو مسلسل اپنی طرف گھراں پا کر ایلین بے بسی سے گھٹکیا۔ ”یہ سب اس کی قیاس آرائی ہے۔“

”سٹ اپ!“ نقاب پوش نے گرج کر کہا پھر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ”میرے بارے میں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ تم کس راس الیڈا کی بات کر رہے ہو؟“

ان تینوں کے مشترکہ رد عمل اور پھر ایلین کی وضاحت سے ہر بات دوزخ و شوش کی طرح ظاہر ہو چکی تھی لیکن وہ گجراہٹ میں احتقانہ تردید کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے پوری سنجیدگی سے اسے سمجھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہاری کسی بات کی تردید نہیں کروں گا۔ دراصل میں تمہاری تصویر دیکھ چکا ہوں۔ یہ قد و قامت اور ایسی جسامت لاکھوں میں ایک آدھ آدمی کو نصیب ہوتی ہے۔ تم نے اپنے چہرے کو چست نقاب میں چھپایا ہوا ہے لیکن اس نقاب کے نیچے تمہاری لمبی اور خم دار ناک صاف نظر آ رہی ہے۔ میں نے تمہاری تصویر دیکھتے ہوئے یہ بات خاص طور پر

مجھے توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل ہونے والی تھی۔ میں نے وہاں آتے ہوئے یہ نہیں سوچا تھا کہ واپسی پر ویرا میرے ساتھ ہوگی۔ میں وہاں کچھ بھادی پھیلا کر ایلین کو سرا سیر کرنے کا ارادہ لے کر آیا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ سرا سیرنگی بلکہ دہشت اور مایوسی پھیلائے کے معاملے میں بدوداد کے جلنثار مجھ سے پہلے ہی اپنا بھرپور کام دکھا گئے تھے۔ دوسری اہم بات یہ ہوئی تھی کہ رخ اور مستقائد ماحول میں شروع ہونے والی اس ملاقات نے جو جو مفاہانہ رنگ اختیار کر لیا تھا اور توقع یہ ہو چکی تھی کہ ایلین ہمیں دیر سے بھی ملو اے گا۔ مجھے بس اسی موقع کا انتظار تھا اور میں دلی دل میں اس نادر موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔

”وہنکی کا ایک لارنج جیک میرے احصاب کو احتلال پر لاسکا ہے۔“ ایلین نے طویل خاموشی کے بعد خود کھائی کے انداز میں کہا۔ ”لیکن مصیبت یہ ہے کہ مجھے یہاں سے بچنے کی اجازت نہیں ملے گی۔“

خاموش ہونے کے بعد اس نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا مگر میں پتھر کے کسی بت کی طرح بیٹھا رہا۔ آخر اسے مجھ سے مخاطب ہونا ہی پڑا۔ ”تم مجھے ذرا سی چھوٹ دے سکتے ہو؟“

”تم خود مت سمجھو دار ہو۔ میرے کچھ کے بغیر ہی پوری بات سمجھ چکے ہو۔ میں نے تمہاری شرط پوری کر دی۔ تم دونوں میری شرافت پوری کھو تو ہم ہر معاملے میں برابر کی بات کر سکیں گے۔ فی الحال تو مجھے تمہارے سبکی آقا کی سر سب کچھ وہ اپنے ساتھ لے ہی نہ لے آئے۔“

”میں پھر کہہ رہا ہوں کہ اپنی زبان پر قابو رکھو۔ اس نے تمہاری یہ ہرزہ سرائی سن لی تو وہ اپنی جان کی پروا کئے بغیر تمہارے جسم پر پورا میگکین خالی کر دے گا۔ کیوں اپنے ساتھ ہمیں بھی ہوائے پرتے ہوئے ہو؟“ اس وقت وہ واضح طور پر سہا ہوا نظر آ رہا تھا۔

”اگر وہ اس حد تک خوشامد پسند ہے تو تم دیکھنا کہ میں کس طرح اس کی چال چوسی کرتا ہوں۔ وہ اپنے آپ کو اپنا باپ نہ سمجھنے لگے تو میرا نام بدل دیتا۔“

”اب تم کوئی نیا گل کھلاؤ گے۔“ وہ بے بسی سے بولا۔ ”تمہیں اس سے لڑنے کی ضرورت ہے، نہ اس کی خوشامد کرنی ہے نہ تمہاری قربانیش پر آ رہا ہے بلکہ یہ تمہاری ضد تھی۔“

ایلین نے بولتے بولتے اپنا منہ بند کر لیا کیونکہ اندرونی کمرے میں بے آواز جوتوں کی ہلکی سی دھک ستانی دے رہی تھی۔ چند ہی لمحوں میں ایک کراں ذیل اور قد آور نقاب پوش ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ اس کے سر سے ہر تک پورے جسم پر چست سیاہ لباس

نوٹ کی تھی کہ تمہاری ناک آگے سے طوطے کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی ہے یا غم دار ہے۔  
”راس الیڈا کی تصویر تمہیں کہاں سے مل گئی؟“ اس نے دونوں ہاتھ اپنی پشت پر باندھ کر کھٹکتے ہوئے پوچھا۔ ”مجھے حیرت ہے کہ پاکستان جیسے متعصب ملک میں راس الیڈا کی تصویر پائی جاتی ہے۔“

میں نے تصویر کی آڑ لے کر فی البدیہہ جو کچھ کہا، وہ میرے اسی وقت کے مشاہدے پر مبنی تھا ورنہ وہ پوری کہانی ہی بے بنیاد تھی۔ اس کے استفسار پر مجھے مزید بحث کا سہارا لیتے ہوئے کہنا پڑا۔ ”کچھ عرصے پہلے کرٹل جیسی جونز کا اکلوتا بیٹا بل جونز ایک اور امریکن کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ بل مجھ سے مل بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کی ایک چھوٹی سی یادگاری البم میں تمہاری بہت شاندار اور رنگین تصویر موجود تھی۔ جب میں نے اس تصویر کی تعریف کی تو بل نے پہلی بار تمہارا نام لے کر مجھے بہت کچھ بتایا۔ اسی وقت سے میرے دل میں تم سے ملنے کی آرزو پروان چڑھ رہی تھی۔“

”جب تک میں تمہارے سامنے نہیں آیا تھا، تم کیا سمجھ کر مجھے اشتعال دلارہے تھے؟“

”الین ایک خود سر آدی ہے۔ یہ آج کل تمہارے لئے کام کر رہا ہے۔ یہ تمہارا جتنا زیادہ احترام کر رہا تھا، اس کی بنا پر مجھے شبہ ہو گیا کہ تم یہاں آئے ہوئے ہو۔“

”بل جونز کا البم اب کہاں ہے؟“ راس الیڈا کی آواز سے فکر مندی حشر تھی۔ ”جنونی مسلمانوں کے غیر متوقع رد عمل کی وجہ سے میں ہمیشہ پس منظر میں رہتا ہوں۔ ٹی وی اور اخبارات میں میری کوئی تصویر نہیں آتی۔ میں اس بارے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتا ہوں پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بل کے پاس میری تصویر کہاں سے آگئی۔ میں تو کبھی اس سے ملا بھی نہیں تھا۔“

”مجھے البم کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ بل اسے اپنی جیب میں لئے پھرتا تھا۔“

”ہو سکتا ہے کہ اسے وہ تصویر اپنے باپ سے ملی ہو۔ کرٹل جیسی جونز تو تمہارے ہم عصروں میں شامل ہے اور شاید تمہارے لئے کام بھی کرتا رہا ہے۔“ الین نے اس کی مشکل آسان کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”ایسی تصاویر کبھی نہ کبھی انسان کے کام آئی جاتی ہیں۔“

”میری وہ تصویر غلط ہاتھوں میں چلی گئی تو بڑی دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ پاکستانی دیسے بھی ہر یہودی سے نفرت میں فلسطینیوں تک سے آگے ہیں۔“

”یہ ہمارے دشمنوں کا پروپیگنڈا ہے۔“ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے پوری سنجیدگی سے کہا۔ ”پاکستان بلکہ اسی کراچی میں ہزاروں یہودی رہتے ہیں اور ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا۔“

پارسیوں کے بعد وہ یہاں کی دوسری معتظم ترین اقلیت میں شمار ہوتے ہیں۔ یہاں نفرت نسل پرستی اور تعصب سے کی جاتی ہے اس میں یہودیوں کی خصوصیت نہیں ہے۔ جنوبی افریقہ میں نسل پرست مکران برسرِ اقتدار تھے تو پاکستانی ان کی بھی شدید مخالفت کرتے تھے۔

”میرے لئے یہ حیرت ناک انکشاف ہے۔ ابلاغ عامرے سارے عالمی ادارے پاکستان کو اسرائیل کا بدترین دشمن قرار دیتے ہیں۔ یہودیوں کے خلاف ہر تحریک میں کہیں نہ کہیں پاکستان ضرور ملوث ہوتا ہے لیکن تم کچھ اور بتا رہے ہو۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے ایک چالیس سالین کو تمہاری جاس نے جیب میں ڈال دیا۔ ”اس کے برعکس یہاں اقلیتوں کے سرپرست اور غیر خواہم پائے جاتے ہیں۔ شاید تم نے انرپورٹ سے آتے ہوئے وہ ڈاکٹر ستاہ دیکھا ہو گا جو ہر ایک کے سر پر سایہ نگین ہے۔ جب انرپورٹ اور اس سے ملحق راستوں کی توسیع اور ترمیم کا سلسلہ شروع ہوا اس مقدس ستارے کا انہدام یعنی ہو گیا تھا لیکن اس قدم اور مقدس یادگار کو انہدام سے بچانے کے لئے انرپورٹ کے لئے دوسری جگہ کا انتخاب کر لیا گیا۔ وہ ستاہ آج بھی یوں ہی سر ہل رہے ہیں۔“

”ہاں۔۔۔ مجھے وہ نمایاں یادگار خاص طور سے دکھائی گئی تھی۔“ اس نے اعتراف کیا۔ ”سنی سنائی بائیس عام طور سے گرام کن ثابت ہوتی ہیں۔ میں نے تمہارے بارے میں بھی لرنز جن کسانیاں سن رکھی ہیں لیکن تم ایک ہوش مند اور معقول آدمی نظر رہے ہو۔ تمہاری اور الین کی مفاہمت آگے چل کر انقلاب تبدیلیوں کی بنیاد بن سکتی ہے۔“

”اس کا انحصار الین کی نیک نیتی پر ہو گا۔“ میں نے معنی بخوبی سمجھ میں کیا۔

”میں نے اپنی حد تک تمہاری شرط پوری کر دی ہے اور یہاں میری ضرورت نہیں ہے۔ تم الین کے ساتھ اپنے باقی معاملات طے کر سکتے ہو۔“

”تم ہمارے ساتھ موجود رہتے تو بہتر ہوتا۔ اگر تمہیں اس چست لباس میں الجھن ہو رہی ہے تو تم لباس بدل کر آ سکتے ہو۔ میں نے بہت محنت اور معصومانہ لہجے میں کہا۔

”کیا خرافات تک رہے ہو؟“ وہ ہنستا کر بولا۔ ”میں اپنے اصولوں سے ہرگز انحراف نہیں کرتا۔ میرے ساتھ زیادہ عرصہ دکھانے کی کوشش کی تو میں ابھی تمہارا داغ درست کر دوں گا۔“ مجھے جو چالاکیاں دکھائی تھیں، وہ میں دکھا چکا تھا۔ الین طاقت اور تیز ترین سرگرمیوں کا سبب بھی سامنے آ گیا تھا۔ راس الیڈا میسا مضبوط شخص اس کی مدد کو نہ پہنچا ہوا تو شاید اس کی کارکردگی میں غیر معمولی اضافہ نہ ہو پاتا۔ میرے دشمنوں فہرست میں مزید ایک خطرناک نام کا اضافہ ہو چکا تھا۔

مذاکرات ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ میرے خون کا پیا سا ہونے کے باوجود مجھے متعید دیر اسے ملائے پر آمادہ ہو گیا تھا۔  
تھوڑی سی ٹھکار کے بعد ہم چاروں اس مکان کے اندرونی حصے کی طرف بڑھنے لگے۔

اندر سے مکان خالی اور دیر ان پڑا ہوا تھا۔ ہم مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے ایک تنگ راہ داری میں پہنچ گئے جہاں چھوٹی سی جگہ میں تین مضبوط چوبی دروازے مشعل تھے۔

ان میں سے ایک دروازہ عمارت سے نکاسی کے لئے استعمال کیا جاسکتا تھا۔ بقیدہ دروازے نیچے اور اوپر جانے والے زنیوں کے سرے پر موجود تھے۔ ایلن نے وہاں پھیلی ہوئی ناکالی روشنی میں اضافہ کرنے کے لئے ایک بلب آن کر کے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کا ہاتھ باہر نکلا تو اس میں ایک چابی کے ساتھ ہی سیاہ رنگ کا بھاری رپو الوری بھی موجود تھا۔

”یہ کیا حرکت ہے؟“ میں نے چونک کر اس سے سوال کیا۔  
”اصول کی بات ہے۔ تمہاری اور دیر کی ملاقات ختم ہونے تک میں مسلح اور تیار رہنا چاہتا ہوں۔“ وہ طنزیہ حیرانے میں بولا۔  
”یہ اصول پرستی تم ہی نے مجھے سکھائی ہے۔“

وہ دروازے کا بعضی قفل کھول کر سیلن زدہ زنیوں پر اترا تو میں اس کے پیچھے تھا۔ میرے پیچھے سلطان شاہ اور آخر میں پیٹر چلا آ رہا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے الجھتے رہے تھے۔

زنیوں کے اختتام پر ایلن نے اسی چابی سے دوسرا بند دروازہ کھولا اور ہمارے اندر جانے کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ یہ خانے کی چھت سے لٹکا ہوا بلب اس وسیع کباڑ خانے میں پھیلا ہوا اندھیرا دور کرنے میں ناکام تھا۔ اس وسیع کمرے کے ایک حصے میں پرانے فرنیچر اور دوسری حُرورک اشیا کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ دور افتادہ حصے میں ایک مسمری پڑی ہوئی تھی جس پر دیر ابے دست دبا پڑی ہوئی تھی۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے میں دیر کے چہرے کا تفصیلی جائزہ نہیں لے سکا لیکن میں نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی حالت خاصی اتر تھی اور وہ بولنے سے بھی قاصر تھی۔

میرے آگے نہ بڑھنے پر ایلن نے مجھے ٹوکا۔ ”تم دیر کے پاس کیوں نہیں جاتے؟ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم اسے دیکھتے ہی دوڑ کر اس سے لپٹ جاؤ گے۔“

دیر اگو دیکھ لینے کے بعد میرا الجھہ خیر ارادی طور پر بدل گیا۔ میں نے درشت آواز میں کہا۔ ”دیر کے ساتھ ہمیں بھی اس قید خانے میں منتقل کرنے کا خیال ذہن سے نکال دو اور ہمارے ساتھ اندر چلو۔“

اپنی بات پوری کرنے سے پہلے ہی میں نے ایلن کی کلائی پکڑی اور اسے اپنے ساتھ لے کر اندر داخل ہو گیا۔ ان دونوں کو پیٹھ کی طرف سے ایک دوسرے سے مشورہ کرنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔

مونٹ کے سوداگر [14]

تصویر ہی ہوتی ہے۔“ اس الیڈا واپسی کے لئے ہونے بھاننا لےجے میں بولا۔ ”چنانچہ وہ حرام زادہ بل جونز س زانے کی تصویر کی نمائش کرتا پھر رہا تھا۔ محض اس پرچہ سے میں تم کو اپنے اصول سے مستثنیٰ نہیں کر سکتا۔“ میں سمجھتا ہوں۔“ میں نے جلدی سے کہا۔ ”یہ ایک اتفاق میں نے تمہارے چہرے پر غائب ہونے کے باوجود تمہیں یاد دہانہ ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ یا شاید بالکل ہی نہ ہوتا۔“

ڈورڈا تنگ دم سے چلا گیا تو ایلن ایک گمراہ سانس لے کر کی پشت گاہ سے تنگ گیا اور آنکھیں موند کر بولا۔ ”خدا کا کہ یہ مرحلہ خیریت سے گزر گیا۔ تم کسی داری کی طرح پل روپ بدلے ہو ورنہ وہ اپنی شناخت پر آپے سے باہر بھی ہو جاتا۔“

میں نے کوئی روپ نہیں بدلا۔ ”میں نے منجیدگی سے کہا۔“ میں نے اس سے وہی کچھ کہا ہے جو میرے دل میں تھا۔ میں طے مانتا نہیں ہوں۔“  
”پھر تم اس کے آنے سے پہلے اس کے بارے میں ذہن کیوں کرتے تھے؟“

اس کا سامنا ہونے تک میرے وہی جذبات تھے۔ اب تم باتوں میں وقت برباد مت کرو۔ میری دوسری شرط پوری کر لو کی بات نہیں ہو سکے گی۔“

دیر اسے صرف تمہاری ملاقات کرائی جائے گی۔“ وہ سوچتے بولا۔

سلطان شاہ میرے ساتھ ہو گا کیونکہ بارودی تھیلا اسی کو لے گا۔“  
”کیا بارودی تھیلا بھی تمہارے ساتھ جائے گا؟“ وہ حیرت میں پوچھ پڑا۔

”ظاہر ہے۔“ میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ”ویسے کارڈیو ریج ایک کلو میٹر ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ ٹکنکٹ کی ڈیویو کی وجہ سے اس کی کارڈیو میٹاثر ہو۔ دیر اس میں ہو گیا کہیں اور۔ یہ یہ تھیلا ہمارے ساتھ رہے گا۔ یہ مل بات ہے۔ ہمیں اس سے اتفاق ہونا چاہئے۔“

محض اوقات تم سامنے والے کو زنج کر دینے پر قتل جاتے اسی عمارت کے یہ خانے میں ہے جہاں دروازے کے سوا کچھ نہ ان تک نہیں ہے۔“ وہ بولا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ تم میرے اوپر اعتبار نہیں کر رہے ہو۔ یہ کوئی اچھی بات ہے۔“

اندازہ تھا کہ میں ایلن کے ساتھ پڑھنے فکرمیں کافی وقت لے لے گا لیکن اسے اپنے ذہب پر لانے کے لئے وہ محنت ناگزیر ملے باقی ہی باتوں میں اس سے بہت کچھ اگوا لیا تھا۔ یہ

جولان تھا، وہ اہلین کے ذہن میں محفوظ تھا۔ اس کے بے بس ہوتے ہی پیر بھی اندر آیا۔

سلطان شاہ نے اپنا تھیلا فرنیچر کے ڈھیر کے پاس رکھ دیا اور میرے ہاتھ سے آہنی پائپ لے لیا۔

یہ خانے میں اس قدر جس اور حقن تھا جیسے اسے برسوں بعد کھولا گیا ہو۔ دیر کے ہاتھ اور پیر رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے اور دہانے پر چوڑا نیپ اتنی مضبوطی سے چکا ہوا تھا کہ وہ کوئی آواز نہیں نکال سکتی تھی۔ اس کی داہنی آنکھ کے نیچے نیل کا نشان تھا، چہرے پر بھی دم نظر آ رہا تھا کہ میں نے یہ چیز خاص طور پر نوٹ کی کہ بسزگی چادر زیادہ چمن آلود نہیں تھی۔ مجھے دیکھ کر حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

اگر دروازے سارا وقت اسی حالت میں اس مسمیٰ پر گزارا ہوتا تو چادر کی حالت ابتر ہو چکی ہوتی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اسے کچھ ہی دیر پہلے اس بسز پر پھینک دیا گیا تھا۔ وہ حرکت صرف اور صرف راس الیڈا کی ہو سکتی تھی۔ اگر وہ لوگ کسی تھیر سے ہم تیاروں کو اس یہ خانے میں بند کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں دردناک موت سے نہیں بچا سکتی تھی۔ یہ خانے کو آگ دکھا کر وہ کرائے کے اس مکان سے غائب ہو جاتے اور ہمیں صیباک شعلوں میں فرار کی کئی راہ نہ ملتی۔ جہانگیر کی ٹیکسٹی اور پرانی قیام گاہ کو آگ لگا کر اہلین دو بار اپنی آنکھیں غمازی کا مظاہرہ کر چکا تھا۔

یہ سب بیک وقت اور اتنی تیزی سے ہوا کہ ہوتا ہی چلا گیا۔ اہلین اپنی کلائی آزاد کرانے کے لئے زور آزائی کر رہا تھا لیکن جسمانی طور پر وہ مجھ سے خاصا کم تر تھا۔ اپنی کوششوں میں ناکام ہونے کے بعد اس نے بوکلاہٹ میں جھٹ کی طرف تازہ جھونک مارا اور سب بری طرح اچھل پڑے۔

یہ خانے کی محدود فضا میں بڑے پور کے دیوالوری کی آواز کسی ہم کے دھماکے کی طرح گونجی تھی۔

”ہاتھ چھوڑو۔۔۔ میرا ہاتھ چھوڑو۔“ اہلین بانپتے ہوئے غرایا۔

”تم میرے ساتھ بد تیزی کر رہے ہو۔“

میں دیکھ چکا تھا کہ دیر کے ہاتھ پر ضرور بندھے ہوئے تھے لیکن اسے کسی اور چیز سے نہیں باندھا گیا تھا۔ میں نے اہلین کو زور سے ایک طرف دھکا دے کر اس کی کلائی چھوڑ دی۔

وہ منقلاٹ بٹکا ہوا پتھر فرش پر جا کر۔ اسی لمبے پیر کی چھٹی جس جاگ اٹھی۔ گڑبڑ کے آغاز کا اندازہ کرتے ہی اس نے اپنے ہسپتال یا دیوالوری کی ٹال مار کھٹ میں لگا ہوا بالب توڑ دیا۔ ہلکے سے دھماکے کے ساتھ یہ خانے میں گہری تاریکی پھیل گئی اور چند ثانیوں کے لئے کچھ بھی نظر نہیں آ سکا۔

بند یہ خانے میں محمور اندھیرا تھا۔ بس نیلیوں والی ست سے روشنی کا ایک ناگانی مستطیل فرش پر پڑ رہا تھا۔

”قازم ت کرنا۔“ اندھیرا ہوتے ہی اہلین حج راہ گھبرا گیا تو ہم سب بھی اس کے ساتھ لپے میں دفن ہو جا کر کھسکا بھاگو۔ ہم انہیں نہیں ملا دیں گے۔“

دوڑتے ہوئے قدموں کی چاپ کے ساتھ جھولتی ایکسٹریوشن مستطیل میں سے گزر کر زینوں کی طرف بڑھا، جس نے جیب سے ایک ہلکا ہنگام نکال کر ادھر اچھال دیا۔ ہم کرتے کرتے دھماکے سے پھرا اور دھومیں کے سیاہ بادل اس روشن مستطیل نکل گئے۔ دھماکے کی وجہ سے پیرا بندائی زینوں پر گر کر چٹا ہوا اس پر شدید کھانسی کا دھو پڑ گیا۔

پھر اہلین بھی شاید کسی چپائے کی طرح وہاں سے نکل پھا اس بار سلطان شاہ نے کیے بھڑکے دھماکے کے تھکے تھے لیکن دھوم کے کثیف بادل کی وجہ سے نشانہ خطا کی البتہ پیر جیوں سے کوا کی آوازیں آ رہی تھیں۔

میں نے جب گرد دیر کے ہاتھ پھول کو ٹھلا اور پھرائے ہی جھٹکے میں اپنے کندھے سے ہلا دیا۔

”دھومیں یا بے ہوئی والے دستی ہم پھینکو۔“ میں نے زور پھینچوں میں پیدا ہونے والی خراش کو بروا پٹ کرتے ہوئے ”اگر سانس روک کر نکل بھاگو۔“

اس بھاگ دوڑ اور افراتفری میں گولیوں کے نشانے بار بار نہیں کیا جاسکتا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ وہ دھومیں میں پھنس کر ذرا سی دیر میں پھولوں کی طرح تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔

”کیا ہو رہا ہے؟“ اوپر سے راس الیڈا کی بارعب آواز دی۔

”بھاگو، وہ موڈی گیس کے ہم پیچھتے ہوئے آ رہے ہیں شدید کھانسی کے درمیان اہلین کی کراہتی ہوئی آواز سنائی دی۔“

یہ زیادہ دور نہیں تھا۔

غصہ یہ تھا کہ سراب کو ٹھ سے حاصل کئے ہوئے ان بموں کی ساخت ناکارہ تھی۔ ان میں سے خارج ہونے والی تھ وہ گیسیں بچے پھیلنے کے بجائے اوپر پیر جیوں میں گھس رہی اور یہ خانے کی بند فضا میں ان کے اثرات بہت کم محسوس رہتے تھے۔

”میں نے دیر کو اٹھالیا ہے۔ تم سانس روک کر پڑے کر جاؤ میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔ ان سب کو پھینک دے۔“ دستی ہم پیچھتے چلے جاؤ۔ ”میں نے سرگوشیاں لیے ہیں شاہ کو ہراساں ہوئی۔“ اس وقت ان لوگوں سے اچھے کے ہمیں جلد از جلد اس خطرناک عمارت سے نکل جانے کی کوئی چارہ نہ نظر آ رہا تھا۔ ہاتھ پائپ کو ہم میں تھمائی اندر پیچھک دیتا۔“

سلطان شاہ نے تیزی سے زینوں پر دوڑ لگا دی۔ اس وقت وہ لوگ زینوں سے راہ داری میں نکل چکے تھے اور انہوں نے

والا دروازہ قفل کر دیا تھا۔

اور ایک طرف دوڑ پڑا کیونکہ سلطان شاہ نے میری صورت پہ  
یہ آہنی پائپ پوری قوت سے راہداری میں پھینک دیا تھا۔  
ہم اپنی اس کارروائی کا نتیجہ دیکھنے کے لئے وہاں تھے۔  
بلکہ اسی پچھلے گیت کی طرف بھاگتے رہے جس کے ذریعے ہم  
داخل ہوئے تھے۔

”میرے ہاتھ یہ تو کھول دو۔“ دیر! میرے کندھے پر  
منٹائی تازہ ہوا میں آنے کے بعد اس کے شخص پر غاصخ  
اثر پڑا تھا۔ ”تم کب تک مجھے اٹھا کر دوڑتے رہو گے۔“

”اس وقت ہم رکے تو مارے جائیں۔“ میں اپنا ہتھ  
نہیں کر سکا۔ ایک ہولناک دھماکے سے زمین لرزا غمی اور  
سیت زمین بوس ہوتا چلا گیا۔ اس عمارت کا ایک حصہ  
چکا تھا اور وہاں سے گرد و غبار اُٹھ رہا تھا۔  
اوپر اٹھ رہا تھا۔

میں وقت ضائع کئے بغیر ویرا کی بندشیں کھولنے میں  
ہو گیا۔ چند سیکنڈ میں ویرا اپنے قدموں پر کھڑی ہو چکی تھی  
تینوں دوڑتے ہوئے گیت سے عقبی گلی میں نکل گئے۔

وہ سرے کا مکان تھا اس وجہ سے گلی کا دوسرا سرا  
عقبی گلی میں پہنچنے کے بعد ہم بہت سرعت سے سڑک پر آئے  
وقت تک دھماکے سے خوفزدہ ہو کر ہیرے لوگ خوف و ہراس  
عالم میں دفاتر اور گھروں سے نکل آئے تھے۔ ان میں سے  
بھی ہم تینوں پر زیادہ توجہ نہیں دی اور ہم میں روز پر نکلے  
گلیوں میں گھوم کر پیش قدمی کرتے رہے۔

”غزالہ ناراض ہوگی۔ میں جاہل اور چینی کا تھپلا۔“  
میں ہی حضور آیا تھا۔ ”اچانک سلطان شاہ ہولا۔“

”مفتول باہمیں مت کرو۔ تمہارے مقابلے میں میں نے  
گیس بھاگی ہے۔“

”چلو گھر چل کر باتیں ہوں گی۔ اس وقت تو ویرا کا  
سوچا ہوا ہے۔“

ویرا کے ہونٹوں پر اداس اور مجروح سی مسکراہٹ  
اور وہ حسرت بھری آواز میں بولی۔ ”ہش! اس دھماکے  
تینوں کے پرچھے میں اڑ گئے ہوں۔ انہوں نے مجھے شدید  
دوچار کیا ہے۔“

اس کی آواز میں پناہ کرب کو محسوس کر کے میں  
اندہ لرزا اٹھا لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں اپنا  
میں ویرا سے مزید کوئی سوال کر کے بات آگے بڑھانے کی  
کرتا۔

کافی دور نکلنے کے بعد ہم نے سواری کے لئے میں دروازہ  
تو خوش قسمتی سے ہمیں فوراً ہی ایک خالی عیسائی ٹرک  
ڈرائیور شریف نظر آ رہا تھا۔ میں نے راستے میں سواری  
ارادہ ترک کر کے اسے کلشن چلنے کی ہدایت کی اور گلی

سلطان شاہ نے دروازے پر شاید شانے سے ضرب لگائی اور  
پھر کھانسنے لگا۔ میرے لئے بھی زیادہ دیر تک سانس روکنا دشوار تھا  
گیس کے اثرات سے آنکھوں اور نچھوں میں جلن ہونے لگی  
تھی۔ باہر سے امین اور پیر کے بری طرح کھانسنے کی آوازیں آ رہی  
تھیں۔ خانے سے نکلنے کے بعد انہوں نے راہ فرار اختیار نہیں  
کی تھی بلکہ کسی جگہ رک کر ہمارے نمودار ہونے کا انتظار کر رہے  
تھے۔

میں نے جلدی سے ہم گمن نکال کر سلطان شاہ کو تھما دی۔  
ہم گمن کی بجائے شعاہوں کے سامنے اس تالے کی کوئی  
وقت نہیں تھی۔ لکڑی کے چلنے کی تیزبو کے ساتھ یہ دروازہ کھل  
گیا۔ اس اثنا میں میں نے ٹول کر ویرا کے دہانے پر چپکا ہوا شپ  
نوج لیا تھا کروہ گیس کی وجہ سے خاموش تھی جب کہ میں وقت  
وقت سے کھانسنے رہا تھا۔

اس وقت مکان کے اندرونی حصوں کا رخ کرنا اپنی موت کو  
و موت دینے کے مترادف تھا کیونکہ اس طرف راس المیڈا اپنے  
دونوں حاشیہ برداروں کے ساتھ ہماری گھات لگائے بیٹھا تھا۔ میں  
لے سلطان شاہ کو شو کا ردا اور وہ میرا اشارہ سمجھ کر اس دروازے کی  
طرف گھوم گیا جو عمارت سے باہر نکلتا تھا۔ اس بار بھی سلطان شاہ  
نے قفل دروازہ کھولنے کے لئے ہم گمن استعمال کی۔

کیفیت دھوئیں سے بھری ہوئی اس نیم تاریک راہداری میں  
باہر کی تیز روشنی پڑتی سی ہمارے حریفوں کو چوٹ کا احساس ہو گیا۔  
انہوں نے بے دریغ دو گولیاں چلا دیں مگر اس سے پہلے ہی سلطان  
شاہ کھلے ہوئے دروازے سے باہر پھلانگ لگا چکا تھا جب کہ میں  
بدستور دروازے کی اوٹ میں تھا۔

”باہر نکل!“ ویرا ابھرائی ہوئی آواز میں بولی پھر اس پر شدید  
کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

میرے لئے شدید مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ میں چند ثانیوں میں  
اپنی کمین گاہ سے کھلی فضا میں پہنچ سکتا تھا لیکن ان چند ثانیوں کے  
لئے مجھے اپنے دشمنوں کے کھلے نشانے پر آنا پڑتا اور وہ کوشش جان  
لیو ابھی ثابت ہو سکتی تھی کیونکہ وہ تینوں دھوئیں سے یقیناً دور نکل  
چکے تھے۔ ہونی دروازہ کھلنے کی وجہ سے دھواں مکان کے اندرونی  
حصے کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن اس کے اثرات زیادہ مضر نہیں تھے۔  
”میں نے پیر کے پائپ کا سرخ سوچ آن کر دیا ہے، جلدی باہر  
آؤ۔“ اچانک باہر سے سلطان شاہ چلا آیا اور میرا ہاتھ غیر ارادی طور  
پر اپنی جیب کی طرف چلا گیا۔ میں نے اپنی جیب میں موجود آخری  
دستی ہم نکالا اور اندازے سے راہداری کے اس سرے کی طرف  
اچھال دیا جہاں وہ تینوں موجود تھے۔

ہم کے دھماکے کے ساتھ ہی ان تینوں کی بے ساختہ چیخیں اور  
غرائیں بلند ہوئیں اور میں اسی لمحے بجلی کی سی پھرتی سے باہر نکل گیا



ہم سب نے تازہ دم ہو کر اکٹھے کھانا کھایا۔ ویرا نے ایلن کی قید میں سارا وقت کچھ کھائے پئے بغیر گزارا تھا مگر پھر بھی اس نے بہت زیادہ کھانا نہیں کھایا۔ نہانے دھونے کے بعد اس کے وجود کی تازگی خاصی حد تک بحال ہو گئی تھی لیکن نیند کے بڑھتے ہوئے دباؤ نے اس کے ذہن کو باؤف کیا ہوا تھا۔ کھانے کے بعد وہ سونے کے لئے چلی گئی۔ ہم لوگ بھی اپنے اپنے کمروں کی طرف ہو گئے۔

”آج آپ کے لئے مسز غنی کا بھی فون آیا تھا“ غزالہ نے خواب گاہ میں مجھے آگاہ کیا۔

”مسز غنی؟ یہ کون خاتون ہیں؟“ میں نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے سوال کیا۔

”اتنی جلدی بھول گئے؟“ وہ کھکھلا کر ہنس پڑی ”مسز غنی ہمارے اس فلیٹ کی مالک ہے۔“

مجھے یاد آیا اور میں نے کہا ”اوہ! اس نیم بیوہ کو میری کیا ضرورت پڑی گی؟“

”نیم بیوہ!“ غزالہ کی رکتی ہوئی ہنسی تیز ہو گئی ”آپ کو عجیب الفاظ استعمال کرنے کی عادت سی ہو چلی ہے۔“

”یہ کوئی عجیب لفظ نہیں ہے۔ فی الحال اس کی یہی حیثیت ہے۔ شوہر لوٹ آیا تو وہ اس کی بیوی کہلائے گی“ اس کی موت کی تصدیق ہو گئی تو یہ وہ بن جائے گی۔ اس خاتون کو میں کیسے یاد آیا؟“

”یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ آپ کی ذات میں دلچسپی رکھنے والی عورتیں مجھے کوئی بات نہیں بتاتیں۔“

”کن عورتوں سے میل جول ہے میرا؟“ میں نے اسے گھور کر پوچھا۔

”میں آپ کے میل جول کی نہیں، عورتوں کی دلچسپی کی بات کر رہی ہوں۔ سلیٹی بھی صرف آپ سے بات کرنے کی خواہش مند تھی“ وہ شوشی سے بولی۔

”دیکھا جائے گا“ میں نے بے پروائی سے جواب دے کر غزالہ کو بستر پر لیٹنے لیا ”علم پڑی کے بعد اب دماغ پر ہلکا سا سرور طاری ہو رہا ہے۔ ذرا اپنی نرم و نازک انگلیوں سے میرا سر سہلا دو۔“

وہ میرے قریب ہو کر آہستگی سے بولی ”ایک ہی دن میں ویرا بہت بدل بدلی لگ رہی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان لوگوں نے تشدد کے علاوہ بھی ویرا کو کسی وحشتناک حادثہ کا نشانہ بنایا ہو۔“

”کچھ نہیں کہا جاسکتا“ میں نے کرب آلود لہجے میں کہا ”مجھے اس کی خالی خالی نظروں میں جھانکتے ہوئے خوف آرہا ہے۔ یہ موضوع ایسا نازک ہے کہ اس بارے میں اس سے کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا۔ وہ مددے کی حالت سے باہر آکر خود ہی کچھ بتا دے تو الگ بات ہے۔“

”آپ اجازت دیں تو میں تجھنے میں اسے کیدنے کی کوشش کروں۔“ آخر وہ بھی ایک عورت ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے اپنے

وارد ہو گیا۔

ویرا کو قریب سے دیکھنے کے بعد مجھے اچانک ہی شدید حلقہ کا حواس ہونے لگا تھا۔

○☆☆○

غزالہ نے ویرا کو ہمارے ساتھ دیکھا تو اس پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس وقت ویرا خاموش اور سنجیدہ تھی۔

اس کی چترائی ہوئی آنکھیں غلامیں کسی نکتے پر مرکوز تھیں۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ ہم گھر سے ویرا کی بازیابی کا نند کے نکلے تھے لیکن غزالہ تو کیا، خود ہم دونوں کے وہم و گمان

ن بھی نہیں تھا کہ ہم اپنی پہلی ہی کوشش میں ویرا کو بازیاب لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ بدودادوا کے قتل سے ویرا کی

پائی تک سارے حالات خود بہ خود سازگار ہوتے چلے گئے۔ ہم نے نہ صرف اپنا مطلوبہ ہدف حاصل کر لیا تھا بلکہ ایلن اور راس

لیڈا کو اس کے گھر میں ایسی ہیماںک شکست سے دوچار کیا تھا کہ

ناکی پھیلی کامیابیوں کا کھل ازالہ ہو گیا تھا۔

اس مکان میں ہونے والا دھماکا بہت طاقت ور اور تباہ کن تھا۔

ایلن اس بارے میں یقین سے کوئی بات نہیں کی جاسکتی تھی کہ ان

بلا میں سے کون کون ہلاک یا زخمی ہوا ہوگا۔

ویرا چوبیس گھنٹے سے زیادہ مدت ایلن جیسے وحشی کی قید میں

زاد کر آئی تھی اس لئے اس کی طبیعت بہت ٹھنڈ اور ٹھنڈی ٹھنڈی

تھی۔ اس نے ہم سے راستے میں ہی قیام گاہ کے بارے میں کوئی

ال کیا نہ فلیٹ پر پہنچ کر کسی خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے چہرے کی

بجائ اور داہنی آنکھ کے نیچے بڑے ہوئے نیل نے ویسے بھی اس

لہجے کی قدرتی طاقت اور دلکشی کو بری طرح ستا کر رکھا تھا۔

ہم سب ہی ویرا کی کمانی جانے کے خطرے تھے لیکن اس وقت

ایک ذہنی کیفیت ایسی نہیں تھی کہ وہ سکون سے ہر ایک کے

الوں کے جوابات دے سکے۔ میں نے غزالہ کو ہدایت کی کہ وہ

اس کی خواب گاہ میں چنچا کر ضرورت کی تمام چیزیں فراہم کر دے

لہذا اپنی مرضی سے نہاد ہو کر آرام کر سکے۔

جما گئے اپنے کاغذات، رقوم اور زیورات وغیرہ لے کر کسی

لہذا لاکر بندوق بہت کرنے کے لئے گیا ہوا تھا۔ وہاں سے واپسی پر

سے انشورس والوں کی طرف جانا تھا۔ اس دوران میں تین بار

لی کے فون آچکے تھے۔ جما گئے کی طویل ہوتی غیر حاضری نے اسے

ت اضطراب میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ اس نے تینوں ہی مرتبہ جما گئے

بھرمیرے بارے میں استفسار کیا تھا اور غزالہ کو تاکید کی تھی

میرے پہنچنے ہی سے پیغام دے دیا جائے کہ میں اس کو فون

لہوں۔ میں جانتا تھا کہ اس وقت سلیٹی کو اپنے دل کا غبار ہلکا

سننے کے لئے کسی غم گسار کی ضرورت تھی۔ مزے کی بات یہ تھی

وہ دونوں میاں بیوی افراد ہی طور پر بھی میری ہی ذات میں

اسے دھونڈنے کی کوشش کرتے تھے۔

”بھٹہ جاؤ!“ سلطان شاہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے زبردستی لے کر اس وقت وہ اپنے آپ میں نہیں ہے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے اسے کوئی دماغی چوٹ آئی ہو۔ وہ کمر بند کر کے بیڑہ کھینچ کر شراب پی رہی ہے۔ اس وقت اُس سے عجیب چھاڑ مناسب نہ رہی۔“

میں سلطان شاہ کی کج فہمی پر دانت پیس کر رہ گیا۔ وہ دیرِ اِذنی صدے کو دماغی چوٹ سے ملا رہا تھا۔ میں نے اسے گھور کر ہوئے پوچھا ”اس کے لئے شراب کہاں سے آئی؟ جہانگیر کی بوتل کل ہی خالی ہو چکی تھی اور آج جہانگیر کمرے سے غائب ہے۔“

”میں اس کے لئے دو بوتلیں لایا تھا“ اس نے سر جھکا کر ”ایک اسے دے دی ہے۔ دوسری بچن کینٹ میں ہے۔ مجھے پرست ترس آ رہا ہے۔ تم اس کی التجاس لیے تو دونوں ہی بوتل اسے سوپ دیتے۔ ایک دن کی قید میں وہ بالکل بدل کر رہا ہے۔“

”کیا اس کے ساتھ کوئی زیادتی بھی ہوئی ہے؟“ اول خان معنی خیز اور سرگوشیاں لے کر اسے گول مول سا سوال کیا اور فرما موضوع کی نزاکت مہذب کر فوراً ہی وہاں سے چلی گئی۔ ”کچھ نہیں معلوم۔۔۔ اس نے سختی سے اپنی زبان بند کی ہے۔“ میں نے ایک گہرا سانس لے کے کہا۔

”اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ دو چار دن میں خودی ہرپا اگلتی چلی جائے گی“ وہ ناصحانہ انداز میں بولا۔ ”اس پر جو گزری“ اسے ٹالنا تمہارے بس ہے باہر تھا کرم تم نے اس کے بہت برا خطرو مول لیا تھا۔ کارڈیو سوچ کی دہشت پھیلا کر تم انہیں بالکل بے دست و پا کر دیا تھا۔۔۔“

”آخری لمحات پر ایک حماقت ہوتے ہوئے رہ گئی“ میں اس کی بات درمیان سے اچک کر کہا ”سلطان شاہ ان کے خوذ فولادی پائپ کویم میں تبدیل کر چکا تھا اور میں ان کو گولیوں کا زبنے کے خوف سے دیرِ اسیت اندر ہی رکھا ہوا تھا۔ میرے سے یہ بات بالکل نکل گئی تھی کہ کارڈیو سوچ کی دہشت کی وجہ وہ مجھ پر فائز کرنے کا خطرو مول نہیں لیں گے۔ مجھے وہاں سے میں ذرا بھی تاخیر ہوتی تو میرے اور ویرا کے چھیننے اڑا جاتے۔ سلطان شاہ وہ پائپ نہ پھینکتا تو دورین سے بھی اڑا باقیات کا پتا نہ چلتا۔“

”فرضی بباط بچانے میں ایسی بدحواسیاں ہو جاتی ہیں۔ خوشی ہے کہ آج کا دن ان کے لئے بربادیوں کا بیجام ہے کر ہوا تھا۔ میرے رابطے ٹوٹے ہوئے ہیں اس لئے مجھے غارت تباہی اور وہاں ہونے والے جانی نقصان کے بارے میں معل نہیں مل سکیں۔ سلطان شاہ تو بڑا امید ہے کہ اس دھماکے تینوں ہی ہلاک یا زخمی ضرور ہوئے ہوں گے۔“

”آج کا دن واقعی یادگار تھا۔ آج تمہاری بحالی کا پسا

اندر کے دکھ و دم میں شریک کر لے“ فرالہ اس بارے میں بہت تجسس تھی۔

”اسے نہیں لگے گی۔ وہ ہر وقت اپنا اور تمہارا موازنہ کرتی رہتی ہے۔ وہ اپنے دامن کا کوئی داغ نہیں دکھائے گی۔ اس طرح اس کی عزت نفس مجموع ہوگی۔ اسے تھوڑی سی سہلت دے دو۔ ابھی وہ ان ہی حالات کے نرائس میں آئی ہوئی اور بالکل کم صم ہے۔ اس سحر سے نکلے گی تو وہ خودی بولتی چلی جائے گی۔۔۔ اس کا نام ویرا ہے۔ وہ حالات کے سامنے پر ڈالنے والوں میں سے نہیں ہے۔“

”بظاہر جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ بھی کچھ کم المناک نہیں ہے۔ ان حیوانوں نے اسے بری طرح مارا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے جسم کے دوسرے حصوں پر بھی شند کے نشانات موجود ہوں۔“

”اسے بالکل آزاد چھوڑ دو۔ جو کچھ وہ بتائے، بس اسی پر قناعت کرتی رہو۔“

فرالہ محبت آمیز انداز میں میرا سر سلاتی اور کان کھاتی رہی۔ میں اس کے نرم اور حیات آفریں وجود کے لمس سے محفوظ ہوتے ہوئے رفتہ رفتہ نیند کی دلدلیوں میں کھو گیا۔

میں بہت دیر تک گہری نیند سو رہا۔ آخر فرالہ ہی نے مجھے جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔ میں نے نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے غنودہ لہجے میں کہا ”مجھے سونے دو۔ آج صحن سے میرا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔ میں ابھی کچھ اور سونا چاہتا ہوں۔“

”سات بج رہے ہیں۔ اول خان خاص دیر سے آپ کا انتظار کر رہا ہے“ اس نے میرے بازو میں پچکلی لے کر کہا ”میں اسے چائے وغیرہ بھی پلا چکی ہوں۔ وہ زیادہ دیر نہیں بیٹھے گا۔“

میں چھلانگ مار کر بستر سے نیچے اُٹھا اور فرالہ ہنسی ہوئی باہر بھاگ گئی۔

چند منٹ بعد میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو وہاں سلطان شاہ اول خان سے باتیں کر رہا تھا۔ فرالہ پوری توجہ سے ان کے مذاکرات سن رہی تھی۔

”مبارک ہو“ مجھے دیکھتے ہی اول خان مسرت آمیز لہجے میں بولا ”تم دیرِ اِذنی اور وحشیوں کے چنگل سے اس طرح نکال لے آئے جیسے وہ تمہارے ہی انتظار میں اسے پکڑے بیٹھے تھے۔“

”ہاں۔ مجھے خود بھی ایسی کامیابی کی توقع نہیں تھی“ یہ کہتے ہوئے میں نے چونک کر فرالہ سے پوچھا ”یہ سب تو ٹھیک ہے مگر دیر اکہیں نظر نہیں آ رہی۔ وہ کہاں ہے؟“

”وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔ اپنے کمرے میں محصور ہو کر بیٹھ گئی ہے“ فرالہ نے بتایا۔

”اُس کی ایسی کی تھی۔ میں ابھی اسے باہر لاتا ہوں“ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

محقق دعوے پر ہو کھلا کر اپنی اصلیت کا انکار کرتا چلا گیا۔ وہ کوئی اور ہوتا تو میں پورے غلوں سے اپنے غلط اندازے پر معذرت کے کاغذیں خواہش ہو جاتا۔ وہاں ساری لڑائی ہی اوصالی تھی۔ وہ مجھے گھیر رہے تھے اور میں انہیں پھانسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ہار گئے اور ہم جیت گئے۔

میں نے اول خان کو چٹکس کی کہ وہ میرے ساتھ دیر کے کمرے میں جا کر اس سے ملاقات کر لے لیکن اس نے سختی سے انکار کر دیا۔ دیر اس وقت جس عجیبہ ذہنی کیفیت سے دوچار تھی اس میں اسے سکون اور آرام کی ضرورت تھی۔ غیر ضروری مداخلت اس کے لئے کرب انگیز ثابت ہو سکتی تھی۔

اول خان نے رابطے کے لئے دفتر کے ساتھ مگر کاٹنا فون نمبر بھی دے دیا۔ اس کا خیال تھا کہ امین اور راس الہیڈا کی سرگرمیوں کے سلسلے میں آنے والے چند روز اہم ثابت ہو سکتے ہیں اس لئے ہمیں ایک دوسرے کو ہر چھوٹی بڑی بات سے باخبر رکھنا چاہئے۔

کچھ دیر بعد وہ واپس چلا گیا۔ خزانہ نے ہماری صدم کی پوری چشم دید کمائی سلطان شاہ کی زبان سے سن لی تھی مگر پھر بھی اس کے ذہن میں بہت سے سوالات چبھ رہے تھے۔ اول خان کے جاتے ہی وہ مجھے گھیر کر بیٹھ گئی اور مجھے بتاتی تھیں ایک بار پھر دہرائی پڑ گئی۔

اسی دوران میں سلطان شاہ نے بتایا کہ جب میں سویا ہوا تھا تو جاکیر کا فون آیا تھا۔ اس نے صرف اتنا بتایا کہ اس نے باہر سے اپنی بیوی کو فون کیا تھا اور ان مذاکرات کے نتیجے میں ہونے والی مصالحت کی وجہ سے وہ ہماری طرف آنے کے بجائے سسلی کے پاس واپس جا رہا تھا۔

وہ ایک اچھی خبر تھی۔ جاکیر میرا بہت گرا اور قریبی دوست تھا لیکن مایوسی کے لمحات میں وہ اپنی اوقات سے زیادہ شراب پی کر دوسروں کے لئے ایک عذاب بن جاتا تھا۔ میرے حق میں بی ہتر تھا کڑا لڑنے بھڑکنے کے باوجود جاکیر اپنی بیوی کے گرد مڑتا رہا۔ اس طرح مجھے صرف جاکیر کے مسائل ہی سے نہیں سسلی کی ذومعنی عادتوں سے بھی نجات حاصل ہو سکتی تھی۔

”اور مسز غنی نے بھی دوبارہ فون کیا تھا“ جاکیر کا معاملہ طے ہونے کے بعد خزانہ نے بتایا ”وہ کسی سلسلے میں آپ سے جلد از جلد بات کرنا چاہتی ہے۔ ایک فون کہے کہ اس بے چاری کی بھی تسلی کرادیں۔“

میں نے خزانہ کو گھورتے ہوئے فون اپنی گود میں رکھ لیا اور اس پر خزانہ کا بتایا ہوا نمبر ملانے لگا۔

دوسری طرف سے پہلی ہی گفتی پر دھیمو ر اٹھایا گیا۔ میں نے مسز غنی کی حشر تم آواز پہچان کر اپنا تعارف کرایا۔ ”میں دلاور بول رہا ہوں۔ آپ کے فلیٹ کا کیا کرانے دار۔ شاید آپ نے میرے

میں صبح سویرے پر دواد کو کھانے لگا کر تم نے دوسری کامیابیوں پر باغی تل ڈالی تھی۔ اگر مقامیوں اور غیر ملکیوں کے درمیان فساد ہونے کے نتیجے میں وہ سب فرار نہ ہو گئے ہوتے تو ہمیں وہاں ایسی فزائی کا سامنا کرنا پڑتا۔ خوش قسمتی سے وہاں وہ صرف تین دو تھے اور ہم دونوں نے آسانی سے ان پر قابو پایا۔“

یہ خبر جبران کن ہی نہیں چڑھانے والی ہے کہ اب راس الہیڈا خود پاکستان پہنچ گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس بار وہ لکٹی پڑی سازش تیار کر رہے ہیں۔ راس الہیڈا چھوٹے موٹے ملاقات اپنے ملائیم کی حواہید پر چھوڑتا ہے اور خود الگ رہتا ہے۔ اول خان نے فکر معنی سے کہا۔

”مصور حال سنگھن ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آج کے فسادات نے ان کا شیرازہ کھیر کر رکھ دیا ہو گا۔ اب انہیں کسی بھی لڑکتے کے لئے از سر نو منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔“

”دعا کرو کہ جلد از جلد ہم لوگوں کے سلب کئے ہوئے نیارات بھی واپس مل جائیں تو میں ان حرام زادوں کی فحاشی رڈاؤں گا۔ میں ابھی تک دیر اسے نہیں ملا ہوں مگر مجھے اس کی بات پر شدید صدمہ ہے۔ اس کے بھروسوں سے انتقام لئے بغیر مجھے دن نہیں مل سکے گا۔“

”یہ جنگ اب چل ہی پڑی ہے۔ ابھی تک امین اپنے پرستوں کو سبزاغ دکھا رہا ہو گا۔ آج کے بعد وہ سب بھی ڈر جائیں گے۔ آج راس الہیڈا اور امین کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے“ راس کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ سفارتی مراعات کی آڑ میں شاہیاں کھڑے والے ایسے خطرات سے دور بھاگتے ہیں۔“

”ایک بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی“ سلطان شاہ اعلیٰ جوڑ کو تو ہم نے ایک بدترین مقابلے کے بعد مارا تھا۔ اس نے ہمیں اپنی غارتگری الہم کب دکھائی تھی؟“

”جی جی نہیں۔ وہ بدوقت سوچا ہوا سفید جھوٹ تھا جو چل پڑا۔“

”مگر تم نے راس الہیڈا کو خطاب میں ہونے کے باوجود کیسے ان کا کیا تھا؟“

”میں امین کے ساتھ دانستہ چیز چھاڑ کر رہا تھا اور اس کی گھر سے مجھے اشارے مل رہے تھے کہ اس کا تیرا ساتھی راس الہیڈا ہو سکتا ہے“ میں نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

”اشارے غیر یقینی ہوتے ہیں“ اول خان نے کہا۔ شاید اس اطمینان میں وہ بھی ابھین محسوس کر رہا تھا ”سلطان شاہ نے جب میرے بتایا کہ تم نقاب ہنسنے کو دیکھتے ہی ادب اور احترام سے کھڑے کئے تھے تو میں حیران نہ گیا۔ محض اشدوں کی بنا پر کوئی اتنا بڑا نمائش ہو سکتا۔“

”میں تم خود اعتمادی کہہ سکتے ہو۔ میں نے پورے اعتماد سے راس الہیڈا کا نہ وہ راس الہیڈا ہی تھا اس لئے میرے غیر

لئے دو مرتبہ فون کیا تھا مگر میں ابھی گھر واپس آیا ہوں۔  
فرماجئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“

”دلا اور صاحب! میں ایک ہی ملاقات میں آپ سے بہت زیادہ  
متاثر بلکہ مرعوب ہو گئی ہوں۔“ ریسور میں مسز فنی کی اضطرابی  
آواز سنائی دی ”میں ایک اہم ذاتی مسئلے میں آپ سے ملنا چاہتی  
ہوں۔“

میں چونکا ہوا کر بیٹھ گیا۔ میں نے فزائل کی طرف دیکھ کر اپنے  
دیدوں کو گردش دی اور کہا ”یہ آپ کی عزت افزائی ہے کہ مجھے جیسے  
اجنبی کو اپنے کسی ذاتی معاملے میں احماد میں لینا چاہ رہی ہیں مگر میں  
خود کو ایسے احماد کا اہل نہیں سمجھتا۔ میں ویسے بھی صبح سے شام  
تک اپنے کاروباری مسائل میں الجھا رہا ہوں۔“

”دلا اور صاحب، پلیز!“ اس کی آواز میں التجاس آئی ”میں  
سمجھ لیں کہ یہ میرے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ میں نے  
اپنے رشتے داروں اور جاننے والوں میں سے ہر ایک کے بارے میں  
سوچا لیکن صلاحیت اور رازداری کے لحاظ سے کوئی پورا نہیں  
اُترتا۔ مجھ سے ملاقات کے بعد آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ میں غلط  
نہیں کہہ رہی۔ آپ کی مرمانی سے میرا گھر دوبارہ آباد ہو سکتا ہے۔“  
”لہجہ بھر کے لئے میری کمپوزی ہمتی سے اڑ گئی۔ وہ سیدھی  
سادہ شادی کی تجویز تھی۔ پہلی بار اس کا گھر بس کراچ کا تھا اور  
اب وہ مجھ پر رفاقت جمائے بیٹھی تھی۔ میں نے رکھائی سے کہا ”آپ  
کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں شادی شدہ ہوں اور خود میں دوسرا  
گھر بنانے کی ہمت نہیں پاتا۔“

”د!“ آپ مجھے غلط نہ سمجھیں۔ میرا مطلب تھا کہ آپ  
نے مجھ سے تعاون کیا تو مجھے میرے گم شدہ شوہر واپس مل سکتے  
ہیں۔ یہ بہت ثواب کا کام ہے۔ مجھے پاپس نہ کریں۔“  
مجھے یک بہ یک وہ معاملہ دلچسپ نظر آنے لگا۔ میں نے نری  
سے کہا ”میں اپنی غلط فہمی پر معذرت خواہ ہوں۔ آپ کل شام  
میرے گھر تشریف لاسکتی ہیں۔ میں دیکھوں گا کہ آپ کے لئے کیا  
کر سکتا ہوں۔“

”کیا ہم باہر کسی ہوٹل وغیرہ میں نہیں مل سکتے؟“ اس کی آواز  
متروک تھی۔

”کیا اس کا کوئی خاص سبب ہے؟“ جواب دینے کے بجائے  
میں نے سوال داغ دیا۔

”مگر میں آپ کی بیگم کی وجہ سے کل ربات نہیں ہو سکے

گی۔“ اس بارے میں آپ مطمئن رہیں۔ میری بیوی میری دوست  
بھی ہے۔ ضرورت پیش آنے پر وہ ہمیں مکمل تخلیق فراہم کر سکتی  
ہے۔ اس کی وجہ سے آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔“ میں نے کہا۔  
”آپ واقعی بہت شریف انسان ہیں۔ میں کل شام پانچ بجے  
آپ کے گھر آؤں گی۔“

”ما سطر! بھائی!“ فون بند کر کے میں دونوں ہاتھوں سے اپنی

کمپوزی سلاتے ہوئے بولا ”یہ فلیٹ کرائے پر لیا ہے تو یہاں بھی  
ایک ضرورت مند عورت نکل آئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے لئے  
آسمان سے نئے نئے مسائل نازل ہوتے ہیں۔ ایک پکر ختم نہیں  
ہو تا کہ دو شروع ہو جاتے ہیں۔“

”اس خوبصورت عورت کو کیا تکلیف پیدا ہو گئی؟“ سلطان  
شاہ نے پوچھا۔

”تفصیل کل بتائے گی۔ یہ اس کے گمشدہ شوہر کی بانگالی کا  
معاملہ ہے۔“

”اور وہ دوسرا گھر بنانے والی بات کیا تھی؟“ فزائل کی فزائل  
آنکھوں میں شہادت تیر رہے تھے۔

ان دونوں کے افغادی سوالات کے چنگل سے بچنے کے لئے  
میں نے فون پر دوسری طرف سے کسے جانے والے تمام مکالمے بلا  
کم و کاست دہرا دیے اور فزائل کی شخاف آنکھوں میں دوبارہ  
شرارت بٹانے لگی۔

”یہ کوئی سیدھا معاملہ ہوتا تو اسے امیروں غیروں کا احسان  
لینے کے بجائے پولیس سے رجوع کرنا چاہئے تھا۔ مجھے تو دال میں  
کچھ کالا معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے اوپر کرائے داری کے معاملہ پر  
دستخط کئے اور ادھر اس کے گمشدہ شوہر کی واپسی کے امکانات پیدا  
ہو گئے۔ پتا نہیں یہ خوب صورت عورتیں دنیا کے سارے مردوں کو  
اتنا پیو قوف کیوں سمجھتی ہیں؟“

”سب کو ایک ہی ٹکڑی سے نہ ہا کو رو نہ میں بھی ان میں شمار  
کی جاؤں گی“ فزائل نے اسے ٹوکا۔

”تم دونوں یہ جھگڑا لے کو۔ میں ویرا کی خیر خبر لیتا ہوں“ میں  
وہاں سے اٹھ گیا۔

میں گھر میں سب ہی سے ہنس بول رہا تھا لیکن حقیقت یہ تھی  
کہ میرا دل ویرا کے لئے پریشان تھا۔ میں اس کا دکھ جان کر جلد از  
جلد اس کا ازالہ کرنا چاہتا تھا مگر اس نے زبان بندی کے ساتھ ہی  
مکوش لکھنی بھی اختیار کر لی تھی۔ اس کی پُر اسرار خاموشی کی وجہ  
سے میرے ذہن میں ایسے ایسے خیالات پیدا ہو رہے تھے کہ میرا  
دوران خون کنٹینر میں ٹھوکریں مارنے لگا تھا۔

میں نے ویرا کی خواب گاہ کے دروازے پر انگلی کی پشٹ سے  
ہلکی سی دھک دی۔

”کم ان!“ اندر سے ویرا کی غار سے بوجھل آواز سنائی دی  
اور میں آہستگی سے دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں داخل  
ہو گیا۔ کمرے کی فضا سرنگوں کے دھوئیں اور اکھل کی تیز بو سے  
بھری ہوئی تھی۔

ویرا اپنی بائیں کمری پر سر نکائے مسی پر نیم دراز تھی۔ سانپا  
نیل پر رکھی ہوئی بڑی ایٹل ٹرے سرنگوں کے مسئلے ہوئے ٹکڑوں  
سے بھری ہوئی تھی اور اس وقت بھی ویرا کے داہنے ہاتھ کی  
اگلیوں میں ایک سلتی ہوئی سرنگ دلی ہوئی تھی۔

سے شرفی کا نور ہو چکی تھی لیکن ہر فقرہ ایک دوسرے سے مربوط اور  
بامعنی تھا۔ یہ میرا اپنا تجربہ تھا کہ دیر بہت زیادہ پی لینے کے بعد بھی  
نفس میں کبھی نہیں بجتی تھی۔

”تمہارے چہرے کے ساتھ جو بے رحمانہ سلوک ہوا ہے وہ  
نظر آرہا ہے، بہت کچھ لباس میں ہے۔ میں جانا چاہ رہا تھا کہ  
جہیں کسی مدد۔ میرا مطلب ہے کہ لمبی امدادی ضرورت تو نہیں  
ہے؟“ میں نے بول کھاتے اور ہکھاتے ہوئے رک رک کر اپنی بات  
کھل کی۔

”تمہارا مطلب ہے کہ میں لباس اتار کر جہیں اپنے زخم دکھا  
کر ان کی داد چاہوں کہ میں نے ان کا ہر ظلم سینے کے باوجود ان کے  
کسی معمولی سے معمولی سوال کا جواب بھی نہیں دیا؟“  
”میں کچھ بھی دیکھنا نہیں چاہتا، تمہاری زبان سے سننا چاہتا  
ہوں۔“

”مجھ پر رحم کرو۔“ اس نے اچانک بستر سے اٹھ کر میرے  
سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور رندھی ہوئی آواز میں بولی ”میں جو  
کچھ اس شراب میں گھول کر بھوننا چاہ رہی ہوں، مجھے وہ یاد دلانے  
کی کوشش مت کرو۔ انہوں نے میرا جسم زخمی کیا ہے۔ تم میرے  
زخموں کو کیرہ کر میری روح تک کو گھما کر رہے ہو۔ میری طرح  
تم بھی شراب پیو اور بھولنے کی کوشش کرو کہ دیرانے کر کس کا  
دن اپنے بدترین دشمنوں کی قید میں گزارا تھا۔“

میں نے فرط جذبات سے مغلوب ہو کر دیرانے کے دونوں ہاتھ  
تھام کر اس کی گود میں گرا دیے۔ اس کی آنکھوں کے گوشوں میں  
نئی سی تیرنے لگی تھی۔

میں دیرانے سے مت کچھ کتنا چاہ رہا تھا کہ میں نے بولنے کی  
کوشش کی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی گولہ سامیرے قلعے اور  
پینے میں پھنس گیا ہو۔ میں دیرانے سے کچھ بھی نہیں کہہ سکا اور سر ہٹا  
کر ایک جھٹکے سے اس کی خواب گاہ سے باہر نکلتا چلا گیا۔

باہر سلطان شاہ اور فرزالہ انتہائی تجسس کے عالم میں میری  
واپسی کے خہر تھے۔ میں ہلکتے خورہ انداز میں ان کے سامنے  
صوفے پر گر گیا۔ کئی سیکنڈ کی کوشش کے بعد میں بولنے کے قابل  
ہو سکا۔ ان دونوں کی مستغفرانہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔  
”وہ خود کو ختم کر لے گی“ میں نے بے بسی اور مایوسی سے کہہ  
”وہ بے تحاشا شراب اور سرگرمیوں کی رہی ہے اور اپنی قید کے باہر  
میں بات کہنے پر آمادہ نہیں ہے۔ بس اتنا بتا چلا ہے کہ اسے پانچ  
مسلحہ افراد نے گھیر کر پکڑا تھا۔ اس پر بہت زیادہ تشدد کیا گیا ہے۔  
اس سے آگے وہ خاموش ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ چند روز میں تیل  
غائب ہونے کے ساتھ چہرے کا درم بھی دور ہو گا تو وہ ناریل ہو چکی  
ہوگی۔ اس وقت تک میں بھی غماز رہوں گا۔ اسے سٹایا گیا تو وہ ہم  
سے بدعین ہو جائے گی۔“

فرزالہ نے میز پر کھانا لگانے سے پہلے دیرانے کو اطلاع دی تو وہ  
مونٹ کے سوداگر [14]

اپنی ٹرے کے برابر میں بلیک لیبل کی میٹنم سائز بوتل رکھی  
لی تھی جو صف سے بس ذرا ہی زیادہ تھی۔ اس کے پیچھے رکھے  
نے آکسیڈنٹ کی بیرونی سطح پر جمع ہونے والے آبی بخارات میز پر  
پڑ کر قالین کے ایک حصے پر داغ ڈال رہے تھے۔ وہیں طلائی  
ل کا ایک گلاس رکھا ہوا تھا جس میں برف کے کئی ڈلے تیر رہے  
تھے۔ اس وقت وہ آرامتہ اور مکلف خواب گاہ کسی بگڑی ہوئی امیر  
ادی کے ذاتی کمرے کا سالن پیش کر رہی تھی۔ میں نے اندر کا  
دھڑکتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔

”آؤ!“ دیرانے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا ”مجھے معلوم تھا کہ  
آفیسر آؤ گے۔ بیٹھ جاؤ!“  
میں مسی کے قریب ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور ملاطمت آہن  
فلوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”یہ کیا کر رہی ہو؟ کیا  
بات بنا کر رکھی ہے تم نے اپنی۔“

”ہاں۔ آؤ۔ آؤ۔“ اس نے اپنا دایا ہاتھ فضا میں بلند کر کے  
میری بات کاٹ دی پھر اسی ہاتھ میں دلی ہوئی سرکٹ ایک جھٹکے  
سے اپنے ہونٹوں سے لگائی۔ ایک گمراہی لینے کے بعد وہاں سے اور  
تھکن سے کثیف دھوئیں کے مرغولے خارج کرتے ہوئے اس  
نے اپنی بات جاری رکھی ”میں ڈیکس اسکاچ پی رہی ہوں۔ چاہو تو  
تم بھی پی سکتے ہو۔ بلکہ سب کو بلا کر مل جل کر پینے میں بہت لطف  
آتا ہے۔“ اس کے متورم ہونٹوں پر ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ  
چمک رہی تھی۔

”تم نے ابھی تک اپنی کمائی نہیں ستائی، تم کس طرح ان  
دروغوں کے ہتھے چڑھ گئی تھیں؟“

”تمہارے گردن میں آجائیں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میں  
اچانک پانچ آدمیوں کے نرٹے میں آگئی۔ وہ سب مسلح تھے اور ان  
میں سے ایک مجھے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ لیکن اب یہ سب د  
پوچھ۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ ہم سب مل کر بھی اسے واپس نہیں  
لا سکتے۔ میں نے بھی ابھی تک نہیں پوچھا کہ تم میگزینوں کے اس  
بٹ میں کیسے پہنچے تھے؟“ اس نے خاموش ہو کر گلاس اٹھایا اور  
اسکاچ کا ایک چھوٹا سا گھونٹ اپنے دہانے میں تھماتے کے بعد  
مدد سے اتارتے ہوئے بولی ”مجھے امید نہیں تھی کہ میں ان کی  
قید سے نکل سکوں گی۔ میں نے وہاں زندگی کو ایک نئے اور بے  
وقت دھپ میں دیکھا ہے۔“

میں اس دوران میں سرکٹ ہٹا چکا تھا۔ میں نے آہستہ سے  
پوچھا ”انہوں نے تم پر تشدد کیا تھا؟“  
”میں نے آئینے میں اپنا نظارہ ہوا چہرہ دیکھا ہے۔ کمال ہے کہ تم  
دیکھتے ہوئے بھی یہ سوال کر رہے ہو۔“

شراب نوشی کی کثرت کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں سرخ  
کی ہلکے عود کر آئی تھی، چٹیاں سکڑ کر ڈگڑی تھیں لیکن اس کی  
بائیں بے ربط نہیں تھیں۔ اس کا لب و لہجہ بدلا ہوا تھا۔ تنگدلی

اتری ہوئی ہے۔ دواؤں پر کوئی المیہ انگریزی دھن منگوانے کی ناکام کوشش فرما رہی تھیں۔“

سلطان شاہ نے اس موضوع کو وہیں دفن کرنے کے لئے ٹپل وٹن آن کر دیا۔

ہم تینوں سرہری میں نیند لے چکے تھے اس لئے دیر تک ٹپل وٹن کے سامنے جتے رہے۔ چائے نوشی کے ساتھ کپ شپ کا دور بھی چلا رہا تھا۔ ہمارے منگوا کو محسوس تھا جس سے ہم مکمل طور پر دوا چار تھے۔ وہ بچے کے قریب محفل اختتام کو پہنچی تو میں نے نہایت خاموشی سے دیر کی خواب گاہ کا دواؤں کھول کر اندر بھاٹکا۔ دواؤں دھنیاں گل کئے بغیر مچھلی پر مسمی نیند سوری تھی۔ میں آہستہ سے دواؤں بند کر کے واپس لوٹ آیا۔ دیر کو اسے نوشی کا یہ واقعہ ہوا تھا کہ وہ بے خبری کی نیند سو رہی تھی۔

اگلی صبح ناشتے دینیو سے فارغ ہونے کے بعد سلطان شاہ ہماری طرح تیار ہو کر اپنے کمرے سے برآمد ہوا تو میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ پتا چلا کہ پچھلے دن ان لوگوں کی خریداری ادھوری رہ گئی تھی اس لئے بقیہ خریداری اور گھر پر اخبار کے باقاعدہ بندوبست کے لئے وہ غزالہ کے ساتھ بازار جا رہا تھا۔

دیئے تو ان دنوں ہم سب کے لئے محتاط رہنا ناگزیر ہو چکا تھا لیکن راس الیڈا اور ایلین سے جھڑپ کے بعد سلطان شاہ کا آزادانہ طور پر باہر جانا قرین معلومت نہیں تھا۔ میں نے اسے روک لیا اور غزالہ کو تاکید کر دی کہ وہ واپسی پر صبح کے اخبارات اپنے ساتھ لے آئے۔

سلطان شاہ میری اس ہدایت پر احتجاج کرتے ہوئے دوبارہ اپنے کمرے میں گھس گیا۔ دیر اس دن اپنے کمرے سے باہر ہی نہیں آئی تھی۔ غزالہ نے اسے ناشتا بھی کمرے میں پہنچایا تھا۔

غزالہ کے چلے جانے کے بعد میں ڈرائنگ روم کے ایک کشادہ صوفے پر دراز ہو کر ایک پرانے اخبار کی ذائقہ کروانی میں مصروف ہو گیا۔ بے کاری کا وقت گزارنے کا وہی بہترین طریقہ تھا۔ اخبار کی تمام اہم سرخیاں چاٹ لینے کے بعد مجھ پر اکتاہٹ نے حملہ کر دیا۔ میں نے اپنی بے زاری دور کرنے کے لئے جھانگیر کو فون کرنے کا ارادہ کیا یہی تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے سلی کی چمکتی ہوئی آواز سن کر مینی امیدوں پر اس پر گئی۔

فون کی گھنٹی کی آواز سن کر سلطان شاہ نے کمرے سے باہر بھاٹکا اور مجھے فون پر مصروف دیکھ کر دوبارہ اندر گھس گیا۔ میں نے فون کو ہاتھ نہ لگایا ہوا تو شاید وہی سلی کی جھمکت لیتا۔

”کسو۔ آج اتنے سویرے کیسے فون کیا ہے؟“ میں نے حوصلہ سی آواز میں پوچھا۔

”طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟ آواز کچھ ست معلوم ہو رہی ہے۔“ اس نے وہ تہذیبی فوراً ہی بھانپ لی۔

”سر میں معمولی سا درد ہے۔ ستاؤ کیا حال حال ہیں؟“

”جھانگیر کل گھر لوٹ آئے۔ اس کی آواز سے خوشی پھیل پڑ

فوراً ہی میز پر آ بیٹھی۔ اس کی چال میں ٹوکڑا ہٹ اور محسوس تھا ہوں میں ہم سب کے لئے بے اعتنائی کے آثارات تھے۔ دیر کے آجانے کی وجہ سے غزالہ نے بہت تیزی کے ساتھ کھانا کھا دیا۔ اس بار دیر خاموش ضرور رہی لیکن اس نے بہت ڈنٹ کر کھانا کھایا۔ شاید یہ اس کے پیٹ میں اتری ہوئی اسکاچ کا کبال تھا جو کھانا طلب کر رہی تھی۔

”مجھے معلوم ہے کہ تم سب میرے لئے پریشان ہو۔“ کھانا ختم کرنے کے بعد دیر نے افسروں سے کہا ”لیکن تمہاری یہ پریشانی بے سود ہے۔ ہم ایک دوسرے کا دکھ ٹانویسکتے ہیں۔ کھانا نہیں سکتے۔ غزالہ ڈینی کی بیوی ہے۔ سلطان شاہ اس کا منہ بولا بھائی ہے۔ تم تینوں رشتوں کی مضبوط کڑیوں میں جکڑے ہوئے ہو۔ تمہیں ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا پورا حق ہے۔ میں تمہاری کون ہوں؟ کوئی بھی نہیں۔! ابھی ہوئی ایک آواز مدح یا شاید وہ بھی نہیں۔ تمہیں میرے لئے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔“

”نوادہ باتیں مت کرو۔“ میں نے سختی سے کہا ”تم نے بہت زیادہ پی ہوئی ہے۔ اپنے کمرے میں جاؤ اور خاموشی سے سو جاؤ۔ اگر تمہاری شراب نوشی اور سگریٹ نوشی ختم ہو چکی ہے تو کمرے سے دھواں اور بدبو صاف ہونے کے بعد غزالہ تمہارے ساتھ سو سکتی ہے۔“

”لیکن میرے لئے اپنا پہلو خالی کرتے ہو؟“ وہ ٹوکڑا کرتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئی ”غزالہ تمہاری بیوی ہے۔ میں اب اداس اور تمہارا حق گزارنے کی عادی ہو گئی ہوں۔“

میں حسانہ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ مڑ کر لہرائی اور ٹوکڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ غزالہ احتیاطاً دبے قدموں اس کے پیچھے ہوئی۔

”تمہارا نام اب بھی اس کے دل کا کاغذ بنا ہوا ہے۔“ میدان صاف ہوتے ہی سلطان شاہ نجی آواز میں بول پڑا ”نٹے کی حالت میں اس کے دل کی باتیں پھل کر زبان پر آ رہی تھیں۔“

”غزالہ کے سامنے یہ بے ہودہ باتیں نہ ٹھہروں کر دیتا۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ دیر کی ان غلط فہمیوں میں میرا کوئی دخل نہیں ہے۔ شادی کے بعد سے تو میں اور زیادہ محتاط ہو گیا ہوں۔“

”تمہاری احتیاط میں دیکھ رہا ہوں۔ آج کل تم شراب سے بھی خاصا پرہیز کر رہے ہو۔“

”شراب کسی بھی چیز کی اچھی نہیں ہوتی۔ یہ خیال کبھی بھی آسکتا ہے۔“ اس وقت بھی تم اندر سے آئے لیکن اسے نوشی میں تم نے دیر کا ساتھ نہیں دیا۔ تمہارے کپڑوں میں سے اکلکل کی تیز بدبو آ رہی تھی مگر تمہارے سانس بالکل صاف ستھرے تھے۔“

غزالہ دیر کو اس کے کمرے کے دواؤں تک پہنچا کر لوٹ آئی۔ دیر نے مڑ کر اس کی طرف دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ غزالہ نے آتے ہی مسکرا کر کہا ”اس وقت موصوف کی رگ کچھ

وہ جہانگیر کا سفید جھوٹ تھا۔ میں نے اسے سرے سے کچھ نہیں کہا تھا۔ شاید وہ خودی اور دھڑلے کے دھکے کھا کر اتنا پریشان ہو گیا تھا کہ میرے نام کی آڑ لے کر اپنی بیوی سے سمجھوتہ کر بیٹھا تھا اور فون پر مذاکرات کے بعد اس کے پہلو میں ہانچ گیا تھا۔ وہ جہانگیر کا ایک اچھا فضل تھا۔ میں نے خوش دلی سے کہا ”جیسے دوستوں کا کام ہی سیدھا راستہ دکھانا ہے۔ میں اسے کیا، تمہیں بھی اونچ نیچ سمجھاتا ہی رہتا ہوں۔ تم دونوں کے مراسم میں کئی بار ایسے نازک مراحل بھی آئے جب تم اس سے قطع ہو چکی تھیں۔ میں نے ایسے لمحات میں بھی تمہیں درغلانے کے بجائے غصہ ٹھوک کر مراسم استوار رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔“

”تم بہت اچھے اور باوقار مرد ہو۔ مجھے شاید تمہاری بیوی اور اس کی اچھی لگتی ہیں کہ تم اپنی بیوی کے وفادار ہو۔ ایک یہ ہیں کہ انہیں کوئی لیلیٰ لکڑی فقیرنی بھی اٹھا کرے تو یہ رال پکاتے ہوئے اس کے پیچھے چل دیں گے۔ میں ان کی ایسی ہی حرکتوں پر سکتی اور کڑھتی رہتی ہوں۔“

”جہانگیر ایسا بھی گیا کرتا نہیں ہے کہ لیلیٰ لکڑی فقیرنیوں کے پیچھے جھل و خوار ہوتا پھرے۔ وہ رنگین مزاج ضرور ہے مگر اپنے ذوق اور معیار کے مطابق چنگیں پڑھتا ہے۔“

”جو آدمی اپنے دفتر میں کام کرنے والیوں پر بری نگاہ رکھتا ہو اس کا کوئی ذوق یا معیار نہیں ہو سکتا۔ اسے تو بس عورت درکار ہوتی ہے! جیسی اور پرانی عورت جو اس کی بیوی نہ ہو۔“

”تم آج تک یہی کتہ نہیں سمجھ سکیں۔ وہ فیکٹری یا دفتر میں کام کرنے والیوں سے عشق نہیں لڑاتا تھا بلکہ عشق لڑانے کے بعد اپنی پسندیدہ عورتوں کو خاص خاص کاموں پر ملازم رکھتا تھا۔ وہ اتنا سخت اور اصول مند ہوتا تو اس کی گارمنٹ فیکٹری دو مہینے بھی نہیں چل سکتی تھی۔“

”اب کون ہی چل رہی ہے۔ مس خان کے مرتے ہی فیکٹری بھی جل کر راکھ ہو چکی ہے اور وہ اب انٹرنس کمپنی کو لوٹنے کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ نوڈگار تو شکیا ہی تھا، ہم اپنے گھر تک سے محروم ہو چکے ہیں۔ پتا نہیں کب اپنی چھت کا سایہ میرے آئے گا۔“

”سب سوچنا چھوڑ دو۔ مرا ہوا ہاتھی بھی سوال لکھ کا ہوتا ہے۔ جہانگیر کو ذرا سا ذہنی سکون میسر ہو تو وہ آج ہی ایک بنا گھر خرید سکتا ہے۔ تم میری یہ پیشین گوئی کہیں لکھ لو کہ بیسے کی رقم ملنے کے بعد وہ دوبارہ فیکٹری لگانے کا اور فائدہ سے میں رہے گا۔ ہو سکتا ہے

”سرسے سرے پر بی لائیڈ۔ ہم طارق۔ صدر امریکا اور راس ایڈا جیسی نام نہاد عظیم المرتبت ہستیاں ہوتی ہیں۔ درمیان میں کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا، وہ تم خود سوچ سکتی ہو۔“

”ہم امریکا کے صدر کی بہت بے رحمی سے تحلیل کر رہی ہو!“

”والے نے اس کی گرفت کی۔“

”ہمیں نہ کروں؟“ وہ ابھرجا۔ ”وہ میرے باپ کا قاتل ہے۔ جی لائیڈ نے اس کے مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے اپنی زندگی بچ دی۔ امریکا کے گکڑے ہوئے رئیس زادوں کو بیرون کی تباہ کاریوں سے بچانے کے لیے تقریباً آٹھ سو گنا ارض پر پسماندہ اور ترقی پذیر ملکوں میں بیرون کی مہذبیاں پیدا کیں۔ اس کی کوششوں کی وجہ سے امریکا میں بیرون اتنی کم باپ ہو گئی تھی کہ اس کی قیمت عام امریکنوں کی قیمت خرید سے باہر ہو چکی تھی مگر اسے اپنی خدمات کا کیا انعام ملا۔۔۔۔۔۔؟ وہ وائٹ ہاؤس میں امریکا کے صدر سے مل کر تباہ پتا نہیں اس نے صدر کی کس دیکھتی رگ پر انگلی رکھ دی تھی کہ باہر قزاق اجل اس کا شہر تھا۔ وائٹ ہاؤس کے باہر کسی باطلوم قاتل کی چلائی ہوئی ایک بے آواز گولی میرے باپ کی خدمات کا انعام تھی۔ وہ مارا گیا، جہانگیر کو خور اس کا جائزین مقرر کر دیا گیا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے باپ کی میت پر اپنی ترقی کا حق لینے والا پاکستان آیا اور یہاں ڈینی کے ہاتھوں ایک کتے کی موت مارا گیا مگر اس کی موت جی لائیڈ کو واپس نہیں لاسکی۔ میں مانتی ہوں کہ وہ میرا قانونی نہیں، فطری باپ تھا مگر مغرب میں اب قانون اور مذہب سے زیادہ نفرت کی فرماں روا کی ہے۔ مغرب میں کڑوؤں کی تعداد میں ایسے مردود ذہن سالمی انتھار کے درجوں پر فائز ہیں جو مشرق کی روایات اور مغرب کے مذہب و قانون کے تحت فرامی ہیں۔ اپنی ذات کے لیے کا انتقام لینے کے لیے وہ ہر مذہبین چاہی مائوں کو جہنم دے رہے ہیں۔ میری بات لکھ لو کہ مغرب میں یہ رت چل ہی پڑی ہے تو اب لکھیں اور شہزادیاں بھی اپنی کوکھ سے ایسے بچوں کو پیدا کریں گی جن کے سروں پر کسی مذہبی یا قانونی باپ کا سایہ نہیں ہوگا۔۔۔۔۔۔ شاید میں بیک رہی ہوں مگر تم کو یہ بتانا ضروری ہے کہ میں اپنے والدین کی نفرتوں کی انگوٹھی مثال نہیں ہوں۔ مغرب میں اب یہی ہو رہا ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں، بچے اور بچیاں کی طرح جسے چاہے ہیں اپنا عارضی ساتھی جن لینے ہیں اور دل بھر جانے پر آگے چل دیتے ہیں۔ ناکوہ گناہ بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی منہ حار میں ہانک دیا جاتا ہے کوئی کسی سے نہیں رہی تھی ”میں نے سوچا کہ فون کر کے تمہارا شکریہ ادا کروں۔ ان کے قاتل ہو جانے پر میں بہت زیادہ پریشان تھی۔“

”میرے شکریے کی کیا ضرورت ہے؟ تمہیں جہانگیر کا شکر گزار ہونا چاہئے۔“

”انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ تمہارے سمجھانے بجھانے پر ہی انہوں نے گھر لوٹنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تم ان کی حوصلہ شکنی نہ کرتے تو ابھی کئی دنوں تک گھر کا رخ نہیں کرتے۔“



نہیں کیسے وقت گزار رہی ہے؟ پھر وہ ایک دم ہی لمحہ بدل کر کہا  
”مکس کا فون تھا؟ بہت دیر تک نہں نہں کر باتیں ہو رہی تھیں۔“  
”تم زندگی بھر دو سروسوں کی عمرانی کرتے رہنا۔ کبھی غور نہ  
کرتا۔ آخر تم کب تک لٹنڈو سے پھرتے رہو گے؟“  
”میں تم سے کی تو پوچھنے آیا تھا۔“ وہ کھپائی ہوئی نہں سے  
ساتھ بولا۔

”کیا؟“ میں نے اس پر آنکھیں نکالیں ”اب یہ باتیں بھی میں  
ہی تم کو بتاؤں گا۔۔۔ باہر نکل کر اپنے مطلب کی کوئی شریف زانو  
ڈھونڈو اور اپنا گھر بناؤ۔ اس میں میں کیا کر سکتاں گا۔“

”میرا بھی یہی مطلب تھا۔ ہم کب تک فلیٹ میں محصور رہیں  
گے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ فلیٹ بہت کشادہ اور پُر آسائش ہے لیکن  
پہاڑ جیسے دن اس چار دیواری میں نہیں گزارے جاسکتے۔“

”چند روز تک میرے ساتھ ورا کی تقلید کرو۔ جس دن اہل  
خان کو اس کے اختیارات واپس مل گئے، میں نے انہوں سے سب  
کی شناختی اور سبزی دستاویزات بنوالوں کا پھر کوئی بھی نہیں مانگو  
نہیں لگا سکے گا۔ کیونکہ خوش قسمتی سے ابھی تک پولیس والوں کے  
پاس ہمارا ریکارڈ نہیں ہے۔“

”تم ٹھیک سوچ رہے ہو۔ البرٹ ویلیسا نے تو فکر پرش کے  
ریکارڈ کو بھی دھوکا دینے کا بندوبست کر لیا تھا پھر ہم بنا روپ کیوں  
نہیں اختیار کر سکتے؟“ مگر اس کے ساتھ ہماری شکل و صورت میں  
بھی تبدیلی آجانی چاہئے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آج ہی سے شیوہ  
ترک کر دوں۔“

”خیال اچھا ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ پولیس والے بھی یہ کر  
جاتے ہیں۔ آج کل انہیں ہر بارش فوجانہ کے روپ میں کوئی نہ  
کوئی روپوش ذہنت یا دہشت گرد نظر آتا ہے۔ ایسے طرہوں کی  
شناخت کے لئے وہ سب سے پہلے داڑھی ہی موڑتے ہیں۔“

”وہ مشتبه لوگوں پر ہی ہاتھ ڈالتے ہیں۔ جس دن انہوں نے ہر  
داڑھی والے کو بلا تفریق پکڑنا شروع کیا، اسی دن ایک ہنگامہ کھڑا  
ہو جائے گا۔ دینی مدرسوں کے استاد اور طالب علم ایسی دھاندلی  
نہیں ہوئے دیں گے وہ سب ہی بارش ہوتے ہیں۔ تم مجھے بلا دہ  
خوف زدہ مت کرو۔“

”میں بھی روز روز کے شیوے اکتا گیا ہوں“ میں نے اپنے  
چہرے پر ہاتھ بھرتے ہوئے کہا ”میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ شاہ  
کہ باقاعدگی سے ترشی ہوئی داڑھی میں میرا چہرہ زیادہ پُرکشش نظر  
آتا ہے۔“

”اس بارے میں دیر زیادہ مستدرائے دے سکتی ہے لیکن وہ  
بدقسمتی سے کسی کڑک مرغی کی طرح مسیح پر چڑھی بیٹھی ہے۔  
ویسے بھی یہ رونق اسی وقت تک ہے جب تک ہمارے سارے بال  
کالے ہیں۔ جس دن بھی داڑھی میں چاندی کے تار چمکنے لگے  
ہماری سوچ بدل جائے گی۔“

کہ میں بھی اس کے کا دیوار میں حصے دار بن جاؤں۔“  
ریلیو میں اس کی چٹکتی ہوئی نمی گونچنے لگی اور وہ نہں سے  
درمیان میں ہی بولی ”یہ شیخ چلی جیسے منصوبے ہیں۔ تم تک کر کوئی  
کام نہیں کر سکتے شادی ہمارے ہو، یہی ایک بڑا کام ہے۔ کا دیوار  
میں ان کے حصے دار بن گئے تو ہم ان کے رنگ میں رنگ کر پرانی  
مورقوں کے پیچھے بھاگنے لگو گے۔“

”مجھے حیرت ہے کہ آج تم بہت روانی سے بول رہی ہو“ میں  
نے معنی خیز لہجے میں کہا ”معلوم ہوتا ہے کہ جہاں گیر نے دل کھول کر  
اپنی غیر حاضری کا ازالہ کیا ہے۔ ویسے تو وہ اپنے بچے کی رٹ لگاتے  
رہتا ہے لیکن میرا اندازہ ہے کہ اسے ہماری بھی عادت پڑ گئی  
ہے۔ چلتو جانو روانہ کہیں بھی کھائے پانی اپنے پیاز پری پیتا ہے۔“  
”بھی کبھی تم بہت بے شری کی باتیں کرنے لگتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ  
اپنے گھر کب بلا رہے ہو؟“

”بلانے کا معاملہ ابھی دور ہے۔ پروگرام بنا کر کسی بھی دن  
آجاؤں۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ غزالہ کیس گئی ہوئی ہے جب ہی تم یوں  
کھل کر باتیں کر رہے ہو۔“

”وہ نہں ہی ہے“ میں نے نہں کر کہا ”ویسے میں اس کے  
سامنے بھی کھل کر بات کر سکتا ہوں کیونکہ میرے دل میں چور نہیں  
ہے اور وہ مجھ پر پوری طرح اعتماد کرتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تم  
سے میری کچھ غیر میسر مکر صاف تھری رشتے داری ہے جس سے  
اسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔“

”اس وقت تو تمہارا شکر یہ ادا کرنے کے لئے فون کیا تھا۔ دو  
چار دن میں ادھر آنے کا ارادہ ہوا تو ایک دن پہلے فون پر تمہیں یا  
غزالہ کو بتا دوں گی۔ جہاں گیر سے ملاقات ہو تو انہیں سمجھا دینا کہ وہ  
میرے لئے ایک بار گندہ نظر استعمال کر چکے۔ اب یہ دوبارہ ان کی  
زبان پر نہیں آنا چاہئے۔ تین مرتبہ کے بعد ہم دونوں ایک  
دوسرے پر حرام ہو جائیں گے۔ زیادہ پی لینے کے بعد وہ بہت زیادہ  
بننے اور بکنے لگتے ہیں۔“

”نہ صرف سمجھا دوں گا بلکہ اس مضمون کی ایک مختصر بھی  
اس کے گلے میں ڈال دوں گا۔“

اس سے بات ہونے کے بعد میرا مؤذرت ناک مد تک  
خوشگوار ہو گیا۔ ذہن پر چھائی ہوئی اکٹھا ہٹ بالکل دور ہو چکی تھی  
جیسے اس کا وجود ہی نہیں رہا ہو۔

فون پر گفتگو ختم ہوتے ہی سلطان شاہ میرے پاس آدھکا۔  
معلوم ہو رہا تھا کہ وہ جیسے فون پر میری گفتگو ختم ہونے کا ہی انتظار  
کر رہا تھا۔

”تم تو ناراض ہو کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ اب کیوں  
جنگ مارنے کے لئے آئے ہو؟“ میں نے کہا۔

وہ ڈھٹائی سے نہں بڑا ”دیر اکچھ اثر آ گیا تھا۔ مجھے تو ذرا سی  
دیر میں ہی کمرے میں دھشت ہونے لگی۔ وہ کل سے اندر کھسکا ہوا



دور تیل کی آواز پر ہماری نوک جھونک کا سلسلہ وہیں منقطع ہو گیا۔

آنے والی غزالہ ثابت ہوئی۔ اس کے چہرے سے دے دے جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے اندر آتے ہی تازہ اخبارات میز پر ڈال دیے اور بیچان زدہ آواز میں بولی ”اخبار آپ تک پہنچانے کی محنت میں آج بھر میری جگہ شاپنگ ادھوری رہ گئی۔ کل ان لوگوں کا بھر کس نکل کر رہ گیا ہے۔“

میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ایک اخبار اٹھا چکا تھا جس کے پہلے صفحے پر پی ایس ایچ ایس کے ہلاک نمبر چھپے ہوئے والی، بمیاک خوں ریزی کی چار کالمی ذیلی سرخی موجود تھی۔

غزالہ دوسرا اخبار لے کر بیٹھ گئی اور میں سرخیوں کے بعد کئی حوالوں سے شائع ہونے والی اس خبر کے تفصیلی مطالعے میں مصروف ہو گیا۔

اس وقت تک ٹریڈر اور اس کے سدھائے ہوئے کتے کو گولیاں مارنے کا واقعہ پرانا نہیں ہوا تھا اس لئے خبر کی ابتدا اسی واقعے سے ہوئی تھی۔ اس مکان میں رہنے والوں پر دو روز سے موت کی سخت منڈلا رہی تھی۔ ایک قیمتی کتے اور اس کے رکھوالے سے محروم ہونے کے بعد ان لوگوں کو اپنے مقامی محافظوں کے کمانڈر سے بھی ہاتھ دھونے پڑ گئے۔ وہ فیروز آباد پولیس اسٹیشن کے عتبہ میں کسی نامعلوم قاتل کی تین ملک گولیوں کا نشانہ بنا تھا۔ بد رو داوا کے نام سے شناخت کیا جانے والا وہ کمانڈر دراصل شہر کا ایک بدنام ہسٹری شیر تھا جو پولیس اور قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ٹرانسپورٹ کے کام کی آڑ لے چکا تھا۔

بد رو داوا کے قتل کے بعد اس کے آدمیوں کا غیر ملکیوں سے مسلح تصادم ہو گیا اور پورا علاقہ دھواں دھار فائرنگ سے گونج اٹھا۔ پولیس کے آنے تک سب لوگ فرار ہو چکے تھے مکان میں بس تین غیر ملکی کمین اور کچھ زخمی سفید فام رہ گئے تھے تین زخمیوں نے پولیس والوں کے دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ دیا۔ چوتھا راستہ میں مر گیا۔ بقیہ تین زخمیوں کو پولیس کی کڑی نگرانی میں ایک معصوف بچی اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ پولیس نے ان زخمیوں کے بارے میں سخت رازداری اختیار کی ہوئی تھی۔ اخباری نامہ نگاروں یا فونو گرافروں کو وہاں پر مارنے کی بھی اجازت نہیں تھی لیکن زخمیوں کے بچنے کے بعد اس اسپتال میں سفارتی گاڑیوں کی بھاری آمدورفت کا پراسرار سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

خون آشام واقعات کا سلسلہ اس کثرت و خون پر ختم نہیں ہوا۔ چند گھنٹوں بعد ہی اس عمارت کا ایک بڑا حصہ ہولناک دھماکے کے ساتھ جلتے ہوئے لمبے میں تبدیل ہو گیا۔ علاقے کے بعض کمینوں نے دھماکے سے قبل اس مکان میں متعدد قاتلوں کا شور سننے کا دعویٰ کیا تھا۔

مکان کے لمبے سے ایک لاش برآمد ہوئی جس کی دونوں ٹانگیں اونچی تھیں اور چو لمبے میں دب کر بری طرح مسج ہو گیا تھا۔ اسے بعد میں پیننگ کے نام سے شناخت کر لیا گیا۔ ایلن نامی دوسرا شخص شدید زخمی تھا۔ اسے بھاری پیرے میں اسی اسپتال میں پہنچا دیا گیا جہاں تصادم کے زخمی زیر علاج تھے۔ تفصیلی دیکھ بھال کے باوجود لمبے میں اس گھر کے تیسرے کمین کا سراغ نہیں مل سکا جو مسلح تصادم کے بعد پولیس والوں سے مل چکا تھا۔ اس کا نام راڈنی آرک بتایا گیا تھا۔ یعنی شاہدین کے مطابق دھماکے کے کچھ دیر بعد اس مکان سے ایک گاڑی کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہوئی تھی۔ اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک پراسرار قد آور شخص برائمان تھا جس کے سر سے لے کر جسم کے ہر نظر آنے والے حصے پر جست غلاب اور سیاہ لباس منڈھا ہوا تھا۔ شہر کے انتظامی ذرائع نے اس بارے میں عمل خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ سرکاری پریس نوٹ میں ان وارداتوں کی جزئیات سے گریز کرتے ہوئے ”ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد بتا کر تحقیق کی آڑ میں سب کچھ پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ان واقعات کے مجرموں کا سراغ لگانے کے لئے متعدد ادارے حرکت میں آ گئے تھے۔“

میں نے بقیہ خبروں کا سرسری جائزہ لے کر اخبار ایک طرف ڈال دیا۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ پیننگ اپنے اسی بارودی پائپ کا نشانہ بنا تھا جسے وہ بڑی شان سے اپنی بیٹل سے لٹکا کر گھوم رہا تھا۔ اگر میں نے احتیاط کے طور پر وہ فولادی پائپ نہ اٹھایا اس سے نہ لے لیا ہوتا شاید ہم ان لوگوں کو خون میں نہلانے کے موقع سے محروم ہو سکتے تھے۔

پیننگ واضح طور پر ایلن کا دست راست تھا۔ اس کی موت ایلن کے لئے بدترین نقصان کے مترادف تھی۔ خود ایلن بھی اسپتال میں پڑا اپنے زخموں کو چات رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس انڈیا بھی اس دھماکے سے محفوظ نہیں رہا تھا۔ زخمی ہونے کے باوجود اسے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنے کی فکر لاحق تھی اس لئے وہ بدحواسی کے عالم میں وہاں سے ایک گاڑی میں نکل بھاگا تھا۔ اخباری اطلاعات میں گاڑیوں کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ مگر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ ان لوگوں کے برآمدے کے سامنے دو گاڑیاں موجود تھیں۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ راس المیڈا نے پولیس والوں کے سامنے اپنا نام راڈنی آرک ظاہر کیا تھا۔ ان دونوں انگریزی ناموں کے ابتدائی حروف آر اور اے تھے شاید اس نے نیوارک سے پاکستان تک کا سفر راڈنی آرک کے نام سے کیا تھا۔ یہ نکتہ اول خان کے لئے بہت کارآمد ثابت ہو سکتا تھا۔ اس نام کے ذریعے امیگریشن والوں کے ریکارڈ سے یہ آسانی معلوم کیا جاسکتا تھا کہ وہ کب، کس مقصد سے اور کتنے عرصے کے لئے پاکستان آیا تھا اور

مطین رہیں۔ آج رات تک دسترخوان پر گوشت نظر آتا رہے گا۔ میں بچن میں جاری ہوں۔“

وہ فوراً ہی اٹھ کر بچن کی طرف چل دی۔ سلطان شاہ کی آنکھیں کسی خیال سے جھپکنے لگی تھیں۔ اس نے کہا ”اس پوری بھاگ دوڑ میں ہمدال خوروں کو بالکل ہی بھلا بیٹھے ہیں۔“

”وال خور؟“ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے دہرایا ”تم کس کی بات کر رہے ہو؟“

”موٹی لال کی کمائی سن لینے کے بعد تم نے کمری کو اپنی فرست میں شامل کر لیا تھا۔“

”وہ!“ میں ایک گمراہ سانس لے کے رہ گیا ”مجھے پر تاب ادھکاری کے حوالے سے کمری اچھی طرح یاد ہے لیکن میری نظروں میں ان لوگوں کی بہت زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ وہ مسئلہ طور پر ہمارے دشمن ہیں اور وہی کچھ کر رہے ہیں جو ایک دشمن کو کرنا چاہئے مجھے زیادہ گھرانہ حرام زادوں کی ہے جو موقع بے موقع ہم سے دوستی کے دعوے کرتے رہتے ہیں لیکن عملی طور پر ہماری جزیں کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”یہ عجیب بات ہے“ وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔ ”یہاں معلوم ہو رہا ہے جیسے تمہارے دل میں بھارتیوں کے لئے کوئی نرم گوشہ پیدا ہو رہا ہے۔ دشمن دشمن ہی ہوتا ہے۔ اس کا سر پکڑنے میں تاخیر کی جائے تو کبھی کبھی ہماری نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔“

”دل کے بجائے منہ دماغ سے سوچو گے طو میری بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔“

”تم موجود ہو تو مجھے اپنے دماغ پر بلاوجہ زور دینے کی کیا ضرورت ہے؟“

”سانپ کو کوئی نہیں چومتا۔ سب جانتے ہیں کہ وہ موذی ہوتا ہے اس لئے ہر ایک اس سے بچ کر نکلتا ہے لیکن راستے میں کوئی خوب صورت لمبی نظر آئے تو کوئی اس کی پروا بھی نہیں کرتا۔ اسے ہوش اس وقت آتا ہے جب وہ پاگل لمبی بے خبری میں اس کی پندلی کا گوشت اوجھڑ کر اپنا زہر اس کے جسم میں داخل کر چکی ہوتی ہے۔ اس وقت ہم کچھ ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہیں۔ تم سب کا سر پکڑنا چاہ رہے ہو مگر میں خوب روہلیں میں پاگل لمبی کا پیچھا کرنا چاہ رہا ہوں۔ بس اتنی سی بات ہے۔“

”ایک طرف تم انہیں سانپ سے تشبیہ دے رہے ہو دوسری طرف انہیں اہمیت دینے پر بھی آمادہ نہیں ہو۔ یہ اقتدار میری محدود کمزوری کی دسترس سے باہر ہے۔“

وہ باتیں شاید اس کی رسائی سے باہر ہی تھیں۔ بھارتیوں کی پاکستان سے دشمنی ایک مسئلہ حقیقت تھی۔ وہ پورے ہندوستان کو ہندوؤں کا وطن سمجھتے تھے۔ انھیں بھارت کا استعجابانہ نعروں اسی فلسفے کی پیروی اور تھا۔ یہ دیگر بات تھی کہ مسلمانوں نے اقلیت میں ہونے کے باوجود مدتوں اس عظیم مملکت پر رواداری کے ساتھ حکمرانی کی

کہاں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

”تم نے ایک ہی دار میں اس کے سارے بزدلانہ حیلوں کا جواب دے ڈالا ہے۔“ غزالہ نے اخبار پڑھنے کے بعد سلطان شاہ سے کہا ”اتنے ہماری نقصانات اٹھانے کے بعد ان لوگوں کو پسا ہو جانا چاہئے۔“

”یہ ذہنی کارنامہ ہے“ سلطان شاہ میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا ”اس بارے میں مجھے الزام مت دو۔ ساری بات کا ردیو ایکٹوٹک سوچنے کا ردیو سوچنے سے شروع ہوئی تھی۔ میں اس کے وجود ہی سے بے خبر تھا۔ اگر وہ لوگ اس سوچ سے بدست زدہ نہ ہو گئے ہوتے تو ہم ان کو باتوں کے جال میں نہیں پھانس سکتے تھے۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی بھون ڈالتے۔“

”میں نے ان کے لئے ایک فرضی خطرو پیدا کیا تھا۔ انہیں بدترین نقصان اس ڈیوائس سے پہنچا ہے جو تم نے تاک کر راہ داری میں پھنکی تھی۔ ہماری کامیابی کا راز یہی تھا کہ ہم دوتھے۔ اکیلا آدمی ان تینوں بد معاشوں کو نہیں سنبھال سکتا تھا۔“

”تم کہتے ہو تو مانے لیتا ہوں ورنہ میں تمہارے مکارانہ مذاکرات میں کسی اسحق کی طرح خاموش بیٹھا ہوا تھا۔“ وہ اس مصرعے کی یاد تازہ کرتے ہوئے بولا ”مجھے ڈر تھا کہ میں نے زبان کھولی تو تپنی ہوئی بات بگڑ جائے گی اور پھر پیرزے وہ ڈیوائس بھی تم ہی نے لی تھی اور اسے آخر تک لئے پھرتے رہے تھے۔“

”حیرت ہے۔۔۔ اس وقت دونوں پر منکر الزامی کا وہ پڑا ہوا ہے۔“ غزالہ بولی ”میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ جو کچھ بھی ہوا، بہت اچھا ہوا۔ ہم نے انہیں ان کے گھر میں دھکیل دیا ہے۔“

ہم تینوں میں اس واقعے کے بارے میں تفصیلی تبادلہ خیال نہیں ہو سکا تھا۔ ایک طرف ہم نتائج سے بے خبر تھے اور دوسری طرف دیر کی گزری ہوئی ذہنی حالت کی تشویش لاحق تھی۔ اخبار پڑھ لینے کے بعد سب ہی اپنے اپنے دل کی بجز اس نکالنے میں مصروف تھے۔

”یہ برا ہوا کہ اخبارات لانے کی فکر میں تمہاری خریداری پھر ادھوری رہ گئی“ موقع پا کر میں نے موضوع بدلنے کے لئے شوشہ چھوڑا ”اب کل تمہیں پھر بازار جانا پڑے گا۔“

”مجبوری ہے“ غزالہ بے پردائی سے اپنے شانے اچکا کے بولی۔ ”مشن اور بچن کی خریداری رہ گئی ہے۔ اگر وہ چار دن وال بیزی پر گزارہ کر سکیں تو مجھے کہیں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔“

”اور شاید اس پروگرام پر اسی وقت سے عمل ہونا شروع ہو جائے گا؟“ میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

میرا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ ہنس پڑی اور شرارت سے بولی۔ ”وال اور بزیوں بھی لوگ شوق سے کھاتے ہیں آپ اس طرح منہ بناتے ہیں جیسے میں جڑی بوٹیوں کا ارادہ رکھتی ہوں۔ آپ

تھی جو میں پچھلے دن سے دیکھ رہا تھا۔

میں نے اس پر نگاہ پڑنے ہی چک کر اس کی طرف مڑی۔ میرا خیال تھا کہ جواب میں وہ مسکرا دے گی لیکن اس کا چہرہ پاٹ ہی رہا۔ جذبات اور تہذیبی سے بکسر عاری! جیسے اس کے دل پر کوئی بہت بڑا بوجھ ہو۔ وہ آنی اور میز کے گرد ای کرسی پر بیٹھ گئی جو اس نے پہلے بار منتخب کی تھی۔

ویرا کھانا رغبت سے کھا رہی تھی لیکن کبھی کبھی لقمہ لینا بھول کر کسی گرمی سوچ میں ڈوب جاتی تھی۔ غزالہ اسے ٹوکتی تو وہ چونک کر دوبارہ کھانے میں منہمک ہو جاتی۔ کھانے کے دوران میں کئی بار ایسا ہوا۔ ہم تینوں نے اسے بولنے پر آمادہ کرنے کی کئی کوششیں کیں لیکن ویرا کی گفتگو ہوں ہاں سے آگے نہیں بڑھ سکی۔

”میری وجہ سے تم سب اداس اور پریشان ہو؟“ کھانا ختم کرنے کے بعد ویرا نے اچانک ہی ہم سب سے مخاطب ہو کر سرو آواز میں کہا۔ یہ بات اس نے نشے کے عالم میں پچھلی رات بھی کہی تھی۔

”ہرگز نہیں۔ یہ تمہارا دہم ہے۔ پریشانی ضرور ہے مگر تم جلد ہی نارمل ہو جاؤ گی۔“

ہمارے جوابات پر اس کے چہرے سے ہلکی سی طمانیت جھلکنے لگی اور اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا ”بے زار ہو جاؤ تو مجھے بتا دیتا۔ میں خاموشی سے کہیں چلی جاؤں گی۔“

میں نے اس کی بات کاٹ کر زری سے کہا ”تم ہمارے بارے میں سوچ کر اپنے ذہن کو مت تھکاو۔ تم بھی ہم میں سے ہو۔ ہم سب ایک دوسرے کے دست و پاؤں ہیں۔ کسی انگلی میں پھانس لگ جائے تو وہ دوسرے دھم دھم رتنہ مند مل ہوئی جاتا ہے۔ پاؤں کو کاٹ کر نہیں پھینکا جاتا۔ ہم اس مبارک دن کا انتظار کریں گے جب تم ہمارے ساتھ بیٹھ کر پیسلے کی طرح قہقہے لگا سکو۔“

”تم سب بہت مہربان اور نرم خو ہو“ اس بار ویرا کی آواز سے ممنونیت جھلک رہی تھی۔

وہ میز سے اٹھ گئی۔ میں نے اس سے کہا ”چاہو تو تازہ اخبار لے لی جاؤ۔ اس میں تمہارے مہرموں کے عبرت ناک انجام کی خاصی تفصیل کمائی موجود ہے۔“

اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا لیکن ہاتھی پر سے انگریزی اخبار منتخب کر کے اپنے ساتھ لے گئی۔ ایلین اور راس الیڈا کو ان کی اوقات عیاد دلانے کے بعد ہمارے پاس کھانے، باتیں کرنے یا سونے کے سوا کوئی چوتھا کام باقی نہیں رہا تھا۔ ایک مرتبہ پھر باتوں کا سلسلہ چل نکلا مگر میڈا زین اول خان میں الجھا ہوا تھا۔

وہ پچھلی شام کو ہم سے ملنے آیا تو اسے ایلین کے مکان پر رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں مکمل معلومات نہیں تھیں۔ مجھے توقع تھی کہ اخبار پڑھنے کے بعد وہ ضرور فون کرے گا لیکن آدھے سے زیادہ دن گزرنے کے باوجود اس نے ہم سے رابطہ نہیں

تھی اور اس زمین پر اپنا ساوا نہ حق سمجھتے تھے۔ پھر مہارت کو توڑ کر ایک نئی مسلم ریاست کی بنیاد رکھ دی گئی۔ پاکستانی اپنے حق کے حصول پر نازاں رہے اور متعصب ہندوئی مملکت کے قیام کو اپنی حق تلفی سمجھ کر کھٹے رہے اور اسے ہر موقع پر نقصان پہنچانا اپنا فرض تصور کرتے رہے۔ کرل میشل پال اور کاشی سے لے کر کرکری تک۔ وہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے اسی ہندو سوچ کا تسلسل تھا اور کوئی بھی ذمے دار پاکستانی ان کی کھلی دشمنی سے غافل نہیں تھا۔ میری ایمان دارانہ رائے تھی کہ دونوں فریقوں کا حساب کم و بیش برابری چلتا تھا۔ ان کے سفارت کار ہمارے یہاں اپنا کام دیکھانے کی کوششوں میں مصروف رہتے تھے تو نئی دہلی میں ہمارے خبیہ ادارے بھی ان کی دیکھتی ہوئی رگوں پر وار کرتے کھڑے تھے۔ وہ دو طرفہ کھیل تھا جس میں ہر فریق اپنے مخالف کو مقدور بھڑک پہنچانے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔ اس دوران میں ان کے کسی کارندے کی گردن ہمارے ہاتھ میں آ جاتی تھی تو وہ ہمارا خالص منافع ہوتا تھا۔ وہ صورت حال بہت المیہ ناک تھی۔ لیکن اس کے خاتمے کے لئے وقت درکار تھا اور قوموں کی تانگوں میں وقت مینٹن اور سالوں میں نہیں، صدیوں میں گنا جاتا ہے۔

وہ میدان میں اترے ہوئے دوش زور پہلوانوں کی کشمی تھی جو لڑتے لڑتے ایک دوسرے کی چالاکوں اور کزوریوں سے بڑی حد تک واقف ہو چکے تھے۔ امریکا بھادر اس کشمی کا ریفری بنا ہوا تھا اور موقع مل دیکھ کر دونوں پر سہمیکار پہلوانوں کو اپنی ہمدردیوں کا یقین دلا کر مقابلے کو طویل دینے کی کوششیں کرتا رہتا تھا کیونکہ اس ماحول میں اس کے اسلحہ خانے کے اذکار رفتہ ہتھیار منہ مانگے داموں پر خوشامد کر کے خریدے جا رہے تھے لیکن میں نے اندازہ لگایا تھا کہ ان دنوں ریفری کے توجہ بدلے ہوئے تھے۔ وہ مکملی جانب داری پر مائل نظر آ رہا تھا اور اپنے محبوب پہلوان کو ٹاک ٹاک کر ایسے واؤ اور نشانے بتا رہا تھا جن کے سارے معتوب پہلوان جلد از جلد زیر ہو سکے۔ وہ لڑنے والوں کی نہیں، ریفری کی بدینہ تھی اور وقت کا تقاضا تھا کہ ریفری کو فوری طور پر ایک جینی وود کو شک رنگ سے باہر پھینک دیا جائے تاکہ تاریخ کے میدان میں دونوں پہلوانوں کی فکارتانہ لڑائی جلد از جلد اپنے فطری انجام کو پہنچ سکے۔ اس لڑائی میں پہلوان کو پہلوان سے کم مگر ریفری سے زیادہ خطرہ تھا۔

میں نے وہ ساری باتیں سلطان شاہ کی کھوپڑی میں اندھیلے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ بس اس کی یہ غلط فہمی دور کر دی کہ حالات کے حوالے سے میری سوچ میں کوئی بڑی تبدیلی آ رہی تھی۔

کھانے کے وقت ویرا کمرے سے باہر آئی تو خاصی بہتر نظر آ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے درم میں کمی آ چکی تھی، بال سنورے ہوئے تھے، بدن پر غزالہ کا صاف ستھرا اور باوقار لباس نظر آ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں وہی سختی اور سرد مہمی جمی ہوئی

ترین پہلو ہے۔ میرے شوہر کسی کا دوبارہ دورے میں لاپتا نہیں ہوئے تھے۔ انہیں بیویوں ملک گرفتار کر لیا گیا تھا اور وہ آج کل کارڈ کی جیل میں دس سال کی قید کاٹ رہے ہیں۔ اس نے ایک ایک کدہ سنسنی خیز انکشاف کر دی ڈالا۔

اس خبر پر میں سائلے میں آگیا۔ مسز فنی کی کمائی کا آغاز میری توقع سے کہیں زیادہ ڈرامائی ثابت ہوا تھا۔ میں نے اضطرابی لہجے میں پوچھا: ”ن کا جرم کیا تھا؟“

”میں نے آپ پر بھروسہ کیا ہے تو میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔ وہ اپنے منیر کے سامان میں چار کلو ہیروئن چھپا کر برطانیہ میں لے جاتے ہوئے ایک وک انٹرپورٹ پر پکڑے گئے تھے۔ ان کا منیر بھی پکڑا گیا بلکہ پہلے وہ پکڑا گیا اور جب اس نے یہ بتایا کہ اسے فنی صاحب نے وہ پکٹ سامان میں ڈالنے کے لئے دیا تھا تو فنی صاحب بھی گرفتار کر لئے گئے۔ اولڈ بلی کی عدالت نے منیر کو پانچ سال اور فنی صاحب کو دس سال کی سزا سنائی یہ واقعہ دو سال پہلے پیش آیا تھا۔“

”یہ معاملات میں مغربی پریس بہت متعصب ہے۔ اس نے یہ واقعہ بہت اچھالا ہو گا۔“

”میں ان کے اخباروں میں بھی خبریں لگتی رہتی تھی۔ اپنے بیٹے کو ان واقعات سے بے خبر رکھنے کے لئے میں نے پڑھائی کے بجائے امریکا بھیج دیا۔ بعد میں اس سے کہہ دیا کہ اس کے باپ لاپتا ہو گئے ہیں۔“

میں نے اندازہ کر لیا کہ میں نے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کیا تو اس کی کمائی بہت طویل پکڑ جائے گی جب کہ میں وہ اسباب جاننے کے لئے بے چین تھا جن کی بنا پر وہ میرے پاس آئی تھی۔

”بہت افسوسناک ساخہ تھا“ میں نے بات سمیٹتے ہوئے کلد ”تیز ترین ترقی کے بہت سے جوان ایسے غلط راستوں پر چل پڑتے ہیں اور اپنے کاروبار کے ساتھ خود کو بھی تباہ کر لیتے ہیں۔“

”ان کا کوئی اور کاروبار نہیں تھا۔ سب کو یہی معلوم تھا کہ وہ کوئی برآمدی کاروبار کرتے ہیں۔ شادی سے پہلے میں خود بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا تھی۔ ان کی دولت نے مجھ سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لی تھی۔ شادی کے بعد جب ان کے آئے دن کے کلکی اور غیر ملکی دروں کا بھید کھلا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ہیروئن کا کاروبار کر رہے ہیں لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکی۔“

”میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ آپ اپنے شوہر کے ماضی کو کیوں بے نقاب کر رہی ہیں اور ان سے میرا کیا تعلق ہو سکتا ہے“ مجھے مسز فنی کی وضاحتوں سے الجھن ہونے لگی تھی۔

”ان باتوں سے واقف ہوئے بغیر شاید آپ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔“

”لیکن یہ تو معلوم ہو کہ مجھے کیا کرنا ہے۔؟ آپ مجھ سے کیا

کیا تھا۔ میرے پاس اس کے گھر اور دفتر کے فون نمبر موجود تھے مگر میں نے اسے فون کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ معمولی سے مجال ہونے کے بعد وہ مختلف حالات سے نبرد آزما تھا اور شاید اپنی پوزیشن منظم کرنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ مجھے سوہوم سا شبہ تھا کہ وہ اپنے دفتری ساتھیوں کی موجودگی میں فون پر مکالمے نہیں کر سکے گا۔ لیکن اسے پورے دن میں تنہائی کے چند ایسے لمحات میرے آجائے چاہئے تھے جب وہ رازداری کے ساتھ ہمیں فون کر سکتا تھا۔

ایک مرتبہ پھر ڈور بیل کی آواز نے ہمیں چونکا دیا۔ میری نگاہیں غیر ارادی طور پر وال کلاک کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں سوئیاں پورے پانچ بجتے کا اعلان کر رہی تھیں۔ میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ شاید مسز فنی وقت کی پابندی کرتے ہوئے ہمارے دروازے پر آ موجود ہوئی تھی۔

غزالہ نے دروازہ کھولا اور میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ میں نے سلطان شاہ کو فوراً ہی اس کے کمرے میں بھیج دیا۔ اس کی موجودگی سے مسز فنی بے آرام ہو سکتی تھی۔ دیے بھی میں نے اس سے وہ فلیٹ صرف اپنے اور غزالہ کے استعمال کے لئے لیا تھا۔ فلیٹ میں زیادہ افراد کی مستقل موجودگی پر وہ معترض ہو سکتی تھی۔

مسز فنی غزالہ کے ساتھ رہی باتیں کرتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی تو میں نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور اسے ایک صوفے پر بٹھانے کے بعد خود بھی بیٹھ گیا۔ غزالہ چائے وغیرہ تیار کرنے کا بیانہ کر کے وہاں سے نکل گئی۔ مسز فنی نے تکلف کے طور پر بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

اس وقت میں نے ذرا غور سے اس کا جائزہ لیا۔ پہلی ملاقات کے مقابلے میں وہ زیادہ بنی سنوری اور دکھش نظر آ رہی تھی لیکن اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار موجود تھے۔ وہ کسی انتہائی مجبوری کے عالم میں مجھ سے ملنے کے لئے آئی تھی ورنہ وہ اجنبیوں سے ایسی ملاقات کی عادی معلوم نہیں ہوتی تھی۔

”آپ کی کمائی سننے سے پہلے میں ایک بار پھر اپنی بات بہراؤں گا کہ آپ نے مجھ پر اعتماد کر کے میری جو عزت افزائی کی ہے میں پوری طرح اس کا اہل نہیں ہوں مگر پھر بھی میں کوشش کروں گا کہ آپ کے کام آسکوں“ میں نے اس کی جھجک دور کرنے کے لئے خود ہی بات چھیڑ دی۔

”پہلے تو میں اپنے اس جھوٹ پر معافی چاہتی ہوں جو میں آپ سے بول چک ہوں“ وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے بولی ”مگر وہ میری مجبوری تھی۔ مجھے اپنے شوہر کے بارے میں لوگوں کو کچھ نہ کچھ بتانا ہی پڑا ہے۔“

”وہ جھوٹ اتنی صفائی سے بولا گیا ہو گا کہ مجھے اس کا اندازہ بھی نہیں ہو سکا“ میں نے میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”آپ بلاوجہ اس کا اعتراف کر کے میرا حوصلہ برباد رہی ہیں۔“

”جتنی جتنی۔ ایسی بات نہیں ہے۔ وہی میری کمائی کا تاریک

ساہوکار ہر اہم موڑ ایک دوسرے کو اپنے سامنے بائیں گے۔  
”آہ۔ آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟ کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ہے؟“

”مجھے اپنے ایک دوست کا نومولود بیٹا یاد آ گیا تھا جسے پیارے ڈینی ی کما جاتا ہے۔“

”عجیب اتفاق ہے“ وہ سرسری لہجے میں بولی پھر اپنا سلسلہ دکلام جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی ”ایک زمانے میں ڈینی پورے ملک کا سب سے بڑا بد معاش تھا۔ وہ ایک بازاری عورت سے عشق کرتا تھا۔ اسے ڈینی کے آدمی بلیک کو چین کے نام سے جانتے تھے اور وہ گروہ شی کلٹا تھا پھر وہ سب بکھر گیا۔ بڑے کاموں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ اس کے بعد سے ڈینی پر مسلسل برا وقت آیا ہوا ہے۔ قانون کے محافظ اس کی تلاش میں ہیں۔ وہ ان سے چھپتا پھرتا ہے۔ اگر آپ میری مدد کریں اور ذرا سی محنت کریں تو ڈینی کا سراغ مل سکتا ہے۔“

”میں پوری کوشش کروں گا۔ کیا آپ نے اس بارے میں ابھی تک کسی اور سے بات نہیں کی ہے؟“

”کس سے کہتی؟“ وہ دل گیر لہجے میں بولی ”بدنامی اور رسوائی کے بعد رشتے داروں سے لے کر دوستوں تک نے ساتھ چھوڑ دیا۔ پرانے شہنشاہ مجھ سے ملنا بھی پسند نہیں کرتے۔ آپ میری زندگی میں پہلے آدمی ہیں جس کے سامنے میں نے زبان کھولی ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ اگر آپ کی کوششوں سے فنی صاحب کو رہائی مل گئی تو میں یہ فیلیٹ کسی معاوضے کے بغیر آپ کے نام کر دوں گی۔“

”اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ سی آئی اے والے ڈینی کی گرفتاری کے بعد فنی کو رہا کر دیں گے؟“

”وہ دونوں بہت بڑے اور ذمے دار افسر ہیں۔ انہیں ہر بات معلوم ہے۔ وہ مجھے قریب نہیں دے سکتے۔“

”ڈینی کو پکڑا کر ہم ڈینی ی نہیں، اس کے آدمیوں کی بھی دشمنی مول لیں گے۔ وہ ہمارے خون کے پیاسے بن جائیں گے اور وہ لوگ ہمیں ان کے رحم و کرم پر چھوڑ کر ڈینی سمیت امریکا چلے جائیں گے۔“

”مجھے ان خطرات کا اندازہ نہیں تھا۔ انہوں نے خود کہا ہے کہ ڈینی مارا یا پکڑا گیا تو وہ مجھے اور فنی صاحب کو گرین کارڈ دلا دیں گے۔ فرخ پہلے سی امریکا میں ہے۔ ہم تینوں وہاں نئے سرے سے زندگی شروع کریں گے۔ آپ چاہیں تو میں ان سے آپ کے گرین کارڈ کے لئے بھی بات کر سکتی ہوں۔“

”نہیں“ میں نے سختی سے کہا ”میں بھی آپ ان سے میرے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہیں گی۔ پہلے میں ان کے بارے میں چھان بین کروں گا۔ فنی کی رہائی اتنی آسان نہیں ہو سکتی۔ وہ برطانیہ میں قید ہے جہاں منشیات کے خلاف بہت سخت قوانین نافذ

”اتنی ہیں؟“  
”میں اسی طرف آ رہی ہوں۔ میرا فرخ دھاتی کے لئے امریکا ہوا تو اس کی عمر صرف سات سال تھی۔ وہ وہاں ایک پورٹریٹ

پوس میں رہ رہا ہے اور دوسروں میں بہت ہوشیار ہو چکا ہے۔ سی آئی اے والوں نے اس کے بارے میں چھان بین کرتے ہوئے فنی صاحب کے پورے ماضی کو کھنگال ڈالا اور ان باتوں سے بھی واقف ہو گئے ہیں جو ابھی تک میرے علم میں بھی نہیں تھیں۔“

وہ دوسرا سلسلی خیر انکشاف تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ مسز فنی کی باتیں غیر ضروری یا بے ربط نہیں تھیں۔ ان تفصیلات کو بیان کرنا بغیر پوری صورت حال کو سمجھا دینا شرعی نہیں، نا ممکن تھا۔

وہ سانس لینے کے لئے رکی تھی۔ لمحہ بھر کے بعد اپنی بات ادنیٰ رکھتے ہوئے بولی ”دس دن پہلے سی آئی اے کے دو افسر میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے مجھے پیش کش کی ہے کہ اگر میں ہاں ایک بین الاقوامی مجرم کی گرفتاری میں ان کی مدد کروں تو وہ میرے شوہر کو بہت جلد رہائی دلا سکتے ہیں۔“

”اور آپ کے لئے ان کی پیش کش بہت پرکشش ہے؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

اس نے اپنے سر کو اثبات میں جھنجھکی دی ”میں نے حمایت کی دھال بڑے کرب میں گزارے ہیں۔ پتا نہیں ان کی قید ختم ہونے تک میں زندہ بھی رہتی ہوں یا نہیں۔ سی آئی اے والوں کا کہنا ہے کہ میرے شوہر کو ہیروئن کی اسمگلنگ پر اسی شخص نے لگایا تھا۔ فنی صاحب اس کے حکم پر ہیروئن کی کھپ لے کر یورپ کے خاص علاقوں پر پہنچاتے تھے۔ اس شخص نے دنیا بھر کی مفت سیاحت اور ادنیٰ معاوضے کے لالچ میں بہت سے نوجوانوں کو برباد کیا تھا۔ اب اس پر زوال آیا تو فنی صاحب کو ایک آسان کاروبار کا چنگا ل چکا تھا۔ انہوں نے اسی گندے کام کو اپنا پیشہ بنالیا اور دیا ر غیر لائٹل کی سلاخوں کے پیچھے پھنچ گئے۔“

میرے ذہن کے بند درپچوں میں کچھ پھل سی ہونے لگی۔ میں اب کراچی میں شی کاریکٹ چلا رہا تھا تو میں نے بھی بہت سے لڑکوں اور بین الاقوامی کیہیڑ کے طور پر ختب کر کے ہیروئن کی بھاری مقدار بھاری ملک بھجوائی تھی۔ اگر سی آئی اے والے اس شخص کی لاش میں کراچی میں بھگ رہے تھے تو وہ میرے لئے خطرے کی گئی تھی۔

”وہ جس شخص کو گرفتار کرنا چاہ رہے ہیں، اس کا نام کیا ہے؟“ میں نے پُرسکون رہتے ہوئے پوچھا۔

”اس کے دسیوں نام ہیں۔ وہ بار بار نام بدلتا رہتا ہے لیکن اصل نام ڈینی ہے۔“

قدرت کی اس شتم طوفانی پر میں بے اختیار ہنس دیا۔ وہ میرے سامنے بیٹھ کر میری گرفتاری کے لئے میری مدد کی طالب تھی۔ لا سوچی بھی نہیں سکتا تھا کہ دنیا اتنی مختصر ہوگی جہاں چور اور

مطلوبہ معلومات اگوارا ہوتا۔

ہیں۔ امریکن سی آئی اے کے دو معمولی افسران وہ سزا ختم نہیں کر سکتے۔

”معمولی نہیں“ وہ بہت بڑے افسر ہیں۔ میری قتل کے لئے انہوں نے مجھے اپنے شناخت نامے تک دکھائے تھے۔ ان میں سے ایک سی آئی اے کا اسٹنٹ ڈائریکٹر اور دو سرائیکٹر ہیں۔ انہوں نے آپ سے دوبارہ رابطہ نہیں کیا؟“ میں نے پوچھا۔

”چوتھے روز انہیں میرا فیصلہ سننے کے لئے آتا تھا لیکن وہ نہیں آ سکے۔ مسز غنی کے بیٹے میں چھپی ہوئی کمائی انتہائی سستی خیز اور بھرپور ثابت ہو رہی تھی۔ اس نے بتایا ”چوتھے روز فون آیا تھا۔ انسپکٹر نے معذرت کرنے کے بعد میرا فیصلہ جاننا چاہا تو میں نے اس سے مصلحت لے لی تھی۔“

”ان کی تجویز حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر آپ ان سے انکار کریں گی تو وہ آپ کو بلیک میل کریں گے۔“  
”مجھے نہ سن سکتا تو مجھے انکار کرنا ہی پڑے گا۔ غنی پہلے ہی اپنے کیے کی سزا کاٹ رہے ہیں۔ وہ مجھے کسی بات پر بلیک میل کر سکیں گے؟“ اسے میری بات پسند نہیں آئی تھی اور تیوریوں پر ہلکے سے مل پڑ گئے تھے۔

”آپ بھول رہی ہیں کہ انہوں نے فرخ کے بارے میں تحقیقات شروع کر کے آپ کے دوازے پر دستک دی ہے۔ آپ انکار کریں گی تو وہ فرخ کو ہیروئن کے ایک سزایا تہ پاکستانی اسمگلر کا بیٹا قرار دے کر امریکا سے نکال دیں گے اور اس کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ وہ اسی طرح لوگوں کی کمزوریاں تلاش کر کے دشمنوں کی صفوں تک میں اپنے مہرے پیدا کر لیتے ہیں۔ بد قسمتی سے آپ ایک بڑے چکر میں پھنس چکی ہیں۔“

مسز غنی کا چہرہ دھواں ہو گیا اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی ”ایسا نہ کہتے۔ وہ ایسا نہیں کریں گے میرے بیٹے نے کسی کا کیا بگاڑا ہے جو اس کی زندگی تباہ کی جائے گی۔“

”سی آئی اے کے بڑے افسران اپنی پذیرائی کا یقین کئے بغیر کسی اجنبی کے دوازے پر دستک نہیں دیتے۔ وہ جو امید لے کر آئے ہیں، اسے پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی مگر مجھے وقت درکار ہے۔ پہلے میں ان کو دیکھوں گا۔ آپ کے پاس ان کا پتا وغیرہ تو ہوگا؟“

”جی نہیں“ فون نمبر ہے۔ وہ اپنا پرس کھولتے ہوئے بولی ”ڈینس ایجنسی کا نمبر معلوم ہوتا ہے۔“

اپنے پرس کی کسی اندرونی جیب سے ایک کاغذ اور بال پین نکال کر مسز غنی نے میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے کاغذ پر لکھا ہوا نمبر اردو اخبار کے کنارے پر درج کر کے دونوں چیزیں اسے لوٹا دیں۔

”اور ان کے نام کیا ہیں؟“ میں سرسری انداز میں اس سے

”اسٹنٹ ڈائریکٹر کا نام گیری ہارٹ اور دوسرے کا جیف لڑ ہے۔ دونوں بہت مذہب اور تجرہ کار افسر ہیں۔ خدا کرے کہ ان کی نیٹوں کے بارے میں آپ کے اندازے غلط ہوں۔“

”میں آپ کو زبان دے چکا ہوں کہ آپ کے بیٹے کا مستقبل بچانے کے لئے میں آپ کا ساتھ دوں گا لیکن ان کی نیت جاننے کے لئے آپ ایک بار ان کی پینکشن مسٹر کر کے دیکھیں۔ وہ خطہ پیشانی سے آپ کا جواب تسلیم کر لیں تو بہت اچھی بات ہے۔ کوئی دھمکی دیں تو آپ رضامندی ظاہر کر سکتی ہیں۔ اس طرح وہ مکمل کر آپ کے سامنے آئے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس قصے میں جو بات سب سے زیادہ غور طلب ہے اسے آپ نے ابھی تک نظر انداز کیا ہوا ہے۔ روز مجھ سے پہلے آپ ان سے بدظن ہو چکی ہوئیں۔“

”وہ کون سی بات ہے؟“ اس نے تجسس لے لیے میں پوچھا۔  
”وہ سی آئی اے کے افسران ہیں تو ایک بین الاقوامی مجرم کی گرفتاری کے لئے اعلیٰ پاکستانی حکام سے رجوع کرنے کے بجائے آپ بھی خاندان دار عورت کے پاس کیوں آئے تھے؟“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں“ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں ”میں نے یہ بات تو سوچی ہی نہیں تھی۔ ان کے ساتھ دس بیس پولیس والے سی کرہٹ ہو جائیں تو چوبیس گنھنوں میں ڈیٹی کو تلاش کر کے چکڑ سکتے ہیں۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ میں نے آپ کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ سوچو بوجھ قابلِ رشک ہے۔ آپ نے میری آنکھیں کھل دی ہیں۔“

”بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی“ میں دھیمے دھیمے اس کا برین واش کرنے پر تلا ہوا تھا ”ڈیٹی کو کوئی خوفناک مجرم ہوتا تو وہ ضرور سرکاری اداوں سے رجوع کرتے، خفیہ محکموں کا تعاون حاصل کرتے۔ وہ آپ کی کمزوریوں سے واقف ہونے کے بعد آپ کے پاس آئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈیٹی کوئی عام پاکستانی شہری ہے جسے یہ لوگ اپنے نامعلوم مقاصد کے لئے اپنے طور پر مانا یا اغوا کرنا چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے کچھ اہم رازوں سے واقف ہو گیا ہو یا پھر انہیں اسی سے کوئی کام لینا ہو۔ یہ باتیں بھی جلد ہی مکمل جائیں گی۔“

”امریکا میں ہزاروں پاکستانیوں کے بیٹے پڑھ رہے ہیں۔ کیا یہ سب سی کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہوں گے؟“

”بات ذرا سیخ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر بیٹے کا باپ غنی کی طرح مجرم اور گمراہ نہیں ہوتا۔ یہ ہر بیٹے کے گھروالوں کے بارے میں تحقیقات کرتے ہیں اور جن کی کمزوریاں مل جائیں ان کے کو آف اپنے سفارت خانوں اور قونصل خانوں کے کمپنائوں پر محفوظ کر لیتے ہیں اور اپنی ضرورت کے مطابق ان معلومات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جن گھرانوں کا ماضی بے داغ ہوتا ہے، ان کو

”یہاں کے لئے کیسٹ پلیئر خریدتے ہوئے میں نے ایسا ماڈل لیا تھا جس میں چار ہینڈ کا ریڈیو بھی ہے۔ مگر میں دل بھلائے کے لئے ایسی چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی کھی کام آتی جاتی ہیں ورنہ ٹیلی وژن کے بعد لوگ ریڈیو کو بڑی حد تک بھولتے جا رہے ہیں“ نادہ کہہ رہی تھی۔

غزالہ ہم دونوں کے لئے جائے بنانے کے بعد دوبارہ سلطان شاہ کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اس کی آنکھوں سے جھلکتی ہوئی شرارت سے مجھے شہہ ہو رہا تھا کہ وہ کچھ گڑ بڑ کرنے والی تھی۔

”آپ کی بیوی بہت خوبصورت اور سلیقہ مند ہے“ نادہ چائے کا پہلا گھونٹ لے کر بولی۔

”میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ غزالہ میری بیوی سے زیادہ دوست ہے۔ تم نے دیکھ لیا کہ وہ ضرورت سے ایک منٹ زیادہ بھی یہاں نہیں گھمڑی۔ اسے معلوم ہے کہ ہم کوئی ضروری بات کر رہے ہیں۔“

”یہ بہت بڑی بات ہے ورنہ عام طور پر بیویاں اپنے شوہروں کو دوسری عورتوں کے ساتھ اکیلا نہیں چھوڑتیں۔ میرے لئے یہ بہت خوشگوار تجربہ ہے۔ اس میں غزالہ کے ساتھ آپ کی بھی بڑائی ہے۔ عورت جب تک اپنے مرد کو اچھی طرح کچھ نہیں لیتی، ذرا بھی ڈھیل نہیں دیتی۔“

نادہ اپنے شوہر کی رفاقت کو ترسی ہوئی تھی۔ وہ اس دوستانہ فضا اور خوشگوار ماحول میں مزید کچھ دیر رک کر میرے ساتھ باتیں کرنا چاہ رہی تھی لیکن میرا ذہن غزالہ میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ پتا نہیں وہ سلطان شاہ کے کمرے میں کھسی کیا کر رہی تھی۔

جب نادہ کو میری غائب دماغی کا اندازہ ہوا تو وہ فوراً ہی چائے کی پیالی خالی کر کے رو آگئی کے ارادے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ غزالہ شاید کسی گھمڑی سے آنکھ لگائے بیٹھی تھی۔ میرے بلانے سے پہلے ہی وہ نادہ کو الوداع کہنے کے لئے آسمو جود ہوئی۔

ہم دونوں اسے لفٹ میں سوار کرانے کے بعد فلیٹ میں واپس آئے تو میں سیدھا سلطان شاہ کے کمرے میں جا گھسا۔ میرے اندازے کے برعکس وہاں کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ سلطان شاہ ایک آرام دہ کرسی پر دراز، ریڈیو کی سوئی والی گھنڈی مردڑ رہا تھا۔

”مبارک ہو۔ اب تم نادہ کے لئے شہر بھر میں خود کو ڈھونڈتے پھوگے“ مجھے دیکھتے ہی اس نے چپک کر کہا ”حیرت ہے کہ اس کام کے لئے نادہ کو اتنے بڑے شر میں صرف تم ہی نظر آئے ہو۔“

”تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟“ میں نے اسے اشتباہ آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا ”تم تو یہاں کمرے میں بند تھے اس کی آواز یہاں تک نہیں سن سکتی تھی۔“

”حاضرات کے محل سے سب کچھ ممکن ہے“ وہ بے پردائی

لی جاتے ہیں۔“

”شاید ایسا وجہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں ان کے آدمی جو ہیں جو ہر قدم پر ان کے مفادات کا خیال رکھتے ہیں۔ جب مگر یہی ایسا لگا دھانے لگیں تو سازشوں کے لئے باہر سے کسی کو لے کی ضرورت نہیں پڑتی۔“

”بالکل ایسی بات ہے۔ آپ تو میری توقع سے زیادہ سمجھدار

”میں کل ہی فون کر کے ان سے کون می کہ میں ان کے لئے نہیں کر سکتی۔ دیکھتی ہوں کہ ان کا رد عمل کیا ہوتا ہے“ اسے باہر سے سمجھائے ہوئے نظریات میں وزن نظر آنے لگا تھا۔

”ابھی نہیں۔ ہم نے ایک راستہ متعین کر لیا ہے۔ میرے ہاتھ آپ ان سے رابطہ نہیں کریں گی۔ ان دونوں میں سے کسی فون آجائے تو زنی سے مزید مصلحت مانگ لیں مگر میں اپنی چھان پھیل کر سکوں۔“

”تھیک ہے۔ میں آپ کی ہدایت پر حرف بہ حرف عمل کروں گا۔ وہ خوش ہو گئی۔ ”آپ سے مل کر میرے ذہن پر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہے۔ آپ چاہیں تو مجھے سسر خنی کے بجائے میرے نام سے طالب کر سکتے ہیں۔ مجھے نادہ کہتے ہیں اور یہ آپ جناب کے فک کی بھی ضرورت نہیں۔“

”شکریہ! میں خود بھی گفتگو میں ذرا سی آزادی کا قائل ہوں۔ آج سمجھ کر بات کرنی پڑے تو الجھن ہونے لگتی ہے لیکن تم مجھے ایسی آئی اے والوں سے زیادہ مذہب پاؤ گی۔“

وہ زور سے فیس پڑی اور میں بوکھلا کر غزالہ کو پکار بیٹھا۔ وہ نے بنانے کے بجائے ایسی غائب ہو گئی تھی کہ واپس ہی نہیں لوٹی۔ اس نے بچن کے بجائے سلطان شاہ کے کمرے کی طرف سے لی آواز کا جواب دیا اور فوراً ہی جی سجا لی زرائی ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

”جائے تیار تھی تو انتظار کس کا تھا؟“ میں نے حیرت سے کہا۔

”اب تک تو چائے گھنڈی ہو چکی ہو گی۔“

”میں“ چائے دانی پر پیٹی کو زنی چڑھی ہوئی ہے۔ ”غزالہ سے ملو۔ بول پڑی“ چائے گرم ہو گی۔“

”میں ریڈیو پر خبریں سن رہی تھی“ غزالہ نے مسکراتے ہوئے مائکروفون پر گرام تھا۔ اس میں منہمک ہو کر چائے لانے کا الٹی ذہن سے نکل گیا تھا۔

”ریڈیو پر خبریں؟ یہ شوق کب سے ہو گیا تمہیں؟“ میں نے رت سے پوچھا۔

”نادہ نے فلیٹ میں ضرورت کی ہر ایسی چیز سجائی ہوئی ہے۔ میں نے آج پچھا ذوق بہت کم لوگوں میں دیکھا ہے۔“ غزالہ نے بہت آہستہ سے جواب دیا۔ سسر خنی اس کے منہ سے اپنا نام سن کر ذرا آگئی مگر فوراً ہی سنبھل کر مسکراتے لگی۔

میں نے جتنے ہوئے جیب سے سو کے دو کراڑے نوٹ نکال کر سلطان شاہ کے ہاتھ پر رکھ دیے اور کہا ”یہ چیز اچھی ہے لیکن تم نے اسے غلط جگہ لگایا ہوا تھا۔“

”مجھ جگہ تم بتاؤ، اسے وہیں پہنچا دیا جائے گا۔“ میرا بدلا ہوا موڈ دیکھ کر اس کی جان میں جان آگئی۔

”یہ دیر کی بیڈ سائیڈ ٹیبل کے آس پاس ہونا چاہئے“ میں نے دھیمی آواز میں کہا ”مگر وہ خود کھای کرتی ہو یا کنگلانی ہو تو اس کے موڈ وغیرہ کا علم ہوتا رہے گا۔“

”میں کل سے ابھی تک اس کے کمرے میں نہیں گیا“ وہ بڑے خیال انداز میں بولا ”ابھی جاتا ہوں اور موقع پا کر اسے کہیں بھی رکھ دوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اسی طرح ہمیں اس کے صدمے کا سبب معلوم ہو جائے۔“

”اسی جگہ کی ضرورت نہیں، یہ کام بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے“ میں ڈرانگ روم میں ہی بیٹھ گیا۔

”آپ نے تادمہ کی کمانی کا جو تجزیہ کیا ہے اس نے میری آنکھیں کھول دی ہیں“ غزالہ بولی ”مریکن نت سنے حرے استعمال کر کے اپنا افکار میشن نیٹ ورک بڑھا رہے ہیں۔ ان کی پیش قدمی کی یہی رفتار رہی تو ایک دن دنیا کے ہر خطے میں ان کے افکار مریٹھے ہوئے ہوں گے جو کسی لالچ کے بجائے کھس اٹی جان یا عزت کے خوف سے ان کے خبر کار کو ادا کر رہے ہوں گے۔“

”آنے والے دنوں کا کچھ ہی نقشہ بنا ہوا نظر آ رہا ہے۔ یہ بالکل غلطی سطح پر آزانے جانے والے وہ حربے ہیں جن کا توڑ نہیں کیا جاسکتا“ میں نے تشویش سے کہا ”تادمہ کو آدھا تین آچکا ہے کہ اسے بلیک سیل کیا جا رہا ہے۔ فون پر گیری ہارٹ یا جیف ٹر سے بات کرنے کے بعد اس کا یقین پختہ بھی ہو جائے گا لیکن وہ بھاری کیا کرے گی؟ اتنی کھلیا غنڈا گردی کا مقابلہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔“

”تادمہ عورت ذات اور اکیلی ہے۔ اس کی بہت سی مجبوریوں ہیں“ سلطان شاہ بولا ”مگر ہم تو پابند نہیں ہیں۔ ہمیں گھر بیٹھے دو شکار مل رہے ہیں۔ انہیں بھی جلد از جلد دوسروں کے پاس پہنچا جائے۔“

”یہ تو ہوتا ہی ہے“ میں نے بے پروائی سے کہا ”ہمیں بس اتنی احتیاط کرنی ہوگی کہ شکار مکمل ہونے کے بعد تادمہ پر کوئی آنچ نہ آئے پائے۔ وہ پورے غلوں سے میری ہریات مانتی جا رہی تھی۔“

”لیکن آپ اس سے تعاون کرنے کا بھرپور وعدہ کر چکے ہیں۔“ غزالہ نے مجھے یاد دلایا۔

”اس سے تعاون کا نہیں، اس کے بچے کا مستقبل بچانے کا وعدہ کیا ہے“ میں نے غزالہ کی جھج کی ”وہ بچہ بھی ہیروئن کا شکار ہونے والا ہے۔ بیشتر لوگ ہیروئن پی کر برباد ہوتے ہیں لیکن تادمہ کے شوہر۔ ہیروئن بیچ کر اپنے گھرانے کے لئے بربادی خریدی

سے بولا۔ غزالہ میرے پیچھے کھڑی، اپنا منہ دبائے ہنس رہی تھی۔ ان دونوں نے یقینی طور پر میرے ساتھ کوئی مشترکہ شراکت کی تھی۔

”مجھ بتاؤ کہ تم نے کیا کیا سنا ہے؟“ میں نے سلطان شاہ سے کہا۔

”میں دیکھاؤ کرنا بھول گئے ورنہ ہم نے تمہاری پوری منگولفظ یہ لفظ سنی ہے۔“

”اور اسی کی بنا پر میں کہہ سکتی ہوں کہ تادمہ کی ذات میں مجھے سلیبی کا مستقبل نظر آ رہا ہے۔ جہانگیر کے پھن نہ سدرے تو بیٹے کے ہوش سنبھالنے تک وہ بھی کہیں کی ہوا کھا رہا ہوگا۔“

”منہ سے خرافات مت نکالو“ میں نے اسے ڈانٹ دیا ”تادمہ کامیاں آخر تک ہیروئن کا اسمگلر تھا۔ جہانگیر اپنے ماضی کو بہت دور دفن کر چکا ہے۔ تم بلاوجہ ان دونوں میں موازنہ کر رہی ہو۔“

غزالہ سہم کر خاموش ہو گئی اور سلطان شاہ مجھے چڑانے لگا۔

”آخر میں وہ بھی تم پر بھیجی جا رہی تھی۔ مجھے تادمہ کہتے ہیں اور یہ آپ جناب کے تکلف کی بھی ضرورت نہیں۔ پتا نہیں ان ناقص العقل عورتوں کو تمہاری ذات میں سرخاب کے کون سے پر نظر آتے ہیں“ تادمہ کے کہے ہوئے الفاظ اس نے اُسی کے لب و لہجے کی نقل کرتے ہوئے ادا کئے تھے۔

میں نے سلطان شاہ سے کمیٹ دیکھاؤ چھین کر اُس کے سارے ہی فکشن آزما ڈالے لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آ سکا کہ ان دونوں نے ہماری منگولگی کیسے سن لی تھی۔ وہ دونوں دیر تک کبھی مجھے فوج کرتے اور کبھی میرے مدلل تجزیے کو سراہتے رہے۔ آخر مجھ سے دو سو روپے کا وعدہ لے کر سلطان شاہ ڈرانگ روم میں گیا۔

میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے درمیانی میز پر رکھے ہوئے گل دان کے مصنوعی پھولوں کے درمیان سے ایک چھوٹا سا لاسکی مانیکرو فون نکال کر مجھے تھما دیا۔

”تم نے ہم دونوں کی باتیں سننے کے لئے ڈرانگ روم کو بگ کیا ہوا تھا؟“ میں نے تیر لہجے میں پوچھا۔

”بگ نہیں، یہ معمولی سا ایف ایم مائیک ہے۔ صدر میں کپلے بندوں مل جاتا ہے“ وہ بوکھلا کر بولا ”یہ ہم نے کل خریدی تھا۔ آج اسے آزانے کا خیال آیا تو مسز غنی آئی ہوئی تھی۔“

”اس مائیک کے ذریعے تم ہماری آوازیں کہاں سن رہے تھے؟“

”اے کمرے میں۔۔ ایف ایم بیڈ پرنٹنگ کر کے اس مائیک کے ذریعے نشر ہونے والی ہر آواز صاف سنائی دیتی ہے۔ بہت ستارا اور عام سا نسخہ ہے“ اس نے جلدی جلدی بتایا۔

مجھے یاد آیا کہ کافی عرصے پہلے میں خود بھی اسی قسم کا مائیک استعمال کر چکا تھا لیکن دھیان نہ دینے کی وجہ سے اس کا اصول اور استعمال ذہن سے نکل گیا تھا۔



سات بجاری تھی۔ اختیارات سے محرومی کے بعد اول خان نے دفتری اوقات کار کی پابندی شروع کر دی تھی اور کل وقتی دفتری مصروفیات کے بجائے پانچ بجے وہاں سے اٹھنے لگا تھا۔ اگر اسے دفتر سے اٹھ کر ہماری طرف آنا ہوتا تو اسے بہت پہلے پہنچ جانا چاہئے تھا۔ میں نے سوچا شاید وہ اپنے گھر کی طرف نکل گیا تھا۔

میں نے اس کے گھر کا نمبر ملانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ وہ پُر اسرار انداز میں آہنچا۔ اس نے ڈور تیل بجانے کے بجائے دواڑے پر ہلکی ہلکی دھنکیں دی تھیں اور اندر آنے کے بعد اس کا جواز یہ بتایا تھا کہ وہ بہت رازداری کے ساتھ ادھر آیا تھا اور غیر ضروری طور پر لوگوں کی نظروں میں آنے سے بچنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اس کی وضاحت کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ ہم چاندوں ہی قانون سے روپوشی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اگر اس نے ہم سے میل جول میں احتیاط برتنے کا فیصلہ کیا تھا تو یہ اس سے زیادہ ہمارے حق میں بہتر تھا۔

وہ اندر آنے کے بعد اپنی پتلون کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ اس کے رویے سے غلٹ اور بے چینی حشرج تھی۔ میں نے اسے پیٹنے کی پیشکش کی تو اس نے انکار کر دیا۔ ”میں تمہاری آمد سے ایس بوس ہو کر تمہارے گھون کرنے والا تھا۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے اور تم پیٹنے سے بھی انکار کر رہے ہو“ میں نے اپنی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں ڈیٹی۔ اب میں تمہاری کوئی ضرورت پوری نہیں کر سکوں گا“ اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا ”مچل اب میری گرفت سے نکل چکا ہے۔ بات بہت اوپر تک چلی گئی ہے۔ میں صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ تمہارے اس فلیٹ کو بھول جاؤں۔ مجھے تمہاری گرفتاری کے احکامات مل چکے ہیں۔“

میرا دل اچھل کر قلع میں اٹھ گیا ”یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“ ”میں مج سے ان ہی چکر میں پھنسا ہوا تھا ورنہ اخبار دیکھنے کے بعد تم سے ضرور رابطہ کرتا۔ راس الیڈا کی آمد نے معاملات کو بری طرح الجھا دیا ہے۔ اس وقت بھی سی آئی اے کا گیریہارٹ اسلام آباد میں ہماری وزارت داخلہ کے سربراہ سوار ہے۔ اس کے ماتحت انسپکٹر چیف ملنے کرانچی میں ہوم ٹیڈارٹمنٹ کو بلایا ہوا ہے۔ وہ ہر قیمت پر تمہیں بے دست و پا دیکھنا چاہتے ہیں۔ بد قسمتی سے حالات نے مجھے تمہارے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ میرے لئے فرض اور دوستی کا یہ امتحان بہت تکٹھن ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم میری مجبوریوں کو سمجھ رہے ہو گے۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں مگر اپنے فرض سے بھی منہ نہیں موڑ سکتا۔“

اس کی زبان سے گیریہارٹ اور چیف ملر کے نام سن کر مجھے حیرت ہوئی تھی جو اس کے آخری قہروں پر صدمے میں بدل گئی اور میں نے بے یقینی سے پوچھا ”میں خود سی آئی اے کے ان دو بد معاشوں کے فراق میں تھا لیکن اب حالات دوسرے ہیں۔ کیا تم واقعی مجھے گرفتار کرنے آئے ہو؟“

بیرون اپنی راہ میں آنے والے کسی شخص کو صلاح نہیں دیتا جن باتوں سے گزرتی ہے ان میں ذلت اور جبریت کے اٹھائی چلی جاتی ہے۔ تاہم اور فرخ کو بیرون کے اثرات اکریم ایک بڑا کام کریں گے۔ میں نے صرف اسی کا وعدہ کیا تھا۔ موت کا سودا کر رہا ہے۔ اسے اس کے کرتوتوں کی پوری مبالغہ چاہئے۔“

بیرون کی ہلاکت فیزی کی جیت ایک نہیں تھی۔ وہ نشہ ایک ہلاکی طرح تھا جو ہر رخ سے تہہ کن وار کرتا تھا۔ میں اس سے بہت کچھ جانتا تھا لیکن پھر بھی میرے سامنے اس کی فیزی کے نئے نئے روپ آتے رہتے تھے۔ شنگار اولیٰ میں لی کیڑوں کی کھاد پر ایم کی فصل اگانے والے سکھی تھے نہ ہتار کرنے والوں کو آزادی میسر تھی۔ انہیں منہ مانگے نے ضرور ملتے تھے لیکن وہ شکار گزار ٹھکانوں میں بیگار کیپ زعمی بھر کے ایم سے اس کا زہر کشید کرتے تھے۔ میرے ہاتھوں اور کراہوں کی ایک طویل فرست تھی جو بیرون کی چہرہ چکے تھے۔ تاہم اور فرخ کے نام اس طویل فرست کے سرے پر تھے اور میں غلوں میں دل سے ان دونوں کو نوٹ سے چھان چاہتا تھا۔ ماضی کے گناہوں کا کفارہ ایسی ہی جیت یوں سے ادا کیا جاسکتا تھا۔

ان دونوں کی بربادی کا پیغام لانے والوں کا فون نمبر میرے ہاتھ تھا۔ ڈائریکٹری سے نمبر کے سارے پتے کا سراغ لگانا نہیں تو طویل اور دقت طلب کام ضرور تھا کیونکہ شرمیں ہاتھوں کی ترتیب والی ڈائریکٹری طویل وقفوں سے چھاپی تھی۔ نمبروں کی ترتیب والی ڈائریکٹری کو جھٹکے کے ذمے وار سے بھولے ہوئے تھے۔

لے فون اٹھا کر انگریزی کا نمبر لایا۔ تیسری کوشش میں نمبر اسی طرف دیر تک گھنٹی بجتی رہی اور میں صبر سے رہبرورے لگائے کسی جواب کا انتظار کرتا رہا۔ مجھے ڈر تھا کہ میں نے ملے قطع کر دیا تو شاید رات بھر دو سر رابطہ نہ ہو سکے۔ انگریز پر ایک تیز نسوانی آواز سنائی دی۔ کچھ پہلے نہیں دیکھنے والی نے کیا کہا تھا۔ میں نے اس کے برہم ہونے سے اٹھامایا کر دیا۔

اسی طرف سے ملنے والا جواب حوصلہ شکن تھا۔ نمبر سے پتا چلتا تھکے کی پالیسی کے خلاف تھا۔ میں نام پتا کر مطلوبہ اے لے سکتا تھا۔ میں نے خوشامد سے کام لگانا چاہا لیکن وہ اپنا ہر روز ایسی ہزاروں سوکھی خوشامدیں سننے کے عادی ل قانون نے مجھے وقت ضائع نہ کرنے کا حکم دے کر فون بند

علی اگلی امید اول خان سے وابستہ تھی۔ وہ اپنے اختیارات کے بغیر بھی گیریہارٹ اور چیف ملر کی قیام گاہ کا مکمل پتا کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی رست واپس پر نظر ڈالی تو وہ سوا

چال چلنے کا فیصلہ کر لیا۔

اول خان کی فراہم کی ہوئی معلومات کے مطابق ہی ان کے اسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ اسلام آباد میں وزارت داخلہ والوں کے سر پر سوار تھا۔ ان لوگوں نے اپنے طور پر خاتون کو ہتھیاروں کے ترتیب دیا تھا، اس میں مرکزی کردار مجھے تصور کیا گیا تھا۔ یہ سمجھنا زیادہ دشوار نہیں تھا کہ میرے بارے میں ایس نی ایف وائس نے مفادات نہ دیتے ترک کر کے معاندانہ دوش کیوں اختیار کی تھی۔ ایس نی ایف سرکاری ڈسپلن کے تحت کام کرنے والا کوئی رواجی ادارہ نہیں تھا جو کسی اعلیٰ افسر کی سفارش پر اپنی کارکردگی کے پیمانے بدلتا رہتا ہو۔ اس کا جو دوریکا رڈ میں ہر چند کہ طاقتور نہیں تھا۔ ایس نی ایف کے بارے میں گیری ہارٹ محسوس ثبوت کے بغیر زبان نہیں کھول سکتا تھا۔ بین الاقوامی اور سفارتی سطح پر ایس نی ایف کے الزام تراشی سنگین نتائج پیدا کر سکتی تھی۔ کوئی بھی حکومت یہ الزام آسانی سے تسلیم نہیں کر سکتی تھی کہ وہ اپنے آئین اور قانون سے باہر کسی نیم عسکری تنظیم سے قومی مفادات کے تحفظ کا کام لے رہی تھی۔

میرے لیے وہ بالکل صاف اور سیدھی بات تھی۔ امریکا سے طاقت کا ٹھکانہ اور بد معاشی کا زعم لے کر آنے والے متعدد سازش اہل کار یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتار دیے تھے۔ ان کی زہرناک اصلیت سے جو لوگ باخبر تھے وہ منظر عام پر آنے یا ان کی زبان کھولنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ اس مجبوری کے نتیجے میں ان تمام وارداتوں کو پولیس کے بے خبر حلقوں نے نادانستہ طور پر معصوم اور بے گناہ غیر ملکیوں کے سفارت خانوں پر لے کر لیا تھا اور بات گیری ہارٹ کے حق میں جاتی تھی۔ اپنے متعدد ہم وطنوں۔ مشتبہ قاتل کی گرفتاری کے لیے وہ جواز حدود میں رہتے ہوئے

امن و امان کے اعلیٰ ترین ذمے داروں پر ناقابل برداشت دباؤ ڈال سکتا تھا اور شاید ایسے ہی دباؤ کے نتیجے میں اوپر کی سطح پر ایس نی ایف کے گئے تھے جو ایس نی ایف پر اثر انداز ہوئے تھے۔ میں نے دباؤ اور اول خان کی پیشہ ورانہ مجبوریوں کی وجہ سے میدان میں ایسا فرد نہیں تھا جو گیری ہارٹ کے مظلومیت کے دعووں کو باقاعدہ قرار دے کر پوری کمائی کے سربست رازوں کو بے نقاب کر سکے۔ گیری ہارٹ اور اس کے طاقت ور پشت پناہوں کے سامنے سرخ روئی حاصل کرنے کے لیے چند بیویوں نے ایس نی ایف کے بد اسرار اور ناقابل شکست قوت کو میری بیعت کرنے کے لیے است کرنے کا تکلیف دہ فیصلہ کیا تھا۔ میں نے بھی کسی سرکاری ادارے کے سامنے اپنی کامیابیوں کے گمن گائے تھے نہ بھی منظر عام پر دشمنوں کی ہولناک ریشہ دوانیوں پر اظہار خیال کیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ملکی مفادات، سالمیت اور بقا کے لیے میں نے بہت سودا گروں سے لے کر پیشہ ور تخریب کاروں تک کا کامیابی سے مقابلہ کیا تھا اور جس طرح ان کے دانت کھٹے کر دیے تھے ان

اس نے پورے کر مضبوطی سے اپنا دبا ہوا ہتھ میرے شانے پر رکھ دیا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا ”میں نے تمہیں اپنا دوست اور محسن کہا ہے۔ اپنے محسن پر وہی ہاتھ اٹھاتا ہے جس کے نطفے میں فرق ہو۔ میں اپنے نام کو بھٹا نہیں لگاؤں گا۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ میں اس فلیٹ کو بھول جاؤں گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم کہاں دھپوش ہو۔ تمہارے لئے میں اس وقت یہی کچھ کر سکتا ہوں اور کروں گا۔“

میں نے ایک جھٹکے سے اسے اپنے بازوؤں میں کھینچ کر اپنے سے لگا لیا۔ وہ فوجداری چھاتوں کے تصادم کی دھمک بہ آواز تھی مگر اول خان کسمسا کر میرے بازوؤں سے نکل گیا اور آہستہ سے بولا۔ ”وہ محسن گلے نہیں ملا کرتے۔ اس وقت میں ایس نی ایف کا کمانڈر اول خان ہوں اور تم ایک مغرور طرہ ہیں ایک دوسرے سے دور رہنا ہو گا۔ سی آئی اے والوں کے لئے تم جو کر سکتے ہو، جلد از جلد کرو۔ تمہارے پاس وقت کم ہے۔ ان کی رسی دراز رہی تو وہ تمہیں پھانسی لگاوا دیں گے۔“

”میرے پاس ان کا سراغ ہے مگر صرف فون نمبر سے ان کے گھر کا کھوج نکالنا مشکل ہو گا۔ میں تمہاری مدد کی آس لئے بیٹھا تھا لیکن اب شاید مجھے خودی کچھ کرنا ہو گا۔“

”ہاں! انی الحال مجھے بھول جاؤ۔ میرے اختیارات بحال ہو چکے ہیں اور انہیں پوری قوت سے تمہارے خلاف استعمال کرنے کا فرمان جاری ہو چکا ہے۔ میں یہ باتیں فون پر نہیں بتا سکتا تھا اس لئے زبردست خلوص مول کے لیے یہاں پہنچا ہوں۔ زندگی رہی اور کبھی حالات سازگار ہوئے تو پھر ملاقات ہوگی۔“

اپنی بات مکمل کر کے وہ مڑا اور نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

واقعات حجت ناک سرعت سے رونما ہو رہے تھے۔ ٹادہ کی آمد سے پہلے میں گیری ہارٹ اور جیف ملر کے ناموں تک سے نا آشنا تھا اور ساری بازی راس الیڈا یا ایلیا کی ذات پر مرکوز نظر آ رہی تھی۔ گیری اور جیف پس منظر میں تھے اور اپنے وسائل کے ذریعے مجھ تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ہمارے تصادم میں راس الیڈا کے زخمی ہوتے ہی ہر طرف بھونچال سا ماحول تھا۔ سی آئی اے کے دونوں اعلیٰ افسران مکمل کر میدان میں آ گئے تھے۔ ان کے دباؤ کے نتیجے میں ایس نی ایف نے میری سرگرمیوں سے دھپوشی کے دبیٹے پر نظر ثانی کر کے اول خان کو میری گرفتاری پر مامور کر دیا تھا۔ اول خان فرض اور دوستی کے اس نازک دورا ہے پر دوستی کا حق ادا کرتے ہوئے مجھے یہ اشارہ دے گیا تھا کہ گیری ہارٹ اور جیف ملر کو گام دیے بغیر بڑھتے ہوئے خطرات پر قابو پانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ مدت مشکل صورت حال تھی۔

میں نے وقت گزرنے کے بجائے اسی وقت اپنی فیصلہ کن

# ٹیلی بیٹھی کی جدید تحقیقات

(باتصویر)

مصنف: اسلام آسین

ٹیلی بیٹھی کے غیر معمولی اصول کتاب  
پیش کرتی ہے جس میں حلال و حلال

کتاب کے چند عنوانات  
ٹیلی بیٹھی ایک علم، ایک سائنس  
ٹیلی بیٹھی کا ماضی اور حال  
ہفتے کے ساتوں دن کرنے والی  
مختلف مشقیں  
ٹیلی بیٹھی میں یوگا کا استعمال  
غیر معمولی جس اور ایک اور روحانی توتیں  
مستقبل کی پیش گوئی

قیمت :- 45 روپے ڈاک خرچ :- 23 روپے

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200  
فون: 5802551 5802552 5895313  
kitabiat1970@yahoo.com

رابطہ کیلئے: C-63 فیز 111 سائنس ڈی ایچ اے میں روڈ نورنگی روڈ کراچی

ہذا متعلقہ افسر بخوبی واقف تھا۔ ان خدمات کے صلے میں  
ہاں کو میرے بچے لگا کر مجھے قربانی کا بکرا بنانے کی کوشش کی  
لی  
کری ہارت اسلام آباد میں میرے خلاف زہر نشانی کر رہا تھا  
پکڑ جیت کر کراچی میں بیٹھ کر عملی اقدامات کا مہم نگر  
شاہد کر رہا تھا۔ میرے خلاف کھلے والے نئے محاذ کے اصل  
دو دونوں تھے شاید ان کے لیے اس ایڈا کا درجہ بہت  
ا۔ وہ متعجب اور نسل پرست یہودی ارب بٹی اپنے مذہم  
کی تکمیل کے لیے شاید اپنے پیسے اور دروغ کے سارے  
کے مقتدر طبقوں میں اپنے ہمدردوں کا وسیع حلقہ پیدا کر چکا  
ی وجہ سے سی آئی اے کے دو اہم افسران اس کے کھانک  
پر تڑپ اٹھے تھے۔

جب تک یہ بات سامنے نہیں آئی تھی کہ میری سرکوبی کی مہم  
رائی اور رہنمائی کے لیے اس ایڈا کے ساتھ سی آئی اے  
اعلیٰ افسران بھی کراچی پہنچے ہوئے ہیں، میں یہ سوچ سوچ کر  
ہوتا رہتا تھا کہ چیخا سرائے سے پٹاور تک کے سفر میں  
اور پست ذہن نظر آنے والا ایلن سمفریال کس طرح پے  
دار حانہ حملوں کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ وہ تین نام سامنے  
کے بعد معاملات بڑی حد تک واضح ہو گئے تھے۔ بظاہر ایلن ہی  
اردو انہوں کا درجہ دوں نظر آ رہا تھا لیکن ان منصوبوں پر  
یہی بارغ کام کر رہے تھے۔

مجھے احساس ہو رہا تھا کہ پچھلی سہ ہفتوں کے مقابلے میں  
دلاں کی ذہنی سطح بہت بلند تھی۔ اس ایڈا کوئی پیشہ ور مجرم  
تھا۔ وہ ایک چالاک اور کامیاب کا دوباری انسان تھا۔ ماضی  
ہر جگہ بھی رہا ہو، اس کے بارے میں خفیہ اطلاعات یہ تھیں  
اس نے اپنی کاروباری سوجھ بوجھ اور فیصلہ کرنے کی بہترین  
جس کی بنا پر بے اندازہ دولت کمائی تھی اور پھر اس دولت  
اپنے معاشی اور معاشرتی مہروں پر سرمایہ کاری کی تھی جو اس  
افانوں کو حیرت ناک سرعت سے بڑھنے میں مدد دے رہے

یہ دیگر بات تھی کہ دنیا کے ہر کامیاب اور بڑے انسان کی  
ہاں میں یہ کمزوری تھی کہ وہ انتہائی متعجب نسل پرست تھا  
انسان کچھ داور لگا کر یہودی قوم کے مفادات کا پرچم سر بلند  
اٹھاتا تھا۔

اس کے برعکس پچھلی بار جم کلارک آیا تھا۔ وہ جرائم کی دنیا کا  
نامور شخص تھا۔ جب وحادثہ ہاؤس کے بارش کے سربراہ بھی  
لوگوں کی ماسلوم قاتل نے بے آواز گولی کا نشانہ بنا کے موت کے  
شاہد کو توجہ کلارک کو اس کا جانشین مقرر کر دیا گیا۔ جرائم  
میں کوئی کتنا ہی نامور اور کامیاب ہو، یہ بات طے ہے کہ وہ  
نامور بھی کسی ایسی بلندی کو نہیں چھو سکتا جو ایک حوصلہ مند  
سداک کا دوباری، شخص کو حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح جم

قتل آسان تھا لیکن اس جیسے ہوئے شیطان کا سراغ لگانا مشکل کام تھا۔ زخمی ہونے کے باوجود وہ اس اسپتال میں نہیں تھا جہاں زبردست قلعہ بندی کے ساتھ تصادم اور دھماکے کے زخمیوں کو زیر علاج رکھا گیا تھا۔ زخمی حالت میں اس کے فرار ہونے سے یہ بات سامنے آئی تھی کہ شرمیں ایلین، پیٹر اور دبر وادو کے علاوہ بھی اس کے ہمدرد موجود تھے۔

راس الیڈا کے برعکس گیری ہارٹ اور جیٹ لڑکا معاملہ نسبتاً سہل تھا۔ یہ ان کی قسمت کی خرابی تھی کہ ٹاڈہ یا سرنی نے ان دونوں سرکاری بد معاشرے کے سلسلے میں مجھ سے مشورہ کیا تھا۔ اگر ٹاڈہ میرے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہو جاتی تو پانچا لہر سکنا تھا اور وی میری فیصلہ کن چال ہوتی۔

”وہ تعاون سے انکار نہیں کر سکے گی“ میرے ارادے سے واقف ہونے کے بعد غزالے نے ہر اعتماد لہجے میں کہا ”جب اسے اپنے شوہر کی آزادی اور بچے کے مستقبل کے تحفظ کا یقین رہے کہ وہ آپ کی ہر بات بے چون و چرا کیے مانتی چلی جائے گی۔ اسی کے ذریعے گیری اور جیٹ کو گھیرا جاسکتا ہے۔“

”وہ بیرونی کے ایک سزا یافتہ اسمگلر کی بیوی ضرور ہے۔“ اس نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا ہے ”میں نے پوری اطمینان دارا سے کہا ”میں اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ ابھی تک مجھے تلاوہ سمجھ رہی ہے۔ اس سے کام لینے سے پہلے میں بتا دوں گا کہ جس ڈینی کی تلاش پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے وہ میں ہوں۔“

”وہ فوراً بدک جائے گی“ سلطان شاہ میری بات پوری ہو۔ سے پہلے بے ساختہ بول پڑا ”اس کے سامنے یہ اعتراف کر کے مٹا بیٹا کھیل بگاڑ دو گے۔ اسے تمہارے اعلیٰ اخلاق سے ذرا دلچسپی نہیں ہے۔ تم نے اسے یہ بتا کر کہ اس نے امریکن بد معاشرے سے تعاون نہ کیا تو وہ اس کے بیٹے کو مشتبہ خانہ دانی پس منظر کی امریکا سے نکلوا دیں گے“ مزید مضطرب کر دیا ہے۔۔۔“

”ہاں! سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے“ غزالہ نے درمیان۔ اس کی بات اچک لی ”اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ ان سے تعاون کر کے ہی اپنے مقاصد حاصل کر سکتی ہے۔ وہ آپ کی بات سن ضرور لے گی مگر پہلی فرصت میں انہیں فون کر کے بلالے گی تاکہ اسے اس کے خوابوں کی تعبیر مل سکے۔“

”تم دونوں نے اپنے ایف ایم ریڈیو پر ساری گفتگو سن۔ کیا تمہیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں نے اپنے بارے میں اتنا محسوس طریقے پر اس کی برین واشنگ کی ہے۔ دوسری باتوں ساتھ اسے یہ یقین بھی ہو چکا ہے کہ ڈینی درحقیقت کوئی بد بچہ مجرم نہیں ہے بلکہ وہ دونوں کسی اور پر غاش کی وجہ سے اس پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ وہ اس معاملے میں فریق نہیں بنے گی۔“

نے پُر زور لہجے میں کہا۔

کلارک کے ساتھ آنے والے ولیم اور راج نامی سرکاری محافظ بھی بہت زیادہ ذہین اور فطین نہیں تھے۔ ہم نے ذرا سی ہوشیاری سے کام لے کر انہیں ان کے مقامی مددگاروں سمیت بہت آسانی سے فٹ کے گھاٹ اتار دیا تھا مگر اس بار معاملات بہت مختلف نظر آ رہے تھے۔ گیری ہارٹ اور جیٹ لڑائی ذاتی صلاحیتوں سے کام لینے کے ساتھ ساتھ اپنی حیثیت کو مؤثر طور پر استعمال کرنا بھی جانتے تھے۔ وہ دونوں میرے خلاف ہر محاذ پر سرگرمی دکھا رہے تھے۔ انتہا یہ تھی کہ ایس ٹی ایف بھی ان کے دباؤ کا بالواسطہ نشانہ بن گئی تھی لیکن کوئی ان سے یہ پوچھنے والا نہیں تھا کہ ان کے مہذب اور جمہوری ملک میں شہریتی جیسی ہولناک اور تباہ کن مجرمانہ تنظیم کس قانون یا آئین کی کس شق کے تحت پروان چڑھائی جا رہی تھی؟ راس الیڈا کی ڈیوڈ اسٹارز امریکا کے کس قوانین کے تحت کام کر رہی تھی؟

غالباً دنیا کے بیشتر بڑے اور چھوٹے ممالک میں اپنے قومی مفادات کے تحفظ کے لیے قانون سے ماوراء خلیہ تنظیمیں کام کر رہی تھیں۔ جہاں حکومتوں کے قانونی وسائل کمزور ہوئے معاملات پر قابو پانے میں ناکام ہو جاتے تھے وہاں ایسے خفیہ ادارے فعال و متحرک ہو جاتے تھے اور بہت آسانی سے مطلوبہ نتائج حاصل کر لے جاتے تھے۔ بظاہر ہر طرف سے ایسے حادثات کی مذمت کی جاتی تھی۔ ان حادثات کو یقینی بنانے والے بھی ان کی ملامت میں پیش پیش رہ کر اپنے گمراہ رویے کو الم کا اظہار کرتے تھے اور یوں حکومتیں کسی جرح پر توجہ نہ دینے کے بغیر اپنے مطلوبہ اہداف حاصل کر لیتی تھیں اور ہمیں کوئی غلطہ برپا نہیں ہوا تھا لیکن پاکستان کے خلاف امریکیوں کے معاندانہ رویے کی وجہ سے ایس ٹی ایف گمنامی کی گمراہی دھند سے باہر نکلتی نظر آ رہی تھی۔ اس کے آزاد و خود مختار مگر بہت زیادہ محب وطن اہل کاروں پر پابندیوں کا سلسلہ شروع ہو سکتا تھا۔ اس وقت اس سلسلے کی ابتدا ابھی تھی۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ کہاں جا کر رکے گا۔

میری دانست میں اس بے جا غیر ملکی مداخلت کا ایک ہی توڑ ہمارے سامنے رہ گیا تھا۔ جو لوگ بے بسی اور مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر اس گھناؤنی سازش کے سرخیل بنے ہوئے تھے، انہیں منظر عام سے ہٹا دیا جاتا۔ وہ صرف تین افراد تھے۔ ان میں سے راس الیڈا منظر عام پر نہیں تھا۔ وہ راڈنی آرک کے مفروضہ نام سے مجرمانہ انداز میں ہمیں تباہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر اسے راس الیڈا کی حیثیت سے بے نقاب کر کے بے دردی سے ذبح کر دیا جاتا تو اس کے ہمدرد و مدد ساز بھی اس کے قتل پر احتجاج نہیں کر سکتے تھے کیونکہ انہیں یہ جواز دینا مشکل ہو جاتا کہ امیگریشن کے ریکارڈ پر کوئی اندراج نہ ہونے کے باوجود راس الیڈا پاکستان میں کیسے داخل ہوا؟ وہ وہاں کیا کر رہا تھا؟ اس کے کیا عزائم تھے اور مقامی طور پر اسے کس عتا صر کا تعاون حاصل تھا؟ راس الیڈا کا

نشانیاں ساتھ لائے تھے اور میری شخصیت پر اس مزاج کی گہری چھاپ ہے۔ سلطان شاہ سرحد کے پانڈوں کا بیٹا ہے لیکن ہمارے دلوں میں پروان چڑھنے والی پاکیزہ محبت نے زمین اور آسمان کے اس فرق کو بالکل مٹا دیا ہے۔ یہ باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن لڑکیاں زندگی بھر اپنے ماں باپ یا بھائیوں کے شانے کا بوجھ نہیں بنی رہیں۔ شادی کے بعد وہ ذرا ذرا سی بات کے لیے اپنے شوہر کی طرف دیکھتی ہیں۔ میرا اور آپ کا بندھن زندگی بھر کا ہے۔ یہ خیال ذہن سے نکال دیں کہ میں گوشہ نشین اختیار کر کے آپ کو ان دردوں سے لڑنے کے لیے تھما چھوڑ دوں گی۔ ہم ساتھ جنیں گے اور ساتھ ہی مریں گے۔

”یہ احمقانہ اور جذباتی باتیں ہیں“ میں نے سختی سے کہا۔ ”مرنے والے کے ساتھ کوئی نہیں مرا کرتا۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ وقت بہت سفاک اور بے رحم ہوتا ہے۔ باہد سال کی گردش بڑے سے بڑا دکھ بھلا دیتی ہے۔ میں آج تک موت کے جہڑوں میں ہاتھ ڈال کر اپنی زندگی چھینتا چلا آیا ہوں۔ میں نے اپنے دشمنوں کو بڑے جھگے لگائے ہیں، انہیں ہربل دھوکے دیے، ان کی گردنیں توڑیں لیکن میں نادمہ کو اندھیرے میں نہیں رکھوں گا۔ میرا کسی پر زور ہے اور نہ میں کسی سے شکوہ کروں گا۔ جو چاہے میرا ساتھ دے، جو چاہے الگ رہے۔“

”جو ہو گا، دیکھ لیا جائے گا“ سلطان شاہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا ”ابھی ہم دونوں کی عقلیں کام کر رہی ہیں۔ ہم تم پر بوجھ بنے بغیر اپنے بچاؤ کی تدبیریں کر سکتے ہیں لیکن مٹی کی اس مودنی کا کیا کیا جائے گا جو منہ سے بولتی ہے، نہ سر سے کیلتی ہے۔ کھانا کھاتی ہے، شراب پیتی ہے یا پھر سو جاتی ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ نادمہ سے بات کرنے سے پہلے اس کا بھی فیصلہ کر لیا جائے“ میں نے دیرا کے ساتھ تھوڑی سی سختی اختیار کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا ”بلاؤ اسے!“

”اسے باہر بلائے کے بجائے ہم انہیں اندر چل کر اس سے بات کرتے ہیں“ غزالہ نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی ”وہ ترش کے بجائے نرمی اور ہمدردی سے ہی راہ پر آسکے گی۔“

”پہلے یہ تو دیکھ لیا جائے کہ وہ بات کرنے کے قابل بھی ہے یا تنگ ہو چکی ہے“ سلطان شاہ نے استہزائیہ لہجے میں کہا ”میرا خیال ہے کہ میں نے وافر مقدار میں اس کا ج فراہم کر کے غلطی کی تھی۔“

”تمہارے دوسرے کون سے کام سیدھے ہوتے ہیں جو اس ایک غلطی کو دوسرے ہو“ میں نے ترش روئی سے کہا ”تم نے اسے اکیلانہ چھوڑا ہوا تو اس کی یہ درگت نہ بنی ہوتی۔ وہ اپنی زندگی کے بدترین صدمے سے دوچار ہوئی ہے۔“

”تم بلاؤ اس کی ہر بڑے داری میرے سر تعویذ دیتے ہو۔“ وہ تنک کر بولا ”میں اسے اپنی گود سے انار کر نہیں بھاگا تھا۔“

”ہو سکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو لیکن غرض اندھی ہوتی ہے“ سلطان شاہ نے نیم دلی سے کہا ”اس کو تمہاری ذات میں زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ وہ اپنے شوہر کو آزاد اور بیٹے کو محفوظ دیکھنا چاہتی ہے۔ تمہاری اصلیت سے واقف ہوتے ہی اس کا رویہ بدل جائے گا۔ وہ تمہاری ہر بات سنی رہے گی لیکن تمہیں اپنے دل کی بات کی ہوا بھی نہیں کہنے دے گی۔ وہ ایک وفا شعار بیوی معلوم ہوتی ہے۔ اپنے شوہر کی آزادی کے لیے وہ سب کچھ کر کر رہے گی۔ اس کے سامنے زبان کھولنے کے بعد تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔“

”یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو“ میں نے سوچتے ہوئے کہا ”میں جانتا ہوں کہ اسے کس طرح اپنا ہم نوا بنایا جا سکتا ہے۔ اس کے باوجود میرا اندازہ غلط ثابت ہوا اور نادمہ نے میرے اعتماد کو دھوکا دیا تو میں مروانہ وار نتائج کا سامنا کروں گا لیکن دھوکا دے کر اسے اپنا آلہ کار نہیں بنائیں گا۔“

”تم بھول رہے ہو کہ تم اکیلے نہیں ہو ہم دونوں بھی تمہارے ساتھ مصائب میں مبتلا ہو سکتے ہیں“ سلطان شاہ نے احتجاج کیا ”اور ہم ہی کیا، وہ خاموش خانم بھی آج کل گلے پڑی ہوئی ہے۔ دیر پھر اسی دلدل میں جا کرے گی جہاں سے ہم اسے بہ وقت تمام نکال کر لائے ہیں۔“

میں خاموش ہو کر چند ثانیوں تک اسے گھورتا رہا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر میں نے دیکھی آواز میں کہا ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن اس کی پر اسرار خاموشی نے ہم سب کو شدید الجھن میں ڈالا ہوا ہے۔ خدا کرے کہ اس کے ساتھ وہ سب نہ ہوا ہو جو میں سمجھ رہا ہوں۔ اگر وہ تشدد کے سارے ہی مراحل سد چکی ہے تو اس کے بارے میں فکر مند ہونا بے کار ہے۔ جس چادر کی دھجیاں اڑائی جا چکی ہوں، ان کے دھاکوں کو سینٹا ایک بے شرم جذباتی فعل ہو گا۔ ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ سکتے ہیں۔ ہم نہیں بلکہ مجھے صرف اپنی بات کہنی چاہیے۔“ میں نے احساس ہوتے ہی اپنی صحیح ضروری سمجھتے ہوئے کہا ”تمیں اپنی وجہ سے کسی کو نامانی مصائب میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ مجھے معلوم ہے کہ اپنی عموؤں کی بنا پر تم غزالہ کو اپنی عقلی بہن کی طرح چاہتے ہو۔ میری غیر موجودگی میں تم صحیح طریقے پر اس کی خبر گیری کر لو گے۔ تم دونوں سکون سے رہو۔ میں گیری صحت اور داس سے اپنی جنگ خود لڑوں گا۔ کاسیالی کی صورت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن مجھے منہ کی کھانی پڑی تو تم دونوں ٹھنڈے دل و دماغ سے میرے لیے کچھ کام کر سکو گے۔“

”اب آپ زیادہ تقرر نہ کریں“ غزالہ نے ہلکی سی برہمی سے میری بات کاٹ دی ”مجھے پتہ ہے کہ سلطان شاہ کی برادرانہ محبت کی وجہ سے میں کامران کی جوان موت کا غم بھول چکی ہوں۔ میرے والدین سرحد پار سے ہجرت کے ساتھ اپنی مودنی ثقافت کی

”آرام سے بیٹھا جاؤ!“ دیرانے سہفتی صوفے کے ایک گوشے میں سرکتے ہوئے سر لہجے میں کہا ”میں نے تم تینوں کو اپنی کمائی میں شریک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“

اس کشادہ خواب گاہ کے ایک گوشے میں بیک وقت چھ نفوس کے بیٹھنے کی گنجائش موجود تھی۔ ہم تینوں نے دیرا کے گرد اپنی نشستیں سنبھال لیں۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ کوئی بحث مباحثہ شروع ہونے سے پہلے دیرا خود ہی معقولیت کی راہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

دیرا کی آمدگی نے ہم تینوں کو خشکوار حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ ہم میں سے کسی نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید میری طرح غزالہ اور سلطان شاہ کو بھی یہ اندیشہ تھا کہ کہیں دیرا ہماری کسی بات پر برہم ہو کر ہمیں اعتماد میں لینے کا ارادہ ہی نہ بدل دے۔

دیرا اپنا گلاس اٹھا کر چند ٹائمنس تک اپنی انگلیوں میں کھمائی رہی۔ اس کی پُر خیال نظریں سنہرے سیال یا اس میں کھلتے ہوئے برف کے چھوٹے چھوٹے ڈلوں پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک ٹھونٹ لینے کے بعد اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے پوچھا ”تمہارے قیاس کے مطابق مجھ پر کیا گزری ہوگی؟“

”اگر میرا اندازہ درست ہے تو میں اسے قیامت ہی کہہ سکتا ہوں“ میں نے کہا۔

”مشرق میں عورت پر قیامت ٹوٹنے کا بس ایک ہی مفہوم ہوتا ہے کہ طاقت اور درندگی کے ٹپ پر اسے بے آبرو کر دیا جائے لیکن میں اسے قیامت نہیں، خراج تحسین سمجھتی ہوں۔ عورت کی نفرت کے باوجود جو مرد اسے بے پناہ پسند کرتا ہے عورت کی رضائے ملنے پر پاگل ہو کر زندگی پر اتر آتا ہے۔ یہ قیامت نہیں، جذبات کے حیوانی گرداب میں پھنسنے ہوئے مرد کا کھلا کھلا اعتراف ٹھٹکتا ہوتا ہے۔ اگر ایسی عورت مذہب اور معاشرے کے روایتی دباؤ میں نہ ہو تو ایسا ہر واقعہ اس کی انوکھوت بلند کہتا ہے۔ میرے متوالی باپ کے سوا کسی نے بھی میرے ان احساسات سے اتفاق نہیں کیا۔ تم جانتے ہو کہ میرا حقیقی باپ شی کا سربراہ، جمی لائیڈ تھا۔ اپنے اس روپ میں اس نے کبھی مجھے کھل کر بات کرنے کا موقع نہیں دیا لیکن جب وہ آزاد منش رنگیلوں کی اطالوی دنیا میں ڈان مریانو بن کر مجھے زندگی کی اٹل حقیقتوں کا سبق دے رہا تھا تو اس نے مجھے یہی سکھایا تھا کہ ایک چالاک عورت اپنی پوری زندگی میں کبھی بھی مجبور۔ اور مظلوم نہیں ہوتی، وہ ہر لمحے سفاکی اور بے رحمی سے مردوں کی انگوٹھا کو چاٹ کر اپنی ذات کا ایک طلسم کدہ تعمیر کرتی ہے جس میں ہر لمحے اس کا ایک نیا اور محبت آفریں روپ نظر آتا ہے۔ دور سے تماشائی کہنے والے کم ہمت لوگ اس کے قرب کی آرزو میں سلگتے رہتے ہیں اور ہمت کرنے والے اس کے آتش پیکر کی ہولناک حرارت میں موم کے پتلون کی طرح پگھل کر رہ جاتے ہیں۔ ان سب نے میرے آتش پیکر سے کھیلنے کی کوشش کی ہوتی تو یقیناً وہ

افرا تفری اور خطرات کی وجہ سے ہم دونوں چھڑے تھے۔ یہ اس کی بد قسمتی تھی کہ میرے بچ نکلنے کے باوجود وہ پکڑی گئی۔ اس کا مقدر بدلنا میرے اختیار سے باہر تھا۔“

”اپنی کوتاہیوں کے لیے کسی کے بھی مقدر کو موبو الزام ٹھہرانا دنیا کا سب سے آسان کام ہے“ میں نے بے پروائی سے کہا۔ ”مقدر ہی سب کچھ ہے تو پھر دیرا پر تنقید مت کرو۔ وہ جو کچھ بھی کر رہی ہے، وہ اس کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے۔ وہ پوری کوشش کر کے بھی اسے نہیں بدل سکتی۔“

”اب آپ اس کی طرف داری میں تقدیر پر ہی سارا بوجھ نہ ڈالیں“ دیرا کے معاملے میں غزالہ اکثر سلطان شاہ کی ہم نوا بن جایا کرتی تھی ”تقدیر بہرہ اور تقدیر مصلح کے بارے میں آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔“

”میرم ٹالے نہیں نکلتی اور مصلح آدمی کے فیصلوں کے تابع ہوتی ہے“ سلطان شاہ نے اس موضوع پر اپنی علیت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

میں مزید کچھ کے بغیر دیرا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں میرے پیچھے ہو گئے۔

میں اپنے چہرے پر کعبیرہ بنیادی بلکہ درشتی کے تاثرات پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوا، دستک دیے بغیر دیرا کی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ ہم چاروں کے درمیان گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ ایسی بے تکلفی پیدا ہو چکی تھی کہ ضرورت کے تحت بعض مواقع پر ایسے رسمی تکلفات کو بے محرک ہو کر نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔

اس وقت دیرا مسہری پر نہیں تھی بلکہ قیص شلوار میں لمبوس صوفے... پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے شیشے کی دبیر سلج دالی چوبی میز پر سے نوشی کے جملہ لوازم موجود تھے۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر دیرا نے چونک کر سر اٹھایا تو اس کی جھیل جھیلی گمری اور نیکیوں آنکھوں میں خوار کے تیز دھڑے تھر رہے تھے۔ کسی پیشگی اطلاع کے بغیر مجھے اور میرے پیچھے ان دونوں کو اپنی خواب گاہ میں موجود پا کر دیرا کی آنکھوں میں حیرت سی اٹھ آئی۔

”آؤ!“ وہ خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی تو اس کی آواز میں قدرے ہماری پن تھا ”میں ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ میں ظلم کا شکار ضرور ہوئی ہوں لیکن اس میں تم تینوں کا کوئی قصور نہیں تھا۔ میں خاموش رہ کر تمہارے ساتھ زیادتی کر رہی ہوں۔ مجھے تمہاری کوفت اور ذہنی الجھن کا اندازہ ہو چکا ہے۔“

”اور تم اسکاچ پی کر ہماری اس بدترین پریشانی سے لطف اندوز ہو رہی ہو!“ میں نے اس کی بات کاٹ کے طنز سے کہا ”چا نہیں ہمیں ایذا دے کر تم کس بات کا بدلہ لینے کی کوشش کر رہی ہو۔“

فاشی اور بے راہ روی سے گریز کی تلقین کی لیکن یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ ان کا جشن مولود شراب نوشی اور بد قسمتی کا ایک خوفناک میلہ بن کے رہ گیا ہے۔ سبکی دنیا میں جتنی شراب سال بھر میں پئی جاتی ہے اس کی ایک چوتھائی کرسمس پر استعمال ہوتی ہے۔۔۔۔۔ میں یعنی جی لائیڈ جیسے صدارتی مقرب کی بیٹی ان کی قیدی تھی اور وہ کرسمس کی شام تھی۔ وہ سب اکٹھے تھے۔ ان میں مقامی اور غیر ملکی، دونوں ہی نسلوں کے تماشائی یا سے خوار تھے۔ ان کی نگلی اور بھوکی نگاہیں میرے وجود میں نشتر بن کے اترتی رہیں لیکن میں ان کی دست درازیوں سے بچی رہی۔ وہ تیز آوازوں میں گانے بجاتے اور شراب پیتے رہے۔ اس مکان کے در و دیوار نائیکل جیسکین اور میڈونا کی حترم آوازوں کے ساتھ ان کے وحشیانہ قہقروں سے گونجتے رہے پھر بیڑے ایک ظالمانہ تجویز پیش کر کے میرے لیے مشکلات کا آغاز کر دیا۔ وہ بد مستوں کی اس بھیڑ میں مجھے بچانے کا خواہش مند تھا۔ وہ مجھے میرے بند کمرے سے نکال کر اس بھیڑ میں لے آیا۔ مجھے وہاں فراخ دلی سے شراب پینے کی پیشکش کی گئی تو میں سوچ بھی نہیں سکی تھی کہ آنے والے لمحوں میں میری کیا درگت بننے والی تھی۔ مجھے تاپنے کا حکم دیا گیا۔ انکار اور مزاحمت کے باوجود مجھے ان کا حکم ماننا پڑا کیونکہ میں ایک بے یاود مددگار قیدی تھی۔ وہ میری تبدیل کی ابتدا تھی۔ کرسمس کے مقدس نام پر میرا رخصت عمل شروع ہوا تو بدردادا کے نام سے مخاطب کیے جانے والے ایک آدمی نے اچانک میرے دامن پر ہاتھ ڈالا اور بل بھر میں میرا دامن چاک ہو گیا۔ اس ابتدا سے دوسروں کو ایک کھیل مل گیا۔ ان سب نے وحشیانہ قہقروں سے میرے لباس کے چھڑے اڑا ڈالے۔ میں نے ان پر گرتے برستے ہوئے احتجاج کیا اور تاپنے سے انکار کر دیا لیکن اہلین اور اندرونی کمرے کی تاریکی میں چپے ہوئے ایک نقاب پوش کے بے رحمانہ تشدد پر میرے ہر پھر گردش میں آگئے۔ میرے بدن سے کپڑے کا ہر تار نوج لیا گیا۔ وہ نہایت سفاکی سے میرے بدن کو نوچتے رہے۔ میری بے ساختہ چیخوں پر ان کے وحشیانہ قہقروں میں تیزی آجاتی تھی۔ پھر کسی نے اپنے گھاس میں پٹی ہوئی شراب کی چند بوتلیں میرے اوپر اچھالیں تو ان سب کو ایک نیا کھیل ہاتھ آگیا۔ میرا وجود شرابوں میں شرابور کر دیا گیا اور جب میں تاپنے تپنے نہ تھا حال ہو کر فرش پر ڈھیر ہو گئی تو وہاں طوفان برپا ہو گیا۔ ایسا مظلوم ہوا جیسے وہاں رہی کا کھیل ہو رہا ہو اور گیند میرے قبضے میں ہو۔ وہ سب میرے اوپر ٹوٹ پڑے۔ مجھے نوچنے اور ایذا پہنچانے کے لیے وہ ایک دوسرے کو بھی مار رہے تھے۔۔۔۔۔ میں درد و اذیت سے چیختی اور بلبلاتی رہی مگر نہایت میں دھت وہ درندے مجھے اڑھڑتے رہے۔ میرے چہرے کے زخم تم سب نے دیکھ لیے لیکن لباس میں چپے ہوئے ان گت نل اور خون آلود خراشیں اب بھی مجھے ستا رہی ہیں۔۔۔۔۔ بے ہوشی کی پُر سکون دلدل ہی مجھے اس اذیت سے نجات دلا سکی تھی۔ دوبارہ ہوش آیا تو

جلس گئے ہوتے اور میرا سر غور سے اونچا ہوتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔۔۔۔۔ تم لوگ میری خاموشی سے مشرقی منی اغذ کر رہے ہو۔ یہ تمہاری بھول ہے۔ دیرا آگ میں جلنے والی حلقوں نہیں ہے۔ وہ آگ سے نئی قوت نمو حاصل کرتی ہے۔ میرے ساتھ تو کچھ اور ہی گزری ہے جو میرے چپے ہر دل کو نگار کر دینے کے لیے کافی ہے۔

وہ بول رہی تھی اور میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ میرے کان ہر لمحے اس کی زبان سے وہ راز سننے کے خطر تھے جس نے اس کی قوت کو یابی سلب کر کے اسے ایک کھ پتلی بنا کر رکھ دیا تھا۔

”عورت کے لیے اس کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا“ اس کی خاموشی کے طول پکڑنے پر میں نے لقمہ دیا ”بے آرمی کے بعد بس عورت کا گھا کاٹ کر ہی کوئی بڑی اذیت دی جاسکتی ہے۔۔۔۔۔ تمہارے ساتھ وہ نہیں ہوا جو میں سوچ رہا تھا“ تم زندہ ہو یعنی تھیں ذبح نہیں کیا گیا پھر وہ کون سی اونکی افتاد تھی جس نے تمہیں گنگ کر رکھ دیا ہے۔“

”عورت کی سب سے بڑی تبدیل یہ ہے کہ اسے کھلونا بنایا جائے۔۔۔۔۔ مٹی یا گند کا ایک بے جان کھلونا جو بس کھیلنے والے کی خوشی کے لیے ہوتا ہے“ اس کے اپنے جذبات نہیں ہوتے۔ کھلاڑی اس سے خوب کھیلے ہیں اور پھر اس کے جاگے ہوئے اماںوں پر دھیان دے بغیر اسے ایک گوشے میں پیچھک کر چل دیتے ہیں۔“ وہ غمور لیکن مجروح آواز میں شکوہ کرتے ہوئے بولی۔

”تم خود ہی بتاؤ کہ کیا میں ایسے بے دردانہ سلوک کی مستحق تھی؟“

”شاید اس سے بھی زیادہ!“ میں نے اس کے لب و لہجے سے مرعوب ہوئے بغیر سرد مری سے کہا ”تمہارا قصور یہ تھا کہ تم ان کے دشمن کی دوست تھیں“ میں خود کچھ نہیں کہتا لیکن تم نے جو کچھ کہا ہے اس کی روشنی میں، میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ وہ تمہاری انا کو خوب ابھارنے کے بعد تمہیں ذبح کر دیتے اور ہم اہلین کی کمین گاہ سے تمہارے زندہ وجود کے بجائے ایک بے نفس لاش اٹھا لاتے تو شاید مجھے زیادہ پریشانی نہ ہوتی۔ جیسی درندے اپنے چنگل میں آئی ہوئی خورد عورتوں کو عموماً اڑھڑاتے ہیں۔ میرے لیے نفاذ حیرانی اس بات کی تھی کہ اہلین اور اس کے پد پر معظم راس المیزانے تمہیں زندہ رکھا ہوا تھا۔۔۔۔۔ کیوں؟ کس لیے؟“

”جیسی پرچار لگائے بغیر چھل کاٹنا نہیں لگتی۔“ وہ اپنے گھاس سے اگھا گھونٹ لے کے بولی ”تمہیں پکڑنے کے لیے انہوں نے مجھے چارا بنایا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تم کاٹنا لگنے کے بجائے چارہ علی بے جاگے۔“

”لیکن تمہاری کمائی پھر بھی رہ جاتی ہے۔ تم پر وہاں کیا گزری تھی؟“

”کچھ بھی نہیں۔۔۔۔۔ میری بد قسمتی تھی کہ میں کرسمس کے دن ان کے ہتے چڑھی تھی۔ یسوع مسیح نے زندگی بھر شراب نوشی“

مرتا ہے۔ اسے سکا سکا کر مارنا بے فیض ہوتا ہے۔ اسے کون سی نئی زندگی ملتی ہے جو وہ اپنے پچھلے کرتوتوں کے انجام سے سبق لے گا؟

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مرنے والے دھمے دھمے موت سے ہم کنار ہوا اچانک سی موت کی سنسنی ہوئی اندھی وادیوں میں جا کرے“ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کا انجام ایک ہی ہوتا ہے۔ موت! لیکن اس کی موت دوسروں کے لیے ایک نمونہ ضرور ثابت ہو سکتی ہے اور بھرانے والے کی تسکین بھی تو اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے دل یا دماغ میں ایک گولی اتار کے مجھے انتقام کی وہ لذت نہیں مل سکے گی جو اس کے زندہ وجود کو ٹیکڑوں پارچوں میں تبدیل کرنے میں ہے۔ اس الیڈا ایک بڑا نام ضرور ہے لیکن وہ ایک بڑے کھیل کی چھوٹی سی کھ پٹی ہے جس کی ڈوریاں شاید وحاشا! ہڈس کی بیوروہ کسکے ہلا رہی ہے۔ اس الیڈا کے انجام سے اسے موت کی ابدی تیند کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا لیکن اس کے آقاؤں کو جبر ضرور حاصل ہوگی۔ بد طینت دشمن کے مقابلے میں جب دلیل اور جت کام نہ کرے تو صرف دہشت سی فتح کی آخری کلید ثابت ہوتی ہے۔“

”میرا اندازہ ہے کہ اب تم اس ٹرانس سے باہر آچکی ہو جو تمہارے دشمنوں کی بدسلوکی نے طاری کر دیا تھا۔“

”ٹرانس نہیں“ وہ حیرت اور بے یقینی کی ایک اندوہ ناک کیفیت تھی، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کسی عورت کو بے آبرو کیے بغیر بھی اتنا بے آبرو کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی ذات تک سے شرانے لگے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو مارے بغیر مردے سے بدتر حال کو پہنچا دیا جائے۔ تم تینوں نے اچھا کیا کہ غیر ضروری چیخڑ چھاڑ کیے بغیر مجھے ایک طویل تجلہ فراہم کیا۔ میں اس دوران میں مسلسل سوچتی رہی ہوں۔ مجھ سے چیخڑ چھاڑ کی جاتی تو شاید میں یک سو ہو کر ساری باتوں کا تجزیہ نہ کر پاتی مگر اب میں مددے کے اثرات سے آزادی محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ میں کوئی اتفاقی مخلوق نہیں ہوں، ایک عام سی عورت ہوں جسے کوئی بھی اہلین، بد رویا یا اس الیڈا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ جی لائیڈ کے سفاحانہ قتل کے ساتھ میری ذات کا وہ ظلم بکھر گیا جو بہت سے ہاتھوں کو میری طرف پڑھنے سے روکے رہتا تھا۔ اب مجھے اپنے زور بازو کے سارے زندہ رہتا ہے۔ اہلین اور راس الیڈا کی قید سے رہائی کے بعد میرے ذہن پر مسلسل قوطیت کی ایک لہر سوار تھی اور میں صرف ایک تختے پر اپنی توجہ مرکوز کیے بیٹھی تھی کہ مجھے زندہ رہنا چاہیے یا نہیں۔ اسی پر توجہ سوال نے میرے لیوں پر خاموشی کی مر ثبت کر دی تھی۔ اگر آدمی کو مرنا ہی ہو تو کیا ضروری ہے کہ وہ اپنے ہم نفسوں کے سامنے اپنی ایسی کمزوریوں کا اعتراف کرے جو زندگی کے آخری لمحات میں اس کی چپکوں کا بوجھ بن جائیں۔ وہ اپنے ہمدردوں کے سامنے نظرس نہ اٹھا سکے۔ طویل غور و خوض کے بعد

میں ایک کمرے میں بند تھی جہاں میرے لیے ایک لباس بھی موجود تھا۔ وہ میری زندگی کا بیاں تک ترین تجربہ تھا۔ میرے ساتھ زیادتیوں میں پہل کرنے اور پیش پیش رہنے والے چار آدمی میری نگاہوں میں آچکے تھے۔ میں نے اخبار میں پڑھ لیا ہے کہ ان میں سے دو مر چکے ہیں۔ پینر اور بد رویا کے جسم واصل ہونے کے بعد اب اہلین اور نقاب پوش کی باری ہے۔ ان کا خون پئے بغیر مجھے چین نہیں آسکے گا۔ انہوں نے جسم کے ساتھ میری روح تک کو زخمی کر کے رکھ دیا تھا۔“

”تمہارے ساتھ ان کا سلوک واقعی ہیما نہ تھا“ سلطان شاہ نے افسردگی سے کہا ”شاید تمہیں اس بات کا احساس نہ ہو لیکن مجھے خوشی ہے کہ اتنے برے اور بے رحمانہ سلوک کے باوجود انہوں نے تمہاری اتنا بوند کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔“

غزالہ نے منہ پھیر کر اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپانی چاہی لیکن ویرا کے زخمی چہرے پر ایک رنگ سا اگر گزر گیا اور وہ بولی۔ ”تمہیں خوشی ہو سکتی ہے کیونکہ تمہارا ماحول اور تمہاری معاشرت مختلف ہے۔ مغرب میں کھانے پینے اور چلنے پھرنے کی طرح جس کو بھی زندگی کے لیے ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔ شاندار ایک نہ ملے تو سوکھی ذہل روٹی پر بھی گزارہ کیا جاسکتا ہے۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوا“ اس میں کسی فطری طلب کی تسکین کے بجائے تذلیل اور اہانت کا پہلو سب سے زیادہ نمایاں تھا۔ مجھے یقین ہے کہ جو کچھ ہوا وہ اس نقاب پوش کی شہ پر ہوا۔ بد رویا نے آلاب میں پسلا کر پھینکا اور وہ ایک کتے کی موت مارا گیا، پینر نے مجھے پانپے پر مجبور کیا اور اس کے چیتھڑے بکھر گئے۔ یہ سامنے کی باتیں ہیں۔ انہیں تم مکافات عمل بھی کہہ سکتے ہو۔“ اس مرحلے پر وہ اچانک میری طرف متوجہ ہو کر بولی ”چند لمحوں پہلے تم نے راس الیڈا کا نام لیا تھا۔ کیا تم یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ نقاب پوش کے روپ میں اس غول کی سربراہی کرنے والا راس الیڈا تھا؟“

”یہ حقیقت ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ان بد معاشوں کے لیے یہاں کے حالات اس قدر بگڑے ہوئے ہیں کہ راس الیڈا جیسے منصوبہ ساز کو اپنی ساری مصروفیات ترک کر کے نیکارک سے یہاں آنا پڑا۔ میری چمنی جس کہہ رہی ہے کہ وہ یہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکے گا۔ اس کی شامت اسے نیکارک سے ہانک رہی ہے۔ اب مجھے اپنی ساری توجہ اس پر مرکوز کرنی ہوگی۔“

”عاش وہ میرے قابو میں آسکے!“ ویرا اپنے ہاتھ میں موجود گلاس کو خالی کر کے حسرت آمیز لہجے میں بولی ”میں اسے چٹاؤں گی“ میرے بدن کو نوچ کر نگار کیا گیا تھا، میں اس کے وجود کو کھٹے کھٹے کر کے ذبح کر دیں گی اور پھر اس کے بے جان کو تمھوں کو ایک تحیلے میں بھر کے اس کے آقاؤں کو بھیج دوں گی۔“

”میں ایسی بربریت کا قائل نہیں۔ مرنے والا بس ایک بار



”میں شراب اور ہیروئن کی بحث میں نہیں پڑتی“ غزالہ نے دیر اسے مخاطب ہو کر کہا ”لیکن سلطان شاہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ پتا نہیں تمہارے زخموں کی کیا حالت ہے۔ تمہیں کسی اچھے معالج سے رجوع کرنا چاہئے۔“

دیرا کے زخمی چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”میرے چہرے اور بدن پر کوئی غیر معمولی زخم نہیں ہے۔ بس خراشیں آئی تھیں جو خشک ہو رہی ہیں۔ اصل تکلیف ضربات میں ہے۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی ستورم، نیلی آنکھ کی طرف اشارہ کیا۔ ”اس جیسی اندرونی چوہیں زیادہ ستاتی ہیں۔“

”یہ وقت کے ساتھ ہی ٹھیک ہوتی ہیں۔ دو چار روز آرام کرنے کے بعد تم اس قابل ہو سکو گی کہ گھر سے باہر نکلنے کے بارے میں سوچ سکو۔ فی الحال تمہیں آرام کرنا چاہئے“ غزالہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

”میری میرے لئے سب سے اذیت ناک مرحلہ ہے“ دیرا بولی۔ ”میں اس واقعے کو بھولنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہوں لیکن جب بھی ذہن ادھر ٹپک جاتا ہے تو میرا خون کھول اٹھتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ باہر نکل کر انہیں نیست و نابود کر دوں یا اسی کوشش میں خود کو فنا کر لوں مگر میں جانتی ہوں کہ فی الحال ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ گھر سے باہر قدم نکالتے ہی میں دوسروں کے لئے تماشیا بن جاؤں گی۔“

”مجھے خوشی ہے کہ ہمارے سمجھائے بغیر تمہیں اس حقیقت کا ادراک ہے“ میں نے کہا۔

”یہ بتاؤ کہ اس معاملے میں راس الیڈا اچانک کہاں سے آگوا؟“ اس نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ الین کے کراچی پہنچنے سے پہلے یہاں موجود تھا اور شروع سے اسے ہدایات دے رہا ہے ورنہ الین کے لئے اتنی زبردست کارکردگی کا مظاہرہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ راس الیڈا کی موجودگی کا راز فاش ہوتے ہی الین کی جارحانہ پیش قدمیوں کا جو از سانے آگیا ہے۔“

”تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ الین کا نقاب پوش ساتھی راس الیڈا ہے؟“

”میری اس سے براہ راست گفتگو ہوئی ہے۔ تم جانتی ہو کہ میری باتوں میں ایچہ کر میرے حریف اگلے چلے جاتے ہیں۔ اس نے خود اعتراف کیا تھا کہ وہ راس الیڈا ہے اور ذہنی مسلمانوں کے متعلقانہ رد عمل سے خوف زدہ ہو کر پیشہ پس پردہ رہتا ہے۔ وہاں مجھے ذرا بھی موقع ملتا تو میں اسے موت کے کھاتے اتارے بغیر واپس نہ لوٹا لیکن اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ بچ گیا۔ عمارت میں ہونے والا دھماکا بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ زخمی ہونے کے بعد وہاں سے فرار ہوا ہوگا“ سلطان شاہ بولا ”پیٹر کے ہلاک اور الین کے زخمی ہونے کے

لی نے زندہ رہنے اور زندگی کی ساری سچائیوں کا سامنا کرنے کا ہلہ کر لیا ہے۔ میں کرسمس کی رات اپنے بدن کے ہر حصے پر زخموں کے دانٹوں، ہاتھوں اور پیروں کی وحشیانہ گرفت کو قدر سمجھ کر قبول کر لینے کے بجائے اس کا بھرپور انتقام لینے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔ اس بار تم صبح وقت پر میرے کمرے میں آئے ہو۔ بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ میں تم سے بہت کچھ جانتا اور سمجھتا ہوں۔“

”تمہاری زبان سے جانے اور جھوٹے کی باتیں اچھی نہیں لگتی۔ بس سمجھنے کی بات کرو۔“ اس کے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ اضطرابی لہجے میں بول پڑا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ دیرا کو جلد از جلد اس کے فطری اور جارحانہ روپ میں دیکھنے کا خواہش مند تھا۔

دیرا کی وضاحتوں نے میرے ذہن پر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا۔ ہم سب اس کے بارے میں جو کچھ سمجھ رہے تھے وہ بے بنیاد ثابت ہوا تھا۔ اس کی جگہ کوئی مشرقی دوریشہ ہوتی تو اس بات پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی کہ وہ ایک بدترین آزمائش سے گزر کر بھی غصہ آب رہی تھی لیکن وہ مشرقی تھی اور نہ کوئی عام دوریشہ۔ وہ دیرالائیزہ تھی جس کی ہر بات انوکھی اور زبانی ہی ہوتی تھی۔ اس کے بارے میں یہ اندازہ لگانا بہت مشکل تھا کہ وہ کس بات پر خوش ہوئی ہے اور کون سا واقعہ اس کے لئے صدمے کا سبب بن جانا ہے۔

”جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب اسے بھولنے کی کوشش کرو۔“ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا چاہا لیکن اس نے میری بات درمیان میں سے اچک لی۔

”بھولنے کے لئے ہی پڑی رہی ہوں“ وہ اپنے ہاتھ میں موجود گلاس کو انگلیوں میں نچاتے ہوئے بولی ”تم آج کل ذرا پاراسائی کی طرف مائل ہو رہے ہو لیکن تم بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ تفتیوں اور تلخیادوں کو بھلانے کے لئے اس سے زیادہ مجرب دوا آج تک ایجاد نہیں کی گئی۔“

”تم معمول رہی ہو“ اسے معمول پر آتا ہوا دیکھ کے سلطان شاہ طعنے بولا ”یہ لیڈروں کے حساب سے تمہارے معدے میں اترنے کے بعد اپنا اثر دکھاتی ہے۔ ہیروئن کی ذرا سی چٹکی تمہیں لمحوں میں اُن دیکھی دنیاؤں میں پہنچا سکتی ہے۔ پھر تم خچا دیوں سے ہی نہیں اپنے بدن کے زخموں سے بھی پریشان ہو۔ ہیروئن پینے کے بعد آدمی اپنی تکلیف تو کیا بدن ہی کو بھول جاتا ہے۔ نشہ ہو تو ہیروئن جیسا تو ہو۔“

”جو اس مت کرو“ دیرا اسے گھورتے ہوئے بولی ”بندر کو ادھر کا مزہ نہیں معلوم ہوتا۔ تم نے شراب پی ہے، نہ ہیروئن چمکی ہے۔ تمہیں تجربے کار لوگوں کے درمیان دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔“

ساتھ وہ بھی دھماکے کی زد میں آیا ہوگا۔“

”لیکن یہ سب ہوا کیسے؟“ دیرا تھرزدہ آواز میں منٹائی۔  
”آگ اور پانی کا میل ناممکن ہوتا ہے یہ کیسے ہوا کہ تم دونوں کی ملاقات ہوئی اور کوئی بنگامہ ہوئے بغیر تم نے خانے تک پہنچ گئے۔  
ایلین کس امید پر تم سے اتنا زیادہ تعاون کر رہا تھا؟ تم نے یقیناً انہیں کوئی سبزاغ دکھایا ہوگا۔“

”میں راس الیڈا کو دیکھتے ہی اس پر عاشق ہو گیا تھا۔ اسی مروت میں اسے چوٹ کھانی پڑی“ میں نے دیرا کو آنکھ مار کے مسکراتے ہوئے کہا ”ضرورت کے تحت کبھی کبھی نقاب پوشوں پر بھی عاشق ہونا پڑتا ہے۔“

دیرا کی پیشانی پر نمودار ہونے والی برہمی کی شکلیں دیکھ کے سلطان شاہ فوراً ہی بول پڑا ”یہ سب کارڈز الیکٹرانک سوچ کا کمال تھا۔ وہ لوگ اس سوچ کی تباہ کاریوں سے دہشت زدہ ہو گئے تھے۔“  
”وہ سوچ تمہیں کہاں سے مل گیا؟“ دیرا بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔  
”وہ تو شاید ابھی تک پیشاکون والوں کی تحویل سے باہر بھی نہیں نکلا ہے۔ وہ تم تک کیسے پہنچ گیا؟“

”وہ بس ڈینی کے ذہن کی اچھ تھی“ سلطان شاہ منہ بگاڑ کے بولا۔  
”ایک اندھا جو اٹھا جو خوش قسمتی سے کامیاب ہو گیا۔ وہ سوچ ڈینی کے دماغ میں تھا۔ وہ لوگ آخر تک یہ سمجھتے رہے کہ ڈینی کے سینے پر کسا ہوا سوچ میرے ہاتھ میں موجود بادودی تھیلے سے منسلک ہے۔ کئی بار کھلا موقع ملنے کے باوجود وہ ڈینی پر فائز کرنے کی ہمت نہیں کر سکے۔ شاید تمہیں یاد ہوگا کہ یہ خانے میں اندھرا پھیلنے ہی ایلین نے پتھر کو تختی سے منع کیا تھا کہ وہ ڈینی پر فائز نہ کرے ورنہ سب لوگ عمارت کے لمبے میں زندہ دفن ہو جائیں گے۔“

میرے لئے یہ بات حیران کن تھی کہ کارڈز الیکٹرانک سوچ کا نام دیرا کے لئے انجینی نہیں تھا لیکن اس نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ سلطان شاہ کی زبان سے اصل پس منظر سننے کے بعد اس نے سوچ کے بارے میں جو سوالات کئے ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ دیرا اس حیرت ناک ڈراما میں امریکا کے محکمہ دفاع کی کمری دلچسپی سے پوری طرح باخبر تھی۔ اس بارے میں باتیں کرتے ہوئے وہ بڑی حد تک نارمل نظر آ رہی تھی۔

”تمہاری ذات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ڈینی نے ... خودکشی کی راہ اختیار کی تھی“ سلطان شاہ نے کہا ”اگر ایلین کو ہمارے ہلف کا ذرا بھی اندازہ ہو جاتا تو ہم دونوں نہایت کسمپرسی کے عالم میں مار دیے جاتے۔“

”تم دونوں وہاں تک نہ پہنچتے تو بہت جلد میری زندگی کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ نقاب پوش نے مجھے سناتے ہوئے ایلین سے کہہ دیا تھا کہ اگر میں ڈینی کو ان تک لانے میں کامیاب نہیں ہو سکی تو مجھے ختم کر دیا جائے۔ مجھے اسی عمارت کی ایک خواب گاہ میں بے دست و پا کر کے رکھا گیا تھا۔ تمہارے یہ خانے میں پہنچنے سے ذرا ہی دیر

پہلے نقاب پوش نے مجھے اوپر کے کمرے سے وہاں پہنچایا تھا۔“  
”میں نے بستر کی معمولی سی شکنیں دیکھ کر ہی بھانپ لیا تھا کہ تمہیں اسی وقت وہاں پہنچایا گیا تھا۔ راس الیڈا شیطان صفت آدمی مظلوم ہوتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہمیں بھی اسی خانے میں بند کرنے کے پکڑ میں تھا۔ وہ دونوں فریقوں کی مکاری کی مبر آزما لڑائی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم اس بھیانک مقابلے میں کامیابی سے ہم کنار ہوئے“ میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا۔ میری کوشش تھی کہ اسے زیادہ سے زیادہ باتوں میں الجھا کر تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ وہ آنے والے غیر متوقع حالات کے دباؤ میں اپنے غلط رجحانات کو بھول سکے۔

خاموشی کے حصار سے باہر نکلنے کا فیصلہ کرنے کے بعد دیرا خود بھی ان تمام باتوں کے بارے میں تجسس ہوتی جاری تھی جو اس کے علم میں نہیں تھیں۔ میں نے اسے گیری ہارٹ اور جین طرکی سرگرمیوں کے بارے میں آگاہ کیا۔ ایک طرف وہ دونوں نادروہ کو آزاد کرانہ کارروائی بالابھی بالابھج پر ہاتھ ڈالنے کی فکر میں تھے اور دوسری طرف راس الیڈا کے زخمی ہونے کے بعد مقامی حکام پر اپنی سرکاری حیثیت کا بھروسہ دیا ڈال کر میری نجات کا ہر راستہ مسدود کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اسسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ اور انسپٹر جین طرکی کے نام دیرا کے لئے انجینی نہیں تھے۔ اس نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بتایا کہ امریکا کے خفیہ ادارے کے اہم افسران کی وہ جوڑی جنوبی ایشیا کے سیاسی اور معاشرتی معاملات میں خصوصی مہارت رکھتی تھی۔ حکومتوں کے عروج و زوال کی درپردہ سازشوں کے ساتھ ساتھ وہ بدنام مجرموں کا سراغ لگانے میں یدِ طولی رکھتے تھے۔ شاید ان تجربے کار افسروں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سرکاری سطح پر کہیں نہ کہیں کچھ کڑیاں کمزور تھیں۔ وہ کھل کر ایس ٹی ایف کو نامزد نہیں کر سکتے تھے لیکن جان چکے تھے کہ ایس ٹی ایف کی بھرپور پشت پناہی کی وجہ سے مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی باضابطہ کوششیں ہر بار ناکام ہو رہی تھیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے نادروہ جیسی ایک مظلوم اور خنساء عورت کو میرے پیچھے لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنے شوہر اور بچے کی محبت میں وہ بھی خوشی ان کے مقاصد کے لئے کام کر سکتی تھی لیکن اسی دوران میں راس الیڈا میری زد میں آ گیا اور انہوں نے کوئی گنبد چال چل کے سرکاری حلقوں کو بھی دوبارہ میرے خلاف متحرک کر دیا۔

یہ ان کے دباؤ کی انتہا تھی کہ اول خان کو معزولی سے بحال کرنے کے بعد اسی تناور درخت کی جڑیں کاٹنے کا حکم دیا گیا تھا جسے پروان چڑھانے میں خود اس کا خون جگر شامل تھا۔ حالات اور فرائض منصبی کی بنا پر وہ میری گرفتاری پر مامور کیا جا چکا تھا۔ یہ اس کا ذاتی احسان تھا کہ اس نے میری کمین گاہ کو بھول جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

جواب نہیں دیا ہے۔

میں نے اسے چند غوروں میں ڈالنا چاہا لیکن نادہ کا معاملہ اتنا سیدھا نہیں تھا۔ دیر کے تحیر زدہ سوالات کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا اور جب اس کتاب کے سارے بیج اس کے علم میں آئے تو وہ بھونچکا رہ گئی۔ یہ اور بات ہے کہ چوہ بڑا ہوا ہوئے کی وجہ سے وہ حیرت کے عالم میں محسوس ہو رہا تھا۔

”تمہارے اندازے لفظ بہ لفظ درست ہیں۔ امریکا کو خوابوں کی جنت سمجھ کر ادھر کا رخ کرنے والوں میں سے کمزور ماضی رکھنے والے پانچ دس فیصد تارکین وطن ہر سال ان بھیڑیوں کے جنگل میں پھنس جاتے ہیں“ وہ کہہ رہی تھی ”انہوں نے پورے حساب کتاب کے بعد نادہ سے رابطہ کیا ہے۔ وہ ان کی مرضی کے سامنے جھکنے سے انکار کرے گی تو وہ دھمکیاں دے کر اسے بلیک میل کریں گے۔ ایسے کمزور مہرے پر چال چل کر تم اپنی جانی کو دعوت دو گے۔“

”میں اناڑی نہیں ہوں کہ اگلی ملاقات پر اسے براہ راست اپنی اصلیت سے آگاہ کر دوں“ میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”میں اس کے دل کی گھڑائیوں میں جھانکے بغیر زبان نہیں کھولوں گا۔ فی الحال اس نے گیری ہارٹ سے سوچنے کی مصلحت لی ہوئی ہے اور میں نے اس سے وقت مانگا ہوا ہے۔ یہ دونوں انتہائی سٹور ہو گئے ہیں۔ میں ڈرائنگ روم میں نادہ سے باتیں کر رہا تھا اور یہ دونوں میری لائسنس میں ایف ایم ٹیکروفون کے ذریعے ہماری گفتگو کا ایک ایک لفظ سلطان شاہ کے کمرے میں سن رہے تھے۔ تم چاہو تو اس بار میری رضامندی سے پوری گفتگو سن سکتی ہو۔ مجھے اپنے حریفوں سے مذاکرات کرنے کے فن میں اب پوری مہارت حاصل ہو چکی ہے۔“

”آدی میں سب سے بڑی خرابی یہی ہوتی ہے کہ ایک کامیابی اس کا دماغ خراب کر دیتی ہے“ سلطان شاہ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ”اور مسلسل کامیابیاں آخر کار اسے کسی اندھے کوئیں میں ڈوب دیتی ہیں۔“

”تم جو چاہو، بکتے رہو۔“ میں نے تڑپ سے کہا ”میں نادہ سے ایک ملاقات ضرور کروں گا۔“

”وہ تمہارا اور غزالہ کا معاملہ ہے“ وہ ترکی بہ ترکی بولا ”تم نادہ کی دوسری عورتوں سے بھی ملو۔ میں تمہیں نہیں روک سکتا۔ یہ حق صرف اور صرف غزالہ کو حاصل ہے۔“

”خدا خدا کر کے تم نے سرچھپانے کے لئے یہ ٹھکانا حاصل کیا ہے۔ اگر تم نے نادہ کو اس موضوع پر چھیڑا اور وہ تمہارے ڈھب پر نہ آئی تو ہمیں یہاں سے بے سرو سامانی کے عالم میں بھاگنا پڑے گا۔ میری مانو تو یہ خطرہ مول لینے کا ارادہ ترک کر دو“ دیرانے پوری سنجیدگی سے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

”فکر نہ کرو۔ اس علاقے میں سبھیایا مکان کرائے پر حاصل

وہ تمام تبدیلیاں اس قدر مستفی خیز اور مدح فرماہیں کہ دیرا زندہ شراب نوشی کو بھول کر آئندہ کی منصوبہ بندی کے بارے میں بات کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اس وقت تک دیرا کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم جس فلیٹ میں موجود تھے، وہ نادہ یا مسز غنی ہی کی ملکیت تھا۔

”اب تم نے کیا کرنے کا فیصلہ کیا ہے؟“ اس نے گزرتے ہوئے واقعات کو یاد کرنے کا سلسلہ ترک کر کے پوچھا۔

”اس المیڈا زیادہ دیر تک روپوش نہیں ہو سکے گا۔ فی الحال میں گیری ہارٹ اور جیت مل سے دو دو ہاتھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ میرے جال سے نہیں بچ سکیں گے۔ انہیں تباہ کرنے کے بعد میں پوری یک سوئی سے اس المیڈا اور اس کے حواریوں کا تعاقب کر سکوں گا“ میں نے کہا۔

”تم صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔ اس وقت وہی دونوں زیادہ خطرناک ہیں لیکن تمہارا منصوبہ کیا ہے؟“

”تمہاری بازیابی کے سلسلے میں ایک کامیاب جوا کھیلنے کے بعد یہ ایک مرتبہ پھر بہتر بڑا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کئے بیٹھے ہیں“ مجھ سے پہلے ہی غزالہ بول پڑی ”یہ نادہ کو اعتماد میں لے کر پیش قدمی کرنا چاہ رہے ہیں۔“

”بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا“ دیرا بے ساختہ بول پڑی ”وہ ایک زخم خوردہ عورت ہے۔ ان دونوں نے اسے بہت سناٹا خواب دکھایا ہے۔ تمہاری اصلیت سے آگاہ ہوتے ہی مسز غنی کو اپنے منہرے خواب کی تعبیر نظر آنے لگی ہے اور وہ فوراً ہی تمہیں ڈبل لاس کرنے پر تیار ہو جائے گی۔ تمہیں اس وقت ہوش آئے گا جب سی آئی اے کے ایجنٹ بے رحمی سے تمہارے گلے میں رسی ڈال چکے ہوں گے۔“

”میں بھی ان کو یہی بات سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں“ غزالہ بڑبڑاتے ہوئے بولی ”فکر یہ اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ ان کا اندازہ ہے کہ نادہ ان کے اعتماد کو دھوکا دینے کی کوشش نہیں کرے گی۔“

”یہ نادہ تم سے کہاں نکلا گئی؟“ دیرا اچانک ہی ایک اہم سوال کر بیٹھی۔

”دینا بہت مختصر ہے“ میں نے بے پروایا نہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”جس فلیٹ میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں، یہ نادہ ہی کی ملکیت ہے اور ہم اس کے کرائے دار ہیں۔“

دیرا بے اعتباری سے تقریباً اچھل پڑی ”پھر تو اس نے دیکھتے ہی تمہیں پہچان لیا ہو گا۔“

”فی الحال معاملات اتنے گہیر نہیں ہیں۔ وہ مجھے دلاور کے نام سے جانتی ہے۔ کرائے داری کے لین دین میں وہ مجھ سے اتنی گلوب ہوئی کہ اپنی ذاتی الجھنوں پر مشورہ کرنے کے لئے مجھ سے مل بیٹھی۔ اس نے ابھی تک سی آئی اے والوں کی پیشکش کا کوئی

”جب تک راس الیڈا سامنے نہیں آیا تھا، میں الین کو اپنی مسم جوئی کا مدح برداں سمجھ رہا تھا جو ہمارے خلاف جاری تھی۔ تمہیں یاد ہونا چاہیے کہ ہم سب ہی کو الین کی کارکردگی پر سخت حیرت تھی۔ وہ اپنی کارکردگی کی بنا پر وہ میری ترجیحات میں پہلے نمبر پر آگیا تھا لیکن راس الیڈا کی موجودگی ثابت ہو جانے کے بعد الین کی اہمیت بہت کم ہو کر رہ گئی ہے۔ اس وقت راس الیڈا کا ذہن کام کر رہا ہے الین اس کے احکام پر عمل کر رہا ہے۔“

”الین کے مارے جانے سے راس الیڈا کو عملی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

”موجود کرنا پڑے گا لیکن ہم پولیس اور مقامی انتظامیہ کے ساتھ بھی الجھ جائیں گے۔ اسپتال پر حفاظتی انتظامات مقامی انتظامیہ نے کیے ہیں۔ ہم انہیں جیل دے کر چاروں زنجیروں یا صرف الین کو ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو گئے تو پولیس اس وارغ کو دھونے کے لیے اپنے پورے دسائے کے ساتھ ہمارے پیچھے لگ جائے گی۔ موجودہ حالات میں ہم اس قسم کی محاذ آرائی کے فاصلہ نہیں ہو سکتے۔“

”شاید تم یہ سمجھ رہے ہو کہ اس وقت پولیس فورس تمہیں بھولی ہوئی ہے“ ویرا نے نظریہ لیجے میں کہا ”یہ نہ بھولو کہ ہم دونوں کی گرفتاری میں مدد دینے والوں کے لیے ہماری انعام کا اعلان اس وقت بھی برقرار ہے۔“

”وہ ایک عام سا اعلان ہے۔ اس میں دلچسپی لینے والے ذاتی طور پر کوئی بہت بڑا حق نہیں مار سکتے۔ کسی ٹھکے کی باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ ہونے والی کارروائی بہت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ الین جیسے تیسرے درجے کے بد معاش کو کسی بھی وقت پکڑا جاسکتا ہے۔ اس وقت ہمیں صرف راس الیڈا پر نظر رکھنی چاہئے۔“

”ٹھیک ہے۔ تم جس پر چاہو، نظر رکھو۔ میں تو فی الحال باہر نکلنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں“ ویرا نے ہتھیار ڈال دیے۔

ویرا کی مسلسل خاموشی کی وجہ سے فضا پر جو بے یقینی اور جوہر کی سی کیفیت مسلط تھی، وہ دور ہو چکی تھی۔ ویرا نے ہم تینوں کو اپنے دھک میں شریک کر کے اپنے دل کا غبار خاصا ہلکا کر لیا تھا۔ میں نے بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ ہم لوگوں کے آنے سے پہلے وہ سے نوشی میں مصروف تھی اور اس نے ہمارے سامنے ہی گلاس خالی کیا تھا لیکن مچھنگو کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد اس نے اپنے لیے مزید اسکاچ نہیں انڈیلی تھی۔

میں غزالہ اور سلطان شاہ کو اس کے ساتھ باتوں میں مصروف چھوڑ کر اس کی خواب گاہ سے باہر نکل آیا تاکہ نئی حکمت عملی کے تحت دائرہ سے رابطہ کر سکوں۔

میں وہاں سے چند قدم دور بھی نہیں گیا تھا کہ ویرا نے آواز دے کر مجھے دوبارہ اندر بلا لیا۔

”اب کیا تکلیف ہے؟“ میں نے کمرے میں پہنچ کر چڑچڑے

کرنے کا پسلا تجرہ بہت کامیاب رہا ہے۔ فلیٹ چھوڑنا پڑا تو چند ہی محنتوں بعد ہم اس سے بھی بہتر مکان میں آرام کر رہے ہوں گے۔“ میں نے بے پردائی سے کہا۔

”مجھے معلوم ہے کہ جو بات آپ کے دماغ میں سما جائے اسے نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے“ غزالہ ایک گھبراہٹ سے بولی۔

”بحث کو طول دینے کے بجائے اب میں آپ کی کامیابی کے لیے دعا ہی کر سکتی ہوں۔“

”تمہاری طویل اور پراسرار خاموشی نے مجھے سخت ذہنی اذیت میں مبتلا کیا ہوا تھا“ میں نے ویرا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

”تمہارا معاملہ صاف ہو جانے کے بعد میں پوری یک سوئی سے اپنا کام کر سکوں گا۔“

”میرا معاملہ اس وقت صاف ہو گا جب الین اور راس الیڈا کو ان کی جسارتوں کی قراردادیں سزا مل جائے گی۔ فی الحال تم کیمری ہارٹ اور جیفٹ ملر کے پیچھے لگے ہوئے ہو۔ ان دونوں سے نمٹنے کے بعد میرے مجرموں کی باری بھی آجائے گی۔ غزالہ کی طرح میں بھی پورے غلوں سے تمہاری کامیابی کا انتظار کروں گی۔“

”یہ سب ایک تھیلی کے چنے بنے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کے ساتھ راس الیڈا بھی میدان میں اتر آئے۔ پیڑ کی موت پر اس نے بھی شکست کا تحق زائقہ چکھ لیا ہے۔ وہ زیادہ دیر تک خاموشی سے روپوش نہیں رہ سکے گا۔ زخم خوردہ درندہ توقع سے بہت پہلے پلٹ کر جوابی وار کرتا ہے۔“

”الین اسپتال میں پڑا زخم چاٹ رہا ہے“ سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا ”وہاں ان لوگوں کے تین زخمی ساتھی بھی ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ بد رواداد کے مقامی بد معاش نہیں ہو سکتے۔ ان کے لیے جس طرح حفاظتی انتظامات کیے گئے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ الین کی مدد کرنے والے سفید فام ماہرین ہی ہو سکتے ہیں۔ تمہاری سی محنت کر کے ہم ان چاروں کو اسپتال میں ہی موت کی نیند سلا سکتے ہیں۔“

”بظاہر یہ ایک اچھی تجویز ہے“ میں نے کہا ”لیکن میں اس وقت کوئی نیا محاذ کھولنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔“

”نیا محاذ؟“ اس نے حیرت سے دہرایا۔ ”یہ سب تو پرانے کھیل کے مہرے ہیں۔ ویسے بھی تم الین کو ہر وقت پر جنم واصل کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔ اب دائرہ کی وجہ سے تمہاری ترجیحات بدل رہی ہوں تو دوسری بات ہے۔“

”دائرہ تمہارے اعصاب پر سوار ہو کر رہ گئی ہے“ میں نے برہمی سے کہا۔ ”تم عقل سے کام لینے کی عادت ڈالو تو خود بھی یہ سمجھ سکتے ہو کہ بدلتے ہوئے حالات میں الین کی اہمیت بہت کم ہو چکی ہے۔“

”مجھے تو حالات میں ایسی کوئی نمایاں تبدیلی نظر نہیں آتی“ وہ تائید طلب نظروں سے دیر اور غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”شروع سے اب تک کوئی تبدیلی نہیں لیکن واقعات کا وہی ایک تسلسل چلا آ رہا ہے۔“

پہیں پوچھا۔

نصیبی ہے کہ اتنی قلیل سی مدت میں دوبارہ آپ سے بات کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔“ الفاظ سے زیادہ خوشی اس کے لب و لہجے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

”بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ چل پڑتے ہیں تو کسی انجام تک پہنچنے تک مسلسل ذہن سے چپکے رہتے ہیں۔ تمہارے جانے کے بعد سے میں تمہارے مسئلے میں الجھا ہوا ہوں۔ کیا تم اس وقت میرے گھر آ سکتی ہو؟“

”کیوں نہیں۔ کیا کوئی خاص بات سامنے آئی ہے؟“ اس کی آواز میں تحیر زدہ حسرت نہاں تھی۔

”خاص بلکہ تم اسے خاص الخاص بھی کہہ سکتی ہو“ میں نے ہنس کے کہا ”کسی ٹھوس نتیجے پر پہنچنے کے لیے مجھے تمہارے ساتھ کچھ باتیں کرنی ہوں گی۔ اگر تم کو اعتراض نہ ہو تو یہ اسی وقت ہو سکتی ہیں۔“

”مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ میرے لیے تو یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ میری کمائی میں اتنی زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں۔ ابھی تو صرف ساڑھے نو بجے ہیں۔ آپ چاہیں تو آدھی رات کو بھی میرے غریب خانے پر آ سکتے ہیں۔ آپ کے لیے میرا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا۔۔۔۔۔ میں شہر کی جدائی کی آگ میں سلتی ہوئی ایک تنہا عورت ہوں جسے رشتے داروں نے بھی ٹھکرا دیا ہے۔ یکسانیت کے ان شب و روز میں آپ کی وجہ سے تبدیلی اور ذرا سی الجھل پیدا ہو جائے تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔“

میں اس کی تنہائی اور محرومی کا دکھ سمجھ رہا تھا۔ مجھے اپنا ازار دار۔۔۔ بنانے کے بعد وہ میری ذات میں کسی عارضی سارے کا سپنا دکھ رہی تھی۔ مجھے مدعو کرتے ہوئے اس کی آواز میں ایک عجیب سا لہجہ پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے فوراً ہی غماخ ہو جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہاری ذات پر کوئی حرف آئے۔ اکیلی عورت کے گھر آنے والے مروف رشتہ صفت ہوں تب بھی دوسروں کی نگاہوں میں ٹھکنے لگتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم ادھر آ جاؤ تو زیادہ مناسب ہوگا۔ دیر ہو جانے کی صورت میں تم غزالہ کے ساتھ رک سکتی ہو۔“

”آپ کی خواہش ہے تو میں وہیں آ جاتی ہوں“ اس کی آواز میں ہلچلی ہوئی حرارت میں یک بیک کسی سی آگنی۔ ”میں مقبول عام سوسائٹی میں ایک بڑے مکان میں رہتی ہوں۔ یہاں کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں پر دھیان دے سکے۔ مجھے کسی وقت آپ کی میزبانی کرنے کی دلی خوشی ہوگی۔“

”میں ضرور آؤں گا“ میں نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ سوسائٹی سے ملحق وہی علاقہ ہے نا جو ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ آباد ہے۔“

وہ حترم آواز میں ہنس پڑی۔ ”آپ ٹھیک سمجھ۔ نام سے زیادہ ریلوے لائن اس کی پہچان ہے۔ اس میں لائن سے گزرے

میرے ذہن میں ایک نئی بات آئی تھی، سوچا کہ تمہیں آگاہ لادوں“ میں جواب میں کچھ کے بغیر استفسار طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری کیجئے ہوئے بولی۔ ”مکان کی تلاش میں تمہارا نادارہ سے ٹکرانا ایک خاتون ہو سکتا ہے لیکن اس سے آگے کا کھیل سوچا سمجھا معلوم ہوتا ہے۔“

”غیر ضروری تجسس پیدا کرنے کے بجائے پوری بات بتاتی چلی باؤ“ اسے خاموش پا کر میں نے کہا۔

”تمہیں کرایے دار بنانے کے بعد نادارہ کو تم پر شبہ ہو چکا ہے۔ اس نے گیری ہارٹ کو اپنے شبہات سے باخبر کرنے کے بجائے اپنی کمائی کے ساتھ تم سے رجوع کر کے تمہارا رد عمل دیکھنے کا فیصلہ کیا اور یہاں آ پہنچی۔ ابھی تک وہ تمہاری طرف سے متذبذب میں جلتا ہے۔ اسے کامل یقین ہو جاتا تو وہ گیری ہارٹ یا جف ملر کو آگاہ کر چکی ہوتی۔ اس سے اگلی ملاقات میں اس امکان کو ضرور دھیان میں رکھنا۔“

”بہت بہتر!“ میں نے ہنسا کر کہا اور اس کے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

دراکواہ نظریہ میری دانست میں بالکل بے سرو پا تھا۔ وہ نادارہ سے مل چکی ہوئی تو ایسی کمائی ہرگز نہ سوچتی۔ نادارہ ایک باہمت اور مضبوط عورت ضرور تھی لیکن اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ مجھ پر ذرا بھی شبہ ہونے کے بعد وہ میرے ساتھ براہ راست چھینڑ چھاڑ شروع کر پاتی۔

اپنے شہر کی جراثیم پیشہ سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رہنے کی وجہ سے اس کے مزاج میں سازش کے جراثیم موجود ہو سکتے تھے۔ اگر اسے میرے اوپر شبہ ہو تا تو ایک پُر پیچ راستہ اختیار کرنے کے بجائے وہ آسان ترین راہ اختیار کرتی۔ اس کے ذرا سے اشارے پر امریکن سی آئی اے کے افسران نہایت خاموشی سے میرے گرد گھیرا ڈالتے اور اس کے شبہات کی تصدیق یا تردید کر دیتے۔ میرے لیے یہ خیال ہرگز ہرگز قابل قبول نہیں تھا کہ نادارہ ہر بات اپنی ذات تک محدود رکھ کر میرے ساتھ جلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہی تھی۔

میں نے ڈرائنگ روم سے نمبر لایا تو دوسری گھنٹی کے بعد نادارہ کی دھیمی گھر پڑو تار آواز سنائی دی۔

”میں دلاور بول رہا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میں تمہارے آرام میں غلط انداز ہوا ہوں۔“

ریسیور پر اس کی کھنکھتی ہوئی نفرتی ہنسی سنائی دی پھر وہ بولی۔ ”آپ کو اپنا نام بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں آواز سے ہی آپ کو پہچان لیتی۔ آپ کے فلیٹ سے واپس آنے کے بعد میں مسلسل آپ ہی کے بارے میں سوچتی رہی ہوں۔ یہ میری خوش

رہے تھے۔ مہمان داری کے حوالے سے مادہ کے اس اعتراض کا عارضی جواب دیا جاسکتا تھا لیکن دوسرا پہلو زیادہ خطرناک ہو سکتا تھا۔ وہ فلیٹ میں اتنی بھیڑ دیکھنے کے بعد میرے بارے میں حقیقی شکوک و شبہات میں مبتلا ہو سکتی تھی جب کہ میں اس کے دل دہان کی گھبراہٹوں میں اتر کر اس کا اعتماد جیت لینے کا پروگرام بنائے بیٹھا تھا۔

میں فوراً ہی دیرا کے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں وہ تینوں پورے انشاک سے باتوں میں مصروف تھے۔ میرے قدموں کی آہٹ پانکے وہ تینوں ہی خاموش ہو کر اس طرح میری طرف دیکھنے لگے جیسے میری مداخلت انہیں پسند نہیں آتی ہو۔ میں نے ان کے چروں پر ابھرنے والے تاثرات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا ”مادہ تمہاری دیر میں یہاں پہنچنے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے فلیٹ میں میری اور غزالہ کی ذات کے سوا کسی تیسرے فرد کی موجودگی کا شبہ نہ ہوئے پائے۔ زیادہ افراد کی موجودگی سے وہ بھڑک سکتی ہے۔“

”میں تمہاری بات اچھی طرح سمجھ رہی ہوں“ دیرا نے سر ہلاتے ہوئے استہزاء سے لہجے میں کہا ”تم غزالہ کو کام میں لگانے کے سانس نہ آنے کے باوجود میری نظریں ہر لمحے تم دونوں پر مرکوز رہیں گی۔ تم نے پڑی سے اتارنے کی کوشش کی تو غزالہ.....“

”یہ آپ دونوں کا مذاق ہے“ غزالہ نے احتجاج کرنے کے انداز میں اپنا ہاتھ بلند کر کے ویرا کی بات کاٹ دی اور مجھ سے مخاطب ہو کر گفتگو لہجے میں کہنے لگی۔ ”میں اس میں فرق نہیں ہوں۔ مجھے آپ پر پورا اعتماد ہے۔“

”تم نے ذہنی کو کلام دینے کی کوشش نہیں کی تو یہ اندھا اعتماد کسی دن تمہیں لے ڈوبے گا“ دیرا اپنے مصنوعی خول سے باہر آتے ہی رنگ دکھانے لگی تھی۔ وہ سنجیدگی سے غزالہ کو میرے خلاف اکسانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”ہم دونوں ایسے بندھن میں جکڑے ہوئے ہیں کہ ڈوبے تو ساتھ ہی ڈوبیں گے، ہم میں سے کوئی اکیلا نہیں ڈوبے گا“ غزالہ نے خوش دلی سے دیرا کو جواب کر دیا۔

سلطان شاہ نے ویرا کی حوصلہ افزائی کرنے کے ارادے سے منہ کھولا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ مادہ نے فلیٹ کی ہر خواب گاہ میں فون کی اضافی لائن دی ہوئی تھی تاکہ بستر چھوڑے بغیر بھی جگہ فون سے استفادہ کیا جاسکے۔ دیرا نے فوراً ہی ریسپور اٹھا لیا۔ اس نے زبان کھولے بغیر دوسری طرف کی آواز سنی اور خاموشی سے ریسپور میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا لیکن اس کے کچھ بتانے سے پہلے ہی جانا گھیر کر چمکتی ہوئی آواز میرے کانوں میں آگئی ”ارے بھئی بھولو نا..... چونکا اٹھا کر چپ شاہ کا روزہ کیوں رکھ لیا ہے؟“

”شاباش!“ میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ”معلوم ہوتا ہے کہ

بغیر کوئی ٹرین کراچی سے نہیں نکل سکتی۔ میں ٹرینوں کی گڑگڑاہٹ سننے کی اتنی عادی ہو گئی ہوں کہ کبھی ٹرینوں کی ہڑتال ہو جائے تو شاید مجھے نیند نہیں آسکے گی۔“

”فکر مت کرو۔ تمہیں فلیٹ پر کتنا بڑا تو غزالہ تمہیں ٹرین کی گڑگڑاہٹ کا کوئی آڈیو کیسیٹ سنا دے گی تاکہ تم سکون کی نیند سو سکو“ میں نے دانستہ غزالہ کا نام استعمال کرتے ہوئے بے تکلفی سے کہا۔

”آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں۔ میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہی ہوں“ اس نے کہا۔

میں نے فون بند کر کے سگریٹ سلگائی اور وہیں صوفے پر دراز ہو گیا۔ مادہ نے نادانستگی یا رواداری میں اپنے گھر کے محل وقوع کا ذکر کر کے میرے ذہن میں امکانات کے نئے درجے کھول دیے تھے۔ اگر میں نے مادہ کے مکان کا محل وقوع صحیح سمجھا تھا تو اس علاقے میں کوئی مکان ہزار یا چھ سو گز سے کم رہنے پر نہیں تھا۔ وہ پوری آبادی شامس فیصل اور ریلوے لائن کے درمیان ایک پٹی کی صورت میں پھیلی ہوئی تھی۔ عالی شان مکانات اور مصروف ترین ریلوے لائن کے درمیان قانونی طور پر خالی چھوڑی گئی زمین پر ناجائز قابضین کے طفیل چھوٹی دیریں اور شکستہ مکانات کا ایک بے ترتیب جنگل پھیلا ہوا تھا جس کی وجہ سے انسانی آبادی کی حدیں عملاً ریلوے لائن سے جا ملی تھیں۔ مادہ کے اس مکان کو آسانی کے ساتھ قید خانے کے طور پر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ ٹرینوں کی رُشور آمد و رفت میں قیدی پر بے فکری سے ہر تشدد کیا جاسکتا تھا ایسی سولتیں کسی پرسکون اور خاموش رہائشی علاقے میں ملنی محال تھیں۔ گیری ہارٹ اسلام آباد میں سرکاری جوتوں میں مصروف تھا جب کہ اس کا دست راست، انسپکٹر جیف ٹرک کراچی میں موجود تھا۔ گیری ہارٹ کی واپسی تک جیف ٹرک کو مادہ کے مکان میں رکھا جاسکتا تھا۔

وہ ایک بہت بڑی الجھن تھی جو قدرتی طور پر خود بہ خود دور ہوتی نظر آ رہی تھی۔ میں مسلسل اسی فکر میں مبتلا تھا کہ جہاں گیری فیکٹری اور گھر میں آگ لگنے کے بعد ہمارے لیے شرم میں ایسا کوئی محفوظ ٹھکانا نہیں رہا تھا جہاں ہم اپنے مجرموں سے چھوڑی بہت باز پرس کر سکیں۔ بادی النظر میں مادہ کا مکان ہماری وہ ضرورت پوری کر سکتا تھا۔ بنیادی شرط یہ تھی کہ مادہ میرے ساتھ میری شرٹنا پر تعاون کرنے پر آمادہ ہو جاتی۔

میں اس سے متعلق مذاکرات کے بارے میں ایک ذہنی خاکہ بنانے میں مصروف ہو گیا۔

مگر مجھے خیال آیا کہ مادہ حالات کی بدلی ہوئی بساط پر محض ایک مہرہ ہی نہیں ہمارے رہائشی فلیٹ کی مالکہ بھی تھی۔ اس نے وہ فلیٹ مجھے اور غزالہ کو ایک ارمان پرور جوتہ سمجھ کر کرائے پر دیا تھا ہمارے ساتھ دیرا اور سلطان شاہ کو دیکھ کر وہ بدک سکتی تھی۔ اسے پہلا اعتراض یہ ہوتا کہ فلیٹ میں شرٹنا سے زیادہ افراد



ہوگا۔ ان میں بھی کچھ کمزوریاں رہی ہوں گی، اسی وجہ سے وہ غلط راستے پر چل پڑے۔ کم از کم وقت میں اور آسانی کے ساتھ دولت کمائے کی خواہش کے نتیجے میں ایسا ہی ہوتا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ شوہر کی آزادی اور فرخ کے مستقبل کے حوالے سے اب تمہارے موقف میں کمزوری آ رہی ہے؟“ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔

اب بھی سرگرم تھیں! ”وہ چٹنی سے بولی“ یہ مسائل میری ترجیحات میں میں چکرار کر رہ گیا“ یعنی تم نے سی آئی اے والوں سے تعاون کا فیصلہ کر لیا ہے؟“

”ابھی فیصلہ نہیں کیا۔ اسی لیے آپ کے ایک فون پر یہاں دوڑی چلی آئی ہوں۔ محسوس یہ ہو رہا ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے ان مشتبہ لوگوں کے اشاروں پر چلنا پڑے گا۔“

”سوچ اور عمل کا یہ تضاد میرے لیے ناقابلِ فہم ہے“ میں نے دھیرے سے کہا۔

”اسے میری مجبوری یا خود غرضی بھی کہا جاسکتا ہے۔ حالات کے بے رحم ٹھیکے میں پھنس کر انسان کو بعض اوقات اپنی مرضی بلکہ ضمیر کے خلاف بھی بہت کچھ کرنا پڑتا ہے“ وہ مغموم سے سنجے میں بولی ”اگر میرے سامنے کوئی تبادلِ راستہ موجود ہو تو میں اب بھی ڈینی کو بھول سکتی ہوں۔“

”تم کون سے تبادلِ راستے کی بات کر رہی ہو؟“ میں نے اپنی آواز میں سرد مہمی سی محسوس کی۔

”عورت کبھی کسی کو اپنا راز دار نہیں بناتی، کسی مجبوری کے تحت اگر بنا ہی لیتی ہے تو اسے کھل کر اعتماد میں لیتی ہے“ اس نے آرام دہ صوفے پر بے چینی سے پتلو بدل کے کہا ”میں آپ سے کھل کر بات کروں گی۔ میرے سامنے آسان ترین راستے یہ ہے کہ میں سی آئی اے کے خود غرض بھیڑیوں کی خواہشات کے آگے ہتھیار ڈال دوں۔ غنی صاحب کی آزادی اور فرخ کے محفوظ مستقبل کے لیے خود کو ایک نیا ہی جنس سمجھ لوں اور ان لوگوں کے نفس کا اچھلنے بن جاؤں جو ڈینی کا کھوج لگا کے اسے میرے قدموں میں لاسکتے ہیں۔ سی آئی اے والے ڈینی کو پکڑ کے لے جائیں گے، غنی صاحب کی سزا معاف کر دی جائے گی، امریکا میں فرخ کا مستقبل محفوظ ہو جائے گا مگر میرے ضمیر کے لیے یہ سب ناقابلِ برداشت ہوگا۔ ایک عمل کو آہستہ آہستہ سمجھ کر بھی اپنا تاجر کے لیے بہت مشکل ہوگا۔ میرے لیے دوسرا راستہ یہ ہو سکتا ہے کہ میں ڈینی کو بھول جاؤں، سی آئی اے والوں کو خاطر میں نہ لاؤں مگر کوئی مجھے اتنا یقین دلا دے کہ امریکا سے آئے ہوئے بھیڑیوں سے بگاڑ پیدا کرنے کے باوجود میں اپنے مقاصد حاصل کروں گی۔ غنی صاحب ہیروئن کی اسمگلنگ کے مجرم تھے۔ وہ اپنے حلیہ سے کرتوتوں کی نرم سزا بھگت رہے ہیں لیکن فرخ کا کیا قصور ہے؟ میں اس معصوم بچے کو آلام و مصائب سے محفوظ دیکھنا چاہتی ہوں۔“

اس کے شوہر سے ملاقات کرنے کے لیے غیر معمولی تیاری کر کے آئی ہوں۔“

”تم غلط سمجھی ہو۔۔۔ غزالہ ایسی عورت نہیں ہے۔ اس نے تمہارا بارے میں جو محسوس کیا، سادگی سے کہہ ڈالا۔ اس کی بات کا کوئی دوسرا منہموم نکالنے کی کوشش مت کرو۔ وہ کسی کی دل آزاری کو گناہ سمجھتی ہے۔“

”خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آپ کی باتوں پر میرا دل خود بہ خود اعتبار کرنا چلا جاتا ہے۔“

میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا ”اور اگر میں جھوٹ بولنا شروع کر دوں؟“

”ہر انسان کی طرح میں بھی جھوٹ اور سچ کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔ جھوٹ سننے کے بعد دل مضطرب سا ہونے لگتا ہے۔ میں اپنے اس قدرتی بیانیے پر پختہ یقین رکھتی ہوں۔“

بات میری توقع سے کہیں پہلے اس موڑ پر آگئی تھی جہاں میں پتیزا بدل سکتا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”اگر میں یہ کہوں کہ میں ڈینی ہوں تو تمہارا ردِ عمل کیا ہوگا۔“

”میں اس بات کو مذاق سمجھ کر ٹال دوں گی“ وہ پورے اعتماد سے بولی ”پہلے میں ڈینی کو بہت موذی اور سزا کے قابل سمجھتی رہی لیکن آپ سے بچھلی ملاقات کے بعد میں نے ٹھنڈے دل سے اس کے بارے میں سوچا ہے اور میرے خیالات میں نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ میں غنی صاحب کی سہل پسندی اور مجبور یوں سے واقف ہوں لیکن ڈینی کے ماضی سے ناظم ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی حالات کے جبر کا شکار ہو کر منشیات فروشی کی راہ پر چل نکلا ہو۔ ہمارے ملک میں بہت سے معروف لوگ بلکہ سیاست دان تک ہیروئن کی سوداگری میں مبتلا ہیں۔ یہ جرم ایسا بھیاک نہیں ہے کہ اس کی پاداش میں ڈینی کو اس کے بدترین دشمنوں کے حوالے کر دیا جائے۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ سی آئی اے والے ہیروئن فروشی کی وجہ سے ڈینی کے دشمن نہیں بنے ہیں۔ اس دشمنی کے اسباب کچھ اور ہیں، اسی وجہ سے وہ لوگ یہاں کے قانون سے مدد لینے کے بجائے مجھے اپنا آلہ کار بنا کر چاہ رہے ہیں۔ اگر ہیروئن فروشی پر ڈینی کو موت کے چنگل میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا جائے تو پہلے مجھے غنی صاحب کی سزا کو تقدیر کا مصفاانہ فیصلہ سمجھ کر قبول کرنا ہوگا۔“

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اس کی وہ تقریر سنتا رہا۔ میں جو باتیں اس کے ذہن میں ڈالنا چاہ رہا تھا، وہ پہلے ہی اس کے دل میں گھر کر چکی تھیں۔ میں نے کہا ”تمہاری سوچ کی یہ تبدیلی میرے لیے حیران کن ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ڈینی نے تم سے مل کر تمہیں اپنی بے گناہی کا یقین دلایا ہو؟“

”یہ سوچ کی تبدیلی نہیں، سوچ کی ابتدا ہے۔ آپ کی باتوں پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ ڈینی گناہ گار ضرور ہے لیکن اتنا بھی نہیں کہ اسے زندہ رہنے کے حق سے محروم کر دیا جائے۔ ڈینی نے غنی صاحب کو زبردستی ہیروئن کے کام پر نہیں لگایا



چارو، تنہا گلی اور حسن ابدال سے لے کر کاکول تک پشہ وارانہ  
اداروں کا ایک جال بچھا ہوا ہے جہاں خام ذہنوں کو خاص سانچوں  
میں ڈھال کر زندگی کے چر عزم سفر کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ میں  
فرخ کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے!“ وہ گہری سنجیدگی سے بولی ”آپ نے یہ ذمہ  
داری قبول کر لی۔ میں فرض کیسے لیتی ہوں کہ آپ اسے نباہ بھی لیں  
گے لیکن کل کلاں کو آپ کسی خون آشام معرکے میں مارے گئے تو  
میرے فرخ کا کیا بنے گا؟ میں اپنی فریاد لے کر کہاں جاؤں گی؟ میں  
اس کے سر پر ہاتھ رکھنے والا کہاں سے لاؤں گی؟“

”مفروضات کی بات مت کرو“ میں نے سختی سے کہا ”اولین  
مفروضہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تمہاری زندگی اچانک تمہیں دعا  
دے گئی تو فرخ کا کیا بنے گا... یہ بے بنیاد باتیں ہیں۔ آؤی جب  
تک زندہ رہتا ہے، یہی سوچتا ہے کہ زندگی کا سارا چکر اس کے دم  
سے چل رہا ہے۔ وہ مرا تو ہر طرف ایک قیامت برپا ہو جائے گی  
لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ مرنے والے خاموشی سے مرجاتے ہیں، دنیا  
کے کسی کا دوبارہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مرنے والوں کے جیسے چند  
روز انہیں دوتے ہیں پھر غم روزگار میں الجھ کر اس الیے کو بھولنے  
لگتے ہیں۔ تم رہو یا نہ رہو، ذہنی تمہارے اکلوتے بیٹے کی دیکھ بھال  
کرے یا نہ کرے، فرخ اپنی تقدیر کا لکھا پورا کرے گا۔ اس کے  
بارے میں تمہیں ضرورت سے زیادہ سوچ کر خود کو بھانک کرنے کی  
ضرورت نہیں۔ اس وقت تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ تم اپنے ضمیر  
کی آواز کو نظر انداز کر کے ذہنی کو قراچی اہل کے حوالے کر دو گی یا  
دلیری کے ساتھ باؤ کا مقابلہ کر دو گی۔“

”کاش آپ ایک ماں ہوتے“ وہ دکھ بھری آنکھوں میں دیکھ کر  
آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ ”ایہ ماں بے لیے اس  
کی اولاد کی زندگی ہر اتفاقی اصول کی سریندی سے زائد اہم  
ہے۔۔۔“

میں نے مادہ کی بات کاٹ دی اور اس نے ذہن کو پڑھتے  
ہوئے سخت لہجے میں کہا ”میں تم پر اعتماد کر کے ایک اہم اعتراف  
کرنے والا ہوں۔ تم چاہو تو یہاں سے لوٹنے ہی انشپکڑ جیت لڑو  
میرے اعتراف سے آگاہ کر سکتی ہو۔ یہ بدنام زمانہ ایجنٹ ہمارے  
ملک اور ملکی مفادات کے بدترین دشمن ہیں۔ میں ذہنی ہوں۔ میں  
ان خود غرض درندوں اور ملت فروش تجھوں کی مکمل ترین بربادی کا  
عزم لے کر میدان میں اترتا ہوں۔ گہری ہارٹ اور جیت لڑ میری  
گھات میں ہیں، میں ان کے خلاف مورچا لگائے بیٹھا ہوں۔ وہ  
دونوں بلا کے مکار اور خود غرض ہیں۔ اگر تم ان دونوں کی بربادی  
میں میرے ساتھ تعاون کر سکو تو میں تمہیں یقین دلانا ہوں کہ  
تمہارے مقاصد کے حصول کے ساتھ ہی میں ایک اہم قومی فریضہ  
بھی سر انجام دے سکوں گا۔“

”آہ... آپ ذہنی ہیں؟“ مادہ نے فرط حیرت سے ہلکاتے

”فرض کرو کہ ذہنی خودی سامنے آکر تمہیں اس تحفظ کا یقین  
دے تو تمہارا رد عمل کیا ہوگا؟“

”اس وقت ذہنی خود خطرات میں گمراہ ہوا ہے۔ میں بھانپ چکی  
ہم سی آئی اے والے اس کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔  
حالات میں وہ میرے شوہر یا بیٹے کے بارے میں کیا خائنیتیں  
کے سکتا ہے۔“

”تھوڑی دیر کے لیے فرض کرو کہ میں ذہنی ہوں۔ تم سوالات  
نی جلی جاؤ۔ میں جواب دیتا رہوں گا۔ دیکھتے ہیں کہ تمہارے اور  
اے درمیان کس حد تک منافقت کا امکان ہے“ میں نے کہا۔  
”اگر آپ کو ذہنی سمجھ لیا جائے تو میرا پہلا سوال یہی ہوگا کہ  
کو بھول جانے کی صورت میں فرخ کی زندگی اور سلامتی کی کیا  
ت ہوگی۔ وہ اپنے باپ کے جرم سے بے خبر، ایک معصوم بچہ  
، مادہ نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد چٹان کی طرح مضبوط  
میں سوال کیا۔

”دنیا میں تعلیم و تربیت کے لیے صرف امریکا ہی بہترین ملک  
ہے۔ فرخ کو خاموشی سے واپس بلا کر کسی اور ملک میں داخلہ  
دو جہاں امریکنوں کا زیادہ اثر و نفوذ نہ ہو۔“

وہ زہریلے انداز میں ہنس پڑی ”کیا دنیا میں کوئی ایسا خطہ بھی  
جہاں امریکنوں کا زیادہ اثر و نفوذ نہ ہو؟“  
”ہیسیوں ملک ہیں“ میں روانی میں کہہ گیا ”تم فرخ کو کیس بھی  
ج سکتی ہو۔“

”مجھے ایسے صرف چار ملکوں کے نام یاد ہیں تاکہ میں ان میں  
بے انتخاب کر سکوں“ اس کا ب دلچسپ نیم استہزائیہ اور نیم مستفسرانہ  
میں اس کی فراکش پر ہلکا کر دیا۔

”چیچ... چین... کیوبا... روس تو خیر ختم ہی ہو گیا۔ مگنہ  
موتو تم متعدد ملکوں کے نام گن سکتی ہو۔“

”پورے کر ارض پر چین اور کیوبا کے علاوہ صرف لیبیا باقی رہ  
تا ہے جسے آپ بھول رہے ہیں۔ چوتھا ملک آپ چار مہینوں میں  
کی نہیں سوچ سکتے۔ ان تینوں ملکوں میں تعلیم کا معیار بہت پست  
رہاؤں کا معیار بہت ختم ہے۔ میں فرخ کو ایسے کسی اندھے  
لوٹیں میں نہیں ڈال سکتی جہاں نرم و نازک شہنیوں کو بھگا دینے  
اے مینڈک زادے کو روئے زمین کا سب سے قوی حیوان قرار  
دا جاتا ہو۔ روس اب ایک بھولا ہوا خواب بن چکا ہے۔  
افغانستان کی سرحدی پٹیوں میں لگائی جانے والی انیم ہیروئن بن کر  
لاسیوں کی رگوں میں اتر چکی ہے۔ آج کل وہ امریکنوں سے زیادہ  
امریکن بننے کے جنون میں مبتلا ہو چکے ہیں اور امریکا کی قدرت کا ایک  
غلاب بن کر ہر طرف چھٹا چلا جا رہا ہے۔“

”یہ سب سیاسی باتیں ہیں“ میں نے بے اعتنائی سے کہا ”میں  
سیاست میں نہیں پڑتا۔ تم چاہو تو تمہارا فرخ اسی ملک کے کسی اہل  
لڑاؤنگ ہاؤس میں رہ کر اپنی تعلیم جاری رکھ سکتا ہے۔ کراچی“

ہوئے سوال کیا۔

”یہ میری بد نصیبی ہے“ میں نے ملاحت سے کہا ”میری زندہ یا مردہ گرفتاری میں مدد دینے والے کے لیے دولاکھ ڈالر کے انعام کے ساتھ امریکن گرین کارڈ بھی منتظر ہے۔ میرے اس کھلے اعتراف کے بعد بھی تمہارے لیے ہر راستہ کھلا ہوا ہے۔ تم چاہو تو میرے خلاف تجزی کر کے بت کچھ حاصل کر سکتی ہو لیکن یہ یاد رہے کہ اب میرے ہاتھ بھی کھلے ہوئے ہیں۔ میں اپنے کسی حریف کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

”اوہ خدا!“ نادہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی ”آپ کیسی بھیاک باتیں کر رہے ہیں؟“

”چند روز پہلے تک ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے انجمن تھے“ میں نے سرد اور سہات لہجے میں کہا ”لیکن اتفاقات یا پھر مقدر نے ہمیں یک جا کر دیا۔ ہماری ضرورتوں نے ہمیں مالک مکان اور کرائے دار کی صورت میں ایک دوسرے سے متعارف کرایا۔ تمہیں ایک اچھے کرانے دار کی ضرورت تھی، میں ایک اچھے مکان کی تلاش میں تھا۔ بات بن گئی اور ہم ایک کاروباری رشتے میں بندھ گئے۔ اب پتا چلا کہ میری موت تمہارے مسائل کا آسان ترین حل ہے۔ مجھے اپنے گرد پھیلے ہوئے خطرات کا مکمل ادراک ہے۔ میں کسی سیمینے کی طرح خود کو اپنے خون کے پاسوں کے حوالے نہیں کروں گا، اپنے ہر سانس کے لیے لڑوں گا۔ میری کوشش ہوگی کہ میں اپنے پیچھے گئے ہوئے سفاک بھیڑیوں کو ان ہی کے خون میں نہلا دوں۔ سی آئی اے والوں نے اس بھیاک لڑائی میں تمہارا ایک کردار متعین کر دیا ہے۔ میرا اعتراف تمہارے سامنے ہے۔ حالات نے تمہیں ایک دوراں پر پہنچا دیا ہے۔ تم میرے ساتھ تعاون کرتی ہو تو سب کچھ جوں کا توں رہے گا۔ اگر تمہارا جھکاؤ سی آئی اے والوں کی پیشکش کی طرف ہے تو مجھے بتا دو۔ میں اسی وقت یہ گھر چھوڑ دوں گا تاکہ تمہیں کسی کرانے امتحان سے نہ گزرنا پڑے۔ تم انہیں بتا دینا کہ میں نے چند راتوں کے لیے تمہاری پھت کے نیچے پناہ لی تھی۔ ان کے ستاروں نے یاد دہانی کی تو وہ مجھے ڈھونڈ لیں گے ورنہ میں ان دونوں کو بے دردی سے ذبح کر کے شہر کے کسی متعفن گھرنے میں پھینک دوں گا۔“

”آپ کی باتیں خوف آور ہیں۔ قتل اور خون ریزی کے ذکر پر میرے پیٹ میں گرہیں سی پڑنے لگتی ہیں“ وہ خوف زدہ آواز میں بولی ”میرے خدا سی آئی اے والوں نے مجھ سے رابطہ کیا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں کسی خون آشام ڈراسے میں لوٹ ہونے والی ہوں۔ کیا یہ سب ٹل نہیں سکتا؟“

”جو لوگ بھیاک عزائم لے کر سات سمندر پار سے یہاں آئے ہیں، وہ آسانی سے خالی ہاتھ لوٹنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ دوسری طرف میں بھی آسانی سے اپنی گردن ان کے ہاتھ میں نہیں دوں گا۔ یہ موت کا کھیل ہے۔ یہ میری یا ان دونوں کی موت رہی

ختم ہو گا۔ تم اپنی بد نصیبی کی وجہ سے اس ہولناک بحران میں پھنس گئی ہو۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، وہ ہو کر رہے گا۔ اس میں سے کوئی بات نہیں ٹل سکتی۔“

”آپ سے مشورہ کرتے ہوئے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ ہی ڈنٹی ہیں۔“

”تم نہیں سوچ سکتی تھیں لیکن اب میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ وہ دونوں تم پر دباؤ ڈال سکتے ہیں، میں کوئی جبر نہیں کروں گا۔ تم سے بس اتنی مصلحت چاہوں گا کہ یہ گھر چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو سکو۔ یہ کام میں ابھی اور اسی وقت بھی کر سکتا ہوں۔“

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور تقریباً کراچی ہوئے بولی ”میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔ میں آپ سے نہ ٹل رہی تو آسانی سے ان کے پنگل میں پھنس جاتی۔ یہ جاننے کے بعد کہ آپ ہی ڈنٹی ہیں، مجھے ان حرام زادوں کی باتوں پر اعتبار نہیں رہا۔ آپ شاید گناہوں کی زندگی سے تائب ہو چکے ہیں۔ آپ جیسا شریف اور نیک نفس انسان اتنا سفاک نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے بتایا ہے، ”وہ اپنی جگہ چھوڑ کر مضطرب انداز میں میرے پہلو میں آ بیٹھی اور میرا شانہ جھجھوٹے ہوئے کھنے لگی“ وہ ناقابل اعتبار درندے ہیں، میں آپ کی ہدایات پر حرف بہ حرف عمل کروں گی۔ اب مجھے غمی صاحب کی آزادی اور فریخ کے تابناک مستقبل کے ساتھ آپ کی زندگی بھی عزیز ہے۔ آپ میری رہنمائی کریں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔“

میں پوری توجہ سے اس کے ہر زور عمل کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ وہی کچھ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی جو کہ ری تھی۔ میں نے زری سے کہا ”پھر تمہیں اس خونین ڈراسے میں ذرا فعال کردار ادا کرنا ہو گا۔“

”نن۔۔۔ نہیں!“ وہ پھنسی پھنسی اور خوف زدہ آواز میں بولی۔

”میں جو بے کے بچے کو بھی نہیں مار سکتی۔ اس سے پہلے میرا ہارٹ ٹیل ہو جائے گا۔ میں خون خرابے میں حصہ نہیں لے سکتی۔“

”تم میری بات کا غلط مفہوم سمجھ رہی ہو“ میں نے زری سے کہا۔

”سارے خطرناک کام میں خود سر انجام دوں گا۔ تمہیں ابتدا میں میری مدد کرنی ہوگی۔ انہوں نے تم سے رابطہ کیا ہے۔ اب ان کو کھینے کے لیے تم ہی کو کام کرنا ہو گا۔ یہ کوئی عملی کام نہیں ہو گا، تمہیں فون پر ان سے رابطہ کرنا ہو گا۔ آگے کے مراحل میں منتہال لوں گا۔“

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ان لوگوں نے آپ جیسے سبذ اور شائستہ آدمی پر ایسی سنگین الزام تراشیاں کیوں کی ہے“ وہ غصہ کھائی کے سے انداز میں بڑبڑاتی ”دل اس بات کو قبول نہیں کرنا کہ آپ سفاک اور خود غرض بھی ہو سکتے ہیں۔“

”مجبوری کے عالم میں انسان سے بہت سے جرائم سر

بارے میں کسی سے کوئی فریاد نہیں کر سکو گی؟

”وہ تمہاری جذباتی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں ہیں۔“ میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا ”تم نے ان سے تعاون نہیں کیا تو وہ تمہیں دہشت زدہ کریں گے۔ تم پورے خلوص سے تعاون پر آمادہ ہو سکتیں تو وہ اپنا التوسیدہ حاکر کرنے کے بعد شاید تمہیں کچھ مالی فائدہ پہنچا دیں لیکن غنی کی رہائی جھوٹا وعدہ ثابت ہوگی۔“

”آپ کا مطلب ہے کہ مجھے کئی برس تک تنہائی اور بے بسی کے عذاب سے گزرنا ہو گا؟“

”مجھے افسوس ہے، نادرہ!“ میں نے مغموم لہجے میں کہا ”میں تمہیں جھوٹے سببوں کے قریب میں نہیں الجھا سکتا۔ تمہارے مسئلے کا دوسرا قابل عمل حل موجود ہے۔ برطانیہ میں مذہب لوگ بستے ہیں۔ وہ مجرم کو سخت سزا ضرور دیتے ہیں لیکن اس کے متعلقین کو غیر ضروری ایذا نہیں پہنچاتے۔ تمہارا شوہر وہاں طویل سزائے قید بھگت رہا ہے۔ اس بنیاد پر تمہیں وہاں جانے کی اجازت مل سکتی ہے۔ تم دیرالے کر لندن منتقل ہو جاؤ تو تمہیں باقاعدگی سے غنی سے ملنے کے بھرپور مواقع ملتے رہیں گے۔ جیل میں غنی کا رویہ اچھا رہا تو اسے وقت سے پہلے پرول پر رہائی مل سکتی ہے۔ قانونی ذرائع سے بہت کچھ ہو سکتا ہے مگر صرف تمہارے ذریعے... سی آئی اے والے کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔“

”پہلے میں انکار کر کے ان لوگوں کا تو عمل دیکھنا چاہوں گی؟ وہ چند ثانوں تک گہری سوچ میں مستغرق رہنے کے بعد بولی ”ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے بلیک میل نہ کریں اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔“

”کاش! ایسا ہو سکے“ میں نے کہا ”اس طرح تم کافی الجھنوں سے بچ جاؤ گی۔ میں تم سے الگ نہ کرانیں دیکھ لوں گا اور تم اپنے طور پر انگلیز جانے کا آغاز کر سکو گی۔“

”آپ اجازت دیں تو میں یہیں سے ان کو فون کر لوں۔ ابھی دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔“

”بہت خوشی ہے!“ میں نے ڈرائنگ روم میں موجود انسٹرمنٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”ہاں تو میں تمہیں تحلیہ بھی فراہم کر سکتا ہوں۔ یہ یاد رکھنا کہ ان لوگوں سے کھلی خاصیت نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔“

”میں آپ کے سامنے ہی بات کر دوں گی“ وہ اپنی جگہ چھوڑ کر فون کے قریب آئی۔ اس کے چہرے پر خوف اور تشویش کے سائے رقص کر رہے تھے۔

ان دونوں کا دیا ہوا فون نبر نادرہ کو زبانی یاد تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ گیری ہارٹ اس وقت اسلام آباد میں مصروف تھا۔ اگر اس نبر سے جواب ملتا تو دوسری طرف الیکٹریسیٹن طرہی کو ہونا چاہیے تھا۔

”میں نے غیر محسوس طریقے پر اس کی برین واشنگ کا بل جاری رکھتے ہوئے کہا ”ناسی میں مجھ پر بھی بہت سے دباؤ تھے۔ فنی کی طرح میں بھی ہیروئن بلکہ موت کی سوداگری میں ملوث نہ چکا ہوں۔ میرے ستارے اچھے تھے کہ میں ہائیڈروئن کی نادرہ ذخیروں کو ڈزکران کے جنگل سے آزاد ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ تمہارے لیے شاید یہ انکشاف حیران کن ہو کہ مجھے اس مذموم دھندے میں الجھانے والے بھی امریکن ہی تھے۔ یہ حیثیت فطرت لوگ آدمی کو ہر طرف سے گھیرتے ہیں۔ پہلے منشیات فروشی کی راہ پر لگاتے ہیں پھر اسی حوالے سے بلیک میل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کا منشور صرف اتنا ہے کہ ہیروئن دنیا بھر میں کیس بھی معروف اور مقبول ہو لیکن امریکا میں اس کا فروغ نہیں ہونا چاہیے۔ ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ ہیروئن جہاں تیار کی جاتی ہے، وہیں اس کی کھپ پیدا کی جائے۔ مقامی منڈیوں کے فروغ کے بارے میں وہ صرف اس لیے حساس ہیں کہ اس طرح ہیروئن کی اسٹنگ کی راہیں مسدود ہو کر نہ جاتی ہیں۔ وہ عالمی معاشیات کے مسئلہ اصولوں کے برعکس، امریکا میں ہیروئن کی طلب کو ختم کرنے کے بجائے اس کی ترسیل میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ ان غیر ملکی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ امریکا میں اس نشے کے داموں کے ساتھ طلب بھی بڑھ رہی ہے اور تمہارے شوہر جیسے لوگ اس طلب کا شکار ہو رہے ہیں۔“

”آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی ”انہوں نے جس طرح آپ کی کردار کشی کی، اس سے آپ کی ذات کا بہت خراب تاثر پیدا ہوا تھا لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ سب جھوٹ تھا۔ آپ ایک مہربان اور نرم دل انسان ہیں۔ میں اپنے شوہر کی سزائیابی کے بعد اس بھری دنیا میں بالکل اکیلا رہ گئی ہوں۔ آپ جیسا چاہیں گے، میں ویسا ہی کروں گی۔... مجھے بس میرے خوابوں کی تعبیر مل جانی چاہیے“ اس کی آنکھوں میں نمی سی چھلنے لگی تھی۔ وہ پرس سے نشوونما نکال کر اپنی آنکھیں خشک کرنے لگی۔

”فرخ کا بال بھی بیکا نہیں ہو گا“ میں نے غ خیال لہجے میں کہا۔ ”ان دونوں سانپوں کے بچن بچل دیے جائیں گے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکے گا کہ اس کھیل میں تم نے بھی کوئی کردار ادا کیا ہے۔۔۔ لیکن میں ایک بات سے اب بھی مطمئن نہیں ہوں۔ فرخ امریکا میں زیر تعلیم ہے۔ تم پر دباؤ ڈالنے کے لیے وہ اسے ستا سکتے ہیں لیکن یہ بات ابھی تک ناقابل فہم ہے کہ تم سے سمجھوتا ہونے کے بعد وہ غنی کو کیسے آزاد کرا سکیں گے۔ برطانوی حکومت منشیات کے معاملے میں بہت سخت ہے۔ وہ لوگ امریکن کی سفارش قبول کر کے اپنے عدالتی نظام پر ہرگز ضرب نہیں لگائیں گے۔“

”شاید آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ وہ لوگ مجھ سے مطلوبہ کام لینے کے بعد غائب ہو جائیں گے اور میں ان کے زبانی وعدوں کے

طرے بات کر کے وہ نفسیاتی دہشت میں مبتلا ہو چکی تھی۔  
 ”وہ بھیڑی کھال میں چپا ہوا بھینسا نکلا“ سانسوں پر کسی نہ  
 تک قابو پانے کے بعد نادرہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی ”اس کے  
 بارے میں آپ کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ اس نے بہت شائستہ  
 لب و لہجے میں بات شروع کی تھی لیکن میرا انکار سننے ہی وہ اپنے  
 سے باہر ہو گیا۔ اس نے مجھے ایسی ایسی گالیاں دیں شروع کر دیں کہ  
 میں تصور نہیں کر سکتی۔ اس نے کوئی گلی لمبی رکھے بغیر کلمے الفاظ  
 میں دھمکی دی کہ میں نے ان لوگوں کی ہدایت پر عمل نہیں کیا تو  
 میری لاش کا قیمرہ سمندری مچھلیوں کو کھلا دیا جائے گا“ وہ ایک  
 جھرجھری لے کر خاموش ہو گئی۔

”مجھے شبہ ہے کہ تم سے اپنا کام نکالنے کے بعد بھی وہی  
 کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں“ میں نادرہ کو ان دونوں کی طرف سے  
 پوری طرح بد دل کرنے کا ارادہ کر چکا تھا ”لیکن میں تمہیں ان کے  
 ناپاک عزائم سے محفوظ رکھوں گا۔ وہ اس کے گھر آنے والی بات کیا  
 تھی؟ تم نے بہت اچھا کیا کہ اسے آنے سے پہلے فون کرنے کے لیے  
 کہہ دیا۔“

”وہ کل کسی وقت میرے گھر آئیں گے اور بتائیں گے کہ آپ  
 کو تلاش کرنے کے لیے مجھے کیا کرنا ہو گا“ وہ سہمی ہوئی آواز میں  
 بولی ”اس وقت صحت طرے جس انداز میں مجھ سے گفتگو کی ہے  
 اس کی وجہ سے مجھے ان دونوں کا سامنا کرنے کے تصور سے بھی  
 خوف آ رہا ہے۔ وہ پاگل اور جنونی معلوم ہوتے ہیں۔ پتا نہیں میری  
 کس بات پر مختل ہو کر مجھے قتل کر ڈالیں۔“

”کچھ نہیں ہو گا“ میں نے پُر اعتماد لہجے میں اسے قلمی دی۔  
 ”میری خواہش تھی کہ تم ان دونوں کی طرف سے زیادہ دیر تک  
 خوش فہمیوں میں مبتلا رہے بغیر ان کا اصل چہرہ دیکھ لو۔ یہ کام ہو گیا  
 ہے۔ اب تم گھر جا کر آرام کرو۔ کل شام میں تمہارے گھر پہنچ  
 جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہارا پال بھی بکا نہیں کر سکیں گے“  
 میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ اس وقت گیری ہارٹ  
 اسلام آباد میں تھا اور امکان یہی تھا کہ وہ اس سے ملنے کے لیے  
 جیت طرے کے ساتھ نہ آسکے۔

وہ بہت زیادہ ہراساں تھی۔ وہ خاصی دیر تک میرے پاس رہی  
 رہی۔ اس دوران میں غزالہ در مرتبہ ڈرائنگ روم میں آئی اور  
 ہماری گفتگو میں کوئی سرگرم حصہ لے بغیر واپس چلی گئی۔

میں نادرہ کو گھر جا کر آرام کرنے کے لیے کہہ چکا تھا لیکن وہ  
 وہاں سے اٹھتے ہوئے جبکہ رہی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا  
 جیسے وہ تمنا اپنے گھر لوٹنے میں جبکہ رہی ہو لیکن اس میں اتنی بہت  
 بھی نہیں تھی کہ وہ مجھ سے اپنے ساتھ چلنے کی فرائض کر سکے۔

باتوں ہی باتوں میں مجھے پتا چلا کہ نادرہ اپنے گھر میں ایک ایجنٹ  
 عملہ ملازم کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ شخص بیک وقت ڈرائیور، چوکیدار  
 اور خانہ سال کے فرائض انجام دیا کرتا تھا۔ گھر کے دیگر کام سر

سلسلہ مل جانے پر نادرہ پوری کوشش کے باوجود اپنی آواز کی  
 لرزش پر قابو نہ رکھ سکی اور کاپتھی ہوئی آواز میں انگریزی میں بولی۔  
 ”میں سزاوارہ غنی بول رہی ہوں اور مشرکیری ہارٹ سے بات کرنی  
 چاہتی ہوں۔“

اس نے خاموش ہو کر دوسری طرف کا جواب بنا پھر اضطراب  
 کے عالم میں بولنے لگی ”مشرعیت! میں تمہاری پیکش پر مسلسل  
 سوچتی رہی ہوں اور اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ مجھ جیسی بے حیثیت  
 اور اکیلی عورت ایسے کسی خطرناک معاملے میں شرکت نہیں  
 کر سکتی۔۔۔ مجھے امید ہے کہ تم دونوں میری مجبوریوں کو محسوس  
 کرتے ہوئے میری معذرت قبول کر لو گے۔ یہ میرا۔۔۔“

اس کا فقرہ نامکمل رہ گیا اور آنکھیں خوف سے پھیلنے لگیں۔  
 دوسری طرف سے جو کچھ کہا جا رہا تھا ”وہ اتنا سخت تھا کہ نادرہ کا چہرہ  
 دھواں ہونے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر موجود میک اپ کی ہلکی سی تہ  
 بھی تیزی سے بدلتے ہوئے ان تاثرات کو چھپانے میں کامیاب  
 نہیں ہو سکی تھی۔

نادرہ کا وہ ردِ عمل تکلیف دہ تھا مگر اس کا مشاہدہ کرتے ہی  
 میرے وجود میں سکون کی ایک لمبی سیرات کھنکھائی اور میں غیر  
 ارادی طور پر اپنے لیے غیبت سگناٹے میں مصروف ہو گیا۔  
 نادرہ کے انکار پر دوسری طرف سے شروع کی جانے والی تقریر  
 خاصی طویل اور غالباً غلین تھی۔ نادرہ نے کئی بار ہلکاتے ہوئے  
 اپنی بات شروع کرنی چاہی لیکن اسے بولنے کا موقع نہیں دیا گیا۔

”مم۔۔۔ میں نے یہ سب سنا لیا“ خاصے طویل وقفے کے بعد وہ  
 ہانپتے ہوئے بولی ”مجھے۔۔۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ میرے سامنے  
 ان۔۔۔ انتخاب کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔۔۔ تم نے میری آنکھیں  
 کھول دی ہیں۔ مجھے تمہاری مرضی پر چلنا ہو گا۔ میں کل گھر پرہ کر  
 تمہاری ہدایات کا انتظار کروں گی۔“

اس نے پھر دوسری طرف کی بات سنی اور بے بسی سے کہا۔  
 ”ٹھیک ہے۔۔۔ میں کل ملازموں کو چھٹی دے دوں گی اور گھر پر  
 بالکل تیار رہوں گی۔۔۔ لال۔۔۔ لیکن میں اتنی اہم ضرورتوں کو گی کہ  
 اگر تمہارا میرے گھر آنے کا ارادہ ہو تو مجھے پہلے سے فون کر دینا۔  
 ایسا نہ ہو کہ میں تمہارے دھوکے میں کسی چور یا ڈاکو کے لیے اپنے  
 گھر کا دروازہ کھول دوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ آج کل شر کے  
 حالات بہت خراب اور غیر محفوظ ہیں۔“

چند ثانیوں بعد وہ فون بند کر کے صوفے کی پشت گاہ پر سر ٹکا کر  
 یوں گم رہے کہ سانس لے رہی تھی جیسے اسی وقت میں دوسرے  
 دوڑتی ہوئی وہاں پہنچی ہو۔

مجھے ایک طرف گفتگو سننے کے بعد مجموعی صورتِ حال کا اندازہ  
 ہو چکا تھا۔ میں نے نادرہ کو چھپنے کی کوئی کوشش نہیں کی، اس ترتم  
 آمیز نظروں سے اس کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے سینے کے زبردست اور  
 چہرے سے پھوٹ نکلتے والے پسینے سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ حیثیت

ہے۔ اب احساس ہو رہا ہے کہ تمہاری حکمت عملی کو حلیم نہ کر کے ہم نے ایک غلطی کی تھی اور اب۔۔۔  
ویرانے سلطان شاہ کی بات کاٹ دی اور مجھے گھورتے ہوئے کہا "بلادہ وقت برباد کیا جا رہا ہے۔ نادہ کو اپنا ہم خیال بنانے میں تمہارا کوئی کمال نہیں ہے۔ آدمی کے سامنے موت چلی آ رہی ہو اور اسے ایک طرف خشک کھائی اور دوسری طرف سمندر نظر آئے تو وہ اندھی کھائی میں کود کر اپنی ہڈیاں پٹلیاں تڑوانے کے بجائے سمندر میں کودنے کو ترجیح دے گا۔ یہ بتاؤ کہ کل کے بارے میں تمہارا کیا پروگرام ہے۔"  
"یہ تو وقت اور موقع محل کی مناسبت سے طے کیا جائے گا۔ اس وقت میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

جاسوسی ٹائپسٹ کا مقبول سلسلہ

# صدیق علی

مصنف: ایم۔ اے راحت

اس انسان کی کہانی جو سیریاں خورہ ہے اور شاید آج بھی کہیں موجود ہو

525 صفحات  
330 روپے

کتابیات پبلیکیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200  
فون: 5802551-5895313-5802551  
kitabiat1970@yahoo.com  
رابطہ کیلئے: C-63/11 سمنیشن ڈی ایچ اے میں روڈ ورگی روڈ کراچی

جام دینے کے لیے دن میں صفائی والی خادمہ کے علاوہ جزوقتی مالی اہم تھا جو اپنا کام پورا کر کے واپس چلا جاتا تھا۔ اس کا ادھیر عمر اٹھارہ سال تھا۔ وہ تیرہ سال کی تھی اور ایک شریف آدمی کا غلام تھا۔ وہ اس کی صورت میں کوئی قابل ذکر راجات نہیں کر سکتا تھا۔  
"مگر وہ پستول وغیرہ سے ہوائی فائر کر سکے تو میں تمہاری قتل کر کے کوئی پستول دے سکتا ہوں۔"

وہ افسردگی سے سرلا کے بولی "میرے پاس باقاعدہ لائسنس ہوتا ہے اور وہ ہے لیکن ایک ریوالتور کسی بڑے حادثے کو ٹالنے کی فٹ نہیں رکھتا۔ بشیر خاناساں سے لے کر ڈرائیور تک کے لائسنس انجام دے سکتا ہے لیکن مجھے معلوم ہے کہ فائر کرنا اس کے لیے ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو عمر بھر لائی بھگڑے کے کوسوں دور رہتے ہیں۔ اس میں وہ مردانگی نہیں جو کسی عورت کو افسار دے سکے۔"

نادہ نے بشیر کا ذکر بڑے عجیب انداز میں کیا تھا۔ کم از کم مجھے نادہ کے منتخب الفاظ عجیب ہی محسوس ہوئے تھے لیکن وہ میرا موضوع نہیں تھا۔ میں نے سمجھا تھا کہ نادہ کو روانہ کر دیں۔  
میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ کسی بھی خطرے کی صورت میں وقت کی پروا کیے بغیر مجھے فون کر سکتی تھی۔ اگلے روز میرے بچنے سے پہلے جفٹ طر کا فون آنے کی صورت میں بھی میں نے اسے فوری رابطہ کی ہدایت کی تھی۔

نادہ کے رخصت ہوتے ہی وہ تینوں کمرے سے باہر نکل آئے۔ فلیٹ میں اس دن بھی ایف ایم ٹیکو فون اور ایف ایم بینڈ والا ریڈیو موجود تھا لیکن یہ ان کی شرافت تھی کہ انہوں نے میری اور نادہ کی گفتگو سننے کے لیے وہ آلات استعمال نہیں کیے تھے۔  
انہیں نادہ کی آمد کا مقصد معلوم تھا۔ وہ میرے عزائم سے بھی باخبر تھے البتہ میرے کئی نظریات سے متفق نہیں تھے۔ انہیں خاص طور پر شبہ تھا کہ نادہ میری اصلیت سے واقف ہونے کے بعد مجھ سے منحرف ہو جائے گی۔

نادہ سے میری فیصلہ کن بات ہونے تک یہ نکتہ ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ مجھ سے حقیقی تعارف کے ساتھ ہی جب اسے اپنے نام نہاد ہمدردوں کا اصل چہرہ نظر آئے گا تو وہ مجھے آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکے گی۔

"مخاطب کو تم اپنی باتوں کے جال میں بری طرح الجھا لیتے ہو۔ سلطان شاہ نے شکست خورہ لیجے میں کہا "تمہارا یہ سلوک ہر ایک کے ساتھ یکساں ہوتا ہے۔ اس میں دوست اور دشمن کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔"

"میری باتیں اتنی ہی پُر فرب ہوئیں تو نادہ کے آنے سے پہلے میں میرا ہم خیال ہو جانا چاہیے تھا۔"  
"غلطی انسانوں سے ہی ہوتی ہے، ہم میں سے کوئی فرشتہ نہیں

”وقت آنے سے پہلے بھی ذہن میں کوئی خاکہ موجود ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تم جیت لڑو تارہ کے یہاں ڈر نہیں کھلاؤ گے۔ جزیات میں تبدیلیاں ہو سکتی ہیں، اصل منصوبہ نہیں بدل سکتا۔ تم یہ ضرور کہہ سکتے ہو کہ منصوبے میں کامیابی یا ناکامی کا دارودار مقدر رہے گا۔“

”فی الحال میں جیت کو زندہ پکڑنا چاہوں گا۔ اسے تارہ کے مکان میں قید کیا جاسکتا ہے۔“

”اسے زندہ پکڑنے میں کیا مصلحت کارفرما ہے؟“ ویرانے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

”وہ ہمارا آخری یا سب سے بڑا حرف نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں اس کے اسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ کی زیادہ اہمیت ہے اور ان دونوں سے کہیں زیادہ اہم راس الیڈا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جیت کو زندہ رکھ کر ہم دونوں بڑی ٹیمپلیوں پر ہاتھ ڈال سکیں۔“

”کس طرح؟“ ویرانے مضطربانہ لہجے میں میری بات کاٹ دی۔

”میں وہی جانا چاہ رہی ہوں۔“

”جیت کی موت دوسروں کو چونکنا کدے گی۔ وہ زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔ وہ زندہ رہا تو اس کی بازیابی کی کوششوں میں اس کے ساتھی غلطیاں کر سکتے ہیں۔ ہم ان غلطیوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔“

”اگر اسے مار کر خاموشی سے کہیں دفن کر دیا جائے تب بھی اس کے اغوا کا تاثر پیدا کیا جاسکتا ہے۔“

”تم محمول رہی ہو کہ ہمارا واسطہ چالاک اور پیشہ ور دشمنوں سے ہے۔“

”چالاک اور پیشہ ور دشمن کو پہلی فرصت میں بیونہ خاک کرنا پڑتا ہے۔“

”جیت اچانک غائب ہوا تو گیری وغیرہ بھڑک جائیں گے۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ اسے مار دیا گیا ہے۔ جیت کسی نہ کسی کو بھڑکائے گا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ ایسی صورت میں گیری ہارٹ، تارہ کے پیچھے پڑ جائے گا۔ ہم جیت کے ذریعے فون پر گیری وغیرہ کو یہ تاثر دے سکتے ہیں کہ اس معاملے میں تارہ کے ہاتھ صاف ہیں۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، وہ ہماری کارکردگی کا نتیجہ ہے۔ انہیں دو تین مرتبہ جیت کی آواز سنوا کر ہم بہت زیادہ مضطرب کر سکتے ہیں۔“

اس وضاحت پر سب ہی خاموش ہو گئے لیکن ہر ایک کے



کراچی میں شہری نظم و نسق کی گرفت اس قدر ڈھیلی تھی کہ میں نے اپنی شناخت ظاہر کیے بغیر ایک مناسب فلیٹ کرائے پر حاصل کر لیا تھا۔ تارہ پیشگی رقم کی جھلک دیکھ کر اور اسٹیٹ ایجنٹ اپنے کمیشن کے چکر میں ایسا مرعوب ہوا کہ شناختی کارڈ کے بغیر ہی

کرائے داری کا معاہدہ طے پا گیا۔ اس تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اگلی صبح سلطان شاہ کو معقول رقم دے کر روانہ کر دیا۔ اور وہ صرف تین گھنٹے بعد چار سال پرانی ایک ٹیوٹا کار خرید کر آ گیا۔ جتا گئیر کی سیاہ اکاؤنڈاں کھینچنے کے بعد ہمیں اپنی فکری ضروریات کے لیے ایک ایسی گاڑی کی ضرورت تھی جسے فخر کے وقت بے خوف و خطر ہو کر کہیں بھی چھوڑا جاسکے۔ سلطان شاہ نے وہ کار فرضی نام اور اسی نام پر بنوائے ہوئے شناختی کارڈ حاصل کی تھی۔ کاغذات پرانے مالک کے نام پر تھے جن پر ٹیکس تبدیل کرنا یا نہ کرنا ہمارے اختیار میں تھا۔ وہ کار کسی داردار میں لوٹ ہوئی تو پولیس یقیناً اس کے قانونی مالک تک پہنچتی تھیں۔ قدرے الجھنوں کے بعد تحویل کی اس رسید کی مدد سے جو گاڑی قبضہ لینے کے دن، وقت اور مقام وغیرہ کے بارے میں تحریر کی جا رہی تھی، بری القومہ ہو سکتا تھا۔ اس کی وہ گلو خلاصی عارضی ثابت ہوئی۔ نئے خریدار کا نام اور پتہ فرضی ثابت ہوتے ہی وہ دوبارہ مکتب میں آجاتا۔ ایسے واقعات کا اوسط شاید ہزاروں میں ایک آدھ ہی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سادے کاغذات پر دستخط کے ساتھ پرانی گاڑیوں کا لین دین پورے زور شور سے جاری تھا۔ دوسرا فروخت ہونے کے بعد بھی گاڑی قانونی طور پر دن اور نیا پہلے مالک کی ملکیت کھاتی تھی۔ وہ پڑار کے چلن کی ایک سنگین خرابی تھی لیکن اس کی وجہ سے ہمارا ایک مسئلہ حل ہو گیا تھا۔

میں نے اپنا پروگرام کچھ اس طرح ترتیب دیا تھا کہ مجھے کچھ ہتھیاریوں، دستی بموں، بارودی سرنگوں اور نیم گن کے ساتھ سریشام تارہ کے مکان پر پہنچ جانا تھا۔ سلطان شاہ گاڑی میں دو سے اس مکان کی نگرانی کرتا رہتا۔ ویرا اور غزالہ کو فلیٹ پر فون کا خیال کرنا تھا۔

ہر ایک کے فرائض کا تعین کرنے کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں کو جانے والے ہتھیاریوں کا انتخاب کیا اور انہیں ایک ڈبے حفاظت سے پیک کرنے کے بعد فلیٹ سے نکل کھڑا ہوا۔

سلطان شاہ کو میں نے تارہ کے مکان کا پتہ اور محل وقوع سمجھا دیا تھا اس لیے اس کا میرے ساتھ جانا ضروری نہیں تھا۔ سوسائٹی کے ساتویں اور آٹھویں بلاک میں واقع اس مختصر خانہ حال بستی میں تارہ کا گھر تلاش کرنا قطعاً دشوار نہیں تھا۔ منہ آباد کی ایک گلی میں مڑتے ہی مجھے تارہ کے مکان کا نمبر نظر آیا۔ میں نے قدرے آگے جا کر ٹیکسی والے کو فارغ کیا اور اپنے گھر ڈبے کو تھیلے میں لیے واپس ہولیا۔

میرے وہاں پہنچنے سے پہلے تارہ دو مرتبہ فون پر مجھ سے بات کر چکی تھی۔ اس کی آواز سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ جیہ طرہ کی آمد کی بنا پر بہت زیادہ خوف زدہ تھی اور جوں جوں اس بدنام امریکن کی آمد کا وقت قریب آتا جا رہا تھا، تارہ کے اعصابی تناؤ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ میری اس سے ملاقات ہوئی تو اس کی آنکھیں متوہم تھیں۔

ٹھکانا اس کی بنیادی ضروریات میں شامل ہو سکتا تھا۔  
اسی گھر میں حیثیت ملے کے لیے اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں  
ہو سکتی تھی۔

میں نے اپنے ساتھ لایا ہوا بارودی سازد سامان ڈرائنگ روم  
میں ایک سوئے کے عقب میں رکھا تھا لیکن گیری ہارٹ کے ماتحت  
انٹیکز حیثیت ملے کے لیے متبادل جگہ ملنے ہی میں نے وہ ڈائجسٹ  
بیڈ روم میں پہنچایا۔ اس کمرے کا محل وقوع ایسا تھا کہ میں وہاں  
پوشیدہ رہ کر تارہ کے گھر کی ٹیلی منزل کے بیشتر حصے پر نگاہ رکھ سکتا  
تھا۔

میں اپنے ساتھ دستی بم اور چند بارودی سرنگیں لے آیا تھا  
لیکن میرا انہیں استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ کسی سرطے پر  
جان پر بن جاتی تو وہ دھماکا خیز مشدے حیرت ناک کام دکھا سکتے تھے  
میں انہیں ڈبے سے نکال کر جائزہ لے رہا تھا کہ تارہ چائے کی بجی  
ہوئی ٹرائی لے دیں آپہنچیں۔ وہ بادی انفکریس ان اشیاء کی نوعیت کو  
نہیں سمجھ سکتی۔ دور سے دیکھنے میں وہ سب رنگین گیندوں بیٹوں  
اور کھلونے سے مشابہ تھیں۔

”ارے! آپ تو یہاں آتے ہی کھلونے لے بیٹھے“ وہ آتے ہی  
بے ساختہ بولی۔

”یہ خاصے خوں خوار کھلونے ہیں۔ ذرا سی بے احتیاطی سے  
میرے ہاتھ میں بھی پھٹ سکتے ہیں۔ عرصہ عام میں انہیں چھوئے  
دستی بم دغیرہ کہتے ہیں“ میں نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے  
اسے بتایا اور بے یقینی سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔  
”تو کیا حیثیت ملے کہ بے دست دبا کرنے کے لیے ان کی ضرورت  
بھی پڑ سکتی ہے؟“

”ذرا سے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے یہ سب ضروری  
ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے تمہارے ساتھ بد تمیزی کرنی پڑے۔ ایک  
آدھ فار بھی ہو سکتا ہے۔ اسے یقین ہونا چاہیے کہ میں دہشت بن  
کر اس پر نازل ہوا ہوں۔“  
”یہ سب کے بغیر آپ بشر کی مدد سے اچانک حملہ کر کے اسے  
بے دست دبا کر سکتے ہیں۔“

”اس طرح تم بھی اس کی نظروں میں آ جاؤ گی۔ میں اس کے  
ذہن میں یہ بات ڈالنی چاہتا ہوں کہ تم اس کے ساتھ مخلص ہو مگر  
میں نے اپنے طور پر تم دونوں کو گھیرا ہے۔ جب تک میرا نام  
درمیان میں نہ آئے، تم مجھ سے اجنبی بنی رہو گی۔ یہ بات بشیر کو بھی  
اچھی طرح ذہن نشین کرا دینا۔“

”بشیر کے بارے میں آپ فکر نہ کریں۔ وہ قابلِ اعتماد آدمی  
ہے۔“

”ملازمت کے علاوہ بھی تمہارا اور اس کا کوئی تعلق ہے؟“  
میں نے جیسے سے پوچھا۔

”نہیں... نہیں... بالکل نہیں“ وہ مجھ سے نگاہیں چار کے بغیر بولی۔  
”آپ کو یہ خیال کیسے آیا؟“

”خوف کے باعث رات کو سکون سے سو بھی نہیں سکتی تھی۔  
کے ساتھ مجھے موجودہ تارہ کے چرے پر اطمینان پھیل گیا۔  
بشیر ایک جاذبِ نظر اور متین شخص تھا۔ ادھیز عمری کے باعث  
کی پٹنیوں کے بال بالکل سفید ہو چکے تھے لیکن حر کے پانی جسے  
جود گھنے بالوں میں سفیدی کے ساتھ سیاہی بھی نمایاں تھی۔ وہ  
بطدان اور دراز قامت کا مالک تھا۔ اس کی آنکھوں سے گہری  
ارلی کا اکتلا رہتا تھا۔

اس پلاٹ کا رقبہ کافی وسیع تھا لیکن غنی نے شاید اپنی محدود  
ریات کی بنا پر ایک گوشے میں دو منزلہ عمارت بنوائی ہوئی تھی۔  
مختصر عمارت میں ٹیلی منزل پر ڈرائنگ اور ڈائجسٹ روم کے  
معمان داری کے لیے ایک الگ تھلک خواب گاہ موجود  
تھی۔ پکن بھی اسی منزل پر تھا۔ پکن سے ملے ہوئے اندرونی زینے  
کی منزل کی طرف جارہے تھے۔ تارہ نے بتایا کہ اوپر تین  
پ گاہیں تھیں جن میں سے ایک بشیر کے تصرف میں تھی۔ وہ  
اپنی شادی سے پہلے غنی کا ملازم تھا اور اس کے ساتھ رہتا تھا۔

تارہ اپنے اس پرانے ملازم سے بہت محکم سے بات کرتی تھی  
”مرجھا کر اپنی باتوں کے حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ اس کے باوجود  
ان دونوں کے تعلق میں ایک غیر محسوس گہرائی معلوم  
ہی تھی۔ میں کئی مرتبہ دھیان دینے کے باوجود اپنے اس  
ماں کو کوئی سنے نہیں پتا تھا۔

مکان کا ایک سرسری جائزہ لینے کے بعد میں حیثیت ملے کو  
افزون والے کمرے میں قید کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا کہ تارہ نے  
پکن کے عقب میں لے جاتے ہوئے اس مکان میں ایک تہ  
نے کی موجودگی کا انکشاف کیا۔

تہ خانے کا راست مکان کے زینوں سے بالکل الگ، پکن کے  
پ میں تھا۔ اس بند دروازے کو دیکھ کر کسی اسٹور روم کا گمان  
ناتھا۔ تارہ نے وہ مضبوط دروازہ کھلا تو نیچے جانے والے نیم  
ٹن زینے ظاہر ہو گئے۔ اس نے باہر لگا ہوا سوچ دبا کر زینوں کا  
بدوشن کر دیا۔

”وہ تہ خانہ بہت کشادہ اور صاف ستھرا تھا۔ ہر طرف سیاہ  
اڑی ہوئے کے باوجود تہ خانے میں تازگی کا احساس تھا۔ وہاں  
بہ خواب گاہ کی جملہ ضروریات موجود تھیں۔ ایک گوشے میں  
لے سے بنا ہوا ہاتھ روم بھی نظر آ رہا تھا۔ علاوہ نے بتایا کہ تہ  
میں اس طرح سے دہری دیواریں بنائی گئی تھیں کہ وہاں تارہ  
اکاگڑ ہونے کے باوجود اندر کی آوازوں کا باہر سنا جانا ممکن  
ناتھا۔ ہاتھ روم وغیرہ کے استعمال شدہ پانی کے نکاس کے لیے  
بلک ٹینک ایک خود کار پمپ سے منسلک تھا اور فیکس میں آبی سطح  
تھی خود بہ خود چل پڑتا تھا۔

غنی جیسے منشیات فروش کی مشتبہ سرگرمیوں کے لیے ایسے کسی  
”مائل“ اور خفیہ تہ خانے کا وجود باعث حیرت نہیں تھا۔ مشکوک  
مائل کے تیار، ذاتی روپوشی اور خفیہ اجلاسوں کے لیے ایسا ایک

کام کرنا ہے۔ وہ اکیلا ہو تو داپنے ہاتھ سے اپنے سر پر کھولیں۔ خیال رہے کہ اس وقت یہ کمرہ ہماری نگاہوں کی رسائی میں نہیں۔ اکیلا نہ ہو تو ہمیں سر تک ہاتھ لے جانے کی ضرورت نہیں۔ ”مجھے یوں مظلوم ہو رہا ہے جیسے میں کسی جاسوسی ڈرامے میں کوئی کردار ادا کرنے والی ہوں“ وہ خوف زدہ سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ اور واپسی کے لیے مڑ گئی ”میں ذرا بٹیر کو بھی ہر بات سمجھا دوں۔“ اس بار میں نے گیسٹ بیڈ روم کی تارک کھڑکی کے پیچھے کرسی بجالی اور پردے کا ایک گوشہ قدرے سر کا کر کے اپنے مشاہدے کے لیے جگہ بنال۔ اس مقام سے پوری لابی اور ڈائننگ روم سمیت ڈرائنگ روم کا خاصا بڑا حصہ صاف نظر آ رہا تھا۔

جیت طرے کے آنے کے بعد سے اس ڈرامے کے اختتام تک میرا ہر لمحہ مصروفیت میں گزرتا اس لیے میں نے اس صحنہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سگریٹ سٹائی اور اپنے پورے منصوبے کا تنقیدی جائزہ لینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد باہر کسی گاڑی کے ہارن کی مختصر سی آواز گونجی پھر وقفہ وقفہ سے وہی آواز تین مرتبہ سنائی دی۔ میں نے غیر ارادی طور پر سگریٹ اپنے جوتے کے تلے سے مسل کر کھینچ لی۔

تادہ کے مکان کا چوٹی کیٹ کھلنے کی تیز آواز بجے اس کے ساتھ سنائی دی۔ شاید چوٹی پھاٹک کے سال خوردہ قبضوں کو دائرہ قتل نہیں دیا گیا تھا تاکہ اندر رہنے والوں کو پھاٹک کی ہرجبش کا علم ہو سکے۔ میں گاڑی کے اندر آنے کی آواز نہیں سنا کیونکہ فلف اچانک ہی کسی ست رفتار ٹرین کے پیسوں کی آہنی رگڑ اور کل پرزوں کے شور سے لرزنے لگی تھی۔

قریبی ریلوے لائن سے آنے والی وہ آوازیں گزرتے ہوئے لمبے کے ساتھ میرے اعصاب کے لیے ناقابل برداشت ثابت ہو رہی تھیں۔ وہ غالباً کوئی لمبی مال گاڑی تھی جو نچوان آبادی کے وسط سے گزر رہی تھی۔ اس کا دور ہوتا ہوا انجن مختصر وقفوں سے طویل سیٹیاں بجا رہا تھا۔

آخر مجھے ڈرائنگ روم میں تادہ نظر آئی۔ وہ برآمدے کی سمت سے وہاں نمودار ہوئی تھی اور اکیلی تھی۔ وہ کچھ پریشان د تھی۔ ڈرائنگ روم میں اندر آنے کے بعد اس نے لمحہ بھر کے لیے گیسٹ بیڈ روم کی طرف دیکھا اور اس کا داہنا ہاتھ سر کی طرف چلا گیا۔ انگلیوں سے اپنے بال کھینچتے ہوئے وہ واپس چل دی۔

میرے لیے وہ خبر اطمینان کا باعث تھی کہ جیت طرے اکیلا ہی تھا۔ وہ تادہ کے گھر میں انجینی ضرور تھا مگر پیشہ ور ہونے کی وجہ سے اس کی جہلی خصوصیات اپنا کام دکھانے لگی تھیں۔ اس نے شاید ایسے کسی کمرے کا رخ کرنے سے انکار کر دیا تھا جہاں تادہ اسے لانا چاہ رہی تھی۔ غالباً اسی مجبوری کی وجہ سے تادہ کسی ہائے سے اکیلا ڈرائنگ روم میں آئی تھی تاکہ مجھے مطلوبہ اطلاع دے سکے۔ مجھے حیرت تھی کہ اگر جیت طرے خود ڈرائنگ روم میں آئے سے انکار کر دیا تھا تو اس نے تادہ کو وہاں آنے کی اجازت کیل

”جس ایسے ہی“ میں نے بات سمجھاتے ہوئے کہا ”بعض خدا ترس لوگ اپنے مظلوم الحال رشتے داروں کو بھی اچھی ملازمت پر رکھ لیتے ہیں تاکہ ان کی عزت نفس کو مجروح کیے بغیر ان کی مدد کر سکیں۔“

”نہیں“ میری وضاحت سن کر تادہ کے چہرے پر اطمینان کی سرخی پھیل گئی ”وہ میرا غنی کا رشتے دار نہیں، بس پرانا ملازم ہے۔ یہ بات میں آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں۔“

”مجھے ہلکا سا شبہ ہوا تھا۔ اس کی وفاداری اور فرماں برداری میں کچھ ذاتی لگاؤ بھی جھلکتا ہے۔“

”آپ کا وہم ہے“ اس نے فوراً ہی بات اڑادی ”یہ بتائیں کہ جیت طرے خاٹے میں بند رہے گا تو کیا اسے معلوم نہیں ہو جائے گا کہ میں آپ کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہوں؟“

”وہ اس گھر کی بناؤ سے لاعلم ہے۔ میں اس کو زیر کرتے ہی بے ہوش کر دوں گا اور اسی حالت میں اس کے ہاتھ پیرا بندھ کر تے خاٹے میں منتقل کر دیا جائے گا۔ اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ اسے کہاں قید کیا گیا ہے۔ جب بھی ضروری ہوا میں ہی اس کا سامنا کروں گا“ تم نے خاٹے میں نہیں جاؤ گی۔“

”اے قہ میں رکھ کر آپ کیا مطلب حاصل کرنا چاہتے ہیں؟“ وہ کچھ الجھ رہی تھی۔

”پہلی بات یہ ہے کہ میری ہارٹ اس وقت کراچی سے باہر ہے۔ جیت طرے کو پکڑ لینے کے بعد میں اس کے پاس کو گھیرنا چاہتا ہوں۔ ان دونوں کی قسٹوں کا فیصلہ اسی وقت کیا جائے گا جب تمہارا بیٹا امریکا سے بخیر و عافیت کراچی پہنچ جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ میں اسی جھگڑے میں غنی کی رہائی کی سودے بازی کرنے میں بھی کامیاب ہو جاؤں۔“

وہ خوش ہو گئی ”آپ واقعی بہت دور تک سوچتے ہیں۔ کاش سب کچھ اسی طرح ہو جائے کامیابی اور ناکامی تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے لیکن میں ان کوششوں پر آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔“

اسی وقت فون کی ٹھنکی کی واضح آواز نے تادہ کو چوٹا دیا اور وہ تقریباً دو ٹوٹی ہوئی میرے کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔ میں نے فوراً دعوازہ بند کر لیا اور کمرے کی روشنی کھل کر کے پہلی سی کھڑکی کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

وہ میری توقع سے کہیں پہلے لوٹ آئی۔ کمرے میں اندھیرا دیکھ کر وہ چونکی اور باہری رک گئی۔ اس اثنا میں میں خود کمرے سے لابی میں نکل آیا۔

”وہ دس منٹ میں یہاں پہنچ رہا ہے۔ اپنی شناخت کے لیے وہ تین بار مختصر سا ہارن بجائے گا اور گاڑی سمیت اندر آئے گا“ وہ ہانپتے ہوئے ایک سی سانس میں کہتی چلی گئی۔

”آئے نہ۔ میں اسی کمرے میں سے اس پر نگاہ رکھوں گا اور مناسب موقع پر اچانک سامنے آ جاؤں گا۔ تمہیں ایک بہت اہم



میری نگاہیں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں، کان ہر آواز پر لگے ہوئے تھے۔ خطرے کو گرد و پیش میں موجود پا کر میرے حواس خستہ اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ بیدار ہو چکے تھے اور چھٹی حس وہ کہ ان پر خطرے کے کوڑے برسار رہی تھی کہ اچانک ہی بند دروازے کے پیچھے سے کسی غیر ملکی کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔

میں نے پھرتی سے اپنی جگہ تبدیل کر کے دروازے سے کان لگا دیے۔ کھڑکی بند ہونے کی وجہ سے اندر کی آوازیں باہر نہیں سنائی دے رہی تھیں۔ مرنے کا شوش ہونے پر نادرہ کی آواز آئی۔ میرے لیے وہ بس مردانہ اور زنانہ آوازیں تھیں۔ ان کا کوئی مفہوم سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

میں اپنی جگت پر دل ہی دل میں خود کو کلفت ملامت کرنے لگا۔ اگر میں ذرا سی دیر گیسٹ بیڈ روم میں رہتا تو اتنی غیر یقینی صورت حال سے دوچار ہونے کے بجائے حقیقت پر حاوی ہوتا۔ شاید اس نے نادرہ کو چکر میں ڈالنے کے لیے اندر جانے میں تردد کیا تھا اور اطمینان کر لینے کے بعد ڈرائنگ روم میں جا بیٹھا تھا۔

وہ میرے منصوبے سے بالکل لاعلم تھا لیکن اس نے اپنی پیشہ ورانہ جبلت کی بنا پر جو چال چلی تھی، وہ بہت کامیاب رہی تھی۔ میں ہڑو اکر اپنی کمین گاہ سے کھلی فضا میں نکل آیا تھا، حقیقت مرنے کے خطرات سے بچ کر دیواروں کے محفوظ حصار میں جا بیٹھا تھا۔

میں نے کوئی آواز پیدا کیے بغیر دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ میری توقع کے عین مطابق ہنسی قفل چو کٹ کے سوراخ میں پھنسا ہوا تھا۔ ہینڈل گھمائے بغیر دروازہ کھولنا ناممکن تھا۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ اندر گھسنے کے بعد حقیقت نے دروازہ مقفل یا بولٹ کر دیا ہو۔ ایسی صورت میں دستے پر زور آزمائی کر کے بھی دروازہ نہیں کھولا جاسکتا تھا۔ میں نے وہ خطرہ مول لینے کا ارادہ فوراً ترک کر دیا۔

میں نے دوبارہ گیسٹ بیڈ روم کا رخ کیا اور پتھوں کے بل دوڑ لگا دی۔

مجھے دوبارہ اس تاریک کمرے میں پہنچنے میں ایک منٹ بھی نہیں لگا لیکن اعصابی انتشار اور برق رفتاری کی وجہ سے میرا سانس قابو سے باہر ہونے لگا۔

میں نے گیسٹ بیڈ روم کی کھڑکی میں سے باہر جھانکا تو مجھے وہ دونوں خوب صورت ڈرائنگ روم میں ایک دوسرے سے مناسب فاصلے پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ بشیر دونوں ہاتھ باندھے اپنی ناک کے صوفے کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ شاید حقیقت نے حفاظتی نقطہ نظر سے اسے باہر جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔

حقیقت مرنے کی توقع کے برعکس متوسط قامت اور گھٹے ہوئے کمر کی جسم نماک تھا۔ وہ عمر رسیدہ اور گھٹا ہونے کے باوجود چست و چالاک۔ نظر آ رہا تھا۔ اس کے دونوں جبڑوں کی لنگی ہوئی کھال کی وجہ سے اس کا چہرہ کسی خوفناک بلڈاگ کے چہرے کی طرح نظر آ رہا تھا۔

حقیقت اپنے صوفے کے کنارے پر بیٹھا نہایت انسٹاک سے

۱۰ اگر اس نے اجازت دے دی وہی تھی تو یقیناً چھپ کر یہ دیکھتا ہوا ہو گا کہ نادرہ کیا کرنے کے لیے اندر آئی تھی۔ نادرہ کا سر کھانے کا انداز خاصا فطری اور سوچ بچار کا تھا۔ اس وقت میں صرف امید کر سکتا تھا کہ حقیقت نے نادرہ کی اس حرکت کا مفہوم نہ سمجھا ہو۔ میں نے بس چند ثانیوں تک وہاں رک کر ان کے نمودار ہونے کا حاصل انتظار کیا پھر خود ہی باہر نکلنے کا فیصلہ کر کے حرکت میں آیا۔

وہ گیسٹ بیڈ روم تھا۔ اس کا ایک دروازہ مکان کی اندرونی سمت میں واقع لابی میں کھلتا تھا۔ دوسرا دروازہ عمارت کے باغیچے میں تھا۔ اگر حقیقت مرنے کے لیے ہی رہا ہوا تھا تو میرا مکان میں داخل ہونا چاہے دان میں چھپنے کے مترادف ہو سکتا تھا۔ میں نے تارک کر کے میں احتیاط سے باغیچے سمت کا دروازہ کھولا اور آہستگی سے باہر نکل گیا۔

نادرہ کے مکان کے وسیع احاطے میں بہت زیادہ روشنی کا بھروسہ نہیں تھا اور مکان کے دو طرفہ وسیع لان کے مقابلے میں عمارت خاصی مختصر تھی۔ اگر میں عمارت کو چھوڑ کر احاطے کی دیوار سے لگ کر برآمدے کے سامنے پہنچنے کی کوشش کرتا تو میں ممکن تھا کہ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے حقیقت مرنے کی گولی کی رینج سے باہر ہو جاتا اور میرے مناسب فاصلے پر پہنچنے سے پہلے ہی مجھے دیکھ لیتا۔ تب تک بے آواز اور حد سے زیادہ ہلکے ضرور تھی لیکن اس میں بڑی خرابی یہ تھی کہ اس کی مار پٹول یا ریولور کی گولی سے بہت کم تھی۔

میں نے پلک جھپکتے میں عمارت کے قریب رہنے کا فیصلہ کیا اور مسل ہو کر دیوار کے ساتھ سامنے بڑھنا شروع کر دیا۔ عمارت کے کونے پر پہنچنے ہی مجھے حقیقت مرنے کی چھٹی ہوئی سرخ بلی ایم ڈیو نظر آئی۔ شاید وہ خود ہی کا ڈی چلا کر وہاں تک پہنچا تھا۔

میری محتاط پیش قدمی جاری رہی۔ برآمدے کا ایک حصہ نظر آنے لگا جو خالی پڑا ہوا تھا۔ میں کسی چیز کی سی عیاری سے بڑھتے بڑھتے ایسی جگہ پر پہنچ گیا جہاں سے پورا برآمدہ نظر آ رہا تھا اور وہاں چھائی ہوئی دیرانی میراث چڑا رہی تھی۔ سن گھن لینے کے باوجود مجھے حقیقت مرنے کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔

برآمدے کی سمت میں ڈرائنگ روم کے دروازے کے ساتھ ہی کھڑکیاں بھی واقع تھیں۔ دروازہ بند تھا اور کھڑکیوں پر دبیز پردے لگے ہوئے تھے لیکن کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کہاں کون موجود ہو۔ میں نے رکوع کی حالت میں آگے بڑھتے ہوئے ہر طرف نگاہیں دوڑائیں لیکن کہیں کسی ذی روح کا سایہ تک نظر نہیں آیا۔

میں تیزی سے برآمدے میں چڑھ کر ڈرائنگ روم کی دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔

اس وقت میرا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ حقیقت اور نادرہ کے اچانک غائب ہو جانے سے صورت حال ایک بہ یک بہت خطرناک بلکہ پراسرار ہو گئی تھی۔

معلوم ہوتا تھا جو اشتعال کے عالم میں فحاشی اور شائستگی کے ذیل کو دور پھینک کر بدکامی اور کالم گلوچ پر اتر آتے ہیں۔  
”تمہ... ولد الحرام... کنیا کے بنے... میں تمہیں جیس کر رکھ دوں گا۔“

چند لمحوں کی مسلت میں وہ بس اسی قدر کہہ سکا۔ نیم گن میں سب سے بڑی خولی یہ تھی کہ اس کے استعمال میں فائر کا بجھکا نہیں ہوتا تھا اسے کلائی سیدھی کے بغیر بھی چلایا جاسکتا تھا۔  
میں نے نیم گن کے نوزل کا رخ اس کے گھٹنوں کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔

نیگنوں شعاعوں کی پتلی سی دھار اس کی داہنی ہڈی پر پڑی، آہنی پڑیوں پیسوں کی گز گز اہٹ میں کسی انجن سے تیز دسل بھائی، فضا میں گوشت و پوست اور ہڈی کے جل اٹنے کی وحشت ناک اور ناقابل برداشت بدبو پھیلی اور جیت لڑائی ہڈی نے اس کے وجود کا بوجھ سارنے سے انکار کر دیا۔

داہنے گھٹنے سے ذرا نیچے سے اس کی ہڈی الگ ہو کر ایک طرف جا گری۔ اذیت سے جیت لڑکا چہرہ مسخ ہو گیا اور وہ توازن خراب ہونے کی بنا پر منہ کے بل قاتلین پر گر گیا۔ اس کے پچھلے ہوئے دہانے سے اندازہ ہوا کہ وہ پوری قوت سے چپٹا تھا لیکن اس کی آواز اسٹیم انجن کی تیز دسل میں دب کر رہ گئی۔

میں نے بڑھ کر پوری قوت سے اس کے سر پر ٹھوکر کر سید کرنی چاہی، جیت نے اسی لمحے اپنی دونوں ہتھیلیاں قاتلین پر ٹیک کر اپنا دھڑا پر اٹھانا چاہا اور میری ٹھوکر نے اس کا چہرہ ادھیر کر رکھا۔  
اس بار جیت کی چیخ میں نے واضح طور پر سنی کیونکہ انجن کی دسل خاموش ہو چکی تھی اور فضا میں صرف پیسوں کی گز گز اہٹ باقی رہ گئی تھی۔

”میں تم تینوں کا حشر خراب کر دوں گا“ میں نے سفاکی سے کہا۔  
”میرا نام ڈینی ہے... میرا برا چاہنے والے آج تک روئے زمین پر نہیں پنپ سکے۔“

میرے لیے جیت لڑکا چہرہ اجنبی تھا لیکن وہ میرے نام بتانے سے پہلے مجھے پہچان چکا تھا۔ وہ نفرت اور حقارت سے مجھے برا بھلا کہتا رہا۔ میری ٹھوکر سے آنے والے دھموں سے خون رسنے کے باعث اس کا چہرہ خون میں رنگنے لگا تھا۔ میں نے اس تصادم کو طویل دینے کے بجائے اس کی کینٹی پر دو سری ٹھوکر کر سید کی اور وہ تورا کر ایک طرف لڑھک گیا۔ اس کے بدن سے کئی ہوئی ہڈی چند لمحوں تک اچھلنے اور تر پنے کے بعد سرد ہو چکی تھی۔ جیت بھی دو تین جھرجھریاں لینے کے بعد تقریباً بے جان سا ہو گیا۔

نادارہ اپنے ملازم سمیت بدستور ہاتھ اٹھائے کھڑی ہوئی تھی۔ میرے ساتھ ملی بھگت ہونے کے باوجود وہ بہت زیادہ ہراساں نظر آ رہی تھی۔ شاید اس نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے ایسا سفاکانہ تصادم نہیں دیکھا تھا۔

میں نے جھک کر جیت لڑکا جائزہ لیا۔ وہ پوری طرح بے ہوش

ہاتھ لہرا کر کے نادارہ کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دوران میں وہ بار بار ڈرائنگ روم کی اس سمت میں دیکھتا جا رہا تھا جہاں دروازہ واقع تھا۔

میں اپنی کمین گاہ کا داخلی دروازہ کھول کر روشن لابی میں نکل گیا۔ وہاں سے ان تینوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا البتہ جیت کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

میں نے داہنی دیوار سے چپک کر پڑوں کے بل ڈرائنگ روم کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ جیت لڑکا بھاری اور لمبی آواز بتدریج واضح ہونے لگی۔ وہ نادارہ کو تنبھا رہا تھا کہ ڈینی ایک وحشی درندہ تھا جسے پہلی فرصت میں جال میں پھانسا ضروری تھا ورنہ وہ غنی کی طرح ہزاروں معصوم انسانوں کی زندگیاں تباہ کر سکتا تھا۔ وہ زوردار اور مہینچ الفاظ میں بہت کچھ کہہ رہا تھا لیکن اس کی باتوں کا متن یہی تھا۔

میں لابی کی لمبی دیوار عبور کر کے لابی اور ڈرائنگ کے درمیان بنی ہوئی مختصر سی آرائشی دیوار تک پہنچا تو جیت مجھ سے بمشکل بارہ تاہندہ فٹ کے فاصلے پر تھا۔ میں کسی لمحے ایک قدم بڑھا کر دیوار کی اوٹ سے نکلتا اور اسے اپنی زخمیں لے سکتا تھا۔

وہ فاصلہ اتنا مناسب تھا کہ میں فائر کے دھماکے کا خطرہ مول لیے بغیر بیم گن استعمال کر سکتا تھا۔

میں نے دیوار اور جیب میں رکھ کے بیم گن داہنے ہاتھ میں تھامی اور چشم زدن میں اپنی جگہ سے اچھل کر ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔ ”تینوں ہاتھ اٹھا لو...“ میں نے سفاکانہ لہجے میں اپنی بات شروع ہی کی تھی کہ جیت کا گود میں رکھا ہوا ہاتھ حرکت میں آیا اور اس نے قریبی تائی پر سے ایک ایٹم بڑے انڈرک روشنی بقی فائوس پر پھینچ ماری۔ فضا میں بلور اور شیشے کے ٹکڑوں کے ٹوٹنے کا پر شور دھماکا ہوا، متعدد روشن بلب ٹوٹ گئے لیکن ڈرائنگ روم تاریکی میں نہیں ڈوب سکا۔

اس بڑے فائوس کے کرشلوں میں چند بلب بدستور روشن تھے۔ ان کے علاوہ ایک دیوار گیر لائٹ بھی روشن تھی۔ جیت لڑنے کا خطرہ بھانپ لیا تھا۔ ایٹم بڑے پھینکتے ہی اس نے اپنی جگہ جموڑی تھی۔ وہ اپنی غیر متوقع اور تیز ترین نقل و حرکت سے میری قوت فیصلہ کو مفلوج کر کے جارحانہ حملے کی مسلت حاصل کرنی چاہ رہا تھا۔  
خطرہ صرف جیت کو نہیں تھا، مجھے بھی اس کی طرف سے اسی قدر شدید خطرہ تھا۔ میری ذرا سی چوکیا غفلت میری مکمل بربادی پر منتج ہو سکتی تھی۔

جیت لڑکا حرکت میں آیا ہوا تھا۔ غیبت یہ تھا کہ وہ مسلح نہیں تھا۔ نادارہ اور بشیر نے مجھے دیکھتے ہی دہشت زدہ ہونے کی بہترین اداکاری شروع کر دی تھی۔ وہ دونوں اپنے اپنے ہاتھ بلند کیے خوف سے لرز رہے تھے۔ ڈرائنگ روم کی فضا میں ان کی ہلکائی اور کپکپاتی ہوئی بے معنی آوازیوں کے علاوہ صرف جیت لڑکا کی گندی گندی گالیاں گونج رہی تھیں۔ وہ ان سفلہ فطرت لوگوں میں سے

اس کی جیسیں خالی کر کے ہم دونوں اوپر آگئے۔ تارہ نے واپسی پر یہ خانے کا دروازہ قفل کر دیا تو چابی میں نے اپنی تحویل میں لے لی۔

ڈرائنگ روم میں بشر اس تصادم کی علامات مٹانے کی کوششیں کر رہا تھا۔ وہ وفادار ہونے کے ساتھ ہی فرض شناس بھی تھا اور بغیر کے اپنے فرائض انجام دینے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ٹوٹی ہوئی الیش ٹرے اور فانوس وغیرہ کی کرچیں قالین سے سمیٹ لی تھیں اور دو برتنوں میں شفاف کھلول لیے قالین پر سے جھٹ کے خون کے نشان صاف کرنے میں مصروف تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ قالین کے ریشوں میں جذب ہونے والے خون کے ذرات کو کسی بھی طرح نہیں نکالا جاسکتا تھا لیکن پھر بھی بشر کی کوشش قابلِ تعریف تھی۔ صفائی ہو جانے کے بعد پہلی نگاہ میں یہ پتا نہیں چل سکتا تھا کہ قالین کا کوئی حصہ انسانی خون میں آلودہ رہا ہوگا۔

جیت کی جلی ہوئی داہنی پنڈلی خاصا عبرت ناک منظر پیش کر رہی تھی۔ کسی بھی زندہ انسان کے ایک عضو کا اس کے جیتے جاگتے بدن سے الگ ہو جانا کوئی معمولی حادثہ نہیں ہوتا۔ بدن زندہ ہوتا ہے لیکن اس سے کٹا ہوا عضو موت سے ہم کنار ہو چکا ہوتا ہے۔ جیت نے اپنی وہ ٹانگ اپنی سرعت اور جارحیت کی وجہ سے گموازی تھی۔ اس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس ٹانگ کے نچلے حصے میں پتلون کے طے ہوئے پانچے کے ساتھ ہی موزا اور جوٹا بھی موجود تھا۔ وہ تیم گمن کا کمال تھا کہ اس سے خارج ہونے والی لیز شعاعوں کی ملک و حارنے جیت کی کھال، گوشت اور ہڈی کو لٹھ بھریں کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

وہ ایک واردات تھی۔ مدافعت اور ہٹا کی جگہ میں ایک فریق نے اپنے حریف کو معذور کر دیا تھا لیکن شہر کے بے شمار

اتھا۔ اسے ہلا جا کر اپنا اطمینان کرنے کے بعد میں نے اکرہ کو ہاتھ کرانے کی ہدایت کی اور تیم گمن جیس میں رکھ لی۔

”ہک... کیا آپ نے اسے مار دیا ہے؟“ تارہ نے میرے آتے ہوئے خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

”ابھی نہیں“ میں نے سرد مہری سے کہا ”ابھی تو یہ لڑائی میں ہوئے سانڈ کی طرح بے ہوشی میں باپ رہا ہے۔ بی الحال یہ حالت میں میرا قیدی رہے گا۔ ابھی اس کا وقت پورا نہیں

میں نے بشر کو ہدایت کی کہ وہ جیت کے ہاتھ چیرا بندھ دے۔ معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ زبانی منصوبہ بندی کے دوران اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ حالات اس قدر بڑبڑندہ رخ بھی پار کر سکتے ہیں۔ وہ ٹائیکون کی مضبوط ڈوری سے جیت کے ہاتھ بندھے ہوئے ڈرا ہوا نظر آ رہا تھا۔ جیت ملر کی داہنی پنڈلی الگ ہانے کی وجہ سے بشر نے از خود اس کی دونوں رانوں کو ایک سرے کے ساتھ جکڑ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

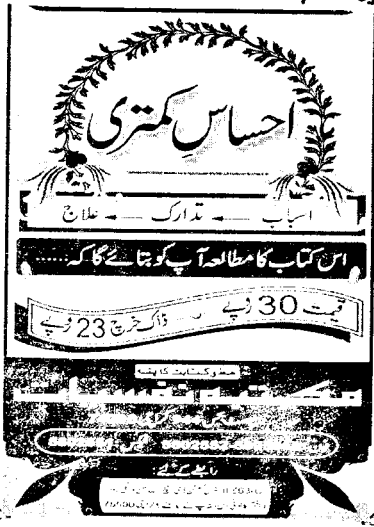
جیت کی مزا جانے پھرتی کے سبب تارہ کے ڈرائنگ روم میں ہی ابھری پیدا ہو چکی تھی۔ قالین پر جیت کے خون کا دھبہ بھی ل رہا تھا۔ بشر نے کیلے کپڑے سے جیت کا زخم صاف کر کے باپ تیز پنچر لگائی تو اس کا رد عمل اتنا شدید تھا کہ جیت بے ہوشی باوجود بھڑبھڑی لے کے رہ گیا۔

میرے ایما پر بشر اس کو اپنی پشت پر لا کر یہ خانے کی طرف لایا۔ میں نے تارہ کو اس کے منہ میں ٹھونسنے کے لیے کچھ کپڑا ڈالنے کی ہدایت کی اور بشر کے پیچھے ہویا۔

جیت کو بستر کے بجائے قالین پر ہی ڈال دیا گیا۔ میں نے اس آنکھوں کے پونے سر کا اندازہ لگایا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے سے ہوش میں نہیں آسکے گا۔ میں نے بشر کو اوپر بھیج دیا۔

تارہ دھلے ہوئے پرانے کپڑے کا ایک ڈھیر لے کر آئی تو میں جیت کے دہانے میں حلق تک کپڑا ٹھونس کر اوپر سے ایک پٹی ڈلی۔ یہ خانہ لاکھ ساؤنڈ پروف۔ سہی، میں کوئی غیر ضروری خطرہ مایلنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں نے ہٹ ملر کی جامہ تلاشی لینی شروع کر دی۔

اس کی جیبوں سے اس کے باتصویر شناختی کارڈ کے ساتھ بی ایچ کی چابی، چند چھوٹی چابیوں کے ایک گچھے ٹریولرز چیک اور کی کرکسی سے بھرے ہوئے پرس اور ایک بھرے ہوئے ریو اور علاوہ کئی عجیب و غریب چیزیں بھی برآمد ہوئیں۔ ان اشیاء میں سے قدرے موٹا قلم بھی شامل تھا جو بادی انٹیکس میں قلم نظر آنے باوجود چھوٹے بور کا دھڑے فائز والا پینسل تھا۔ اس میں دونوں لیاں موجود تھیں اور مزید چار گولیاں بیوٹک کے ایک پیکٹ میں چھبھیں۔ فولڈ ہو جانے والا روشن مخدب عدرس، دہری اور پلیڈ علاوہ تیز دھار والا خنجر نما چاقو اور ایک وائرلیس ایپریٹس بھی ماسٹان میں شامل تھا۔



بشر میں ان کی تعداد مت محدود ہے۔

ذہن میں ایک بات سامانے کے بعد میں نے بشیر کو کالیں کی مزید رگڑائی سے روک دیا اور اسے چاہی دے کر فوراً ہی سرخ لہا اہم ولبو نکال لے جانے کی ہدایت کر دی۔ میں ان حالات میں نادہ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ بشیر گاڑی ٹھکانے لگا کے لوٹ آتا تو مجھے بھی واپسی کی آزادی مل جاتی۔

بشر ہم دونوں کی مصروفیت سن رہا تھا۔ جاتے ہوئے وہ خاموشی سے جیت لڑی بے جان پنڈلی بھی اپنے ساتھ لیتا چلا گیا اور ہم دونوں ڈرائنگ روم ہی کے ایک گوشے میں جا بیٹھے۔

میں جب سے نادہ کے گھر آیا تھا میرا اپنے ساتھیوں سے رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ سلطان شاہ پر دگرام کے مطابق مکان کے قریب دھواڑ میں منڈلا رہا ہو گا اور دونوں عورتیں فلیٹ پر بے یقینی اور انتظار کی آذیت سے گزر رہی ہوں گی لیکن میں باہر نکل کر سلطان شاہ سے بات کرنے کا خطرہ مول لے سکتا تھا نہ فلیٹ فون کرنا چاہتا تھا۔ مجھے رتہ کہ جیت لڑی کے گھر آنے کے بعد سے کہیں اس کا فون آجروشن میں نہ لے لیا گیا ہو۔ جیت جو کچھ بھی تھا، بہر حال ایک ذہن، ارا امریکی افسر تھا۔ اس کے اہلکار مقامی حکام فوری طور پر ایسی کوئی بھی کارروائی کرنے پر مجبور ہو سکتے تھے۔

ایک لمحے کے لیے مجھے خیال آیا کہ میں بشیر کو سلطان شاہ کی گاڑی کا نمبر بتا کر اس کے ذریعے سلطان شاہ کو اپنی خیریت کا پیغام بھجوا دوں لیکن وہ کوشش خطرات سے خالی نہیں تھی۔ سلطان شاہ نادہ کے مکان سے نکلنے والی مشتبہ کار کو اپنی طرف متوجہ پا کر بری طرح بھڑک سکتا تھا۔ جیت لڑی طرح بشیر بھی اس کے لیے الجھتی تھا۔ اگر سلطان شاہ اپنی طویل ہوتی ہوئی بے کاری سے افسانہ کوئی کارنامہ سر انجام دینے پر قن جاتا تو وہاں خاص ناخوشگوار صورت حال رونما ہو سکتی تھی۔ اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو سلطان شاہ غیر ضروری طور پر بشیر کی نظروں میں آجاتا جب کہ ہم چاروں ان دونوں کٹماں اور روپوش رہنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

”میں نے سنا ہے کہ یکساں فری کو تنسی پر کام کرنے والے صرف ایک جیسی ساخت والے ٹرانسمیٹر پر چمڑی آپس میں بات ہو سکتی ہے۔ کیا یہ بات درست ہے؟“ نادہ کے سوال پر میں اپنے خیالات سے چونک پڑا۔

”ہاں، درست ہے لیکن ہمیں اچانک ہی یہ خیال کیوں آیا؟“ میں نے پوچھا۔

”آپ انٹیل جیت لڑی کو گھیر کر اس کے اسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ پر ہاتھ ڈالنا چاہ رہے ہیں کیونکہ وہی آپ کے مطالبات کو ماننے یا مسترد کرنے کا اختیار رکھتا ہے اس کی طرف سے پہل ہونے کے بجائے آپ ٹرانسمیٹر پر ان لوگوں سے بات کیوں نہیں کرتے؟ جیت لڑی جیسا ٹرانسمیٹر دوسروں کے پاس بھی ہو گا۔“

اسپتالوں میں ہر روز ایسے سیکڑوں واقعات رونما ہوتے رہتے تھے۔ فرق صرف اتنا ہوتا تھا کہ وہاں جاں بے لب مریض اپنی زندگی کے کسی عذاب سے گھٹا صحت کے لیے سرجنوں کو ہنسی خوشی اپنے سڑنے، ڈکھنے یا سوراہنے ہوئے بیمار اعضا کو کاٹ کر الگ کر دینے کی اجازت دے دیتے تھے۔ ہوتا یہی ہے کہ پورے جسم کو مکمل بربادی سے بچانے کے لیے ناکامہ اعضا کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ جیت لڑی بھی معاشرے کے جسم سے چٹا ہوا ایسا ہی ایک ناسور تھا۔ جسے بے دردی سے الگ کر لیا جانا چاہیے تھا۔ میں نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا۔ وہ ایک ایسے خفیہ ادارے کا رکن تھا جسے خوب صورت اور بہترین کاغذی مقاصد کے ساتھ وجود میں لایا گیا تھا لیکن عملی طور پر اسے کٹا ارض کی ایک ایسی ڈرائی طاقت بنا دیا گیا تھا جس سے دوست اور دشمن سب ہی لرزہ بر اندام رہتے تھے۔

یہ اس کی بد قسمتی تھی کہ وہ اپنی زندگی کی باقی ماندہ صلت گزرنے کے لیے پورے وجود کے ساتھ زندہ نہیں تھا۔ اپنی حماقت کی بنا پر اس کی موت کی پہلی قسط غیر ارادی طور پر مکمل ہو چکی تھی۔

”اس کا کیا بنے گا؟ یہ کئی ہوئی پنڈلی کب تک یہاں جی رہے گی؟“ نادہ نے خون کے کسی بھی داغ سے بے نیاز اس سوختہ شاہکار کو دیکھتے ہوئے دشت زدہ لہجے میں پوچھا۔

”یہ پنڈلی کسی چھوٹے سے کڑھے میں بھی دوانی جاسکتی ہے۔ اصل خطرہ اس سرخ کار سے ہے جو باہر کھڑی ہوئی ہے“ میں نے اسے یاد دلایا ”جیت کی یہاں موجودگی کے اس مکمل اشتہار سے... جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنا ہو گا۔“

”اوہ! اس کار کا کیا بنے گا؟“ میری یاد دہانی پر وہ مضطرب ہو گئی۔

”اسے بشیر شہر کے کسی بھی علاقے میں چھوڑ آئے گا۔ تم جیت کی تلاش میں آنے والوں کو یہی بتاؤ گی کہ ڈینی جیت کو اسی کی گاڑی میں ڈال کر لے گیا تھا۔ انہیں بھول کر بھی شک نہیں ہو سکے گا کہ جیت تمہارے ہی گھر کے کسی خفیہ خانے میں قید ہے۔“

”پھر یہ منحوس پنڈلی بھی اسی گاڑی میں ڈلوادیں۔۔۔ اسے دیکھ کر میری طبیعت کدھر ہو رہی ہے۔“

”اچھا خیال ہے“ میں نے اس کی تجویز پر خوش ہو کے کہہ ”میری طرف سے گیری ہارٹ کے لیے یہ انوکھا تحفہ ہو گا۔ جیت کی قیمتی گاڑی زیادہ دیر تک لاوارث نہیں کھڑی رہے گی۔ گاڑی ان کو ملے گی تو وہ خود سمجھ لیں گے کہ کیا واقعہ رونما ہوا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ میں ایک عجیب گمن گانگ ہوں۔“

”اس گمن کی بے آواز دھار دیکھتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے۔ یہ کیا بلا ہے؟“

”بس انٹیل گمن کہہ لو“ میں نے اسے ہاتھ ہوتے کہا ”دنیا

ایک نئے خیال کے تحت میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ”آؤ، چل کر چائے پیتے ہیں۔“

بچن کی طرف جاتے ہوئے وہ میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اس کے وجوہ سے اٹھنے والی مگر میرے ذہن پر ہلکا سا اثر لگتا تھا۔ وہ خود بھی شاید میری اس کیفیت سے بے خبر نہیں تھی۔ نہ ناہ میں ایک معذور قیدی کی موجودگی، فضا پر منڈلاتے ہوئے خطرات اور گھر کی تنہائی اچانک میرے قدموں کی زنجیر بن گئی اور میں سگریٹ سلگانے کے بجائے ٹھک کر رک گیا۔ مادہ کے ذہن میں جو کچھ بھی رہا ہو، میں کسی جذباتی بحور میں پھنسے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

مادہ بھی میرے انتظار میں رکی مگر میں نے اسے آگے ہانک دیا۔ ”تم چلو میں آ رہا ہوں۔“

بچن میں سوچ بچار میں نے بات دوبارہ شروع کر دی ”میں سوچ رہا ہوں کہ گھر میں بغیر کے ساتھ تھیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس نام کا ج سے باہر بھی جانا ہوگا۔ تم پر جیت لڑا خوف طاری رہے گا۔ ایسا نہ ہو کہ اس مسلسل اعصابی تناؤ سے تمہارے ذہن پر مضرات مرتب ہونے لگیں۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ پہلے میں یہ بات نہیں سوچ سکی تھی“ اس نے اعتراف کیا ”منسوبہ بندی کے وقت مجھے کمان ٹک نہیں ہوا تھا کہ عملی صورت حال سے دوچار ہونے کے بعد میرا رد عمل کیا ہو گا۔۔۔ وہ لوگ جب تک جیت لڑا کو بازیاب نہیں کرا لیتے“ میرے پیچھے لگے رہیں گے۔“

”کیا یہ مناسب نہیں ہو گا کہ تم بغیر کو لمبی چھٹی دے کر خاموشی سے اپنے کسی رشتے دار کے یہاں منتقل ہو جاؤ اور اپنے دشمنوں کو یہ سمجھتے ہو کہ میں نے تم تینوں کو انوکھا کر لیا ہے۔“

میری تجویز پر وہ چونک پڑی اور اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں ”میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ غنی کی سزایابی بلکہ گرفتاری کے بعد ہی سب نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور میں تنہا ہو کر رہ گئی ہوں۔ رحیم یا رخاں میں میری بہن رہتی ہے مگر بہنوئی نے اس پر پابندی لگا دی ہے کہ وہ مجھ سے نہ ملے۔ شاید رونے اور گڑگڑانے پر مجھے وہاں پناہ مل جائے۔ دوسرا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ تم اپنی بہن سے رابطہ کر لو تو بہتر رہے گا۔“ میں نے تنبیہ کی ہے کہ۔

”مگر کہاں سے؟ یہ فون تو آپ خطرناک قرار دے چکے ہیں۔۔۔ اور پھر میں چلی گئی تو جیت لڑا کیا بنے گا؟ اسے آپ کہاں لے جائیں گے؟“ اس نے ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

”آر تم ذہنی طور پر تیار ہو تو فی الحال میرے ساتھ یہاں سے نکل سکتی ہو۔ جیت لڑا میں بند رہے گا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مکان کو غیر آباد یا کر کوئی زیادہ جتنس نہیں کرے گا اور جیت لڑا وہیں پڑا رہے گا۔ اس کے نصیب سے کوئی وہاں پہنچ بھی گیا تو زندہ

”یہ آں ہے“ میں نے جیت لڑا کا اپریٹس اپنی جیب سے نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا ”میں اسے استعمال کر کے انہیں ہوشیار نہیں کرنا چاہتا کہ ان کا ایک مواصلاتی آلہ ان کے دشمن کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ اس پر ہم ان کی آپس کی باتیں سن سکتے ہیں۔“

”انتظار مختصر کرنے کے لیے فون پر بھی بات کی جاسکتی ہے۔ ہمارے پاس جیت لڑا فون نمبر موجود ہے۔ وہ یہاں قید ہے تو اس کے ٹھکانے پر کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہو گا۔“

”میں اپنے فلیٹ پر بھی بات کرنی چاہ رہا ہوں لیکن تمہارا فون استعمال نہیں کر رہا۔ مجھے ڈر ہے کہ اب اس پر ہونے والی ہر بات سنی جائے گی۔ اگر انہیں پتا چل گیا کہ میں نے جیت لڑا کے بارے میں یہاں سے بات کی ہے تو ہماری ملی بھگت کا راز فاش ہو جائے گا اور ہم بارے جائیں گے۔۔۔ بغیر کے آنے کے بعد میں یہاں سے نکلوں گا تو کہیں نہ کہیں سے فون کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔“

”آپ کے مشورے پر میں نے اپنی کشتیاں جلا دی ہیں۔ جیت لڑا کی دشمنی مول لینے کے بعد اب غنی صاحب کی آزادی اور فرخ کے محفوظ مستقبل کا انحصار آپ کی کامیابی پر ہے۔“ وہ اچانک جذباتی ہو کر بولی۔

”غنی کی آزادی ایک سنرا خواب ہے“ میں نے گہی لپٹی رکے بغیر اپنا موقف دہرایا ”مجھے امید نہیں کہ اتنی آسانی سے رہائی مل سکے گی۔ اس بارے میں میں تمہیں عارضی طور پر انگلی بند منتقل ہونے کا مشورہ دے چکا ہوں۔ ہاں، فرخ کے بارے میں میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ ہماری مہم جوئی کے نتیجے میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔“

”کسی کی وقت مجھے یہ سوچ کر ہول آنے لگتا ہے کہ کہیں میں چہرلی زمین کے دھوکے میں دھل پیر نہ رکھ دوں۔“

”یہ تمہارا وہم بلکہ خود اعتمادی کی کمی کا نتیجہ ہے“ میں نے اس کر بے پروائی سے کہا ”اپنے وقت پر سب کچھ درست ہوتا چلا جائے گا۔۔۔ تم ان باتوں کو چھوڑو اور جلدی سے چائے کی ایک پیالی ملاؤ۔“

”میرا خود چائے پینے کو دل چاہ رہا ہے“ وہ پھٹکی اور خوف زدہ فہمی کے ساتھ بولی ”مگر جیت لڑا میں جاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔ آپ ساتھ چلیں تو چائے کے ساتھ سینڈیج بھی بنا لوں گی۔“

”ڈر کس بات کا؟ تم تو بالکل ہی حوصلہ چھوڑے دے رہی ہو۔“

”وہ۔۔۔ جیت لڑا کئی ہوئی ٹانگ میرے ذہن سے چپک کر رہ گئی ہے۔“

مادہ کا وہ خوف میرے لیے تعجب خیز تھا۔ میں اسے مضبوط اعصاب اور قوت ارادی کی مالک سمجھتا چلا آ رہا تھا۔ اگر وہ اندر سے اتنی ہی بادی تھی تو شاید کیری ہارٹ اور مقامی پولیس کی کڑی باز پرس کو بھی نہیں سہہ سکتی تھی۔ اس کی ذرا سی کمزوری میرا بنا بنایا ٹھیل بگاڑ سکتی تھی۔

گرفت میں آنے سے پہلے ہی اپنا بازو دائرہ کی گرفت سے چھڑا کر  
پکڑنے سے باز رکھ لیا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دائرہ کی سادہ اور  
معصومانہ ہنسی رہی ہو مگر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے چڑا رہی ہو،  
میرے فرار پر مجھے مشتعل کرنا چاہ رہی ہو۔ میں پکڑنے سے دور،  
ڈرائنگ روم کے ایک نشیمنے پر جا بیٹھا۔

میں دائرہ کی روپوشی کی تجویز پیش کر کے اپنی گردن ہنسنا بیٹھا  
تھا۔ فلیٹ میں چار افراد کی موجودگی میں کسی پانچویں فرد، خاص طور  
سے دائرہ جیسی عورت کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس وقت تک  
دائرہ نے اخلاق سے گرمی ہوئی کوئی حرکت نہیں کی تھی اور ہر  
اعتبار سے باوقار نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن میں اپنے

تجربے کی بنا پر اس کی آنکھوں میں وہ مخصوص حیوانی چمک دیکھ چکا  
تھا جو کسی بھی لمبے میرے خرمین مجرد سکون کو جلا کر رکھ کر کتنی  
تھی۔ غزالہ زبان شناس اور سمجھدار ہونے کے ساتھ ہی بہت زیادہ  
پامردت بھی تھی۔ وہ بہت سی باتوں کو دیکھ کر بھی ان جان بنی رہتی

تھی۔ شاید وہ فلیٹ میں دائرہ کی موجودگی کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی  
لیکن دیر اس معاملے میں گھاگ ہونے کے ساتھ ہی ضرورت سے  
زیادہ طرار اور منہ بھٹ بھی تھی۔ وہ دائرہ کی کسی بھی بے احتیاطی

پر بات کا جھگڑنا کر فلیٹ کے ماحول کو بریاد کر سکتی تھی۔ اس کا نازک  
ترین جذباتی مسئلہ یہ تھا کہ وہ غزالہ کے حق میں میری ذات سے  
رضا کارانہ طور پر دست بردوار ہو چکی تھی۔ کبھی بھگوار ذہنی ہو سکتی تو

تھوڑی بہت ہیرا پیمیری ضرور کر لیتی تھی مگر غزالہ کے بعد وہ خود کو  
میری سب سے زیادہ توجہ کا حق دار سمجھتی تھی۔ کسی بھی لمبے اسے  
شبہ ہو جانا کہ دائرہ اس کی حق تلفی کر کے میرے ساتھ بے تکلف  
ہونے کی کوشش کر رہی ہے تو وہ دائرہ کو دھکے دے کر فلیٹ سے باہر

تک نکال سکتی تھی۔  
دائرہ کے لیے شہر کا کوئی بھی ہو مل مناسب نہیں تھا۔ پورے  
کراچی میں اس کا ایسا کوئی شاسایا رشتہ دار نہیں تھا جو چند دنوں

کے لیے اسے اپنے یہاں پناہ دے دیتا۔ کالی غورو خوض کے بعد  
میرے ذہن میں جمائیکر کا نام ابھرا۔ شام ہی کو سلٹی فون پر بتا چکی  
تھی کہ ان دونوں نے ہمارے قریب ہی ایک گھر کرانے پر لے لیا تھا  
لیکن میں نے جمائیکر کا نام خود ہی مسترد کر دیا۔ وہ طرح دار عورتوں

کے معاملے میں حد سے زیادہ نڈیرا تھا دوسری طرف سلٹی بھی ہر  
وقت اس کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کرتی رہتی تھی۔  
وہ اس حد تک کہہ چکی تھی کہ جمائیکر کسی وقت کسی لولی لٹری فیٹنی  
کا بھی پیچھا کر سکتا ہے۔ دائرہ کا وجود ان دونوں کے لیے ہولناک

مسائل بلکہ معائب کا سبب بن سکتا تھا۔  
وہ دو بیلیوں میں چائے لاتی اور دونوں پالیاں میز پر رکھ کر  
مسکراتی ہوئی زنیوں کی طرف چلی گئی۔ میں نے اسے روکنا یا اس  
سے کچھ پوچھنا ضروری نہیں سمجھا۔  
میری چائے کی پیالی خالی ہونے کے قریب تھی کہ وہ اوپر سے

مگر مخدور جھٹ کی واپسی کو میرا بھرپور چیلنج تصور کیا جائے گا۔  
جھٹ اپنی کمائی میں تمہاری اور بشیر کی بے گنہاری اور مظلومیت کی  
تصدیق کرے گا۔ کچھ عرصے بعد تم واپس لوٹو گی تو میرے جبر و تشدد کی  
چند فرضی کتابیں بنا کر ان کی ہمدردی حاصل کر سکو گی۔“

میری نئی تجویز سننے ہی اس کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ بولی ”یہ بالکل  
مناسب رہے گا۔ جب تک میری کسی متبادل پناہ گاہ کا بندوبست  
نہیں ہوتا، میں فلیٹ میں آپ کے ساتھ رہ لوں گی۔ غزالہ بہت  
سمجھ دار لڑکی ہے۔ موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے وہ میرا وجود  
برداشت کر لے گی۔“ اس کے لب و لہجے سے مجھے کچھ ایسا محسوس  
ہوا جیسے میرے قریب رہنے کے خیال سے اسے بے پایاں خوشی  
ہوئی ہو۔

وہ اس کی اپنی سوچ تھی مگر میں اس کے ارادے بھانپ کر  
بوکھلا گیا۔ اس وقت تک دائرہ نے دیر یا سلطان شاہ کو نہیں دیکھا  
تھا۔ وہ ایک رات کے لیے بھی فلیٹ میں رکھی تو ان دونوں کی  
موجودگی سے باخبر ہو کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتی۔

”تم خود ایک بھرپور عورت ہو اور ایک بیوی کی سوچ سے  
واقف ہو۔ ملاقاتوں کی حد تک غزالہ بہت فراخ دل ثابت ہوگی  
لیکن جب یہ دیکھے گی کہ چند ملاقاتوں کے بعد ہی میں نے اپنی ناکہ  
مکان کو اس کے گھر سے اٹھا کر اپنا مسلمان بنایا ہے تو وہ حد اور

رقابت کی آج میں سلگنے لگے گی۔ اسے قطعی علم نہیں ہے کہ میں  
تمہارے ساتھ مل کر کسی منصوبے پر کام کر رہا ہوں۔ مجھے اسے ہر  
ات بتانی پڑ جائے گی۔“

اس نے دانستہ میری طرف جھک کر ایک چچہ اٹھایا۔ میں نے  
میں نے اس کے بدن اور ریشمیں زلفوں کا سرسراتا ہوا لمس  
محسوس کرتے ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے  
شکایت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولی ”میرا خیال ہے

کہ میری طرف سے آپ کے دل میں نرم و نازک گوشہ پیدا ہو چکا  
ہے۔ اگر غزالہ متعصب اور تنگ نظر ہے تو صرف اسی بنا پر حسد  
میں مبتلا ہو سکتی ہے۔“

”خیر، خیر!“ میں نے گھبراہٹ کے اس موضوع کو وہیں ختم کرتے  
ہوئے کہا ”یہ باتیں بعد میں بھی ملے گی جاسکتی ہیں۔ فی الحال ہمیں  
یہاں سے نکلنے کی تیاری کرنی چاہیے۔“

”اوہ آپ کتنے اچھے ہیں!“ وہ جوش سے میرا بازو دباتے  
ہوئے بولی۔  
میں فرشتہ نہیں، ایک عام انسان تھا۔ یہ بات ہر شک و شبہ  
سے بالا تر تھی کہ دائرہ حسینہ عالم نہیں، تو حسین ضرور تھی۔ اس  
کے بھرے بھرے نگہ از بدن کا لوج اور اس کے بے مٹھکانہ قریب

سے محسوس ہونے والی خوشبوئیں میرے ذہن پر اثر انداز ہو رہی  
تھیں۔ اس نے دوفر جوش سے میرا بازو تھامتا تو مجھ کے لیے مجھے  
یوں محسوس ہوا جیسے برقی دو کا کوئی ٹنگا تار میرے بدن پر اگرا ہو۔  
میرے وجود کو ایک سنسنی خیز جھٹکا سا لگا لیکن میں اس جھٹکے کی

لوٹ آئی۔ اس کے ہاتھ میں درمیانے سائز کا ایک سزی بیک جھول رہا تھا۔ بیک ایک کنارے سے رکھ کر وہ چائے نوشی میں میرا ساتھ دینے لگی۔

”تھیلے میں کیا ہے آئی ہو؟“ چند ٹائیدیں تک خاموش رہنے کے بعد میں اپنے تھیلے پر قابو نہیں رکھ سکا۔

”شب خوابی کا ایک لباس، دو عام جوڑے، زیورات اور نقدی لے آئی ہوں اور روانگی کے لیے پوری طرح تیار ہوں“ اس نے اپنی کارگزاری پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے کہا ”بشیر لوٹ آئے تو اسے چھٹی کی خوش خبری سنا کر میں آپ کے ساتھ چل دوں گی۔“

”تمہارے خیال میں اب گھر میں ایسی کوئی چیز نہیں رہی جسے چوری کیا جاسکے؟“ میں نے پوچھا۔

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ”روزمرہ استعمال کی چیزیں کون لے جائے گا؟ یہ چیزیں بھی میں اس طرح لائی ہوں کہ مکان کی تلاشی لینے والے بھی اندازہ نہیں لگا سکیں گے کہ کوئی یہاں سے ساری قیمتی اشیاء سمیٹ کے رخصت ہوا ہے۔“

اس وقت اس گھر کا سب سے بیش قیمت اثاثہ جیت لڑ ہے۔ ”ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم اپنے گھر سے نکل بھاگنے پر تلی بیٹی تھیں“ میں نے اپنی چائے کی پیالی خالی کر کے کہا ”اپنے گھر کے درود یوار سے ہر شخص کی ایک جذباتی وابستگی ہوتی ہے۔۔۔“

”مجھے بھی اپنے رقبے بے ہوئے گھر کو چھوڑ کر جاتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں یہ سب اس گھر کو دوبارہ آباد کرنے کے لیے کر رہی ہوں۔ غمی اور فرخ کے بغیر بے جان در

## سب رنگ ڈائجسٹ کے مشہور سلسلے کتابی شکل میں دستیاب ہیں

<div style="border: 1px solid black; padding: 5px; margin: 5px auto; width: 80%;"> <b>مکمل</b> </div> <h1 style="margin: 10px 0;">غلام رحیم</h1> <div style="border: 1px solid black; padding: 5px; margin: 5px auto; width: 80%;"> <b>ڈیجیٹل</b> </div>	<div style="border: 1px solid black; padding: 5px; margin: 5px auto; width: 80%;"> <b>ڈیجیٹل</b> </div> <h1 style="margin: 10px 0;">اقبال</h1> <div style="border: 1px solid black; padding: 5px; margin: 5px auto; width: 80%;"> <b>ڈیجیٹل</b> </div>	<div style="border: 1px solid black; padding: 5px; margin: 5px auto; width: 80%;"> <b>ڈیجیٹل</b> </div> <h1 style="margin: 10px 0;">انکا</h1> <div style="border: 1px solid black; padding: 5px; margin: 5px auto; width: 80%;"> <b>ڈیجیٹل</b> </div>
<b>قیمت: 40/- روپے</b> <b>ڈاک خرچ: 23/- روپے</b>	<b>قیمت: 60/- روپے</b> <b>ڈاک خرچ: 23/- روپے</b>	<b>قیمت: 60/- روپے</b> <b>ڈاک خرچ: 23/- روپے</b>

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802551 5802552-5895313

kitablat1970@yahoo.com

رابطہ کیلئے: C-63 فیئر II ایکسپریس روڈ ایف جی لے مین روڈ کراچی

## کتابیات پبلی کیشنز

جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ عورت نئی اور شراب پرانی اچھی ہوتی ہے۔ اسی لحاظ سے اس کی قیمتیں بھی زیادہ ہوجاتی ہیں۔“

”میرے لیے یہ نئی بات ہے۔ میری الماری میں آن بھی غنی صاحب کی برسوں پرانی کئی بوتلیں چھپی ہوئی ہیں۔ میں نے اپنی دانت میں چالا کی دکھائی تھی کہ ان کی لاطلی میں ان کی بوتلوں کو پرانا کر دی گئی۔ آج آپ نے حقیقت بتا کر میری ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔“

”اسی لیے علم کو جمالت کی موت کہتے ہیں۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”میاں علم اور جمالت کا ذکر کہاں سے آیا؟“ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

”جمالت نہ جاننے کا دوسرا نام ہے اور علم کا مطلب ہی جاننا ہے۔ حقیقت جانتے ہی وہ بت پاش ہو گیا جو تم نے کچھ نہ جانتے ہوئے تراشا ہوا تھا۔ یہ کوئی موضوعاتی بات نہیں ہے۔ اس کا تعلق چوتھی سے لے کر کائنات کے پیچیدہ ترین رازوں تک سے ہے۔“

”آپ جو کچھ کہتے ہیں اس کے حق میں دلائل دیے جاتے ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ آپ کو اپنی کی ہوئی کوئی بات واپس لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ جو کہتے ہیں اس پر جم جاتے ہیں۔“

”سوچ سمجھ کر بولا جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں بحث برائے بحث کا قائل نہیں ہوں۔“

”لیکن آپ نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا“ اس نے مجھے یاد دلایا۔

”کون سا سوال؟“ میں نے انجان پن کے پوچھا۔

”سارا“ اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

”میرے ساتھ کلف نہ کریں۔“

”میں کلفات کا قائل ہی نہیں ہوں۔ اس وقت بے ہوشی کی نہیں ہوش کی ضرورت ہے“ میں نے مضبوط لمبے میں گول مول جواب دے کر تادہ کو خاموش کر دیا۔

چائے ختم کرنے کے بعد اسے کچھ اور یاد آگیا۔ اس بار وہ مجھ سے معذرت کر کے ادھر گئی تھی۔

اس کی غیر موجودگی میں میں نے سوچا کہ میں گھر سے باہر نکل کر سلطان شاہ کو بلاؤں اور پھر ہم اسی کے ساتھ مقبول آباد سے روانہ ہو جائیں لیکن پھر وہی بات تھی کہ سلطان شاہ تادہ کی نظروں میں آجائے۔

ذرا تنگ دھم کے دروازے پر دستک کی ہلکی سی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔

میرے اٹھنے سے پہلے ہی اس دروازے کے ہضمی قفل میں چابی گھومنے کی غصہ آواز ابھری اور میرا دل اچھل کر قفل میں آگیا۔ نہ جانے وہ کون تھا اور کس مقصد سے آیا تھا۔

”حمیس اپنی ہنس کے گھر کا فون نمبر تو یاد ہے نا؟“ میں نے بات بدل دی۔

”اچھی طرح۔۔۔ وہ میری اگلی ہی ہنس ہے۔ اس کا میاں فوج میں کرل ہے۔ آج کل اس کی پوسٹنگ رجمیر پارخان میں ہے۔ سنا ہے کہ وہ بہت خوب صورت اور زندہ شہر ہے جہاں رات گئے تک روٹھیں ماند نہیں پڑتیں۔ مجھے وہ شہر دیکھنے کی بڑی آرزو ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ تم اپنے ہنسوں کو مٹا لو گی“ میں نے جواب میں کہا۔

”ایک بات ہم بھول رہے ہیں“ وہ چونک کر بولی ”ہمارا غیر موجودگی میں جیت طرے کھانے پینے اور دوسری ناگزیر ضروریات کا کیا بنے گا؟ بھوکا پیاسا نہ کر تو وہ چند ہی روز میں مرجائے گا۔“

”یہ باتیں قبل از وقت ہیں۔ ابھی اسے زیر دام آئے ایک گھنٹا بھی نہیں ہوا۔ اس کے مقدر کا انحصار گیری پارٹ کے جوابی رویے پر ہوگا۔ وہ چاہے گا تو جیت طرے زندہ رہے گا ورنہ ہم اسے بھول جائیں گے۔“

”میرا خیال ہے کہ اب میں ان مسائل میں سر نہ کھاؤں۔ سوچنے کا کام آپ کے لیے چھوڑ دوں۔“

”ایسا کر لو تو میں تمہارا نمونہ رہوں گا۔ سوچنے سے کیسی زیادہ مشکل کام دوسروں کو اپنی بات سمجھانا ہے۔ باتوں میں ایسے ایسے تادہ الوجود سوال سامنے آتے ہیں جن کا عملی دنیا سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔“

”سوچنے کے لیے آپ کو کسی سارے کی ضرورت ہو تو میں اس کا بندوبست بھی کر سکتی ہوں۔“

”کیسا سارا؟“ اس بار میرے چوتھے کی باری تھی۔

”آپ کو معلوم ہے کہ غنی صاحب آگ سے کھیل رہے تھے اور دن رات دوسو سالوں میں گھرے رہتے تھے۔ جب وہ زیادہ پریشانی کے عالم میں ہوتے تھے تو اپنا ذہنی بار بٹا کرنے کے لیے شراب پیتے تھے۔ اس وقت بھی میرے گھر میں بہت سی قیمتی شرابوں کا ذخیرہ موجود ہے۔ آپ چاہیں تو مشغل کر سکتے ہیں۔“

”تو کیا غنی کے ساتھ تم بھی پتی رہی ہو؟“ میں نے اسے گھورا۔

وہ ہنس پڑی ”مجھے پینے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی۔ غنی صاحب کی باتوں سے اتنا فائدہ ہو جاتا تھا کہ اس سرور کے سامنے ہر شے چھ نظر آتا تھا۔ محبت کا نشہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ وہ ذہنی غنی کا ہی چھوڑا ہوا ہے؟“

”جی۔ رکے رکے وہ ساری شراہیں پرانی ہو رہی ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ پرانی شراب مہنگی ہوتی ہے۔“

”شرابی کی بیوی ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ شرابوں کے بارے میں تمہاری معلومات کافی زیادہ ہیں لیکن میں یہ بتا دوں کہ بوش میں ہزار برس رہنے کے بعد بھی کوئی شراب پرانی نہیں ہوتی۔ اسے نکڑی کے پیوں میں مخصوص حالات اور قفل سے گزار کر عمر دی



جانے کے بعد وہ بھی خاموشی سے یہاں سے رخصت ہو جائے گا اور اپنے گھر کے بجائے کجراؤالہ میں اپنے کسی رشتے دار کے گھر جائے گا۔ آپ کا کیا پروگرام ہے؟  
 ”جیہاں! میں ایک جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا“ میں صرف بشیر کی واپسی کا خطرہ تھا۔“

”بے چارہ بہت آزرہ ہو رہا ہے۔ اب اس کا مذاق نہیں اڑائیے گا“ وہ میرے قریب ہو کر سننائی۔  
 ”تم جیسی ماکن سے پھرنے پر ہر شریف انفس ملازم آزرہ ہو گا۔“

”کیس تو بشیر سے اپنی گاڑی نکلوا لوں۔ وہ ہمیں چھوڑ کر گاڑی واپس لے آئے گا۔“  
 ”اب ان غروں کا وقت نہیں ہے۔ جیت لڑکی واپسی میں جتنی تاخیر ہوتی چلی جائے گی، اس کے خوں خوار حامیوں کے ادھر آنے کا خطرہ بڑھتا رہے گا۔ گاڑی غائب ہوئی تو ہماری پول کلل جائے گی۔“

نادرہ نے اپنا سنری بیگ اٹھالیا۔ ہم دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ بشیر اپنی جگہ چھوڑ کر چھوٹکائے ہماری طرف چلا آیا۔ اداسی اس کے توانا چہرے پر پھنکار رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ میری موجودگی کی وجہ سے اس نے اپنے اوپر کراہ کر کیا ہوا تھا۔  
 ”گورے کی گاڑی کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟“ ان آخری لمحات میں مجھے وہ اہم سوال یاد آیا۔

”ڈرائیون سنیا میں!“ اس کے جواب پر میں خوشی سے بھونچکا ہوا گیا۔ اس نے موقع کی مناسبت سے بہترین جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ وہاں شو ختم ہوتے ہی لاوارث قیمتی کار کی موجودگی پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔

”وہاں وہ گاڑی صبح سے پہلے سب کی نظروں میں آجائے گی“ بشیر بھرائی ہوئی آواز میں وضاحت کر رہا تھا ”کافی دیر تک دماغ لڑانے کے بعد میں نے ادھر کا رخ کیا تھا۔“  
 ”شباباش! میں نے یہ رگنہ انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا ”تم نے گاڑی چھوڑنے کے لیے واقعی ایک انوکھی جگہ کا انتخاب کیا ہے“ وہ عمر میں مجھ سے بڑا ہونے کے باوجود انکسار سے جھک گیا۔

اسی لمحے میری جیب میں پڑے ہوئے ”جیت لڑکی“ کے ایش پر ہلکی ہلکی آواز ابھرنے لگی۔ میں نے ابتدا ہی سے ایک سیکنڈ کے لیے بھی ٹرانسیر کو آف نہیں کیا تھا۔ میں نے سرعت سے اپریش اپنی جیب سے نکالا اور اس کی آواز بڑھادی۔ نادرہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ بشیر کے لیے شاید وہ لاسکی آلہ نیا تھا۔ اس کی نمناک آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو کر پیشانی پر جا چمی تھیں۔ انگریزی پیغام اس کے لیے یقیناً ناقابل فہم تھا۔  
 ”میری ہارٹ کاننگ۔۔۔ چیف ڈی مشن میری آواز سن رہا ہو تو

میں نے دروازے کے قریب دیوار سے لگ کر اپنی جیب سے نکال لیا۔  
 رائنگ روم کا دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی اندرونی زینوں پر تھم گئی۔ میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر مزید حاکم کیا تاکہ دروازے سے کوئی اچھی چوہہ طلوع ہوتے یا تاخیر ناکر سکوں۔

”نہیں!“ اچانک اندر سے نادرہ کی نیم بڈائی سی چیخ ابھری۔  
 ”نہ چلائیے۔۔۔ وہ بشیر ہے!“  
 میں نے اپنا ہاتھ کر لیا اور بشیر پھرتی سے ڈرائنگ روم میں اس نے اندر آتے ہی دروازہ بند کر دیا۔  
 ”جیہاں! باہر خطرہ منڈلا رہا ہے“ بشیر نے کسی تمہید کے بغیر رانی ہوئی آواز میں کہا۔  
 ”کیسا خطرہ؟“ نادرہ جھپٹ کر اس کے قریب پہنچ گئی ”باہر تم پارکس؟“

”باہر بہت دیر سے ایک پرانی فوٹا کروٹا گھوم رہی ہے۔ میں بے کی وجہ سے اس میں موجود آدمی کا چہرہ نہیں دیکھ سکا مگر یقین ہے کہ وہ گورے کا کوئی خطرناک ساتھی ہے جو ہمارے گھر لینے کے لیے موقع کی گھات میں ہے۔ یہاں سے جاتے ہوئے نے اسے گلی کے کنارے دیکھا تھا۔ واپس آیا ہوں تو وہ گاڑی لکی ویران عمارت کے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔ اس کا رخ گھر کی طرف ہے۔“

میں اس کے ابتدائی فقرے سے ہی سمجھ گیا کہ اسے سلطان کی گاڑی کی طرف سے توثیق ہو رہی تھی۔ میں نے برا سامنے ”کما“ بلاوجہ ہمیں پریشان نہ کرو، تمہارا معدہ خراب معلوم ہے۔“

”آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں“ میرے استہزاء سے بے پروہ بکڑ اٹھیں اپنی آنکھوں کے دیکھے ہوئے کو کیسے جھٹکا سکا ہوں؟ ابھی نادرہ کھس آئے گا تو ہم سب کو چھٹی کا دودھ یاد دلادے گا۔“  
 ”سب کی نہیں“ صرف اپنی بات کرو۔ میں نے چھٹی پر دودھ بجائے شربت فولاد پیا تھا۔“

نادرہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور نہایت بے تکلفی سے اسے اپنے پہلو میں لے کر ڈرائنگ روم کے ایک گوشے کی طرف چل دی۔ بشیر کے ساتھ اس کا وہ اضطرابی رویہ کئی آن کی انیال سا رہا تھا۔

وہ دونوں اس گوشے میں کافی دیر تک دھیمی آوازوں میں لپکتے رہے۔ میں نے دانستہ ایک ایسی کرسی سنبھال لی جہاں دونوں میری پشت پر ہو گئے۔ ان کی یادگار الوداعی ملاقات کے پٹ پر میں کباب میں بڑی نہیں بننا چاہتا تھا۔ پتا نہیں وہ دونوں گدگد کے لیے ایک دوسرے سے پھرنے والے تھے؟

نادرہ واپس آئی تو قدرے لول اور افسردہ تھی۔ اس نے آتے نائے آگاہ کہا ”میں نے بشیر کو سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ ہمارے

ڈبے سے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر اسے ایک تھیل میں ڈال کر اترتا ہے۔  
 سے لے آؤ۔“

نادر کے چہرے کے تاثرات سے فوراً ہی ظاہر ہو گیا کہ وہ نیک  
مقصد بھانپ گئی تھی لیکن اس نے وہاں رکنے پر اصرار نہیں کیا اور  
بشیر کو ساتھ لے کر گیسٹ ہاؤس کی طرف چل دی۔ ان دونوں کی  
تاریک غلط کدے کی طرف روانگی پر میرے ذہن میں ایک مرتبہ  
پھر شیطان کلبایا لیکن میں نے سر جھٹک کر اپنی پوری توجہ اپریس  
سے ابھرنے والی آوازوں پر مرکوز کر دی۔

[illegible]

”تم سب ڈفر ہو۔ سارے سرکاری ملازم ایک جیسے ہوتے ہیں“ راس المیڈانے آواز بلند کیے بغیر تلخ و ترش لہجے میں اپنی برہمی کا اظہار کیا۔ ”اسے تم سے ہدایت لے بغیر آگے بڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تم جانتے ہو کہ پاکستانی دوستی اور دشمنی کے معاملات میں بہت جذباتی لمبک جھگی ہوتے ہیں۔ یہ اصولوں کی پروا کیے بغیر قیمت پر کامیابی کا ارادہ لے کر لڑتے ہیں، خود پس کر رہ جاتے ہیں اپنے بدمقابل کو پس ڈالتے ہیں۔ کون سوچ سکتا تھا کہ وہ ہاسٹلر کا اولاد ڈبئی، کاڈیو سوچ کا منہ کر الین کے کیمپ میں گھس آئے گا، الین آکسیجن ٹینٹ میں شاید اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہے ہیں اور میں.... خیر مجھے چھوڑو اور میرے سوال کا جواب دو۔ اور!“

”سر! اسلام آباد میں میرا ایک ٹھکانا نہیں تھا۔ میں مختلف وزارتوں اور دفاتر کے درمیان چکر لگا رہا تھا۔ میرے سوا کسی تم سے براہ راست بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ عورت پنجرہ دی تھی۔ اس پر ہم نے کافی کام کیا تھا۔ اس سے ہر وہ اعتقاد قائم کیا گیا تھا جو اسے خوش کر سکتا تھا، جیت انتظار نہیں کر سکا۔۔۔ اب میں اس کی تلاش میں نکلنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ انجیکٹر جین ہمارا بہت قیمتی اور تجربے کا راز ہے۔۔۔ اور!“

”میں تمہیں بتا چکا ہوں“ راس المیدا کی آواز تھم رہی تھی۔  
 ”نیویارک کا نمونے پاکستان میں امریکنوں کی برہمن ہوئی ہلاکتوں۔  
 بارے میں مترو دن میں چار خبریں لگتی ہیں۔ میرا بیٹا نیچر کے  
 ہے کہ اخبار والوں نے اندر کی خبریں نکالنی شروع کر دیں۔  
 طرفان آجائے گا۔ ان ہلاکتوں کو سی آئی اے اور فارن آفس۔  
 سر ڈال دیا جائے گا۔ سب لوگوں کی نقل و حرکت پر حفاظت  
 خاطر ابندی لگائی گئی ہے۔ ابھی صرف جھٹ لایا ہے۔ ایسا ہوگا

جواب دے۔۔۔ گیری ہارٹ برائے چیف۔۔۔ اور! "مختصر ریڈیائی  
تقوں سے خالص امریکن لب ولہجے میں وہ پیغام نشر کرنے کے بعد  
بھاری اور تھکامانہ آواز خاموش ہوگئی اور لاکن پر ہلکا ہلکا ریڈیائی  
شور گونجنے لگا۔

اچھلے گا۔ ان خبیثوں کی سرکوبی کے سلسلے میں میرا منصوبہ دھیرے دھیرے کامیابیوں کی طرف بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

”ان کے گرد جال کس رہا ہے“ میں نے کہا۔ میری آواز سننے ہی تارہ کا چہرہ خوف سے زرد ہو گیا اور وہ اپنے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ کر مجھے خاموش ہونے کے اضطرابی اشارے کرنے لگی۔

میں نے اس کی تشویش کا سبب سمجھتے ہوئے اسے بتایا ”اپنی عام حالت میں ایسے اپر سنیک طرف کام کرتے ہیں۔ اس وقت یہ آلہ صرف ریسورس ہے جو دوسری طرف کے پیغامات وصول کرے گا۔ ٹرانسپیر، یعنی پیغامات نشر کرنے والے آلے کا کام نہیں کرے گا۔ یہاں ہم بھی بچت جائے تو آواز دوسری طرف نہیں سنائی دے گی۔ جب ایک ٹین باک ہم اس پر اپنی آواز دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں گے تو جب تک وہ مخصوص ٹین باک رہے گا، یہ آلہ صرف ٹرانسپیر بنا رہے گا، دوسری طرف کا کوئی پیغام وصول نہیں کرے گا۔“

”خدا کا شکر ہے کہ آپ یہ سب جانتے ہیں“، مارہ کے دہان سے اطمینان کا ایک گھبرا سانس خارج ہو گیا ”میری توجان ہی، مگر معنی تھی کہ آپ بے خبری میں اپنی آواز انہیں سنا رہے ہیں۔“

”اٹ از کیری ہارٹ فار چیف ڈی مشن.... اور!“ خاسے طویل انتظار کے بعد کیری ہارٹ نے دوبارہ اپنا پیغام نشر کیا تو اس کی آواز میں غصے اور جھٹکا ہٹ کی آمیزش تھی۔

”چیف آن لائن... کم آن... اور!“ اس بار چند سیکنڈ بعد ہی جواب آگیا۔ وہ آواز میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ ریڈیا کی شو اور تبدیلیوں کے باوجود میں اس الیڈا کی آواز لاکھوں آوازوں میں پہچان سکتا تھا۔

”سزا“ سی آئی اے کے اسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ آواز موبانہ ہوگئی ”میں شام کی پرواز سے کراچی لوٹ آیا ہوں تمہارے ساتھ پیش آنے والے انہو سنک سانے پر میں پورے انتظامی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اب وہ ولد الحرام ہماری گرفت سے نہیں بچ سکا۔ ساری سرکاری ایجنسیاں حرکت میں آچکی ہیں۔ ہم واضح ثبوت کے بغیر انٹیلیٹ ٹاسک فورس کا نام نہیں لے سکتے لیکن میں نے بالواسطہ دباؤ کے حربے استعمال کرنا نہیں مجبور کر دیا کہ اس فورس کے اوّل خان کو پورے احتیاط کے ساتھ بحال کر کے ڈبئی کی گرفتاری پر مامور کر دیا جائے۔ آ اس کے لیے احکامات جاری ہو گئے ہیں۔“

وہ بہت نازک گفتگو تھی۔ میں نے نادروہ کو وہاں سے ٹالنے کے لیے کہا ”تم دونوں گیٹ بند روم میں جاؤ اور میرے سامان

پارٹی بھی ہو سکتی ہے۔ میں خود دوسرے ٹھکانوں پر مقدر آزمائی کروں گا۔۔۔ اور!"

"جیت لڑکھاگ اور تجربے کا نہیں، محض اُلو کا پٹھا ہے" راس الیڈا کا پارہ اچانک چڑھ گیا "وہ اپریش کیوں لے گیا؟ وہ پھنسا تو ہمارا یہ مواصلاتی نیٹ ورک برباد ہو جائے گا۔ اتنی بڑی اور اہم خیر تم ساری کمائی کے بعد سنا رہے ہو۔ میں صرف دیکر کسکتا ہوں کہ جیت کا اپریش اس وقت اسی کے پاس ہو۔ اب جیت یا اپریش کے بارے میں کوئی خبر لےنے سے پہلے میں اپریش پر بالکل بات نہیں کروں گا۔ چاہے تمہیں پاتال میں جانا پڑے۔ مجھے صبح نمودار ہونے سے پہلے خبر چاہیے۔ صرف خبر!۔۔۔ اچھی اور بری سے کوئی غرض نہیں۔۔۔ اور اینڈ آل۔"

وہ گفتگو سنسنی خیز اور چشم کشا تھی۔ اس نے معاملات کی بہت سی گم شدہ کڑیوں کو خود بہ خود یک جا کر دیا تھا۔ پورے کھیل کا محور اور مرکزی کردار صرف اور صرف راس الیڈا تھا۔ چھ کونوں والے داؤدی ستارے کو جبرک اور مقدس سمجھنے والے اس متعصب اور سسل پرست یہودی ارب جی کی ذاتی دہشت گرد تنظیم کا نام ہی ڈیوڈ اشارز تھا جس کو سی آئی اے جیسے رسوائے زمانہ امریکن ادارے کی بھرپور اعانت کی کمائی میں چند لمحوں پہلے اپنے کانوں سے سن چکا تھا۔ راس الیڈا ایک طرف پاکستان کو تیسرے درجے کا حقیر ملک قرار دے رہا تھا دوسری طرف ریشہ و دانیوں کی براہ راست سرپرستی کے لیے خود کراچی میں موجود تھا۔ پاکستان میں اپنی سازشوں کو پروان چڑھانے کے لیے اس نے دو فعال ٹکون بنائے ہوئے تھے جن میں اس کی ذات مشترک تھی۔ پہلی ٹکون میں اس کے ساتھ ایلن سیفریال اور پیٹر لنگ تھے، دوسری ٹکون میں گیری ہارٹ اور جیت لڑکھا تھے۔ پیٹر جنم واصل ہو چکا تھا۔ جیت اسیر تھا، ایلن مصنوعی تیغ کے سہارے اپنی زندگی کے آخری سانس پوری کر رہا تھا اور سب سے بڑی بات یہی تھی کہ راس الیڈا میرے مقابلے میں پے در پے ناکامیوں اور بڑھتی ہوئی ہلاکتوں سے خائف تھا۔

جیت لڑکے کے بارے میں گیری ہارٹ کی حد سے بڑھی ہوئی پڑامیدی تھی۔ پس منظر میں، میں ان لوگوں کی اس ذہنی اذیت کا بہ خوبی اندازہ کر سکتا تھا جو ڈرائیو ان سینما میں کھڑی ہوئی بی ایم ڈبلیو سے جیت لڑکے کی جلی ہوئی ہینڈل پر آمد ہونے پر ہوئی۔ گیری ہارٹ کا تادمہ کی طرف بذات خود آنے کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ جن لوگوں کو بھی ادھر بھیجتا، وہ بھیجی کی سے جیت لڑکے تلاش کرنے کے بجائے تادمہ کے بھرے پرے اور خالی مکان کی لوٹ مار میں زیادہ دلچسپی لیتے۔ میں چند لمحوں تک تما کھڑا کی سب سوچتا رہا جیسے میرے سوا وہاں کوئی اور ذی روح موجود نہ ہو پھر اچانک ہی مجھے تادمہ یاد آئی۔ اسے میرے ساتھ جانا تھا۔

میں نے اسے اپنے دستی بموں وغیرہ کا پیکٹ لینے کے لیے میسٹ دوم میں بھیجا تھا۔ وہ بمشکل ایک ڈیڑھ منٹ کا کام تھا لیکن

لوٹی بھی تمہاری تلاش میں باہر نکلنے کی بہت نہ کر سکے ہم رہے کے اس حقیر ملک میں اپنے کتنے آدمی گموا نہیں گے؟

خبر والوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں، سرا، گیری ہارٹ بھی زہریلی ہو گئی "ان نامہ نگاروں کے معدوں میں سرخس اور قیمتی شرا میں گلے تک بھری ہوئی ہوں تو یہ اپنی میز پر بیٹھ۔ فون کی مدد سے خبریں ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ ان کے برعکس میں خالی ہوں تو یہ خبروں کی تلاش میں نکلتے ہیں۔۔۔ ذات میرے لیے گناہ ہے مگر تم مجھ سے اور میرے فرائض سے اچھی طرح واقف ہو۔ اپنے میڈیا نیجرے کو کہہ ڈالو کہ استعمال کیجئے۔ اپنی ناکامیوں کا جو از پیش کرنے کے بجائے اطلاعات دے۔ میں جیت کو ضرور تلاش کروں گا۔ اور!"

پہلے یہ انکشاف حیران کن بلکہ بڑی حد تک ناقابلِ باور تھے۔ ایلن اور پیٹر، راس الیڈا کے کردار سے اس حد تک تھے کہ وہ تینوں ایک ساتھ رہ رہے تھے جب کہ سی آئی اے اسٹنٹ ڈائریکٹر کو اپنے چیف ڈی مشن یا سربراہ کے بارے میں مطلع نہیں تھا۔

گیری! "راس الیڈا اپریش پر غرا رہا تھا "تمہیں اپنی پیش کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے لیکن میرا خیال ہے کہ ساتھ گستاخی کے مرکب ہو رہے ہو۔ میں اپنے نیچے کام والوں کی اتنی آزاد روی برداشت نہیں کرتا۔ میرے ساتھ احتاط رہنا ہو گا۔ اور!"

"سوری سرا، گیری ہارٹ کا لہجہ فوراً معذرت خواہانہ ہو گیا۔ ناطر میرا میں برس کا ساتھی ہے۔ شاید اسی وجہ سے میں ہو گیا تھا۔ میں دوبارہ معافی چاہتا ہوں۔ اب میرے لیے کیا ہے؟ اور!"

"اسی شخص کی وجہ سے جی لائیو وحالت ہاؤس سے نکلتے مارا گیا اور میرا جم کلاک موت سے ہم کنار ہوا۔ اگر ہم آدمی کے سامنے اتنے ہی بے بس ہیں تو ہمیں اپنے آدمیوں کی نادمہ کے بجائے مبرو سکون سے اس وقت کا انتظار کرنا ہے جب ہمارے ستارے یاد اور ہوں۔ اپنے فیصلے کا اختیار میں تم دیتا ہوں۔ یہ تمہارا سولو مشن ہو گا۔ کوئی امریکن تمہارے نہیں ہو گا۔ تم کرائے پر مقامیوں کا لشکر بھی خرید لو تو مجھے شے نہیں ہو گا مگر میں جانتا چاہوں گا کہ تم کدھر جاؤ گے اور کیا کئے۔ اور!"

"سرا میں نے فرض کیا ہوا ہے کہ جیت، ہیروئن کے کسی ضحیر یا اسٹورکری بیوی کے بس کی چیز نہیں ہے۔ مجھے اس بارے میں شک نہیں ہوتا تو میں اپریش ہرگز استعمال نہ کرتا کیونکہ ایک لاجیت بھی لے گیا ہے۔ وہ یقیناً کہیں اور الجھ گیا ہے ورنہ اپریش پر ہماری گفتگو سن کر درمیان میں دخل ضرور دیتا۔ چھ مقامیوں کو تادمہ کی طرف بھیجیو گا۔ ان میں کوئی پولیس

تب بھی کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا۔" نادہ کی آواز میں ہلکا سا غماز تھا۔  
پوچھتا تھا۔

"اسے تم میری غلط فہمی کہہ سکتی ہو۔ آج کل بے روزگاری کی لہر کی وجہ سے بشیرے گریجویٹ بھی اپنا پیٹ پالنے کے لیے گھروں میں نوکریاں کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ بشیر تو چرب مرے سے بھی سلیقہ مند اور تعلیم یافتہ نظر آتا ہے۔"

"میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ بشیر اس گھر میں آج کا نہیں پندرہ بیس سال پرانا ملازم ہے۔ اس زمانے میں بڑے لکھے لکھے لوگوں میں نوکری کو سخت ترین توہین سمجھتے تھے کیونکہ بے روزگاری اتنی عام نہیں تھی۔"

ہم کھلی سے سروس روڈ پر آئے تو سلطان شاہ کی کردلا ایک دیوار کے ساتھ کھڑی ہوئی نظر آئی۔ اس طرف اتنا اندھا تھا کہ گاڑی کی اگلی نشست پر کسی کی موجودگی یا غیر موجودگی میں تیز کرنی مشکل تھی۔

"میں بشیر کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اس کے بارے میں اتنی لمبی بحث کی جائے" میں نے اکتائے ہوئے لمبے میں کہا "اس کی ذہنی سطح کا یہ عالم ہے کہ وہ ہمیں باہر کسی مشتبہ کار کے مسئلے کی خبر سن کر دہشت زدہ کرنا چاہ رہا تھا۔ اب تم خود دیکھ رہی ہو کہ ہر طرف میدان صاف ہے، کہاں گئی وہ مشتبہ کار؟"

"اسے بھول کر یہ بتائیں کہ وہ کون سی اہم باتیں تھیں جو آپ مجھے سنوائی جا رہے تھے؟"

"یہ تو ختم نے سن ہی لیا تھا کہ اس لاسکی گفتگو کی ابتدا گہری ہارٹ نے کی تھی۔ دوسری طرف سے اس کے مشن کا سربراہ بول رہا تھا۔ اسی سے تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ یہ لوگ یہاں کتنے بڑے پیمانے پر منظم اور فعال ہیں اور کس بری طرح میری گرفتاری کے لیے بے تاب ہیں۔"

"میں گہری ہارٹ کی باتیں سن کر ششدر رہ گئی تھی۔ ایک آدی کی گرفتاری کے لیے سی آئی اے کے کسی اسٹنٹ ڈائریکٹر میدان میں آتا ہی بہت غیر معمولی بات تھی لیکن یہاں اس کا بھر سربراہ موجود ہے۔"

"انہوں نے تمہارے معاملے میں میرے رہے سے شبہات بھی تصدیق کر ڈالی تھی۔ گہری ہارٹ کا کہنا تھا کہ ہمیں راہ راست پر لانے کے لیے ہر وہ اہتمام وعدہ کیا گیا تھا جو ہمیں خوش کر سکتا تھا یعنی اول تا آخر، ان کی ہر بات لغو اور بے بنیاد تھی۔ غی کی رہائی کی پیش کش ہمیں خوش کرنے کے لیے کی گئی تھی۔"

ہم سروس لین سے گزر کر شارع فیصل کے بلند کنارے پہنچے۔ پتہ تھے۔ میں نے ایک خالی جیسی کو رکھ کر اشارہ کیا اور پھر نیلے لکڑی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جیسی ڈرائیور کی موجودگی میں اپنے پسندیدہ موضوعات پر بات نہیں کر سکتے تھے اس لیے جیسی نے خاصی دیر تک خاموشی چھانی رہی پھر نادہ نے سکوت توڑنے کی

وہ کافی دیر سے بشیر کے ساتھ وہاں جمی ہوئی تھی۔  
میں نے اسے نام لے کر پکارا تو اس نے بوجھل سی آواز میں  
"آری ہوں" کہہ کر میری بات کا جواب دیا لیکن فوراً ہی نمودار

نہیں ہوئی۔ ویسے بھی گیسٹ ہاؤس دوم سے اندر کی طرف ٹکس کا دروازہ ڈرائنگ روم سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ پہلے بشیر سر جھکائے آتا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک وزنی شاپنگ بگ تھا جس میں شاید میرا لایا ہوا دستی بھوں وغیرہ کا ڈبا تھا۔ نادہ مست خرامی کے انداز میں اس کے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

انہیں دیکھ کر اچانک ہی میرا دردِ ان خون تیز ہو گیا۔ میرا دل چاہا کہ انہیں اتنی دیر تک غائب رہنے پر ذلیل اور شرمندہ کروں لیکن میں نے جبر کے لیے اپنی زبان بند رکھی۔

ضروری نہیں تھا کہ ان دونوں کے مراسم کے بارے میں میرے اندیشے درست ہوتے۔ آدی کسی بھی معاملے کے بارے میں کوئی رائے قائم کر کے اس کا جائزہ لینے لگے تو اسے ہر موڑ اپنے اندیشوں کے عین مطابق نظر آنے لگتا ہے اور اگر ان دونوں میں بائیں اور ملازم سے ماوراء کوئی اور رشتہ بھی استوار تھا تو مجھے اس پر بھڑکنے یا مشتعل ہونے کا کوئی حق نہیں تھا۔ وہ کون سے میرے عزیز رشتے دار یا دوست تھے اور پھر جس کے دیدوں کا پانی ڈھل جائے باتوں سے اس کا کچھ نہیں بگاڑا جاسکتا۔

میں نے اپنے ذہن والا تھیلا بشیر کے ہاتھ سے لے لیا اور دروازے سے نکل گیا۔ نادہ اپنا سفری تھیلا اٹھا کر خاموشی سے میرے پیچھے ہوئی۔ بشیر اس وقت تک ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑا والماند انداز میں ہاتھ لہراتا رہا جب تک ہم چوبی چھانک عبور کر کے احاطے سے سڑک پر نہیں آ گئے۔

"تم نے کمرے سے ڈبائے میں کافی دیر لگادی" باہر نکل آنے کے بعد میں اپنے دل میں مجھے ہونے غبار پر قابو نہیں رکھ سکا اور نادہ سے پوچھ ہی بیٹھا "تم نے گفتگو کے بہت اہم حصے نہیں سنے جو ضروری تھے۔"

اس سے بات کرتے ہوئے بھی میری نظرس متوجہ انداز میں پوری کھلی کا جائزہ لے رہی تھیں لیکن مجھے سلطان شاہ کی گاڑی کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"میں بشیر کے ساتھ دانستہ اس کمرے میں رکی کیونکہ وہ آپ کا بھانہ تھا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ آپ اس وقت مجھے وہاں سے ہٹانا چاہ رہے تھے۔ میں نے فوراً واپس آ کر دوبارہ دخل انداز ہونا پسند نہیں کیا۔"

"ہمیں نہیں" میں بشیر کو وہاں سے ہٹانا چاہ رہا تھا" میں نے فوراً ہی قلابازی کھائی "پیش پر ہونے والی اہم اور خفیہ گفتگو ہر ایک کو نہیں سنائی جاسکتی تھی۔"

"آپ کی وہ خواہش غیر ضروری تھی کیونکہ گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی اور بشیر انگریزی سے نیکر نا بلند ہے۔ وہ وہاں موجود رہتا



کا میاں ہوا حاصل کی ہیں۔ ہمارے چہرے سے خوشی بھولی پڑی ہے۔“

”وہ ٹادہ کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے“ میں نے سلطان شاہ کو گھورا تو وہ گھبرا کے ہولا ”میرا مطلب ہے کہ ایک بے بس اور مظلوم عورت کی مدد کے بھی خوشی حاصل ہو سکتی ہے۔“ میں نے انہیں دوسری ٹھنکی کی آواز تک مبر کرنے کی ہدایت کی تاکہ غزالہ بھی ٹادہ کو منتقل کرنے کے بعد اس مظلوم شریک ہو جائے اور میں ان سب کو ایک ساتھ تھیلیاں تیار چلا جاؤں۔

اس سلسلے سے فائدہ اٹھا کر میں نے اپنی جیبوں میں سہوہ ہتھیار اور دستی بم نکال کر ایک طرف رکھ دیے اور آخر میں جیت لڑا کر اپنی سبھی تپائی پر رکھ دیا۔

”یہ جیت سے چھپنا ہے؟“ ویرا نے اسے اٹھا کے بے ساختہ سوال کیا۔

”ہاں۔ اور میں اس پر اس المیڈا اور گہری ہارٹ کی طویل گفتگو بھی سن چکا ہوں۔ تمہیں سن کر حیرت ہو گی کہ یہاں سی آئی اے کے اعلیٰ افسران اس المیڈا کی سربراہی میں کام کر رہے ہیں اور انہیں قطعی علم نہیں ہے کہ ان کی سربراہی کرنے والا کون ہے۔“

”پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اس المیڈا ان لوگوں پر مامور ہے؟“ ویرا نے پوچھا۔

”تم بھول رہی ہو کہ الین کی کہیں گاہ پر میں نے ہتھیار باندھا کے لیے اس سے براہ راست مذاکرات کیے تھے۔ میں نے اپنی سبھی اس کی آواز پہچانی ہے۔“

فلپ میں دوبارہ ڈورنیل بچنے سے میری بات ادھوری رہ گئی۔ شاید غزالہ جلد از جلد اپنی ذمہ داری پوری کر کے ہمارے ساتھ شامل ہونے کے لیے بے چین تھی اور میں خود بھی اسی کا منتظر تھا۔

”جیت کو تم نے تشدد سے معذور کیا ہو گا؟“ سلطان شاہ نے انداز سے کہا۔

”بہت زیادہ تشدد کی نوبت ہی نہیں آئی۔ بس ہم گن سے اس کی ایک پنڈلی جل کر اگ ہو گئی۔“

چند سینکڑے بعد غزالہ بھی اسی کمرے میں آگئی۔ اس کے ہاتھ میں ٹادہ والے بیڑہم کی چابی تھی۔ باہر سے دروازہ منتقل کئے جانے کے بعد وہ چابی بھی تو اندر سے دروازہ نہیں کھول سکتی تھی۔ ”کہانی کہاں تک پہنچی ہے؟“ غزالہ نے آتے ہی سٹرا کے پوچھا۔

”ابھی کہانی شروع ہی نہیں ہوئی۔ ہمارے آئندہ کا انتظار کیا جا رہا تھا“ میں نے کہا ”ٹادہ کو تم کس زمانے سے قید کر کے آئی ہو؟ وہ بہت چالاک عورت ہے۔“

”میں نے اسے بتایا ہے کہ ہم سے ملاقات کے لیے ایک بے

ڈورنیل بھا کر دروازہ کھولتی اور بند کرتی رہو تاکہ ٹادہ خوف زدہ ہو کر باہر نکلے گا جو صلہ نہ کر سکے۔ میں ویرا کے کمرے میں جا رہا ہوں۔ بعد میں ہم ڈرائنگ روم میں بیٹھ جائیں گے“ میں نے جلدی جلدی غزالہ سے کہا۔

ایسے معاملات میں غزالہ ہمیشہ مجھ سے تعاون کرتی چلی آئی تھی۔ اس نے فوری طور پر کسی جتنس کا مظاہرہ کیے بغیر میری بات مان لی اور کہا ”میں خود بھی اسے متوقع مہمانوں کے بارے میں بتا کر اپنے کمرے میں منتقل کروں گی تاکہ ہم آزادی سے چل پھر سکیں۔“

میں نے پھر اسے اس کے رخسار پر ہلکی سی چھکی دی اور ویرا کی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔

اندرونیچے ہی میں نے سلطان شاہ کو شاباش دی کہ اس نے مجھ سے پہلے گھر پہنچ کر سب کو مار دیا۔ آئی کی خبر سے مطلع کر کے مجھے کئی پریشانیوں سے بچا دیا تھا۔ اس نے بتایا کہ ٹادہ کے ہاتھ میں سٹری بیٹ دیکنے کے بعد اسے خیال ہوا تھا کہ میں ٹادہ کو کسی ہوٹل میں چھوڑوں گا پھر بھی اس نے گھر میں سب کو ہوشیار کر دیا تھا۔

”لیکن یہ یہاں کیوں آئی ہے؟“ ویرا نے اشتباہ آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ ان دونوں سے باقی ہو کر مجھ سے مل گئی ہے۔ اسے ان سے تحفظ درکار ہے“ میں نے کہا۔

”کیا تم نے یہاں کوئی قیدی خیمہ خانہ کھولا ہوا ہے جہاں شہر بھر کی تمام مظلوم اور خوب صورت عورتوں کو پناہ دینا لازم ہے؟“ ویرا نے جلد سے لے کر پوچھا۔

میں نے ہلکی سی ہنس کر کہا ”غزالہ کے سامنے ایسی جلی کئی باتیں شروع کر دیتا۔ اپنی بہن کو سنانے کے بعد وہ ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نہیں ٹھہرتی۔ اس کے چکر میں الجھ کر تم اہم ترین باتوں کو نظر انداز کر رہی ہو۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ سرخانی ایم ڈبلیو سے آنے والے گورے کو تم اس مقام کی قیدی چھوڑ کر آئے ہو جو بعد میں بی ایم ڈبلیو کہیں پہنچ کر جیسی سے واپس آیا تھا۔“ سلطان شاہ نے کہا۔

”میرا منصوبہ میری توقعات سے کہیں زیادہ کامیاب ثابت ہوا ہے۔ میں نے کہا ”تم نے دیکھ لیا کہ جیت طرہ پروگرام کے مطابق بے خوفی سے ٹادہ کے گھر پہنچا پھر اسے وہاں سے لٹکانا نصب نہیں ہو سکا۔ ہمارے نکل آنے کے بعد ٹادہ کا مقامی ملازم بھی وہاں سے نکل بھاگا ہو گا۔ اس گھر میں اب صرف معذور جیت طرہ رہ گیا ہے۔“

فلپ میں ڈورنیل کی آواز گونجی تو وہ دونوں چونکے گھر میں انہیں اطمینان دلایا۔

”چچ می سے قہے سنانے کے بجائے پوری کہانی سناؤ“ ویرا سگریٹ سلکا کے بولی ”معلوم ہوتا ہے آج تم نے کچھ زیادہ ہی

”میں نے بھی سوچا تھا کہ لیکن میں اس کام کے لیے فائدہ کا فون استعمال نہیں کر سکتا۔“  
”کیوں؟ اس میں کیا حرج ہے؟ اس فون پر کون سا آپریٹیشن لگا دیا گیا ہو گا۔“

”مواصلات کی دنیا میں اب سالوں کے بجائے گھنٹوں کے حساب سے ترقی ہو رہی ہے۔“ میں نے کہا ”آپریٹیشن اب بہت پرانی بات ہو گئی ہے۔ میں چند روز پہلے اخبار میں پڑھ رہا تھا کہ امریکا میں بازار میں ایسے ٹیلی فون سیٹ آگئے ہیں جنہیں ڈیجیٹل ایکنیج کے کسی بھی نمبر پر استعمال کیا جائے تو باہر سے فون آنے کی صورت میں گھنٹی بجتی ہی ایک اسکرین پر وہ نمبر بھی روشن ہو جاتا ہے جہاں سے فون کیا جا رہا ہو۔ اس طرح آپریٹیشن کے بغیر ہی ہر آنے والی کال کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے حریف یہاں اس سولت سے استفادہ کر رہے ہوں۔ میں انہیں باہر کے کسی پبلک ہوتھ سے فون کروں گا۔“

”اخبار میں بھی دیکھا ہوں لیکن ایسی خبریں میری نگاہ میں نہیں آتیں۔“ سلطان شاہ چڑچڑے لیے میں بولا ”پتا نہیں تم اخبار میں کیا کیا پانے رہتے ہو۔“

”یہ کوئی خبر نہیں تھی۔ خبر پرانی ہو چکی ہے۔ میرے سامنے کوئی اخباری مضمون تھا۔“

”آپ گیری ہارٹ کو ضرور فون کریں۔ وہ موجود نہ ہو تو جو بھی موجود ہو“ اسی کو بتادیں۔ اگر وہ یہاں ہونے والے جانی نقصانات سے اتنے ہی خائف ہیں تو جیت لڑکا انجام ان کے ہوش اڑا کر رکھ دے گا۔“ غزالہ بولی۔

”ابھی باہر جاؤں گا۔“ غزالہ کو جواب دے کر میں سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ”مجھے جیت لڑکا کی بانی کی ذرا بھی امید نہیں۔“ جیس اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری پوری کرنی ہوگی۔  
”موزی دشمن کو پال کر تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟“

”اے تیرے لیے میں پوچھا“ تم خود بتا رہے ہو کہ وہ لوگ نادرہ سے کیے ہوئے وعدوں کے بارے میں سنجیدہ نہیں تھے۔ کھل کر اسے بے وقوف بتا رہے تھے۔“

”نادرہ والے مسائل میں مجھ سے کوئی امید تھی اور نہ اب ہے۔“ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ”جب تک جیت زندہ ہے، وہ اس کی تلاش میں ترپے اور حماقتیں کرتے رہیں گے اور ہمیں کبھی نہ بھی ان حماقتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے گا۔ وہ ذرا سے ست پڑیں گے تو انہیں کسی فون پر جیت لڑکا آواز سنوادی جائے گی جو ان کے لیے نازیبا نہ کا کام کرے گی۔“

”اگر تم ان کے ساتھ ملی اور چہے کا لبا کھیل کھیلے کا تیرے کرچے ہو تو تمہاری حکمت عملی بالکل مناسب ہے۔“ دیرانے ہم لٹا سے لیا۔ ”لیکن ایسی لمبی لڑائیوں کے لیے جو وسائل درکار ہوتے ہیں، ہم ان سے محروم ہیں۔ ہمارے لیے مادہ اور“

کھف جوڑا آگیا ہے۔ دوا زہ مقل نہ کیا گیا تو ان دونوں میں سے کوئی بھی ہاتھ دم وغیرہ استعمال کرنے کے لیے اچانک کرے میں داخل ہو سکتا ہے۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی اور میں اندر سے چابی نکال لائی۔ دوا زہ مقل کر کے میں نے کی ہول پر نیپ بھی چیکایا ہے تاکہ وہ اندر سے جھانک کر باہر کی نقل و حرکت کا جائزہ نہ لے سکے۔ وہ بہت آرام سے ہماری سمیڑی پر لیٹی ہوئی ہے۔“  
”میرا خیال ہے کہ آج کا دن مبارک ہے۔“ دیرانے اپنی خاموشی توڑ کر ہمارے جوش کو تازہ کر دیا ہے اور آج ہم سب ہی اپنے ذہنوں سے بہترین کام لے رہے ہیں۔ شاید دشمنوں کی مکمل تباہی اب ان کا مقدر بن گئی ہے۔“

”تمہید کو غیر ضروری طول دینے کے بجائے کام کی باتیں بتاؤ۔ یہ خود ستائی بعد میں بھی ہوتی رہے گی۔“ دیرانے خشک لیے میں کہا۔  
”مغذور جیت کو اکیلے گھر میں چھوڑ کر تم نے خاصگیں سنگین حماقت کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے تلاش کرتے ہوئے کسی بھی وقت وہاں نہیں گئے اور تمہاری خوشیوں پر پانی پھیروں گے۔“

میں نے ابتدا سے اپنی کہانی دہرائی شروع کر دی۔ بشیر کے مشتبہ کردار کو میں نے جان بوجھ کر گول کر دیا کیونکہ اس تذکرے کے بعد نادرہ، غزالہ کی نظروں میں اپنی وقعت کھو بیٹھتی پھر وہ صرف میرا قیاس تھا، میں نے اپنی آنکھوں سے ان دونوں کی بے تکلفی کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا تھا۔

نادرہ کے گھر میں پیش آنے والے واقعات اتنے تیز رفتار اور مربوط تھے کہ غلاف معمول ان میں سے کسی نے درمیان میں مجھے نہیں ٹوکا اور پوری توجہ سے میرا بیان سنتے رہے۔

نادرہ کے گھر سے واپسی کا ذکر آنے ہی دیرا بول پڑی۔  
”تمہارے ٹیکسی میں سوار ہونے تک کی کہانی سلطان شاہ خاچکا ہے۔ تم پچھلی نشست پر نادرہ کے ساتھ بیٹھ کر آئے ہو۔ اصولاً تمہیں آگے بیٹھنا چاہیے تھا۔“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ غزالہ ہنستے ہوئے بولی ”انہوں نے آج بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ بددواوا کی غناسانہ حرکتوں سے شروع ہونے والی اس سازش کے سارے مرے اب ہمارے سامنے آچکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں ساری توجہ راس الیڈا پر مرکوز کر دینی چاہیے۔“

”وہ اب بھول کر بھی آپریٹیشن استعمال نہیں کرے گا۔“ دیرانے فتویٰ جاری کر دیا۔ ”آپریٹیشن کے سارے مزید معلومات حاصل ہونے کی امید بے سود ہوگی۔ ہاں، فی الحال ہم انہیں مزید ہراساں کر سکتے ہیں۔ گیری ہارٹ کراچی آچکا ہے۔ اس کا فون نمبر تمہارے پاس موجود ہے۔ اس سے پہلے کہ ذرا نیو ان میں جیت لڑکا کار لاوارث کھڑی ہوئی پائی جائے، تم اسے فون کر کے کہہ دو کہ وہ ذرا نیو ان جا کر جیت لڑکا ایک پنڈلی اور بیروم واصل کر لے۔ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ دہشت سے وہ اپنے گھروں میں محبوس ہو جائیں گے۔“

”ادھ ڈی۔ بائسڈ۔ یوس آف اے بی!“ میرے تعارفی  
فہرول پر وہ غصے سے ابل پڑا۔ ”تمہاری یہ ہرزہ سرائیاں بہت جلد  
ہیش کے لیے بند کرادی جائیں گی۔ تم کو یہ نمبر کس حرام زادے  
نے دیا ہے؟“

”اس کو سٹوڈنٹ اگ کا نام جیف طر ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ  
اسے غائب ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے ہیں اور تم ابھی تک اپنی بحث  
میں دیکے بیٹھے ہو۔ تمہارا وہ بلڈ اگ میرے قبضے میں ہے۔“  
”تم بکواس کر رہے ہو۔ اول درجے کے مکار اور جھوٹے  
ہو۔“ وہ بدستور بھرا ہوا تھا۔

”تمہاری نسل کے لیے میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ بند رہا بھی  
میرے قبضے میں ہے جسے تم اپنی ڈمگڈی پر نچا چاہ رہے تھے۔ وہ  
دونوں مجھ تک پہنچنے کے چکر میں تھے اور آسانی سے پہنچ گئے۔ اب  
بھی میری بات کا یقین نہیں آ رہا ہو تو سر کے بل ڈرائیونر سنیما  
طے جاؤ۔ وہاں جیف کی بی ایم ڈبلیو موجود ہے۔ تمہارے مزید  
اطمینان کے لیے میں نے جیف کی ایک پٹنڈی بھی اسی گاڑی میں  
رکھوا دی ہے۔“

”یہ۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا“ غصے اور صدمے کی وجہ سے اس کی  
زبان پر لکنت آگئی۔

”مجھے افسوس ہے کہ آج کل تمہاری دعائیں پوری نہیں  
ہو رہیں۔ جب تم میرے ہاتھ آؤ گے تو میں تمہارے ہڈوں کے لیے  
سب سے پہلے تمہارے کان کاٹ کر سمجھوں گا۔ شاید میں تم سے یہ  
باتیں جیف کے اپریش پر ہی کرتا لیکن اس کی دھینکا شستی میں وہ  
چور چور ہو کر رہ گیا۔ میرے ہاتھ آؤ گے تو اپریش کا لمبہ بھی  
تمہارے حوالے کر دوں گا۔“ آخری فقرے میں نے اپنے ساتھیوں  
کو آنکھ مار کر ایک خاص مقصد سے کہے تھے۔

”ڈی! جیف کو فوراً جھوڑو اور ہتھیار ڈال دو۔ تمہیں  
اندازہ نہیں ہے کہ تمہارے خلاف کیا بھیاںک چال تیار ہو چکا  
ہے۔ اگر تم نے واقعی جیف کو نکلوا دیا ہے تو میں قسم کھاتا ہوں کہ  
میں تمہارے زندہ جسم کے ایک ایک حصے کو جسم سے الگ کیے بغیر  
کچل کر قسیمہ بناؤں گا اور تمہیں اتنی اذیت دوں گا کہ تم موت کی  
آرزو میں تر پڑے رہو گے لیکن تمہیں موت نہیں آئے گی۔“

”اس وقت صدمے سے تمہارا دماغ الٹ گیا ہے۔ پہلے تم  
ڈرائیونر کی خبر لو۔ میں بعد میں تم سے بات کروں گا“ میں نے  
استہزاء سے لہجے میں یہ کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

”بلڈ!“ فون بند ہوتے ہی دیرا میری طرف کرنے لگی ”یہ  
بھیاںک باتیں تم کسی قسم کی پلک فون سے نہیں کر سکتے تھے۔ تم نے  
اپریش کے بارے میں بھی خوب شوش۔“

دیرا کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اپریش ایک بیک جاگ اثا  
تھا۔ اس پر گیری ہارٹ اپنے چیف ڈی مشن سے رابطہ کرنے کی  
کوشش کر رہا تھا۔

ان تینوں کی تحسین آمیز نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں۔

اری سب سے زیادہ موزوں ہے۔“  
”مجھے یہ جنگ طویل کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے، میری  
ہے کہ یہ قصہ کل منٹ جائے لیکن یہ ممکن نظر نہیں آ رہا۔  
نتیجہ اسل بڈ ف راس الیڈا ہے۔“

”کاش اس وقت اول خان ہمارے ساتھ ہوتا“ سلطان شاہ  
تازہ لہجے میں کہا ”میں معلوم ہے کہ وہ راڈنی آرک کے  
ہاں آیا ہے۔ ایگریٹیشن سے اس کے کو آف حاصل  
ہو سکتی ہے کسی طرح اس کا کھوج نکال لیتا اور ہم بے خبری  
سے چھاپ لینے میں کامیاب ہو جاتے۔“

”میں بھول رہے ہو کہ ایلن کے مکان میں ہم اس کے سر پر پہنچ  
تھے۔ اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ ہج کر نکل گیا اور پیٹر  
چوڑے اڑ گئے۔ ایلن بھی بس اپنے آخری دن گزار رہا

”میرے لیے یہ خبریں دلی تسکین کا سبب بن رہی ہیں۔ میرے  
ہے مجرم ایک ایک کر کے مارے جا رہے ہیں۔ افسوس اس  
کا ہے کہ ان کی ہلاکت کے عمل میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔  
”راس الیڈا میرے ہاتھ آئے۔ میری تہذیب کرنے والے  
ہو کر ایلن میں اب صرف وہی باقی رہ گیا ہے۔“

”فکر نہ کرو۔ وہ تمہاری بد دعاؤں ہی سے مر جائے گا۔ تمہارا  
گڑا ہوا ہے ورنہ تم اسے آنکھ مار کر بھی قتل کر سکتی تھیں۔“  
ان شاہ اسے سلگانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

”یہ ہمیشہ بے وقت کی راگنی الاپتا رہتا ہے۔“ وہ منہ بنا کر بڑا دلی  
پھر مجھ سے بولی ”تم نمبر نہیں کرنے والے جدید ترین فون کے  
میں بلا وجہ فکر مند ہو۔ پاکستان کو تیسرے درجے کا ملک سمجھتے  
نے انہوں نے یہاں ایسی جدید ترین ایجادات استعمال کرنے کی  
دور محسوس نہیں کی ہوگی۔ بے فکر ہو کر بیس سے بات کرو۔  
س فون پر تم اسے کھل کر کھڑی کھڑی نہیں سنا سکو گے۔“

غزال اور سلطان شاہ نے بھی دیرا کی تائید کی اور مجھے ان کا  
لوہا ملے دیا۔

”جلی تین کو ششوں میں گیری ہارٹ کا نمبر مصروف ملا۔ میری  
نست میں یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ گیری ہارٹ اپنے ٹھکانے پر  
ادھو تھا اور مسلسل فون پر رابطہ کر رہا تھا۔ نمبر ملانے سے قبل  
میں جکشن بکس سے وہ مارا لگ کر دیے تھے جو میری خواب گاہ  
نہایت کمیشن کو جا رہے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ تادہ ہماری منتنگو  
پر عمل اندازہ ہو سکے۔“

”چھٹی کو شش بار آور ثابت ہوئی۔ میں جیف طر سے حاصل  
کیے ہوئے اپریش پر گیری ہارٹ کی آواز سن چکا تھا اس لیے فوراً  
پہنچان کیا کہ ریسوراسی نے اٹھایا تھا کہ میں نے پھر بھی انجان بن  
اگر گیری میں کہا ”میری گیری ہارٹ سے بات کرو!“

”تم کون ہو!“ دوسری طرف سے چھاؤ ٹھکانے والے لہجے میں  
ال کیا گیا۔

”میں اس کا سوتلا یا مشترکہ باپ ہوں۔ میرا نام ڈی ہے“ میں

کہا۔



لاش سے ایک ٹانگ کاٹ کر الگ کر لی ہو۔ اب تمہیں اپنے مارے سے بھی ہوشیار رہنا ہو گا۔۔۔ اور!۔۔۔

”شکر ہے چیف!۔۔۔ گیری ہارٹ کی آواز کاٹ دار ہو گئی۔ یہ لاش سے میرا پہلا مقابلہ ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ تمہارا چاہے حریف ہے اور تم اس کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے کے بعد اس کی نفرت کے بارے میں بہت کچھ جان چکے ہو۔ میری آرزو ہے کہ میں اس پر دلیرانہ کرنے کے بجائے پہلے ہی وار میں اسے نیست و نابود کروں۔ میں نے اپنا ایک آدمی نادارہ کے گھر کی طرف بھیجا تھا۔ وہ خبر لایا ہے کہ مکان بالکل خالی پڑا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہاں رہنے والوں کو غلط یا مجبوری کے عالم میں کہیں جانا پڑ گیا ہو۔ اب ایک اور پارٹی تفصیلی دیکھ بھال کے لیے ادھر گئی ہوئی ہے۔ میں اس کی واپسی کا انتظار نہیں کر سکتا۔ کسی کو فوراً ہی ڈرائیونر سنیما کی طرف بھیجتا پڑے گا۔ اور!۔۔۔“

”گیری! تمہارا دلجو باغیانہ ہے۔ شاید اپنے عہدے کی ذمہ داری پر تم کسی کی ضابطہ سختی میں کام کرنے کے آداب بھول چکے ہو۔۔۔ کیا تمہیں الہام ہوا ہے کہ میں ڈینی سے بات کھا چکا ہوں۔ اور!۔۔۔“ اس المیڈا نے غصے کے باعث گیری کی ان باتوں پر ذرا بھی دھیان نہیں دیا تھا جو نادارہ کے گھر کے بارے میں تھیں۔

”نہیں سرا! بات چیت کے آداب بھول چکا ہو تا تو میں اپنے غلے سے کام نہیں لے سکتا تھا لیکن اب کے ساتھ یہ ضرور کہوں گا کہ ہر سطح پر یہ آداب بدل جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ڈینی تمہارے اعصاب پر سوار ہو چکا ہے اس وجہ سے ہم ایک دوسرے پر اپنا غبار نکال رہے ہیں۔ اگر میں تمہارے لیے اسی قدر ناقابل برداشت ہو گیا ہوں تو مجھے الگ کر کے واشنگٹن سے کسی اور کو بلاؤ۔ میں بالکل بھی برا نہیں مانوں گا۔ اور!۔۔۔“

”ڈینی دو کٹے کا ایک معمولی بد معاش ہے۔ میں اسے کسی بھی وقت اپنی چٹکی میں مسل سکتا ہوں۔ وہ اس لائق بھی نہیں ہے کہ میں زیادہ دیر تک اس کے بارے میں بات کروں۔ تمہارے سر پر اس کی دہشت سوار ہو گئی ہو تو دوسری بات ہے۔ اور!۔۔۔“ اس المیڈا اس پر برس پڑا۔

میرے لیے وہ صورت حال بہت دلچسپ تھی۔ میرے بدترین حریف آپس کی لڑائی میں ایک دوسرے کے زخموں پر نیک پاشی کرنے کے لیے میرے بارے میں مبالغہ آرائی کر رہے تھے۔ ان دونوں میں راس المیڈا کا منصب بہت بڑا تھا لیکن امریکن معاشرے کی آزاد خیالی کی وجہ سے وہ اپنے ایک ماتحت کی کڑوا کیمیلی باتیں بھی برداشت کر رہا تھا۔ اس نے گیری ہارٹ کی منجھٹ نوائی پر چڑ کر آمرانہ انداز میں لاسکی مہنگو کا سلسلہ منقطع نہیں کیا تھا بلکہ اسے بات جاری رکھنے کی اجازت دی تھی۔

”سوری سرا!۔۔۔ گیری ہارٹ کی آواز یک بیک جذبات سے عاری ہو گئی۔ ”تم چیف ہو۔ میرا فرض تمہارے احکام کی بجا آوری

”میں گیری ہارٹ بول رہا ہوں۔۔۔ چیف میری آواز سن رہا ہو تو جواب دے۔۔۔ اور!۔۔۔“ اریٹس سے گیری ہارٹ کی مضطربانہ آواز سنائی دی۔ اپنے معمول کے مطابق وہ اس وقت بھی انگریزی بول رہا تھا۔

”تم نے جس برجستگی سے جیت طر کا اریٹس ٹوٹ جانے کا ذکر کیا اس کی بنا پر گیری ہارٹ کو شبہ تک نہیں ہو سکا کہ یہ لاسکی مواصلاتی آلہ بالکل فعال حالت میں تمہارے پاس موجود ہو گا۔“ ویرا نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد کہا ”اور اب وہ اپنے غلے میں خود ہی پھنسا ڈالنے کی تیاری کر رہا ہے۔“

”ہم سیدھے سادے لوگ ہیں“ سلطان شاہ برا سامند بنا کر بولا ”لکار کر لڑتے ہیں“ بری طرح مارتے ہیں یا پھر خاموشی سے ہار مان لیتے ہیں۔ ایسی حال بایاں ہمارے بس سے باہر ہیں۔ تمہارا اور ڈینی کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ تم لوگ کب سیدھی جی ہاتھیں کرتے کرتے مکاری پر اتر آتے ہو۔ یہ۔۔۔“

غزالہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا کیونکہ اریٹس پر راس المیڈا کی غرائی ہوئی آواز ابھرنے لگی تھی ”تم عقل سے عاری اور کوڑھ مغز ہو۔۔۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اب جیت طر کا سراغ ملے اور اس کا اریٹس دستیاب ہونے تک ہم اس سسٹم پر بات نہیں کریں گے۔ پتا نہیں کس گدھے نے تمہیں سی آئی اے میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر بنایا ہے۔ تم نے جیت طر کے بارے میں اب تک کیا تیر مارا ہے۔ اور!۔۔۔“

”سرا! پہلے میں یہ وضاحت کروں کہ سی آئی اے میں سینئر افسران کا تقرر کوئی گدھا نہیں بلکہ صدر امریکا کرتا ہے“ گیری ہارٹ کی آواز زہر آلود تھی ”دوسری بات یہ کہ جیت طر آزاد نہیں ہے۔ ڈینی نے اس کے ساتھ ہی ہماری مقامی ٹاؤٹ کو بھی پکڑ لیا ہے۔ وہ جیت پر بدترین تشدد کر رہا ہے۔ جیت کی ایک ٹانگ سمیت اس کی گاڑی ڈرائیونر سنیما میں چھوڑ دی گئی ہے۔ تیسری بات جو تمہارے لیے شاید اہم ترین ہو“ یہ ہے کہ ڈینی کے ساتھ تصادم میں جیت کا اریٹس بری طرح تباہ ہو چکا ہے اور ڈینی کو اس کے بارے میں بدترین غلطی ہے۔ چند ثانیوں پہلے ڈینی نے مجھے فون کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔۔۔ اور!۔۔۔“

”اوہ!۔۔۔“ راس المیڈا کی مجبور غراہٹ سے درندگی جھلک رہی تھی ”ڈینی کے مقابلے میں ہماری جانی نقصان اٹھانے کے باوجود تم اس خبیث مخلوق کی نفرت کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ جلتے تو ہے پیڑ جھڑک بھی کوئی بات کے تو اس پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے قول اور فعل میں زمین اور آسمان کا تضاد ہوتا ہے۔ اگر تمہاری معلومات صرف ڈینی کی گفتگو پر منحصر ہیں تو یقین رکھو کہ وہ تمہیں کسی چوہے دان میں پھانسنے کی تیاری کر رہا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے جیت کو بھی اپنی رواجی سفاکی کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتار دیا ہو اور تمہیں دہشت کرنے کے لیے اس کی

المیڈا کی آواز سنائی دی ”ذہنی تمہیں نہیں چھیڑے گا۔ اس وقت وہ تمہیں جیت لڑ کی ہوئی تاکہ دکھا کر دہشت زدہ کرنا چاہتا ہے۔ تم اطمینان سے جیت کی کار لے آؤ گے ویسے بھی تمہیں بے یارو مددگار نہیں چھوڑا جائے گا۔ ذہنی کے آدمی اگر تمہارا پیچھا کریں گے تو میرے کچھ آدمی ان کے عقب میں موجود ہوں گے۔ وہ تمہیں مارنا چاہیں گے تو خود بھی زندہ نہیں بچ سکیں گے۔ اور!“

”ایک ہی بات ہے“ گیری ہارٹ کی بڑبڑاہٹ سنائی دی ”تم مجھے چارے کے طور پر استعمال کرنا چاہ رہے ہو۔ تمہیں میرے انجام سے زیادہ ان لوگوں تک رسائی کی فکر ہے جن کے سروں پر خون سوار ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے اپنے دل کی باتیں زبان پر لا کر عقلیں غلطی کی ہے۔۔۔ کاش مجھے معلوم ہو تا کہ تم کون ہو اور تمہارا مزاج کیا ہے تو میں اسی لحاظ سے عافیت کے راستے کا انتخاب کرتا۔۔۔ میں یہاں اس قدر یکہ و تنہا نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ میں تمہارے ہر جائز حکم کی تعمیل کے لیے آمادہ ہوں لیکن ایسی کسی ہدایت پر عمل نہیں کروں گا جس میں میری زندگی اور سلامتی کو سرے سے نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ میرے بچے خواہ میری پوری حمایت کریں گے۔ اور!“

”تمہارے ذہن میں زہر بھرا ہوا ہے اس لیے تم ایسی باتیں سوچ رہے ہو۔ میں تمہاری سلامتی کو نظر انداز نہیں کر رہا۔ یہ ہدایت میری ایک خاص حکمت عملی کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ بھول جاؤ کہ میری مانتی میں آنے کے بعد تمہیں کوئی دوسرا فرد تحفظ فراہم کر سکے گا۔ تمہاری اطلاع کے لیے یہ خبر دلچسپ ہونی چاہیے کہ پاکستان پیپٹے کے بعد تم نے جس دن بلیک ہاک کے ذریعے مجھے رپورٹ دی تھی، اسی دن تم ہی آئی اے میں اپنے منصب اور مراعات سے محروم ہو کر میری تحویل میں آچکے تھے۔ تمہیں ہر حال میں وہی کرنا ہو گا جو میں چاہوں گا اور تمہیں اس بات پر پورا یقین ہونا چاہیے کہ تمہارا چیف کبھی بھی اپنے آدمیوں کا برا نہیں چاہ سکتا۔ اور!“

راس المیڈا کے انکشاف پر گیری ہارٹ مزید بوکھلا گیا ”یہ نہیں ہو سکتا۔ سی آئی اے سے میری طویل رفاقت میری لاعلمی میں یوں اچانک ختم نہیں کی جاسکتی۔ امریکا کا کوئی قانون ایسی زیادتی کی اجازت نہیں دیتا۔ میں آج سہرے تک اسلام آباد میں اپنی سرکاری حیثیت استعمال کرتا رہا ہوں۔ اور!“

”لکھے ہوئے قانون کی حد تک شاید تمہاری بات درست ہو مگر مستحکم روایتیں بھی قانون کا درجہ رکھتی ہیں۔ قانون پر حرف بہ حرف عمل کر کے کوئی بڑا خفیہ ادارہ چند روز بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ جہاں تک تمہاری سرکاری حیثیت کے استعمال کا تعلق ہے، وہ ہماری چشم پوشی کا نتیجہ ہے۔ جب تک تم ہمارے لیے سودمند رہو گے، تمہیں ہر آزادی ملی رہے گی۔ جو ہی تمہارے نظریات میں تبدیلی آئی، پاکستانی حکام کو حقائق سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ اور!“

میرا خیال ہے کہ میں جیت لڑ کے بارے میں ضرورت سے اجنبانی ہو گیا تھا۔ ملک اور قوم کی ناموس کے لیے دنیا بھر میں پیچھے نہ جانے کتنے امریکن ہر روز مرتے رہتے ہیں۔ ان کی دہم ایک کا اضافہ ہونے سے کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔ یہ حکم دو، میں اس کی حرف بہ حرف تعمیل کروں گا۔ میں اپنے بچے پر تم سے معذرت چاہتا ہوں۔ اور!“

زہر میں بجھے ہوئے ان الفاظ اور فقرہوں سے اس کی دلی درد صاف ظاہر ہو رہی تھی لیکن اس نے اپنے لبے پر قابو رکھا۔ چیف کی مزید برہمی کی راہ مسدود کر دی تھی۔

راس المیڈا نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ لائن پر کئی ثانیوں کی سنی خیز سکوت طاری رہا پھر راس المیڈا کی پرسکون آواز ملنے والی ”آئے والا وقت بتائے گا کہ تمہاری معذرت میں کہاں تک پہنچی کا عنصر شامل ہے۔ اس وقت ہمیں کام کرنا ہے، میں محاذ رانی کو طول نہیں دوں گا لیکن میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ

ایک جیت لڑ کا تباہ شدہ آپریشن ہمارے ہاتھ نہیں آجائے۔ یہ تم قلعی غیر محفوظ ہے۔ کچھ بتائیں کہ کون خاموشی سے ہماری کئی گفتگو سن رہا ہو۔ میں اندھا دھند خطرات مول لینے کا عادی ہوں۔ اور۔“

”لیکن میرے پاس تم سے براہ راست رابطے کا کوئی ذریعہ ہے۔ اور۔“

”نہ ہو۔ تم بلیک ہاک کے ذریعے ہر وقت مجھے پیغام دے سکتے۔ یہ آپریشن صرف ناگزیر ضروریات کے لیے مہیا کیے گئے ہیں۔ اگر پیغام ملنے پر ضرورت کے مطابق میں خود رابطہ کر سکتا ہوں۔“

”بعض معاملات پر فوری فیصلہ درکار ہوتا ہے۔ ان میں ہم لڑ کے متحمل نہیں ہو سکتے لیکن تم اسی طریقہ کار کو جاری رکھنا چہ ہو تو میں محتاط رہوں گا۔ تم میری آواز نہیں سنو گے۔ میرا ہر ایم بلیک ہاک کے ذریعے ملے گا۔ اب یہ بتاؤ کہ میرے لیے کیا حکم ہے؟ جذبات کا ابال ختم ہو جانے کے باوجود میں جیت کے لیے فکر مند ہوں۔ اور۔“

”میں تمہاری فکر مندی میں برابر کا شریک ہوں لیکن میں بد میں جیت کے لیے خود کشی نہیں کر سکتا۔ تم اس کے کمرے دست ہو۔ اس کی گاڑی لینے کے لیے تم کو خود رانیو ان سنیما جانا ہے۔ اور!“

”چیف!“ گیری ہارٹ کی آواز میں بھرپور احتجاج سمٹ آیا۔ لگتا تم میرے آزادانہ اظہار رائے کی سزا بخیز کر رہے ہو؟ تم ہانتے ہو کہ کارڈ پٹی نے وہاں بھجوائی ہے۔ اس کے آدمی کار کی غرائی کر رہے ہوں گے۔ میں نے ادھر کار کھپا تو وہ خوفی بیھڑے لکھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اور!“

”یہ تمہاری خام خیالی ہے“ ہلکی سی سفاکانہ ہنسی کے بعد راس

کچھ نہیں بگڑے گا کیونکہ اس کے لیے تم اب بھی ایک بے باک  
آواز ہی رہو گے۔۔۔ مگر یہ سارے مفروضے غلط ہیں۔ میں تمہیں بتا  
چکا ہوں کہ ڈینی نے میرے کسی استفسار کے جواب میں یہ نہیں  
تذکرہ اپریش کی تباہی کے بارے میں بتایا تھا۔ دنیا کا کوئی نگار تہذیب  
فرد بھی ایسا فی البدیہہ اور بے ساختہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ جیت  
طر کے ساتھیوں سے براہ راست رابطے کا ایک ذریعہ اس کے ہاتھ  
آتے آتے تباہ ہو گیا تھا جس پر اسے قلع تھا اور ڈینی نے اس کا  
انظار کر دیا۔ تم میرے پاس ہو۔ میں کہہ چکا ہوں کہ تمہارے کسی  
حکم سے سرنامی نہیں کروں گا۔ تم مجھے اپریش کی سہولت سے محروم  
کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو تو یہ تمہارا حق ہے۔ تمہارے اس حق سے  
احترام میں، میں اپنا اپریش بلیک ہاک کو دے دوں گا۔ اور!۔۔۔  
”میں تمہارے فیصلے کا مختصر ہوں گا۔ اور اینڈ آل“ اس  
المیڈا نے گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

ہم چاروں چند ثانیوں تک حیرت سے خاموش بیٹھے، ایک  
دوسرے کا منہ نہ دیکھتے رہے۔

اپریش پر سنی جانے والی گفتگو ہر اعتبار سے بہت اہم تھی۔ ہم  
سب کا مشترکہ نظریہ تھا کہ پاکستان بلکہ کراچی میں اس المیڈا کی  
موجودگی ثابت ہو جانے کے بعد ایلن اور پیٹر کی حیثیت بے وقت  
کچھ پتلیوں کی سی رہ گئی تھی۔ جو کارنامے ان دونوں سے منسوب  
کیے جا رہے تھے ان کے پیچھے اس المیڈا کا ذہن کام کر رہا تھا۔  
اس المیڈا کے لیے ایلن اور پیٹر کے مقابلے میں گیری ہارٹ اور  
انسپیکٹر جیت طرز زیادہ اہم ہونے چاہیے تھے لیکن ثابت یہ ہو رہا تھا  
کہ ایلن نہ صرف اس المیڈا کے ساتھ رہ رہا تھا بلکہ اس کی  
اصلیت سے بھی باخبر تھا۔ یہی صورت حال پیٹر کے ساتھ بھی تھی  
لیکن وہ دھماکے میں مرنے کے بعد کھیل سے باہر ہو چکا تھا جب کہ  
سی آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ کو یہ تک معلوم  
نہیں تھا کہ اسے احکام دینے والا کون تھا۔ میرے لیے گیری ہارٹ  
کی بے خبری اس وجہ سے اور بھی زیادہ تعجب خیز تھی کہ ایلن کی  
کیمین گاہ پر ہونے والے ٹکرائو میں محض میرے قیاسات کی بنا پر  
اس المیڈا کو اپنی اصلیت کا اعتراف کرنا پڑا تھا۔ یہ دیگر بات تھی  
کہ میں اس کے اصل نام سے واقف ہونے اور کافی دیر تک اس  
کے ساتھ رہنے کے باوجود اس کی صورت دیکھنے میں کامیاب نہیں  
ہو سکا تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ تادیر کے مکان پر میں نے اسی  
اپریش پر اس المیڈا اور گیری ہارٹ کی جو گفتگو سنی تھی اس میں  
اس المیڈا نے واضح الفاظ میں گیری ہارٹ کو میرا اور کارڈز  
ایکٹرا ایک سوچ کا حوالہ دیا تھا۔ ایلن کی کیمین گاہ پر میری کارروائی  
کے ضمن میں وہ اپنا ذکر کرتے کرتے خاموش ہو گیا تھا۔ یہ بات  
میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ گیری ہارٹ نے ایلن سے اپنے  
چیف کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کیوں نہیں کی تھی؟

”میرے خدا! تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو؟ چیف! یہ یاد  
رکھنا کہ تم مجھے امریکا کا اول خان نہیں بنا سکو گے۔ سی آئی اے  
ایک آئینی ادارہ ہے، وہاں میں اپنے حق کے لیے آخری دم تک  
لڑوں گا۔ اور!“

”ضرور لڑنا“ بے پروائی سے کہا گیا ”فی الحال میں صرف یہ  
جاننا چاہتا ہوں کہ میری ہدایت پر عمل کرنے کے بارے میں تمہارا  
کیا ارادہ ہے۔ میں اپنا سارا وقت تمہارے ساتھ برباد نہیں  
کر سکتا۔ اور!“

”اس وقت تم نے میرے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا ہے“ گیری  
ہارٹ بوجھل اور شکستہ آواز میں بولا ”میں اس وقت کوئی صحیح فیصلہ  
نہیں کر سکتا۔ مجھے سوچنے کے لیے صلت درکار ہے۔ صحیح فیصلے پر  
پہنچنے ہی میں تمہیں یا بلیک ہاک کو آگاہ کر دوں گا۔ میں کسی بھی  
حالت میں بے مقصد موت کو گلے نہیں لگانا چاہتا۔ کسی بڑے مقصد  
کے لیے اسی وقت موت کی بے رحم دایوں میں چلا جانا تک لگا سکتا  
ہوں لیکن بے مقصد موت سے مجھے نفرت ہے۔ تم جو کوئی بھی ہو،

ڈیوڈ اشارہ زمین سے ہی ہو گے۔ اگر تم نے میرے ساتھ بے رحمانہ  
سلوک جاری رکھا تو میں اس المیڈا سے رجوع کرنے پر مجبور  
ہو جاؤں گا۔ وہ درست اور بے لاک فیصلے کرنے میں بے مثال  
شہرت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میرا ساتھ دے گا۔ اور!“

”اس وقت تمہاری ذہنی حالت واقعی قابلِ رحم ہے“ اس  
المیڈا کا لہجہ ترم آمیز ہو گیا ”ابھی تم مجھے قانون اور آئین کے  
حوالے دے رہے تھے اور اب اس المیڈا کی دھمکیاں دے رہے  
ہو۔ جس شخص کا ذہنی توازن اس حد تک بگڑ چکا ہو، اس سے کسی  
ذمے دارانہ کارکردگی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ تم اپنے ساتھ  
ہمارے لیے بھی خطرناک ہو سکتے ہو۔ میں تم سے کسی قسم کا براہ  
راست رابطہ رکھنا پسند نہیں کروں گا۔ تم جو بھی فیصلہ کرو، بلیک  
ہاک کو اس سے آگاہ کر دینا۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ تم  
اپنا اپریش اسی وقت بلیک ہاک کے حوالے کر دو۔ شاید تمہیں ابھی  
تک اندازہ نہیں ہو سکا ہے کہ اگر جیت کا اپریش ڈینی کے قبضے میں  
ہے اور وہ اس وقت خاموشی سے ہم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے تو ہم  
کتنی بڑی تباہی سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ اور۔۔۔“

”تم ڈینی سے خائف ہو“ گیری ہارٹ نے دل برداشتہ ہو کر  
اس پر براہ راست الزام عائد کر دیا ”اتنی مرتبہ باتیں ہونے کے  
باوجود میں تمہارے نام پہنچے اور ٹھکانے تک سے ناواقف ہوں تو  
ڈینی ان باتوں سے کیا جان سکے گا؟ اسے پہلے سے معلوم ہے کہ وہ  
اپنے کن دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔ اس سے اصل خطرہ صرف  
میری جان کو ہو سکتا ہے۔ اگر وہ ہماری باتیں سن رہا ہے تو اسے  
معلوم ہو گیا ہو گا کہ تم مجھے ڈرائیو ان سنیما بھیجے گا ظالمانہ فیصلہ  
کر چکے ہو۔ وہ کسی عیار چیتے کی طرح گھات لگا کر میرا انتظار کرے گا  
اور بے خبری میں میرا کام تمام کر کے روپوش ہو جائے گا۔ تمہارا

## کیا

آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی شخصیت کی  
اہمیت کو تسلیم کریں؟  
آپ لوگوں سے اپنے احکامات کی تعمیل کروانا  
چاہتے ہیں؟

ہر انسان میں ایک مقناطیسی قوت ہوتی ہے جس  
کی مدد سے وہ بڑے سے بڑا کام کر سکتا ہے۔  
اس قوت سے کام لینے کیلئے ٹیلی پیتھی اور  
ہیپناٹزم کی طرح مشقیں نہیں کرنا پڑتیں:

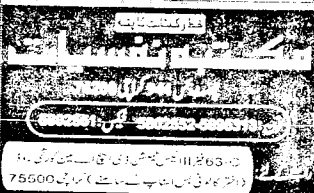
جدید اور سائنسی اصراروں پر مبنی حیرت انگیز کتاب

## مقناطیسیت

آپ کی شخصیت میں انوکھا نکھار پیدا کرونگی  
آپ خود میں ایک نمایاں تبدیلی محسوس کریں گے

اس کتاب کا مطالعہ کیجئے  
اور اپنے وجود کو ایک بہتر ذات بنالیجئے!

قیمت 50 روپے ڈاک خرچ 23 روپے



© 1963 Universal Book House, New Delhi  
ڈاکٹر س. ک. سنگھ کی کتاب (کتاب کی قیمت 50 روپے)

ایک امکان یہ بھی ہو سکتا تھا کہ گیری ہارٹ نے بالا ہی بالا  
چیف کے بارے میں سب کچھ جان لینے کے باوجود اپنی زبان  
رکھی ہو مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ پھر گیری ہارٹ نے چیف سے  
لمحوں کرتے ہوئے انتہائی مایوسی کے عالم میں یہ کیوں کہا کہ اگر  
میں اس کے ساتھ بے رحمانہ سلوک جاری رکھا تو وہ اس  
ماتے سے رجوع کرے گا؟

وہ پرتشخصانہ باتیں دیر تک مجھے ستاتے رہے۔ جب ہم چاروں  
چاندلہ خیال شروع کیا تو میں نے سب سے پہلے اپنی الجھن  
موں کے سامنے پیش کر دی۔

غزالہ نے خلاف معمول بہت غور اور توجہ سے میری بات سنی  
اس کی فرمائش پر مجھے وہ مکالمے دہرانے پڑے جو اس الیڈا  
پہلی بار گیری ہارٹ سے گفتگو کرتے ہوئے میرے اور امین کے  
میں ادا کیے تھے۔

”بات بالکل صاف ہے۔ آپ بلاوجہ الجھ رہے ہیں“ میرے  
موش ہونے پر غزالہ نے اطمینان سے کہا۔

”کیا صاف ہے؟ میں وہی جانتا جا رہا ہوں“ میں نے اس کی  
فہموں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ دیر اور سلطان شاہ کی مستضرانہ  
اچھ بتا رہی تھیں کہ میرے سوال کے جواب میں ان کے ذہن  
کل گورے تھے۔

”امین کے ٹھکانے کی تباہی اور پٹری کی موت کے فوراً بعد ہی  
گیری ہارٹ کو اسلام آباد دوڑا دیا گیا۔ اسے دوڑ لکوانے والا  
اس الیڈا تھا کیونکہ اس دھماکے میں وہ خود بھی زخمی ہوا تھا۔“  
زالہ نے سکون سے کہا شروع کیا ”ان لوگوں میں اس واقعے کے  
رف تین گواہ تھے۔ پیٹر دردنک موت کا شکار ہو چکا تھا، امین بری  
رج زخمی ہونے کے بعد آکسیجن کے سارے اپنی زندگی کے  
غری سانس گن رہا تھا۔ گیری ہارٹ کس سے پوچھتا کہ اس  
لفے کا تیسرا زخمی کون تھا؟ اس الیڈا کو امین کی موت کا پورا  
مین ہے، اسی لیے اس نے گیری ہارٹ کو اس کے بارے میں بتا دیا  
نہ حقیقت یہ ہے کہ اپنے آدمیوں کے لیے وہ صرف چیف ہے جو  
مے پر تک سیاہ لباس اور نقاب میں ملبوس ہو کر ان کے سامنے  
آتا ہے کسی کو علم نہیں ہے کہ وہ اس الیڈا ہی ہے۔“  
”تم ٹھیک کہہ رہی ہو“ دیرانے بے ساختہ غزالہ کی تائید  
کے ہوئے کہا۔

”کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ اس الیڈا کے آدمی اپنے  
چیف کی اصلیت سے بے خبر ہیں لیکن ہم اس کے بدترین دشمن  
ہوئے ہوئے بھی اس سے بہ خوبی واقف ہیں اور مزے کی بات یہ  
ہے کہ خود اس الیڈا اس عجیب و غریب صورتحال سے پوری  
طمینان پزیر ہے“ سلطان شاہ بولا۔

”بات کچھ دل کو لگ رہی ہے“ میں نے تعریفی لہجے میں غزالہ  
سے کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی باریک وضاحت نے میرے ذہن

یقین آجائے گا کہ جیت لڑکا اپریش تیار ہو چکا ہے اور میں اس پر  
ہونے والی کسی بات سے واقف نہیں ہو سکتا۔“  
”اس طرح ہمارے معدوں کو خاصا افتادہ ہوگا“ ویرا نے  
ذہریلے لمبے میں کھڑا لگایا۔

میں نے اسے غصیلی نظروں سے گھورا لیکن اس کی حالت کے  
چشم نظر کوئی خت جواب دینے کے بجائے قتل سے کہا ”وہ بے فکر  
ہو کر اپریش استعمال کرنا شروع کرے گا اور ہم اس کی حکمت عملی  
سے واقف ہوتے رہیں گے۔ اس دوران میں ہمیں اس پر کاری  
دار کرنے کا سہرا موعول مل سکتا ہے۔“

”اوہ! تو تم اس ست میں سوچ رہے ہو“ ویرا فوراً ہی  
مزاحمت سے دست بردار ہو گئی۔

”میں کچھ اور ہی کر گزرتا جا ہوتا ہوں“ سلطان شاہ پُر خیال لمبے  
میں بولا۔

”ارشاد!“ میں نے ادب و احترام سے اپنے سر کو خم دے کر  
کہا۔

”بھائو میں جائے سب کچھ۔“ سلطان شاہ تنگ کر بولا ”تم خود  
ہی سب کچھ سوچتے اور کرتے رہو۔“

”چی... چی...!“ ویرا اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی  
ہمدردانہ لمبے میں بول پڑی ”بے چارے پر گیری ہارٹ کا اثر ہو گیا  
ہے۔ وہ بھی اپنے چیف سے اسی طرح بھڑکا ہوا تھا۔“

”مجھے کیا ضرورت ہے کسی سے بھڑکنے کی؟“ سلطان شاہ بھڑکا  
کھانے والے انداز میں غرایا ”سوچنے اور فیصلہ کرنے کا حق صرف  
تم دونوں کو حاصل ہے۔ مجھے تو بس حکم کا غلام بنایا ہوا ہے۔“

”تم بلاوجہ ناراض ہو رہے ہو“ میں نے موقع کی نزاکت  
بجانب کر مصالحت کی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا ”میں نے نہیں  
اپنی تجویز پیش کرنے سے روکا تو نہیں تھا۔ تمہیں بولنے کی دعوت  
ہی دی تھی۔“

”رہنے دو اپنی وضاحتوں کو“ وہ بے زاری سے بولا ”میں اتنا  
بھولا نہیں ہوں کہ تمہارے لمبے میں چھپے ہوئے طنز کو محسوس نہ  
کر سکوں۔“ اب تم بھی ویرا کی طرح ہر وقت میرا مذاق اڑانے پر  
تیلے رہتے ہو۔“

”اگر میں نے کوئی طنز کیا تھا تو میں اپنی غلطی پر معافی چاہتا  
ہوں۔ خدا کے لیے اب جلدی سے اپنی تجویز بتاؤ تاکہ ہم کسی مشفق  
فیصلے پر پہنچنے کے بعد تادیر کو دیکھ سکیں۔“

”اوہ! اسے تو ہم بھول ہی گئے“ غزالہ چونک کر بولی ”بند  
کر کے میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ خوف اور بولکھلا ہٹ  
شکار ہوتی جا رہی ہوگی۔“

وہ نکتہ سلطان شاہ کی سمجھ میں آگیا اور وہ قدرے توقف سے  
بعد بولا ”یہ اس المیڈا کی چال ہو یا نہ ہو“ ایک بات طے ہے کہ  
اس وقت گیری ہارٹ اس سے بری طرح بدظن ہو چکا ہے۔ اس

پر سے بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا تھا۔  
”پھر اب گیری ہارٹ کے لیے کون جائے گا؟“ سلطان شاہ  
دھول دھتے کے لیے مضطرب تھا۔  
”کوئی نہیں۔“ میرے سخت الفاظ پر اس کے چہرے پر مایوسی  
پھیل گئی۔

”کیوں؟ اس نے اس المیڈا سے منہ ماری کی ہے تو ہم اسے  
پردان چڑھائیں گے؟“

”سطحی باتیں مت کیا کرو!“ میں نے تلخی سے کہا ”اگر تم نے  
ان دونوں کی گفتگو غور سے سنی ہے تو یہ اندازہ بھی لگایا ہو گا کہ  
راس المیڈا کو آخر تک جیت لڑکا اپریش تیار ہونے کی کمائی پر  
یقین نہیں آیا۔ اس کی دانست میں گیری ہارٹ نے دوسری مرتبہ  
اپریش استعمال کر کے ناقابل معافی غلطی کی ہے اسی لیے اس نے  
گیری ہارٹ کو ڈرائیونر سنیما جانے کا حکم دیا ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے  
کہ ہم اس کی گفتگو سن رہے ہوں گے اور گیری ہارٹ کی گردن  
توڑنے کے لیے فوراً ہی ڈرائیونر سنیما پہنچ جائیں گے۔ گیری  
ہارٹ کو اس کی بے احتیاطی کی عبرت ناک سزا مل جائے گی، یہ  
ثابت ہو جائے گا کہ اپریش تیار نہیں ہوا بلکہ ہمارے قبضے میں ہے  
اسی کے ساتھ ہم لوگ اس پارٹی کی نظروں میں آجائیں گے جو  
گیری ہارٹ کے پیچھے پیچھے ڈرائیونر سنیما پہنچے گی۔“

”تم یہ سب اتنے وثوق سے کہہ رہے ہو جیسے راس المیڈا نے  
تمہارے ہی مشورے سے یہ منصوبہ بنایا ہو!“ ویرا نے جل کر میری  
بات درمیان سے ہی کاٹ دی۔

”خدا کو کسی نے نہیں دیکھا لیکن عقل سے پہچانا ہے“ میں  
نے اسے گھورتے ہوئے ایک فرسودہ بات دہرائی ”اس کی گفتگو کا  
ہر لفظ اسی ایک سمت کی نشان دہی کر رہا تھا۔ گیری ہارٹ نے بھی  
بھانپ لیا تھا کہ اس کا چیف اسے قربانی کا بکرا بنا کر مجھے پھانسا چاہ  
رہا ہے۔“

”پھر تو سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ راس المیڈا اسے  
مردانے کے چکر میں ہے اس لیے تم اسے ڈھیل دینا چاہتے ہو تاکہ  
وہ بعد میں تمہیں کوئی گہری زک پہنچا سکے“ ویرا نے تیزی سے کہا۔  
”اگر راس المیڈا اس سے متفر ہو چکا ہے تو وہ کسی بھی قیمت پر  
زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اگر وہ ڈرائیونر سنیما سے  
جیت لڑکی کا لے کر کسی مزاحمت کے بغیر واپس لوٹ گیا تو راس  
المیڈا کی توقعات پوری نہیں ہو سکیں گی۔ میں اس وقت اسے  
مایوس کرنا چاہتا ہوں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ ہم نے دیدہ  
ودانستہ گیری ہارٹ کو چھوڑا ہے۔ اس نے گیری ہارٹ کو مشتعل  
کر کے ہمیں اکسانے کی کوشش کی ہے تاکہ ہم سمجھ لیں کہ گیری  
ہارٹ اپنے چیف سے باغی ہو چکا ہے اور اگر ہم اسے پکڑ لیں تو وہ  
ہمارے لیے بہترین مہم ثابت ہوگا۔ میں یہ یقین غلطی کرنے کے  
موڈ میں نہیں ہوں۔ گیری ہارٹ کی صحیح و سلامت واپسی پر اسے

میں رکھو کہ بلیک ہاک ایک سفید فام بلکہ امریکن مرد ہے تو کراچی کی ساری مقامی آبادی باہر ہو جاتی ہے۔ امریکنوں میں سے بھی عورتوں اور بچوں کو خارج کر دو تو بمشکل چند سو افراد رہ جائیں گے۔ ان پر کام کرنا پورا شکر کھانے سے کہیں زیادہ آسان ہے۔

”تم اپنے دل کے ارمان پورے کرلو۔ میں منع نہیں کر رہا۔ لیکن اتنا بتا دوں کہ امریکنوں کا پیچھا کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہو گا۔ ہمارے لئے یہ کام صرف اول خان کر سکتا تھا اور اسے تمہاری گرفتاری پر سامور کر دیا گیا ہے۔ مجھے تو اب یہ کھیل بہت لمبا ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے“ سلطان شاہ کے لہجے میں بے زاری عود کر آئی۔

”اول خان سے دوستی ہونے سے پہلے بھی ڈینی شی کے خلاف بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کرتا رہا ہے“ دیر اس مرتبہ بولے بغیر نہ رہ سکی ”ہو سکتا ہے کہ جیت طبری ذرا تھکو کے بعد بلیک ہاک کا پورا تجربہ اگلا چلا جائے۔ تم راس الیڈا کے بارے میں ضرورت سے زیادہ جاننے کا شکار ہو رہے ہو۔“

”فیصلہ ہو گیا“ میں نے غزال کا ہاتھ تمام کراچی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا ”نی الحال گیری ہارٹ کو بھول کر نتائج کا انتظار کیا جائے گا۔ اب ہم دونوں تادہ کے پاس جا رہے ہیں۔ اس کا بندوبست ہونے تک تم دونوں اسن و سکون سے اسی کمرے میں محصور رہو گے۔۔۔ کسی بھی قسم کے شور شرابے اور مار دھاڑ کے بغیر!“

”تم بے فکر ہو کر اس مصیبت کو نالے کی کوشش کرو“ سلطان شاہ پھینکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا ”ابھی تو ویرا خاتم کی بیٹری دیے ہی ڈاؤن ہے۔ یہاں کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔“

میں ہنستا ہوا دیرا کے کمرے سے باہر نکل گیا۔ غزال میرے پیچھے تھی۔

دروازہ بند کر کے غزال لپک کر میرے برابر میں آگئی اور جیسے مستغفرانہ لہجے میں بولی ”کیا آپ کو پورا یقین ہے کہ تادہ آسانی کے ساتھ یہاں سے نکلنے پر آمادہ ہو جائے گی؟“

”میری کوشش تو یہی ہوگی“ میں نے رک کر کہا ”آگے اللہ مالک ہے۔ تمہارے ذہن میں کوئی متبادل تجویز ہو تو وہ بھی بتا دو تاکہ میں ایک ہی مرتبہ اس مسئلے کو اس کے انجام تک پہنچا دوں۔“

”میرے پاس کوئی متبادل تجویز نہیں ہے۔ میں بس اتنا جانتی ہوں کہ تادہ کا یہاں رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ دیرا نے جب سے اس کی ایک جھلک دیکھی ہے، مسلسل اس کے خلاف زہر اکھل رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ تادہ کو یہ رات اس چھت کے نیچے گزرائی پڑی تو ویرا اس سے لڑ پڑے گی۔“

”دیرا کو اس اجنبی عورت سے کیا پر خاش ہے؟ اس نے میرا ساتھ دینے کا فیصلہ کر کے بہت بڑی قربانی دی ہے۔“

”سب کچھ معلوم ہو جانے کے بعد اسے اس خیال میں نہیں رہنا چاہئے کہ اس نے آپ کے لئے کوئی قربانی دی ہے۔ ان لوگوں

کا نمبر ہمارے پاس موجود ہے۔ ہم براہ راست اس سے بات رکے اسے بتا دیں کہ اس کا چیف راس الیڈا ہی ہے تو وہ ہمارے اچھے بھروسہ و تعاون پر آمادہ ہو سکتا ہے۔“

”تم ان سیکرٹ ایجنٹوں کی فطرت سے واقف نہیں ہو ورنہ یہ یوڈیشن نہ کرتے“ دیرا نے بے جھجکی سے کہا ”پرانے اور گھاگ پخت اپنی گردن کٹا لیتے ہیں لیکن اپنے مشن سے کبھی غداری میں کرتے۔ چیف کی اصلیت کا انکشاف اسے حیرت اور صدمے سے ضرور دھار کر دے گا لیکن وہ پھر بھی ہمیں ڈبل کر اس کرنے کی کوشش کرے گا۔“

”یہ ایک مفروضہ ہے۔ ہمیں اسے توڑنے کی کوشش ضرور کرنی چاہئے“ سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

”یہ کوشش ناکام ثابت ہوئی تو ہم بہت بڑے خسارے میں چلے جائیں گے“ اس بحث کو دوسرے سینے کے لئے مجھے دخل اندازی کرنی پڑی ”اس کا اشتغال اتنا زیادہ نہیں ہے کہ وہ چیف کی اصلیت سے واقف ہونے کے بعد کھلی بغاوت پر اتر آئے۔ ہماری طرف سے رابطہ ہوتے ہی وہ سمجھ لے گا کہ چیف طرے کے اربیش کے بارے میں اس کے چیف کا نظریہ درست تھا۔ اپنی غلطی کا احساس ہونے پر وہ فطری طور پر اس کا ازالہ کرنے اور راس الیڈا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ چاہے گا کہ ہمیں اپنے تعاون کا یقین دلا کر کسی چنگل میں پھانس لے۔ یہ مت بھولو کہ اس طرح وہ دو مقاصد حاصل کر سکتا ہے۔ راس الیڈا سے بحزن مفاہمت اور اپنے قریبی دوست چیف طرے کے قتل یا ازیتوں کا انتقام۔ ایک بار ان لوگوں کو اربیش کے بارے میں حقیقت کا علم ہو گیا تو ہم ان کے عزائم کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان سکیں گے۔ گیری ہارٹ کو نظر انداز کر کے ہم براہ راست فائدے میں رہیں گے۔ یہ مت بھولو کہ ابھی چیف طرے ہمارے قبضے میں ہے۔“

”بلیک ہاک کا ہم نام بھی ہمارے علم میں آچکا ہے“ دیرا نے دیا ”یہ امریکن قوصل خانے کے کسی افسر کا کوڈ معلوم ہوتا ہے شاید وہی راس الیڈا اور اس کے ساتھیوں کے درمیان پہلے اور پیغام رسانی کا ذریعہ ہے تاکہ راس الیڈا غیر ضروری دیر اپنے آدمیوں کے سامنے نہ آ سکے۔“

”خالی نام جاننے سے کیا فرق پڑتا ہے؟“ سلطان شاہ بے دلی سے بولا ”کراچی کی آبادی ایک کروڑ سے زیادہ ہے۔ اتنی ٹی آبادی میں بلیک ہاک کا سراغ لگانے میں دانتوں پسینہ آجائے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے سمندر میں لال دوا کا ایک قطرہ پکانے کے واسطے دوبارہ تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔“

دیرا نے کوئی جیٹھا ہوا جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے آنکھ مار کر اسے خاموش کر دیا اور رسائیت سے کہلا ہوا اصل ہدف بلیک ہاک نہیں، راس الیڈا ہے۔ ویسے بلیک لہک ہنچنا بھی اتنا زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔ اگر تم یہ بات ذہن

تکلفی کی خواہاں تھی۔ اسے کیا ضرورت تھی کہ آپ کو آپ جناب کے بجائے تم سے مخاطب کرنے کی دعوت دے؟ ہو سکتا ہے کہ میں اب تک یہ ذرا سی باتیں بھول چکی ہوں لیکن دیرانے اپنے دل کی بھڑاس نکال کر ان دوسووں کو زیادہ ذہن رکھنا پڑا ہے۔ اس کے بارے میں میری اور دیر کی سوچ ایک ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں درگزر کی قائل ہوں، وہ شدت کا اظہار پر آمادہ ہے۔

”کاش تم نے مجھے پہلے ہی یہ سب بتا دیا ہوتا تو میں نادرہ کے کمر کا رخ تک نہ کرتا“ میں نے مجروح آواز میں کہا۔

وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر دھیمے سے ہنس پڑی ”اب آپ بلاوجہ سنجیدہ ہو رہے ہیں۔ ارے بھی دیرانے یہ باتیں آپ کے جانے کے بعد کی تھیں میں آپ کو کب بتاتی؟ دیر تو یہاں تک کہ رہی تھی کہ نادرہ فلیٹ میں رہی تو وہ کسی بھی وقت نیم گمن سے اس کے دروازے میں ایک کالی سرنگ بنا دے گی۔“

”دیر پر لعنت بھیجوا!“ میں نے جھلا کر کہا ”یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو؟“

وہ اچانک میرے سینے سے لپٹ گئی اور منہ چمپا کے منہ تلی ہوئی آواز میں بولی ”جس راستے پر شلوک و شہنشاہ کے کانٹے بکھرے ہوئے ہوں، اس سے گریزی بہتر رہتا ہے۔ آپ نادرہ اور اس کے غریب الوطن بیٹے فرخ کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں کرتے رہیں لیکن اسے گھر میں نہ رکھیں۔۔۔ آئیے آپ کو اندازہ نہیں کہ اس کی آنکھیں ہر لمحے آپ کا پیچھا کرتی ہیں اور ان میں ایسی جھلک ہوتی ہے کہ دل ہولنے لگتا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں آج تک ایسی عورت نہیں دیکھی جو خوبصورت ہونے کے باوجود ڈرائی ہو۔“

”وہ یہاں نہیں رہے گی“ میں نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر کہا ”مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ تم اپنے دل ہی دل میں ان اندیشوں کو پروان چڑھاتی رہیں اور مجھے ان کی بجائے تک نہ مل سکی۔ مجھے ذرا سا بھی اشارہ مل گیا ہوتا تو میں اسے گھر سے بے گھر نہ کرتا۔ نہ جانے دنیا میں ہر روز کتنے جیتے مر رہے ہیں اور ہمارے ہزاروں نادرہوں کو اپنا آلہ کار بناتے ہیں۔ ان میں ایک اور نادرہ کا اضافہ ہو جاتا تو کیا فرق پڑتا۔ اسے اس کے گھر سے نکالنے کی ذمہ داری میرے سر آتی ہے۔ اب مجھ ہی کو اسے کسی دوسرے چھت کا سایہ میسر کرنا پڑے گا۔“

”میری طرف سے آپ پر کوئی جبر نہیں ہے“ وہ کسم کسم میری مضبوط گرفت سے نکلے ہوئے بولی ”اسے جب سہولت ہو، وہ بیمار سے چلی جائے لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ جب تک نادرہ بیمار موجود ہے، ہمیں دیر پر کڑی نظر رکھنی ہوگی ورنہ ہمیں پتا ہی نہیں چل سکے گا کہ اس نے کب نادرہ کا کام تمام کر دیا۔“

وہ حسد و رقابت کے نسوانی جذباتوں میں گم نہ ہوئی ایسا کہ صورت حال تھی کہ میں الجھ کر رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے مجھے پوری رفتار سے دوڑتے دوڑتے اچانک کسی نے

کے عزائم کھل کر سامنے آچکے ہیں۔ وہ نادرہ کو سنہرے خواب دکھا کر اپنا کھلونا بنا چاہ رہے تھے اسے آپ کا احسان مند ہونا چاہئے کہ آپ نے اسے ذلیل و خوار ہونے سے بچالیا ہے۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ دیرانے نادرہ کے بارے میں تمہاری بھی بریں دانشک کی ہے“ میں نے اس کی جھیل جھیلی کمری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ”وہ نادرہ سے کیوں اتنی بڑی ہوئی ہے؟“

غزالہ نے میرے آخری سوال کو ماننا چاہا لیکن مجھے دال میں کالا نظر آ رہا تھا۔ میں اڑ گیا اور غزالہ کو سخت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اعتراف کرنا پڑا ”آپ جانتے ہیں کہ دیرانہ کی طبیعت کی مالک ہے۔ جس بات کے پیچھے پڑ جاتی ہے اسے نہیں بھولتی۔ اس کی رائے ہے کہ نادرہ جیسی عورتیں مشکوک کردار کی حامل ہوتی ہیں اور مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی حیرت ناک مقناطیسی صلاحیت رکھتی ہیں۔۔۔ جی پوچھیں تو وہ مجھے بھی نادرہ کے خلاف اکساتی رہی ہے۔ دیرا کو شبہ ہے کہ ابھی وہ اپنی مظلومانہ ادائیں دکھا کر اپنا میل جول بدھار رہی ہے اور پھر اچانک ہی آپ کے گلے کا ہار بن جائے گی۔“

”یہ شکایتیں تمہیں تو ہو سکتی ہیں، دیرا اس بارے میں اپنا سر کیوں کھپا رہی ہے؟“ میں نے نادرہ اور بشیر کے حرام کے بارے میں اپنے شلوک و شہنشاہ کا اظہار کئے بغیر حیرت سے پوچھا۔

غزالہ ہنس پڑی ”یہ سوال آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟ میں تو یہ دیکھ دیکھ کر لطف اندوز ہوتی رہتی ہوں کہ کبھی کبھی وہ مجھ سے بھی بڑھ چڑھ کر آپ پر اپنا حق بتاتی رہتی ہے اور آپ اسے نظر انداز کر جاتے ہیں۔ یہ آپ کا اور دیرا کا معاملہ ہے۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں؟“

غزالہ کی ہنسی میں معصومیت اور چہرے پر سادگی تھی۔ اس نے جو کچھ کہا، نیک نیتی سے کہا تھا لیکن میں اس کے وہ فقرے سن کر تھانے میں آ گیا۔ اتنی طویل رفاقت میں اس نے چلی بار میرے اور دیرا کے تعلق کے بارے میں کوئی ایسی چبھتی ہوئی بات کسی بھی جو میری کمزوری کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

میں نے جذباتی ہو کر مضبوطی سے غزالہ کے دونوں شانے تھام لئے اور تیز سرگوشی میں کہا ”دیکھو غزالہ! یہ ہم دونوں کی مختصری کائنات کے بہت زیادہ نجی معاملات ہیں۔ تم دیرا کو اچھی طرح جانتی اور سمجھتی ہو۔ تمہاری حوصلہ افزائی کی وجہ سے میں اس کی بہت سی باتیں پل جاتا ہوں۔ دیرا ہو یا نادرہ۔۔۔ ان کے بارے میں اصل اہمیت تمہاری رائے کی ہے۔۔۔ میں دیرا کو اپنی نجی زندگی میں دخل انداز ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔“

”وہ بے چاری آپ کی نجی زندگی میں کہاں دخل انداز ہو رہی ہے۔۔۔ نادرہ کے بارے میں اس نے مجھ سے بہت کھل کر باتیں کیں لیکن نادرہ کی طرف سے میرا دل بھی صاف نہیں تھا۔ ایف ایم ہائیکرو فون پر میں نے اپنے کانوں سے سنا تھا کہ وہ آپ سے بے





دل کی بات اس کی آنکھوں میں پڑھ لیتی ہوں۔ آپ کے بارے میں، میں یہ بات جان چکی ہوں کہ آپ سے میری ذات کو کوئی فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے، نقصان ہرگز نہیں پہنچے گا.....“

”یہ باتیں ہم بعد میں بھی کر سکتے ہیں“ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ”اس وقت خالدہ سے بات کرنی ضروری ہے ہو سکتا ہے کہ تمہاری بہن فوراً مصالحت پر آمادہ نہ ہو سکے اسے اپنے شوہر سے مشورے کی ضرورت ہو۔“ انہیں اتنا موقع ملنا چاہیے کہ رات گھری ہونے سے پہلے وہ دونوں تم سے فون پر دو سرا رابطہ کر سکیں..... رہا کسی ہوٹل میں پناہ لینے کا خیال تو اس رومان انگیز مہم جوئی کو اپنے ذہن سے کھینچ ڈالو۔ تم بھول رہی ہو کہ اب تک سی آئی اے والوں کے مددگار اور ہمدرد پورے شہر میں میری اور تمہاری تلاش میں نکل چکے ہوں گے۔ اس محفوظ ترین پتہ کے سامنے سے باہر نکلنے ہی تم ناقابل تصور دشواریوں میں گھر جاؤ گی۔“

”عجیب بات ہے۔“ وہ خیمہ وا آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی ”آپ ایک ہی وقت میں دو مختلف بلکہ متضاد باتیں کر رہے ہیں۔ ایک طرف مجھے جلد از جلد رحیم یار خان جانے کا مشورہ دے رہے ہیں اور دوسری طرف اس فلیٹ سے باہر قدم نکالنے کے ہولناک مضمرات سے ڈرا رہے ہیں۔“

”دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ میں نے ان لوگوں کو یہ یاد کرانے کی کوشش کی ہے کہ میں نے تمہیں اور جنت ملوک طاق کے بل پر اغوا کر لیا ہے اس لئے تمہارا شہر سے ہٹنے عرصے کے لئے غائب ہو جانا ناگزیر ہو چکا ہے۔ شہر میں رہ کر تم کسی بھی وقت ان لوگوں کی نگاہوں میں آ سکتی ہو۔ شہر میں تمہارے لیے یہ فلیٹ سب سے زیادہ محفوظ ہے لیکن تم غیر معینہ مدت تک یہاں نہیں رہ سکتیں۔ تمہارے قیام کے طول پکڑنے کی صورت میں غزالہ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جائے گی۔ تم خود ایک شادی شدہ عورت ہو اور ایسے معاملات میں ایک بیوی کے جذبات کو اچھی طرح سمجھ سکتی ہو۔ غزالہ جتنی خوب صورت اور خوش مزاج نظر آتی ہے، غصے میں اسی قدر وحشی اور سفاک ہو جاتی ہے۔ یہ مشتعل ہو کر میری نظروں کے سامنے دو پالتو بلیوں کو فرش پر پٹخ کر ہلاک کر چکی ہے اسی وجہ سے میں نے بلیاں پالنے کا مشغلہ ترک کر دیا ہے۔ میں اس وقت سے ڈرتا ہوں جب تمہارے اور غزالہ کے درمیان تنہائیاں پیدا ہو جائیں اور مجھے اپنی فطری مجبوریوں کی وجہ سے غزالہ کا ساتھ دینا پڑے۔“

وہ مجھے چڑانے والے انداز میں ہنس پڑی ”تو سیدھی سی بات کہیں کہ آپ اپنی بیوی کے ڈر سے مجھے جلد از جلد رحیم یار خان بھیج دیتا چاہتے ہیں۔“

”اگر اس طرح بات واضح ہو سکتی ہے تو یہی سمجھ لو۔“ میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ اسی لمحے میں نے دیکھا کہ ایک قریبی گل دان میں مصنوعی پھولوں کے درمیان میں ایف ایم بائیکرد فون

”غنی کے سزا یاب ہونے کے بعد آج میں نے اپنی زندگی کے کچھ بہترین لمحے گزارے ہیں“ وہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر محسوس کیے میں بولی ”آپ کی ذات بہت بھرپور ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے آپ میری طرف آنے والی ہر مصیبت کو اپنی ٹھوکر سے دور اچھال دیں گے۔ تحفظ اور غایت کا یہ احساس بہت کم مردوں کے ساتھ ملتا ہے۔ بشیر میرا بہت وفادار ملازم تھا، میرے پسینے پر اپنا خون بہانے کے لیے تیار رہتا لیکن اس کے ساتھ وہ گرمیوں میں اپنی سلامتی کے بارے میں فکر مند رہتی تھی۔ جب بھی آپ کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملتا، مجھے یاد تک نہیں رہتا کہ میری ذات کو کوئی خطرہ بھی لاحق ہو سکتا ہے۔ میں چند روز آپ کے ساتھ رہی تو میری کایا ہی پلٹ جائے گی“ میری اور غزالہ کی مشترکہ خواب گاہ میں تنہائی کے کچھ لمحات گزارنے کے نتیجے میں اس کے ذہن میں کوئی گہرے سی پڑ گئی تھی اور وہ میری باتوں میں پوشیدہ رموز تک پہنچنے کے بجائے صرف وہی کچھ سمجھ رہی تھی جو وہ سمجھنا چاہتی تھی۔ خواب گاہ کی فضا میں بکھری ہوئی پوائزن کی خوشبو کے ساتھ نادرہ کی وہ ذہنی کیفیت میرے لئے خطرناک تھی۔ غزالہ کسی بھی لمحے چائے کے ساتھ وہاں آکر اپنے دوسو سوں کو عملی روپ دھارتے دیکھ سکتی تھی۔ میری مجبوری یہ تھی کہ میں نادرہ سے بے زار ہونے کے باوجود اسے ناراض نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے اضطراری طور پر ایک سگریٹ سلاگنے کے بعد کہا۔ ”مردوں کے بارے میں تمہارا تجربہ قابل رشک ہے۔ ہمارے معاشرے میں بہت کم عورتوں کو اتنے زیادہ مردوں کے تجربے کا موقع ملتا ہے کہ وہ تمہاری طرح کوئی رائے قائم کر سکیں۔ میں ایک عام سا آدمی ہوں۔ بے ضرر اور اپنی دنیا میں گمن رہنے والا۔ میری اتنی زیادہ تعریفیں نہ کرو کہ میرے قدم ہلک جائیں۔ تم دو برس سے غنی سے جدائی کی آگ میں دھیسے دھیسے سلگ رہی ہو۔ کسی ہلکے ہوئے شخص کی.... ایک ہلکی سی پھونک ان چنگاریوں کو بھڑکا سکتی ہے۔ میں ابھی سے اس خیالی آگ کی تپش اپنے دامن پر محسوس کر رہا ہوں۔ تمہارے لئے بہترین اور محفوظ ٹھکانا تمہاری بہن کا گھر ہے۔ تم جتنی جلدی وہاں چلی جاؤ، تمہارے حق میں اتنا ہی بہتر رہے گا۔“

”ہاں“ میں آج ہی خالدہ اور حنیف سے بات کروں گی۔ مجھے ہر حال میں ان کو منانا پڑے گا لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ رحیم یار خان جانے سے پہلے ہم دونوں کسی ہوٹل میں پناہ لے لیں۔ مجھے آپ سے بالکل خوف نہیں آ رہا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ جو کچھ کریں گے، میرے فائدے کے لئے کریں گے.... غنی کا کام ایسا تھا کہ ہمارے گھر طرح طرح کے مرد آتے تھے۔ بعض اوقات نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے ان کی مہمان داری کرنی پڑتی تھی۔ وہ سب ہیروئن کے خریدار یا بیچنے والے ہوتے تھے۔ میں نے ان کی عادات و سکنات کو دیکھ دیکھ کر بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں آدمی کے

نادرہ کو کھلائے ہوئے انداز میں دیر کی مزاج پر سی کر رہی تھی اور دیر کسی نئی نیلی بیوہ کی طرح اداسی سے سر جھکانے لکڑی تھی۔  
”مسز جارج! ذرا نادرہ کو بتاؤ کہ تمہیں کس نے اس حال کو پہنچایا ہے!“ میں نے کہا۔

”او گاؤ!“ دیر نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر ہلکی سی جھمر جھری لی۔  
”میرا چہرہ اتنی بری طرح مسخ نہ ہوا ہوتا تو جارج ایک لمحے کے لئے بھی مجھے یہاں نہیں چھوڑتا۔ تمہاری بیوی مسکراتی ہے تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے کوئی بھیڑیا اپنے شکار کو بے بس دیکھ کر دانت چکا رہا ہو۔ اس جاہل عورت کو یہ تک معلوم نہیں کہ مغرب میں محبت کا بوسہ ہونٹوں پر اور تھمتی بوسے رخسار پر لئے جاتے ہیں جن میں جس کا دور دور تک شائبہ نہیں ہوتا۔ اس نے اتنی سی بات پر مشتعل ہو کر مجھے اڈھیر ڈالا لیکن نادرہ کو ان سب باتوں سے کیا دلچسپی ہے؟“

”یہ میری گرل فرینڈ ہے۔“ میں نے رازدارانہ لمحے میں دیر کو بتایا تو نادرہ کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں ایک انوکھی سی چمک کود گئی۔ میں نے بات جاری رکھی ”یہ میری بیوی کو بے ضرر سمجھ کر ایک دور اتنی میںیں بسر کرتا چاہا رہی ہے۔ اسے بتاؤ کہ ایسا ہونا کس حد تک ممکن ہے۔“

دیر نے نفی میں سر ملاتے ہوئے مایوسی سے کہا ”اے شے بھی ہو گیا کہ یہ تمہاری گرل فرینڈ ہے تو یہ بچاری سورج کی روشنی دیکھنے کے لئے زندہ نہیں رہ سکے گی۔ میری مانو تو غزالہ کا ماتھا ٹھکنے سے پہلے نادرہ کو یہاں سے روانہ کر دو۔ اس وقت وہ خون کی سی حالت میں ہے۔ شاید اسے نادرہ پر شبہ ہو گیا ہے اور اب وہ تم کو تنہا چھوڑ کر چوری چھپے اندر کی سن گن لینے کی کوشش کر رہی ہے۔“  
نادرہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کرسی پر بیٹھتی چلی گئی۔  
دیر کی ظاہری حالت خاصی اتر چکی تھی اس لئے وہ آرام کرنے کا بہانہ کر کے فوراً ہی واپس چلی گئی۔ اس کی دہشت ناک کمائی نے نادرہ کو اس قدر بدحواس کر دیا تھا کہ وہ دیر کو الوداع کہنا تک بھول گئی۔

”اب بتاؤ کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟“ میں نے نادرہ کے سامنے بیٹھ کر پوچھا۔

”ارادہ؟“ اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر دہرایا ”میرا بس چلے تو میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے نکل کر رحیم یار خان کی طرف چل دوں۔ میرے لئے یہ تصور ہی سوہاں روح ہے کہ میں ایک نیم وحشی عورت کے مکان میں پناہ گزین ہوں۔ میں ایک منٹ بھی سکون سے یہاں نہیں رہ سکتی۔ مجھے حیرت ہے آپ اسے کس طرح برداشت کرتے ہوں گے۔“  
”میرے ساتھ وہ کسی سدھائی ہوئی شیرینی کی سی اطاعت کا مظاہرہ کرتی ہے۔“

”یقین نہیں آتا کہ غزالہ جیسی نرم و نازک لڑکی اتنی خوں بار ہو سکتی ہے۔“

اس کی بے اعتباری دیکھتے ہوئے میں نے فوراً ہی پینٹر بدلنے افسلہ کرتے ہوئے کہا ”تم غیر ضروری طور پر مجھے زبان کھولنے پر پور کر رہی ہو۔ غزالہ کا غصہ صرف لمبوں تک محدود نہیں رہا ہے۔ فی فلیٹ میں وہ میرے ایک دوست کی بیوی کو بری طرح زد و کوب لکے اس کا طیلہ بگاڑ چکی ہے۔ اس بے چاری کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے مجھے سال گرہ کی مبارکباد دیتے ہوئے اضطراری طور اپنے رواجی انداز میں میرے رخسار کا بوسہ لے لیا تھا۔ غزالہ مانوں کی پروا کے بغیر مغلطات بکتے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑی۔۔۔۔۔“  
”نہیں! ذہنی صاحب!“ اس نے مکمل بے یقینی سے میری بات لاد دی ”آپ بلاوجہ اس بے چاری پر اتنی سنگین الزام تراشی کر رہے ہیں۔ یہ باتیں اس نے سن لیں تو اسے برا خلق ہو گا۔“

”تم براہ راست غزالہ سے پوچھ سکتی ہو۔ چاہو تو میں مسز اینج کو یہاں بلا سکتا ہوں۔ غزالہ سے پٹنے کے بعد وہ اپنا بڑا ہوا بولے کر اپنے گھر جانے کے بجائے میںیں علاج معالجہ کر رہی ہے۔“ یہ کہتے ہوئے میں نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میری بیداری دیکھ کر نادرہ کی آنکھیں حیرت سے کھل گئی تھیں۔

قریبی بھول دان میں ایف ایم مائیک دیکھ لینے کے بعد مجھے قح قحی کہ غزالہ نے موقع پا کر اسے آن کر دیا ہو گا اور وہ لوگ غل کے طور پر دیر کے کمرے میں بیٹھے ہماری ساری گفتگو سن رہے ہوں گے ایسا ہی میں نے پینٹر بدل کر اپنے ایک فرضی دست کی مجروح بیوی کا ڈر پھینچا تھا۔

میرے تیر دیکھ کر نادرہ نے میرے پیچھے آنے کی ہمت نہیں لی۔ میں نے دیر کے کمرے کا دروازہ کھول کر اونچی آواز میں کہا ”مسز جارج! ذرا باہر آؤ۔ میری ایک مہمان تم سے ملنا چاہتی ہے۔“

اس وقت ان تینوں کے چروں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

ادھر کی بے قول گفتگو نے ان لوگوں کے قیاسات پر تصدیق کی مر ثبت کر دی تھی۔

”یہ کیا مصیبت لکڑی کر دی تم نے؟“ دیر میرے قریب آکر اچھی آواز میں غرائی۔

”گلے کے دھول سے نجات کے لئے یہ ڈراما ضروری ہو گیا تھا۔“ میں نے آہستگی سے کہا۔

نادرہ نے کھڑے ہو کر دور کا استقبال کیا۔ دیر کے متورم جہرے کے نیل اور خراشیں دیکھ کر اس کی آنکھیں فرط حیرت سے پٹھانی پر جا چڑھی تھیں۔

میں خواب گاہ کا دروازہ بند کر کے ان دونوں کے قریب پہنچا تو

اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنے سر کو جھٹکا اور فون اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔

میں نے اسے سمجھایا کہ وہ اپنے ہوش و حواس بحال کرنے کے بعد اپنی بہن کو فون کرے لیکن وہ ویرا کی مژدور کمائی سن لینے کے بعد ایک سیکنڈ بھی ضائع کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اگر اس کی بہن پچھلے اختلافات بھلا کر اسے اپنے گھر میں خوش آمدید کہنے پر رضامند ہوگئی تو وہ برقع میں رات کی کسی بھی ٹرین سے روانہ ہو کر منہ اندھیرے رحیم یار خان پہنچ جائے گی۔

پہلے وہ فلیٹ کی دہلیز سے باہر قدم رکھنے پر آمادہ نہیں تھی۔ جوش آوارگی میں میری ہر تجویز میں خامیاں نکال رہی تھی اور سر پر مصیبت سوار ہوتے ہی اس نے اپنے تحفظ کا ہر طریقہ خود ہی سوچ لیا تھا۔ میں حیران تھا کہ اسے دشمنوں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھنے کے لئے برقع میں نکال لے جانے کا خیال مجھے کیوں نہیں آیا تھا؟

وہ وقفے وقفے سے رحیم یار خان کا مطلوبہ نمبر ملنے کی کوشش کرتی رہی اور میں اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کا شوہر اونچے درجے کا ایک ہیروئن فروش تھا۔ اسے ہیروئن کی بھاری بیع اندوڑی سے متعارف کرانے والی شی کا مقامی شیرازہ مدتوں پہلے بکھیر دیا گیا تھا مگر غمی کے منہ کو بلا مشقت آمدنی کا جو خون لگ گیا تھا وہ نہیں چھوٹ سکا۔ شی کی تباہی کے بعد بھی وہ اسی کاروبار سے چٹا رہا۔ پیسے کی ہوس میں وہ اس حد تک گر گیا کہ اپنی بیوی سے اپنے ملاقاتیوں کی میزبانی کرانے لگا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ نادرہ کی کمائی کا وہ حصہ اتنا سادہ اور بے داغ نہیں رہا ہو گا کہ اس کا تذکرہ چند سطروں میں سمیٹا جاسکے۔ ایک ہیروئن فروش شرابی کی طرح دار بیوی جب نیکے ہوئے بد قماش لوگوں کے درمیان مجمع محفل بنتی ہے تو اس محفل کے ہر لمحے سے ایک نئی داغ داغ کمائی جنم لیتی ہے۔ نادرہ نے اپنے بے ضمیر شوہر کی مرضی یا چشم پوشی سے نہ جانے کتنوں کے پیرہن آرتار کئے تھے اور کتنی بار خود جبر کے لہجوں سے دوچار ہوئی تھی۔ یہ اسی بے حساب آمدنی اور آزادی کا گندہ ثمر تھا کہ نادرہ نے دیار غیر میں اپنے شوہر کے سزایاب ہونے کے بعد اس کے خاندانی ملازم بشیر کے ساتھ جسم و جان کے ورشتے استوار کر لئے تھے جنہیں تہذیب و عفت کے منہ پر طمانچہ کہا جاسکتا تھا۔

نادرہ نے میرے ساتھ سپردگی کا جو دالمانہ انداز اختیار کیا تھا وہ اس میدان میں اس کے تجربے کی دلیل تھا۔ وہ تجربہ اس نے اپنے شوہر کی عمرانی میں حاصل کیا تھا۔ نادرہ کے اس روپ کو اپنی خواب گاہ کی خلوت میں دیکھ لینے کے بعد مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میں نے اس کے اور بشیر کے بارے میں جو کچھ سوچا تھا، درست ہی تھا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ نادرہ نے حیف ملوک پھنسو نے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا اور میں اس المیڈا کا بڑھتا ہوا محر توڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس آخری تجربے میں مجھے نادرہ اور اس کے امیر شوہر سے ناقابل بیان کراہت محسوس

ہوئے گی۔ وہ دونوں ہی مشرقی معاشرت پر ایک بد نما داغ تھے۔ غمی برطانیہ میں سزایاب ہو کر مکافات کے عمل سے گزر رہا تھا۔ دل آویز اور ہوس خیز نادرہ حالات کے گرداب میں پھنس کر بے گھر ہو چکی تھی۔ شاید یہ بھی قدرت کا کوئی خود کار بند دوست تھا کہ ان دونوں کا معصوم بیٹا اس عذاب سے بچ کر امریکا میں زبرد تعلیم تھا۔ نادرہ سے ملاقات ہونے پر میں نے اس کے بچے کو حفاظت کے ساتھ پاکستان لانے کے بارے میں بہت کچھ سوچا تھا لیکن اب میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ جہاں تھا وہیں بہتر تھا۔ باپ کے جرائم اور ماں کی بے راہ روی کی کمائیاں سن سن کر خون کے آنسو رونے سے کہیں بہتر تھا کہ وہ ملک سے ہزاروں میل دور رہ کر اپنی راہ کا خود ہی انتخاب کر لے۔

گیری ہارٹ، حیف ملوک اور راس المیڈا کی کمائی میں نادرہ اپنا مختصر مگر اہم ترین کردار ادا کر چکی تھی۔ چند ہفتوں یا مہینوں کی روپوشی کے بعد وہ آسانی کے ساتھ منظر عام پر آ کر میرے ظلم اور اپنی مظلومیت کی کمائیاں سناتی تو میرے حریفوں میں سے کوئی بھی اسے چھیننے کی ضرورت محسوس نہ کرتا اور وہ ہمیشہ کے لئے ان کے دباؤ سے آزاد ہو جاتی۔ اس اعتبار سے وہاں تک میرا دور نادرہ کا حساب صاف تھا۔ اسے فلیٹ سے نکال دینے کے بعد مجھے اس سے رابطہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میرے اور اس کے درمیان کرائے وار اور مالک مکان کا ایک مہو مہو سا تعلق باقی رہ جاتا جسے ہر ماہ کرائے کی رقم ادا کر کے نبھایا جاسکتا تھا۔ نادرہ کے اسٹیٹ ایجنٹ کی مرمانی سے یا پھر اس علاقے میں مروج طریقہ کار کی وجہ سے میں اس پابندی سے بھی آزاد تھا۔ میں نے زبردات کے ساتھ معاہدے کی پوری مدت کا کار یہ چٹنگی ادا کر دیا تھا اور اس مدت میں ہم لوگ کسی بھی وقت فلیٹ کو مقفل کر کے خاموشی سے اپنا ٹھکانا تبدیل کر سکتے تھے۔

شاید اس رات کراچی اور رحیم یار خان کے درمیان ایلی فون لائنوں پر بہت زیادہ دباؤ تھا۔ نادرہ مسلسل نمبر ملانے کی ناکام کوششیں کرتی رہی۔ اسی دوران میں غزالہ ہم دونوں کے لئے ایک ٹرے میں چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ اور سموسے وغیرہ لے آئی۔ اس کے آتے ہی نادرہ کا خون خشک ہو گیا اور چہرے پر ہوا بیاں اڑنے لگیں۔ وہ مسلسل غزالہ کی طرف دیکھ جاتی تھی لیکن جب غزالہ نے ٹرے رکھنے کے بعد اس کی طرف دیکھا تو اس نے سنبھار کر نظریں چرائیں۔ وہ بظاہر ایک دیوار کو تنکے لگی لیکن کن انھیوں سے غزالہ کی طرف بھی دیکھ رہی تھی۔

”تم جاؤ تو میں چائے کی پالیاں بنا دوں۔“ غزالہ نے زبردستی نادرہ کو مخاطب کیا۔ ایف ایم یا ٹیکرو فون کے کمال کی وجہ سے پوری صورت حال سے باخبر تھی۔

”نن..... ہم..... کم..... نن..... نہیں۔“ نادرہ ہڑبڑا کر بخٹکل ایک لفظ ادا کر سکی پھر ہکلاتے ہوئے بولی ”مم..... میں خود بہ.....“

”عالم میں ان چیزوں میں زہری نہ ملا دیا ہو۔“  
”احقانہ باتیں مت کرو۔“ میں نے برا سامنے بنا کے کہا ”وہ  
تمہارے لئے الگ سے کوئی چیز نہیں لائی۔ میں بھی یہی سب چیزیں  
استعمال کروں گا۔ تمہیں چائے وغیرہ سے کوئی خطرہ محسوس نہیں  
کرنا چاہئے۔“

”نہیں..... بالکل نہیں۔“ وہ ہاتھ لہراتے ہوئے نیم بڈیا نی  
انداز میں بولی اور پھر ٹیلی فون پر نمبر مانے میں مصروف ہو گئی۔ میں  
نے بھی اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

اس بار نادہ کی کوشش بار آور ثابت ہوئی۔ اس کی بات سے  
اندازہ ہوا کہ دوسری طرف سے اس کی بہن نے فون اٹھایا تھا اور  
نادہ کی آواز پہچان کر سردمری کا مظاہرہ کیا تھا۔

وہ نادہ کا بھی معاملہ تھا۔ ایک طویل مدت سے مجھے ہونے  
تعلقات کو ٹیلی فون پر مذاکرات کے ذریعے معمول پر لانا آسان  
نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری موجودگی میں وہ زیادہ کھل کر  
اپنی بہن اور بہنوئی کی خوشامد در آئیں نہ کر سکے گی۔ ویسے بھی میں  
غزالہ سے اٹھنے کا وعدہ کر چکا تھا۔ میں نادہ کو ٹیلی فون پر مصروف  
چھوڑ کر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ تینوں دیرا کے کمرے میں موجود تھے اور ان کے درمیان نیز  
پر رکھے ہوئے ریڈیو کے ایف ایم بیڈ پر نادہ کی بہت صاف اور

”ایسا کہہ کر وہ بے بسی سے میری طرف دیکھنے لگی۔  
”تم جاؤ، ہم ذرا کچھ اہم باتیں کر رہے ہیں۔“ میں نے غزالہ کو  
رک کر کہا۔

”ایسی کون سی باتیں ہیں جو میری موجودگی میں نہیں  
ہیں؟“ غزالہ نے شک لہجے میں پوچھا ”آپ دونوں بہت دیر  
س کمرے میں بند ہیں۔ کیا ابھی تک باتوں کا ذخیرہ ختم نہیں  
ہو گیا؟“

نادہ سہم کر اپنی کرسی میں سٹھ گئی۔ میں نے لجاجت سے کلمہ  
ایک شریف عورت ہے۔ تمہیں ہماری باتوں کے بارے میں  
تدوین کی ضرورت نہیں۔ ہم نادہ کی کسی متبادل رہائش گاہ  
بدولت پر دماغ سوزی کر رہے ہیں تاکہ اسے بے آرامی کا  
شانہ کرنا پڑے۔ تم مسز جارج کے پاس بیٹھو۔ میں ابھی آتا  
ہوں۔“

”یہ مسز جارج اس کمرے میں کیوں آئی تھی؟“ غزالہ نے  
دقت ایسی ادکاری شروع کر دی جیسے اس کی ذہنی کودا تھی، بسکی  
ہو۔ ”ویسے تو وہ ہر ایک سے اپنا چہرہ چھپانے بیٹھی ہے۔“

”میں نے نادہ کو بتایا تھا کہ اس وقت ہمارے فلیٹ میں اس  
ملاوہ ایک اور سہمان موجود ہے۔ اس نے ہماری سہمان سے  
بکی خواہش ظاہر کی اور میں نے مسز جارج کو یہاں بلا لیا۔“

”ابھی ابھی جارج بھی اپنی بیوی سے ملنے آیا ہے۔ ہو سکتا ہے  
وہ بھی رات میں میرے کمرے نادہ کو جانا ہو گا تو جارج ہی اسے  
رہائے گا۔“ غزالہ نے اچانک ہی سلطان شاہ کو سامنے لانے کا  
مخوب صورت جواز تلاش کر لیا۔ اس وقت اسے جارج بنا کر  
ہم سامنے لایا جا سکتا تھا۔

”تم چلو۔ نادہ کو رحیم یار خان کا فون مل جائے تو میں بھی آتا  
ہوں۔“

”میں زیادہ دیر تک ان دونوں کے پاس نہیں بیٹھ سکوں گی۔“  
الہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیوں کو دبا رہے ہوئے بولی ”میرا سر  
دست پھٹا جا رہا ہے۔ میں وہی دورے سے پہلے والی پرانی تکلیف  
سوں کر رہی ہوں۔ اس سے پہلے کہ میری حالت خراب ہو، میں  
ذہنی کوئی لے کر سو جانا چاہتی ہوں۔“

”میں سمجھ رہا ہوں۔ تم بہت اچھی عورت ہو۔ شاباش! اب  
برجیل جاؤ۔“

غزالہ نے کھڑے کھڑے تیز نگاہوں سے نادہ کو ایک بار پھر  
گھورا اور پلٹ کر واپس چل دی۔

”اسے دیکھ کر مجھے وحشت ہو رہی ہے۔“ غزالہ کے جاتے ہی  
نادہ نے سرسرتی ہوئی آواز میں سرگوشی کی ”یہ نارمل عورت  
نہیں ذہنی مریضہ ہے۔ اس پر یقیناً دیوانگی کے دورے پڑتے ہوں  
گئے۔ وہ... وہ مجھے بھڑکا رہا ہے۔“ غزالہ کی نظروں سے گھور رہی تھی۔ میں  
الک لائی ہوئی کوئی چیز نہیں پکھونگی کہیں اس نے دیوانگی کے

تاریک پر عظیم کے پراسرار ماحول میں چشم بینہ والی ایک تہ تہ انگیز  
داستان جہاں کالے جادو اور سحری کے مقابلے برپا ہوتے تھے۔  
وحشی قبائل اور ان کے وحشیانہ رسم و رواج کی ایک ناقابل یقین  
سرگزشت..... ان تاریک اور گمنام جزیروں کی کہانی.....  
جہاں تہذیب کا کوئی دخل نہیں تھا..... شگون کی خاطر  
معصوم اور شیرخوار بچوں کو تیزوں پر اچھالا جاتا تھا عجیب  
انگیز اور خوفناک دیوتاؤں کے مجسموں کو تازہ خون سے غسل  
دیا جاتا تھا..... تو خیر حسیاتوں کی جینت جیش کی جاتی تھی

کتابیات پبلی کا مشن عام پڑاؤ ہے

تیمت فی حصہ 60 روپے ••••• فی حصہ 23 روپے

کتابیات پبلی کیشنز

ہر حصہ 23 روپے 74200  
فون 5802551-5895313  
khatib1970@yahoo.com  
راہے کے لئے C-63/11 شیشین ڈی ایچ اے میں بریلی روڈ 75500

میں خاموشی سے سر ہلا کر مسکرایا۔ اس حساس موضوع پر وہ تینوں ہم خیال تھے اور میں کوئی تبصرہ کر کے ایک نئی بحث کا آغاز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سلطان شاہ میری بدایت پر کوئی چون و چرا کے بغیر رفق خریدنے کے لئے چل دیا تھا۔

نادارہ واقعی زندہ سی ہوئی، آواز میں اپنی صفائی پیش کر رہی تھی۔ کافی دیر بعد شاید اس کا بہنوئی لاش پر گیا۔ نادارہ کے ساتھ ان لوگوں کا رویہ بہت درشت تھا۔ نادارہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ غنی کی موجودگی میں ہی ان لوگوں کو نادارہ کے آزارہ حال چلن پر سخت اعتراضات تھے۔ ان کے جواب میں نادارہ نے بہت مضبوطی سے ایک ہی خت موقف اختیار کیا ہوا تھا کہ وہ اپنے شوہر کی موجودگی میں جو کچھ کرتی رہی، اسی کی مرضی اور ہدایات پر کرتی رہی تھی۔ شوہر کو سزا ہونے کے بعد اس نے اپنا چلن بالکل بدل دیا تھا۔ وہ بھرے شہر میں سختی اور غنی کے کچھ قرض خواہوں نے اپنی رقوم کی وصولیائی کے لئے اسے قتل اور انفرادی کی ایسی سنگین دھمکیاں دی تھیں کہ وہ اپنا گھر چھوڑ کر ایک ہوئی میں دیو پوش ہونے پر مجبور ہو گئی تھی اور وہاں بھی خود کو غیر محسوس محسوس کر رہی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ غنی کے قرض خواہ کسی بھی وقت اسے تلاش کر کے اٹھا لے جائیں گے۔

بہن پھر بہن ہوئی ہے۔ اس جان دار کمائی کے ساتھ نادارہ کی داد و فریاد نے رنگ دکھایا اور آخر کار نادارہ کے بہنوئی کا دل بچ گیا۔ نادارہ کو کراچی سے رحیم یار خان کے لئے روانہ ہونے کی اجازت مل گئی۔

میں اپنی خواب گاہ میں واپس پہنچا تو نادارہ آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ بھجرائی ہوئی آواز میں فون پر اپنے بہنوئی کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ میں اس کے سامنے ہی جم کر بیٹھ گیا۔

”خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ دونوں مجھ سے راضی ہو گئے۔“ فون کا سلسلہ منقطع کرنے کے بعد نادارہ نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔ ”اب میں ایک لمحے کے لئے بھی یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ میں غزالہ کے ساتھ کچھ دیر اور اس فلیٹ میں بند رہی تو دوشنبہ سے ہیرام گھٹ جائے گا۔ مجھے ابھی تک سخت حیرت ہے کہ ایسی پاگل اور جنونی عورت کے ساتھ آپ کیسے گزارہ کر رہے ہیں۔ لڑکی دہشتی مریدانہ ہو تو اس کا حسن بھی اپنی ساری دکھائی کھو بیٹھتا ہے۔“

”تم مجھے سرکس کا مدداری سمجھ سکتی ہو۔ وہ خود خوار و درندوں کو اپنے اشاروں کا غلام بنا کر مروج کرنا ہے۔ غزالہ کو قابو میں رکھنے کے لئے مجھے بس اتنا کرنا پڑتا ہے کہ دوسری عورتوں سے بہت دور رہتا ہوں۔“

”میں آج ہی رحیم یار خان جانا چاہتی ہوں“ وہ اپنی دست و پاؤں پر غور ڈالتے ہوئے بولی ”دباؤ کے لئے رات میں کوئی پرداز ملنی مشکل ہے۔ آخری ٹرین پکڑنے کے لئے میرے پاس کافی وقت ہے۔“

واضح آواز سنائی دے رہی تھی۔ ان تینوں نے چپتی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ ہیرا استقبال کیا۔

”یہ کسی کی شرارت نہیں ہے۔“ غزالہ نے میرے پیٹھ سے پہلے ہی اپنی وضاحت پیش کرنی شروع کر دی ”ایف ایم بایک میرے کمرے میں موجود تھا۔ نادارہ کو وہاں منتقل کرنے کے پہلے میں نے اس کی نظر بچا کر اسے آن کر دیا تھا۔ مجھے آپ پر پورا اعتماد ہے لیکن میں نادارہ کی طرف سے مطمئن نہیں تھی۔ چھپ کر دوسروں کی باتیں سننا بہت ادبیات فعل ہے لیکن میں اپنے تجسس سے مجبور تھی۔ دیرانے میرے ایما پر ریڈیو لگایا ہے۔ میں اپنی اس غلطی پر آپ سے معافی چاہتی ہوں۔ یہ میری ایک اضطراری حرکت تھی۔ میں آپ کے سامنے شرمندہ ہوں۔“

”اس کی وجہ سے کوئی فائدہ نہ ہوا ہوتا تو میں تم سے اس بے اعتمادی پر باز پرس ضرور کرتا لیکن مائیکروفون دیکھ لینے کے بعد مجھے نادارہ کے ساتھ تمہاری بربریت کا ڈراما رہانے کا موقع مل گیا جس کی بنا پر اب وہ خود یہاں سے نکل بھاگنے کے پکر میں ہے۔ اس کامیابی کی وجہ سے میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔“

”آپ واقعی بہت فراخ دل ہیں لیکن میں نے یہ سب کسی بے اعتمادی کی وجہ سے اپنا ارادی طور پر نہیں کیا تھا۔ بس اضطراری طور پر سب کچھ ہوا چلا گیا۔“ غزالہ اپنی حرکت پر بہت زیادہ خرمسار تھی۔

”زیادہ شرمندگی کی ضرورت نہیں۔“ دیرانے اسے ڈانٹا۔ ”ڈینی اگر شرافت کا مظاہرہ کرتا رہا تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم نے اپنے کانوں سے سن لیا کہ نادارہ تکیا کی پٹی ہے۔ میں نے اسے ایک نظر دیکھنے کے بعد ہی جو گندی رائے قائم کی وہ بالکل درست ثابت ہوئی۔ ڈینی نادارہ اس حرافہ کی پالی کے گن گا کر مجھے اپنی طرف سے شکوک و شبہات میں ڈالتا ہے۔“

دیرانے کے الفاظ تلخ و ترش ضرور تھے۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اپنی جگہ پر بالکل درست تھا۔ میں اسے ہراڑ کر کے ریڈیو سے ابھرنے والی نادارہ کی آوازوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میرے کمرے میں موجود لاکھ مائیکروفون اتنا حساس تھا کہ ٹیلی فون کے ریسیور پر آنے والی دوسری طرف کی مدھم آواز بھی پکڑا رہا تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ دوسری ہونے کی وجہ سے وہ آوازیں ناقابل فہم تھیں۔

اپنی بہن سے نادارہ کی گفتگو چل رہی تھی کہ میں نے سلطان شاہ سے کہا ”سٹر جارج! ابھی بازار کھلا ہوا ہوگا۔ تم جلدی سے نادارہ کے لئے ایک برقع خرید لاؤ۔ وہ جب بھی یہاں سے باہر نکلے گی“ اسے برقع کی ضرورت پیش آئے گی۔ دیر ہو گئی تو بازار بند ہو جائے گا۔“

”جب بھی نہیں“ وہ آج رات ہی یہاں سے جائے گی“ دیرانے نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ”تم سن نہیں رہے کہ وہ دو پیٹ کرکس طرح اپنی بہن کو منانے کی سرتوڑ کوشش کر رہی ہے۔“

”سوری۔۔۔ میں بھول گئی تھی۔ میں تم سے اپنی غلطی کی سزا  
چاہتی ہوں۔ تم چاہو تو میں تمہیں پوازن کی ایک نئی شیشی خرید  
دے دوں گی“ نادرہ گڑبڑا کے بولی۔

”تم ایسی ہی ساہوکار ہو تو مجھے نئی شیشی نہیں“ اپنے پلٹوم کے  
دبی قطرے چاہئیں جو تم نے اپنے پسینے کی بدبو مارنے کے لئے  
استعمال کئے ہیں۔ لوٹاؤ گی میرے پلٹوم کے وہ قطرے؟“

”بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟“ وہ بے چارگی سے بھلا کر بولی۔ اس  
کی حالت قابل رحم ہونے لگی تھی۔

”جب تک یہاں موجود ہو“ احتیاط سے کام لو“ غزالہ نے  
اسے تنبیہ کی ”میں اپنی چیخوں پر دوسروں“ خاص طور پر دوسری  
عورتوں کا تصرف برداشت نہیں کرلی۔ تم چاہو تو مسز جان سے بھی  
اس بات کی تصدیق کر سکتی ہو۔“

”میں احتیاط کروں گی۔ مجھے اس بات پر تمہاری برہمی کا  
اندازہ نہیں تھا۔“

”تم معافی مانگ چکی ہو اس لئے میں تمہیں معاف کر رہی ہوں  
لیکن آئندہ معاف نہیں کروں گی۔“

میں ڈر رہا تھا کہ کہیں غزالہ مذاق ہی مذاق میں ذرا سی بات کا  
چٹکڑ نہ بنادے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ غزالہ اطمینان سے دیرا کے  
برابر بیٹھ گئی۔ نادرہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

”تمہاری ڈبئی سے کتنی پرانی دوستی ہے؟“ چند ٹائٹل کے  
سکوت کے بعد دیرا نے نادرہ کے انٹرویو کا آغاز کیا تو میں بول کھلا۔

مجھے خدشہ محسوس ہوا کہ کہیں دیرا کسی نہ کسی بہانے سے غزالہ  
کے ہاتھوں نادرہ کی ہلکی پھلکی مرمت کرانے کا منصوبہ نہ بنا چکی ہو۔  
اس گمان کی وجہ یہ تھی کہ میں نے دیرا اور نادرہ کا تعارف کرانے  
ہوئے نادرہ کو اپنی گرل فرینڈ ظاہر کیا تھا اور وہ دیرا کی جرح کے  
جواب میں کہیں بھی ہنسنے لگتی تھی۔

”بہت پرانی دوستی نہیں ہے“ نادرہ سے پہلے میں بول پڑا۔  
”لیکن ہماری دوستی مضبوط بنیادوں پر استوار ہے۔ نادرہ پہلے بھی  
یہاں آتی رہی ہے مگر آج غزالہ کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ  
سے اس بے چارگی کو تھوڑی سی بد مزگی کا سامنا کرنا پڑا ہے مجھے  
امید ہے کہ اس نے اس کا برا نہیں مانا ہو گا۔“

”تم نے میری کسی بات کا برا مانا ہے؟“ غزالہ نے غرا کر نادرہ  
سے پوچھا۔

نادرہ نے جس سرعت سے انکار میں جواب دیا وہ اس کی بے  
چارگی کی مظہر تھی۔ شاید غزالہ پر غمی کا دورہ پڑ گیا اور وہ اپنی اپنی  
چھپانے کے لئے بری طرح کھانسی ہوئی اندر بھاگ گئی۔

”اس سے ہوشیار رہنا“ دیرا نے نادرہ کو مشورہ دیا ”اسے شہ  
بھی ہو گیا کہ تم ڈبئی کی گرل فرینڈ ہو تو وہ تمہیں مار ڈالے گی۔ میں  
بات تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔ اس وقت اس کی طبیعت  
تمہارے بارے میں بہت زیادہ سوچنے کی وجہ سے بگڑ رہی ہے۔“

”میں نے جارج کو تمہارے لئے برقع خریدنے کے لئے بھیجا  
ہوا ہے۔ وہ آجائے تو تمہاری رواجی ہو سکتی ہے۔“

”مجھے حیرت ہے کہ غزالہ کے ہاتھوں اپنی بیوی کی صورت مسخ  
ہونے کے باوجود جارج نے تم دونوں سے اپنے تعلقات خراب  
نہیں کئے۔ کوئی اور ہو تا تو زندگی بھر بدبواہ ادھر کا رخ نہ کرتا۔ وہ  
ان گھپلوں پر واقعی حیران تھی۔

”وہ جانتا ہے کہ مشرق میں بوسہ صرف بوسہ ہوتا ہے جو خسار  
پر لیا جاتا ہے۔ اسے احساس ہے کہ مجھے مبارکباد دیتے ہوئے اس  
کی بیوی ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو گئی تھی اور غزالہ کا مشتعل  
ہونا فطری تھا۔“

دیرا اور سلطان شاہ کا ایک مفروضہ تعارف ہو جانے کے بعد  
ان دونوں کو نادرہ کی نظروں سے دور رکھنے کی کوئی ضرورت باقی  
نہیں رہی تھی۔ میں نادرہ کو اپنے ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں  
آگیا تاکہ غزالہ کو اپنے کمرے میں آنے جانے کی آزادی مل سکے۔  
نادرہ کو اطمینان دلانے کے لئے میں نے کہہ دیا تھا کہ اس وقت کسی  
مہمان کی آمد متوقع نہیں تھی اس لئے وہ فلیٹ میں آزادی سے چل  
پھر سکتی تھی۔

ہمارے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہی غزالہ قریار نظروں کے  
ساتھ نادرہ کے سر پر آموچہ ہوئی۔ وہ واضح طور پر شرارت اور  
نادرہ کو زنج کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ غزالہ کے پیچھے پیچھے دیرا بھی  
ڈرائنگ روم میں چل آئی۔

غزالہ کو دیکھتے ہی ایک مرتبہ پھر نادرہ کے فرشتے کوچ کر گئے  
اور اس کے بحال ہوتے ہوئے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔  
غزالہ اس کی طرف رخ کر کے ہوا میں یوں گہرے گہرے سانس لے  
رہی تھی جیسے فضا میں کوئی خاص بو محسوس کرنے کی کوشش کر رہی  
ہو۔

نادرہ کسی قصاب کی چھری کے نیچے آئی ہوئی بکری کی طرح  
مقلوم نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”تم یہاں آئی تھیں تو تمہارے بدن سے پسینے کی بدبو آ رہی  
تھی لیکن اب پوازن کی منک پھوٹ رہی ہے۔ تمہارے پاس یہ  
خوشبو کہاں سے آئی؟“ غزالہ نے بہت زیادہ برہمی کا مظاہرہ کئے بغیر  
سرد مری سے پوچھا۔

مسکرانے کی مضحکہ خیز کوشش میں نادرہ کی باجھیں پھیل  
گئیں۔ میں نے تمہاری ڈرائنگ ٹیبل سے یہ خوشبو استعمال کی  
تھی۔۔۔۔۔ تمہارا خوشبوؤں کا ذوق بہت عمدہ ہے۔“

”میرے ذوق کو جنم میں ڈالو“ غزالہ نے سرد لہجے میں کہا ”کیا  
تم نے خوشبو استعمال کرنے سے پہلے مجھ سے اجازت لی تھی؟ میں  
نے تمہیں انتظار کا وقت گزارنے کے لئے اپنا کرا دیا تھا۔ یہ نہیں  
کہا تھا کہ تم میرے کمرے میں موجود میرے ذاتی استعمال کی اشیاء پر  
ہاتھ صاف کرنا شروع کر دو۔“

اس کی روانگی کا پورا یقین ہو جانے کے بعد غزالہ کے چہرے پر اس کی مخصوص مسکراہٹ پھیل گئی، چہرے کے عضلات کا تناؤ بھی دلکش زرباشت میں تبدیل ہو گیا۔ اس نے تارہ سے بھل گیر ہو کر اپنی نادانستہ کوتاہیوں پر معافی چاہی تو تارہ نے اسے اپنے بازوؤں میں سمجھ لیا۔

ان لحات کے آنے تک تارہ ہم سب کی ناپسندیدہ شخصیت تھی لیکن اسے یکہ و تحمات نہیں کے ایک لمبے سفر روانہ کرتے ہوئے ہم سب ہی بے نام سی اداسی محسوس کر رہے تھے۔ آخر کار تارہ جھلجھلائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ سلطان شاہ کے پیچھے فلیٹ سے نکل کر زینوں کی طرف بڑھ گئی۔

”خس کم، جہاں پاک“ فلیٹ کا دروازہ بند ہونے کے بعد ویرانے ایک گھبراہٹ سانس لے کر کہا ”اسے دیکھ دیکھ کر میرا خون کھول رہا تھا! ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہمیں نظروں ہی نظروں میں رکھا جائے گی۔“

”بس کرو ویرا!“ غزالہ نے ٹوکا ”ہم نے اسے خاصا ستالیا۔ اب وہ جا چکی ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں رائے زنی سے گریز کرنا چاہئے۔ اسے ہم نے بگاڑا تھا“ نہ سدھار سکتے ہیں۔ وہ ہمیں بھی ہے اس کے لئے ہدایت کی دعا کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارا دیا ہوا سبق ہی اس کے لئے کافی ثابت ہو۔“

”مجھے ایسی عورتوں سے سخت نفرت ہے جو پرانے مردوں پر ڈورے ڈالنے کے چکر میں رہتی ہیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے ایسی چڑبیلیں یاد آجاتی ہیں جن کے دہانے زندہ انسانی خون سے تھمرے ہوئے ہوں۔“

”دوسروں پر تنقید کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں بھی جھانک لینا چاہئے“ میں نے کہا۔

”تم دونوں لڑتے رہو“ میں ذرا کھانے کی تیاری کر لوں تاکہ سلطان شاہ کے آنے تک میز لگانے کا بندوبست ہو سکے“ غزالہ نے موقع کی نزاکت بھانپ کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔

”تم مجھے اپنے گریبان میں جھانکنے کا مشورہ کیوں دے رہے ہو؟“ غزالہ کی بات پر دھیان دے بغیر ویرانے پوچھا۔

”ہمارا دامن بھی پاکیزہ نہیں ہے۔ کچھ عرصے پہلے تک تم اس پر فخر بھی کرتی رہی ہو“ میں اس موضوع کو آگے نہیں بڑھانا چاہتا تھا لیکن غزالہ کے چلے جانے کی وجہ سے مجھے ویرا کو مسکت جواب دینے کا موقع مل گیا۔ ویرا کو جلد از جلد اس کے ذہنی معمول پر لانے کے لئے ضروری تھا کہ اسے اس کے پسندیدہ موضوعات پر گفتگو میں مصروف رکھا جائے۔ اس وقت وہ خود ہی بات بڑھانے پر آمادہ تھی۔

”مجھے اب بھی اس بات پر فخر ہے کہ میں اپنی زندگی میں کبھی مردوں کا کھلوتا نہیں بنی۔ مجھے چاہا، حاصل کر لیا اور جب اس سے دل آکٹا گیا تو اسے بھول گئی۔ یہ طعنہ دے کر تم کیا ثابت کرنا چاہ

دیتے تم یہاں سے کب تک جاری ہو؟“  
”غزرا“ تارہ بولی ”شاید ذہنی صاحب نے تمہارے شوہر کو برقع خریدنے کے لئے بھیجا ہوا ہے۔“  
”برقع؟ کیا تم برقع بھی استعمال کرتی ہو؟“ ویرانے حیرت سے پوچھا۔

”سمجھا کرو۔ کبھی کبھی اس کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ کوئی تارہ کو میاں آتے جاتے نہ دیکھ سکے۔“

اس کے بعد غزالہ دوپاٹہ ڈرائنگ روم میں نہیں آئی۔ ویرا کچھ دیر تک تارہ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس دوران میں تارہ بے تابی سے بار بار اپنی دست و پاؤں کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

”چائیں جارج کب لوٹے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آخری ٹرین نہ نکل جائے“ تجلید ہونے پر وہ مضطربانہ لمبے میں بولی ”خبر مل چھوٹ گئی تو پھر مجھے سکھایا کہ پریس سے جانا ہو گا جو رات بھر کے سفر کے بعد دوپٹری پہنچانے کی اور وہاں سے ٹرین بدلنی پڑے گی۔“

”ٹرینوں کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ شک ہیں!“ میں نے حیرت سے کہا۔

”میں اپنی زندگی میں دوسری بار ٹرین سے سفر کروں گی۔ یہ ساری باتیں میرے بھائی نے بتائی ہیں۔ فوج میں ہونے کی وجہ سے اس کا اکثر کراچی آ جانا لگا رہتا ہے۔“

پھر سلطان شاہ کے آنے تک ہمارے درمیان کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہوئی۔ جب سے وہ میرے دل سے اتاری تھی، میری طبیعت اس سے متغیر ہو گئی تھی اور میں خود اسے جلد از جلد فلیٹ سے روانہ کرنے کا خواہاں تھا۔

تارہ نے برقع پہن کے دیکھا۔ وہ بالکل مناسب تھا۔ اس نے اپنے سفری خیلے کو تلاش کیا اور روانگی کے لئے تیار ہو گئی۔ اس کی مستقرانہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

”جارج!“ میں نے سلطان شاہ سے مخاطب ہو کر کہا ”میں چند ذاتی وجوہ کی بنا پر اس وقت باہر نہیں جاسکتا۔ نہیں زحمت تو ہوگی لیکن ذرا تارہ کو ریلوے اسٹیشن تک چھوڑ آؤ۔ اسے رحیم یار خان جانا ہے اور ہر قیمت پر جانا ہے۔ بہتر سے بہتر درجے کا ٹکٹ دلانے کے بعد تم واپس آ سکتے ہو۔“

”کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ مجھے اسٹیشن پر چھوڑ دیں؟“ تارہ کی آواز اور آنکھوں میں التجا تھی۔

”میں پہچان لیا گیا تو تم بھی برقع کے باوجود دشواریوں میں پڑ جاؤ گی۔ جارج بہت شریف اور زن مرد قسم کا آدمی ہے۔ یہ تم کو پوری حفاظت سے ٹرین میں سوار کرا دے گا۔“

غزالہ کی موجودگی میں وہ مزید اصرار کرنے کی ہمت نہیں کر سکی۔

چھین سکتی۔ تم خود گواہ ہو کہ اس نے کبھی مجھے روکنے ٹوکنے کی کوشش نہیں کی۔“

وہ دیرا تھی۔ ایک مختلف، منفرد اور پُر عزم عورت جو اسے مغالب کی سوچ کے ہر پلانے کو توڑ کر پیشہ سے بہت اوپر نظر آتی تھی۔ وہ چند قہروں میں قلب و نظریں کی وارداتوں کے بارے میں جو حکایتیں بیان کر رہی تھی وہ کوئی پُر گدا ازل ہی محسوس کر سکتا تھا۔ ان حکایتوں کی کوئی تشریح ہو سکتی تھی اور نہ تاویل۔ ان سب کے لئے کتابوں کے دفتر کے دفتر کا کافی تھے۔

میں نے بابا سوچا اور غور کیا تھا۔ دیرا، غزالہ کی موجودگی کی پروا کئے بغیر میرے ساتھ اس طرح پیش آتی تھی کہ میں اندر ہی اندر رکت کر رہ جاتا تھا۔ مجھ پر سخت طاری ہونے لگتی تھی اور میں سوچتا تھا کہ غزالہ اس بے تکلفی پر دیرا سے لڑ پڑے گی لیکن کبھی بھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ غزالہ ہمیشہ اسے طرح دے جاتی تھی یا اس کا ہر رویہ ہنس کے ٹال دیتی تھی لیکن نادارہ کو وہ اس کی مقناطی روی کے باوجود زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکی۔ اس سے دوسری ملاقات ہی میں شکوہ زبان پر لے آئی۔ شاید یہ غزالہ کی نسوانی جبلت تھی، اس کی پرکھ تھی یا شاید دنیا کی ہریوی اس وصف سے بالا مال ہوتی ہے کہ دوسری عورتوں کی نگاہوں کے پیچھے پوشیدہ دل کی ہر تحریر پڑھ لیتی ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ کون سی عورت بے ضرر ہے اور کون اس کی خلوت میں نقب لگا کر اس کی تباہی پر کانٹوں کی فصل بکھیرنے کے چکر میں ہے۔

سلطان شاہ بہت دیر سے واپس آیا۔ پتا چلا کہ نادارہ نے خیر میل کی روانگی تک اسے اسٹیشن ہی پر روکے رکھا تھا۔ غزالہ کو اس کی آمد میں تاخیر پر تشویش سی ہونے لگی تھی۔ اسے دیکھا تو کل اٹھی اور فوراً ہی میز پر کھانا لگا دیا۔ میز پر سلطان شاہ کچھ کھوٹا کھوٹا اور تادم سا نظر آیا جیسے اس کے دل میں کوئی چور ہو۔ وہ نادارہ کے ذکر میں بالکل بھی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ میرے لئے سلطان شاہ کی وہ کیفیت بہت دلچسپ اور معنی خیز تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ جاتے جاتے نادارہ اسے کوئی چرکا لگا گئی تھی۔

جب دونوں عورتیں ہر کام سے فارغ ہو کر اپنی خواب گاہوں میں چلی گئیں تو میں نے سلطان شاہ کو اس کے کمرے کی تنہائی میں جالیا۔ وہ اپنے بستر پر چٹ لینا چھت کو گھور رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ نادارہ کے ساتھ کچھ اور بھی اسٹیشن پر چھوڑ آئے ہو!“ میں نے کسی تہمید کے بغیر اس پر براہ راست حملہ کر دیا۔ ”اس وقت بھی شاید اسی کے تصور میں کھوئے ہوئے تھے۔“ ”تھوکر کبھی جو تک نہیں لگتی“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ویسے مجھے اس بات کا حلق ہے کہ ہم لوگوں نے اس بے چاری کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ یہاں وہ غزالہ سے خوف زدہ ہو کر خاموش تھی لیکن گاڑی چلتے ہی اپنی بد قسمتی پر پھوٹ پھوٹ کر

رہے ہو؟“

”منقبت ہے کہ تم نے میری بات کی تردید نہیں کی۔۔۔ یہ بتاؤ کہ تم میں اور نادارہ میں کیا فرق ہے؟“

”اس فرق کو دیکھنے کے لئے نگاہ چاہئے۔ وہ پرانے مردوں کا پچھا کرتی ہے، میں تازہ شکار پر گزر بسر کرنے کی عادی تھی۔ مرد ندیدے ہوتے ہیں۔ ہر قماش کی عورتوں اور لڑکیوں پر ڈورے ڈالنا ان کے مزاج کا حصہ ہوتا ہے لیکن عورت کو بگڑ کر بھی باوقار نظر آتا چاہئے ورنہ پھر عورتوں اور مردوں میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے؟“ میری توقع کے عین مطابق اس موضوع پر دیرا کا ذہن خوب چل رہا تھا۔

”اگر خود ستائی نہ سمجھو تو میں اپنی مثال دوں گا۔ میری اور تمہاری دوستی پر معیار سے بہت گہری اور قریبی رہی ہے۔ اسے تم کس کھاتے میں ڈالو گی؟“ میں نے قدرے دھیمی آواز میں اس سے پوچھا۔

”وہ سب اس وقت کی باتیں ہیں جب ڈون کو انگ فونے ڈنڈے کے زور پر تمہاری اور غزالہ کی شادی نہیں کرائی تھی۔۔۔ بعض اوقات تم پڑی سے اتر کر بالکل بے سرو پا باتیں کرنے لگتے ہو۔“

”یہ بے سرو پا باتیں نہیں، اسی زمین کے حقائق ہیں۔ ہم دونوں کی شادی بلاشبہ نہیں ہوئی تھی مگر تم کو معلوم تھا کہ میں غزالہ کو دیوانہ وار چاہتا ہوں۔ اسی جوش رقابت میں تم نے ایک بار اسے انگلینڈ پہنچا دیا تھا اور دوسری مرتبہ بھارت بھجوا دیا تھا۔“

”کسی کو چاہئے ہے کچھ نہیں ہوتا۔ شناخت محسوس رشتوں سے ہوتی ہے“ وہ ڈھٹائی سے بولی ”غزالہ سے حادثاتی شادی ہونے سے پہلے تم کھلے نشانے پر تھے جو گھماکل کرے، وہ قبضہ کرے۔ تمہارے لئے میں نے کھل کر غزالہ کا مقابلہ کیا۔ ہر جائز اور ناجائز حربہ استعمال کیا۔ اسے ازیت بھی پہنچائی کیونکہ اس وقت وہ میری حریف بلکہ رقیب تھی لیکن جب تم نے اسے اپنی بیوی بنایا تو میں نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ یہ میری زندگی کی پہلی اور شاید آخری بار تھی۔ اس کے بعد تم نے دیکھ لیا ہو گا کہ میرے رویے میں ناقابل یقین تبدیلیاں آچکی تھیں۔“

میں نے بس ایک لمحے کے لئے سوچا اور محسوس کیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی مگر میں نے اسے چڑانے کے لئے کہا ”تم اب بھی کبھی میرے ساتھ اس طرح پیش آتی ہو جیسے مجھ پر غزالہ سے زیادہ حق رکھتی ہو!“

”وہ میرے دل کی کک ہے“ دیرا ایک لبا سانس لے کر بولی۔ ”چور چوری سے جاتا ہے، ہمراہی پھیرے سے نہیں جاتا۔ تم نے مجھے دغا دے دی تو کیا ہوا، میں تو اب بھی تمہیں پرانا ڈنڈی سمجھتی ہوں جب بھی تمہیں دیکھتی ہوں تو بولنے پر مجبور ہو جاتی ہوں۔ غزالہ نے تمہیں مجھ سے چھین لیا لیکن وہ میرا بولنے کا حق نہیں



بعد میں ذہنی طور پر خود کو بہت ہلکا چمکا محسوس کر رہا تھا کیونکہ تارہ کی حفاظت اور آرام کی فکر اس کے ساتھ جا چکی تھی۔ اب میرے سامنے اکلوتا دف بانی رہ گیا تھا اور وہ اس الیڈا تھا۔ اس تک رسائی کے لئے جیت طرہ مارے قبضے میں تھا۔

میں بستر پر دروازہ ہو کر بھی جیت طرہ کی زبان کھلوانے کے طریقوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ نیند آنے تک میں ایک حتی فیصلہ کر چکا تھا کہ رات کے اندھیرے میں جیت طرہ تک پہنچنے کی کوشش خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اس سے تارہ کے غیر آباد مکان میں باز پرس کے لئے دن کا اجلاسب سے بہتر تھا۔

میں نے ایک مہموہمی امید میں جیت طرہ کا ریڈیائی اپریش آن کر کے اپنے سرہانے رکھ لیا تاکہ اس پر ہونے والی کسی بھی حرکت کو سے پوری واقفیت حاصل ہوتی رہے لیکن پوری رات کسی ظلم کے بغیر گزر گئی۔ میں اپنی نیند پوری کر کے بیدار ہوا تو فلیٹ میں ناشے کا دور چل رہا تھا۔ میں نے حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے کے بعد میز پر آتے ہی اپنے منصوبے کا اعلان کر دیا۔ اس منصوبے کے مطابق دونوں عورتوں کو گھر میں رہنا تھا۔ سلطان شاہ کو میرے ساتھ تارہ کے گھر جانا تھا جہاں جیت طرہ ایک محفوظ خانے میں قید تھا۔

میری دانت میں تارہ کے مکان پر ہم لوگوں کے لئے تصادم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس مکان کا رخ کرنے والے گیری ہارٹ کے آدمیوں کو جیت طرہ کا سراغ نہ ملا ہوتا تو قصہ ہی ختم تھا۔ اگر وہ جیت طرہ کا سراغ لگا کر اسے یہ خانے سے نکال لے گئے تھے تب بھی مکان کی نگرانی کا امکان نہیں تھا۔ وہ یہی سمجھتے کہ میں نے جیت طرہ کو معذور کر کے ان ہی کے لئے وہاں ڈال دیا تھا تاکہ اس کی معذوری اس کے دوسرے ساتھیوں کے حوصلے پست کر سکے۔ عیم گمن میرے لئے ایک ناگزیر ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ ہم نے دو بھرے ہوئے ریلو اور بھی لے لئے۔ سراب گونڈ سے خریدے ہوئے بامودی شہیدوں کے بارے میں سلطان شاہ نے یاد دہانی کرائی مگر مجھے مقبول آباد کی ممکنہ صورتحال میں ان حساس دستوں کی کوئی افادیت نظر نہیں آئی اور ہم ناشے سے فارغ ہو کر مقبول آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔ جیت طرہ کا اپریش میری جیب میں موجود تھا۔

○☆☆○

مقبول آباد شہر کی ایک متحول اور قدیم آبادی تھی جو مین ریلوے لائن اور شارع فیصل کی مختصر پٹی میں واقع تھی۔ اس علاقے میں ہر مکان بڑے رتبے پر بنا ہوا تھا اس لئے ہر گلی میں گنتی کے چند مکان تھے شہر کے دوسرے آسودہ حال رہائشی علاقوں کی طرح مقبول آباد میں بھی ہر مکان کینوں کی قلت کا شکار تھا اس لئے وہاں بھڑبھڑا کر سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔ وقفہ وقفے سے کوئی پھیری والا یا بچی آبادی سے آئے جانے والا کوئی راہ گیر ان پختہ

دینے لگی۔ مجھے اس کو سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔

”وہ بڑی پرفریب اور بڑا کار عورت ہے“ قریب ہو کر سنبھالنے جنہیں اتنی دشواری نہ ہوتی۔“

”مذاق مت کر۔ ہم نے اپنا کام لے کر اسے کمسن سے پال لی طرح الگ نکال دیا۔ وہ ہماری مزید توجہ اور سارے کی مستحق تھی۔ اس کے ساتھ جو ہوتا تھا“ ہو گیا لیکن مجھے اس سنگ دلی پر افسوس ہے۔“

”تم خود بھی اس کی مخالفت پر کمر بستہ تھے“ میں نے آنکھیں کھل کر کہا۔

”اسی لئے زبان بند کی ہوئی ہے۔ میری کھری کھری باتیں فزائلا کو پسند نہیں آئیں گی۔“

”برخوردار! ہوش کے ناخن لو!“ میں نے تیزی سے کہا ”وہ اس قدر مکاری کے ساتھ مجھ پر ڈورے ڈال رہی تھی کہ ایک مرحلے پر میں خود گھبرا کے اس سے جان چھڑانے کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔“

”غلطی تمہاری تھی کہ تم اسے بند دووازے کے پیچھے غلط میں لے کر بیٹھے ہوئے تھے۔ پیاپی زمین پر پانی ڈال کر تم یہ امید رکھو کہ پانی زمین پر کھڑا رہے گا تو یہ تمہاری بھول ہے۔ انجینی مرد اور عورت کو غلط میں یک جا ہونے سے اسی لئے روکا گیا ہے کہ جب ان دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہیں ہوتا تو شیطان خود بہ خود آجاتا ہے۔ تم نے اسے غلط فراہم کی“ اس نے اس کا غلط مفہوم لیا اور ہلکتی چلی گئی۔

میں نے جرت سے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”پیاپی زمین“ انجینی مرد اور ہلکی ہوئی عورت! آج تم بہت فٹیل ادا دہول رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تارہ کا جادو تمہارے سرچڑھ کر بول رہا ہے۔ اس کا کسی اور پر بس نہیں چلا تو تمہاری برین واشنگ کر ڈالی۔“

باتوں کا سلسلہ قدرے دراز ہوتا چلا گیا۔ مجھے تجسس تھا کہ تارہ نے اس پر ایسا کون سا سحر آزمایا تھا کہ وہ مخالفت کو بالائے طاق رکھ کر اس کا ہمدرد بن گیا تھا لیکن کافی کریدنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ آنسو ہی عورت کا سب سے بڑا اختیار ہوتے ہیں اور جب وہ آنسو کسی شیریں سخن اور عیسیں بدن حسینہ کی آنکھوں سے رواں ہوں تو بڑے بڑے داناؤں کی عقل اپنے ساتھ بمالے جاتے ہیں۔

میں سلطان شاہ کو اس کے حال پر چھوڑ کر وہاں سے لوٹ آیا۔

تارہ جس غیر متوقع بلکہ چونکا دینے والے انداز میں ہماری کمائی میں داخل ہوئی تھی، میرا قیاس تھا کہ وہ کافی دنوں تک ہمارے ساتھ شریک کار رہے گی لیکن وہ اپنے کردار کی وجہ سے قتل از وقت ہی کمائی سے باہر ہو گئی تھی۔ اس کے چلے جانے کے

وہ میری غلطی تھی۔ سلطان شاہ کے ذہن سے نادرہ کی ہمدردی کے اثرات مٹانے کے لئے میں نے گھر سے مقبول آباد آتے ہوئے اسے نادرہ اور شیر کے مشتبہ مراسم کے بارے میں بھی بتادیا تھا۔ اس وقت وہ مجھ سے سنی ہوئی بات مجھ ہی کو سنا رہا تھا۔ ”جو چیز جس کا مقدر ہوگی، اسی کو پہنچے گی۔ بہت جلد یہ کھلا ہوا مکان خالی ہو جائے گا“ میں نے کہا۔

”مکان کی جگہ صحت سے معلوم ہوتا ہے کہ نادرہ خاصی شوقین مزاج ہے۔۔۔“

”نادرہ کا شمار اپنے ذہن سے جھٹک دو اور اس کی خواب گاہ سے ایک نیل لپ اٹھالو، تاکہ ہم جیت لری مزاج پر ہی بھی کرلیں۔ ہم یہاں نادرہ کے شوق اور مزاج پر تحقیق کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔“

”نیل لپ کی کیا ضرورت ہے؟ اس وقت تو وہ خانے میں بھی اچالا ہوگا۔ ہم لپ کو اپنے ساتھ کہاں کہاں لئے پھریں گے؟ اس کی جگہ کوئی تابع ہوتی تو بات بن سکتی تھی۔“

”تم سے جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔ نہیں کر سکتے تو بار بار گاڑی میں آرام کرو۔“

”ہلاؤ، ناراض ہو رہے ہو؟“ وہ منہایا ”بیرا کیا ہے۔ کوئے تو ذرا تنگ روم کا فانوس بھی اٹارلاؤں گا۔“

اپنی بڑبڑاہٹ کے باوجود وہ سرعت سے نادرہ کے کمرے کی طرف گیا اور وہاں سے ایک نیل لپ اٹھالیا۔ اسے دیکھتے ہی میں کچن کے عقب میں جانے والی راہ داری میں بڑھتا چلا گیا۔ سلطان شاہ نے اس سے پہلے نادرہ کا گھر نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ روشن زینے طے کر کے خانے میں پہنچا تو اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے کیونکہ وہ کسی بھی صورت سے نہ خانہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس زیر زمین خواب گاہ میں مفنور طمرے بے بسی کے عالم میں قالین پر پڑا ہوا تھا۔

جیت لری میری ٹھوکریں کھانے کی وجہ سے خاصا زخمی ہوا تھا اور اس کا چہرہ گڑبگڑا تھا۔ اس کے منہ پر سختی سے بی بندھی ہوئی تھی اور طویل بے خوابی کے سبب آنکھیں متورم تھیں۔ وہ سب کچھ سن اور دیکھ سکتا تھا لیکن منہ میں حلق تک کپڑا ٹھنسا ہوا ہونے کی وجہ سے کوئی آواز نکالنے سے قاصر تھا۔ مجھے دیکھ کر اگر اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہو تو وہ میرے مشاہدے میں نہیں آسکی کیونکہ اس کے چہرے کی کوئی لیکر اپنی اصلی حالت میں نہیں تھی۔ ٹوٹ پھوٹ، درم اور بندشوں نے سب کچھ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

”ہم دونوں ہی جیت کے ساتھ اس چوہے دان میں آگئے ہیں“ سلطان شاہ نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی ”غنت ہے کہ ابھی تک اس کے ہمدردی سے خانے تک نہیں پہنچ سکے لیکن اس وقت کوئی یہاں آنکلا تو سیدھا وہ خانے کی طرف آئے گا اور یہاں

گلیوں کی خاموش فضا میں تھوڑی بہت ہلچل مچا دیتا ہو تو وہ دیگر بات تھی۔

ہم دونوں نے گاڑی میں اس گلی کا ایک پکر لگایا جس میں نادرہ کا مکان واقع تھا۔ میدان ہماری توقع کے عین مطابق بالکل صاف تھا۔ گلی میں دور تک مشتبہ تو کیا، کسی بھی گاڑی کا وجود نہیں تھا۔ وہاں رہنے والوں کے گھر اتنے کشادہ تھے کہ وہ بیک وقت کئی کئی گاڑیاں اپنے گھروں میں کھڑی کر سکتے تھے۔

میرے ایما پر سلطان شاہ نے کار سروس روڈ پر ایک کنارے سے پارک کر دی۔ وہاں وہ گاڑی کسی بھی شخص کی نگاہوں میں ضرور آسکتی تھی لیکن وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کار کے سوار علاقے کے کس مکان میں گئے ہوں گے۔

گاڑی کے چاروں دروازے مقفل کر کے ہم دونوں اپنی مطلوبہ گلی میں داخل ہو گئے۔ نادرہ کے گھر کا چوٹی پچانک معمول کے مطابق بند تھا اور اندر کھڑی ہوئی نادرہ کی کار بھی اسی جگہ موجود تھی جہاں میں نے پچھلی شام اسے دیکھا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ باہر سے ہاتھ ڈال کر بھی اس چوٹی پچانک کا کنڈا کھولا جاسکتا تھا۔ میں نے ایک لحظے کے لئے چوٹی پچانک کے قریب رک کر جائزہ انداز میں گلی کا جائزہ لیا اور میدان صاف دیکھ کر سرعت سے چوٹی پچانک کھول کر اچالے میں داخل ہو گیا۔ سلطان شاہ نے میری تقلید کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔

احاطہ ویران تھا۔ عمارت کا داخلی دروازہ بظاہر بند تھا اور اسے بند ہی ہونا چاہئے تھا۔ ہلکا سا دباؤ ڈالنے پر دروازہ کھل گیا۔ ہم یکے بعد دیگرے پوری احتیاط سے اندر داخل ہوئے تو میری توقع کے عین مطابق نادرہ کے ذرا تنگ روم کی پیش رفتی آرائشی اشیاء غائب تھیں۔ شاید جیت لری تلاش میں وہاں پہنچنے والوں نے وزنی ساز و سامان کو پختہ بے بغیر پھینکی ہوئی مگر بیش قیمت چیزوں پر ہاتھ صاف کر دیا تھا۔

ہم نے پوری احتیاط سے گھر کا جائزہ لے ڈالا۔ وہاں کسی ذی روح کی موجودگی کے کوئی آثار نہیں تھے البتہ مجھے گھر میں بہت سی ایسی چیزوں کی کمی محسوس ہو رہی تھی جو گاڑی میں ڈال کر لے جانی جاسکتی تھیں۔

”ضروری نہیں کہ یہ جیت لری کے ہمدردوں کی حرکت ہو۔ لہذا عاشق بھی یہ کارنامہ دکھا سکتا تھا“ سلطان شاہ نے کم شدہ چیزوں کے بارے میں میری رائے سننے کے بعد کہا۔

”یہ لہذا عاشق کون ہے؟“ میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”دی۔ نادرہ کا خانگی ملازم۔ اس نے سوچا ہو گا کہ مالکن جاری ہے۔ کھلے ہوئے گھر کا سامان دوسروں کے ہاتھ لگے گا تو کیوں نہ وہ اپنا حصہ ساتھ لیتا جائے۔ لیکن کو کیا معلوم ہو سکے گا۔“

اثبات کی صورت میں دھبے دھبے لگنے لگے۔

میں نے بڑھ کر اس کے منہ پر بندھی ہوئی ہٹی کھولی پھر بے رحمی کے ساتھ اس کے دہانے سے کپڑا باہر کھینچنا شروع کر دیا۔ کپڑے کی تیز رگڑ سے اس کے نچلے ہونٹ سے خون جاری ہو گیا۔ کپڑا نکلتے ہی اس نے منہ کھول کر اور آنکھیں بند کر کے دو گھرے گھرے سانس لئے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی مگر وہ لے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ شاید اس کا دہانہ بالکل خشک ہو چکا تھا اور زبان اٹھنے پہلی تھی۔

مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ پانی کے چند قطرہوں کے لئے ترس رہا تھا۔

میں نے ہاتھ دوم سے ایک گلاس میں پانی بھرا اور پھر کھڑے کھڑے وہ گلاس اس کے کھلے ہوئے دہانے پر اتر چلا۔ چند گھونٹ اس کے منہ میں گئے، پانی پانی اس کے چہرے کو ہلکوتا ہوا قالین میں جذب ہو گیا۔ میری نظریں اس دوران میں مسلسل اس کے چہرے پر مرکوز رہی تھیں۔

”تھ... تھ... تمہیں مجھ سے لگ... کیا چاہتے ہو؟“ حلق تر کرنے کے بعد جھٹ طرے انک انک کر اٹھریزی میں سوال کیا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ محض دس، اسی اور طویل بے خوابی نے اس کے اعصاب کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

”میں لمبی چوڑی جبر کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ میں جو باتیں جانتا ہوں وہ اپنی جگہ اٹل ہیں۔ تم انہیں جھٹا سکتے ہو نہ مجھے تمہاری تصدیق کی ضرورت ہے... یہ بتاؤ کہ تمہارے چیف ڈی مشن کا کیا نام ہے؟“

”میں نہیں جانتا۔“ اس نے انک انک کر کہا۔ اس کے سینے کے پھولنے اور پھٹنے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یک ایک اس کے شخص کی رفتار تیز ہو چکی تھی۔

”میں مانے لیتا ہوں۔ گہری ہارٹ بھی اس بات سے بے خبر ہے کہ راس الیڈا چیف کے روپ میں اسے اپنے اشدوں پر نچا رہا ہے۔“ یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی جیب سے نیم گن نکال لی ”اب یہ بتاؤ کہ بلیک ہاک کون ہے؟“

”تمہاری ماں کا قصم!“ وہ حلق کے بل دہاڑا اور دہانے کی مھو و فضا اس کی آواز سے گونج کر رہ گئی۔

اس کی گالی جتنی غیر متوقع تھی، میں اس سے کہیں زیادہ تیزی سے حرکت میں آیا اور میری ٹھوکروں نے اس کی کئی پسیاں ادھیڑ کر رکھ دیں۔ وہ ہلپٹا ہوا قالین پر دوڑ نکل لوثا چلا گیا۔

غیر ارادی ہلپٹا ہٹ پر قابو پانے کے بعد وہ پھر غرائے گا ”اگر میرے ہاتھ ہیر کھلے ہوتے تو میں ایک ٹانگ سے محض ہونے کے باوجود تمہارا بھرکس نکال سکتا تھا۔ تم بلی کے گندے کپڑے ہو۔ تمہیں بہت جلد پتہ چلے گا کہ دیا جائے گا۔ تم میری زبان سے کچھ نہیں اگھوا سکتے۔“

”کرگولی مار دے گا...“  
”ستم اور جا کر نگرانی کرو۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔  
”میرے وقت ایک اہم ترین نکتے کی نشان دہی کی تھی جو کسی وجہ سے میرے ذہن میں نہیں آ سکا تھا۔ ہمیں مارنے کے بعد قاتل کے ہاتھ جیت کو کندھے پر لاد کر باہر لے جانا نہایت آسان کام بت ہوتا۔“

”لیپ بھی ساتھ لیتا جاؤں؟“ سلطان شاہ نے معصومیت سے پوچھا۔  
”اس سے یہیں رکھ دو“ میں نے غراہٹ کے ساتھ کہا ”یہ جیت لے دین سے روشن ہو گا۔“

سلطان شاہ لیپ ایک تپائی پر رکھ کر چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے تبرے پر جیت نے زور شور سے اپنے جسم اور بڑھ ٹانگ لولا کر مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں لیکن میں اس کی طرف دھیان دیے بغیر لیپ کے تاروں کی طرف توجہ ہو گیا۔

لیپ کے ساتھ گئے ہوئے دہرے تاریکی لمبائی میری ضرورت سے زیادہ تھی۔ میں نے ان میں سے ایک تار کو درمیان سے کاٹ کر اس کے دونوں سرے دوسرے تار سے الگ کر لئے۔ اس کے بعد میں نے ایک دیوار گیر بورڈ میں نیل لیپ کا پلگ لگا کر سوچ آن کر دیا۔ لیپ میں نصب سوچ میں پہلے ہی آن کر چکا تھا۔ میں نے کئے ہوئے تار کے دونوں سروں کو جو ہی ملایا لیپ روشن ہو گیا۔ میں کئے ہوئے تار کے دونوں نچلے سرے لے کر جیت کی طرف بڑھا تو اس نے تیزی سے قالین پر لوٹ لگا کر دور نکلتا چاہا لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔

میں نے پھرتی سے تار کے نچلے سرے جیت کے جسم کے دو کھلے ہوئے حصوں پر لگا دیے۔ گردن اور بازو سے تار نکلتے ہی نیل لیپ جل اٹھا، اسی کے ساتھ جیت کے بدن کو اتنا شدید جھٹکا لگا کہ تار کے سرے میرے ہاتھوں سے چھوٹ گئے۔ میں نے بڑھ کر دیوار گیر بورڈ کا پلگ سوچ بند کر دیا۔

”لیپ میں صرف چالیس واٹ کا بلب ہے“ میں نے پہلی بار جیت کو مخاطب کر کے سولہجے میں کہا ”میں نے ابھی نمونے کے طور پر تھیں چالیس واٹ کا معمولی سا پلگ جھٹکا دیا ہے لیکن تم نے میرے سوالات کے بے ٹکان اور سیدھے جوابات نہیں دیے تو یہ مجھے سو سو اور پانچ سو واٹ کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اب یہ تمہاری قوت برداشت پر منحصر ہے کہ تم کتنی طاقت کے برقی جھٹکوں سے راہ راست پر آتے ہو۔ اب میں تمہارا دہانہ آزاد کروں گا۔ تم نے ذرا بھی گڑبڑ کی تو دوبارہ اسی حال میں پٹپٹا دیے جاؤ گے۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری راہنی پنڈلی کی طرح بائیں ٹانگ اور دونوں بازوؤں کو بھی تمہارے دھڑ سے الگ کر دوں۔“

اس کا حرکت کرتا ہوا جسم ساکت ہو گیا اور اس کی گردن

واحد راستہ یہی تھا کہ اسے محدود برقی جھٹکے دے کر بالکل ماؤف اور مفلوج کر دوں۔

میں نے لیپ میں سے چالیس واٹ کا بلب نکالا اور اس نے خانے کے ساتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں سے سواٹ کا بلب نکال کر کنبی طاقت والا بلب وہاں لگایا اور پھر سواٹ کا نسبتاً طاقتور۔۔۔ بلب لیپ میں لگا کر سوئچ آن کر دیا۔ کئے ہوئے تاریک دوجہ سے بلب روشن نہیں ہو سکا۔

”اب میں تمہارے پورے بدن کو داغ دار کر دوں گا“ میں نے کئے ہوئے تاریک دونوں ٹنگے سرے قاتلین سے انکار جیت کر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا ”ہر برقی جھٹکے پر تمہارا خون اپنے اجزا میں تحلیل ہو کر سوکھتا چلا جائے گا اور آخر کار تمہارے ہاتھ ہر اٹھنے لگیں گے۔ تمہاری موت واقع ہونے تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اس میں میرا زیادہ وقت ضائع نہیں ہو گا۔ تم نے خاموشی رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں تمہیں بیشک کے لیے خاموش کر دے گا۔“

اس کی آنکھوں میں دہشت اتر آئی۔ چہرے پر پسینے کی موٹی موٹی بوندیں جھٹکے لگیں۔ وہ ایک برقی جھٹکا برداشت کر چکا تھا اور اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ میں کیا کرنے والا تھا۔ اس پر آنے والے کرب ناک لمحوں کی اذیت اپنا رنگ جھاری تھی لیکن اس نے سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی۔

میں اس کے قریب جا کر رک گیا۔ کئے ہوئے تاریک دونوں ٹنگے سرے دو زہرے لگانوں کی طرح میری چٹکیوں میں دبے ہوئے تھے اور جیت کر مسلسل ان ہی کو گھورے جا رہا تھا۔ اس کے بدن کے مساموں سے خانہ ہونے والے پسینے کی مقدار میں یک یک بیک اضافہ ہو چکا تھا۔

میں اسے مارنے سے زیادہ زندہ رکھ کر دہشت زدہ کرنا چاہتا تھا۔ چند ثانیوں تک میں نے کوئی چوٹیں قدمیں کی اور اس کی گہلٹی ہوئی حالت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ جیت کر قاتلین پر پڑے پڑے بے بسی سے کسمار رہا تھا۔ میں نے اچانک ہی جھک کر دونوں تار اس کے رخساروں سے چپکا دیے۔ اس کے بدن کے ذریعے تاروں کا سلسلہ جڑے ہی لیپ میں لگا ہوا سواٹ کا بلب جل اٹھا۔ جیت کر طعنے کے حلق سے بے ساختہ چھین ابل پڑیں۔ اس کا بدن پوری وحشتانہ قوت سے تڑپ کر اچھلا اور تار اس کے رخساروں سے الگ ہو گئے۔

میرے لیے اس وقت وہ سفاکانہ کھیل بہت دلچسپ تھا۔ میں نے انفرادیت وہ تار اس کے بدن کی مکلی ہوئی جلد سے لگا دیے۔ روشنی کا ایک اور جھلکا ہوا ”جیت کر بدن کا ایک بار پھر تڑپ کر اچھلا اور بلب تاریک ہو گیا مگر اس بار میں نے جیت کر طعنے کو ذرا بھی ملت نہیں دی، جبکہ بدل کر تار کے سرے ایک مرتبہ پھر اس کے لڑتے ہوئے بدن سے جوڑ دیے۔

اس کی وہ فرسودہ ترکیب مجھ پر کارگر نہیں ہو سکی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے چہنچ پر مشتعل ہو کر میں اس کے ہاتھ پیر کھول دوں گا لیکن میں ان بد معاشوں کے ساتھ کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ میں نے بڑھ کر اس کے سر اور چہرے پر پینے بعد دیگرے اتنی ٹھوکریں رسید کیں کہ وہ دیوانگی کے عالم میں چیختے لگا۔ میں نے نہایت سفاکی سے اپنے جوتے کا اعلا اس کے دہانے پر رکھ کر پوری قوت سے دبا دیا۔

وہ کئی سیکنڈ تک میرے جوتے کے تلے کے نیچے دبا چھلتا رہا اور آخر کار اس دباؤ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ جسمانی طور پر خاصا مضبوط تھا۔ میں نے اسی وقت اندازہ لگایا کہ اسے محض جسمانی ایذا پہنچا کر زبان کھولنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ مضبوط جسم کے ساتھ مضبوط قوت ارادی کا بھی مالک تھا۔ یہ خانے کی قید نے اس پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا تھا۔ دس پندرہ دن کی مسلسل بے خوابی اور ایذا رسانی ہی اس کے اعصاب کی مزاحمت کو تباہ کر سکتی تھی جب کہ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔

میں نیم گن سے اس کے جسم کے نازک حصوں کو داغ دار کر کے اسے ناقابل برداشت اذیت میں مبتلا کر سکتا تھا لیکن وہ میری نظروں میں اتنا اہم نہیں رہا تھا کہ اس پر نیم گن جیسے نادر اور بیش قیمت ہتھیار کو خالی کیا جاتا۔ نیم گن ایک طویل عرصے سے میرے استعمال میں تھی۔ میں اس سادہ لیکن مؤثر ترین ہتھیار کے استعمال میں پوری مہارت رکھنے کے باوجود اس بات سے ناظم تھا کہ اس سے خانہ ہونے والی ملک نیکوں شعاعوں کا سلسلہ کب موقوف ہو جائے گا۔ دیرانگی کے با اختیار لوگوں سے بہت قریب رہی تھی۔ آخری دنوں میں شاید اسے جی لائینڈ کی خوشنودی بھی حاصل ہو چکی تھی لیکن وہ بھی نیم گن کا چارج ختم ہونے کے مسئلے پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکی تھی اسی وجہ سے میں اس ہتھیار کو انتہائی اہم اور ناگزیر مواقع پر استعمال کرتا تھا۔ جیت کر طعنے اذیت پہنچانے کے لیے اسے برباد نہیں کیا جاسکتا تھا۔

دوسرا راستہ مختلف پاد کے برقی جھٹکوں کا تھا لیکن ناوہ کے گھر میں مجھے کہیں بھی سواٹ سے زیادہ کے بلب نظر نہیں آئے تھے۔ جیت کو براہ راست الیکٹرک شاگ دینے میں یہ خدشہ تھا کہیں وہ کرنٹ کی زیادتی کی وجہ سے پہلے ہی جھٹکے میں جسم واصل نہ ہو جائے۔

میرے نزدیک موت اس کا مقدر بن چکی تھی لیکن میں اسے آسانی سے نہیں سکا سکا کر مارنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں اس کی قوت مزاحمت کو جان دے جاتی اور وہ میرے دشمنوں کے بارے میں کام کی باتیں اگلی شروع کر دیتا۔ اس کے ہاتھ بہت ہلکے ہوئے تھے۔ میں بچن کی کسی تیز دھار چھری سے اس کے بدن پر چمکے لگا کر اسے اپنی بارمانے پر مجبور کر سکتا تھا لیکن میری دانست میں وہ گھناؤنا طریقہ تھا جو طبیعت پر گراں گزر سکتا تھا۔ میرے لیے

ہوئے گزری ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم قانون اور اپنے دشمنوں سے چھپتے پھر رہے ہو۔ تم زیادہ دیر تک مجھے پالنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ میری زبان سے اپنے مطلب کی باتیں اگلو آگے اور پھر مجھے گولی مار دو گے۔ جب بد قسمتی سے موت ہی میرا مقدر رہی پچھلے ہے تو میں کیوں تمہاری خواہشات پوری کروں؟ مجھے مرتے ہوئے بھی اس بات کی خوشی رہے گی کہ میں نے تمہارے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا تھا۔

میں نے جوتے سمیت اپنا ایک پیر مسہری پر رکھ کر کہا ”تم نے موت کا صرف نام سنا ہے“ اسے قریب سے دیکھنا تک نہیں۔ تمہیں کوئی غلط بات نہیں سمجھا رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ مجھ سے سمجھو تاکہ تم زندہ رہ سکتے ہو۔ تم نے اندازہ نہ لگایا ہو گا کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں۔۔۔ ایسی باتیں بھی جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

میرے لیے بلیک ہاک کی بہت زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ میرا اصل نشانہ تمہارا چیف ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ راس الیڈا تم لوگوں کی صفوں میں چیف کے روپ میں صرف ایک آواز کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ اپنی ذات کو پوشیدہ رکھنے کے لیے اس نے بلیک ہاک کا کھڑک پھیلا دیا ہوا ہے۔ تم لوگ اپنے چیف سے اسی کے ذریعے رابطہ کرتے اور ہدایات لیتے ہو۔ میں کسی بھی لمحے بلیک ہاک کو چھپنے بغیر راس الیڈا کی گردن تاپ سکتا ہوں۔ وہ مرکز بھی میرے اس محفوظ ٹھکانے تک نہیں پہنچ سکتا۔

”تم جانتے ہو کہ میں راس الیڈا کے بارے میں بے خبر ہوں“ بلیک ہاک تمہارے لیے غیر اہم ہے پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔۔۔؟ میرے اوپر کس لیے تشدد کر رہے ہو۔۔۔؟ میرے ساتھ کس بات پر سمجھوتا کرنا چاہ رہے ہو؟ تمہاری ساری باتیں بالکل بے ربط ہیں۔ میں کوئی کم سن لڑکا ہوں اور نہ تم جس قسم پرست نظر آتے ہو پھر تم مجھے کیوں زندہ رکھنا چاہو گے؟“ وہ بجا طور پر بری طرح الجھا ہوا تھا۔

”سنو انکسز چیف طرا“ میں نے تہ خانے میں شلتے ہوئے کہا۔ ”میرا ریکارڈ رہا ہے کہ میں نے کبھی بھی دانت طور پر قانون کی قوتوں کو نہیں لٹکارا“ میں قانون کا احترام کرتا ہوں۔ قانون کے محافظوں سے تصادم مول لینے کے بجائے راستہ کاٹ کر نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم اپنی سرکاری حیثیت میں میرا کام کر رہے ہو تو شاید میں تم سے کبھی نہ لڑتا لیکن یہ تمہاری بد قسمتی ہے کہ تمہیں راس الیڈا جیسے خطرناک آدمی کی تحویل میں دیتے ہی سی آئی اے کی ملازمت اور مراعات سے محروم کیا جا چکا ہے۔ اب تم ایک بین الاقوامی بد معاش کے کارندے کے سوا کچھ بھی نہیں ہو۔ میری پارٹ مجھے بتا چکا ہے کہ وہ ان باتوں سے ابھی تک لاعلم تھا۔ اس کی اپنے چیف سے غلط کامی تک ہو چکی ہے۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تمہارے ذریعے راس الیڈا پر ہاتھ ڈالوں۔ تمہارا اپریش بد قسمتی سے مجھ سے تباہ ہو گیا۔ تم فون پر میری ہدایات کے مطابق

حیف طرا کے بدن کو شدید جھٹکا لگا۔ اس نے اپنی چیخ روکنے کی پوری کوشش کی مگر جس کے نتیجے میں اس کے حلق سے ایک تیز غرہٹ آزاد ہو کے رہ گئی۔ اس بار بھی میں نے حیف کو کوئی وقفہ نہیں دیا۔ تار پٹنے ہی دوبارہ اس کے بدن سے لگا تا رہا اور وہ سلسلہ تواتر سے چل نکلا۔

وہ برقی جھٹکے یقیناً بہت روح فرسا رہے ہوں گے۔ حیف طرا کا پورا بدن پینوں میں نہاتا چلا گیا۔ اس کا چہرہ بھی لمحہ بہ لمحہ تاریک ہونے کے ساتھ سیاہی مائل ہوتا جا رہا تھا لیکن وہ نہایت پامردی سے اس اذیت کو برداشت کرتا رہا۔ اس نے مجھ سے رحم کی فریاد کی اور نہ ہی حلق پھاڑ کر چیخا چلا تا شروع کیا۔ اس کے سوچے سمجھے رد عمل سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بدترین جسمانی اذیت سے گزرنے کے باوجود اس کا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔

چند ثانیوں تک اسے بری طرح لٹکانے کے بعد میں رک گیا اور تار قالین پر ڈال کر اپنے لیے سگریٹ سلگانے لگا۔ نتیجے کے اعتبار سے مجھے اپنی وہ مشقت بے فیض ثابت ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ”تم میرے بدن کا ریش ریش ادھیڑ ڈالو پھر بھی میری زبان نہیں کھلوا سکتے“ وہ ہانپتے ہوئے کرب و اذیت سے لرزتی ہوئی تحقیر آمیز آواز میں بولا ”اگر یہ سچ ہے کہ تمہارے چیف کے روپ میں راس الیڈا خود میدان میں اتر آیا ہے تو مان لو کہ تمہارے دن گئے جا چکے ہیں۔ مجھے اور مجھ جیسے دو چار آدمیوں کو ختم کر لینے کے بعد بھی تم اپنے انجام سے نہیں بچ سکو گے۔ راس الیڈا جلد ہی ایک ڈراؤنا خواب بن کر تمہارے اعصاب پر سوار ہو جائے گا۔ تم اس سے چھپتے پھو گے لیکن تمہیں روئے زمین پر کیسی امان نہیں مل سکے گی۔“

میں سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے پوری توجہ سے اس کا جائزہ لیتا رہا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بہت زیادہ ضدی اور سخت جان تھا لیکن اس کے بشرے اور آواز سے تمہاکا کا اظہار ہونے لگا تھا۔ بجلی کا تار جلد سے گٹنے اور پٹنے کے نتیجے میں اس کی کھال جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی اور ننھے ننھے پھوڑوں جیسے ان زخموں سے خون رسنے لگا تھا۔

”تم میری فکر میں اپنی عاقبت خراب مت کرو۔“ میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا ”یہ سمجھ لو کہ جب تک تم میری ہدایات پر عمل نہیں کرو گے، تشدد کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اپنی ضد پر اڑے رہنے کی صورت میں تم میرے لیے بے مصرف ہو اور تمہارا مرجانا ہی بہتر ہو گا۔“

”شاید تم مجھے یہ سمجھانا چاہ رہے ہو کہ تمہارے سامنے ہتھیار ڈال دینے کی صورت میں مجھے زندگی کی بیک مل جائے گی اور میں تمہارے بے رحمانہ سلوک سے نجات حاصل کر لوں گا۔“ وہ تلخ لہجے میں بولا ”مگر کان کھول کر سن لو کہ میں تمہارے ان پھکڑوں میں آنے والا نہیں ہوں۔ میری عمری تم جیسے پھیزوں کی سرکوبی کرتے

پیشکش کے جواب میں تم کیا کہتے ہو؟

”کون سی پیشکش؟“ اس نے انجان بن کے حیرت سے سوال کیا۔

”سمجھو تا۔ میری ہدایات پر حرف بہ حرف عمل کرنے کا سمجھو تا۔“ میں نے کہا۔

”میں گیری ہارٹ سے بات کیے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ اس نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ میں اس سے تمہاری بات کرائے دیتا ہوں۔ میں تم دونوں کی پوری منتھگو سنوں گا۔ تم اسے یہ نہیں بتاؤ گے کہ میں ساری باتیں سن رہا ہوں۔ نہ ہی انگریزی کے سوا کوئی اور زبان استعمال کرو گے۔ تم نے کوئی کوڈ ورڈ استعمال کرنے کی کوشش کی تو میں فون کا سلسلہ منقطع کر کے تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔ یہ خالی دھمکی نہیں ہے۔ میں کسی تردید کے بغیر اس پر عمل کر مزبوروں گا۔“

”میں اسے یہ تو بتا سکتا ہوں تاکہ تم نے مجھے تارہ کے گھر میں ہی قید کیا ہوا ہے؟“

جیت ملر کے اس سوال پر میری کھوپڑی پکڑا گئی۔ اسے بے ہوشی کی حالت میں اوپر سے تہ خانے میں پہنچایا گیا تھا۔ اسے کیسے علم ہوا کہ وہ تارہ کے مکان ہی کے کسی حصے میں مقیم تھا؟

”ہائل تارہ!“ میں نے اطمینان سے کہا ”لیکن یہ یاد رکھنا کہ اس وقت تم تارہ کے گھر میں نہیں ہو۔“

”مجھے پکڑ دینے کی کوشش مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تارہ کا گھر ریلوے لائن کے قریب واقع ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ گھرا ساؤنڈ پروف ہو لیکن میں ساری رات فرش میں ٹریوں کے گزرنے کی ٹکڑکڑاہٹ سنتا رہا ہوں۔ کئی مرتبہ انجن کی سٹی کی مدد میں آوازیں بھی سنی ہیں۔ تمہارے یہاں آنے کے بعد میں بھی کم از کم دو ٹریوں کے گزرنے کی وزنی دھمک محسوس کر چکا ہوں۔“

اس کی بات بالکل سیدھی اور قاطبی قسم تھی۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں اس اہم نکتے کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ میں نے بات نبھانے کے لیے پورے اعتماد سے کہا ”یہ ایک اتفاق ہے کہ تمہارا یہ قید خانہ بھی ریلوے لائن کے پاس واقع ہے۔ تمہاری اعتقادہ نشان دہی کے باوجود گیری ہارٹ یہاں نہیں پہنچ سکے گا۔ مجھے یہ قاعدہ ضرور پہنچے گا کہ میں تارہ کے ویران مکان میں اسے گھیرنے کی کوشش کر سکوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ چند گھنٹوں بعد وہ بھی تمہاری طرح میرا مسمان ہو کر یہیں پہنچ جائے۔“

”تم قانون کا احترام کرنے کے دعوے کر رہے ہو تو پھر گیری سے تمہیں کیا پر غاش ہے؟“

”اس وقت تم دونوں ہی آئی اے کے افسر نہیں، اس الیڈا جیسے سازشی غنڈے کے دست و بازو ہو۔ تم لوگوں کو قید کر کے میں اسے بے بسی کے احساس سے دوچار کرنے کا آرزو مند ہوں۔ ابھی تک وہ اپنی کمین گاہ میں چھپا بیٹھا ہے اور تم لوگوں سے کام لے رہا

ہاں بات کرو۔ اسے بتا دو کہ اپریش لڑائی میں تباہ ہو گیا۔ تم میری قید میں ہو جس دن اس الیڈا میرے ہاتھ آگیا، میں بن رہا کروں گا۔“

”تم مجھے اپنے چیف کے خلاف نہیں آک سکتے۔ میں کیسے مان سکا کہ تم سچ بول رہے ہو؟ کیا تم گیری ہارٹ سے میری بات روا سکتے ہو؟ کیا وہ اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے کہ اس الیڈا مارا چیف ہے؟“

”وہ خود اس بات سے بے خبر ہے تو تصدیق کیا کرے گا؟“ میں نے کہا۔

جیت ملر زہر آلود انداز میں ہنسا اور بولا ”ہر متعلقہ آدمی اس بات سے بے خبر ہے تو تمہیں کیا چیف کے بارے میں السام ہوا ہے؟ تم آؤ لہرے کے جموٹے اور فراڑ ہو۔ میں تمہاری کسی بات رائے رائے نہیں کر سکتا۔“ میں نے محسوس کیا کہ وہ حیرت ناک طور پر اپنی جسمانی تکلیف کو بھول جانے پر قادر تھا۔

”چیف کی اصلیت کے سوا گیری ہارٹ میری ہر بات کی تائید کرے گا۔“ میں نے اسے یقین دلایا۔

”اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں تمہاری باتوں میں آکر گیری ہارٹ یا بلیک ہاک کو فون کروں گا اور تم ان کے راپٹوں کا سراغ لگاؤ گے تو یہ تمہاری سخت بھول ہے۔ میرے بجائے کسی ایسے آدمی کی آنکھوں میں دھول جموٹنے کی کوشش کرو جس نے تمہارے فریب اور مکاریوں کے بارے میں کچھ نہ سنا ہو۔“

”تم آؤ کے بیٹھے ہو اور تمہاری کھوپڑی میں بھس بھرا ہوا ہے۔“ مجھے اچانک ہی اس پر غصہ آگیا ”تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ تارہ بھی میرے قبضے میں ہے۔ وہ مجھے گیری ہارٹ کا فون نمبر بتا چکی ہے اور میں اس نمبر پر گیری ہارٹ سے بات کر چکا ہوں۔ تمہاری کئی ہوئی ہڈی میں نے اسی کو بھجوا دی ہے۔“

”کس قدر سفاک ہو تم!“ وہ بے ساختہ بول پڑا ”گیری ہارٹ کے ستاروں نے اس کا ساتھ دیا تو وہ اکیلا ہی تمہیں قبر میں پہنچانے کے لیے کافی ہو گا۔ وہ میرا انتقام لیے بغیر تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔“

”میری تو خواہش ہے کہ اس الیڈا کی ٹیم میں کوئی سونا ہو تو وہ میدان میں آئے لیکن تم لوگ دیرانہ مقابلے کے بجائے تارہ بھی گنہگار عورتوں کے سارے تلاش کرتے پھر رہے ہو۔ یہ موداگی نہیں، بزدلی کی انتہا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے عورتوں کے مل پر کامیابیاں حاصل کرنا تم انگریزوں کا مزاج بن چکا ہے۔“

”عورت کے سامنے دنیا کا ہر مرد جھکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔“ جسمانی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جانے کے باوجود اس کی ذہنی صلاحیتیں پوری طرح کام کر رہی تھیں ”دنیا کے ہر کامیاب مرد کے پیچھے ہمیں کوئی نہ کوئی عورت نظر آئے گی۔“

”میں تم پر زیادہ وقت برباد نہیں کر سکتا۔“ میں نے آکٹاہٹ کا اظہار کر۔ ”ہوئے کما“ میں اسی وقت تمہارا فیصلہ کروں گا۔ میری

ہے۔ تم دونوں کے پکڑے جانے کے بعد وہ خود میدان میں اترنے پر مجبور ہو جائے گا اور مجھے اس کی گردن تاپنے کا موقع مل جائے گا۔“

”یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ اگر ہمارا چیف راس الیڈا ہی ہے تو اسے سی آئی اے کے سربراہ سے زیادہ طاقت اور اختیارات حاصل ہوں گے۔ اس کے ایک اشارے پر میاں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔“

”میں اس کا یہی گھمنڈ توڑنا چاہتا ہوں۔ تم امریکنوں کو خدا نے اپنا نائب بنا کر زمین پر نہیں اتارا ہے کہ تم جہاں چاہو اپنی بدستیوں سے ہر ایک کو پال کر رہو۔ امریکا کا راس الیڈا میاں ایک خارش زدہ کتے کی طرح بلبلاتا ہوا فخر نہ آیا تو میں اپنا نام بدل دوں گا۔“

”نام بدلنے رہنا تو تمہارا پرانا پیشہ ہے۔“ اس نے برکت چوٹ کی ”اب کوئی نئی بات سناؤ۔“

”تاقتد سینے کے بعد بھی تم خاصے ولد الحرام نظر آ رہے ہو۔“ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور مصری کے سرہانے بنی ہوئی دیوار گیر الماری کی طرف بڑھ گیا۔

تادہ مجھے بتا چکی تھی کہ اس الماری کے پچھلے حصے میں ٹیلی فون کی لائن آئی ہوئی تھی۔ اسی خانے میں فون بھی ہوتا چاہیے تھا جو لپک لگاتے ہی کام کرنے لگتا۔ میں نے ٹیلی فون سیٹ نکال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور لپک لگایا تو رسیور میں فوراً ہی جان پڑ گئی۔ میرا کام خاصا آسان ہو گیا تھا۔ اوپر سے دوسرا فون لا کر اسی لائن سے جوڑنے کے بعد میں جیت ملر کے ہاتھ کھول سکتا تھا۔

اس وقت جیت بری طرح بندشوں میں جکڑا ہوا تھا اور آزادانہ نقل و حرکت کے بھی قائل نہیں تھا۔ میں اسے یوں ہی چھوڑ کر وہاں سے زینوں والی مختصری راہداری میں نکل گیا۔

میرا اندازہ تھا کہ سلطان شاہ زینوں کے اختتام پر عمرانی کے فرائض انجام دے رہا ہو گا لیکن وہاں میدان صاف تھا۔ میں کچن کے قریب سے گزر کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا تو مجھے سلطان شاہ کی پشت نظر آئی۔ وہ دیوار کی اوٹ میں دبک کر ڈرائنگ روم کی ایک کھڑکی میں سے باہر جھانک رہا تھا۔

میں نے بچوں کے مل آگے بڑھ کر اس کی کمر پر ہاتھ رکھا تو وہ اس بری طرح اچھلا جیسے اس پر بجلی کا ننگا تار آگرا ہو۔ اس کے داہنے ہاتھ میں بھرا ہوا بوتلوں والا موجود تھا۔

میرے لیے وہ سب تعجب خیز تھا۔ میرے استفسار پر سلطان شاہ نے بتایا کہ وہ کھٹکے کی آواز سن کر ڈرائنگ روم میں آیا تھا۔ ہم لوگوں نے تادہ کے گھر میں داخل ہونے کے بعد اندر سے دروازہ مقفل کر لیا تھا۔ سلطان شاہ نے دیکھا کہ کوئی باہر سے دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے ہانک لگائی تو باہر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ جتنی دیر میں سلطان شاہ کھڑکی تک پہنچا، وہ نامعلوم شخص چوٹی پر جھانک تک پہنچ چکا تھا اور پھر

سلطان شاہ کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ چھانک کھول کر باہر غائب ہو گیا۔ اس واقعے کے بعد سلطان شاہ مسلسل پورے گھر کا گھومتا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کسی کو تادہ کا مکان غیر آباد ہونے کی بجائے مل جی تھی اور وہ طالع آزمائی کے لیے وہاں آ پہنچا تھا۔ یہ آنے والے کی مرتب بد قسمتی تھی کہ اس سے پہلے ہم وہاں موجود تھے۔

”ضروری نہیں کہ وہ کوئی چوری رہا ہو۔“ میں نے سلطان شاہ کی کہانی سننے کے بعد کہا ”وہ گیری ہارٹ یا راس الیڈا کا کوئی بھائی بھی ہو سکتا ہے۔ تمہیں چونکا رہنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ مکان میں کسی کی موجودگی کی خبر پاتے ہی وہ لوگ پوری تیاری کے ساتھ ادھر کا رخ کریں۔“

”فکر نہ کرو۔ میں چوکس ہوں۔ تم کتنی دیر میں فاسٹ ہو رہے ہو؟“

”وہ گیری ہارٹ سے بات کرنی چاہ رہا ہے۔ تھوڑی دیر ہو تو قصہ ختم ہو جائے گا۔“

میں ڈرائنگ روم میں موجود ٹیلی فون سیٹ نکال کر تے خانے کی طرف واپس چل دیا۔

”ہو سکے تو شرافت سے مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو۔“ میری صورت دیکھتے ہی جیت ملر نے اجازت سے کہا ”تمہاری سبک دلی کی وجہ سے شاید میرے منہ میں زخم پڑ گئے ہوں اور حلق خشک ہو رہا ہے۔“ میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر ایک گلاس میں پانی لائے کے بعد اس کے ہاتھوں کی بندشیں کھول دیں۔ وہ قائلین پر سید ہو کر بیٹھا اور ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر گیا۔

پانی پیئے ہی اس نے اچانک گلاس والا ہاتھ یوں پیچھے کیا جیسے خالی گلاس میرے اوپر پھینک کر مارنا چاہ رہا ہو۔ میں نے اضطراب طور پر بدافغانہ پوزیشن لے لی۔ اس کے زخمی ہونے پر ہلکی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے شیشے کا خالی گلاس قائلین پر پھینک کر طرف لڑھکا دیا۔

”اب تم نے ایسی کوئی جارحانہ حرکت کی تو میں گولی بار دول گا۔“ میں نے برہمی سے کہا۔

”میں تو مذاق کر رہا تھا۔ ایک لنگڑا قیدی تم جیسے مکارا عظم کے ساتھ بھلا کیا جارحیت کر سکتا ہے؟“

میں اپنے ساتھ لائے ہوئے فون کے تار جوڑنے میں مصروف ہو گیا۔ وہ معمولی سا کام تھا لیکن میں اس دوران میں بھی جیت ملر سے غافل نہیں ہوا تھا۔ دونوں سیٹ چپک کرنے کے بعد میں نے اسے اشارہ کیا اور وہ بہت تیزی سے سرکنا ہوا فون کی طرف آ گیا۔ میں نے یہ بات تشویش آمیز حیرت کے ساتھ نوٹ کی کہ ہاتھوں کی آزادی میرے آتی ہی جیت ملر خطرناک حد تک فعال ہو گیا تھا۔ اسے دھاڑ اور روح فرساہٹیں بھیجیں بھی اس پر بہت زیادہ اثر انداز نہیں ہو سکے تھے۔ میری ذرا سی غفلت کے نتیجے میں وہ مجھے شدید نقصان پہنچا سکتا تھا۔

ہو کر ہم لوگوں کو چھاپ لیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ عورت کو وہ اپنی عیاشی کے لیے گھر لے گیا ہو۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ عورت بت ریکی اور طرح دار ہے۔

”اب تم خاموشی سے میری بات سننے رہنا۔ ڈیٹی کو پتا نہ چلے کہ میں نے کیا کہا ہے۔“

”تم بولتے رہو، میں سن رہا ہوں۔“ جیفٹ طرے میری طرف دیکھ کر کہا۔

”تم ڈیٹی کی قید میں ہو اور چیف..... وہ سڈر کا بچہ میرے ساتھ سفائی پر اتر آیا ہے۔ ڈیٹی نے رات فون کرنے کے بتایا تھا کہ تمہاری بی

ایم ڈیو پنڈی سمیت ڈرائیو ان سنیما میں کھڑی ہے۔ وہ ٹرپ بھی ہو سکتا تھا۔ چیف نے خاص طور پر مجھے دہا جانے کا حکم دیا تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ میں سرخ ہو رہا۔ اگر ڈیٹی کو بھٹک بھی مل جاتی کہ میں خود کار لینے کے لیے جا رہا ہوں تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑتا۔

میری دایسی کے بعد چیف کا رویہ تبدیل ہوا ہے ورنہ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ ڈیٹی نے تم کو پکڑ کر تمہارے آپریشن پر قبضہ کر لیا ہے اور اس پر ہونے والی ہر بات سننا رہتا ہے۔ آپریشن دشمن کے ہاتھ لگ جانے کے خیال سے وہ تم پر بھی بت زیادہ کر رہا ہے۔ تم سے بات

ہونے کے بعد میں اسے یقین دلا سکوں گا کہ اس کا خیال غلط ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کو کہاں رکھا گیا ہے؟“

”مجھے نہیں معلوم“ میری توقع کے برعکس جیفٹ طرے نادہ کے مکان کا ذکر گول کر دیا۔ اس طرح شاید وہ کیری ہارٹ کو ادھر آنے سے روکنا چاہتا تھا۔ میں اسے پہلے ہی دھمکی دے چکا تھا کہ

اس کی تلاش میں نادہ کے گھر کا رخ کرنے والا کوئی شخص میرے ہاتھوں سے نہیں بچ سکے گا۔

وہ کہہ رہا تھا ”ڈیٹی کے تیور ابتدا میں بت خراب تھے لیکن اب میں ابھرنے میں لڑ گیا ہوں۔ کچھ پتا نہیں چل رہا کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔“

”تم اسے پکڑ دے قوت حاصل کرتے رہو۔ میں کسی نہ کسی طرح تم تک پہنچنے کی راہ نکال لوں گا۔ بس یہ بات ذہن میں رکھنا کہ جس طرح ہم ڈیٹی کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں اسی طرح ڈیٹی

بھی موقع ملنے پر ہمارے ساتھ بے رحمی اور سفائی کا مظاہرہ کرے گا۔ ہو سکے تو اس سے میری بات کراؤ۔“

جیفٹ طرے نظریں میری طرف اٹھی تھیں کہ میں نے اپنے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر اس سے کہا ”تم اپنا ریسور رکھ دو۔ میں

کیری سے بات کروں گا۔“

اس نے نیم دلی سے ریسور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ فطری طور پر میری اور کیری ہارٹ کی گفتگو سننے کا خواہاں تھا۔

”اوہ! اس کا مطلب ہے کہ تم ایکس نیشن پر پوری منتگوسن رہے تھے“ میری آواز سننے ہی کیری ہارٹ بول اٹھا تھا۔

”جی عقل تم کو بھی ہونی چاہیے کہ کوئی ہوشیار آدمی اپنے قیدی کو کھلی چھوٹ نہیں دیتا۔“

میری اجازت سے اس نے کیری ہارٹ کا نمبر لایا۔ آخری نمبر مل ہوئے ہی میں نے دور سرک کر اپنے فون کا ریسور اٹھا لیا۔

”کیری! میں جیفٹ ہوں، جیفٹ.....!“ جیفٹ طرفوں پر اتنا ہی

”ہائے جیفٹ!“ وہ خالص امریکن لب و لہجے میں بولا ”تمہارا

یہ حال ہے؟ تم کہاں ہو؟ میں رات ہی سنیما سے تمہاری بی ایم

بلو لایا ہوں۔ اس میں جبر سمیت ایک جلی یا کئی ہوئی پنڈی بھی

ہے۔ کہہ دو کہ وہ تمہاری پنڈی نہیں تھی۔ میں نے جب سے تمہارا

زہ چوڑا اور پتلون کا بچا ہوا پانچا بچا پاتا ہے، میری حالت غیر

”کیری! وہ میری ہی پنڈی ہے۔ اسے کسی مسیحی قبرستان میں

کرنا دے۔ اب تم مجھے کبھی اپنی دونوں ٹانگوں پر دوڑنا ہوا نہیں

لے سکو گے۔ میرے لیے بھی یہ احساس سواہن روح ہے لیکن

یقیناً، حقیقت ہوتی ہے۔ دعا کرو کہ بات اس پنڈی تک ہی رہے

رہیں تم تک پہنچ سکوں۔ معذوری کے بعد یہ مختصر سا سفر بھی اب

میرا لبا اور بت دشوار محسوس ہونے لگا ہے۔ ڈیٹی صاحب میری

دنگی کے درپے ہیں۔“

”ڈیٹی صاحب؟“ کیری کی حیرت زدہ آواز ابھری ”کیا وہ تمہارے

بہن ہی موجود ہے؟“

”میں اسی کا قیدی ہوں اور وہ دور بیٹھا مجھے زہر آلود نظروں

سے گھور رہا ہے۔“

”اوہ! انکر اس نے تمہیں یہ فون کرنے کی اجازت کیسے دے

لی؟“ کیری نے پوچھا۔

”یہ میری شرط تھی۔“

”کیسی شرط؟“ وہ کیری ہارٹ کا فطری سوال تھا۔

”وہ چاہتا ہے کہ میں بلیک ہاک کو فون کروں۔ میں نے صاف

کہہ دیا کہ میں تم سے مشورہ کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔“

”اگر اس حرامی کے تیور خطرناک ہیں تو وہی کرتے رہو جو وہ

چاہتا ہے۔ تمہارا آپریشن کہاں ہے؟“

”وہ ڈیٹی نے چھین لیا تھا مگر اس سے تباہ ہو گیا اسی لیے فون

استعمال کر رہا ہوں۔“

”تمہیں آپریشن کی تباہی کا پورا یقین ہے؟“ کیری ہارٹ کی

آواز متبستان ہو گئی۔

”ڈیٹی یہی کہتا ہے۔ اس کی کوئی بات مجھ سے کے قابل نہیں

لیکن آپریشن صحیح سلامت ہوتا تو وہ مجھے مرحوب کرنے کے لیے

مضروب نہ کرتا۔ تھوڑی دیر پہلے وہ مجھے توڑنے کے لیے بجلی کے جھٹکے

دے رہا تھا۔“

”خدا تم پر اپنا رحم کرے۔ وہ کتیا کہاں ہے جس کی وجہ سے تم

اس حال کو پہنچے ہو؟“

”وہ بھی ڈیٹی ہی کے قبضے میں ہے۔ اس نے اچانک نمودار



کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہو۔ تم ہمارے ساتھ مفاہمت نہیں کرو گے تو جلد یا بدیر کتے کی موت مار دیے جاؤ گے۔“

”جی لائڈ بھی یہی دعوے کیا کرتا تھا۔ اس کا حشر تمہارے سامنے ہے۔ وہ بنیم واصل ہو گیا۔ اس کا جانشین جم کلارک بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا مگر میں زندہ ہوں۔ تم میرا بال بھی بچا نہیں کر سکتے۔“

”یہ مقدر کی بات ہے کہ تم اب تک بچے ہوئے ہو اور بڑے بول بول رہے ہو مگر اب تمہارے گرد گھیرا نگ ہو چکا ہے۔ کوئی بھی لمحہ تمہاری زندگی کا آخری لمحہ ثابت ہو سکتا ہے۔“

میں نے اس کی بات کاٹ دی ”مجھے دھمکیاں دینے کے بجائے جیت لڑی جان کی فکر کرو۔ یہ میرے ہاتھوں بڑے حال کو ضرور پہنچ چکا ہے لیکن ابھی زندہ ہے۔ تم چاہو تو اس کی زندگی بچا سکتے ہو۔“

”میں جیت کو ہر قیمت پر زندہ دیکھنا چاہوں گا۔“ میری پیشکش پر وہ یک بے یک جذباتی ہو گیا ”میں کسی بھی معقول سودے بازی کے لیے تیار ہوں۔ اگر تم نے جیت کو زندہ چھوڑ دیا تو یہ مجھ پر ذاتی احسان ہو گا۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی تم میرے چنگل میں آئے تو میں بھی تمہیں زندہ رہنے کا ایک موقع دے کر تمہارا یہ احسان اتارنے کی کوشش کروں گا۔“

”میں کہہ چکا ہوں کہ میں تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کرتا مگر میں بے مقصد خون ریزی سے بھی گریز کرتا ہوں۔ اگر جیت نے میرے سامنے مزاحمت نہ کی ہوتی تو یہ اپنی واہبی پنڈلی سے مخموم نہ ہوا ہوتا۔ اس وقت میری تم دونوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میرا نشانہ راس الیڈا ہے۔ وہ معقب اور نسل پرست دہشت گرد ہے۔ میں اسے پاکستان کا سرخ کرنے کی سزا ضرور دوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ راس الیڈا تمہارے لیے ایک خواب ہے۔ تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے لیکن تم مجھے بلیک ہاک کے بارے میں ضرور بتا سکتے ہو۔“

”بلیک ہاک کوئی شخص نہیں، محض ایک پاس ورڈ ہے۔“ اس کی آواز میں مہمی بخشیدگی برقرار تھی ”وہ صرف ایک فون نمبر ہے۔ وہ فون ریکارڈنگ مشین سے منسلک ہے۔ ہم اس پر اپنے پتھارات ریکارڈ کر دیتے ہیں۔“

مجھے معلوم تھا کہ وہ جھوٹ بول کر مجھے ہچکادنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں کچھلی شام اس کی اور راس الیڈا کی گفتگو میں بلیک ہاک کا ذکر نہیں چکا تھا۔ وہ نہ صرف راس الیڈا کے لیے پتھارات وصول کرتا تھا بلکہ ہدایات بھی جاری کرتا تھا۔ اس کے انسانی وجود کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ راس الیڈا نے گیری ہارٹ کو اپنا لاسٹک اپریش اسی کو واپس کرنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ نکات گیری ہارٹ کو لاجواب کر سکتے تھے مگر مشکل یہ تھی کہ میں ان کا حوالہ نہیں دے سکتا تھا۔ حوالہ دینے کی صورت میں ٹرانسیر کی چابی کی

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہے ہو!“

”سیدھی سی بات ہے۔ تم مجھے جیس دینے پر قتل گئے ہو، میں تمہیں تباہ کرنا چاہتا ہوں۔“

”میں پوری ذمے داری کے ساتھ تمہیں چیلنج کر رہا ہوں کہ ہتھیار زائل کر ہم سے صلح کرلو۔ میں تمہیں امریکی شہریت کے ساتھ منہ باغی رقم دلاؤں گا اور تم عیش و آرام کی زندگی گزار سکو گے۔“

”تم اپنی ذمے داری نہیں لے سکتے تو میرے بارے میں کیا کر سکو گے!“ میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا ”تمہاری ذمہ دہشت راس الیڈا کے جوتے کے نیچے دبلی ہوئی ہے۔ وہ جب چاہے تمہاری بات رد کر سکتا ہے۔“

”راس الیڈا؟“ گیری ہارٹ نے تھیر زدہ آواز میں دہرایا۔

”اچانک اس کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟“

”یہ ذکر اچانک نہیں نکلا۔ میں جیت کو بتا چکا ہوں کہ راس الیڈا تمہارے چیف کا اصل نام ہے۔ میری بات پر یقین نہ ہو تو تم اسپتال میں الین سیفریال سے اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو۔ وہ اس وقت بھی آسجین ٹینٹ میں اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں گزار رہا ہے۔ میں نے جیت پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔“

اس وقت جیت کی دونوں رائیں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑی ہوئی تھیں۔ ہاتھ آزاد ہونے کے بعد وہ بندشوں کو کھولنے کی کوشش کر سکتا تھا لیکن مجھے اس بارے میں کوئی تشویش نہیں تھی۔ ایک پنڈلی سے محروم ہو جانے کے بعد وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا تھا نہ فرار ہونے کی کوشش کر سکتا تھا۔ اس کی طرف سے مجھے بس ایک ہی خطرہ تھا کہ کوئی وزنی چیز اس کے ہاتھ نہ لگ سکے۔ بے خبری میں میری کھوپڑی سے گھرانے والی کوئی چیز میری بے ہوشی کا سبب بن سکتی تھی۔ میری نیم گن اور ریو الوور پر قابض ہونے کے بعد تقریباً جیت طرہت زیادہ خطرناک ہو جاتا۔

”یہ میرے لیے نئی خبر ہے“ گیری ہارٹ کی آواز پڑ تشویش ہو گئی پھر وہ قدرے توقف کے بعد بولا ”تم اپنی رضامندی ظاہر کرو تو چیف براہ راست تم سے بات کر سکتا ہے۔۔۔ وہ تمہیں تمہاری تسلی کے مطابق ضمانتیں فراہم کرے گا۔“

”تمہاری یہ باتیں کسی ایسے آدمی کو آویٹا سکتی ہیں جو تم لوگوں کے طریقہ واردات سے واقف نہ ہو۔ جب جی لائڈ جیسا پانا اور بارسوخ آدمی وائٹ ہاؤس کے باہر ایک نامعلوم گولی کا نشانہ بن سکتا ہے تو میرے ساتھ بھی کوئی سوچا سمجھا حادثہ پیش آ سکتا ہے۔“

”مناہتیں کسی کے دل اور نیت کا کھوت دور نہیں کر سکتیں۔ تم لوگ اپنے مفادات کے لیے اپنے ہی آدمیوں کو مروانے کی شہرت حاصل کرتے جا رہے ہو۔ میں تمہاری کسی بات پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔۔۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم میرے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہو۔“

”انجان مت بنو۔ پاکستان میں تم ہمارے مشن اور منصوبوں

”میں اس کے ہاتھ کھول چکا ہوں۔ وہ تم سے بات کر چکا ہے۔ ہمارے جانے کے بعد وہ باہر نکلے گا تو اسے کوئی نہ کوئی سواری مل جائے گی۔ یہ یاد رکھنا کہ میں تم سے بات کرتے ہی تمہارے دیے ہوئے نمبر فون کر کے اس بات کی تصدیق ضرور کروں گا کہ تم نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا ہے۔“

فون پر اس کے ایک گھرے سانس کی آواز آئی پھر وہ مضطرب لہجے میں بولا ”تم کو فریب دینا مشکل کام ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ تم مجھے جیت کا پتا بتاؤ گے اور میں سرعت سے وہاں پہنچ کر اسے رہا کرالوں گا لیکن تم بہت جالاک ہو۔ جیت کی زندگی تمہارے رحم و کرم پر ہے۔۔۔ غیبت ہے کہ تم نے مجھ سے جیت کے ٹھکانے کے بارے میں نہیں پوچھا۔ وہ بات پوچھی ہے جو مجھے معلوم ہے۔ بلیک ہاک، چیف کا خاص آدمی ہے اور اسی کی طرح میں پردہ رہتا ہے۔ تم نے فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ کبھی گاہک کے تشدد سے گھبرا کے تم کو اس کا فون نمبر دیا ہے اور جیت تمہاری قید سے رہا ہو جانے کے باوجود ایک نئے عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔“

”تم فکر نہ کرو۔ میں تم دونوں کو شہادت سے بچانے کی پوری کوشش کروں گا۔“

گیر ہارٹ نے ایک نمبر بتایا جو میں نے فوراً ہی سکرٹ کے پیکٹ پر لکھ لیا۔

”جیت ملو کو ایک ڈیڑھ گھنٹے میں تم تک پہنچ جانا چاہیے۔“ یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

”گیر ہارٹ نے مجھے نمبر دے دیا ہے۔ اب تم بھی شرافت سے بلیک ہاک کا نمبر ہر ڈالو۔ تمہارے ساتھی نے یہ اعتراف بھی کر لیا ہے کہ بلیک ہاک کوئی ریکارڈنگ مشین نہیں، اس الیڈا کا دست راست ہے۔“

جیت طرا بھن میں پڑ گیا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا ”تم مجھے زندہ رکھو یا مار ڈالو میں چیف کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ گیر ہارٹ نے جو کچھ کہا، وہ اس کا اصل تھا۔ میں جانتا ہوں کہ چیف اپنے غداروں کو کیسی کڑی سزا دے سکتا ہے۔۔۔ میں نمبر نہیں بتاؤں گا۔“

”گیر ہارٹ سی آئی اے میں تمہارا سینئر تھا۔ اپنے بیویوں سے وفاداری کے بارے میں اسے تم سے زیادہ سخت ہونا چاہیے۔ تم ایک ٹانگ گنوائے اور تشدد سینے کے باوجود اس الیڈا کے اعتماد کو دھوکا دینے کی بہت نہیں کر پا رہے تو گیر ہارٹ محض فون پر بیٹھ کر اتنی بڑی غلطی کیسے کر سکتا ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ اس کا دیا ہوا نمبر فرضی ہے۔ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے۔ ایسی صورت میں تمہیں زندہ چھوڑنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔“

”تم پہلے ہی مجھے مرنے کے قریب پہنچا چکے ہو۔ تمہیں کون روک سکتا ہے؟“

میں نے رپو اور نکال کر اس کی چیشانی کی طرف تان لیا ”پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ!“

کہانی کا بھرم کھل جاتا اور انہیں معلوم ہو جاتا کہ جیت کا آپریشن میرے قبضے میں موجود تھا اور میں اس پر ان کی گفتگو سنتا رہا ہوں۔

”اگر وہ صرف ریکارڈنگ مشین ہے تو تمہیں اپنے چیف کی ہدایت کیسے ملتی ہیں؟“ میں نے غماز پر کر پوچھا۔

”بہت سہل طریقہ ہے۔ ہم پیغام ریکارڈ کر دیتے ہیں۔ کوئی جواب طلب بات ہوتی ہے تو چیف ہم سے خود ہی فون یا ٹرانسمیٹر پر رابطہ کر لیتا ہے۔“

”تم ایک منٹ ہولڈ کرو۔ میں ابھی تمہاری بات کی تصدیق کیے لیتا ہوں۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا پھر جیت طرے غالب ہو گیا ”تم بلیک ہاک سے رابطے کے لیے جو طریقہ اختیار کرتے ہو، ذرا اسے نوڈ ہر دو۔“

اس کی متورم آنکھوں میں تشویش سی لہرانے لگی پھر وہ میری زبان سے سنی ہوئی بات کا سارا لے کر بولا ”بلیک ہاک ایک ریکارڈنگ مشین کا نام ہے۔ ہم فون کر کے اس پر اپنا پیغام ریکارڈ کر دیتے ہیں۔“

”اور ہدایات کیسے ملتی ہیں؟“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”ایک گھنٹے بعد وہی نمبر ملتا ہے جس تو ریکارڈنگ ہونے کے بجائے اس مشین سے ریکارڈ کی ہوئی ہدایات سنائی دیتی ہیں۔“ اس نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد بے اعتمادی سے جواب دیا۔

میں نے ر۔یو اس زاویے سے تھا ہوا تھا کہ جیت کی آواز گیر ہارٹ تک بھی پہنچ سکے۔ اپنے ساتھی کا جواب سن کر وہ غصیلی آواز میں بولنے لگا ”تم بہت جالاک بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں تمہیں بلیک ہاک کا فون نمبر دے سکتا ہوں۔ تم خود سن لینا کہ وہ کوئی مشین ہے یا اس نمبر سے کوئی آدمی بولتا ہے۔“

”اگر تم اسے ہوشیار کر دو گے تو وہ تمہاری بات درست ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔“

”تم باطل ہو گئے ہو۔ اگر چیف کو بھٹک بھی مل گئی کہ میں نے جیت طر کی رہائی کے بدلے میں تمہیں کوئی بات بتائی ہے تو وہ مجھے چماڑ کھائے گا۔ میں اپنے بیویوں پر کھلاڑی مارنے کی حماقت کیسے کر سکتا ہوں۔“

”تم نمبر دے دو لیکن یہ یاد رکھنا کہ یہ کوئی فریب ہوا تو میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ میں کسی وقت بھی تم دونوں کی گردنیں دو بج لوں گا اور پھر کوئی رعایت تمہیں دوں گا۔“

”میں جانتا ہوں لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ بلیک ہاک کا فون نمبر لینے کے بعد تم جیت طر کو زندہ چھوڑ دو گے؟“ وہ میری جانب سے بے اطمینانی میں جھٹکا تھا۔

”میں تمہاری زبان پر اعتبار کر رہا ہوں۔ تمہیں میری بات پر مجبور سا کرنا چاہیے۔“

”جیت مفذور اور زخمی ہے۔ وہ مجھ تک کیسے پہنچے گا؟“ اس نے پوچھا۔

کر بولا اور میں دل ہی دل میں انسان کے نمون کے بارے میں سوئے لگا۔ ذرا سی دیر پہلے جیت نے پورے حوصلے کے ساتھ موت کو گلے لگانے کی تیاری کر لی تھی لیکن موت کا خطرہ سب سے ملتے ہی اس کا حوصلہ پست ہو کر اس سطح پر آیا تھا کہ وہ اپنی بے ہوشی کے تصور سے خائف ہو رہا تھا۔

وہ فضا میں دونوں ہاتھ لہرا کر مجھے دور رکھنے کی کوشش کر رہا تھا اور مجھے متبادل راستے بھی سمجھا رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے بے ہوش کیے بغیر ہاتھ پیریا نہ دھ کر اور آنکھوں پر پٹی لپیٹ کر بھی وہاں سے لے جایا جاسکتا تھا۔

”سنو! مزاحمت کرنے کے بجائے ذرا سی تکلیف برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرو“ میں نے کہا ”یہ کوئی متروک حوالی نہیں ہمارا واحد ٹھکانا ہے۔ میں کسی قیمت پر بھی اس کا کل وقوع تمہاری نظروں میں نہیں آنے دوں گا۔ دن کے اجالے میں تمہیں بے دست و پا کر کے لے جانے میں عین خطرات ہیں۔ کسی نے بھی تمہیں دیکھ لیا تو میری نیکی میرے گلے پڑ جائے گی۔ ہم دونوں کی بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی کینٹی پر ایک آخری ضرب برداشت کرلو۔ میں خواب اور گریوں کا عادی نہیں ہوں ورنہ تمہیں کوئی گولی بھی کھلا سکتا تھا۔“

”خواب اور گریاں دیر سے اثر انداز ہوتی ہیں اور ان کا اثر بھی دیر میں زائل ہو جاتا ہے۔ جہاں اتنی درگت بنی ہے وہاں ایک اور ضرب سہی۔ تم بھی اپنے دل کا اسان نکال لو لیکن یہ یاد رکھنا کہ ہم اپنے چیف کے تابع ہیں۔ یہ کمائی ہمیں ختم نہیں ہوگی۔ بہت آگے تک چلے گی۔ ہم دوسری بار بھی ایک دوسرے کے سامنے آسکتے ہیں۔“

اس نے اپنے دونوں ہاتھ گود میں رکھ کر سختی سے آنکھیں بند کیں اور سر جھکا لیا۔ اس کی بائیں کینٹی میری ٹھوکروں کی پے درپے ضربات سے پہلے ہی بری طرح لہو لمان ہو چکی تھی۔ میں نے ریوالتور کی ٹال تمام کر اسے اپنے ہاتھ میں تولاد اور کھٹ کی آواز کے ساتھ اس کا منقش دستہ جیت کی داہنی کینٹی پر رسید کر دیا۔ جیت کے حلق سے ایک گھنی گھنی سی اضطرابی چیخ نکلی اور وہ بیٹھے ہی بیٹھے تورا کر ایک طرف لڑھک گیا۔ اس مرتبہ سلطان شاہ مجھے سیڑھیوں کے قریب ہی مل گیا۔ میں اس کی مدد سے بے ہوش جیت کو زہ خانے سے ڈرائنگ روم میں نکال لے آیا۔ جیت کی ٹانگوں کی بندشیں بھی زہ خانے میں ہی کھول دی گئیں تھیں۔

نادرہ کے گھر پر ہمارے رفیقوں کی طرف سے جو کارروائی ہوئی تھی وہ ہو چکی تھی۔ اس وقت وہاں میدان صاف تھا۔ میرے ابا پڑ سلطان شاہ چند منٹ میں گاڑی اندر لے آیا اور ہم دونوں نے بہت پھرتی کے ساتھ جیت کو پچھلی نشست کے پائے دان میں ڈال دیا اور اوپر ایک رنگین چادر ڈال دی۔

سلطان شاہ نے اوپر دھ کر اپنا وقت بے مصرف نہیں گزارا تھا۔ اس نے ایک ایسی کھڑکی دیکھی تھی جس کے ذریعے وہ آسانی

”ایک منٹ ٹھہرو!“ اس کی آواز پر اچانک ہی غماہت طاری ہو گئی ”ہم دونوں کی تسلی کی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ تم مجھے گیری ہارٹ کے بتائے ہوئے فون نمبر کے ابتدائی تین ہندسے بتادو۔ اگر وہ ہندسے درست ہوئے تو میں سمجھ لوں گا کہ گیری نے میری جان بچانے کے لیے ایک عظیم جوا کھلیا ہے۔ میں تمہیں یقین چار ہندسے بتا دوں گا اور نمبر کی تصدیق ہو جائے گی۔ اگر ابتدائی تین ہندسے ہی غلط نکلے اور مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہو گا تو مزید وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم جو چاہو، خاموشی سے کر گزرتا۔“

مجھے مزید اجازت سے گزار کر تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میں مرنے کے بعد تمہارے ظلم اور تشدد کی کمائیاں چیف تک پہنچانے کے لیے باقی نہیں رہوں گا۔ کوئی مردہ شخص دنیا میں لوٹ کر نہیں آتا۔ میرے ساتھیوں کو عبرت دلانے اور خوف زدہ کرنے کے لیے میری موجودہ حالت ہی کافی ہے۔“

اسے موت بالکل سامنے نظر آنے لگی تھی۔ اس نے داہنے ہاتھ کی انگلی سے اپنے سر اور سینے کو چھو کر خیالی کر اس بتایا اور زیر لب کچھ پڑھنے لگا۔ اس کے ذہنی ہونٹ ہل رہے تھے لیکن آواز مفقود تھی۔

میں نے سگریٹ کے پکٹ پر نگاہ ڈال کر گیری ہارٹ کے لیے ہوئے فون نمبر کے ابتدائی تین ہندسے دہرائے اور جیت بیٹھے بیٹھے بے یقینی سے اچھل پڑا ”تا قاطعی یقین۔۔۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گیری میرے لیے اتنا فکر مند ہو سکتا ہے۔ وہ بہت عظیم ہے۔۔۔ اس نے میری زندگی بچانے کی خاطر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔۔۔ جب وہ میری خاطر اتنی دور تک جاسکتا ہے تو مجھے بھی چیف کی پروا نہیں۔ اس نمبر کے آخری ہندسے فوراً مین ڈیل تھری ہوں گے۔“

”تمہیں زندگی اور آزادی مبارک ہو“ میں نے ریوالتور جیب میں رکھتے ہوئے ساٹ لیجے میں کہا ”یہاں سے جانے کے بعد تم اپنی مرضی کے مالک ہو گے۔“

میں اسے بتانا چاہ رہا تھا کہ اس وقت وہ نادرہ کے مکان کے زہ خانے میں بند تھا لیکن آخری لمحے پر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ ہم لوگ یکے بعد دیگرے اپنے ہر ایسے ٹھکانے سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے جہاں کسی بیہوشی دوا غلط کے خطرے کے بغیر اپنے کسی حریف کو قید رکھ سکیں۔ میں نے جو فلیٹ کرائے پر لیا تھا اس میں سرے سے ایسی گنجائش ہی نہیں تھی۔ نادرہ کا ویران گھر ضرورت کے کٹھن لمحوں میں ہمارے کام آسکتا تھا۔

میں نے فون پر بلیک ہاک کا نمبر ملایا۔ سلسلہ ملتے ہی دوسری طرف سے ایک مردانہ غیر ملکی غراہٹ میں ہیلو کی آواز سنائی دی اور میں نے فوراً ہی کریڈل دیا کہ فون کا سلسلہ منتقل کر دیا۔

”ہم تمہیں ہیشل اسٹیلیم کی قریبی جھاڑیوں میں چھوڑ دیں گے“ میں نے جیت کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”تم نے تو کہا تھا کہ میں یہیں سے کوئی گاڑی پکڑ کر چلا جاؤں گا۔ کیا اب تم مجھے بے ہوش کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟“ وہ بوکھلا

”قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔“  
”اور بلیک ہاک کا کیا بنے گا؟“ سلطان شاہ نے تجسس لہجے میں پوچھا۔

”فی الحال اسے بھولے رہو۔ میں نے ان دونوں کی ہچکچاہٹ دیکھتے ہوئے اس کا فون نمبر حاصل کرنے پر زور دیا ورنہ مجھے معلوم ہے کہ بلیک ہاک بھی راس الیڈا کے بارے میں کوئی کارآمد بات نہیں بتا سکے گا۔۔۔ یوں سمجھو کہ بلیک ہاک کے فون نمبر کی صورت میں مجھے گیری اور جیت کو بلیک میل کرنے کا مواد مل گیا ہے۔ جب بھی ان دونوں نے تیزی دکھانے کی کوئی کوشش کی میں انہیں یہ دھمکی دے سکوں گا کہ میں جیت کی رہائی کے سلسلے میں ہونے والی سودے بازی راس الیڈا کے علم میں لانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یہ بات راس کے علم میں آگئی تو وہ متشعل ہو کر ان دونوں کی موت کا فیصلہ بھی صادر کر سکتا ہے۔“

”تو یوں کہو کہ تم نے راس الیڈا کی فوری زنجیری دو کڑیاں کمزور کر دی ہیں۔“

”جیت کو زندہ چھوڑ کر ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس عمل کے نتیجے میں آخر کار ہمیں کوئی نہ کوئی فائدہ ہی پہنچے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کارکردگی کر جانے کی وجہ سے راس الیڈا میاں سے اپنا بولیا بستر سینے پر مجبور ہو جائے۔“

”مجھے یہ ساری بھاک دو ذاتی لڑائی کا رنگ اختیار کرتی ہوئی نظر آ رہی ہے“ وہ چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولا ”وہ ہمیں پکڑنے یا مارنے کے ورپے ہیں اور ہم ان کے آدمیوں کا پیچھا کر رہے ہیں۔ اس بے مقصد لڑائی سے مجھے تو جیڑ سی آگیا ہٹ محسوس ہونے لگی ہے۔ جب تک کوئی بڑا مقصد سامنے نہ ہو دشمن کا سر پکٹنے میں لطف نہیں آتا۔ پتا نہیں یہ صورت حال کب تک اسی ڈگر پر چلتی رہے گی۔“

”ذاتی تحفظ ہی انسانی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہوتا ہے۔ گردن کٹ جانے کے بعد سب کچھ ختم ہو جاتا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ راس الیڈا صرف مجھے پکڑنے یا مارنے کے لیے پاکستان نہیں آیا ہے۔ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا ایک طویل سلسلہ ہمارے سامنے ہے۔ راس الیڈا کی میاں موجودگی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ وہ مجھے اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہوئے میرے پیچھے بڑا ہوا ہے۔ مجھے ٹھکانے لگانے کی کوششوں کے ساتھ یہ وہ اپنے اصل مشن پر بھی کام کر رہا ہو گا۔“

”یہی تو میں بھی جانتا چاہتا ہوں کہ اس کا اصل مشن کیا ہے؟“

”ابھی تک کوئی بات کھل کر سامنے نہیں آ سکی لیکن یہ طے ہے کہ بلبر کراس ڈیل کی کامیاب تکمیل کے بعد ہی ان لوگوں نے زیادہ سراغ پایا ہے۔ اول خان سے ہمارا رابطہ منقطع ہو چکا ہے ورنہ وہ اندر کی خبریں لاتا رہتا۔ تھیں۔ یہی وہ سب الجھنیں تھیں جن کی وجہ سے میں جیت کے آپریشن کی موجودگی کو پوشیدہ رکھنے کی سرکوب

ہے باہر آ سکتا تھا۔ مجھے گھر سے باہر نکالنے کے بعد اس نے داخلی دروازے کو اندر سے لوٹ کیا اور پھر اپنی دریافت کی ہوئی کھڑکی سے باہر آ گیا۔ اس کے دل میں نادارہ کے لیے بدستور نرم گوشہ موجود تھا اور وہ اس گھر کو امکانی حد تک محفوظ بنا کر مقامی چور اچکوں کی بے رحمانہ لوٹ مار سے بچائے رکھنا چاہتا تھا۔

ہماری گاڑی کا نادارہ کے مکان میں دیکھا جانا خطرناک ہو سکتا تھا اس لیے ہم وقت ضائع کیے بغیر تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

”ہم اسے لاد کر کہاں لے جا رہے ہیں؟“ شارع فیصل پر نکل

آنے کے بعد سلطان شاہ نے جیت کے بارے میں اپنا پہلا سوال کیا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا ورنہ اس کی طویل ہوتی ہوئی خاموشی سے مجھے عجیب سی دشت ہونے لگی تھی۔ وہ میری الجھن سے بے خبر سڑک کی طرف متوجہ تھا۔

اس وقت اپنے دشمنوں کے بارے میں ہم جس حکمت عملی پر چل رہے تھے اس کی دوسرے ہاتھ آئے ہوئے حریف کو زندہ چھوڑنا حرام تھا۔ ان میں سے جو بھی ہمارے ہاتھ آیا، جنم واصل ہوتا چلا گیا لیکن جیت کا معاملہ مختلف تھا۔ یہ خانے میں معاملات کو سمیٹتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ سلطان شاہ اسے زندہ دیکھتے ہی مجھ پر سوالات کی بھرمار کر دے گا مگر اس نے خلاف توقع مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں پوچھا تھا۔

”آگے سے گاڑی موڑ لیانا۔ اسے نیشنل اسٹیڈیم کے نواح میں لگی ہوئی جمادیوں میں ڈالنا ہے“ میں نے کہا۔

”اسے کسی مجبوری کے تحت زندہ چھوڑ رہے ہو یا یہ بھی کوئی مصلحت ہے؟“

”قید میں آئے ہوئے شخص کی طرف سے کیا مجبوری ہو سکتی ہے؟ بس اسے مصلحت ہی سمجھو۔ اس نے اور گیری ہارٹ نے راس الیڈا کے خوف کے باوجود مجھے بلیک ہاک کا نمبر دے دیا ہے۔ اس غیر معمولی تعاون کے نتیجے میں جیت زندہ رہنے کا حق دار ہو گیا تھا۔“

”بلیک ہاک کا فون نمبر معلوم کرنے کے بعد بھی تم اس کے دل میں سوراخ کر دیتے تو کون تمہارا ہاتھ پکڑ لیتا؟ معلوم ہوتا ہے کہ اب تم اسے چارایا کر راس الیڈا کو گھیرنے کی کوشش کرنی چاہتے ہو۔“

”تم ٹھیک سمجھ رہے ہو۔ گیری ہارٹ کو اندازہ ہے کہ جیت کو زندہ چھوڑ کر میں نے اسے بہت بڑی رعایت دی ہے۔ گیری نے میرے اس احسان کا بدلہ چکانے کا بلند دبا بک دعویٰ کیا ہے۔ اس کے دعوے سے قطع نظر مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ ان کے دل میں میری طرف سے ایک نرم گوشہ ہمیشہ موجود رہے گا۔ دوسری طرف راس الیڈا جیت کی پر اسرار واپسی پر چکر میں پڑ جائے گا۔ میرا مقصد بھی یہی ہے کہ ان لوگوں کی صفوں میں بدلی اور انتشار پھیلے۔ انہیں ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رہے گا تو یہ

کوششیں کر رہا ہوں۔ یہ ان لوگوں کا کوئی جدید ترین مواصلاتی سلسلہ ہے لیکن راس الہیڈا نے اپنے شبہات کی وجہ سے اس کا استعمال بالکل بند کیا ہوا ہے۔۔۔ میرا خیال ہے کہ ذرا نیچے ان سنیما سے گیری ہارٹ کی خیریت سے واپسی اور حجت کے بیان کے بعد راس الہیڈا کے شکوک و شبہات ختم ہونے لگیں گے۔ اور ہمیں اپریش کے ذریعے اہم باتیں معلوم ہو سکیں گی۔“

”حجت ان لوگوں کے عزائم پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکا؟“ اس نے پوچھا۔

”میں نے اسے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ گیری اور حجت جس انشاک سے نادمہ پر کام کر رہے تھے اس کی بنا پر میں نے پہلے ہی سے رائے قائم کر لی تھی کہ ان دونوں کو صرف میری سرکولی کا کام سوچ کر میدان میں اتارا گیا ہے۔ ان کے محدود کردار کی وجہ سے راس الہیڈا نے خود کو ان پر ظاہر نہیں کیا اور جیف بن کر ان سے کام لیتا رہا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ میرا قصہ منٹ جانے کے بعد ان دونوں سے دوسرے کام لینے کا ارادہ رکھتا ہو۔“

پھر کار میں خاموشی چھا گئی۔ میں نے سلطان شاہ کی دونوں اور سید می باتوں پر جتنا غور کیا، اتنا ہی ان سے متفق ہوتا چلا گیا۔ اس کی یہ بات سو فیصد درست تھی کہ ایلن کے سامنے آنے کے بعد صرف انداز بدل رہا تھا ورنہ سارے واقعات ایک ہی ڈگر پر چل رہے تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہیروئن کے عالمی اسمگلروں سے لڑتے لڑتے ہم کچھ طاقت ور اور بارسوخ امریکیوں کی دشمنی کے بحور میں پھنس گئے تھے۔ یہ ایک سستی خیز اتفاق تھا کہ ان لوگوں نے میرا کونج لگانے کے لیے جس عورت کا انتخاب کیا وہ ہیروئن کے ایک سزا یافتہ پاکستانی اسمگلر کی بیوی تھی اور اس کا شوہر شی کے ذریعے ہیروئن کے نفع بخش مگر کالے دھندے سے متعارف ہوا تھا۔

پاکستان میں ہیروئن کی مقامی طلب میں اضافے اور مغربی ممالک میں اسمگلنگ کے انداد کی مہم کی ابتدا شی نے انتہائی منظم بنانے پر کی تھی اور رفتہ رفتہ اسمگلنگ کے بیشتر کاروبار پر خود قابض ہو چکی تھی۔ اس غیر قانونی لین دین میں شی نے اربوں ڈالر کمائے تھے۔ وہ اندھی کمانی شی کے اہم گماشتوں کی پُر نفیس زندگی کے اخراجات سے بہت زیادہ تھی اس لیے شی کے منصوبہ سازوں نے دوسری عالمی سازشوں میں سرمایہ کاری شروع کر دی۔ انہوں نے خاص طور پر یہ خیال رکھا تھا کہ ہیروئن کی پاکستان کی منڈی سے ہونے والی بھاری آمدنی اسی ملک کی بنیادوں پر کاری ضرب لگانے کے لیے استعمال کی جائے۔ اندرون سندھ سماج دشمن عناصر کی مکمل سرپرستی کر کے شورش کی فضا پیدا کرنے کی کوششیں، الہیڈا ٹائی لانچ کے ذریعے جدید ترین جنگی ہتھیاروں کی بھاری مقدار کی اسمگلنگ اور پھر بلوچراں اس ڈیل کے تحت آنے والے ساز و سامان کی تباہی کی سازشیں اسی پالیسی کا ایک حصہ تھیں۔

شی کو اپنی ان سرگرمیوں میں جہاں بہت سے غیر ملکی حکام کی

بشت پناہی حاصل تھی وہاں ہندو ملک کے خفیہ اداروں کا بھرپور تعاون بھی حاصل تھا۔ دونوں ملکوں کے درمیان پالی جانے والی سرحد جنگ کی فضا میں راؤا لے شی کی فنی اور مالی مدد سے پاکستان کو ناقابل طاقی نقصان پہنچانے کے لیے کوشاں تھے۔

ان سازشی قوتوں نے اپنے مقاصد میں ابتدائی کامیابیوں ضرور حاصل کیں لیکن میرے اور اول خان کے قریبی تعاون کی وجہ سے ان لوگوں کی ہر سازش بروقت بے نقاب ہوتی رہی اور ہماری مشترکہ جارحانہ کارروائیوں کی وجہ سے ان کا آخری کامیابی حاصل کرنے کا خواب کبھی بھی سرمنہ تعبیر نہیں ہو سکا۔

دوسری طرف شی کو پاکستان میں ناقابل برداشت نقصانات اٹھانے کے بعد پسپا ہونا پڑا لیکن میری اور دیرا کی قریبی رفاقت پروان چڑھتی رہی۔ ہم دونوں کے متضاد نظریات اور مفادات بھی اس دوستی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکے پھر شاید دانشمندی میں بیٹھے ہوئے اعلیٰ ترین منصوبہ ساز اس نتیجے پر پہنچے کہ شی کا سربراہ جی لائیڈ اپنی غیر قانونی بیٹی دیرا کی خوشنودی کے لیے مجھے ذمیل دے کر شی کی تنظیم اور مقاصد کو ناقابل طاقی نقصان پہنچا رہا تھا اور شاید اسی وجہ سے پاکستان سے پسپائی اختیار کر گئی تھی۔

ان کے نزدیک پاکستان پر گرفت مضبوط کرنے کے لیے شی جیسی طاقت ور تنظیم کا فاضل وجود ضروری تھا۔ ایک انتہائی بے باک اور خفیہ سازش کے نتیجے میں جی لائیڈ کو وائٹ ہاؤس کے باہر اس وقت بے آواز کوئی کا نشانہ بنا کر ختم کر دیا گیا جب وہ امریکی صدر سے ملاقات کر کے واپس جا رہا تھا۔ اس کی جگہ جم کاراک کو اس کا جانشین مقرر کیا گیا۔ وہ اپنے منصب پر فائز ہوتے ہی شی کی تنظیم نو کے لیے بعض اہم امریکی اہل کاروں کے ساتھ کراچی آیا اور اپنے ساتھیوں سمیت موت کی سرود اور بے باک وادیوں میں غرق ہو گیا۔

ان واقعات کے بعد راس الہیڈا کے میدان میں آجانے سے مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا تھا جیسے دانشمندی کے منصوبہ ساز داغوں نے اس علاقے میں اپنی ترجیحات میں ردوبدل کر لی تھی۔ پاکستان میں شی کے احیا کے معاملے کو عارضی طور پر پس پشت ڈال کر میرے خاتمے کو اولین ترجیح دی جا رہی تھی۔ مجھے یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ جم کاراک کی موت کے بعد شی کی سربراہی کے لیے کسے نامزد کیا گیا تھا لیکن آثار و قرائن بتا رہے تھے کہ راس الہیڈا کو شی کے سربراہ سے زیادہ اختیارات، قوت اور وسائل کا مالک بنا کر پاکستان بھیجا گیا تھا۔ اس نے آتے ہی اس قدر بھرپور انداز میں سارے معاملات کو اپنی گرفت میں لیا تھا کہ راؤا لے جی بھی منظر میں چلے گئے تھے۔ دیرا اور غزالہ کے ہاتھوں ایچ ڈی نارمن اور اس کی گرل فرینڈ کے دہرے قتل کے بعد ان کے توصل خاتمے پر خاموشی چھا گئی تھی۔ جانوں کے خوف سے انہوں نے غیر معینہ مدت کے لیے اپنے وقتا ترند کر دیے تھے۔ اس طرح ہمارے مقابلے پر صرف راس الہیڈا اور اس کے خوار می میدان میں رہے۔ مگر تھے۔

اس نے لمحہ بھر کے لیے مجھے تنگی نظروں سے گھورا پھر دوبارہ سڑکوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا ”تمہارے ساتھ رہ کر شاید ہر شخص تمہارے مشوروں کا محتاج ہوتا چلا جاتا ہے۔ تارہ نے بھی اپنے بارے میں سوچنے کی ساری ذمہ داری تم پر ڈال دی تھی۔۔۔“

”تارہ ابھی تک تمہارے ذہن پر سوار ہے۔۔۔ اگر اس کی یاد اسی قدر ستا رہی ہے تو میں ایک فون کر کے اسے دوبارہ کراچی بلا سکتا ہوں۔ وہ رحیم یا رخسان کا فون نمبر دے گئی ہے۔“

”جانے والے لوٹ کر نہیں آتے“ اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ”میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ ہم لوگوں نے اس بے چاری کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ وہ ہماری طرف سے ایسے برے سلوک کی مستحق نہیں تھی۔“

”تم بھی اخبارات میں ایک معذرت نامہ بلکہ لعنت نامہ چھپوا دو اور اس میں تارہ کے حوالے سے میرے خلاف اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لو تاکہ تم پر وقفہ وقفے سے اس کا ذکر چھپنے کے دورے نہ پڑتے رہیں۔“

”تارہ ایک انجینیئر عورت تھی۔ آئی اور جلی گئی۔ تم میرے محسن اور دوست ہو۔ میں تمہارے خلاف سوچ بھی نہیں سکتا لیکن غلطی، غلطی ہوتی ہے۔ اس کی نشان دہی پر تمہیں برا نہیں ماننا چاہیے۔“

”اس کے بارے میں ایک مرتبہ دل کھول کر میرے ساتھ بحث کرو اور پھر اس قصے کو پیشہ کے لیے دفن کر دو۔ کسی بات کی وقت و اوقات تمہارے مجھے کوفت ہونے لگتی ہے“ میں نے سچی سے کہا۔

وہ ایک فرد اور متعدد ریاستی قوتوں کی ایک بھیاںک جنگ تھی جس میں اس وقت تک میرا ہلہ بھاری تھا لیکن آنے والے وقت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ میری یا میرے ساتھیوں کی ریاستی فوجیں ہم سب کو لرزہ خیز انجام سے دوچار کر سکتی تھی۔

سلطان شاہ نے اسٹیڈیم کے گرد و نواح کا ایک چکر لگانے کے بعد گاڑی ایک دیران سڑک پر موڑ لی۔ ان دنوں اسٹیڈیم کے ارد گرد کھلی شادی گاہوں کا جھنڈا بازار زیادہ دور تک نہیں پھیلا تھا لیکن اس کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ کرکٹ کے کھیل میں کارکردگی اور مال کی کمی کی وجہ سے اس کھیل کے ناقدوں نے انہی جیسے بھرنے کے لیے اسٹیڈیم کے گرد پھیلے ہوئے میدانوں کو اپنی آمدنی کا ذریعہ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسٹیڈیم روڈ سے اتر کر پولیس کی طرف جانے والی سڑک کی اپنی جانب جا بجا خود رو جھاڑیوں کے جھنڈے ہمارے پتھر تھے۔ سلطان شاہ نے ایسے ہی ایک گتھان جھنڈے کے قریب گاڑی روک دی۔ ہم دونوں کو اپنے اپنے کام کا علم تھا۔ ہمیں جیت ٹرکے بے ہوش دودھو گاڑی کے پائیدان سے جھاڑیوں میں پھنسل گئے تھے۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت لگا اور ہم فوراً ہی وہاں سے واپسی کے لیے روانہ ہو گئے۔ تارہ کے گھر سے جیت کے بدن پر ڈالی ہوئی رنگین چادر میں نے وہاں نہیں چھوڑی تھی۔ اس کے کسی گوشے میں پڑے ہوئے کسی نشان سے یہ ظاہر ہونے کا اندیشہ موجود تھا کہ ہم نے جیت کو تارہ کے گھر میں قید کیا ہوا تھا جب کہ میں اس گھر کو ایک خفیہ پناہ گاہ کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

مقبول آباد سے اسٹیڈیم تک کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن وہاں سے واپسی کا سفر قدرے طویل تھا۔ سلطان شاہ نے بڑی سڑکوں کے بجائے غیر معروف اور سنسان گلیوں کا راست اختیار کیا ہوا تھا۔ اسے کیس کیس مجبوراً مین روڈ پر آنا بھی پڑ رہا تھا وہ دوبارہ گاڑی گلیوں میں لے جاتا تھا۔ میں کچھ دیر تک اس کے اس کھیل سے خاموشی سے لطف اندوز ہوتا رہا لیکن پھر سفر کی طوالت کی وجہ سے مجھے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی۔

”کیا آج شہر کی ساری ہی گلیاں چھان ڈالنے کا ارادہ ہے؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”تمہاری وجہ سے صراطِ مستقیم چھوڑ کر گلیوں میں بھگ رہا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”میری وجہ سے کیوں؟“ میں نے خالی الذہنی کے عالم میں سوال کیا۔

”دن کے اجالے میں مصروف اور معروف راستوں پر کوئی تمہیں پہچان سکتا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ تمہارے بارے میں اخبارات میں چند روز پہلے چھپنے والا انصافی اشتہار ابھی لوگوں کے ذہنوں سے محو نہیں ہوا ہو گا۔“

”اوہ۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہاتھ بھروں کے ساتھ تم نے اسے اپنی خبر اور ڈالنا شروع کر دیا ہے۔“

9 مئی 2004 کو شائع ہوا ہے

آئی اے این ای

پیشہ 60

دکان 23

# آتش فشاں

میں شائع ہوا ہے

کتابیات پبلی کیشنز

74200، لاہور

فون: 5802551-5895113

kitabiat1970@yahoo.com

75600

ہم گھر کے قریب پہنچے ہی تھے کہ اچانک جیت کے اپریش ہو گئی۔ ہلکی آواز آنے لگی۔ وہ اپریش جب سے میری تحویل میں آ تھا، ہر لمحے آن رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ میری جیب میں ہونے کے باوجود فعال تھا۔ میں نے اپریش جیب سے نکال کر اس کی آواز برصادی تاکہ پیغام واضح ہو سکے۔

دوسری طرف سے راس الیڈا کی مانوس آواز سنائی دے رہی تھی۔ چیف بن کر وہ ہراس محض کو متوجہ کر رہا تھا جو اس کی آواز سن رہا ہو لیکن اپنی کال کا جواب صرف بلیک ہاک سے طلب کر تھا۔

میرے لیے راس الیڈا کا وہ غیر متوقع پیغام سنسنی خیز تھا۔ اپریش سے آنے والی آواز سن کر سلطان شاہ بھی اپنی نشست پر چوٹا ہو کر بیٹھ چکا تھا۔ ہمارے فلیٹ والی عمارت قریب آجی ٹم اور سلطان شاہ گاڑی کو اس کے احاطے میں لے جانے کے مؤثر نظر آ رہا تھا۔

ہم بلا ٹنگ کی پارکنگ میں اپنی کار کے شیشے چڑھا کر اپریش ہونے والی بات چیت سن سکتے تھے لیکن وہاں ہم آنے جانے والوں کی نگاہوں میں آ سکتے تھے۔ میں نے لمحہ بھر میں فیصلہ کرتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا ”گھر لوٹنے کے بجائے گاڑی ساحل کی طرف نکال لے جاؤ۔ ہم ہنگو فٹم ہونے کے بعد واپس لوٹیں گے۔“

سلطان شاہ نے گاڑی کی نوٹی ہوئی رفتار میں سرعت سے اضافہ کر دیا۔

راس الیڈا نے دوسری مرتبہ اچھر بڑی زبان میں ہی اپنا پیغام نشر کیا۔ جنس آئیز سکوت کے چند لمحے گزرے پھر اس آٹے پر ایک اور آواز سنائی دینے لگی ”بلیک ہاک آن لائن“ چیف۔ اورا“

وہ آواز سننے ہی ہم دونوں چونک پڑے۔ سلطان شاہ کو علم نہیں تھا کہ میں نہ خانے سے بلیک ہاک کا فون نمبر لاس کی آواز سن چکا تھا۔ اس کے لیے بلیک ہاک کی آواز خیر خیر تھی جب کہ میری مسرت کا سبب یہ تھا کہ اپریش پر بالکل وہی غیر ملکی آواز سنائی دی تھی جو میں فون پر سن چکا تھا۔

”تم اور تمہارے دونوں آدمی اب مجھ سے اپریش پر ہی رابطہ رکھیں گے“ راس الیڈا کی سرو تھاڑ سنائی دی ”جیت لڑا کہ اپریش غیر متعلقہ ہاتھوں میں پہنچنے کی تردید ہو چکی ہے۔ پچھلے رات ڈرائیو ان سنیا پر تم خود کچھ چکے ہو کہ گیری ہارٹ کے لیے کوئی وہاں موجود نہیں تھا۔ میں اب فون پر نہیں ملوں گا۔ ضرورت اور حالات کے تحت میرے ٹھکانے بدلتے رہیں گے مگر میں تم کو اپنے بارے میں باخبر رکھوں گا۔ گیری ہارٹ ایک تجربے کار اور کارآمد آدمی ہے۔ اسے اپنی گستاخی اور زبان درازی کی کافی سزا مل چکی ہے۔ اسے اس کا اپریش واپس دے دو۔ ذہنی کے خلاف دہی مؤثر رہے گا۔ انسپکٹر جیت کے لیے اس کی کوششیں جاری ہیں۔ میری آرزو ہے کہ وہ زندہ برآمد ہو سکے لیکن تم ان معاملات سے

”اب تم میری زبان سے اس کا ذکر نہیں سناؤ گے یہ بتاؤ کہ اس وقت کیا سنا سنا پسند کرو گے؟“ اس نے مجھے چڑانے والے شوخ لہجے میں کہا ”راگ، بھیڑیں، میاں کی مٹری یا راگ مالکوس؟“

”تم نے انہی اشتہار کا ذکر کر کے مجھے سوچ میں ڈال دیا ہے“ میں نے اس کی شوخی کو نظر انداز کر کے کہا۔

”فکرمات کرو۔ رفتہ رفتہ اشتہار لوگوں کے ذہن سے بالکل اتر جائے گا۔“

”میں بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔ کسی بھی تشریحی مہم کا ایک طریقہ کار ہوتا ہے۔ اپنی بات لوگوں کے ذہنوں میں پیوست کرانے کے لیے ایک یا ایک سے زیادہ بڑے اشتہارات سے ابتدا کی جاتی ہے پھر دی پیغام نسبتاً چھوٹے اشتہارات کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے تاکہ چند روز تک اس پیغام کی تجدید ہوتی رہے۔ دوسری صورت میں لوگ ہر بات بھول جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس مالی وسائل کی کوئی کمی نہیں ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ وہ صرف ایک اشتہار دے کر کیوں نہ گئے؟ مجھ پر دباؤ بڑھانے کے لیے اشتہارات کی بھرمار ہو جانی چاہیے تھی تاکہ ہر شخص اٹھتے بیٹھتے میری گرفتاری میں مدد دے کر لکھ پٹی بننے کے خواب دیکھنا شروع کرے۔“

”تمہارے پاس بھی پیسے کی کمی نہیں ہے۔ اس بات سے اتنی زیادہ الجھن ہو رہی ہے تو اپنی طرف سے یہ کار خیر شروع کرو۔ دو تین روز میں تمہیں افادہ ہو جائے گا۔ ان کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔“

اس وقت سلطان شاہ کے منہ لگتا بے سود تھا۔ یہ بات اس کے ذہن میں نہیں ساکتی تھی کہ ان لوگوں نے تشریح کے کسی ماہر کے مشورے کے بغیر وہ انہی اشتہار جاری نہیں کیا ہو گا۔ امریکن ہر شعبے میں پیشہ ورانہ تخصیص کے قائل ہوتے ہیں اور ہر کام میں متعلقہ شعبے کے ماہر سے ہدایت حاصل کرنا فرض مین سمجھتے ہیں۔ شاید پہلا اشتہار شائع ہوتے ہی انہیں احساس ہوا ہو گا کہ اس طرح وہ مجھے چونکاتا کر رہے تھے۔ میں سامنے رہ کر ان کا مقابلہ کر رہا تھا، تب بھی وہ میری گردنیں پاسکتے تھے۔ المین نے ہر بار میری کمین گاہ پر اس وقت دھاوا بولا تھا جب میں ٹکلی از وقت خطرو بحالپ کردہاں سے صاف نکل چکا تھا۔ شاید انہوں نے سوچا ہو کہ میں ان کی اشتہار بازی سے خائف ہو کر عارضی طور پر زیر زمین چلا گیا تو ان کے لیے زیادہ مسائل پیدا کر سکوں گا اور وہ پھر بھی میری ذات تک رسائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ وہ امکان سوچتے ہی انہوں نے اشتہاری مہم موقوف کر دی۔

اگر قدرت انسان کا ساتھ دے رہی ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس کے زیرک دشمنوں کی عقلیں ماؤف ہو جاتی ہیں اور وہ دانش مندی کے زعم میں عمیق غلطیوں کا ارتکاب کرتے چلے جاتے ہیں۔ میری نیت صاف تھی اور عزائم نیک تھے۔ شاید اسی لیے قدرت میرے اوپر حد سے زیادہ مہربان تھی۔

رکھ لیا۔ میں نے اسی وقت دیکھا تھا کہ پیغام وصول کرنے کے لیے اس اپریش کو ہر وقت آن رکھنا ضروری نہیں تھا۔ اسے بند کر کے اس کی بیٹی بچائی جاسکتی تھی۔ دوسری طرف سے پیغام آنے کی صورت میں اپریش پر کوئی مخصوص ریڈیو سیکٹر نائی دتا جس کے بعد اسے آن کیا جاسکتا تھا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں نادروہ وغیرہ کے پیچھے لگا کر اس المیڈا نے کوئی اونچا چکر چلایا ہوا ہے“ سلطان شاہ نے گاڑی کو واپسی کی راہ پر ڈالتے ہوئے پرجوش لہجے میں کہا ”جہل کے عہدے کا فوجی افسر کسی چھوٹی موٹی بات پر اتنے زیادہ تجسس کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ اندرونِ خانہ بھارتی اب بھی ان لوگوں سے ملے ہوئے ہیں۔“

”وہ مجھے کب تھے جواب مل گئے ہوں گے۔ وہ شروع ہی سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔“

”جانتے ہیں یہ ایوی ایشن ریسرچ سینٹر کیا بلا ہے اور اس المیڈا کن فضائی راستوں کے نقشوں کے پکڑ میں ہے؟“ سلطان شاہ وہ گفتگو سن لینے کے بعد خاصا پریشان نظر آ رہا تھا۔

”ادل خان نے مجھے راکے بارے میں بہت تفصیل سے بتایا تھا“ میں نے کہا ”بھارتیوں نے اپنے دشمنوں بلکہ دوستوں کے بھی خلاف جاسوسی کے پیشتر ادارے ریسرچ، تحقیق اور تجزیے کے نام پر قائم کیے ہوئے ہیں۔ رابھی ریسرچ اینڈ اینالیٹکس ونگ کا مخفی ہے۔ اسی طرح آرک یا ایوی ایشن ریسرچ سینٹر بھی راکاز بی ادارہ ہے۔ یہ لوگ اپنے مواصلاتی ذرائع کو ہر وقت ترقی دینے اور کارآمد رکھنے کے ساتھ دشمن کے مواصلاتی رابطوں کو فنی غلط اندازی سے جام کرنے کے نئے نئے منصوبوں پر کام کرتے ہیں۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ان کے پاس ریڈار سے لے کر گھیاڑے تک موجود ہیں اور دشمن کے ٹھکانوں کے قریب مخدو پرواز ہو کر بدترین ریڈیائی شور کے ذریعے ہرلا سکی آلے کو ناکام کر دیتے ہیں۔ ماسرکار والے بلیک کبیس راکے وہ تربیت یافتہ گوریلے ہیں جو دشمن کے علاقے میں مخصوص کارروائیاں کرنے کے ماہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے اور شعبے بھی ہیں جن میں ایس ایس بی اور ای او نیوشی نو شامل ہیں۔ اس وقت کی گفتگو سے اندازہ ہو رہا ہے کہ جہل ریمیش بھٹاگر آرک نامی ادارے کا سربراہ ہے اور اس المیڈا اس سے خاص قسم کے فضائی راستوں کے تفصیلی نقشے حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔ حالات نشان دہی کر رہے ہیں کہ ان نقشوں کا تعلق پاکستان سے ضرور ہو گا۔“

سلطان شاہ نے دوفر جوش سے میری بات اڑادی اور بولا ”راس المیڈا ایک متعصب اور نسل پرست یہودی ہے۔ اس کی باتوں پر اس حوالے سے سوچ کر میرے مدتکے کھڑے ہو گئے ہیں۔“

”تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟“ میں نے پرجوش نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”رہو گے۔ اس وقت آپریشن کے تائین ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم ہے۔ اور!“ آخر کار میرے اندیشے درست ہی ہوئے تھے۔ راس المیڈا برسے ساتھ الجھ کر اپنی سازشوں سے غافل نہیں ہوا تھا۔ حقیقت اس نے گیری ہارٹ، جیفٹ ٹراور ایلن وغیرہ کی مدد سے نئے اس بری طرح الجھالیا تھا کہ میں کسی اور طرف توجہ ہی نہیں دے سکتا تھا۔

وہ مجھے اپنے بچاؤ میں الجھا کر پوری رازداری اور اطمینان کے ساتھ اپنا کام کر رہا تھا۔ اس کی زبان سے آپریشن کے تائین کا نالہ اس کی پوشیدہ سرگرمیوں کا واضح ترین ثبوت تھا۔ وہ حقیقت ماننے آتے ہی میری کھوپڑی میں انگارے سے بھرنے لگے۔ میں نے آپریشن کے تائین کے الفاظ پہلی بار سنے تھے۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ان الفاظ کا کیا مفہوم تھا اور اس بار راس المیڈا کا ہدف کیا تھا۔

”میں جانتا ہوں“ بلیک ہاک کی آواز سعادت مندانہ تھی۔ ”ہمارے دوست ہماری سرگرمیوں کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین ہیں۔ کراچی والوں نے آج پھر جہل ریمیش بھٹاگر کا پیغام دیا ہے۔ وہ جانتا چاہتا ہے کہ ہمیں فضائی راستوں کی تفصیلات کس لیے مطلوب ہیں۔ اور!“

”جہل بھٹاگر سے کہو کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز نہ کرے“ بلیک ہاک سے ملنے والی اطلاع پر راس المیڈا برہم ہو گیا۔ ”اس سے جو کچھ کہا جا رہا ہے، تیزی سے اس پر عمل کرے۔ مجھے تفصیلی نقشوں کے ساتھ ہر دھڑ درکار ہے۔ کل تک یہ چیزیں نہیں ملیں تو اس کے ایوی ایشن ریسرچ سینٹر کو ملنے والے وہ دونوں طیارے بھی نالہ نہیں پنچیں گے جن کے ذریعے راکے والے پڑوسیوں پر اپنی مواصلاتی برتری کا سکھ جائے گا۔ خواب دیکھ رہے ہیں۔ مخالفت دوطرفہ ہوتی ہے۔ مجھ سے۔ بن کیے بغیر وہ کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ اور!“

”میں جہل کے رہنے کی وجہ سے خاموش رہنے پر مجبور ہو گیا۔ راس میں بھی کپالی سنگھ کو کم و بیش یہی سب کھنے والا تھا۔ وہ پچھلے کارڈن سے یہ کام لے بیٹھا ہے اور میرے آدمیوں کا وقت بھاد ہوا ہے۔ اور!“

”جہل بھٹاگر آؤ کا پچھا ہے۔ آدمی کا رتبہ اس کے ریک سے نہیں“ اس کی کارکردگی سے بلند ہوتا ہے۔ وہ آج آرک کا سربراہ صرف اس لیے ہے کہ اسے دو سال تک امریکا میں تربیت دی گئی ہے۔ اگر وہ اپنے ملک میں لوٹ کر کام کو ہر وقت مکمل کرنے کا احساس کھو بیٹھا ہے تو دونوں طیاروں کی ڈیلیوری منسوخ ہونے کی دھمکی اس کے ہوش ٹھکانے پر لے آئے گی۔ تم کوئی لحاظ کیے بغیر میرا پیغام اسے دو۔ کل تک تمہیں ٹیکس پر سب کچھ مل جائے گا۔ اور ایڈز آل۔“

مفتگو ختم ہوتے ہی میں نے وہ قیمتی اپریش بند کر کے جیب میں



اندری سے ہانک لگائی۔ اس کی آواز فلیٹ کے ڈرائنگ روم کی طرف سے آئی تھی۔ ہمارے آنے سے پہلے شاید وہ غزالہ سے ہر جوڑے وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔

”یہ راس الیڈا کا کیا پکڑ ہے؟“ ہم تینوں کے ڈرائنگ روم میں پہنچنے کے بعد دیرانے پھر سوال کیا۔

”وہ حبیب میرے لیے سوہان روح بن کر رہ گیا ہے۔ پٹ رہا ہے مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا۔“

”وہ نہیں! ابھی تک اس کے سرے پٹے ہیں۔ حیث کی تازہ لاش اس کی عقل ٹھکانے پر لے آئے گی“ دیرانے پورے احمق سے کہا۔

”تم بھول رہی ہو کہ ہم کے دھماکے میں بیڑی کی موت کے ساتھ وہ خود بھی زخمی ہوا تھا۔ دوسری بات یہ کہ میں نے حیث کو صاف کر دیا ہے۔ غزالہ مجھے مزے دار چائے پلانے تو میں پوری کمائی سنا سکوں گا“ یہ حقیقت تھی کہ ناشتے کے بعد کی طویل مصروفیت کے بعد مجھے چائے کی طلب ستانے لگی تھی۔

غزالہ کو خود بھی پوری کمائی سننے کا تجسس تھا۔ وہ چند ہی منٹ میں چائے تیار کر کے لے آئی اور میں نے سگریٹ سلاگے کے ابتداء سے پوری کمائی دہرائی شروع کر دی۔ سلطان شاہ کے لیے ان میں سے کوئی بات ہی نہیں تھی لیکن وہ بھی پورے انشاک سے یوں منہ چاڑے بیٹھا تھا جیسے وہ واقعات اس کے لیے نئے ہوں۔

میری کمائی کے دوران میں ان لوگوں کے چروں کے تاثرات میں متعدد بار تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں لیکن میرے اقدامات سے مکمل اتفاق یا اختلاف ہونے پر بھی ان میں سے کسی نے دخل اندازی نہیں کی۔ میں انہیں اپنے مختلف فیصلوں کے ساتھ ساتھ ان کا جواز بھی دیتا رہا تاکہ بعد میں ان کے لاتناہی سلسلہ سوالات سے بچا رہ سکوں۔

چائے کی پیالیاں خالی ہونے سے پہلے ہی میری روداد اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔

”حالات کے تحت تم نے فیصلہ کرنے میں کہیں کوئی غلطی نہیں کی“ میرے خاموش ہونے پر دیرانہ اقدانہ لہجے میں بولی ”لیکن حیث اپنی واپسی کے بعد بھی راس الیڈا کا پرانا اعتماد حاصل نہیں کر سکے گا۔ یہ بات راس کو کیوشہ تنویش دے سارے کے لیے کہ تم نے حیث کو کس مقصد کے لیے زندہ چھوڑا ہے۔“

”یہ بھی ایک طرح سے میری کامیابی ہوگی۔ ان لوگوں میں فحاش، تہذیب اور بے یقینی کے بیچ جو کچھ ہم اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں لیکن مشکل یہ آن پڑی ہے کہ راس الیڈا کی نیم میں گیری پارٹ اور حیث کا کام میری ذات تک محدود ہے۔ اس کے اصل خرچہ منصوبے پر کام کرنے والے دوسرے لوگ ہیں اور“

میری دسترس سے باہر ہیں۔“

”اپریش کا استعمال بحال ہونے کے بعد ہماری کامیابی کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔“ سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

”کچھ عرصے پہلے افواہیں سننے میں آئی تھیں کہ عراق کی ایٹمی تنصیبات پر کامیاب بمباری کے بعد اب اسرائیلی قیادت بھارتیوں کے تعاون سے کوئٹہ کی تنصیبات اور لیبارٹریز پر بھرپور فضائی حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے تاکہ کسی بھی اسلامی ملک کے ایٹمی طاقت بننے کے امکان کو پیش کے لیے ختم کیا جاسکے۔“

میں بے یقینی سے آنکھیں پھاڑ کر اسے ٹھوڑا تھا۔ وہ سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہہ رہا تھا ”ہو سکتا ہے کہ راس الیڈا یہاں بیٹھ کر اسی سازش پر کام کر رہا ہو۔ فضائی راستوں کے تفصیلی نقشوں اور اس علاقے کی محل معلومات کے بغیر اسرائیلی ہوا باز پاکستانی سرحدوں میں نہیں آسکتے۔“

”نہیں۔“ میں نے ایک جھرجھری لے کر بے اعتباری سے اس کی بات کاٹ دی ”یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ یہ عملاً ناممکن ہے۔ تم بہت دور کی بات سوچ رہے ہو۔ ایسے مشن ٹیکس، فون اور ٹرانسیفر کی مدد سے پائے تکمیل تک نہیں پہنچائے جاتے۔ یہاں سے اسرائیل کا فضائی فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ ان کے طیارے بھاری گولا بارود لے کر کئی ملکوں پر سے گزر کر براہ راست یہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ بالکل ناقابل عمل منصوبہ ہو گا۔ اس کے لیے راس الیڈا کو کراچی میں بیٹھ کر تیاریاں کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے لیے سب سے بہتر صورت یہ ہوتی کہ مجھے ہوئے اسرائیلی ہوا باز کچھ عرصے تک سری ٹھہرا پھان کوٹ کے ہوائی اڈوں سے جہاز اڑا کر ان علاقوں کے بارے میں تربیت اور مہارت حاصل کرتے اور پھر وہیں سے اپنے مشن پر نکلتے۔ اس کے لیے راس الیڈا کی دلالتی اور کراچی میں موجودگی کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ اتنا بڑا مشن نہیں ہو سکتا۔ راس الیڈا کسی اور سی چکر میں لگا ہوا ہے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔۔۔ لیکن مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے“ وہ پھر میری سی لے کر بولا۔

اس دوران میں ہم گھر پہنچ چکے تھے۔ سلطان شاہ نے اتر کر گاڑی کا دروازہ لاک کیا اور ہم دونوں اپنی اپنی سوچوں میں ڈوبے ہوئے زمینوں کی طرف چل دیے۔ میں مسلسل راس الیڈا کے کئے ہوئے الفاظ کی کڑیاں ملانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ہر بار ناکامی ہو رہی تھی۔ ان اشاروں پر میرا کوئی نظریہ کام نہیں کر رہا تھا۔ ہر بار میرا ذہن بھٹک کر سلطان شاہ کی بنائی ہوئی دوران کار کمائی میں الجھ جاتا تھا۔

ڈوریل کی آواز پر غزالہ نے دروازہ کھولا تو میرے چہرے پر نظریہ ہی وہ پریشان ہو گئی۔

”کیا بات ہے؟ آپ بہت مشغول اور گھر مند نظر آ رہے ہیں“ اس نے پوچھا۔

”اس وقت انہیں راس الیڈا ہو گیا ہے“ سلطان شاہ نے میرے پیچھے اندر آتے ہوئے کہا۔

”کیا اس سے کہیں ٹھکراؤ ہو گیا؟“ دیرانے سامنے آئے بغیر

تھے

کمروں سے آثار نکال کر ڈرائنگ روم میں جوڑنا زیادہ دیر کا کام نہیں تھا۔ ویرانے میں مقصد بھانپتے ہی ایک سیٹ پر قبضہ کر لیا اور سلطان شاہ اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

تینوں سیٹ چمک کرنے کے بعد میں نے ریسور کریٹل پر رکھ دیے اور غزالہ اپنے انسٹرومنٹ پر اول خان کا نمبر ملانے لگی۔ دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سن کر اس نے ہمیں اشارہ کیا اور میرے ساتھ ویرانے میں اپنے ٹیلی فون کا ریسور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

تین گھنٹیوں کے بعد اول خان کے بجائے ریسور پر کسی اور کی اجنبی آواز سنائی دی تو مجھے خاصی مایوسی ہوئی مگر غزالہ نے اسے اپنا نام بتائے بغیر اول خان سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے بتایا کہ اول خان علالت کی وجہ سے اس روز دفتر نہیں آیا تھا۔ ہم تینوں نے بیک وقت فون بند کر دیے۔

”یہ اچھا ہے“ میری مایوسی پر ویرا فوراً ہی بول پڑی ”گھر پر زیادہ آزادی سے بات کر سکتے گا۔“

”بات تو ہو ہی جائے گی۔ پریشانی یہ ہے کہ وہ بیمار ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو ذرا سارے بہانوں سے کام چھوڑ کر گھر بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر وہ دفتر سے غیر حاضر ہے تو اس کی بنیادی تشویش ناک بھی ہو سکتی ہے۔“

ویرا چڑ کر بولی ”تشویش کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی دیکھ بھال کر سکتا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ تم سے ملاقات ہونے تک وہ اپنی زندگی کے کم از کم پچاس سال پوری خیریت سے گزار چکا تھا۔“

اول خان اپنے گھر پر تھا اور واقعی بیمار تھا۔ فون اس کی بیوی نے اٹھایا تھا۔ وہ آواز سننے ہی غزالہ کو پہچان گئی۔ مزاج پر سی کے رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد اس نے فون اول خان کو دیا تو اس کی آواز سے نقاہت ظاہر ہو رہی تھی ”تم خیریت سے تو ہو؟ اس وقت مجھے کیسے یاد کر لیا؟“

”میں خیریت سے ہوں۔ آپ کیسے بیمار پڑ گئے؟“ غزالہ نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

”طبیعت کا جبر رنگ لا رہا ہے۔ جس میں معلوم ہے کہ مجھ پر ایک ایسا کام مسلط کر دیا گیا ہے جو میری مرضی کے خلاف ہے۔ میں اندر ہی اندر پھنک رہا ہوں۔ ہر وقت کا زہنی دباؤ اچھے بھلے آدمی کو تباہ کر دیتا ہے۔“

میرے ساتھ ویرا ابھی وہ ساری گفتگو سن رہی تھی۔ اول خان کے جواب میں اس نے میری طرف دیکھ کر اپنے دیدوں کو گردش دی جیسے میرے جیسے بدگمانی پر چڑا رہی ہو لیکن منہ سے کچھ نہ بولی۔

”میں ایک الجھن میں پڑ گئی ہوں“ غزالہ نے تلے لہجے میں بولی ”کوئی اور بات چھیڑنے سے پہلے میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ کے تاخیر کیا بلا ہے۔ ہمارے حریفوں میں آج کل اس کا کافی چرچا ہو رہا

”کے تاخیر میرے لیے ایک نیا نام ہے۔ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ وہ لوگ اپنے کسی مخربی منصوبے پر کام کر رہے ہیں“ ویرا فکر مندانہ لہجے میں بولی ”اس کے بعد ہی ان کی راہ روکی جاسکتی گی۔“

”ہمیں اپنی ذمے داریاں پوری کرنی چاہئیں“ غزالہ نے بحث بنی حصہ لینے ہوئے کہا ”لیکن صرف ہم ہی ہریات کے ذمے دار نہیں ہیں۔ یہ کام اول خان کا ہے۔ ایس ٹی ایف والوں کو بھی میدان میں آنا چاہیے۔“

”اول خان اپنے مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا کہ اس وقت اس الیڈا میرے سوا کسی اور موضوع پر بھی سوچ رہا ہے۔ جب تک وہ خود یہاں نہیں آئے گا“ میں اس سے رابطہ کرنے میں پہل نہیں کروں گا۔ وہ خود بھی کہہ چکا ہے کہ اسے میری گرفتاری پر مامور کیا گیا ہے۔“

”اس الیڈا نے بہت ہوشیاری اور مکاری سے سب کو ایک ہی مسئلے میں الجھا کر رکھ دیا ہے“ غزالہ نے بے بسی سے کہا۔ ”آپ اس سے رابطہ نہ کریں۔ میں فون پر بات کیے لیتی ہوں۔“

”تم نے بتایا ہے کہ اس الیڈا نے بلیک ہاک کے ساتھ اس کے دو آدمیوں کا بھی حوالہ دیا تھا“ ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔ ”ان لوگوں میں آپس میں بات چیت ہوگی تو ضرور معلومات میں اضافہ ہوگا۔“

”ان پر انحصار نہیں کیا جاسکتا“ غزالہ پُر تشویش لہجے میں بولی۔ ”ویسے تو اس الیڈا نے ہی آپریشن کے تاخیر کی بات چھیڑی تھی لیکن بے ربط اشاروں کے سوا کام کی کوئی بات نہیں معلوم ہو سکی۔ وہ لوگ بھی اشاروں کنایوں میں بات کریں گے۔ کسی جوابی کارروائی کے لیے ہمیں پورے منصوبے سے جلد از جلد واقفیت حاصل کرنی ہوگی۔ ان پر انحصار کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ ہم کچھ کرنے کا وقت گنوا بیٹھیں۔“

اس وقت میرا اور غزالہ کا ذہن یکساں غلطو ط پر کام کر رہا تھا۔ ”تم اسی وقت اول خان سے بات کرو!“ میں نے رست وارج پر نگاہ ڈال کر غزالہ سے کہا ”وہ اس وقت اپنے دفتری میں موجود ہوگا۔ وہ ذرا حساس اور فرض شناس آدمی ہے۔ اس سے گفتگو میں میرے نام کا کوئی حوالہ نہ آنے دیتا۔ وہ خود ہی کچھ پوچھ لے تو دوسری بات ہے۔“

”اس فلیٹ میں اسپیکر فون کی کمی ہے“ ویرا بولی ”اسپیکر فون کی موجودگی میں دونوں کی گفتگو سن کر کوئی سوال کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اب ہم اول خان کی آواز نہیں سن سکیں گے۔“ فلیٹ میں ٹیلی فون کی تین لائنیں موجود تھیں۔ ایک انسٹرومنٹ ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ دوسرا میرے کمرے میں تھا، تیسرا ویرا کی خوابگاہ میں نصب تھا۔ میں نے فوراً ہی ان تینوں کو یک جا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح گھر میں اسپیکر فون نہ ہونے کے باوجود کم از کم تین افراد پوری گفتگو میں شامل رہ سکتے

گایا۔ دوسری طرف اول خان لائن پر موجود تھا۔ غزالہ اس سے کوئی احتجاج نہیں کر سکی۔ بس اس کی زیادتی پر تھلا کر مچ گئی۔ قدرے توقف کے بعد ورائے اول خان سے بات شروع کر دی ”میں دیر اہل رہی ہوں۔“

”تم کیسی ہو؟ میں تمہارے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ ان حرام زادوں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی۔“

”نہیں۔ میرے ساتھ اس قسم کی کوئی زیادتی نہیں کی گئی جو تم سمجھ رہے ہو۔“ ورائے اس کی بات کاٹ کر پورے احوال سے کہہ ”میں میں اپنی تعینک اور ذہنی اذیت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔“

”مجھے ہر طرف سے گھر کر رہے ہیں۔ کہنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں لیکن مجھے برابر خبریں مل رہی ہیں۔ میں دیتی ان سے تمہارا بھرپور انتقام لے چکا ہے۔ تمہیں خبر دینا چاہیے کہ تم کو ڈینی جیسے بے فکر آدمی کی سرپرستی حاصل ہو گئی ہے۔ وہ دشمن کے قتل میں باقاعدہ کراس کی آنتیں باہر کھینچنے والے میں کمال رکھتا ہے۔“

”تمہاری دونوں باتیں غلط ہیں“ ورائے نے بے خوفی سے کہہ ڈالا ”ڈینی میرا سرپرست نہیں صرف دوست ہے اور وہ بہت زیادہ بے فکر بھی نہیں ہے۔ اتنی بے خوف ہو تو تم سے ڈر کر مددوش ہونے کے بجائے دغا دینا ہو۔ تمہارے دفتر پہنچ کر اپنی گرفتاری پیش کر دیتا اور تمہیں ان پھیلے گیسوں سے بچا لیتا جو تمہاری بیماری کا سبب بن رہی ہیں۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اس کا دوا چل گیا اور وہ میرا بدلہ لینے میں کامیاب ہو گیا۔“

”تم بہت بولتی ہو“ اول خان کی جھمی ہوئی آواز ابھری ”مگر وہ اتفاق بھی تھا تو صرف اس وجہ سے دونوں کہ ڈینی نے بہت سی جھمی۔ اب بھوکے لو کہ وہ کچھ بھی خبریں نکال لایا ہے۔“

”اس بارے میں تم سے بات کرنی بے سود ہے۔“ ورائے نے بے نیازی ظاہر کرتے ہوئے کہا ”تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ چاہے غزالہ نے کیا سوچ کے تم کو فون کیا ہے۔ ڈینی سن لیتا تو غزالہ کو ہرگز فون نہ کسے دیتا۔ وہ اپنی وجہ سے تم کو کسی امتحان میں نہیں ڈالتا چاہتا۔“

”تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو“ اول خان کی آواز میں احتجاج تھا۔ ”غزالہ نے بہت اچھا کیا کہ مجھے فون کر لیا۔ میں تم لوگوں کے لیے سب کچھ کروں گا۔ ان بھوکے مجبوروں سے لڑنا تمہارا نہیں، میرا فرض ہے۔ ہم ایسی معلومات حاصل کرنے کے لیے ترستے ہیں۔ میری مجبوری صرف اتنی سی ہے کہ میں ڈینی سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ اس سے سامنا ہو گیا تو میں اپنے فرض سے منہ نہیں موڑ سکوں گا۔ اس کی تکلیف سے بچنے کے لیے میں نے اس سے مدد طلب کرنا چاہی کی تھی۔ اچھا ہوا کہ وہ اس وقت تم لوگوں کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ میں اب بھی رابطے کے سلسلے میں اس کی حوصلہ افزائی نہیں کروں گا۔ مجھے سے دور رہنا خود اسی کے مفاد میں ہے۔“

”چھ ڈینی کی بد قسمتی ہے کہ ایک طرف وہ اپنے جانی دشمنوں میں گھرا ہوا ہے اور دوسری طرف تم جیسے مونس و غم گسار اس کا

”ہے۔“

”کے تائیں؟“ اول خان کی آواز پر خیال ہو گئی ”مجھے یاد نہیں پڑا کہ میں نے یہ نام بھی سنا ہو۔ کچھ تفصیل سامنے آئے تو شاید کوئی بھلی بری بات یاد آجائے۔ یہ کوئی فرضی نام بھی ہو سکتا ہے۔“

”کچھ لوگ کسی آپریشن کے تائیں پر کام کر رہے ہیں“ غزالہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے سنبھل سنبھل کر کہنا شروع کیا ”وہ کچھ فضائی راستوں کے تفصیلی نقشوں کی تلاش میں ہیں۔“

”تم گیری ہارت کی بات تو نہیں کریں؟“ اول خان نے مضطربانہ لہجے میں غزالہ کی بات کاٹ کر پوچھا۔

”نہیں۔ وہ اس معاملے سے بے خبر ہے۔ اس کا پاس بالائی بالائی پکڑ چلا رہا ہے۔“

”اس کا پاس کہاں سے پیدا ہو گیا؟ وہ تو خود بہت بڑی چیز ہے۔“

”مجھے یہ سب نہیں معلوم۔ آج کل گیری ہارت، راس الیڈا کے لیے کام کر رہا ہے۔“

”اور! اس کا مطلب ہے کہ اندری اندر یہ سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں؟“ بیماری کی شہادت کے باوجود اس خبر پر اول خان کی آواز میں دلچسپی عموماً آئی ”کیا ڈینی کو اس بات کا پورا یقین ہے؟“

اس کی زبان سے اپنا نام سن کر میرے وجود میں تسکین کی ایک لہری سہاگت ہو گئی۔

”جی! غزالہ نے ایثات میں جواب دیتے ہوئے کہا“ یہ خبریں وہی نکال کر لائے ہیں۔“

”اور دیر! کا کیا حال ہے؟“ ذاتی باتوں کا ذکر آتے ہی اول خان سب کچھ بھول بھال کر ہم لوگوں کے بارے میں ہر بات جان لینے کا خواہاں نظر آنے لگا ”وہ بات حجت کرنے لگی ہے یا ابھی تک نکتے کی حالت میں ہے؟“

”وہ ٹھیک ہے۔ بس گھر میں محدود کر چھو درست ہونے کا انتظار کر رہی ہے۔“

”اس سے میری بات ہو سکتی ہے؟“ اول خان نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

”ایک منٹ ہولڈ کریں“ غزالہ نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ ”مگر پہلے میری بات کا جواب تو دے دیں۔“

میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر اشارہ کیا کہ وہ دیر! کو اول خان سے بات کرنے کا موقع دے دے۔

اول خان کہہ رہا تھا ”محاطات بہت بگڑے ہوئے ہیں۔ تم سیدھی سادی خانہ دار لڑی ہو۔ تم ان سے دور رہو۔ میں دیر! کو زیادہ بہتر طور پر ہر بات سمجھا سکوں گا۔ ذرا اسے فون پر بلا دو۔“

”میں اسے ابھی بلائی ہوں“ غزالہ نے کہہ کر خاموش ہو گئی۔ سلطان شاہ نے فوراً ہی رمیور راس سے چھین کر اپنے کان سے

ساتھ چھوڑتے جا رہے ہیں۔ یہ اچھے آثار نہیں ہیں۔ وہ جلد ہی۔۔۔

اول خان اسے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر منظریانہ آواز میں بول پڑا ”منحوس کلمات زبان سے مت نکالو۔ یہ عارضی گردش اسی کا نہیں، میرا امتحان بھی ہے۔ کامیابی بہت جلد ہمارا مقدر رہے گی۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ آپریشن کے تاخیر کا کیا چکر ہے۔ غزالہ نے ادھر وری بات کر کے مجھے تشویش میں ڈال دیا ہے۔“

”یہ باتیں ٹیلی فون پر نہیں ہو سکتیں۔ کیا تم ہماری طرف نہیں آ سکتے؟“

”مجھے مطمئن نہیں ہے کہ تم لوگ کہاں روپوش ہو“ اس نے محتاط الفاظ میں دیر کا سمجھایا۔ ”میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں نے ملاقات کے لیے کہیں بلایا تو تم نہیں آؤ گی کیونکہ حال میں تمہارے بارے میں بڑے بڑے انعامی اشتہارات چھپ چکے ہیں۔ میں اپنے دفتر میں مجبور ہوتا ہوں۔ مگر کے اس فون پر تم مجھ سے مکمل کربات کر سکتی ہو۔“

”اگر یہ ٹیلی فون اسی قدر محفوظ ہے تو تم ملاقات کو اتنا مشکل کیوں بنا رہے ہو؟ تم جہاں چاہو مجھے بلا سکتے ہو۔ میں نہیں آئی تو سلطان شاہ وہاں پہنچے گا۔ ارادہ ہو تو کوئی نہ کوئی راہ نکالی جا سکتی ہے۔“

”میں ملاقات کو مشکل نہیں بنانا ہوں۔ میں نے تمہیں اپنا مؤقف بتایا ہے۔ میں خود مختار نہیں ہوں۔ مجھے بھی کسی کو جواب دینا ہوتا ہے۔ مجھ سے پوچھا جا رہا ہے کہ ڈینی سے میرے اتنے گہرے مراسم تھے تو وہ اب تک آزاد کیوں ہے۔ میں اپنا جواب تمہیں بتا چکا ہوں۔ مجھے تم میں سے کسی کے ساتھ ملنے ہوئے دیکھ لیا گیا تو ہم سب کے لیے نت نئی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ فی الحال ملاقات کا خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔ میں نے کئی مرتبہ گھر سے تم لوگوں کو فون کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر ہر بار یہ سوچ کر رک گیا کہ فون ڈینی نے اٹھالیا تو میں کیا کہوں گا۔ تم تصور نہیں کر سکتیں کہ ڈینی سے کٹ کر میں کتنے شدید ذہنی عذاب سے گزر رہا ہوں۔ اس سے تو بہتر تھا کہ مجھے بحال ہی نہ کیا جاتا۔“

میں نے ہاتھ کے اشارے سے دیر کو بات آگے بڑھانے کی ہدایت دی۔ میں اول خان کی مجبوریوں کو بہ خفی سمجھ رہا تھا۔ میرا معاملہ اس کے لیے گنگے کی چھوٹو نہ رہ کر گہرا تھا۔

”یو ای ایشن ریسرچ سینٹر کے نام سے راک کوئی ذیلی ادارہ ہے۔۔۔“

”ہاں، ہے!“ دیر نے بات شروع ہی کی تھی کہ اول خان نے بے مہری سے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ”آج کل کوئی جنرل ہشتا کر آرک کا سربراہ ہے۔ کیا کے تاخیر اسی کا چلایا ہوا کوئی چکر ہے؟“

”تم اپنی ہم عصر تصویموں کے بارے میں خاصے باخبر ہو گئے۔ مجلت سے کام لینے کے بجائے پہلے میری بات سن لو۔ میں بھی جنرل ہشتا کر کی طرف آ رہی تھی۔ اس ایڈٹا اور اس کے چیف ایڈیٹر آدی آپریشن کے تاخیر پر کام کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں جنرل سے فضائی راستوں کے کچھ تفصیلی نقشے طلب کر رہے ہیں۔ اس ایڈٹا نے ڈینی کو گہری ہارت اور حجت کے ساتھ بری طرف الجھ کر آپریشن کے تاخیر کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا منصوبہ بنایا ہے۔ حجت اور گہری کو اس آپریشن کے متعلق شاید کچھ بھی نہیں بتایا گیا ہے۔ اس سے آگے ہم خود اندھیرے میں ہیں۔ ڈینی نے اس ایڈٹا کے آدھیں کے استعمال میں رہنے والے ایک آپریشن پر قبضہ کر کے اس ایڈٹا کو یہ یاد کرایا ہے کہ اس سے وہ آپریشن تباہ ہو چکا ہے۔ اس پر ہونے والی گفتگو سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے لیکن اس کے لیے انتظار کرنا ہو گا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حقیقی دنوں میں سلجھے گی یا مہینوں اسی طرح رہے گی۔“

”یہ کام میں گہرے کر بھی کر سکتا ہوں۔ سراغ ملتے ہی تم فون کروں گا۔ ڈینی آئے تو اسے منع کر دینا کہ وہ خود کسی کلک جواب نہ دے۔ اس کی آواز سنائی دی تو میں فون بند کروں گا۔ اول خان کی آواز ڈر پڑ خیال تھی۔“

”تمہاری یہ ہدایت ڈینی کو پہنچا دی جائے گی۔ عمل کرنا یا کرنا اس کا کام ہو گا۔“

”مجھے یقین ہے کہ وہ میری بات کی تہ تک پہنچ جائے گا۔ یہ بتا کہ اس عورت کا کیا بنا جس پر گہری اور حجت دوسرے ڈال رہے تھے۔ یہ حیرت انگیز اتفاق تھا کہ ادھر مجھے ان دونوں کی سرگرمیوں علم ہوا اور ادھر وہ عورت خود ڈینی سے مشورہ لینے پہنچ گئی۔ وہ خاص خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔“

”وہ بہت زیادہ ذہربلی اور خطرناک تھی۔ اسے چھوٹ ل جاتی تو وہ غزالہ کو خون کے آنسو رلا دیتی“ اس بار دیر اچھے سے نگاہیں چار کیے بغیر روانی سے بولتی چلی گئی ”ڈینی نے اس کے سامنے اپنی اصلیت کا اعتراف کر لیا مگر وہ ڈینی پر اس بری طرح ٹو ہوئی تھی کہ اسی کا دم بھرتی رہی۔ ڈینی نے دائرہ نامی اسی عورت کی مدد سے حجت کو پکڑ کر محفوظ کیا اور اس کا آپریشن چھین لیا۔ دائرہ خوف زدہ ہو کر کچھلی رات رحیم یار خان جا چکی ہے جہاں اس کی بہن اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔ حجت کو رات بھر قید رکھنے کے بعد آج ڈینی نے رہا کر دیا ہے۔“

”یہ اس نے برا کیا“ اول خان نے بے ساختہ کہا ”سانپ کے ساتھ سنپولیوں کے سر بھی پکڑ دینے چاہئیں ورنہ وہ بل بل کر جان کا روگ بن جاتے ہیں۔ میرے بار مار ڈالنے والے مکمل ہونے ہیں۔ تیسرا راستہ عیشہ شاہی لا تا ہے۔“

”یہ باتیں تم ہی اس کے دماغ میں ڈال سکتے تھے۔ ہم سب کے

گی دیکھوں گی کہ غزالہ بی بی اس سے کیا مذاکرات کرتی ہیں۔“

”شاید تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ میرے کوچ صحیح مصرف میں نہ لایا جائے۔ تو وہ ملک ثابت ہوتا ہے۔“

”فکرت کرو۔ میں تمہیں چبانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ یہ توقع تم ہمارے سے کر سکتے تھے۔“

”وہ!“ نادرہ کا ذکر آتی ہی غزالہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کے بولی ”باتوں میں لگ کر میں آپ کو یہ بتانا تو بھول ہی گئی کہ آپ کے جانے کے بعد نادرہ کا فون آیا تھا۔ وہ خیریت سے اپنی بہن کے گھر پہنچ گئی ہے۔“

مجھے خاموش پا کر دیر لانے لگوا گایا ”اس نے کہا تھا کہ تم واپس آؤ تو تمہاری اور اس کی بات کرادی جائے، کو تو اس کا ریشم یار خان کا نمبر ملا دوں؟ بے چاری تمہارے فون کے انتظار میں تڑپ رہی ہو گی۔“

”دیر!“ میں نے اسے گھور کر کہا ”وہ یہاں سے جا چکی ہے۔ اس کا مسئلہ اڑا کر تم کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو۔“

”یہ واقعی اس کے ساتھ زیادتی ہے“ سلطان شاہ نے میری تائید میں کہا۔

”مچ چ رہو!“ دیر لانے سے ڈانٹ دیا ”سب کو معلوم ہے کہ تم ہی اسے اسٹیشن چھوڑنے گئے تھے۔ تم نہیں تو اور کون اس کی حمایت میں بولے گا۔۔۔“

دیر کی تقریر ادھوری رہ گئی کیونکہ میز پر رکھے ہوئے اپریش پر کال کا اشارہ آ رہا تھا۔ میں نے تیزی سے سوچ آن کر کے آواز بڑھا دی۔ سب لوگ آپس کے تنازعات بھول کر ہنسنے لگے۔

”گرے ہاک کانگ فارلیک ہاک۔۔۔ اور!“ پہلی بار ہم نے پیغام کے صرف آخری دو الفاظ سنے۔ وقفے سے دوسری بار نشر کیا جانے والا پیغام مکمل تھا۔

مجھے یہ جان کر قدرے حیرت ہوئی کہ ان لوگوں نے ہر شخص کے لیے الگ پاس ورڈ کے بجائے ایک ہی کوڈ کا انتخاب کیا ہوا تھا

اور رنگوں کے فرق سے وہ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ اس ایڈز کے پیغام کے مطابق کراچی میں اس ساخت کے اپریش استعمال کرنے والوں کی کل تعداد چھ تھی۔ جبکہ اپریش میرے قبضے میں تھا۔ ان لوگوں کی دانست میں وہ تباہ ہو کر ناکاہ ہو چکا تھا۔

اس ایڈز، بلیک ہاک اور گیری ہارٹ میرے لیے اجنبی نام نہیں تھے۔ ان کے علاوہ بلیک ہاک کے مزید دو آدمی ایسے آلات پر

مصرف تھے۔ ان میں سے گرے ہاک کے سامنے آ جانے کے بعد صرف ایک نام بچتا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ بھی یو، بیو یا گرین ہاک ہی ہو گا۔

”بلیک ہاک ریسیو نمک۔۔۔ اور!“ اپریش سے ہماری درشت

انے وہ فرعون بنا رہا ہے۔ جو چاہتا ہے، گرگزرتا ہے اور بعد میں اپنے حق میں انٹی سیدھی دلیلیں دے کر ہمیں لاجواب کر دیتا ہے۔“

”وہ اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے گھر اور تعلیم کا سلسلہ چھوڑ کر فرار نہ ہوا ہوتا تو شی کے چنگل میں پھنسنے کے بجائے اپنے وقت کا کامیاب ترین آدمی بنا ہوتا۔ وہ میرا ہے۔ اسے برا نہ کہا کرو۔“

”یہ مل بیٹھ کر طے کرنے والے معاملات ہیں۔ تمہیں اس فلاحی کو پڑی کو بھی درست کرنا ہو گا۔ فی الحال ہم لوگوں کے پاس اس کی ہرزہ سرائیاں سننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ وہ اکیلا

ی ہر محاذ پر لڑ رہا ہے۔ آڑے وقت میں صرف سلطان شاہ اس کا مددگار ہوتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ اپنے ساتھ اس کا بھی خیال رکھا کرو۔“ اول خان کے لب و لہجے میں بزرگی عموماً آئی ”اب میں فون بند کر رہا ہوں۔ کے تاخیر کا معاملہ ہوتے ہی رابطہ کروں گا۔“

فون کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ ویسے وہ میری ہزار تعریفیں کرتا رہا تھا لیکن میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ آخر میں اس نے میرے لیے کوئی پیغام تک نہیں دیا تھا۔ شاید وہ اس کے فرض کا تقاضا تھا۔

اول خان سے گفتگو ختم ہوتے ہی پھر چو پال جم گئی۔ اس بار اول خان کا رویہ اور اس کا دہرا کردار موضوع بحث بن گیا تھا اور

میں خاموشی سے دیر کی مصلحتوں پر غور کر رہا تھا۔ اس نے بے لاگ انداز میں اول خان سے جتنی باتیں کہیں ”وہ اسی کا کمال تھا۔ غزالہ کے لیے تو اول خان سے گفتگو کو برقرار رکھنا دشوار ہوا

جا رہا تھا۔ اگر دیر لائن پر نہ آتی تو غزالہ کے مکالمات چند لمحوں میں ختم ہو جاتے۔“

”آرک سے مجھے یاد آ رہا ہے کہ اس ایڈز یہاں رافانی آرک کے نام سے آیا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نام کا یہ انتخاب بھی اس سازش کے کسی اہم پہلو سے منسلک ہو۔“ باتیں کرتے کرتے

دیر لانے چو تک کر مجھ سے کہا۔

”آپس میں کچھ طے کرلو تو بہتر رہے گا“ میں نے خشک لہجے میں کہا ”فرعون اور افلاطونی کو پڑی کے خطابات ملنے کے بعد میں نے

اپنی زبان پر قابو رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب میں اپنی مرضی چلانے کے بجائے تم لوگوں کے مشوروں پر عمل کیا کروں گا۔ تمہیں ہاتھی کو مینڈک کہو گے تو میں بے چون و چرا اسے مینڈک تسلیم کر لوں گا۔“

”زیادہ غرے مت دکھاؤ۔ دیر! آٹھیں نکال کے بولی“ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اسے آکسانے کے لیے ایسی باتیں کہہ رہی تھی۔ میرے فرعون کہنے کے بعد ہی اس نے تمہیں ہیرا قرار

دیا ہے۔ مجھے ابھی کے تو میں بھی اول خان سے بات نہیں کروں

آجکی ہے اور ہم ابھی تک نقشوں کے لئے ہاتھ بجا رہے ہیں۔  
آرک والوں سے بھی کہا گیا ہے مگر یہ کام ہمارا ہے۔ ہم ہی کو کرنا  
چاہیے۔ اور کوئی بات؟ اور۔۔۔“  
”تو سرا“ کرے ہاک نے کہا ”اس وقت وائٹ ہاک بھی  
میرے ساتھ موجود ہے۔ اور۔۔۔“  
”اور اینڈ آل!“ بلیک ہاک نے وائٹ ہاک سے بات کیے بغیر  
منٹگو ختم کر دی۔

لے بھر بعد ہی آپریشن پھر بیدار ہو گیا۔ اس بار گیری ہارٹ،  
بلیک ہاک سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اس ساخت  
کے آپریشن اگر وہ سب ہی استعمال کر رہے تھے تو جیت اور گیری کو  
آپریشن کے تاہم کے بارے میں بالکل بے خبر نہیں ہونا چاہیے  
تھا۔ وہ لوگ ایک دوسرے کی باتیں سنتے رہتے تھے۔ اس لیے گیری  
اور جیت کو بہت کچھ معلوم ہونا چاہیے تھا۔ اس آپریشن کی  
جزئیات اور باریکیوں کے بارے میں اس کی لاطینی بھر حال قابل فہم  
ہوئی۔

بلیک ہاک نے فوراً ہی گیری ہارٹ کی کال کا جواب دیا اور  
گیری نے جیت کی واپسی کی خوش خبری سننے کے بعد میری قید  
سے اس کے مقروضہ فرار کی ایک جان دار کمانی پھیر دی۔

گیری ہارٹ نے اپنی پوری کتھا پہلے ہی سانس میں مکمل کر کے  
لائن بلیک ہاک کو ختم کی تو وہ درشت آواز میں بولا۔

”یہ اچھا ہوا کہ جیت کو وہاں سے بچ نکلے کا موقع مل گیا۔  
اب ذہنی اپنا سپیشلہ بن جائے گا۔ جیت منہور ہونے کے بعد یہاں  
اپنی افادیت کھو بیٹھا ہے۔ اسے جلد از جلد وطن واپس بھیج دو تاکہ  
اس کے زخموں کی بہتر دیکھ بھال ہو سکے۔ اس کی کئی ہوئی پنڈلی ورن  
نہ کرائی ہو تو وہ بھی اس کے ساتھ کودتا ہو سکتا ہے کہ جدید ترین  
سرجری کا کوئی کمال اس کی پنڈلی دوبارہ جوڑ سکے۔ وہ تمہارا ہی  
نہیں، سب کا اچھا ساتھی ہے۔ اور۔۔۔“

”اس کی پنڈلی برف خانے میں محفوظ ہے۔ وہ منجمد حالت میں  
ہی امریکا جائے گی۔ آپریشن کی واپسی پر میری طرف سے چیف کا  
شکریہ ادا کر دینا۔ اور اینڈ آل۔“

”اس نے تمہارے سارے منصوبے پر پانی پھیر دیا“ ویرا  
ایک گھر سانس لے کے بولی۔

”ہاں، گیری ہارٹ میری توقع سے زیادہ چالاک ہے۔ میرا  
خیال تھا کہ وہ جیت کی رہائی کی کمانی سنائے گا اور جیت اپنے  
ہیوں کا اعتبار کھو بیٹھے گا۔ گیری ہارٹ نے اس کے فرار کی کمانی کھنڈ  
کر اسے بہت سے شکوک و شبہات سے بچالیا ہے لیکن وہ ایک جگہ  
پھنس جائے گا۔ بلیک ہاک کو خیال نہیں آیا لیکن چیف اس عمارت  
کا پتا ضرور جانتا چاہے گا جہاں سے جیت نے راہ فرار اختیار کی  
ہے۔۔۔“

اور حکمانہ آواز آمد ہوئی۔  
”میں چیف کے پیغام میں سن چکا ہوں کہ ہمارے لیے نقشے  
کتنے اہم ہیں لیکن مجھے ابھی تک اپنے مقصد میں کامیابی حاصل  
نہیں ہو سکی“ کرے ہاک خالص امریکن لب و لہجے میں رپورٹ  
دے رہا تھا ”انٹروٹس کے مکمل نقشے صرف دو دفاتر میں موجود ہیں  
لیکن میں وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکا۔ میری کوششیں  
جاری ہیں۔ اگلے دو تین دن میں کام پورا ہونے کی امید ہے۔  
وائٹ ہاک بھی کوشش کر رہا ہے۔ کل کے لیے ہم نے کام بانٹ لیا  
ہے۔ اور۔۔۔“

”نوٹ میپ کن دفاتر میں موجود ہیں۔ مجھے ان کے نام بتاؤ۔  
اور۔۔۔“ بلیک ہاک دبا ڈا۔

”سول ایوی ایشن کا ڈی جی آفس اور کراچی کا انٹرنیٹک  
کنٹرولر۔ اور۔۔۔“ دوسری طرف سے مرعوب ہوئے بغیر جواب دیا  
گیا۔ شاید وہ اپنے سربراہ کی چیخ بکار سننے کا عادی تھا۔

”اس ملک میں ڈالر پیچیدہ کر ہر کام کرایا جاسکتا ہے۔ نقشے  
کیوں نہیں مل سکتے۔ اور۔۔۔“

”سول ایوی ایشن میں تمام نقشے ڈائریکٹر جنرل کی تحویل میں  
مقتل رہتے ہیں۔ انٹروٹ کے کنٹرول ٹاور میں زیر استعمال

راستوں کا ایک بڑا نقشہ آویزاں ہے جسے وہاں سے ٹکاتا نامکن  
ہے کیونکہ وہ ہال ہر وقت آباد رہتا ہے۔ وہاں بھی موجودہ اور  
متروک راستوں کے نقشے مقتل رہتے ہیں۔ اور۔۔۔“

”ایسی سنگین مشکلات بتا رہے ہو تو اگلے دو تین دن میں تم کیا  
جنگ مار لو گے؟ اور۔۔۔“

”میں نے کوئی دعویٰ نہیں کیا، صرف امید ظاہر کی ہے۔ اب  
ہم نے ان دفاتر میں وقت برباد کرنے کے بجائے کراچی کے راستے  
آپرٹ کرنے والی انٹرنل نٹز پر محنت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ انہیں  
ان کے متعلقہ نقشے دیے جاتے ہیں۔ اس طرح کام ضرور بڑھ  
جائے گا مگر کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔ اور۔۔۔“

”تمہیں یہ ترکیب پہلے کیوں یاد نہیں آئی، اور۔۔۔“ بلیک ہاک  
بددعا کی نظر ہرے پر تلا ہوا تھا۔

”اگر اب بھی یاد نہ آئی ہو تو میں کیا کر سکتا تھا؟ اور۔۔۔“  
مسکین لہجے میں خالص امریکن قسم کا نہ توڑ جواب دیا گیا۔ بلیک  
ہاک سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں بن پڑا اور چند خامیوں تک  
لائن پر سکوت چھایا رہا۔

”متروک راستوں کے نقشوں کا کیا ہے گا؟ اور۔۔۔“ بلیک ہاک  
راہ راست پر آچکا تھا۔

”انٹرنل نٹز سے وہ بھی مل سکتے ہیں۔ کام بڑھ جانے کی وجہ سے  
ذرا اخراجات بڑھیں گے۔ اور۔۔۔“

”اخراجات کی پروا مت کرو۔ آپریشن کے تاہم کی ڈیڈ لائن

”بالکل!“ سلطان شاہ میری بات کاٹ کر بولا ”چیف کے خطہ نگر سے وہ عمارت تہلہ کی کین گاہ ہونی چاہیے۔“

”یہ چیف کا امتحان ہو گا ورنہ چیف بھی جانتا ہے کہ چیف کے خزانے سے واقف ہونے کے بعد میں نے وہ ٹھکانا چھوڑ دیا ہو گا۔ بہر حال یہ خوشی کی بات ہے کہ ان لوگوں نے اپریش استعمال کرنا شروع کر دیا ہے“ میں نے کہا۔

”لیکن اب تک کی گفتگو میں نقشوں کی تکرار کے سوا اور کوئی بات سامنے نہیں آئی“ ویرا بولی۔

”تم اہم ترین بات کو نظر انداز کر رہی ہو۔ شاید تم نے غور نہیں کیا کہ آئرشن کے تائین کے حوالے سے کراچی کے انٹرنٹک کنڈرلر کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انی امال کوئٹہ وغیرہ میں کسی کارروائی کا خطو نہیں ہے۔ یہ لوگ کراچی میں کوئی بڑی واردات کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔“ میں نے کہا۔

”پھر تو کسی طیارے کا اغوا بھی ہو سکتا ہے“ سلطان شاہ بولا۔ ”جی ہاں، مجھے بھی نہیں کہا جاسکتا۔ طیارے کے اغوا کے لیے فضائی راستوں کے نقشے درکار نہیں ہوتے“ میں نے سرکٹ سگا کر کہا۔ ”یہ قیاس آرائیاں عمل از وقت ہیں۔ دیکھنا ہو گا کہ اول خان ہمیں کیا خبر دیتا ہے۔“

میں نے جواب دے کر سلطان شاہ کو تو خاموش کر دیا لیکن اس کی کسی ہوتی بات پر کافی دیر تک سوچتا رہا لیکن کسی جواز کے اغوا کی بات مجھے ہضم نہیں ہو سکی۔

دھیمے دھیمے کافی وقت گزر چکا تھا۔ خزانہ کے اندر کے کھانے کا بندوبست کیا اور ہم میز پر جا بیٹھے۔ ابھی ہم نے کھانا شروع بھی نہیں کیا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے فیما رادی طور پر جگہ چھوڑنی چاہی لیکن ویرا نے مجھے اول خان کی ہدایت یاد دلوا کر وہیں بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا۔

میں بس لمحہ بھر کے لئے ہی وہاں رک سا۔ ویرا نے جونہی اول خان کا نام لیا، میں نے لپک کر دوسرے انسٹرمنٹ کار سیور اٹھالیا۔

”خوش قسمتی سے کے تائین کا سراغ مل گیا ہے لیکن وہ بالکل بے سرو پا ہے“ اول خان سپاٹ آواز میں کہہ رہا تھا ”پھر بھی میں نے ضروری سمجھا کہ ہمیں آگاہ کر دوں۔ تم لوگ میری جوابی کال کا انتظار کر رہے ہو گے۔“

میری لبو ویرا کی نظریں چار ہوئیں۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اس سراغ کے بارے میں دریافت کرنے کی ہدایت کی۔ بعض اوقات بے سرو پا باتیں بھی کار آمد ثابت ہو سکتی ہیں۔

”مطلو قصہ ہی ختم ہو گیا“ ویرا نے اپنے انداز میں بات آگے بڑھائی ”ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے یہ نام اپنی مرضی سے رکھ لیا۔“

ہو۔ اس کا کوئی سرچر نہ ہو۔ ویسے تم نے کیا معلوم کیا ہے؟“ ”آج سے تقریباً چالیس سال پہلے امریکوں کے تعاون سے کراچی کا ایک ترقیاتی ماسٹر پلان تیار کیا گیا تھا۔ اس میں بہت سے مقامات کو مخصوص نام دیے گئے تھے۔ ان ہی میں سے ایک علاقہ کے تائین تھا۔“

میں نے ویرا کو پھر اشارہ کیا لیکن وہ میری بات نہیں سمجھ سکی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار ابھر آئے۔ ”یہ کے تائین شہر کا کون سا علاقہ تھا؟“ قدرے تردد کے بعد وہ میرا مضمون سمجھ ہی گئی۔

”یہ شہر کا ایک ساحلی علاقہ تھا جسے قری قری سے کراچی کا ایک مثالی تفریح گاہ میں تبدیل کیا جانا تھا۔“

”یہ کس طرف واقع تھا؟ میرا مطلب ہے کہ کنٹینن اور کیماڑی کے درمیان تھا؟ اس سے بھی آگے تھا؟“

”میں نے اتنا غور نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ سینڈھٹ کا علاقہ تھا۔ میں نے میو ہیل ریفرنس لائبریری میں اپنے ایک دوست سے یہ معلومات حاصل کی ہیں۔ وہاں اس ماسٹر پلان کی پوری جلد موجود ہے۔ مالی دشواریوں کی وجہ سے اس منصوبے پر عمل نہیں ہو سکا تھا اور اسے سرد خانے کی نذر کر دیا گیا تھا۔“

اس کی زبان سے سینڈھٹ کا ذکر سننے ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میرے ذہن میں ایک جھمکا ہوا اور میں بے تابی سے ویرا کو اشارے کرنے لگا۔

ویرا گھٹ نہ سمجھنے والے انداز میں... بے بسی سے میری طرف دیکھتی رہی۔ میرے دل میں جھپی ہوئی بات اس کے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔ آخر اس نے اوتھہ پیس میں کہا ”اس بارے میں ذہنی کوئی اہم بات یا جھمی چاہ رہا ہے۔ تم اجازت دو تو میں ریسیور اسے دے دوں۔“

”نہیں ویرا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس سے بات نہیں کروں گا“ اول خان کالج سپاٹ ہو گیا ”میں اپنے بیویں کے سامنے حلف اٹھا چکا ہوں کہ اس سے رابطہ ہوتے ہی انہیں باخبر کروں گا۔ میں نے اس سے بات کی تو مجھے جھوٹ بولنا پڑے گا یا وہ مشکلات میں پڑ جائے گا۔ مجھے دونوں صورتیں نامشور ہیں۔“

اول خان کے تائین کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ میرے لیے وہ معاملہ علمین رخ اختیار کر چکا تھا۔ میرے دل و داغ میں ایک طوفان سا رہا تھا۔ میں اضطرابی طور پر اوتھہ پیس میں بول پڑا ”مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ یہ وہی جگہ تو نہیں تھی جہاں آج کل ایسی بجلی گھر واقع ہے۔“

میری بات پوری ہوتے ہی اول خان نے کچھ کے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ میرا سوال سن کر وہ تینوں سانٹے میں آگے

صداقت ہو یا نہ ہو لیکن یہ بات یقینی ہے کہ پاکستان کے جوہری پروگرام میں اس اکلوتے بجلی گھر کو مرکزی اہمیت حاصل ہے اور یہ اسی علاقے میں قائم ہے جسے چالیس برس پہلے امریکیوں نے اپنے مجوزہ ماسٹر پلان میں کے ٹائن کا نام دیا تھا اور اب راس المیڈا کے ٹائن نامی کسی منصوبے پر ہی کام کر رہا ہے۔

”شاید تم یہ کتنا چاہ رہے ہو کہ راس المیڈا کیونپ کے خلاف کسی خطرناک منصوبے پر کام کر رہا ہے؟“ ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

”یہ میری ٹھوس رائے ہے“ میں نے سنجیدگی سے کہا ”مجھے افسوس ہے کہ اول خان نے میری بات کا جواب دے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ ایک اہم ترین معاملے میں یہ اس کی غیر ذمہ داری کا کھلا ثبوت ہے۔ یہ شاید اسی کا یا اس سے بھی بڑے لوگوں کا فرض ہے لیکن اب یہ بوجھ میرے کندھوں پر آزاد ہے۔“

”تم نے ایک طرف سے سلسلہ جوڑ لیا لیکن دوسری طرف سے بالکل بے خبری کے بازار میں ہو“ ویرا نے استہزائیہ لہجے میں کہا ”کے ٹائن“ سینڈز پٹ اور ایٹمی بجلی گھر کے حوالے سے تمہارے مفروضات فرین قیاس معلوم ہوتے ہیں لیکن اس قصے میں آرک کے جزل بھٹکانا اور فضائی راستوں کے نقشوں کی کوئی مچبختی نہیں ہے۔ اگر کے ٹائن کا تعلق تمہارے ایٹمی بجلی گھر سے ہی ہے تو انہیں فضائی نقشوں کی کیا ضرورت ہے؟“

”ہر بات اتنی ہی سہل ہو تو پھر معاملات خود بہ خود سمجھتے چلے جاتے ہیں۔“

ویرا نے تشریح سے میری بات کاٹ دی اور کہا ”ایٹمی بجلی گھر اور فضائی راستوں میں دور دور کا بھی کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ وہاں تو سمندر کی سمت سے بھی کوئی تباہ کن تخریبی کارروائی کی جاسکتی ہے۔ انہیں فضائی راستوں کے نقشوں کی کیا ضرورت پیش آسکتی ہے؟“

”اس وقت میں کسی لمبی بحث میں نہیں الجھنا چاہتا“ میں نے نرمی سے کہا ”لیکن میرا قیاس کتنا ہے کہ وہاں سمندری یا زمینی راستے سے رسائی اتنی آسان نہیں ہو سکتی۔ اس مقام کا انتخاب کرنے والوں نے اس نکتے پر پوری توجہ دی ہوگی کہ وہاں زمین یا سمندر کی راہ سے کوئی تخریبی کارروائی نہ کی جاسکے۔“

”جس زمانے میں وہ بجلی گھر تعمیر کیا گیا تھا، حالات بہت مختلف تھے“ ویرا نے کہا ”کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ آنے والے دنوں میں امریکا کے ساتھ اتنی زیادہ خاصیت ہو جائے گی کہ وہ پاکستان کے ہر اہم قومی منصوبے کا دشمن ہو جائے گا۔ میں بار بار پیرا ڈاٹر پوائنٹ اور اس سے آگے جانے کے لیے وہاں سے گزری ہوں۔ خود تم نے بھی دیکھا ہوگا کہ اس علاقے کی اکلوتی سڑک ایٹمی بجلی گھر کے احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ گزرتی ہے۔ تفریق اور سیاست کے بہانے راس المیڈا یا اس کے آدی

میں نے ریسور کریڈل پر رکھ کر گھست خورہ انداز میں صوفے کی پشت گاہ سے نکل گیا۔

”سینڈز پٹ کے نام پر تمہارے ذہن میں کیونپ کا نام کیسے آیا؟“ ویرا نے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

”میں تو کے ٹائن کو بالکل ہی بے سرو پا کوڑ سمجھ رہا تھا۔۔۔“ سلطان شاہ نے کہا۔

”بات کے ٹائن سے کیونپ تک کیسے پہنچ گئی؟“ غزالہ نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ سلطان شاہ نے اس سے تیسرے انسٹرکشن کا ریسور پھین لیا تھا اس لیے اسے یہ علم نہیں ہو سکا کہ ویرا اور اول خان کی گفتگو میں میری دخل اندازی کا کیا پس منظر تھا لیکن اس نے میری زبان سے سینڈز پٹ کے علاقے میں واقع پاکستان کے اس واحد ایٹمی بجلی گھر کا ذکر سن لیا تھا جو عام طور پر کیونپ یا کراچی نیو کلیئر پاور پروجیکٹ کے نام سے پچانا جاتا ہے۔ میں نے ان تینوں کے استفسارات بہت سکون سے سنے اور

جب وہ اپنے اپنے سوال داغ کر جواب طلب لگا ہوں سے میری طرف دیکھنے لگے تو میں نے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”میں بالکل خالی الذہنی کے عالم میں فون پر ہونے والی باتیں سن رہا تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ راس المیڈا اور اس کے معاونین پاکستان کے لیے بدترین جارحانہ عزائم رکھتے ہیں۔ اول خان نے جون سی کراچی کے ساحلی علاقوں کے ترقیاتی سروے کا ذکر ”چیزا“ میں نے اپنے طور پر پوری ساحل اپنی کا جائزہ لے ڈالا اور کئی بندرے کو اور تک ایٹمی بجلی گھر کے سوا کسی اہم

تخصیب کے وجود کا سراغ نہیں لگا سکا۔ اول خان بتا چکا ہے کہ چالیس سال پہلے امریکیوں کی سربراہی میں کئے جانے والے کراچی کے ترقیاتی سروے میں سینڈز پٹ کے کسی علاقے کو کے ٹائن کا نام دے کر مثالی تفریح گاہ اور ساحل بنی میں تبدیل کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔۔۔ اول خان کے لیے یہ بات غیر اہم تھی لیکن میرے لیے یہی ایک نکتہ سب سے زیادہ اہم تھا۔ وہ ماسٹر پلان اپنی ساری ترقیاتی تجاویز کے ساتھ خنزیر ہو گیا پھر آنے والے سالوں میں کے ٹائپ کے کسی حوالے کے بغیر کم و بیش اسی علاقے میں پاکستان کے پہلے ایٹمی بجلی گھر کی داغ بیل ڈال دی گئی۔۔۔“

”ار۔ خدا!“ ویرا میری بات کاٹ کر پُر خیال لہجے میں بڑبڑائی۔ ”تمہارے کہنے پر مجھے یاد آ رہا ہے کہ ابتدا میں عالمی قوتوں بلکہ امریکا نے اسی ایٹمی بجلی گھر کے بارے میں کافی شور و غوغا بلند کیا تھا کہ وہاں استعمال ہونے والے ایٹمی ایندھن کی سلاخیں چوری چھپے ایٹم بم کی تیاری میں استعمال کی جارہی ہیں۔“

”تمہارا حافظہ قابل رشک ہے“ میں نے کہا ”ایٹمی بجلی گھر کے کمرشل آپریشن کے بعد اس کے ہر فی شٹ ڈاؤن پر پورے زور سے اعتراضات کئے گئے کہ ان بہانوں سے ایٹمی ہتھیاروں کے لیے انفرڈ پوریٹیم حاصل کی جارہی ہے۔ ان الزامات میں کوئی



# روایت پر ایک مستند کتاب

## مشقیں اور مستقبل بینی

مصنف ڈاکٹر ایس حبیب الرحمن

اپنا پیغام دوسروں کے ذہنوں تک پہنچانے اور ان کے دل کمال جاننے کا سائنسی طریقہ

قیمت: 40/- روپے      ڈاک خرچ: 23/- روپے

### کتاب کے چند عنوانات

مستقبل بینی	نفس بینی
انسان	عجیبی کی مشق
غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک	عقبات الشجر
فکر مارہ	ادراکی حقیقت
قوتوں کا سرچشمہ	حیات کی کارفرمایاں
مستقبل بینی	ماہیت افکار
اصل حقیقت	تبادلہ طرز تفکر
بعض چشم دید واقعات	اشتمال افکار
طاقت و احساسات	ادراکی مشقیں
مستقبل بینی کے	حضرت اقبال افکار
مستقبل بینی کے مضمرات	
اجتماعی رویے پہلو	

### کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802551-5895313-5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطہ کیلئے: 63 فیئر II کیسٹیشن ڈی ایچ این روڈ کوٹلی روڈ کراچی

نہی بھی وقت وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ وہاں بظاہر ایسا کوئی انتظام نہیں ہے جو مشیت افراد کو ان اطراف میں منڈلانے سے روک سکے۔

سڑک کے بارے میں دیر کا اعتراف و ذنی تھا۔ اس وقت ہم ایک خاص حوالے سے بات کر رہے تھے لیکن میں نے خود بھی اس علاقے سے گزرتے ہوئے کئی بار سوچا تھا کہ بجلی گھر کی تعمیر کے بعد اس سڑک کا راستہ تبدیل کیا جانا چاہیے تھا لیکن متعلقہ اداروں نے شاید اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

”یہ تمہارا مشاہدہ ہے“ میں نے دیر سے کہا ”میں پورے وقتوں سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے معاشرے میں بے شمار خرابیاں پیدا ہو جانے کے باوجود ابھی تک قوی سلامتی کے بارے میں سرو مری کا مجربانہ رجحان پیدا نہیں ہوا ہے۔ وہاں غریب حفاظتی انتظامات کا نظریہ آنے والا جال بچھا ہوا ہوگا۔ وہاں سے کسی کا بھی معمول کے مطابق گزر جانا واقعی بہت آسان ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہاں منڈلانے والا اس بجلی گھر کے تادیبہ محافظوں کی بے رحمانہ گرفت سے نہیں بچ سکے گا۔ وہ اس بات پر ضرور نگاہ رکھتے ہوں گے کہ کوئی بھی شخص یا گاڑی غیر ضروری طور پر ان اطراف میں موجود نہ رہنے پائے۔ ایک طرف کھلا سمندر اور بقیہ تین اطراف میں دور تک کھلا میدان ہونے کی وجہ سے وہاں کوئی بڑی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ ادھر کا رخ کرنے والے صرف اور صرف اپنی موت کو دعوت دیں گے۔“

دیر کسی خیال کے تحت بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی ”آج ہم اس بجلی گھر کے بارے میں بات کر رہے ہیں تو مجھے یاد آ رہا ہے کہ وہاں ایک دو فقیر پر آنے والی گاڑی کے مسافروں کے سامنے دست سوال دراز کرتے رہتے ہیں۔ مجھے وہ ہمیشہ ہی خبر محسوس ہوئے ہیں جنہیں شاید آنے جانے والوں پر نگاہ رکھنے کے لیے وہاں بٹھایا گیا ہے۔ ان لوگوں کے واپس ٹاورز اور سرچ لائٹس کا نظام واقعی مرعوب کرنے والا ہے لیکن میں تمہارے اس خیال سے متفق نہیں ہوں کہ وہاں کوئی بڑی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ وہاں سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن ایک بات یقینی ہے کہ وہ خود کوش مشن ہوگا۔ کوئی تخریب کاری کر کے وہاں سے زندہ لوٹنا مشکل ہوگا۔“

”اور شاید یہی کیونپ کے حفاظتی حصار کا بنیادی محور ہوگا۔“

سلطان شاہ پول پڑا۔

”ادھ!“ دیر نے اپنی آنکھیں منکا کے اسے گھورا اور استہزائیہ لہجے میں بولی ”نہیت ہے کہ تم سوچ رہے ہو ورنہ میں تو کچھ رہی تھی کہ تمہاری عقل پر چھڑے ہوئے ہیں۔ قیاس آرائی کی ہے تو ذرا یہ بھی بتاتے چلو کہ تمہاری اس خوش گمانی کی کیا وجہ ہے۔ ہمارے معلومات میں بھی کچھ اضافہ ہو سکے۔“

”خود کش مشن پر لکنا آسان نہیں ہوتا“ سلطان شاہ اس کے تشویر کا برا مانے بغیر بولا ”جنگ عظیم میں جاپانی ہوا بازوں کے باراکیری مشن کے بعد ہمیں صرف چونہ کے محاذ پر ان پاکستانی

بھاڑ کے بولتی ہوئی۔ ایسے بولنے سے تو بہتر تھا کہ تم مدد سے اور  
کی حالت میں اپنے کمرے میں بند رہتیں۔ سلطان شاہ نے برا  
منا کے کہا۔

”آپ نے پھر لڑنا شروع کر دیا۔“ غزالہ نے سلطان شاہ  
کا ”حمیس و حیان رکھنا چاہئے کہ ابھی دیر اپوری طرح مصیبت  
نہیں ہوئی ہے۔“

”ہمار سمجھ کر کسی کو مجھ پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں۔“  
اس کی بات کاٹ کر بول پڑی ”میں پوری طرح صحت مند ہوں۔  
دوڑ میں میرا بگڑا ہوا چوہ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے اس کی کوئی  
نہیں ہے۔“

”آپ نے بیرون کے خلاف جہاد شروع کیا تھا۔“ لہ بھر  
توقف کے بعد غزالہ نے مجھے براہ راست مخاطب کر کے چکا  
”وہاں تک سب ٹھیک تھا لیکن اب معاملات بہت آگے بڑھ  
ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا ہے کہ آپ بیرون کے خلاف  
جنگ جیت لینے کے بعد نئی چوکھی جنگ میں الجھ پئے ہیں جس کا  
اختتام نظر نہیں آتا۔“

”یہ سب بیرون کی بے حساب آمدنی ہی کے شاختے ہیں  
میرے بولنے سے پہلے دیرانے جواب دینا شروع کر دیا۔ ”نہی۔“  
ابھی تک صرف شی اور مافیا کو زیر کیا ہے۔ وہ بھی صرف پاکستان  
حد تک۔ دنیا کے دوسرے حصوں میں شی کے ساتھ مافیا والے بھی  
دونوں ہاتھوں سے دولت بٹور رہے ہیں۔ وہی پیسہ ڈیڑھ انڈاز کے  
کام آتا ہے۔ یہ ایک لمبی لڑائی ہے۔ یوں سمجھو کہ کبھی زمین پر  
لڑائی ہوتی ہے تو کبھی فضا میں معرکے ہوتے لگتے ہیں پھر سمندر  
جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ یہ کوئی نئی لڑائی نہیں ہے، ایک ہی لڑائی  
کے مختلف روپ ہیں۔ شاید یہ اردو ہی کا علاوہ ہے کہ مرا ہوا  
بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ پاکستان سے باہر  
جائے والی خلیفہ رقوم کے علاوہ اس وقت بھی پاکستان میں شی کے  
پاس اتنے مالی وسائل موجود ہیں جو تمہارے ملک کے تین سال کے  
بجٹ کے مساوی ہوں گے۔ لیکن کالج کی فٹ پاتھ پر چادر اوڑھ  
بیرون کا زہر ملا دھواں اپنے پیچڑوں میں اتارنے والے بے لگیا  
اور نیم وحشی نظر آنے والے شخص کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ ان  
نے بیرون کی پڑا خرید کر ہولناک عالمی سازشوں میں سرمایہ کاری  
کی ہے۔ بیرون پینے والوں کو مصلد و خرد کا ایک لمحہ میرا آجائے  
اور انہیں علم ہو کہ وہ اپنی لت کے ذریعے کن بھیا تک سازشوں  
کا اہندہ بن رہے ہیں تو ذلت آمیز عزامت سے ان کا سارا رخ  
ہرن ہو جائے۔ یوں سمجھو کہ ان سازشوں کے ایک سرے پر پانی  
سے خوف کھانے والا منہ اور بے مصرف بیرون ہی ہوتا ہے اور  
دوسرے سرے پر جمی لائیز، جم کلارک، صدر امرکا اور راس  
ایڈا جیسی نام نہاد عظیم المرتبت ہستیاں ہوتی ہیں۔ درمیان میں  
کیا کچھ نہ ہوتا ہو گا وہ تم خود سوچ سکتی ہو۔“

جاپانوں کی مثال ملتی ہے جو اپنے جسموں سے بم باندھ کر بھارتی  
ٹینکوں کی بڑھتی ہوئی دیوار کے سامنے اپنی جانوں پر کھیل گئے تھے۔  
وہ جنگی جوش اور دلولے کے زمانے میں وطن پر قربان ہونے کی مٹی  
جتنی مثالیں ہیں۔ زانیہ اس میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔“

”کیوں؟ اس کے زمانے میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟“ دیرا  
نے فوراً ہی سوال دریا دیا۔

”جب تک کوئی کاڑیا بڑا مقصد سامنے نہ ہو ایسی مثالیں جنم  
نہیں لیتیں۔ جاپانی اور پاکستانی اپنے ملک اور قوم کی بھلا کے لیے سر  
دھڑکی بازی لگائے ہوئے تھے اور اسی جذبے سے سرشار ہو کر وہ  
اپنی جانوں پر کھیل گئے۔ اس یا سرد جنگ کے زمانے میں یہ سب  
ہونا ممکنات میں سے ہے۔“

”تمہاری یہ باتیں کسی حد تک قافض قسم ضرور ہیں لیکن ان کا  
کیونپ کے دفاعی حصار سے کیا تعلق ہے؟“

”راس ایڈا ایک متعصب اور کسل پرست یہودی ہے۔ وہ  
اپنی دانست میں ایک کاڑ کے لیے کام کر رہا ہے۔ وہ اپنے مشن کی  
کامیابی کے لیے سب کچھ کر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔“ سلطان  
شاہ کتنے لگا ”لیکن راس ایڈا ہر کام خود نہیں کر سکتا۔ اسے  
کرائے کے آدمیوں پر انحصار کرنا پڑ رہا ہے۔ کرائے کے پیشور  
بھرم اور دہشت گرد صرف پیسہ کمانے کے لیے میدان میں اترتے  
ہیں۔ وہ دلیر، خوں خوار اور مکار ہو سکتے ہیں لیکن ان کے دل اس  
جذبے سے عاری ہوتے ہیں جس نے جاپانی ہوا ہاؤں کو اپنے  
جہازوں سمیت دشمن کے بحری جہازوں پر گرے پر اکسایا یا  
پاکستانیوں کو ٹانگ اگتھے ہوئے ثبت ناک بھارتی ٹینکوں کے سامنے  
لیٹ جانے پر آمادہ کیا تھا۔ کرائے کا آدمی کسی ملک یا قوم کے لیے  
نہیں، صرف اپنی ذات کے لیے کام کرتا ہے۔ کوئی پاکستانی اس  
مذموم کام پر آمادہ نہیں ہو گا۔ راس ایڈا کے آدمی عقل، ہنر اور  
ہشیاروں سے مالا مال لیکن جذبے سے عاری ہیں اس لیے وہ دیدہ و  
دانستہ موت کے منہ میں چلا تک نہیں لگائیں گے۔ کیونپ کے  
منصوبہ ساز اور محافظ اس رنر سے واقف ہیں۔ اس کے زمانے میں  
وہ لوگوں کے لیے غیر ضروری مشکلات پیدا کرنے کے بجائے اپنے  
مورچوں سے گرد و پیش پر عقلانی نظریں رکھتے ہیں۔ حالات بدل  
جائیں تو ان کی حکمت عملی بھی بدل جائے گی۔ شاید تم نے اکثر  
جنگ میں کراچی کے ان ساحلی مقامات کا رخ نہیں کیا اور نہ حمیس  
معلوم ہوتا کہ ان دنوں وہاں کیسی کڑی چھان بین کے بعد آگے  
جانے کی اجازت ملتی تھی۔“

دیرا حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس کی وہ تقریر سنی رہی۔  
سلطان شاہ خاموش ہوا تو وہ عمرنی لیجے میں بولی۔ ”آج تم پہلی بار  
اپنی کسی بات کی معقول وضاحت پیش کرنے میں کامیاب ہوئے  
ہو۔“

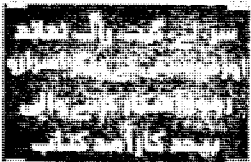
”تم میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ جب بولتی ہو تو قنص

موسیقی کے شائقین کے لئے  
اپنے طرز کی اچھوتی کتاب

# اجزِ موسیقی

سازوں کی ساخت میں گانا ایک شکل فن ہے

اس کتاب کے مطالعے سے آپ کو نہ صرف گانا  
بلکہ ہارمونیم بجانا بھی آ جائے گا اور طبلے  
کے بارے میں بھی واقفیت ہو جائے گی



برصغیر کے نامور گلوکار اس کتاب کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

یہ نئے سیکھنے والوں کے لئے مشکل راہ ہے

مہدی حسن کا تفصیلی تبصرہ  
مع ان کی رنگین تصویر کے  
اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں

یہ کتاب موسیقی کے استاد کا نام لے کر پوری کرتی ہے

قیمت 150 روپے ..... ڈاک خرچ 25 روپے

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون 5802551-5895313

kitabiat1970@yahoo.com

رابطہ کے لئے C-63 III کشمیر ٹی وی ایجنسی کے مندرجہ ذیل روڈ کراچی 75500

جتنا کہ اس کا باپ کون ہے۔ یہ سوال اب اس قدر محبوب بن  
گیا ہے کہ ہر سرکاری دستاویز اور فارم میں سے ولادت کا خانہ ہی  
ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ کسی کو شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔۔۔۔۔  
نئی دور نکل گئی۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتی تھی کہ میرا ایک لنگڑا لولا  
میرا قانونی سا باپ تھا جس نے بہت مشکل سے مجھے اپنی اولاد تسلیم  
کیا تھا۔ وہ میری شناخت تھا۔ میں دلی دل میں اس پر غور کیا کرتی  
تھی مگر امریکا کے صدر نے۔۔۔۔۔ میں کی کتنی رہوں گی کہ امریکا  
کے صدر نے میرے باپ کو اپنے مفادات کے لیے مروا دیا۔ تم خود  
جانا کریں اس کی تہلیل کیوں نہ کروں؟“

”بات بہروئن کے بارے میں ہو رہی تھی۔ تم نے اسے بہت  
دور پہنچا دیا۔“ غزالہ نے اس کے کہا۔  
”بات کہیں بھی پہنچی ہو، ذکر بہروئن ہی کا تھا۔ اس کی رات تھی  
یاد تک پہنچ رہی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔“

”اگر تم یہ ثابت کرنا چاہ رہی ہو کہ ہم آج بھی موت کے ان  
ی سودا گروں کے خلاف صف آرا ہیں جنہوں نے ذہنی کو ابھرا دیا  
ملا راستوں پر ڈالا تھا تو مجھے اس پر اعتراض ہے۔ کردار اس حد  
تک بدل چکے ہیں کہ ایک مدت سے ہم نے بہروئن فردوسی کا وحدا  
کرنے والی کسی بڑی مچھلی پر ہاتھ نہیں ڈالا ہے۔“

”صرف اس لیے کہ اب ہم زیادہ اہم معاملات میں الجھ گئے  
ہیں ورنہ ان سازشوں کی جڑیں پرانی ہی ہیں۔ مصیب حیوانی بدو  
داوا، سردار پانندہ گل اور پهلوان اسی نظام کے کل پرزے ہیں اور  
وہی ہمارے دشمنوں کو قوت فراہم کر رہے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ  
البرٹو ویلیسا، جم کلارک، ایل جونز اور پال ایتھرن جیسے اہم ترین  
دشمن سامنے آتے ہیں تو ہمیں مقامی منشیات فروشوں کو نظر انداز  
کرنا پڑتا ہے۔“ اس وقت دیراپوری سرگرمی سے بحث کرنے کے  
مؤامشہ تھی۔

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی بالکل درست تھا۔ شی نے پاکستان میں  
بہروئن کے کالے دھندے میں مقامی منڈی سے اربوں روپیہ اور  
بیوان ملک اسمگلنگ سے خطیر زر مبادلہ کمایا تھا۔ روپوں کی صورت  
میں ہونے والی آمدنی مقامی اخراجات اور وسائل کو فروغ دینے  
میں استعمال ہوتی تھی۔ پاکستان سے شی کے قدم اکڑ گئے تھے لیکن  
اس کے وہ اثاثے شاید یہیں موجود تھے اور باہر سے آنے والے  
تھقب کاروں کے کام آ رہے تھے۔ آنے والا ہر شخص اخراجات  
سے بے پردا ہو کر صرف اور صرف اپنے مقاصد حاصل کرنے کے  
لیے کوشاں رہتا تھا۔ ان کے لیے سرمائے کی فراہمی میں کوئی دقت  
نہیں تھی۔ وہ جسے چاہتے، من مانگے داموں پر خرید لیتے تھے۔ یہ  
بات بھی اپنی جگہ پر درست تھی کہ اس دوران میں مقامی منڈی میں  
پیدا ہونے والے غلا کو ان لوگوں نے پورا کیا تھا جو کسی زمانے میں  
کی اور باغی کے لیے کام کرتے رہے تھے۔ عالمی عظیموں کی پسپائی  
کے بعد صرف اتنا فرق پڑا تھا کہ منظم کاروبار چھوٹے چھوٹے

غزالہ نے اندازہ لگا لیا کہ ویراکا ذہن صدماتی دھند سے باہر آچکا ہے اور وہ پوری حاضر مدافعی کے ساتھ اپنے ہر موقف کا دفاع کر سکتی ہے اس لیے اُس نے بات بڑھانے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔

”ویسے تمہاری خوشنصیحتیں بجا ہے۔“ چند خانوں کے سکوت کے بعد ویرانے خودی غزالہ سے مخاطب ہو کر کہنا شروع کر دیا۔ ”میرا انداز ہے کہ ڈپٹی نے شی کی گمن بوٹ چ کر ایک ہی سوے میں اتنی رقم ہتھیالی تھی کہ تم لوگ غم روزگار میں بڑے بغیر اپنی پوری زندگی عیش و آرام سے گزار سکتے ہو مگر یہ گارے کاموں نے تمہارا گھر دیکھا ہوا ہے، دشمن مسلسل ڈپٹی کا پیچھا کر رہے ہیں اور شاید ڈپٹی کو بھی اپنے دشمنوں کو چرے لگانے میں لطف آنے لگا ہے کہ مکمل روزہ روز طوالت اقتدار کرتا جا رہا ہے۔ یہ سلسلہ کہاں ختم ہوگا اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“

”ہم باتیں شروع کرتے ہیں تو پھر بہت تیزی سے بھٹکتے چل جاتے ہیں۔“ میں نے دیر اسے مخاطب ہو کر بے زاری سے کہا۔  
”تم خود بھی گفتگو میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہو۔“ دیرا کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرا تبسمو اسے شاق گزرا ہے۔ وہ قدرے غصے سے بولی۔ ”ہم بھک جاتے ہیں تو تم ہمیں راہِ راست پر لاکتے ہو۔“

”میں تمہیں یا کسی کو الزام نہیں دے رہا۔“ میں نے مفاہمانہ لہجے میں کہا۔ ”وقت کے اس ضیاع کی ذمہ داری ہم سب پر ہے۔ میں اس کو تابی سے بری الذمہ نہیں ہوں۔“

”تمہاری دانست میں اس وقت ہمیں کس معاملے پر داغ سوزی کرنی چاہیے تھی؟“ ویرانے برا فروختہ لہجے میں پوچھا۔

[illegible]

”چند روز ٹھہرو۔“ دیرا پورے اعتماد سے بولی۔ ”میرا گناہ ہوا  
چھو درست ہو جائے تو میں خود ہی اس کے گھر پر ڈیرا ڈال دوں گی  
اور اس کی فرض شناسی میں خلل ڈالے بغیر یہاں لے آؤں گی۔“

”تم نے جس طرح اچانک ایسی بجلی گھبراہٹ کر پھیرا تھا۔ ہم سب بھی ششدر رہ گئے تھے۔“ سلطان شاہ نے کہا۔ ”تمہارا وہ الفاظ اول خان کے ذہن پر ہم کی طرح گرے ہوں گے۔ اس پر اپنا فرض نبھانے کے لیے تم نے بات کیے بغیر فون تو بند کر دیا مجھے یقین ہے کہ تمہارے اشارے نے اسے مضطرب کر دیا ہوگا۔“ ایسا اضطراب کس کام کا؟“ میں نے پوچھا۔

اپنی جگہ پریشان ہے۔ ہم سب یہاں سر جوڑے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایسے کام مل جل کر کیے جاتے ہیں۔ ویسے بھی وہ ہماری کی وجہ اپنے گھر پر آرام کر رہا ہے۔ ہم اس سے بہت زیادہ توقعات

باندھ سکتے۔ اس وقت وہ میری بات کی تائید یا تردید کر دیتا تو بہت

اجنبی دور ہو جاتا۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو“ دیرا نظر آمیز لہجے میں یوں صاحب فراش ہو کر گھبر پڑا ہوا ہے تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتا گا۔ میں ذرا سی بھی ہمت ہوئی تو وہ اپنے دفتر سے غیر حاضر نہ ہوتا۔ نے اس جیسے فرض شناس اور مذمے دار سرکاری ملازم کم دیکے ہیں۔“

”یہاں تم غلطی کر رہی ہو“ میں نے اس کی قطع کلائی کہہ ہوئے کہا۔ ”اول خان سرکاری ملازم نہیں ہے۔ تمہیں معلوم کہ اسٹیشن ٹاسک فورس پاکستان کی کوئی سرکاری تنظیم نہیں ہے۔“

”اب تم مجھے یہ پتی نہیں پڑھا سکتے“ وہ اپنی ہنس پڑی جیسے نے کوئی احمقانہ بات کہہ ڈالی ہو۔ ”میں ایس لی ایف کے طریقہ کار اور اثر و سرِ سوخ کی جتنی شاہد ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مجھے کس میں احتیاط کرنا چاہیے کیوں کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں تم مجھے یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کرنا چاہو؟“

”میرا خیال ہے کہ اب تم اول خان کو فون کرو اور اس سے سوال کا جواب حاصل کرو۔“ میں نے اس کی گہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ ”میں اس ایڈیٹر کے رسائی کی کوئی راہ نکالوں۔“

”اس بارے میں گیری ہارٹ بھی کام آسکتا ہے“ غزالہ۔  
تو تک کر کہا۔

دراؤن پر اول خان کے گھر کا نمبر ملانے کی کوشش کرنے لگا۔ اور میں بھی یہی بات کو اپنے سنے جال میں پھانسنے کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔ ان لوگوں سے محاذ آرائی میں وہ پہلا موقع تھا کہ میں اس میں سے کسی کے دل میں اپنے لیے نرم گوشہ پیدا کرنے میں کامیاب ہوا تھا اور اس کا واحد سبب یہ تھا کہ راس الیڈا بیٹھنے کے پُر اسرار روپ میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ بددماغی اور خلیہ جہاد کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

میں نے جیٹ لڑکوں پر تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ اسے  
سوواٹ کی طاقت کے برقی جھٹکے دے دیے تھے مگر پھر کیری ہارٹ سے

بے ہوش کرنے کے سوا کوئی اور اذیت نہیں پہنچائی۔ میں تمہاری شرافت کا قائل ہو گیا ہوں اور اپنے اس وعدے پر قائم ہوں کہ تمہیں زیر کرنے کے بعد کم از کم ایک بار زندہ نکل جانے کا موقع ضرور دوں گا تاکہ تمہارا احسان اتار سکوں۔“

”اسی آرزو میں تمہارا آخری وقت آجائے گا مگر یہ آرزو پوری نہیں ہو سکے گی۔“ میں نے خوشگوار لہجے میں کہا ”مجھے زیر کرنے کی حسرت دلوں میں لے، کئی نام و درخشن منوں مٹی کے نیچے جاسوئے ہیں۔ میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ میں اپنے ایک بدترین دشمن کا دل جیت لینے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔“

”مگر تم نے ایک سنگین وعدہ خلافی کر کے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔“

”یہ تمہارا وہم ہے۔ میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا اسے حرف بہ حرف پورا کیا ہے۔“

”میری تو خرابی ہے کہ تم نے سمجھوتے پر حرف بہ حرف عمل نہیں کیا۔ تم نے کہا تھا کہ تم جیت کو اس کے قید خانے میں چھوڑ کر نکل جاؤ گے۔ وہ بعد میں باہر آجائے گا لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ مجھے بعد میں پتا چلا کہ وہ تمہاری کہیں جگہ کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ وہ ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے۔“

”تو کیا تم وہاں دھاوا بولنے کا ارادہ رکھتے ہو؟“ میں نے چپچپے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”جیت آیا تو اس پر نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔ میں نے اس سے واقعات کیلئے کے بجائے اسے آرام سے بستر پر لٹا دیا اور ڈاکٹر کو فون کرنے کے بعد اپنے بڑے کو اس کی دواہی کی خبر دے ڈالی۔ اسے شہادت سے بچانے کے لیے میں نے بلیک ہاک کو تمہاری قید سے جیت لے کر دہرائے۔ فرار کی فریضی کمائی سٹائی تھی جو چیف تک پہنچادی تھی۔ تو ڈی ڈیر پیلے چیف نے مجھے فون کر کے اس عمارت کے بارے میں جاننے کی خواہش ظاہر کی ہے جہاں سے جیت فرار ہوا ہے۔ جیت لڑنے بلیک ہاک سے میری بات ہونے لگے بعد مگر چیف کا فون آنے سے پہلے مجھے اپنی دواہی کی اصل دوا دینا سنا دی تھی اور مجھے اپنی سنگین غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ میں نے چیف کو یہ کہہ کر عارضی طور پر ٹال دیا ہے کہ ابھی جیت ممکن دواؤں کے زیر اثر مریض نیند سو رہا ہے۔ وہ دوا ہوا گا تو میں اس سے بات کر کے بلیک ہاک کو رپورٹ دے دوں گا مگر میں پریشان ہوں۔ میرا خیال ہے کہ چیف تمہارے ٹھکانے پر خود کوئی کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں نے غلط پتا بتایا تو جیت سے بے گناہ مارے جائیں گے چیف کو شبہ ہو گیا تو ہم دونوں بے موت مارے جائیں گے۔ ہم اس شرمیں ایجنسی ہیں۔ تم کو ہماری مدد کرنی چاہیے۔“

میری توقع کے عین مطابق وہ اپنی مفوضہ کمائی کے جال میں پھنس گیا تھا۔ میں نے خوش دلی سے کہا ”مجھے جزیات میں تبدیلی کا

بلیک ہاک کا فون نمبر حاصل کرنے کے بدلے اسے رہا کر دیا تھا۔ گیری ہارٹ نے بلیک ہاک کا فون نمبر افشا کر کے ایک سنگین غلطی کی تھی اور میں اس غلطی سے فائدہ اٹھا کر اسے آسانی سے بلیک ہاک کر سکتا تھا۔

”اول خان کے مگر کا فون مسلسل مصروف ہے۔“ دیرانے ریسپورڈر شور آواز میں کریڈل پر بیٹھے ہوئے جھٹکا کر کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ اول خان نے ریسپورڈر صحیح طریقے سے دواہی نہ رکھا ہو۔“

میں نے اسے کوئی جواب دیے بغیر اپنے قریب رکھے ہوئے انسٹرمنٹ کا ریسپورڈر اٹھا لیا۔

”کیا تم اسی کا نمبر لہا رہے ہو؟“ دیرانے جیس لہجے میں مجھ سے سوال کیے بغیر نہ رکھا۔

”گیری ہارٹ سے جیت ٹرکی وصولیابی کی رسید لینے کا ارادہ ہے۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔

”میں تم دونوں کی باتیں سنوں گی“ دیرانے میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

اسے روکنا یا سمجھانا بے سود تھا۔ ایسے چھوٹے موٹے معاملات میں وہ اپنی من مانی کرتی رہتی تھی۔ میں نے چوتھے ہندسے پر سی کریڈل دیا کر کہا۔ ”بات سنی ہے تو اپنے ریسپورڈر میں سے ماڈتھ نہیں کا اندرونی آلہ نکال دو۔ وہ بہت گھماں آدی ہے تمہارے سانپوں کی آواز بھی اس کے کانوں تک پہنچ سکتی تو وہ میری طرف سے بدظن ہو جائے گا۔“

”ویسے وہ کون سا تمہارا خیر خواہ ہے جو اب بدظن ہو جائے گا؟“ اس نے ماڈتھ میں والا حصہ کھولتے ہوئے پھر سے کہا۔ ”پتا نہیں تمہیں اپنے دشمنوں سے اچھی توقعات وابستہ کرنے کا مرض کب سے لاحق ہو گیا ہے؟“

میں جواب میں کچھ کے بغیر دیرانے کے فارغ ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ اس نے ماڈتھ میں کا آلہ نکال دینے کے بعد کریڈل دیا تو میں نے دوبارہ گیری ہارٹ کا فون نمبر ملانا شروع کر دیا۔

دوسری طرف گھنٹی بجتے ہی میں نے سہلا کر دیرانے کو اشارہ کیا اور اس نے کریڈل چھوڑ کر ریسپورڈر سے کان سے لگا لیا۔ گھنٹی ختم ہونے سے پہلے ہی دوسری طرف سے گیری ہارٹ کی مختصر سی جیلو سٹائی دی۔

”میرا خیال ہے کہ تمہارا آدی اب تک واپس پہنچ چکا ہو گا۔“ میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

”اوہ ایہ تم ہو؟“ ایک گھرے سانس کے ساتھ گیری ہارٹ کی آواز ابھری ”جیت واپس آچکا ہے۔ تم نے اس کا بہت برا حشر کیا ہے لیکن پھر بھی میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے اسے زندہ چھوڑ دیا۔ میں اپنے باوقار دشمنوں کی بھی بہت عزت کرتا ہوں۔ جیت نے بتایا ہے کہ مجھ سے معاملات طے کر لینے کے بعد تم نے اسے

ہے۔

”یہ تمہارا چھوڑا ہوا شوشہ ہے کہ ہمارے چیف کے روپ میں اس الیڈا ہے۔ شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ یہ حقیقت تمہارے لیے کتنی جیسا کہ ثابت ہو سکتی ہے۔ بے شمار عرب اور فلسطینی اس کے خون کے پیاسے ہیں لیکن انہیں آج تک اس کی شکل و صورت کا علم نہیں ہو سکا۔ وہ ٹھوس عملی دنیا کا آدمی ہوتے ہوئے بھی کسی افسانوی کردار کی طرح ہزار پردوں میں رہتا ہے۔ وہ امریکا میں ہو یا پاکستان میں، اس تک پہنچنا ناممکنات میں سے ہے۔“

”تمہارا خام خیالی ہے۔“ میں نے اس کی باتوں کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا ”چند روز پہلے تک وہ ایلن کے ساتھ اسی کے گھر میں رہ رہا تھا اور ایلن اس کی اصلیت سے واقف تھا۔ میرا اس سے ٹکراؤ ہو چکا ہے۔ اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ دشمنی ہونے کے باوجود بچ نکلا اور نہ تم لوگوں کے باپ۔ ہم کے دھماکے میں اس کے بدن کے چھڑے بھی اڑ سکتے تھے چاہو تو تم اپنے چیف سے میری ان باتوں کی تصدیق کر سکتے ہو۔“

”تم ایسے کارنامے سر انجام دے سکتے ہو مگر میں ایسی کوئی کوشش بھی نہیں کر سکتا۔“ گیری ہارٹ کی آواز واضح طور پر نرم اور دھیمی ہو گئی۔ شاید اسے اپنی کمزوریوں اور نازک پوزیشن کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ”ہم لوگوں کے لیے وہ شجر ممنوعہ ہے میں جو کچھ جانتا تھا، وہ تم کو بتا چکا ہوں۔ جو کام میرے بس ہے باہر ہے، وہ میں کسی بھی صورت میں نہیں کر سکتا۔ تمہاری دھمکیاں بھی مجھے مجبور نہیں کر سکیں گی۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میرے لیے اس الیڈا سے نہیں ٹکرا سکتے لیکن دوسرے کام کر سکتے ہو؟“ میں نے ایک فوری خیال کے تحت گیری ہارٹ سے سوال کیا۔

”جی ہر چھو تو میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کرنا چاہتا۔ تم نے جیت طر کے سلسلے میں مجھے بہت چالاکی کے ساتھ جذباتی ٹکٹے میں جکڑا ہے۔ پہلے اس کی نیم سوختہ پنڈلی مجھ تک پہنچائی پھر تشدد کر کے اس کا شہر خراب کیا اور آخر میں اس سے میری بات کرادی۔ اس کی آواز سننے ہی میری عقل پر ردہ پڑ گیا اور میں تمہارے چال میں پھنس گیا۔“ اس مرتبہ پھر اس کی آواز تلخ ہوتی جاری تھی ”ان جذباتی لحاظ میں میں یہ بھول بیٹھا تھا کہ تم کچے قاتل اور بلیک میلر ہو۔“

”میرے لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم میرے بارے میں کیا سوچتے ہو۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر سختی سے کہا ”تم دونوں میری نظروں میں ہو۔ میں جب چاہوں، تمہیں پکڑ سکتا ہوں۔ تمہیں چارواک کے کٹے میدان میں ڈالا گیا ہے تاکہ میں تمہارے پیچھے لگا رہوں اور اس الیڈا کو آزادی سے اپنا کام کرنے کا موقع مل جائے۔ شاید تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ بڑا سوشل

پورا حق حاصل تھا۔ میں اپنے ایک اہم ٹھکانے سے اتنی آسانی سے دست بردار نہیں ہو سکتا تھا اسی لیے میں نے جیت کو بے ہوش کر کے ہا کر کے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب تم بلیک ہاک کو ڈینس کے ایک نیم آباد علاقے کے کسی زیر تعمیر مکان کا حوالہ دے سکتے ہو۔ جیت کی حالت ابتر تھی اس لیے وہ مکان کا پتا اور محل وقوع ذہن نشین کرنے کے بجائے وہاں سے نکل بھاگنے کے پکر میں تھا۔ تمہارا چیف ڈینس کے وسیع و عریض رہائشی علاقے میں جھک مارتا رہ جائے گا۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ کہانی ہماری جان بچا سکتی ہے۔“ اس کی مسرت آمیز آواز سنائی دی۔

”مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم میرے حریف کے بجائے حلیف بن چکے ہو۔“

”محمود معلوم میں تمہارا یہ قیاس کچھ ایسا غلط بھی نہیں ہے۔“ گیری ہارٹ نے جواب دیا۔

”اس الیڈا نے تمہارے ساتھ بہت درشت اور سفاکانہ رویہ اختیار کیا تھا۔ تم یقیناً اس سے اپنا بدلہ لینے کے بارے میں سوچ رہے ہو گے؟“ میں نے مخاطب دلچسپی میں اسے اسکاٹا چاہا۔ ”بے میرے اور چیف کے باہمی معاملات ہیں۔ تمہیں ان پر رائے دینی کا کوئی حق نہیں ہے۔“ ”یک بہ یک گیری ہارٹ کا لہجہ درشت اور توہین آمیز ہو گیا۔“ اپنی گفتگو کو حد سے آگے مت بڑھاؤ۔“

”یہ کام تو تم خود ہی کر چکے ہو۔“ میں نے اسے یاد دلایا ”تم نے میرے ساتھ مل کر اپنے چیف کے خلاف دو سازشیں کی ہیں پہلے بلیک ہاک کا فون نمبر دے کر جیت طر کی رہائی کا سمجھوٹا کیا اور اب میرے ٹھکانے کے بارے میں ایک مفروضہ کہانی پر مجھ سے مشورہ لیا ہے۔ میری پُر غلوں مدد کے جواب میں تمہیں بھی خیر سگالی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ میں جانتا ہوں کہ اپنے چیف کی اصلیت سے باخبر ہونے کے بعد تم آسانی سے اس کا سراغ لگا سکتے ہو۔“

”یہ ناممکن ہے۔“ گیری ہارٹ کا لہجہ دو ٹوک تھا ”تم مجھے اپنے اشاروں پر نہیں بچا سکتے۔“

”گر بلیک ہاک کو فون کر کے یہ بتایا جائے کہ تم اس کا فون نمبر اس کے دشمنوں میں بانٹنے پھر رہے ہو تو کیسی رہے گی؟“ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کاٹ دار لہجے میں کہا۔

”اوہ!“ ریسپور پر گیری ہارٹ کی غراہٹ سنائی دی ”ب تم مجھے بلیک میل کو ہے؟“

”ایسے گندے الفاظ زبان پر مت لاؤ۔“ میں نے اس کو چڑانے والے انداز میں کہا ”شانست زبان میں اسے بتائے باہمی کہتے ہیں۔ میں نے تمہارے مفادات پر دے کیے، تم میری ضروریات پوری کرو۔ اس طریقے پر عمل کر کے ہم دونوں ہی عافیت میں رہیں گے۔ اس الیڈا میرا محبوب ہے نہ تم کو اس سے محبت

”میرے لیے یہ نام اجنبی ہے۔“ آخر کار سپاٹ لمبے میں اس کا حوصلہ شکن جواب سنائی دیا۔

اس کے انکار پر میں اندر ہی اندر تھملا کر رہ گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اس بارے میں سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ اس کلاسیکی اپریشن واپس لے جانے کے بعد اس ایڈیٹلے بلیک ہاک سے کہیں کے بارے میں کل کر بات کی تھی جو میں نے اپنے کانوں سے سنی تھی۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ گیری ہارٹ نے وہ منگھونہ سنی ہو مگر میری مجبوری یہ تھی کہ میں اپریشن پر سنی ہوئی کسی بات کا والہ نہیں دے سکتا تھا۔

”کیڑی بات مجھے فریب نہیں دے سکتے۔“ میں نے غصے سے کہا۔  
 ”میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کن باتوں سے خراب ہو اور  
 کون سی باتیں تمہارے علم میں نہیں ہیں۔ تم مجھے بلک میل اور  
 ناقص قرار دے چکے ہو مگر میں تم سے مصالحتانہ انداز میں بات کر رہا  
 ہوں۔ تم مجبور کو مجھے بلک میل ہی بنانا پڑے گا۔“

”یہ الفاظ کا ہیر پھیر ہے۔ تمہاری مصالحت میری سمجھ سے باہر ہے۔ تم میری مرضی کے خلاف مجھ پر بدو اذال کر چوکھ اگوانا چاہ رہے ہو، وہ تمہارے مفاد میں تو ہو سکتا ہے، میرے مفاد میں ہرگز نہیں ہو گا اور یہی بلیک میلنگ ہوتی ہے۔ ابھی میں نے تم کو صرف ایک ہاک کا فون خبر دیا تھا اور تم مجھے اسی کی تجویز کی دھمکی دے رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ میں تم سے جتنا کھلوں گا، اسی قدر چھپتا چلا جاؤں گا۔“

”بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست یا رشتے دار نہیں ہیں۔ ہمارے صرف مفادات مشترک ہیں۔“ اس کے دھل انداز ہونے ہی میں نے تیزی سے اس کی بات کاٹ کر اپنی صبح کہتے ہوئے کہا ”یا یوں سمجھ لو کہ ہمارے مفادات ایک دوسرے سے متصادم ہیں اس لیے ہماری ساری باتیں مفادات کے گرد گھومتی رہیں گی۔ یہ تمہاری بد قسمتی ہے کہ اس معاملے میں مجھے تمہارے اوپر بالادستی حاصل ہے۔ تم تعاون نہیں کرو گے تو اس ایڈوائزری اتھنان پنہانے کے لیے مجھے تمہارے لیے بھی مشکلات پیدا کرنی پڑیں گی۔ ٹھوڑی دیر پہلے تم مجھے اپنا شریف دشمن قرار دے کر میرے عصیے کی تعریف کر چکے ہو۔ یوں سمجھو کہ جیٹ ملر کی جان بخشی کا حساب بے باق ہو جائے گا۔ اس کے بعد جیتیں اختصار ہو گا کہ تم مجھے دیکھنے کی کوئی رعایت دے بغیر

ہلاک کر دو۔ میں تم سے کوئی شکوہ نہیں کروں گا۔“  
 ”تم راس الیذا کو بھول کر اچانک کے ناہنیں کے پیچھے کیوں  
 پڑے ہو؟“ گیری ہارٹ کی آواز شکست خوردہ سی ہو گئی ”میں نے  
 جان کاغذات کے بارے میں سنا ہے لیکن وہ میری دست رس سے  
 باہر ہیں۔“

اس اشارے سے ظاہر ہوا تھا کہ وہ اس الیٹا کی کوئی زبانی کلامی سازش نہیں تھی بلکہ وہ کوئی تحریری منصوبہ تھا۔

”مجھے ان کاغذات کی ایک نسل درکار ہے۔“ میں نے اپنے  
 بچے سے کسی قسم کی حریت کا اظہار کیے بغیر ہرے سکون سے مطالبہ  
 کیا۔ ”اس کام کے بعد میں تم پر کسی اور کام کے لیے دباؤ نہیں  
 ڈالوں گا۔“

”مجھے بھلانے کی کوشش مت کرو میں جانتا ہوں کہ تمہارا  
اگلا مطالبہ غلط ہوگا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے کے  
تاہین کا ذکر سنا ہے لیکن مجھے نہیں معلوم کہ وہ کاغذ کہاں ہیں  
میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔“

”ہمیں تم سے کوئی وعدہ نہیں، صرف تعاون کی یقین دہانی چاہتا ہوں۔ کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم نے کے ٹائن کا ذکر کہاں اور کس کی

سیدھے سنیں لیکن اس کا مفہول و معنی سمجھ لیں

اب اس کی شکل دیکھیں

پیر کے آگے اور میر کے پیچھے

صیغہ تسمیم بلگرامی کے نام سے

☆ جو کوئی کے لیے جو ہر دور کی زندگی میں سودا گری کے لیے ہے ☆

حضرت آزاد علیہ السلام

اس کتاب کی دنیا کی شان و شوهر اور جگہ کی عظمت و شان کو  
بہکانے والے نظر رکھنا سہل ہے۔ چاہئے کہ کامیاب رہا کرتے ہیں۔ جو اس کے  
پہلو سے ملے اس سے ہر دور کی عزت و شان کی باتیں دیکھیں اور  
ایسے ہی جو یہ شیطانی فتلوں کی تباہیاں۔ جنہوں نے ہر دور اور  
زمانے میں اللہ کی راہ میں کامیاب رہی کیا اور اپنے ساتھ ساتھ  
سیکھوں کیوں کو اپنی دنیا کی باتیں

پیر کے آگے اور میر کے پیچھے

و اوقات اور ان کی زندگی کے

پیر کے آگے اور میر کے پیچھے

کتاب کی قیمت ۱۰ روپے کی خریدنی اور اگر زراقت کے لئے ایک روپے کی

کتبیات پبلی کیشنز

فون: 5802551-5802552-5895513 فیکس: 5802551

کتابیات 1974-95 vnhor.com

پتہ: ۷۵۵۰۰

حیث ملکی زندگی بچانے کے واسطے واقعی جذباتی دلوں میں برسرِ گیا تھا ورنہ وہ اتنی آسانی سے گرفت میں آنے والوں میں سے نہیں ہے؟  
دورانے لاپروسی کے عالم میں کہا۔ ”وہ کسی بھی قیمت پر کے ہائے کے بارے میں زبان نہیں کھولے گا۔“

”تم دیکھتی جاؤ۔ ابھی میرے پاس اور بھی راستے ہیں“ میں نے پورے اعتماد سے کہا ”بلیک ہاک کا فون نمبر میرے پاس موجود ہے۔ کل سلطان شاہ متعلقہ ٹیلی فون ایجنسی میں جائے گا اور وہاں کے کسی اہل کار کو چند نوٹ دے کر بلیک ہاک کا پتا نکال لائے گا۔ پھر تم دیکھنا۔“

میری بات ٹیلی فون کی کھنٹی بجنے کی وجہ سے ادھوری رہ گئی۔ میں نے خیر ارادی طور پر ہاتھ آگے بڑھایا تھا لیکن مجھ سے پہلے سلطان شاہ نے ریسور اٹھالیا۔ میں نے جھپٹ کر ویرا والے انٹرمنٹ کارسیور اٹھالیا۔

”اچھا ہوا کہ تمہارا فون اٹھا“ سلطان شاہ دوسری طرف کی آواز سن کر چپکا ”دیر کاٹنی دیر تک تمہارا نمبر ملائی رہی لیکن تمہاری لائن مصروف تھی۔“

”اور اب کافی دیر سے تمہارا نمبر انگیج تھا“ اول خان کی شناسا آواز میرے کانوں سے گزرائی ”یہ بتاؤ کہ اس وقت ڈیڑھ گھنٹہ ہے۔“

”میں فلیٹ میں موجود ہے“ سلطان شاہ نے مجھے آنکھ مار کر مارتا تھا میں میں کہا ”اچھا تو میں کچھ بھر میں اسے فون پر بلا سکتا ہوں“ وہ تمہاری طرف سے بدترین غلطی کا شکار ہو چکا ہے۔“

”اسے بلائے کی ضرورت نہیں“ اول خان کی عاجلانہ آواز سنائی دی ”مجھے یقین ہے کہ وہ میری مجبوریوں کو سمجھ رہا ہو گا۔ اس سے کہو کہ وہ گھر پر ہے۔ کچھ اہم افراد آج رات اس سے ملنے کے خواہاں ہیں۔“

میں نے ہاتھ کے اشارے سے سلطان شاہ کو انکار کرنے کی ہدایت کی اور وہ مارتا میں میں کہنے لگا۔ ”میں تمہارا پیغام زہنی تک پہنچا دوں گا مگر یہ رہتا ہے نہ مانتا اس کی مرضی پر منحصر ہو گا۔ آج کل اس پر قنوطیت اور آرا اسی سے حملہ کیا ہوا ہے۔ وہ بات بات پر ہم لوگوں سے لڑتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے پیغام کے رد عمل میں وہ اسی وقت فلیٹ چھوڑ کر شرکی سڑکیں ٹاپنے نکل جائے ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں روک سکے گا۔“

زبان سے سنا تھا؟ ہو سکتا ہے کہ میں اپنے ذرائع سے اس بارے میں کامیابی حاصل کر لوں۔ ایسی صورت میں تمہاری خود بہ خود گھوغلا صلی ہو جائے گی۔“

”یہ مجھے یاد نہیں“ اس نے ایک مرتبہ پھر سفید جھوٹ بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ میں نے واسٹھن میں کے ہائے کے بارے میں کچھ اڈنی اڈنی باتیں سنی تھیں۔ اب میں اپنے ذہن پر زور دینے کے ساتھ حیث مل سے بھی چالو خیال کروں گا۔ مجھے کوئی بات یاد آگئی یا کوئی سرائل کیا تو میں فوراً تمہیں مطلع کر دوں گا۔ تم مجھے اپنا فون نمبر دے دو۔“

اس کی مکاری پر میرا خون کھول اٹھا۔ وہ کے ہائے کے بارے میں انجان بننے کے ساتھ ساتھ نہایت معصومیت سے میرا سراغ حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ شاید وہ اس وقت بھول رہا تھا کہ اس کا قدرِ مقابل اتنا احمق نہیں ہے۔

میں نے بھی تاؤ کھائے بغیر مت سادگی سے کہا ”حیث مل تمہیں بتائے گا کہ میں اپنے فون والے ٹھکانے پر زیادہ وقت نہیں گزارتا۔ حیث نے پوری ایک رات وہاں تمہارے مرکز زاری تھی۔ میں جہاں رہتا ہوں وہاں فون کی سولت نہیں ہے۔ تم مجھے وقت دے دو۔ میں تمہیں دوبارہ فون کر لوں گا۔“

”یہ حافض کی بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ابھی تم سے بات ختم کرتے ہی میرے ذہن میں روشنی کا کوئی گوندا لپکے اور مجھے ہر بات یاد آجائے اور نہ آئے تو کئی دنوں تک یاد نہ آئے۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ کے ہائے کے بارے میں میرا ذہن تازہ ہو گیا تو میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔“

”تمہاری باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم ہیر پھیر کرنے کے چکر میں ہو مگر میں تمہیں سوچنے کا ایک موقع دینا چاہتا ہوں۔ تم ابھی طرح سوچ لو، ہو سکتا ہے کہ کسی وقت تمہارے چنپ یا بلیک ہاک نے اس بارے میں کوئی بات کی ہو۔ میں کل کسی وقت تم کو دوبارہ فون کروں گا۔“

میں اسے خوف اور بے یقینی کی کیفیت میں جلا کر اچھا رہا تھا اس لیے میں نے اس کا جواب سننے کی زحمت کیے بغیر اچھا ک فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ ویرا نے بھی ریسور کرڈیل پر رکھ دیا۔ ”کیری ہارٹ نے اپنی ساری عمر گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے وہ

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات پندرہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو جولائی 2005ء میں شائع ہوگا

